تاریخ
اوچ متبرکہ
علامہ مفتی محمد سراج احمد سعیدی قادری رضوی

شاہان زمن، سلطان امن اور باغ روحانیت کے چمن، اولیاء ذوالمنن کا حسین گلدستہ اور خوبصورت تذکرہ۔ تاریخ اوچ متبرکہ۔

تاریخ اوچ متبرکہ

علامہ مفتی محمد سراج احمد سعیدی قادری رضوی

0301-7793990

0305-6923185

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور کراچی پاکستان
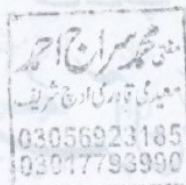
نام کتاب	تاریخ اوچ متبرکہ
مصنف	علامہ مولانا سراج احمد خان سعیدی القادری
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تصحیح وکمپوزنگ	محمد احمد رضا خان
تاریخ اشاعت	جولائی 2017ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	TK24

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔فون:۔37221953 فیکس:۔042-37238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:37247350۔فیکس042-37225085

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔021-32212011-32630411۔فیکس:۔021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

ساتواں باب

آٹھواں باب

دسواں باب

گیارھواں باب

تیرھواں باب

چودھواں باب

اوچ دی شان

اوچ اوچا ہے وہم و گمان کائے نہیں اینڈا منکر کوئی انسان کائے نہیں
بہوں غازی فیض جو پا ویندن من تھوڑا نام ونشان کائے نہیں

سید جلال دی پکھی
نہ گھن لگی نہ مکھی
کالا کبرا کیڑا بتری دند چڑے
برکت مخدوم جہانیاں دی ہنڑوں وچہ ونج مرے

چنن دا پنگھوڑا گھڑیا ہیرے موتی، لعلیں جڑیا

جھوٹے پیر حضرت پیر
لوری ڈیوان آئیاں
پیر ساڈا سوہنڑا
یارھی والا بہوں سونہڑاں
محبوب سبحانی بہوں سونہڑاں
اوچ یارو اوچ
اوچ دا مدینے وچ سوچ
جیڑھا اوچ کوں نہ منے
او لوفر اے یا لوچ

عرض حال

بے شمار حمد وثنا اللہ تعالیٰ کے لیے اور لا تعداد درود وسلام مصطفیٰ کریم ﷺ کے لئے !
اما بعد یہ ایک حقیقت ہے کہ اوچ متبرکہ قدیم اور پرانا شہر ہے ممکن ہے کہ اس کی قدامت حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام سے بھی پہلے ہو بلکہ بعض مؤرخین نے اسے حضرت سکندر ذوالقرنین کے دور کا شہر قرار دیا ہے۔ بایں وجہ اس میں بہت ساری اسلامی اور غیر اسلامی تہذیبیں مدفون ہیں اور کئی ایک آثار آج بھی اس کی گواہی دے رہے ہیں زمانے کا حمل اور نشیب وفراز بہت ساری حقیقتوں کو اپنی حیثیت پر نہیں رہنے دیتا نیز ہر کہ آمد عمارت نو ساخت کا عمل بھی اپنا رنگ دکھاتا ہے ان سب سے بڑھ کر نیرنگی تقدیر اپنا اثر دکھاتی ہے بستیوں، شہروں اور ملکوں کے نقشے بدل کر رکھ دیتی ہے۔ اوچ متبرکہ بھی ہمیشہ حالات کے تھپیڑوں کی گردش میں مرتا رہا اور جیتا رہا اور اپنی ہستی کے سانس لیتا رہا۔ اسے شاید اس لئے باقی رکھا گیا کہ اس میں اسلام کا پرچم لہرانا تھا، عدل وانصاف کا بول بالا ہونا تھا اور ربّ کائنات نے اسے اپنے محبوب نبی حضرت محمد ﷺ کی آل پاک کا مسکن ومدفن بنانا تھا، حضرت محمد بن قاسم رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہاں صحابہ کرام بغرض جہاد تشریف لائے، تابعین آئے، تبع تابعین آئے، صالحین آئے، کاملین آئے، محدثین آئے، مفسرین آئے، علماء آئے، فضلاء آئے، فقہا آئے، سلاطین زمن آئے اور شاہان امن آئے۔ علاوہ ازیں کتنے بزرگوں کو اس شہر میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت خوابوں میں ہوئی ہوگی اور سرکار مخدوم جہانیاں جہانگشت جیسے ولیوں کو بیداری میں زیارت رسول اللہ کا شرف حاصل ہوا ہوگا، پھر ایسے بابرکت خطے اور اس کے ساکنین پر قلم اٹھانا سورج کے سامنے دیا جلانے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے؟ سرکار مخدوم جہانیاں لجپال اپنے قلم فیض رقم سے اس کو اوچ متبرکہ قرار دیتے ہیں پھر ان کے تتبع میں اولیاء اللہ بھی اسے اوچ متبرکہ ہی کہتے ہیں کیوں نہ کہیں کہ!

چپہ چپہ پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہہ خاک
دفن ہو گا نہ کہیں ایسا خزانہ ہر گز

مجھے میرے ایک دیرینہ کرم فرما محترم نعیم احمد ناز ولد رسول بخش صوبیدار مرحوم (جو اپنے والد کی طرح صحافت کے پیشے سے منسلک ہیں) انہوں نے بتایا کہ اس وقت اوچشریف کی آبادی 20-25 ہزار کے لگ بھگ ہے اور 13-14 محلے ہیں، ان میں سے اکثر محلوں میں مجھے اولیاء اللہ کی مزاروں کا ایک لامتناہی سلسلہ نظر آیا، جبکہ وہ مزارات اس کے علاوہ ہیں جو لوگوں کی حویلیوں میں یا گھروں کے اندر ہیں یا جو زمانے کی دست وبرد سے پیوند خاک ہو چکے ہیں۔ بہر نوع مجھے یہ دیکھ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ!

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

بندہ ناچیز میں ہمت نہ تھی کہ اوچ متبرکہ پر خامہ فرسائی کرتا لیکن اس کے پہلے محرک میرے رفیق سفر شاعر اہلسنت جناب صوفی عبدالحکیم غازی سعیدی ہیں جو بار بار مجھے اس کام کیلئے تیار کرتے رہے اور حوصلہ دلانے کے ساتھ ساتھ اپنی بساط کے مطابق کتب واوراق کی فراہمی بھی کرتے رہے اور میرے اسلامی بھائیوں میں سے مولانا تنویر احمد عطاری اور عزیزم شمیم احمد صاحب شجرہ نویس اور خلیفہ دربار اقدس حضرت مخدوم شیر شاہ سید جلال علیہ الرحمہ نے بھی اپنے تعاون سے نوازا۔ میں ان احباب کے ساتھ ان عزیزوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے بزرگوں کے حالات لکھ کر عنایت فرمائے اور یہ بھی عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ بندہ ناچیز کی یہ ابتدائی کاوش ہے۔ ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ اوچ متبرکہ کا مکمل تانا بانا بن کر آپ کے سامنے رکھ دیا ہے، بلکہ جو کچھ لکھا گیا ہے یہ عشرِ عشیر بھی نہیں ابھی اوچشریف کی دھرتی اور اس میں آرام فرمانے والے بزرگوں، عالموں، دانشوروں اور ادیبوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور کھوج لگانے سے بے شمار ہیرے وجواہر مکنونہ کو منظر عام پر لایا جا سکتا ہے، بندہ ناچیز نے حقیقت ثابتہ کو پیش کرنے کی

سعی کی ہے اور دل آزار بات سے امکانی طور پر اجتناب کیا ہے۔ اہل علم حضرات کہیں کوئی فروگزاشت پائیں تو اصلاح سے سرفراز فرمائیں۔ تاریخ لکھنے و پڑھنے کا مقصد داستان گوئی نہیں ہوتا۔ تاریخ کا مقصد انسانی تجربوں سے فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے اور عبرتوں کے سانچے میں ڈھلنا ہوتا ہے راقم کی اس بارہ سالہ سعی کا مقصد بھی یہی ہے۔ راقم نے اوچ متبرکہ کے لیے بہت ساری کتابیں کھنگالیں۔ جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان کے حوالے درج کر دیئے ہیں اور اس کا نام ''تاریخ اوچ متبرکہ اوچشریف'' تجویز کیا ہے اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو آل رسول ﷺ کا صدقہ قبول فرما کر ہم سب کی مغفرت کا سبب بنائے۔ آمین

تاریخ اوچ متبرکہ کی کمپوزنگ میرے بڑے فرزند ارجمند مولانا محمد احمد رضا خان نے کی ہے اور اس کی پروف ریڈنگ کے لیے میرے بیٹے مولانا محمد حامد سراج قادری اور چھوٹے بیٹے محمد ساجد سراج عطاری مولانا ریاض احمد سعیدی اور میرے بھائی ماسٹر مشتاق احمد سعیدی سلمہم اللہ تعالیٰ نے بھی تعاون کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر سے سرفراز فرمائے۔

آمین ثم آمین

خیر اندیش

خادم الفقراء محمد سراج احمد سعیدی قادری غفرلہ

(اوچ شریف، بہاولپور)

مقدمہ

اللہ تعالیٰ کی بے حد حمد وثناء اول سے لے کر آخر تک کہ اس نے اٹھارہ ہزار عالم بنا کر اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا اور سب سے پہلے اپنے محبوب اور کائنات کے مقصود ومطلوب اور ہمارے مرغوب امام الانبیاء والمرسلین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین حضرت احمد مجتبیٰ سرکار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو تخلیق فرمایا اور انہیں اپنے درودوں سے سرفراز فرمایا۔ اس سعادت میں فرشتوں کو شامل فرما کر ایمان والوں کو بھی محبوب کی ذات ستودہ صفات پر درود وسلام پڑھنے کا حکم عطا فرمایا۔ اس امر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور اقدس سے بنایا ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَنَا مِنْ نُوْرِ اللهِ وَالْخَلْقُ کُلُّهُمْ مِنْ نُوْرِیْ (1)

میں اللہ پاک کے نور سے ہوں اور ساری مخلوق میرے نور سے ہے۔ یعنی مبدأ کائنات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات ہے اس لئے آپ کے بارے میں ارشاد ربانی وفرمان سبحانی ہے کہ ہم نے آپ کو سارے جہانوں پر رحمت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ یعنی جس طرح ماں اپنی اولاد کی اصل ہو کر اس کے ساتھ رحمت سے پیش آتی ہے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصل کائنات ہو کر سب سے بڑھ کر کائنات پر رحمت فرماتے ہیں۔ نیز اس کائنات کا مقصود بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ستودہ صفات ہے، چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک، صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض گذار ہوئے: آپ کا رب فرماتا ہے اگر میں نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا ہے تو آپ کو اپنا محبوب بنایا ہے اور میں نے اپنے نزدیک کسی مخلوق کو آپ سے زیادہ عزت والا نہیں بنایا اور میں نے دنیا والوں کو اس لئے بنایا ہے کہ انہیں تمہاری اُس عزت وبزرگی اور قدر ومنزلت سے آگاہ کروں جو میرے نزدیک ہے اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔(2)

یعنی اللہ تعالیٰ کائنات کو بنانے والا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کو بسانے والے ہیں، اس کی ایک نظیر علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کے ان اشعار میں نظر آتی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

تماشہ تو دیکھو کہ دوزخ کی آتش
لگائے خدا اور بجھائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تعجب کی جا ہے کہ فردوس اعلیٰ
بنائے خدا اور بسائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے اس پر کیا خوب منظر کشی فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں۔

حامد ومحمود، ممدوح خدا احمد مرسل، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
زینت تاج رسالت ہے وہ ذاتِ رونقِ تختِ نبوت ہے وہ
ذات ہے وہ آئینہ جمال ذوالجلال محرم خلوت سرائے لایزال
بے وسیلوں کا وسیلہ ہے وہی بلکہ ساروں کا وسیلہ ہے وہی
راحت و روحِ روانِ کائنات زندگانی پرور جان حیات
باعثِ ایجادِ عالم ہے وہی موجب بنیادِ آدم ہے وہی
گرنہ ہوتا پیدا وہ شاہِ نکو یہ نہ ہوتا وہ نہ ہوتا میں نہ تُو
ہے وہ سرمایہ وجودِ کائنات دونوں عالم سے ہے مقصود اس کی ذات
ہے وہ بیشک میوۂ نخلِ وجود اول وآخر وہی ہے اصل وجود
ہے یہ سب اس کے لئے اے نیک بخت واسطے پھل کے ہی بوتے ہیں درخت
گرہوا آخر میں وہ شاہِ جلیل پر ہے ظاہر اس کے سبقت کی دلیل
گر ہے پیچھے انبیا کے ظاہرا پر حقیقت میں ہے سب کا پیشوا
اگرچہ آخر ہے ثمر اول شجر کب شجر ہوتا نہ ہوتا گر ثمر
جب ثمر سے یہ شجر ظاہر ہوا پس ثمر ہی اول آخر ہوا

کیا کمال میوہ میں نقصان ہے جو وہ اول سابق بستان ہے
میوہ کو سبقت ہوئی جب باغ پر ہے وہ اول وہی آخر سر بسر
بس سمجھ لے اس سے تو اے زینوں رمز نحن الآخرون السابقون
ہے وہ شاہِ جہاں سب اس کے خیل ہے وہی مقصودِ کل، باقی طفیل
پڑھ تو امدادؔ اُس پہ صلوٰۃ وسلام آل اور اصحاب پر اُس کی تمام(3)

امام احمد رضا خان فرماتے ہیں۔

شکل بشر میں نورِ الٰہی اگر نہ ہو
کیا قدر اس خمیرۂ ماء و مدر کی ہے
نورِ الٰہ کیا ہے؟ محبت حبیب کی
جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک وخر کی ہے
بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے؟
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے
مقصود یہ ہیں آدم و نوح و خلیل سے
تخمِ کرم میں ساری کرامت ثمر کی ہے
ان کی نبوّت ان کی ابوّت ہے سب کو عام
اُمّ البشر عروس انہیں کے پسر کی ہے
ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میرے نخل
اس گل کی یاد میں صدا بو البشر کی ہے

اس آئینہ حقیقت نما کو پیش کرنے کے بعد ایک اور اہم بات پر گفتگو بہت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو کیوں بنایا تھا؟ اس کا جواب آگے ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی مخلوق

زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو چیز پیدا فرمائی تھی وہ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور تھا اس مسئلہ کی تفصیل ہماری کتاب لاجواب ''محمد اول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں موجود ہے جو چاہے اس کا مطالعہ کرے۔لیکن یہاں یہ بات اذہان میں کھٹکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے محبوب کے نور کو کیوں بنایا ہے؟اس کی بہت ساری وجوہات ہیں، ان میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے انوار کو برداشت کرنے کی طاقت نہ تھی اور مخلوق براہِ راست ذاتِ باری تعالیٰ سے فیوض وبرکات اور انعامات وکرامات حاصل کرنے سے قاصر تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے مابین ایک واسطہ ایسا بنا دیا کہ جس کا تعلق خدا سے بھی ہو اور اس کی مخلوق سے بھی ہو وہ برزخ اور پردے کا کام دے، یعنی اللہ تعالیٰ سے لے اور اس کی مخلوق میں بانٹ دے۔چنانچہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَخَازِنٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ (4)

اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کا میں ہی قاسم اور خازن ہوں اور اللہ تعالیٰ (مجھے ہی) عطا کرتا ہے۔انما کلمۂ حصر ہے جس کا فائدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی تقسیم کرنے والا اور خزانچی نہیں یعطی کا مفعول محذوف ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو دیتا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو تقسیم فرماتے ہیں۔زبدۃ الصالحین، عمدۃ الکاملین، عارف باللہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حق سبحانہ وتعالیٰ انتہائی پاکیزگی اور بے حد بلندی پر ہے لہٰذا وہ مناسبت جو فیض حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے وہ طالب اور مطلوب کے درمیان مسلوب وبند ہے، اس کے لئے راستہ جاننے والے پیر ومرشد کے بغیر چارہ نہیں جو دونوں کے درمیان بمنزلۂ برزخ اور واسطہ کے ہو اور دونوں جانب سے حظِ وافر یعنی بہت زیادہ حصہ رکھتا ہو تا کہ وہ طالب کو مطلوب تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکے۔(5)

مقامِ غور ہے کہ جب مرید بغیر مرشدِ ارشد کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے فیض حاصل کرنے کی سکت نہیں رکھتا تو پھر اٹھارہ ہزار عالم بغیر برزخ کے انوارِ الٰہی کو کیسے برداشت کرتے؟ بعض عرفاء نے فرمایا ہے کہ اگر حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک بطور برزخ درمیان میں نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے انوار کی چمک سے جہان جل جاتے اور خاکستر ہو جاتے، شیخ الاسلام والمسلمین، امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان نے کیا خوب فرمایا ہے۔

معدنِ اسرارِ علام الغیوب
برزخِ بحرین امکان و وجوب
بادشاہِ عرشیاں و فرشیاں
جلوہ گاہِ آفتاب کن فکاں (6)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علامُ الغیوب کے رازوں کا خزانہ ہیں امکان (مخلوق) اور وجوب (باری تعالیٰ) کے سمندروں میں پردہ ہیں عرشیوں (عالم بالا کی مخلوق) اور فرشیوں کے بادشاہ ہیں، آفتابِ کن فکاں کی جلوہ گاہ ہیں۔ دوسرے مقام پر ہے۔

حق یہ کہ ہیں عبد الٰہ اور عالمِ امکان کے شاہ
برزخ ہیں وہ سِرِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

یعنی حق یہی ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور ساری کائنات کے بادشاہ ہیں، خالق ومخلوق کے درمیان برزخ یعنی واسطہ اور وسیلہ ہیں، ادھر اللہ سے واصل اُدھر مخلوق میں شامل یعنی اُدھر خدا سے لیتے ہیں اِدھر خدائی میں دیتے ہیں، آپ نہ خدا ہیں اور نہ ہی خدا سے جدا ہیں۔ تو کیا ہیں؟ خدا کے بھی مصطفیٰ ہیں اور مخلوق کے بھی مصطفیٰ ہیں اور ساری مخلوق سے ممتاز وجدا ہیں بلکہ تمام مخلوق کے لیے حاکم ومطاع ہیں۔

تم ذات خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو
اللہ کو معلوم ہے کیا جانیے کیا ہو

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل

کمال اس برزخ کبرئ میں ہے حرف مشدد کا

یعنی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی ''محمد'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے، اس میں جو شد ہے اس کا کمال یہ ہے کہ شد کے تین دندانے ہیں پہلا دندانہ ذاتِ باری سے تعلق رکھتا ہے دوسرا سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق رکھتا ہے اور تیسرا دندانہ مخلوق سے تعلق رکھتا ہے اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے، حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس سے لیتے ہیں اور مخلوق میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم

رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں

ٹھنڈا ٹھنڈا میٹھا میٹھا

پیتے ہم ہیں پلاتے یہ ہیں

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ

ساری کثرت پاتے یہ ہیں

قصرِ دنیٰ تک کس کی رسائی

جاتے یہ ہیں آتے یہ ہیں

اس راز کی وضاحت کے بعد اللہ تعالیٰ کی ہستی پر چند دلائل ملاحظہ ہوں۔

اللہ (جل جلالہ) ہے

ایک دہریئے کی گفتگو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے دھریہ کہتا ہے خدا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: کبھی سمندری طوفان سے تیرا واسطہ پڑا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! ایک بار جہاز سمندری طوفان میں پھنس گیا تھا اور غرق ہو گیا سوار ڈوب گئے مگر میں بچ گیا۔ آپ نے فرمایا: وہ کیسے؟ بولا: جہاز کا تختہ مجھے مل گیا میں اس پر سوار ہو کر ساحل کے قریب پہنچ گیا مگر وہ تختہ بھی چھوٹ گیا اور میں ہاتھ پاؤں مار کر ساحل پر پہنچ ہی گیا۔ امام پاک نے فرمایا: سنو جب تم جہاز پر سوار تھے تو تمہیں اعتماد تھا کہ جہاز ہمیں پار لگائے گا، جب وہ

ڈوب گیا تو تختے پر اعتماد ہو گیا کہ وہ پار لگائے گا، جب وہ چھوٹ گیا تو تمہارا یہ سہارا بھی ٹوٹ گیا، اب اس بیچارگی کے عالم میں تمہیں یہ امید تھی کہ اگر مجھے کوئی بچانا چاہے تو میں بچ سکتا ہوں؟ وہ بولا: ہاں! آپ نے استفسار فرمایا: پھر اس بچانے والے نے تمہیں سمندر میں ڈوبنے سے بچالیا؟ وہ بولا: ہاں! آپ نے فرمایا: بتاؤ وہ کون تھا؟ دہریہ خاموش ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: جس ہستی پر تمہاری امید تھی کہ وہ تجھے سمندر میں ڈوبنے سے بچا سکتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے یہ سن کر دہریے کی آنکھیں کھل گئیں وہ مسلمان ہو کر آپ کا غلام بن گیا۔ (7)

2۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ایک منکرِ خدا کے ساتھ مناظرہ طے ہوا، مناظرے کا موضوع تھا۔ ''اللہ ہے یا نہیں'' وقتِ مقررہ پر دہریہ میدانِ مناظرہ میں پہنچ گیا مگر امام صاحب تاخیر سے تشریف لائے، دہریے نے پوچھا: دیر کیوں لگائی؟ امام صاحب نے فرمایا: جنگل میں سفر کرتا ہوا دریا کے کنارے پر پہنچا، وہاں ایک درخت دیکھا جو خود بخود کٹ کر زمین پر گر پڑا، خود بخود اس کے تختے بن گئے خود بخود کشتی تیار ہو گئی کشتی خود بخود دریا میں اتری لوگوں کو اٹھا کر خود بخود چل پڑی اور ان سے کرایہ وصول کرنے لگی، مجھے اس لئے آنے میں تاخیر ہو گئی۔ دہریے نے یہ سن کر قہقہہ لگایا اور کہنے لگا مسلمانو! تم نے اپنے مناظر کا جھوٹ سن لیا ہے؟ تعجب ہے کیا یہ کام خود بخود بھی ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ امام صاحب نے یہ سنتے ہی فرمایا: یہ کام تو کچھ بھی نہیں تمہارے نزدیک اس سے بھی بڑے بڑے کام خود بخود ہو گئے، یہ زمین و آسمان، یہ سورج چاند تارے، یہ پہاڑ اور باغات، یہ چوپائے اور انسان اور یہ کائنات بغیر بنانے والے کے کیسے بن گئے؟ اگر ایک کشتی خود بخود نہیں بن سکتی، دریا میں نہیں چل سکتی، کرایہ وصول نہیں کر سکتی یہ جھوٹ ہے تو پھر یہ بھی بہت بڑا جھوٹ ہے کہ ساری کائنات کو بنانے والا کوئی نہیں (لہٰذا تم لوگ تو بہت بڑے جھوٹ میں مبتلا ہو) یہ استدلال سن کر دہریہ دم بخود ہو گیا اور اپنے مذہب سے توبہ کر کے مسلمان ہو گیا۔ (8)

اللہ ایک ہے

ایک بڑھیا سے پوچھا گیا: اللہ ہے؟ اس نے جواب دیا "ہاں" پوچھا گیا اس کے ہونے کی دلیل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میرا چرخہ اس کی دلیل ہے۔ پوچھا گیا وہ کیسے؟ جواب دیا: میں جب اسے چلاتی ہوں تو یہ چلتا رہتا ہے جب چھوڑ دوں تو رک جاتا ہے۔ یعنی بغیر چلائے نہیں چلتا، تو زمین و آسمان کا چرخہ، چلانے والے کے بغیر کیسے چل رہا ہے؟ جو کائنات کے چرخے کو چلا رہا ہے وہ اللہ ہے۔ پھر پوچھا گیا: دنیا کا نظام چلانے والا ایک ہے یا کئی ہیں؟ بڑھیا نے جواب دیا: ایک ہے۔ پوچھا گیا: دلیل؟ اس نے کہا: اس کی دلیل بھی میرا چرخہ ہے، پوچھا گیا: وہ کیسے؟ کہا: میں اس چرخے کو اپنی مرضی سے ایک طرف چلاتی ہوں اگر کوئی دوسری چلانے والی ہوتی تو وہ دوسری طرف چلاتی تو چرخہ ٹوٹ جاتا اگر میری مرضی سے میری طرف چلاتی تو دونوں کے چلانے سے رفتار تیز ہو جاتی تب بھی چرخہ ٹوٹ جاتا اگر وہ میری مرضی سے میری رفتار کے مطابق چلاتی تب وہ میرے تابع ہو جاتی تو وہ خدا نہ رہتی۔ لہٰذا کائنات کے چرخے کو چلانے والی ایک ذات ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (الانبیاء:۲۲)(9)

ترجمہ:۔اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو ضرور وہ دونوں تباہ ہو جاتے، اللہ پاک ہے، عرش کا مالک ان سب (بیہودہ باتوں سے) جو مشرک بیان کرتے ہیں۔(البیان) اللہ تعالیٰ کا کوئی ساجھی و شریک نہیں، وہ اکیلا ہے اور ذات وصفات میں شریک سے پاک ہے۔ کیونکہ اگر خدا سے وہ خدا مراد لئے جائیں جن کی خدائی کے بت پرست قائل ہیں تو فسادِ عالم کا لزوم ظاہر ہے کیونکہ وہ جمادات ہیں تدبیر عالم پر اصلاً قدرت نہیں رکھتے اور اگر تعیم کی جائے تو بھی لزومِ فساد یقینی ہے کیونکہ اگر دو خدا فرض کئے جائیں تو دو حال سے خالی نہیں یا وہ دونوں متفق ہوں گے یا مختلف، اگر شے واحد پر متفق ہوئے تو

لازم آئے گا کہ ایک چیز دونوں کی قدرت میں ہو اور دونوں کی قدرت سے واقع بھی ہو اور یہ محال ہے۔ اور اگر مختلف ہوئے تو ایک شے کے متعلق دونوں کے ارادے یا معاً واقع ہوں گے اور ایک ہی وقت میں وہ موجود اور معدوم دونوں ہو جائیں گے یا دونوں کے ارادے واقع نہ ہوں اور شے نہ موجود ہو نہ معدوم یا ایک کا ارادہ واقع ہو، دوسرے کا واقع نہ ہو یہ تمام صورتیں محال ہیں تو ثابت ہوا کہ فساد ہر تقدیر پر لازم ہے۔ توحید کی یہ نہایت قوی برہان و دلیل ہے اور اس کی تقریریں بہت ربط کے ساتھ آئمہ کلام کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ (10)

اللہ تعالیٰ کا انکار کیوں؟

دہری نے کہا:

(1) جب خدا نظر نہیں آتا تو ہم اسے کیسے مان لیں؟

(2) شیطان آگ سے بنا ہے اسے دوزخ میں ڈالنے سے کیا ہوگا؟

(3) جب ہر کام اللہ کی تقدیر سے ہوتا ہے تو انسان کو اس کا ذمہ دار کیوں ٹھہرایا جاتا ہے؟

اس دہری کو ایک اللہ والے نے ایک ڈھیلا اٹھا کر بہت زور سے مارا اور فرمایا تیرے سوالوں کا جواب یہی ہے دہری کراہتا ہوا قاضی کے پاس گیا اور اللہ والے کی شکایت کی۔ قاضی صاحب نے مسلمان کو بلا لیا اور اس سے پوچھا: کیا تُو نے اسے ڈھیلا مارا ہے؟ مسلمان نے کہا: قاضی صاحب (1) اس کا ایمان ہے کہ جہان کا نظام خود بخود چل رہا ہے، ڈھیلا بھی اسے خود بخود لگ گیا ہوگا اگر میں نے اس کو ڈھیلا مارا ہے تو اس کو ماننا ہوگا کہ جہاں کے نظام کو چلانے والا بھی کوئی ہے۔ (2) یہ کہتا ہے کہ اگر خدا ہوتا تو نظر آتا، جہاں اس کو ڈھیلا لگا ہے اگر اس کے لگنے سے اسے درد ہوتا تو نظر آتا۔ یہ درد دکھائے، ہم اسے خدا دکھائیں؟ (3) یہ کہتا ہے کہ شیطان آگ سے بنا ہے اسے آگ میں ڈالنے سے تکلیف نہیں ہوگی، یہ مٹی سے بنا ہے اور مٹی کے ڈھیلے لگنے سے اس کو تکلیف ہوئی ہو ہم کیسے مان لیں؟ جب اللہ تعالیٰ کی مرضی و تقدیر سے اسے ڈھیلا لگا ہے تو اس نے مجھے قصوروار کیوں ٹھہریا

ہے اور میرے خلاف مقدمہ کیوں دائر کیا ہے؟ یہ سن کر عدالت میں خاموشی چھا گئی قاضی صاحب نے دہری سے پوچھا: اب تم کیا چاہتے ہو؟ دہری کی آنکھیں کھل گئیں اور زبان پر کلمہ جاری ہو گیا۔ (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ)

زمین کی تخلیق

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے مٹی کو ہفتہ کے دن پیدا فرمایا، اس میں پہاڑوں کو اتوار کے روز، درختوں کو پیر کے روز، بُری چیزوں کو منگل کے روز، نور کو بدھ کے دن، جانوروں کو جمعرات کے دن اور حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن پیدا کیا۔ یہ آخری مخلوق ہے اور وہ دن کی آخری ساعت ہے یعنی عصر اور شام کے درمیان۔ (11)

امام بغوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے فرش بچھانے سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ کی جگہ کو پیدا کیا اور وہ پانی پر سفید مکھن کی طرح تھا پھر اس کے نیچے سے زمین کو پھیلایا۔ (12)

ایک حدیث میں ہے کہ یمن کی طرف سے ایک سوار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے مٹھی بھر ٹڈیاں ڈال دیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو تکبیر کہی اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار قسم کی مخلوق پیدا کی ہے چھ سو قسم سمندر میں اور چار سو قسم کی مخلوق زمین پر رہتی ہے، اس امت میں سب سے پہلے ٹڈی ہلاک ہوگی ٹڈی کے بعد دوسری قسمیں یوں ہلاک ہو جائیں گی جیسے لڑی کا دھاگا ٹوٹنے پر منکے گرتے ہیں۔ (13)

حضرت آدم علیہ السلام

سیدنا علی بن سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں آدم کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کے سامنے نور تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت

جبرائیل سے پوچھا: تمہاری عمر کتنی ہے؟ عرض کی: میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا کہ چوتھے پردے میں ایک ستارہ تھا جو ستر ہزار سال کے بعد ایک مرتبہ طلوع ہوتا تھا، میں اسے بہتر ہزار مرتبہ دیکھ چکا ہوں۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل! میرے رب کی قسم وہ ستارہ میں ہی ہوں۔ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت جبریل علیہ السلام کی عمروں کا پتا چلتا ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کا ان سے پہلے ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو حضور علیہ السلام کا نور ان کی پشت میں رکھ دیا، آپ اس وقت نور کی صورت میں تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں دمکتا تھا اور ان کے سارے نور پر غالب رہتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام زمین سے بہشت میں چلے گئے اور تقریباً سو سال اس میں رہے وہاں فرشتوں نے اس نور کی وجہ سے انہیں سجدہ کیا، ابلیس نے سجدہ نہ کیا اور ان کا دشمن بن گیا۔ ایک بار ابلیس نے ان کے سامنے اللہ کی قسم کھائی، انہوں نے قسم پر اعتبار کیا اور اس درخت کا پھل کھالیا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا اس کے بعد آپ سراندیب کے پہاڑ پر تشریف لائے اس پہاڑ پر آپ کے قدموں کے نشانات موجود ہیں لوگ ان کی زیارت کرتے ہیں۔(14)

پھر یہ نور حضرت شیث علیہ السلام میں منتقل ہوا اور وہ حضرت آدم علیہ السلام کے نائب بنے۔ شیث علیہ السلام حضرت حوا کے بطن سے تنہا پیدا ہوئے، اپنی والدہ کے پیٹ میں اتنی مدت رہے کہ دانت پیٹ میں نکل آئے، حضرت حوا کے ہر مرتبہ دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے ان کے ہاں چالیس یا ایک سو بیس یا ایک سو اسی یا پھر پانچ سو بچے پیدا ہوئے جب حضرت آدم علیہ السلام کا وصال ہوا تو ان کے بیٹوں و پوتوں میں چالیس ہزار افراد موجود تھے حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر تھے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوالارواح جانِ کائنات اور روحِ حیات ہیں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یارسول اللہ: ساری چیزوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کونسی چیز کو پیدا فرمایا؟ اصلِ موجودات اور روحِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمام چیزوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے نور کو پیدا فرمایا ہے۔

حضور پرنور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام موجودات کی اصل ہیں۔(15)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام نے دنیوی زندگی پوری کر لی اور ان کا وصال ہوا تو فرشتوں نے ان کی نمازِ جنازہ چار تکبیروں سے پڑھائی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ زہرا کی نماز جنازہ چار تکبیروں سے پڑھائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر کی نماز جنازہ چار تکبیروں سے پڑھائی اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ چار تکبیروں سے پڑھائی۔(16)

حضرت آدم علیہ السلام کا مزار

حضرت آدم علیہ السلام کے مزار پر ایک درخت ہے جو سال میں دو مرتبہ پھل دیتا ہے اس کے ہر پھول میں سات پتے ہیں ہر پتے پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے اس کی خوشبو سے تمام جنگل مہکتا رہتا ہے۔مزار پر ہر وقت رحمت برستی ہے۔(17)

حضرت ادریس علیہ السلام

لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال ہے۔(18)

شیث علیہ السلام ان کے نائب بنے، اللہ تعالیٰ نے انہیں تاج نبوت پہنایا اور پچاس صحیفے ان پر نازل فرمائے، جب ان کے وصال کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے آنوش کو اپنا جانشین مقرر کیا، ان کے بعد قینن کی باری آئی پھر ان کے بیٹے مہلائیل کا نمبر لگا یہ ہفت اقلیم کے مالک ہوئے انہوں نے بڑے بڑے شہر آباد کرائے اور قلعے بنوائے، بابل اور سوس کے شہران کی یادگار ہیں۔ انہوں نے ابلیس اور اس کے حواریوں کو زمین سے بھگا دیا تو وہ اطرافِ عالم میں جا چھپے، بہت سارے سرکش جنوں کو تہ تیغ کر دیا وہ تاج کے مالک تھے چالیس سال انہوں نے شاہی کی جب ان کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے اپنا خلیفہ اپنے بیٹے خنوخ یعنی حضرت ادریس علیہ السلام کو بنایا، حضرت آدم اور حضرت شیث علیہما السلام کے بعد انہیں نبوت کا تاج پہنایا گیا، انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تین سو سال سے زیادہ عرصہ گزارا۔ قلم سے لکھنے کی داغ بیل انہوں نے ڈالی، ہر وقت ذکرِ الٰہی اور عبادت

میں مصروف رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں بلند مکان سے سرفراز فرمایا۔(19)

وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا(20)

چار نبیوں کے بارے میں آیا ہے کہ وہ بے عروضِ موت اب تک زندہ ہیں دو آسمانوں میں سیدنا ادریس علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور دو زمین میں سیدنا الیاس و سیدنا خضر علیہما السلام۔(21) یعنی اب تک انہوں نے موت کا پیالہ نوش نہیں کیا۔

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت باسعادت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد ہوئی۔ انہوں نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی، جب کافروں نے ان کی نہ سنی بلکہ انہیں تکلیفوں سے دوچار کر دیا تو انہوں نے دعا مانگی ''رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ ''(نوح) ترجمہ:۔اے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کشتی بنانے کا حکم دیا تو انہوں نے ساگوان یا سار کی لکڑی سے اسی ہاتھ لمبی پچاس ہاتھ چوڑی تیس ہاتھ اونچی کشتی تیار کی، اس کا سینہ آگے کو نکلا ہوا تھا اس کے اندر اور باہر ہر طرف سے روغن قار کا پالش کر دیا گیا اس کی تین منزلیں تھیں۔ بالائی منزل میں دریچے تھے۔ امام بغوی کی روایت کے مطابق کشتی کا طول تین سو ہاتھ اور عرض پچاس ہاتھ تھا اس کے بنانے میں دو سال لگے نچلے حصے میں جنگلی جانور، درندے اور چوپائے تھے۔ درمیانی منزل میں اونٹ، گھوڑے اور پالتو جانور تھے بالائی منزل میں حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے انسان تھے اور کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔(22)

طوفان اور بوڑھی

حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی بنا رہے تھے ایک بی بی نے پوچھا: حضور! آپ کشتی کیوں بنا رہے ہیں؟ فرمایا: طوفان آنے والا ہے سب کافر ہلاک ہو جائیں گے اور مؤمن اس کشتی کے وسیلہ سے بچ جائیں گے۔ اس نے کہا: حضور! میں بھی آپ کی خادمہ ہوں جب طوفان آئے تو مجھے بتانا، میں بھی آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤں گی۔ بی بی کی جھونپڑی کچھ

دور تھی جب طوفان آیا تو آپ کی توجہ بی بی کی طرف مبذول نہ ہو سکی، طوفان پانی کی شکل میں آیا زمین کے سوتے پھوٹ پڑے، آسمان سے پرنالے بہنے لگے، سب کافر ہلاک ہو گئے جب پانی تھم گیا عذاب ٹل گیا زمین خشک ہو گئی کشتی سوار اس سے اتر کر اپنے کام میں لگ گئے تو وہ بی بی حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: حضور! وہ طوفان کب آئے گا؟ میں روزانہ انتظار کرتی ہوں کہ کب آپ کے ساتھ کشتی پر سوار ہوں گی؟ آپ نے فرمایا: طوفان آیا تھا کافر ہلاک ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو کشتی کے ذریعہ سے بچا لیا ہے مگر تم کیسے بچ گئی ہو؟ بی بی نے کہا حضور! جو خدا اپنے بندوں کو کشتی کے ذریعہ سے بچا سکتا ہے وہ مجھے جھونپڑی کے وسیلے سے بھی بچا سکتا ہے۔(23)

عارف باللہ عاشق رسول اللہ حضرت مولانا عبدالرحمان جامی متوفی 898ھ فرماتے ہیں:

اگر نام محمد را نیا وردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لے کر آدم علیہ السلام شفاعت نہ کراتے تو نہ آدم کو معافی ملتی اور نہ نوح کو سیلاب سے نجات ملتی۔(24)

آدم تیڈا ناں نہ گھندا کڈی بچ نکل نہ سکدا
تیڈا ناں جے نوح نہ لکھدا بیڑا ٹھل نہ سکدا
تیڈا ناں پچھے وسمیندے تکوں چھریاندے بچویندے کملی والیا

شیطان اور کشتی نوح

حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں دیکھا تو ابلیس بھی نظر آیا، فرمایا: تو کس کی اجازت سے داخل ہوا ہے؟ کہا آپ کی اجازت سے! فرمایا: کیسے؟ اس نے کہا: جب آپ نے گدھے کو فرمایا داخل ہو جا اگرچہ شیطان تیرے ساتھ ہو میں نے اس کی دم کو پکڑا ہوا تھا جب وہ اندر آیا تو میں بھی آ گیا۔ نوح علیہ السلام نے اسے نکالنا چاہا تو وحی آئی اسے چھوڑ دو اس کے آنے

میں حکمتیں ہیں اور اسے سمجھاؤ! آپ نے اسے سمجھایا تو وہ کہنے لگا: اگر میری غلطیوں کا تدارک ہوسکتا ہو تو میں حاضر ہوں! آپ نے فرمایا: توبہ واستغفار کر شاید تلافی ہو جائے! کہنے لگا: معلوم نہیں کہ میری توبہ قبول ہو جائے گی یا نہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا تو جواب ملا اس کی توبہ قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے تابوت کو سجدہ کرے، آپ نے شیطان کو یہ بات بتائی تو وہ کہنے لگا: میں نے آدم کو اس وقت سجدہ نہ کیا جب وہ حیات تھے اب مردہ مٹی کے ڈھیر کو سجدہ کروں یہ ناممکن ہے۔(25)

اولاد نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام کے چار بیٹے تھے یام، سام، حام اور یافث۔ یام کا نام کنعان تھا اس نے حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمانی کی اور آپ کے دامنِ نبوت میں پناہ ڈھونڈھنا گناہ جانا تو اللہ تعالیٰ نے اسے غرق کر دیا۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سام ابوالعرب بنا۔ حام ابوالحبش بنا۔ اور یافث ابوالروم بنا۔(26)

ہماری تحقیق کے مطابق یہ درست ہے کہ ہندوستان بھی دنیا کے دوسرے خطوں کی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے آباد ہوا جس کی تفصیل یہ ہے کہ طوفانِ نوح کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے تینوں بیٹوں یعنی سام، حام اور یافث کو کھیتی باڑی اور کاروبار کا حکم دیا۔ حضرت نوح کا تیسرا بیٹا حام اپنے عالی قدر والد کے حکم سے دنیا کے جنوبی حصے کی طرف گیا اور اس کو آباد و خوشحال کیا۔ حام کے چھ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ ہند، سندھ، حبش، افرنج، ہرمز، اور بویہ۔ ان سب بیٹوں کے نام پر ایک ایک شہر آباد ہوا، حام کے سب سے زیادہ مشہور بیٹے ہند نے ملک ہندوستان کو اپنایا اور اسے خوب آباد و سر سبز و شاداب کیا۔ اس کے دوسرے بھائی سندھ نے ملکِ سندھ میں قیام کیا اور تہت (ٹھٹھ) اور ملتان کو اپنے بیٹوں کے نام سے آباد کیا۔ ہند کے چار بیٹے پیدا ہوئے ان کے نام یہ ہیں پورب، بنگ، دکن، نہروال۔ جو ملک اور شہر آج کل ان ناموں سے مشہور ہیں وہ انہی کے آباد کئے ہوئے ہیں ہند کے بیٹے دکن کے گھر تین بیٹے پیدا ہوئے ایک کا نام مرہٹ اور دوسرے کا نام کنہڑا

اور تیسرے کا نام تلنگ تھا۔ دکن نے اپنے ملک کو اپنے تینوں بیٹوں میں بحصہ برابر تقسیم کیا آج کل دکن میں جو ان ناموں کی تین مشہور قومیں ہیں وہ انہی تینوں کی نسل سے ہیں۔ ہند کے بیٹے نہروال کے بھی تین بیٹے تھے جن کا نام بھروج، کنباج اور مالراج ہیں ان تینوں کے نام پر بھی شہر آباد ہوئے اور ان شہروں میں ان کی اولادیں آج تک آباد ہیں ہند کے تیسرے بیٹے بنگ کے گھر میں بہت سی اولاد ہوئی۔ انہوں نے ملک بنگالہ آباد کیا۔ چوتھے بیٹے پورب کے ہاں جو ہند کا سب سے بڑا بیٹا تھا بیالیس (42) بیٹے پیدا ہوئے اور کچھ عرصہ میں ان کی اولادیں اتنی بڑھیں کہ انہوں نے ملک کے انتظام کے لئے اپنے خاندان میں سے ایک شخص کشن نامی کو اپنا سردار اور فرماں روا بنایا۔ (27)

کشن کی حکومت

ملک ہندوستان میں جس شخص نے سب سے پہلے اپنی حکومت قائم کی، وہ کشن تھا یہ کشن وہ مشہور سری کرشن نہیں ہے بلکہ یہ کشن ایک اور شخص تھا جس کو ہندوستان والوں نے اس کی بہادری اور مردانگی کے پیش نظر اپنا فرماں روا منتخب کیا تھا۔ یہ شخص بہت بھاری جسم کا تھا اس کا وزن اس قدر تھا کہ گھوڑا اس کی سواری کی تاب نہ لا سکتا تھا لہٰذا اس نے حکم دیا تھا کہ جنگلی ہاتھیوں کو حسنِ تدبیر سے رام کیا جائے تا کہ وہ ان پر سواری کرے...... راجہ کشن کے زمانے میں ہند کے بیٹے بنگ کی نسل سے ایک دانشور اور عاقل برہمن پیدا ہوا جسے کشن نے اپنا وزیر بنایا ہندوستان کی بعض صنعتیں اسی برہمن کے حسنِ تدبیر سے رائج ہوئیں۔ بعض لوگ لکھتے ہیں کہ لکھنے اور پڑھنے کا رواج بھی اسی دانشور برہمن کی فکرِ عالی کا نتیجہ ہے۔ ہندوستان میں پہلا شہر جو آباد ہوا وہ اودھ ہے کشن نے چار سو (400) سال کی زندگی پائی یہ راجہ طہمورث کا ہم عصر تھا اور اس کے عہد میں تقریباً دو ہزار (2000) گاؤں اور قصبے آباد ہوئے اس کے سینتیس (37) بیٹے تھے جن میں سب سے بڑا جس کا نام مہاراج تھا باپ کے بعد مسندِ حکومت پر جلوہ آرا ہوا۔ (28)

ہندوستان میں بت پرستی کی ابتدا

حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے ہند نے اپنے بزرگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے دیکھا تھا لہٰذا وہ خود بھی اس راہ پر گامزن رہے اور ان کی اولاد بھی کئی نسلوں تک اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتی رہی اور شرک سے بیزار رہی۔ مہاراج کے زمانے میں ایک شخص ایران سے ہندوستان آیا اور لوگوں کو سورج کے پوجنے کی ترغیب دلائی۔ برائی پھیلانے میں دیر نہ لگی لوگ دھڑادھڑ سورج کو پوجنے لگے ساتھ ساتھ تاروں اور آگ کی پرستش بھی ہونے لگی، شرک کے عفریت نے اپنے پر پرزے بڑھائے تو لوگوں نے اپنے بزرگوں کی شکل کے بت بنائے اور انہیں پوجا۔ راجہ سورج نے گنگا کے کنارے پر قنّوج کا شہر آباد کیا، یہ شہر بت پرستی کا گڑھ بن گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان میں بت پرستوں کے نوے گروہ پیدا ہو گئے۔ راجہ سورج کی حکومت دوسو پچاس برس رہی یہ راجہ ایران کے بادشاہ کیقباد کا ہمعصر تھا۔(29)

ہندوستان میں غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کی عقل وحیا پر پردے پڑ گئے اور وہ غیروں کی عبادت میں اتنے اندھے ہو گئے کہ جنسی اختلاط کو ہندو اپنی عبادتوں کی رسموں میں شمار کرنے لگے اور مرد وزن دیوتا سیوا کے آلہ تناسل کی پوجا میں مصروف رہتے تھے۔ شراب کی پوجا کی جاتی اور ایک برہنہ مرد کے ہاتھ میں تلوار دے کر اسے مہادیو کہہ کر اور ایک ننگی عورت کو دیوی قرار دے کر ان دونوں کی پوجا کی جاتی تھی۔(30)

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود علیہ السلام تشریف لائے ان کے بعد حضرت صالح علیہ السلام آئے ان کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی آمد ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے والدین

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام شارح یا تسارخ تھا تسارح کی عمر 75 برس تھی تو ان کے گھر ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی آپ کے بھائیوں کے نام ناحور اور ہاران تھے حضرت لوط علیہ السلام ہاران کے فرزند تھے۔(31)

قرآنِ مجید واحادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین مؤمن

تھے ''والد'' اور ''اب'' میں فرق ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک بت پرست و بت تراش آزر کا بیٹا کہنا بہت بڑی جسارت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا جو قرآن مجید میں موجود ہے آپ کے والدین کے مومن ہونے پر نص ہے وہ دعا یہ ہے

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ (32)

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور سب ایمان والوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔ (البیان) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام اور مومنوں کو مشرکوں کیلئے بخشش کی دعا مانگنے سے منع فرمادیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾

(التوبہ: ۱۱۳)

نبی اور ایمان والوں کی شان کے لائق نہیں کہ وہ مشرکوں کیلئے بخشش طلب کریں اگرچہ وہ قرابت والے ہوں جب ان پر ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ دوزخی ہیں اور ابرہیم کا اپنے (اب) باپ کیلئے بخشش طلب کرنا صرف اس وعدے کی بنا پر تھا جو وہ کر چکے تھے پھر جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے بیشک ابراہیم نرم دل والے نہایت حلم والے تھے۔ (33)

مندرجہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کیلئے بخشش کی دعا مانگی تو ان کو منع نہ کیا گیا مگر جب آپ نے اب کیلئے دعا مانگی تو آپ کو روک دیا گیا قرآن مجید کی اصطلاح میں چچا کو اب کہنا ثابت ہے جس طرح غیر اللہ کو رب کہنا ثابت ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے کہا!

نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (بقرۃ: ۱۳۳)

ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور

اسحاق کے معبود کی جو ایک معبود ہے۔

حضرت اسماعیل، اسحاق علیہ السلام کے بھائی تھے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد نے آپ کے چچا حضرت اسماعیل کو آپ کا ''اب'' یعنی باپ شمار کیا۔ حالانکہ وہ آپ کے چچا ہیں، لہٰذا معلوم ہوا ''اب'' کا اطلاق صرف والد پر نہیں ہوتا بلکہ، چچا، دادا وغیرہ پر بھی ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے قرآنِ مجید کی مندرجہ بالا آیات کو پیش نظر نہ رکھا وہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آبا واجداد میں کافروں ومشرکوں کو گھسیٹ لاتے ہیں حالانکہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا اعلان فرمایا: میں پاک پشتوں اور پاک رحموں سے اس دنیا میں آیا ہوں۔ (34)

قرآن پاک میں کھلا اعلان ہے کہ! ''اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ'' مشرک نجس ہیں تو پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آبا واجداد میں کوئی مشرک نہ تھا۔

خلیل اللہ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو مقامِ خلت پر فائز فرمایا اور آپ خلیل اللہ بنے تو فرشتوں نے عرض کیا: ان کی بیوی اور بچہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابراہیم کے دل میں میرے سوا کسی کی محبت نہیں آپ نے بحکمِ الٰہی بیوی اور بچہ کو جس کی عمر چھ ماہ تھی وادیِ غیرِ ذی ذرع (بیابان) میں چھوڑ کر ثابت کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ پھر آپ نے خواب دیکھا کہ اس بچے کو ذبح کر رہے ہیں تو فوراً اس بچے کو ساتھ لے گئے اور منیٰ پہاڑ کے دامن میں بچے کے گلے پر چھری رکھدی اور ثابت کر دیا کہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے سوا کچھ نہیں۔ جب آپ کو نمرود کی جلائی ہوئی آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو آپ نے یہی فرمایا: اگر میرے مالک کو میرا جل جانا منظور ہے تو مجھے اور کیا چاہیے۔ ڈاکٹر محمد اقبال فرماتے ہیں:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل تھی محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا: تم جاؤ اور انہیں آزماؤ! حضرت جبرائیل ومیکائیل علیہما السلام آئے، آپ بکریاں چرا رہے تھے ان کی حفاظت کیلئے چار ہزار کتے تھے، ان کے گلے میں

سونے کے پٹے تھے۔فرشتوں نے پوچھا کتوں کے گلے میں سونے کے پٹے ہونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا! دنیا مردار ہے اس کے طالب کتے ہیں۔ آپ ان کے لئے کھانا لے آئے، انہوں نے کہا: ہم اسے بغیر قیمت کے نہ کھائیں گے۔ آپ نے فرمایا: اس کی قیمت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" اور اس کے بعد "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" پڑھ لو، دونوں نے کہا: آپ کا حق ہے کہ آپ خلیل اللہ ہوں۔ پھر انہوں نے نہایت خوش الحانی سے پڑھا:

سُبْحَانَ اللّٰہِ مِنْ قَدِیْمٍ مَا اَقْدَمَہٗ وَمِنْ کَرِیْمٍ مَا اَکْرَمَہٗ
وَمِنْ رَحِیْمٍ مَا اَرْحَمَہٗ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِکَۃِ وَالرُّوْحِ

حضرت ابراہیم علیہ السلام خوش ہو کر فرمانے لگے: پھر پڑھو! مگر انہوں نے کہا: ہم بغیر فیس کے نہیں پڑھتے۔ آپ نے فرمایا: ساری بکریاں تمہیں دیتا ہوں۔ انہوں نے خوش الحانی سے مندرجہ بالا کلمے پڑھے۔ آپ نے فرمایا: تیسری بار پڑھو! انہوں نے کہا: پہلے فیس پھر ثنا، آپ نے فرمایا: میرے گھر کا مال ومتاع اور میری اولاد تمہارے سپرد ہے۔ انہوں نے پھر خوش الحانی دکھائی، آپ نے پھر فرمائش کی، انہوں نے پھر معاوضہ طلب کیا، آپ نے فرمایا: میں تمہارا چرواہا بنوں گا۔فرشتوں نے کہا: اللہ تمہارے مال واولاد میں برکت دے! میں جبرائیل ہوں اور یہ میکائیل ہے۔ آپ نے فرمایا میں خلیل اللہ ہوں اور میں اپنی دی ہوئی چیز واپس نہیں لیتا، اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا خلیل اللہ کی دی ہوئی چیزوں کو بیچ کر زمین خرید کر کے اسے وقف کر دو۔ (35)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سخاوت کا سمندر تھے، کہا جاتا ہے کہ جب تک آپ کے دسترخوان پر مہمان نہ آتا آپ کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔ ایک بار آپ کے پاس ایک مجوسی آیا، آپ نے دسترخوان لگوایا، سب لوگ اس کے اردگرد بیٹھ گئے اور بسم اللہ پڑھ کر کھانے لگے لیکن اس نے بسم اللہ نہ پڑھی۔ آپ نے اس سے بسم اللہ نہ پڑھنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: میں مجوسی ہوں۔ آپ نے اسے دسترخوان سے اٹھا دیا جب وہ چلا گیا تو

اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی اور فرمایا: میں اسے سو سال سے کھلا پلا رہا ہوں، تجھے ایک لحظہ میں اس سے نفرت آ گئی ہے اگرچہ وہ آگ کو سجدہ کرتا ہے لیکن تو اپنے دست سخاوت کو تنگ نہ کر۔(36)

نزہۃ المجالس میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسکی تلاش میں نکلے جب وہ ملا تو آپ نے اسے سارا ماجرا سنایا، وہ اسلام لے آیا آپ کے ساتھ واپس آ گیا اور کھانا کھانے میں شریک ہو گیا۔ ایک بار فرشتوں نے کہا: یا اللہ تیرا خلیل تیرے دشمن کی مدارت کر رہا ہے؟ ارشاد ہوا: جبرائیل جا اور ان سے پوچھ! آپ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو میں نے اللہ پاک سے سیکھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں سے احسان سے پیش آتا ہے۔(37)

ابراہیم علیہ السلام کی اولاد

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں، حضرت ہاجرہ قبطیہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور یہ آپ کے فرزند اکبر تھے۔ سارہ کنعانیہ کے بطن سے حضرتِ اسحاق علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ قطورہ یا قنطورہ کے شکم سے مدین، زمران، سرج، یقشان اور نشق پیدا ہوئے۔ حافظ ابن کثیر نے پانچویں بیٹے کا نام نہیں لکھا، حجون کے بطن سے کیسان، سورج، امیم، لوطان اور نافس پیدا ہوئے۔(38)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو شیر خوارگی کی عمر میں والدہ سمیت مکہ میں بحکمِ الٰہی چھوڑ دیا گیا، جب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں قربان کرنے کا حکم دیا۔ ان کے گلے پر چھری آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے میں ایک دنبہ بھیج دیا۔ دنبہ قربان ہو گیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ کے لقب سے ملقب ہو کر واپس آئے۔(39) حضرت اسماعیل علیہ السلام بالغ ہوئے تو آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ نے وصال فرمایا۔ انہیں بیتُ اللہ میں دفن کیا گیا۔ بنی جرہم کے لوگوں نے آپ کی تنہائی کی وجہ سے آپ کی شادی عمارہ بنت سعد سے کر دی، حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ملنے کے لئے تشریف لائے تو اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر نہ تھے۔ آپ نے دستک دی، عمارہ باہر نکلی، آپ نے حضرت اسماعیل

علیہ السلام کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا وہ گھر نہیں ہیں ابراہیم علیہ السلام نے حالات پوچھے تو عمارہ نے تنگدستی اور بے صبری کا اظہار کیا۔ ابراہیم علیہ السلام واپس جانے لگے تو فرمایا اپنے شوہر کو میرا اسلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ مکان کی چوکھٹ تبدیل کریں پھر آپ ملکِ شام چلے گئے۔ جب اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو ایک محبت بھری خوشبو محسوس کی، بیوی سے پوچھا: کوئی بزرگ آئے تھے؟ کہا: ہاں! وہ آپ کے حالات دریافت کرتے رہے آپ کو سلام کہتے ہوئے چلے گئے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ مکان کی چوکھٹ تبدیل کرلیں۔ آپ نے فرمایا: وہ میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور یہ پیغام دے گئے ہیں کہ میں تم سے علیحدہ ہو جاؤں لہٰذا میں تمہیں طلاق دیتا ہوں تم اپنے میکے چلی جاؤ۔ اس کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہالہ بنت حارث سے ہوگئی۔ یہ بہت حسین و جمیل تھیں، ان کے ساتھ زندگی بہت اچھی گذری، ایک دن حضرت ابراہیم پھر تشریف لائے اب بھی حضرت اسماعیل گھر پر نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہالہ سے حالات پوچھے، انہوں نے کہا: الحمدللہ اور عرض کی میرے شوہر گھر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ ہالہ نے کہا: آپ ہمارے گھر میں تشریف فرما ہوں ہماری دعوت قبول فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے بہت جلدی ہے۔ ہالہ نے آپ کی اجازت سے آپ کے بال سنوارے پھر آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا اور ادب کا دامن نہ چھوڑا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور فرمایا: اسماعیل کو کہنا کہ اس چوکھٹ کو بر قرار رکھیں، پھر آپ شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر واپس لوٹے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوشبو محسوس کی، پوچھا: کوئی بزرگ تشریف لائے تھے؟ ہالہ نے تمام واقعہ سنا دیا اور کہا کہ انہوں نے ایک پتھر پر قدم مبارک رکھ کر کھانا تناول فرمایا تھا، اس پتھر پر ان کا قدم مبارک نقش ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ میرے والدِ محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے آپ نے قبیلہ بنی جرہم کے لوگوں کو جمع کیا اور اس پتھر کی زیارت کرائی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیشانی میں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک تھا جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم پر نمرود کی آگ نے اثر نہ کیا اور اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری نہ

چلی وہ نور آپ کی پیشانی سے منتقل ہو کر اس پاک بی بی کے شکمِ اطہر میں چلا گیا اور حضرت قیذار کے پاس آ گیا۔(40)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، بڑے بیٹے کا نام قیذار یا قیذر تھا باقی بیٹوں کے نام یہ ہیں، ازبل، میشی یا منسبی، مسمع، ماش، وارر یا وارد یا ارر، یطور یا رطور، نبش، طیما اور قیذ ما۔(41)

اللہ تعالیٰ نے قیذار کو سات صفات ایسی عطا کی تھیں جو دوسروں کو نہ ملی تھیں۔

(1) آپ مایہ ناز شکاری تھے ہرن کو بھاگ کر پکڑ لیتے تھے۔ (2) ایسے تیر انداز تھے کہ کبھی نشانہ خطا نہ ہوتا تھا (3) بہترین شہ سوار تھے (4) آپ کی پکڑ نہایت سخت تھی (5) چہرہ بارعب تھا (6) بڑے بہادر تھے (7) قوتِ مردمی اسی مردوں کے برابر تھی۔

حسن و جمال میں حضرت ابرہیم علیہ السلام کے مشابہ تھے۔ ان کی صلاحیتوں کے پیشِ نظر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ان کے نام وصیت نامہ لکھا اور تابوتِ سکینہ ان کے سپرد کر دیا تھا۔(42)

پھر کچھ عرصے کے بعد آپ ملکِ جاودانی کی طرف روانہ ہوئے اور اپنی والدہ سیدہ ہاجرہ کے پہلو میں بیت اللہ کی خلدِ آشیانی حاصل کر لی اس وقت آپ کی عمر 137 برس تھی۔(43)

پہلا باب

اوچ شریف کے نام اوران کی وجہ تسمیہ

اوچشریف اس کا نام کیوں رکھا گیا۔۔؟ اوراس نام سے پہلے اس کے کیا کیا نام تھے اس بارے میں مورخین نے جو قیاس آرائیاں کی ہیں، وہ ملاحظہ کریں۔

پہلا نام

آریاؤں کی آمد کے ابتدائی دور میں اس شہر کا نام اُسپیدہ تھا، یعنی صبح کی دیوی۔

دوسرا نام

اس کا نام اشاش رکھا گیا بعد میں یہ نام بگڑ کر ''اوسا'' بن گیا پھر صدیاں گزر جانے کے بعد اوچھ بن گیا۔ پرانے مؤرخ اوچ کو اوچھ لکھتے رہے ہیں۔ آریائی لوگ دیوتاؤں کی پوجا پاٹ کرتے تھے ان میں ایک اشاش دیوی تھی۔ یہ نورِسحر کی دیوی کہلاتی تھی۔ اشاش (Ushas) کے بارے میں رگ وید میں لکھا ہے کہ یہ دیوی خشک موسم کی تمہید ہے اور ایسے دن کی نشاندہی کرتی ہے جس میں بادل اور بارش کا کہیں نام ونشان نہ ملتا ہو۔ سنسکرت میں اشاش کا لغوی معنی ہے: جلنا دہکنا۔ اوچ شریف کے محل وقوع اور اس کی طبیعت و جغرافیائی حیثیت کو سامنے رکھا جائے تو یہ ایک ایسا گرم علاقہ ہے جہاں بے پناہ تمازت، چلچلاتی دھوپ اور خشک موسم کا دوردورہ ہے بادلوں کے باوجود بارش بہت کم ہوتی ہے۔

تیسرا نام

اس کا نام ارورا تھا۔ یہ لاطینی زبان کا لفظ ہے۔ ارورا کے بارے میں مؤرخ مسعودی (جو 300 ہجری میں سندھ آیا تھا وہ) لکھتا ہے۔ ملتان اور منصورہ کے درمیان ارورا ہے جو منصورہ کے پرگنوں (علاقوں) میں شامل ہے۔ مسعودی لکھتا ہے کہ تمام دریا ارورا کے مغربی جانب یک جا ہوجاتے ہیں۔ ابودلف معشر بن سہاہل جو 331ھ میں ہندوستان آیا تھا وہ

اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ ارورا کا شہر حدود منصورہ میں دریائے سندھ کے کنارے پر واقع ہے۔ یہ شہر ملتان کے برابر ہے اور اس کے گرد دو فصیلیں ہیں۔ ابن حوقل بغدادی لکھتا ہے سندھ کے بڑے شہروں میں ایک ارورا ہے۔ طول و عرض میں ملتان کے برابر ہے اس کی دو شہر پناہیں ہیں یہ بھی دریائے سندھ کی مشرقی جانب آباد ہے اس کا شمار منصورہ کی حدود میں ہے۔

چوتھا نام

اشاس یا اوس سے ملتا جلتا ایک لفظ ''اجا'' بھی ہے اس کے معنی بھی سورج دیوتا کے ہیں۔ راجہ اجا سیسوناگ خاندان کا ایک نامور بادشاہ گذرا ہے جس نے اجمیر شریف کا شہر اپنے نام پر یا دیوتا کے نام پر آباد کیا۔ اجا کا معنی ہے ''سورج'' اور میر کا معنی ہے پہاڑ۔ ''اجا'' دراصل ''اجہ'' ہے۔ ممکن ہے کہ اجہ اور اجمیر دونوں کا بانی راجہ اجا ہو کیونکہ ''اجہ'' اوچ کی طرح اجمیر بھی دریائے گھاگھر کے کنارے پر آباد تھا۔ راجہ اجا کا نام بعض پرانے نوشتوں میں اچھو بھی مذکور ہے ممکن ہے کہ اچھو سے اوچہ بن گیا ہو۔ (44)

پانچواں نام

ہندوؤں کے مذہب کی پرانی کتابوں میں ہے کہ ہندوستان 16 ریاستوں میں تقسیم تھا، ان میں سے ایک ریاست کا نام ''اچھا'' تھا۔ ممکن ہے کہ یہ اوچ کا علاقہ ہو۔ آریاؤں کے قدیم حکمرانوں کی فہرست میں ایک نام ''اچاہن'' بھی ملتا ہے اور یہ بھی ملتا ہے کہ مہا بھارت نے آریا راجاؤں کی جو فہرست ترتیب دی تھی اس میں ایک راجہ کا نام ''اچاہسر اوا'' تھا۔ رگ وید میں اشاستی یا اشاستا نامی ایک راجہ کا ذکر ملتا ہے جو مہاراجہ جانکا کا جانشین تھا۔ اچاہن، اچاہسر اوا اور اشاست ایک آدمی تھا یا تین آدمی تھے اس کا تاریخ میں کوئی جواب نہیں لیکن یہ غالب گمان ہے کہ اوچ انہی ناموں سے بنا ہو۔ (45)

چھٹا نام

ایران کے ایک نامور بادشاہ دارا گشتاسپ نے اپنے ایک بااعتماد جرنیل سکائی لیکس کو510 ق م میں ایک لشکرِ جرار دے کر سندھ بھیجا، اس نے وادیِ سندھ کا سارا علاقہ فتح کر لیا۔ اوچ کا ایک نام اسکالندا بھی ہے ممکن ہے کہ سکائی لیکس کے نام کی وجہ سے اسکلندہ کہلایا ہو۔(46)

ساتواں نام

سکندر مقدونی نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس نے دریاؤں کے ملنے اور متصل ہونے یعنی مجمع البحرین کے مقام پر ایک شہر بسایا جس کا نام اس نے اسکندریہ رکھا تھا۔ ممکن ہے کہ اسکندریہ سے اوچ بن گیا ہو۔(47)

اس بادشاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اَولیٰ
آتی ہو جسکی فقیری سے بوئے اسدُ اللٰہی

آٹھواں نام

چوتھی صدی ہجری کے آخر میں سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا اس کے مفتوحہ علاقوں میں بھاٹیہ کے علاقے کا ذکر ملتا ہے اس سے مراد بھی اوچ شریف ہے یا اس کے مضافات میں کوئی قلعہ ہے۔ اس وقت یہاں بھٹی راجپوتوں کا قبضہ تھا۔ عہدِ غزنوی کے مشہور مؤرخ یمینی نے بھاٹیہ کا ذکر اس طرح کیا ہے بھاٹیہ کی دیواریں اتنی بلند تھیں کہ باز کی پرواز وہاں تک ممکن نہیں تھی، اس کے اردگرد بہت بڑا دریا گھیرا ڈالے ہوئے تھا۔ یہاں کا حکمران راجہ بجے راؤ تھا، تین شب و روز تک لڑائی جاری رہی۔ ہاتھی بڑی تعداد میں موجود تھے ایک سو بیس ہاتھی بادشاہ کے قبضہ میں آئے۔ عہدِ غزنوی کے دوسرے نامور مؤرخ البیرونی نے بھی اس شہر کا ذکر بھاٹیہ کے نام سے کیا ہے۔ اوچ شریف کا نام بھاٹیہ کیوں پڑ گیا اس بارے میں تاریخِ مبارک شاہی کے مصنف فخر الدین جو شہاب الدین

غوری کے ہم عصر تھے، وہ لکھتے ہیں 571ہجری میں شہاب الدین غوری نے اوچ بھاٹیہ اور ملتان پر چڑھائی کی، گروہ بھاٹیہ اوچ کے قلعہ میں محصور ہو کر سلطان سے آمادہ پیکار ہوا۔ ایک عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی امداد سے اوچ کا قلعہ فتح ہو گیا، سلطان نے اوچ اور ملتان کے علاقے پر سپہ سالار علی کرماخ کو مقرر کر دیا اور خود غزنی چلا گیا۔ مذکورہ بالا عبارت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اوچ شریف پر بھاٹیہ قوم کی حکمرانی تھی اس لیے اس کا نام بھاٹیہ تھا۔ طبقاتِ اکبری جلد 1 ص 16 کی عبارت کا ترجمہ ہے کہ گروہ بھاٹیہ نے اوچ کے قلعے میں پناہ لے لی کچھ دن تک جنگ کرتے رہے آخر قلعہ فتح ہو گیا۔ محمد قاسم فرشتہ نے لکھا ہے: سلطان محمود 395ہجری میں غزنی سے بھاطنہ (بھاٹیہ، بہاطیہ تلفظ ملتے ہیں) محشی نے لکھا ہے یہ دراصل بھاٹیہ ہے جو ملتان کے قریب ایک مقام تھا اور ایک ہندو راجہ کا دارالسلطنت تھا اس کی طرف روانہ ہوا اور ملتان کی سرحد سے گزر کر بھاطنہ میں مقیم ہوا، بھاطنہ کے گرد کھینچی ہوئی شہر پناہ ہے، جو بہت بلند اور مضبوط تھی اور اس کے گرد ایک خندق بھی تھی اسکی گہرائی کی خبر نہ تھی اس خندق کا منہ بہت چوڑا تھا بھاطنہ کے فرمانروا کا نام بجے راؤ تھا اور وہ اپنی فوج کی کثرت، لشکر کی طاقت اور ہاتھیوں کی قوت پر اس درجہ مغرور تھا کہ نہ تو ہندوستان میں رہنے والے سبکتگین کے نائبوں کی پرواہ کرتا تھا اور نہ ہی راجے جئے پال کو خاطر میں لاتا تھا۔ جب سلطان محمود اس کی سرزنش کیلئے اس کی جانب بڑھا تو وہ بھی اپنے لشکر کو تیار کر کے مسلمانوں کی فوج کے مقابلے میں صف آرا ہوا، فریقین میں زبردست جنگ ہوئی، تین روز تک بازارِ جنگ گرم رہا۔ دونوں اطراف نے غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ مسلمانوں کے لشکر کے قدم اکھڑنے کے آثار پیدا ہو گئے۔ جس میں ممکن تھا کہ ہندوؤں کو فتح نصیب ہوتی کہ سلطان محمود نے اپنی فوج میں یہ منادی کرادی کہ آج سلطانی جنگ ہوگی لہٰذا فوج کا ہر فرد خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان جان دینے کیلئے تیار ہو جائے اور دشمن کے مقابلے کیلئے میدان میں آجائے۔ جب بجے راؤ کو مسلمانوں کے اس ارادے کی خبر پہنچی تو وہ پریشان ہو کر مندر میں آیا اور اپنے معبودوں سے مدد کا خواستگار ہوا۔

سلطان محمود نے اللہ تعالیٰ سے فتح وکامرانی کی دعا کی اور حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دے کر مدد طلب کی اور اپنے لشکر کو ساتھ لے کر ہندوؤں کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ ہندوؤں کا لشکر تتر بتر ہو گیا اور ان کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے۔(48)

اوچ شریف کے مختلف اسماء کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو حکمران اس شہر میں مکین ہوا اس نے اپنے نام کو روشن کرنے کے لئے پہلے نام پر پانی پھیر دیا اور اپنے نام کا کتبہ لگا کر اس کا نیا نام رکھ دیا۔ ناموں کی یہ تبدیلی اوچ شریف کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے، نام تبدیل ہونے کا رواج تقریباً ہر دور میں رہا ہے۔ مکۃ المکرمہ کا نام اُمّ القریٰ اور بکہ بھی ہے لیکن اب وہ مکۂ مکرمہ کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔

سیدِ عالم، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مدینۂ منورہ کا نام یثرب تھا۔ آپ کے قدوم میمنت لزوم سے اس کا نام مدینہ منورہ ہوا جو ہر کسی کی زبان پر جاری ہے۔ دہلی کا پہلا نام ''اندر پرست'' تھا مگر ایک راجہ دہلو جب برسرِ اقتدار آیا تو یہ ''اندر پرست'' سے دہلی بن گیا۔ پھر شاہجہان کے عہدِ اقتدار میں اس کا نام شاہجہان پڑ گیا۔ یہ اسی نام سے کافی عرصہ تک مشہور رہا۔(49) پھر دہلی مشہور ہوا۔ بہاولپور کا شہر جہاں موجود ہے پہلے یہاں ایک چھوٹی سی بستی ہوتی تھی جسے سوڈھا کی جھوک کہا جاتا تھا۔ لیکن نواب بہاول خان کی وجہ سے اس کا نام بہاولپور مشہور ہوا۔(50)

ساہیوال کا پہلا نام منٹگمری تھا۔ فیصل آباد کا پہلا نام لائل پور تھا۔ کراچی کا پہلا نام دیبل تھا۔ اوچشریف کی یہی حالت رہی تھی لیکن اب اس کا نام اوچشریف ہے۔

اوچ شریف نسبتاً ایک اونچی جگہ پر واقع ہے اس لئے اسے اوچ شریف کہا جاتا ہے، شریف کی نسبت یہاں پر رہنے والے اولیاء اللہ کی شرافت و بزرگی کی وجہ سے ہے بے شمار اولیاء اللہ کے مزارات نے اسے تقدس اور علوِ مرتبت کی وجہ سے ممتاز کر دیا ہے اور اس کی اہمیت کو بڑھا دیا ہے۔

سوالاکھ ولی

یہ بات زبان زدِعوام ہے کہ اوچ شریف میں سوالاکھ بزرگ آسودۂ خاک ہیں اس لئے اوچ شریف کومدینۃ الاولیاء بھی کہا جاتا ہے۔یعنی اولیاءاللہ کا شہر۔صوفی عبدالحکیم غازی سعیدی نے کیا خوب منظرکشی کی ہے۔

اوچ اوچا ہے وہم و گمان کائے نہیں
ایندا منکر کوئی انسان کائے نہیں
بہوں غازی فیض جو پا ویندن
من تھوڑا نام و نشان کائے نہیں

جس اوچ شریف کا ذکر کیا جارہا ہے وہ تین اوچوں پر مشتمل ہے۔

(1)اوچ بخاری (2)اوچ گیلانی (3)اوچ موغلہ

اوچ بخاری واوچ گیلانی

کچھ عرصہ پہلے اوچ بخاری واوچ گیلانی کے درمیان اچھا خاصا فاصلہ تھا، اب اوچ بخاری اور اوچ گیلانی کے فاصلے سمٹ گئے ہیں۔اوچ شریف کی صدر سے غربی حصہ اوچ بخاری کہلاتا ہےاور صدر کا مشرقی حصہ اوچ گیلانی کہلاتا ہے دونوں شہر مختلف نام کے محلوں پر مشتمل ہیں۔اب اوچ گیلانی میں ٹاؤن اور کالونیاں بھی بن گئی ہیں ان کی وجہ سے اوچ گیلانی دن بدن وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔ہسپتال، ٹاؤن کمیٹی، سب تحصیل آفس، تھانہ، بس اڈا، ویگن اڈا، وغیرہ، رفاہی ادارے، کاروباری مراکز سب اوچ گیلانی میں ہیں۔بازار بھی اس میں ہیں، اوچ بخاری کی پرانی بازار ویران ہوچکی ہے، کاروباری مراکز نہ ہونے کے برابر ہیں، بخاری سادات اور بزرگوں کے مزارات کی وجہ سے ادھر لوگوں کی آمدورفت رہتی ہے۔

اوچ موغلہ

اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ مغل بادشاہوں نے اس جگہ کو اپنی سکونت کیلئے پسند کیا تھا، اس لیے اس کو اوچ موغلہ کہا جاتا ہے اور اہلِ تاریخ اس کو اوچ جمالی بھی کہتے ہیں۔ یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس میں عارف باللہ حضرت جمال درویش رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مطلعِ انوار ہے اور آپ کی اولاد یہاں سکونت پذیر ہے، اوچ موغلہ، اوچ بخاری وگیلانی کے جنوب میں واقع ہے اس میں ساداتِ جمالی اور دوسرے لوگوں کے محلات ومکانات اور ان کے بزرگوں کے مزارات ہیں۔ اوچ موغلہ میں زائرین اور باہر کے لوگوں کی چہل پہل بہت کم ہے۔

دوسرا باب

اوچشریف ابتدا سے بادشاہوں کا ٹھکانہ بنا اور دنیا کا ایک اہم قلعہ مانا جاتا رہا۔ اس لیے وہ سیاحوں کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ بڑے بڑے سیاحوں نے اوچ شریف کا رخ کیا اور اس کو دیکھا ہے۔ قدرتی طور پر اوچ شریف کا شہر ایسی جگہ پر نمودار ہوا جو آب و ہوا اور جگہ و فضا کے لحاظ سے دلکش اور دل پذیر تھی، بادشاہوں، نوابوں اور تاجروں نے اپنے اپنے مفاد کے پیش نظر یہاں قدم جمائے۔ سیاحوں کی آمد ہوئی، انہوں نے بھی اس شہر کی خوبیوں کا ذکر کیا۔ اس سلسلہ میں، ہم مسلمان سیاح علامہ ابن بطوطہ مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے سفرنامے سے ان کے چشم دید واقعات کو ترجیحاً سامنے لاتے ہیں۔ اوچ شریف کا شہر قدرت نے پانچ دریاؤں کے سنگم پر بنوایا تھا۔ شدت کی گرمی کے باوجود آب و ہوا کی وجہ سے اسکی دلکشی میں کوئی کمی نہ تھی، نوابوں، بادشاہوں، سرمایہ داروں اور تاجروں نے اسے مرکزی حیثیت دی۔ سیر و سیاحت کے متوالے سیاح بھی اس کے مناظر دیکھنے کے لیے آئے۔

اوچ سیاحوں کی نظر میں

زمین کو روندنے والے مشہور اسلامی سیاح علامہ ابن بطوطہ مالکی اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں۔ ہم اوچ شریف آئے یہ شہر دریائے سندھ کے کنارے پر واقع خاصا بڑا شہر ہے۔ بازار بہت عمدہ اور عمارتیں مضبوط ہیں، ان دنوں حاکم شہر جلال الدین خلجی تھا، جو شجاعت اور کرم میں مشہور تھا۔ بے چارہ بعد میں یہیں گھوڑے سے گر کر مر گیا، اس سے میری دوستی تھی، اکثر صحبت رہا کرتی تھی دہلی میں بھی ہم دونوں ملے تھے اور جب بادشاہ دولت آباد کی طرف تشریف لے گئے تو مجھے اوچ شریف میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ جلال الدین اس کے ساتھ جا رہا تھا، اس نے مجھ سے کہا: سلطان کی جدائی طول کھینچے گی آپ کو خرچ کی ضرورت ہوگی لہٰذا میری واپسی تک میرے دیہات کی آمدنی خرچ کرلیا کریں۔

چنانچہ میں نے پانچ ہزار دینار کے قریب اس میں سے خرچ کئے اس شہر میں سید جلال الدین حیدری علوی (جہاں گشت) کی زیارت سے بھی مشرف ہوا۔

انہوں نے مجھے اپنا خرقہ عنایت کیا۔ یہ بزرگان صالحین میں سے تھے جب ہندو ڈاکوؤں نے سمندر میں مجھے لوٹ لیا اس وقت یہ خرقہ بھی چھن گیا۔ (51)

اس سفرنامے کے مترجم رئیس احمد جعفری کی حاشیہ نگاری بھی بڑی دلچسپ ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ یہ بہت قدیم شہر ہے جس کا تاریخوں میں ذکر آتا ہے۔ ملتان سے ستر میل کے فاصلہ پر پنجند کے کنارے پر (سابق ریاست بہاولپور میں) آباد تھا۔ (الحمد اللہ اب بھی یہ تاریخی حیثیت سے صفحۂ ارض پر موجود ہے) پہلے پنجاب کے پانچوں دریا اور دریائے سندھ اوچ کے پاس ملتے تھے اب ان کا سنگم چالیس میل نیچے مٹھن کوٹ میں ہوتا ہے۔ اوچ کی عظمتِ رفتہ کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سلطان ناصر الدین قباچہ کے دور میں یہ سندھ کا پایۂ تخت تھا۔ حضرت سید جلال الدین اور حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کے مزاراتِ بابرکات اوچ شریف میں ہیں۔ حاکمِ شہر نے ابن بطوطہ کو خرچ کرنے کی اجازت دے دی۔ اس پر محشی نے جو حاشیہ آرائی کی ہے وہ ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سندھی لوگ پردیسیوں، مسافروں اور غریب الوطنوں کے ساتھ کس درجہ اپنائیت، محبت، خلوص اور ہمدردی کا برتاؤ کرتے تھے۔ حاکمِ شہر جلال الدین خلجی کے نزدیک ابن بطوطہ ایک اجنبی اور غیر ملکی لیکن مسلمان سیاح تھا۔ جس کے حسب نسب اور عادات واطوار سے کوئی واقفیت نہ تھی، لیکن تغلق کی ہمرکابی کے وقت وہ اس اجنبی سیاح کو اجازت دے جاتا ہے کہ اس کے علاقہ سے جو آمدنی ہو بغیر تخصیص وتعیین کے جتنا چاہے خرچ کر ڈالے، یہ بات اور کہاں مل سکتی ہے؟ سید جلال الدین حیدری علوی سے مراد جہانیاں جہانگشت ہیں۔ سندھ کے ہندو لٹیرے سمندروں میں ڈاکہ ڈالنے میں طاق تھے۔ یہ تھا حاشیۂ سفرنامہ ابن بطوطہ کا۔ اب دوسرے سیاحوں کے ریمارکس اور تاثرات ملاحظہ کریں۔

چین کا مشہور سیاح ہوئین ٹسانگ 629 عیسوی سے لیکر 645 عیسوی تک ہندوستان

کی سیاحی میں سرگرداں رہا۔ کننگھم کے جغرافیائی نقشے کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اوچشریف سے گزر کر کوٹ مٹھن اور دوسرے علاقوں میں گیا تھا۔ (تاریخ اوچ ص 51)

یورپ کے مشہور سیاح چارلس میسن نے 827ء میں اپنا سفرنامہ تفصیل کے ساتھ رقم کیا اس نے اوچ شریف کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے۔ اوچ غالباً ہندوستان کے پرانے اور قدیم شہروں میں سے ہے اوچ کے نام کے دو قصبے ہیں۔ (اوچ بخاری اور اوچ گیلانی) جو قریب قریب واقع ہیں۔ ان میں سے ایک تو پیر کا اوچ کہلاتا ہے، پیر ناصر الدین کی سکونت کی وجہ سے آپ خان (نواب آف ریاست بہاولپور) کے مذہبی و روحانی پیر ہیں۔ اوچ کے دونوں قصبے اچھے، بازار بہترین تجارت کی وجہ سے مشہور ہیں۔ یہ شہر دریائے گھارا کے کنارے پر واقع ہے اس لئے غلہ واناج کی بھری ہوئی کشتیاں ان قصبوں سے سندھ کی طرف جاتی رہتی ہیں۔ یہ مقام اپنے قدیم کھنڈروں کی وجہ سے اچھی خاصی شہرت رکھتا ہے اس کا علاقہ نہایت زرخیز اور سرسبز ہے۔ یہ شہر احمد پور شرقیہ سے 21 کلومیٹر اور ملتان سے تقریباً 100 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ایک اور سیاح ڈیوڈ راس اپنی کتاب پانچ دریاؤں کی سرزمین اور سندھ میں لکھتا ہے، چنی گوٹھ ریلوے اسٹیشن سے 10 کلومیٹر کے فاصلے پر اوچ شریف پرانا شہر ہے۔ جو دریائے پنجند کے ساحل پر واقع ہے موجودہ بستی چھوٹی اور غیر معروف ہے اور پرانے شہر کے کھنڈروں کے ٹیلوں پر اس کی بنیاد ہے جس طرح ایرین نے لکھا ہے کہ سکندرِ اعظم کے حکم سے دریاؤں کے ملنے کے مقام پر اس شہر کو تعمیر کیا گیا مقام وقوع کی وجہ سے قدرتی فوائد حاصل ہونے لگے اور شہر جلدی سے متمول لوگوں سے آباد ہو گیا۔ یہ شہر سندھ کے چار صوبوں میں ایک صوبے کا دارالخلافہ تھا۔ اوچ شریف گردشِ انقلاب کے بھنور میں پھنستا اور نکلتا رہا، اب بھی اس میں کھنڈروں، ٹیلوں اور پشتوں کے نشان دیکھے جاسکتے ہیں۔ لوگ اسے عزت وعظمت کا گہوارہ مانتے ہیں کیونکہ ساداتِ بخاری وگیلانی کے بڑے بڑے بزرگ اولیاء اللہ کے مزارات اور حضرت محمد بن قاسم کے ساتھ آنے والے مجاہدوں وشہیدوں کی یادگاروں کا اس میں ایک

روحانی سلسلہ موجود ہے۔ بعض سیاحوں اور تاریخ نویسوں نے اس شہر میں دریائے سندھ کے آنے اور چلے جانے کا ذکر بھی کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخِ وقت حضرت صفی الدین حقانی نے پہلے پیش گوئی فرمائی تھی کہ 940 ہجری میں دریا آئے گا چنانچہ دریا آیا اور اپنی طغیانوں کی جولانیاں دکھا کر شہر کے اکثر حصے کو نگل کر چلا گیا۔ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ قیامت کے قریب دریائے سندھ ایک بار پھر اوچ شریف آئے گا اور باقی مقبرے و روضے اکھیڑ کر لے جائے گا۔ اللہ خوب جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

قادرا قدرت داری بر کمال

انت حسبی انت ربی ذوالجلال

اے اللہ تیری قدرت کی کوئی حد نہیں ہے تو میرا سہارا ہے تو ہی میرا رب ہے اے بزرگی کے مالک!

اوچ شریف مؤرخین کی نظر میں

مفتی غلام سرور صاحب قریشی مؤرخ پنجاب اپنی مشہور تاریخی کتاب (مخزن پنجاب) میں لکھتے ہیں کہ (اوچ سیدوں کا) بہاولپور کی ریاست کا یہ ایک پرانا شہر دریائے پنجند کے بائیں کنارہ سے بفاصلہ سات میل آباد ہے۔ (ہیڈ پنجند سے 10 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے) اس کے گرد نہایت خوبصورتی کے ساتھ درختوں کے مجموعے لگے ہوئے ہیں۔ اور علاقہ نہایت سرسبز و سیراب ہے۔ تین آبادیوں کے گرد الگ الگ شہر پناہ بنی ہوئی ہیں۔ آبادی شہر کی گنجان، گلیاں تنگ بازار کشادہ اور بڑے ہیں۔ برتن ہر ایک دھات کے عمدہ خوبصورت بن کر یہاں سے اور ملکوں میں تحفہ بھیجے جاتے ہیں۔ تجارت بھی اگرچہ یہاں ہر ایک قسم کی بہت ہوتی ہے مگر برتنوں کی تجارت بہت ہی وافر ہے۔ قدامت میں ملتان کی طرح یہ شہر بھی ضرب المثل ہے اگرچہ کئی مرتبہ یہ اجڑا اور کئی دفعہ آباد ہوا۔ مگر اخیر آبادی اس کی جو شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے وقت 633ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد بھی صدمات اس پر بہت آئے مگر ویران نہیں ہوا۔ سکھوں کی فوج نے رنجیت سنگھ کے حملے کے وقت اس کو

لوٹا اور قریب تھا کہ اجڑ جائے مگر جب ریاست بہاولپور انگریزی حکومت کے تحت میں آ کر محفوظ ہوگئی تو سکھوں کا دست غارت پھر اس پر نہ چلا۔ یہ آبادیاں اونچے ٹیلے کے اوپر ہیں جو پہلے کھنڈرات سے بنے ہیں۔ اسلامیہ سلطنت سے اول بھی یہ شہر حاکم نشین تھا۔ اور اسلام کے وقت بھی حاکم نشین رہا۔ ایک آبادی اس کے متعلق موسوم بسادات بخاری ہے۔ جس کے پہلے بزرگ حضرت میر جلال الدین سرخ پوش بخاری علیہ الرحمۃ یہاں آئے۔ ان کے پوتے حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمۃ بڑے بزرگ اور ولی تھے۔ جن کا روضہ مبارک یہاں زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔ اب تک ان کی اولاد بھی یہاں قابض چلی آتی ہے۔ یہ حضرات سید حسینی حسنی نسبی ہیں۔ بلکہ کل ہندوستان میں جو سید بخاری اپنا شجرہ ان کے ساتھ ملا دیگا حسبی نسبی ہوگا۔ دوسری بستی گیلانی سیدوں کی ہے۔ یہ بھی بڑی بستی ہے۔ اس کے بانی سید گیلانی ہیں جن کے بزرگ سید محمد غوث بندگی حلبی بغدادی حلب سے آ کر یہاں سکونت پذیر ہوئے۔ ان کا اور ان کے صاحبزادے حضرت سید عبدالقادر ثانی کا روضہ یہاں موجود ہے۔ ان کے سوا اور بزرگوں کے روضے بھی یہاں بہت ہیں۔ اور کل شہر کی اگر چہ تین بڑی بستیاں ہیں مگر ان کے سوا متفرق آبادیاں ایک دوسرے کے پاس ہیں اور کل تعداد وشمار کر کے سات اوچیں مشہور ہیں۔ اس شہر کا نام حضرت مخدوم سید جلال الدین سرخ پوش بخاری علیہ الرحمۃ نے رکھا ہے۔ اس سے پہلے اس شہر کو دیوگڑھ کہتے تھے اور دیو سنگھ نامی ایک ظالم حاکم یہاں حکومت کرتا تھا۔ جب حضرت نے آ کر اس کو زیر کیا اور اوچ کے قلعہ میں اپنا تسلط جمایا تو اوچ شریف اس کا نام پایا۔ سجادہ نشین صاحبِ مزاراتِ حضراتِ بخاری کا سید محمود ہے اور قدیم سے جو سجادہ نشین یہاں ہوتا ہے وہ ناصر الدین کے خطاب سے ملقب ہوتا ہے۔ جبکہ سجادہ نشین مزاراتِ ساداتِ گیلانی کا گنج بخش کہلاتا ہے۔ اس شہر میں ہندو کم اور مسلمان بہت ہیں۔ ہندو یہاں کے کراڑ کہلاتے ہیں۔ زمین اس خطہ کی اکثر چاہی ہے (جو کنویں سے سیراب ہوتی تھی) اپنے اپنے کنوؤں پر زمیندار جھونپڑیاں بنا کر رہتے ہیں اور چرخ چوب کے ذریعہ سے آب پاشی ہوتی ہے۔(52)

مرزا قلیچ بیگ

ملتان کے پرگنوں اور علاقوں میں اوچ بھی ایک بڑا شہر ہے۔ رائے ساہسی کے عہد میں بڑے بڑے شہروں کے قلعے تھے اور اوچ میں بھی ایک قلعہ تھا۔ جو بعد میں گر گیا۔ پہلے اوچ کی سات مشہور آبادیاں تھیں لیکن اب صرف تین باقی ہیں۔ ایک مخدوم جہانیاں کی اوچ، ایک اوچ مغلیہ، تیسری اوچ گیلانی۔ پہلی اوچ میں مخدوم جہانیاں کا مزار ہے اور ان کے مرید رہتے ہیں۔ دوسری اوچ میں مغل لوگ رہتے ہیں۔ تیسری اوچ میں شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد اور ان کے مرید رہتے ہیں۔ یہ آبادی زمین کی سطح سے بلندی پر ہے۔ اس لیے اس کو اوچ کہتے ہیں پہلے اس کا نام اسکندرہ تھا یہاں ایک حاکم رہتا تھا۔ (53)

تاریخ معصوم

میر معصوم اوچ کی بنا کے متعلق اپنی تاریخ میں رائے ساہسی دوم حکمران کے حالات میں ان کی انتظامی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ساہسی دوم برسرِ اقتدار آیا جو نہایت منصف و عادل اور سخی تھا۔ اس نے ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد ملکی انتظامات میں ایک نئی روح پھونکی اور رعایا کیلئے چار ضابطے مقرر کیے اس کے عدل و انصاف کی ایک مثال یہ ہے کہ اس نے نقد و جنس کی شکل میں خراج و ٹھیکہ وصول کرنے کے بجائے رعایا کو حکم دیا کہ وہ اس کے عوض قلعہ الور، سیوستان، اوچ، ماتھیلہ (میر پور) میبو اور سیوارائے کے مقاموں پر چھ قلعے مٹی کے بنا دیں۔ رعایا نے خوش ہو کر اس کے حکم پر عمل کیا ان میں سے اکثر قلعے اب بھی قائم ہیں۔

اس میر معصوم نے اپنی تاریخ میں اوچ کے 416 ہجری میں سلطان محمود غزنوی سے مفتوح ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اوچ شریف میں ناصر الدین قباچہ کی حکومت کا بھی اس نے ذکر کیا ہے اور مغلوں کے حملے کا ذکر کرتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے کہ 641ھ میں اوچ پر ملک سنجر حاکم تھا اور 693ھ میں ارکلی خان اور 727ھ میں نصرت خان حاکم رہا۔ اس نے امیر

تیمور گورگانی کے اس حملے کا ذکر بھی کیا ہے جو اس نے 800 ہجری میں اوچ شریف پر کیا تھا اور پھر مرزا شاہ حسن ارغون کے ساتھ لڑائی کا تذکرہ کیا اور اوچ کی تعمیرِ جدید کے حالات لکھے ہیں، 947 ہجری میں ہمایوں بادشاہ کا ورود اوچشریف میں اور بخشولنگاہ کے عطائے خطاب ''خانجہانی'' پانے کا ذکر کیا ہے پھر 949 ہجری میں دوبارہ ہمایوں بادشاہ کے اوچ آنے کا ذکر بھی کیا ہے۔(54)

کرنل منچن

کرنل منچن سابق ایجنٹ ریاست بہاولپور اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ''سر ہنری الیٹ کی تاریخ'' ''چچ نامہ'' (کے مطابق جسے وہ اصلی تاریخ عرب چچ نامہ کا ترجمہ بیان کرتے ہیں) میں ہے: موجودہ ریاست بہاولپور مملکتِ الور کا ایک جزو ہے۔ اسے ''اسکلینڈ'' اور ''پیبیا'' کے نام سے پکارتے تھے۔ پہلا خطاب ''اسکلینڈا'' تو ''اوچ'' کا پرانا نام ہے۔ اور دوسرے خطاب کے متعلق مجھے پورا اعتماد ہے کہ اس کا ترجمہ ''ماوراء البیاس'' کرنا چاہیے۔ جس طرح میں نے ظاہر کیا ہے۔ (اوچ کا قصبہ اس دریا (بیاس) کی ایک پرانی شاخ کے بائیں کنارے پر واقع ہے اور یہ قلعہ کی صورت میں ان دریاؤں کے مقامِ اتصال کے ڈیلٹا پر واقع ہے) ان قصبوں کو تلواڑا اور چاچ پور کہتے تھے۔ پہلے نام کی وجہِ تسمیہ وہ ریت خیال کی جاسکتی ہے جو اوچ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور دوسرا نام یقیناً ایک برہمن غاصب کا ہے۔ جس نے الور میں خاندانِ ''رائے'' کی بنیاد ڈالی تھی۔(55)

سر ہنری الیٹ

سر ہنری الیٹ اپنی مشہور تاریخ ''المؤرخین'' میں اوچ کے متعلق یہ کہتے ہیں: سندھ کی قدیم سلطنت چار صوبوں میں منقسم تھی۔ اُن میں سے تیسرا صوبہ قلعہ ''اسکالنڈہ'' اور ''مائبار'' پر مشتمل تھا۔ جن کو ''تلواڑا'' اور ''چچ پور'' بھی کہتے ہیں۔ دریائے بیاس کے قریب ''اسکالنڈہ اوتسا'' کا نام ہی اس امر کی دلیل ہیں کہ یہی مقام زمانۂ حال کا ''اوچ'' تھا۔

اوچ ایک قدیمی (تاریخی) مقام ہے۔ چچ نامہ میں اس کا ذکر نہ ہونا صرف اسی وجہ

سے ہوگا کہ اس وقت اس مقام کا کوئی اور نام ہوگا۔ کیونکہ چچ اور محمد بن قاسم کے زمانہ کے پیشتر تاریخی واقعات اس مقام کے گردو پیش گزرے ہیں یہ فرض کیا گیا ہے کہ آکسی ڈریک کا نام ہی اس پرانے قصبے ''اوچ'' سے مشتق ہوا ہے۔ مگر حسبِ بیان ''اسٹریبو'' اور ''ارین'' اس کا جائے وقوع ''دریائے اسیسائنس'' کے سنگم (مقام اتصال) کے قریب واقع ہے۔ اس کی شناخت اور تعین کے متعلق زیادہ غالب قیاس پر مائل ہوتے ہیں کہ ''اوچ'' یا ''اسکلنڈہ اوسا'' کو جو دریائے ''ہائی فس'' اور ''اسیسائنس'' دریاؤں کے مقامِ اتصال کے قریب واقع ہے بجائے آکسی ڈریک کے اسادی سے موسوم کریں۔ آکسی ڈریک کا نام مختلف صورتوں میں ظاہر کیا ہے، مثلاً ''ہائیڈرکسی'' ''سید روئی'' ''سائیڈراسی'' ''سیگم بری'' ''آکسی ڈریس'' وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال اگرچہ سکندر نے وہاں کوئی شہر نہ بھی آباد کیا ہو۔ ہم پھر بھی اس بات کی جانب مائل ہونگے کہ اس کی طاقت اور فتوحات کی شہرت نے اسکلندہ یا اسکندرہ کا نام حاصل کرلیا ہو۔ (56)

تیسرا باب

اوچ شریف کے عروج وزوال کا مختصر خاکہ

اوچ شریف عہدِ قدیم میں بادشاہوں اور تاجداروں کے سامنے بہت اہم مقام تھا جو ہر وقت ان کی نظر کے سامنے رہتا تھا اور انہیں اپنی طرف مائل کئے رکھتا تھا مگر نیرنگئ زمانہ نے اسے شکست کے تھپیڑوں اور ریخت کے طوفانوں سے دوچار کیا لیکن اس کا وجود برقرار رہا۔ اور وہ کرۂ ارض پر اپنی ہستی کا لوہا منواتا رہا یعنی "جسے خدا رکھے اسے کون چکھے" کا مصداق بنا رہا۔

عروج وزوال کے ایام

سندھ کی پرانی وقدیم تاریخ میں اوچ شریف اور ملتان شریف کا اکٹھا ذکر آیا ہے۔ یہ دونوں شہر اور ان کے قلعے ایک دوسرے سے کچھ میل کی مسافت پر تھے۔ ہندو راجاؤں کے زمانے میں اوچ شریف چھ یا سات بڑے بڑے قلعوں میں سے ایک مضبوط قلعہ تھا اور یہاں ایک علیحدہ حاکم اس کا نظام چلاتا تھا۔ زمانۂ اسلام میں خلفائے راشدین نے مکران، دیبل، تانہ اور بھروج وغیرہ پر اسلامی مہم جوئی کا تدراک کیا چنانچہ حضرت محمد بن قاسم نے اوچ شریف کو فتح کرنے کے بعد بھی یہاں علیحدہ حکمران متعین کیا۔

(1) 15ہجری میں مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پے در پے حملے کئے۔

(2) 23ہجری میں حکم بن عمر تغلبی نے خلیفۂ ثانی کے زمانے میں مکران کو فتح کیا۔

(3) 29ہجری میں عبید اللہ بن معمر تمیمی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مکران کو فتح کیا۔

(4) 39ہجری میں حارث بن مرہ عبدی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں

مکران کو فتح کیا۔

(5) 42 سے 46 ہجری تک مہلب بن ابی صفرہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مکران پر حکمرانی کی۔

(6) 45 سے 49ھ تک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عبداللہ بن سوار عبدی نے مکران کی حکومت چلائی۔

(7) 49 سے 51 ہجری تک سنان بن ابی سلمہ ھذلی مکران کے حکمران رہے۔

(8) 51 تا 53 میں راشد بن عمر جدیدی نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مکران پر گورنری کی اور قیقان میں شہید ہوئے۔

(9) 53 تا 56 ہجری میں سنان بن ابی سلمہ ھذلی مکران کے دوبارہ گورنر بنے۔

(10) 57 تا 59 ہجری میں عبیداللہ بن زیاد مکران میں گورنر مقرر ہوئے۔

(11) 59 تا 62ھ میں ابوالاشعث المنذر بن جارود عبدی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مکران کے گورنر بنے اور مکران میں فوت ہوئے۔

(12) 62 ہجری میں الحکم بن منذر عبدی کا مکران کے لئے تبادلہ ہوا۔

(13) 64 تا 75ھ میں حری بن حری الباہلی عبدالملک بن مروان کے دور میں مکران آئے۔ 75 ہجری تک مکران میں رہے اور یہاں شہادت پائی۔

(14) 75 تا 80 ہجری میں سعید بن اسلم کلابی مکران میں آئے۔

(15) 80 تا 85 تک محمد حارث علافی نے مکران کو اپنے قبضہ میں لیا۔ پھر وہاں سے سندھ چلے گئے پھر سندھ سے اوچ آ گئے۔

(16) 85 تا 86 ہجری میں مجاعہ بن سعر تمیمی عبدالملک بن مروان کی طرف سے مکران کا گورنر بنا اور یہاں وفات پائی۔

(17) 86 تا 92ھ میں محمد بن ہارون نمری بلوچ نے ولید بن عبدالملک کے زمانے میں مکران کو سنبھالا اور مکران میں ہی وفات پائی۔

(18) 90ہجری میں عبداللہ بن نبہان اسلمی جو اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے ولید کے زمانے میں مکران رہے اور دیبل میں شہید ہوئے۔

(19) 91ہجری میں بدیل بن طہفہ بجلی اسلامی لشکر کے سپہ سالار بن کر دیبل آئے اور دیبل میں شہید ہوئے۔

(20) 96ہجری میں حضرت محمد بن قاسم رضی اللہ عنہ نے سندھ، اوچ اور ملتان کو فتح کیا۔ (تاریخ محمد بن قاسم، ص83۔84)

(21) 99ہجری میں حبیب بن مہلب سندھ کا گورنر بنا۔ (تاریخ اوچ، ص65)

(22) 101ہجری میں عمرو بن مسلم کو خلیفۂ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے سندھ کا گورنر بنایا۔ انہی کے عہد میں راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ مسلمان ہوا۔ (تاریخ اوچ، ص65)

(23) 101 تا105 ہجری میں یزید بن عبدالملک بن مروان کے دور میں جنید بن عبدالرحمٰن سندھ کا حاکم مقرر ہوا اور یہ گورنر ہشام بن عبدالملک (125ہجری) کی امارت تک گورنری پر معمور رہا اس کے بعد تمیم بن زید الحسینی اور اس کے بعد حکم کلبی حاکم مقرر ہوئے۔ اس کے بعد عمرو بن قاسم کو گورنر بنایا گیا جس نے منصورہ کا شہر آباد کیا۔ بنوامیہ کا آخری گورنر جو سندھ میں مقرر تھا اس کا نام منصور تھا۔ (57)

(24) 142ہجری میں عیینہ بن موسیٰ بن کعب نے سندھ میں خلافتِ عباسیہ کے خلاف بغاوت کر دی اس کا سبب یہ ہے کہ مسیب بن زہیر ''شرطہ'' پر موسیٰ بن کعب کا خلیفہ تھا اس کے مرنے کے بعد مسیب بدستور صاحب شرطہ رہا اب اسے خوف پیدا ہوا کہ شاید منصور عیینہ کو بلا کر اس کی جگہ مقرر کر دے۔ اس خطرے کو دور کرنے کے لئے ابوجعفر منصور کے حکم سے عمر بن حفص بن ابی صفرہ نے سندھ اور ہند کی ولایت پر قبضہ کر لیا۔ (58)

(25) 151ہجری میں منصور نے عمرو بن حفص کو سندھ کی امارت سے علیحدہ کر دیا۔ اور اس کی جگہ سندھ پر ہشام بن عمرو تغلبی کا تقرر کیا گیا۔ (59)

(26) 158ہجری میں ابوجعفر منصور کے سامنے ہندوستانی قیدی پیش کئے گئے

منصور کا ارادہ تھا کہ انہیں قتل کر دیا جائے مگر جب سوالات اور جوابات کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کے معاملہ میں شبہ پیدا ہو گیا۔ منصور نے ان کے قتل سے ہاتھ روک لیا۔ اور ان کو اپنے فوجی سرداروں ونوابوں میں تقسیم کر دیا۔ (60)

(27) 159 ہجری میں خلیفہ مہدی نے عبد الملک بن شہاب کو بیڑہ کے ساتھ ہندوستان روانہ کیا اس مہم کے لئے انہوں نے تمام فوجی دستوں میں سے دو ہزار اہلِ بصرہ اور ان رضا کاروں میں سے جو چھاؤنیوں میں رہتے تھے پندرہ سو اور شامی سرداروں کی اولاد میں سے ایک سردار ابن حبان کو سات سو شامیوں کے ساتھ روانہ کیا عبد الملک کے ہمراہ اہلِ بصرہ کے ایک ہزار مجاہد رضا کار اپنے خرچ سے جہاد کے لئے ساتھ ہوئے ان میں ربیع بن صبیح بھی تھا اور اسوارئین اور سبابجہ کے چار ہزار آدمی عبد الملک کے ساتھ ہوئے اس نے منذر بن محمد جارودی کو اہلِ بصرہ کے ایک ہزار رضا کاروں کا سردار مقرر کیا اور اپنے بیٹے غسان کو اہلِ بصرہ کی دو ہزار مہماتی فوج کا سردار بنایا اپنے دوسرے بیٹے عبد الواحد کو ان پندرہ سو رضا کاروں کا سردار مقرر کیا جو چھاؤنیوں میں جہاد کے لئے قیام کرتے تھے۔ یہ تمام فوج اپنی منزلِ مراد کی طرف روانہ ہوئی اور 160 ہجری میں ہندوستان کے شہر باربد پہنچی۔ (61)

(28) 159 ہجری میں معبد بن خلیل عاملِ سندھ کا انتقال ہوا تو مہدی نے اس کی جگہ اپنے وزیر ابو عبداللہ کے مشورے سے روح بن حاکم کو سندھ کا گورنر مقرر کیا۔ (62)

(29) 211 ہجری میں خلیفہ مامون کے عہد میں حاجب بن صالح سندھ کا گورنر ہوا۔ پھر غسان بن عباد سندھ کا حاکم مقرر رہا۔ (63)

(30) 297 ہجری مقتدر کے عہد میں لیث بن علی سیستان اور سندھ کا حاکم تھا۔

(تاریخ اوچ، ص 67)

(31) 298 ہجری میں حسین بن مروردوی حاکمِ سندھ تھا تو خلیفہ مقتدر نے احمد سامانی کے نام حکومت سندھ کا فرمان جاری کیا۔ (تاریخ اوچ، ص 67)

(32)300ہجری میں سیم جوردوانی حکومتِ سامانیہ کی طرف سے سندھ کا حاکم تھا۔ یہ زمانہ غزنویوں خلجیوں اور افغانوں کی تگ ودو کا تھا۔(تاریخ اوچ،ص 67)

(33)370ہجری میں حضرت شیخ سید صفی الدین گاذرونی حقانی علیہ الرحمۃ اوچ میں رونق افروز ہوئے۔(تاریخ اوچ،ص 67)

(34)396ہجری میں جب سلطان محمود غزنوی نے راجہ جے پال کو شکست دے کر اس کا کام تمام کیا اور اوچ کی طرف روانہ ہوا تو اس وقت اوچ کا حاکم ابوالفتح داؤد بن نصیر بن شیخ حمید لودھی تھا جو قرامطی مذہب رکھتا تھا۔ شیخ حمید لودھی نے سلطان کو اسلام کا واسطہ دے کر اطاعت کا عہد و پیمان کیا ہوا تھا مگر ابوالفتح نے اس کو بالائے طاق رکھ کر سرکشی اختیار کی۔(تاریخ اوچ ص 67-68)

(35)416ہجری میں سلطان محمود غزنوی کے نام خلیفہ قادر باللہ عباسی نے، سومنات فتح کرنے پر مبارک بادی کا خط لکھا اور خراسان، ہندوستان، نیم روز اور خوارزم کا لوائے سلطنت بھی عطا کیا۔(تاریخ فرشتہ،ص 85)

(36)421ہجری میں سلطان محمود غزنوی کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے سلطان مسعود نے امیر خازن نیال تگین کو لاہور کا گورنر بنایا اوچ بھی اس کی زیرِ نگرانی رہا۔ نیال تگین نے بغاوت اور سرکشی اختیار کی تو سلطان مسعود نے امیر الامراء کو اس کی سرکوبی کیلئے مقرر کیا۔ نیال تگین اوچ میں محصور رہا پھر فرار ہوگیا اور کود کر دریا میں غرق ہوگیا۔(تاریخ اوچ ص 68)

(37)432ہجری میں سلطان مسعود کے بعد اس کا بیٹا مودود، سلطان ہوا اس کے عہد میں ابوعلی کوتوال اوچ کا حاکم تھا سلطان مودود کی وفات کے بعد پہلے 441ہجری میں مسعود بن مودود اور پھر ابوالحسن علی بن مسعود بن محمود تخت نشین ہوئے انہوں نے پشاور سے لے کر اوچ تک قبضہ کرلیا اور باغی افغانوں کو شکست دے کر خود مختار حکومت قائم کرلی۔(64)

(38)443ہجری میں سلطان عبد الرشید بن سلطان محمود تخت نشین ہوا تو اس نے علی بن ربیع حاکمِ اوچ کو واپس کر کے توشنگین کرخی کو امیر الامراء بنا کر ہندوستان میں بھجوایا

سلطان مسعود بن ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی کے عہد میں اوچ پنجاب سمیت توشنگین کے زیرِ حکم رہا سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود کے زمانے میں سالار حسین بن ابراہیم علوی اوچ کا گورنر تھا۔ (تاریخ اوچ ص68)

(39)547 ہجری میں جب سلطان بہرام کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا خسرو شاہ فرمانروائے غزنی ہوا اس پر غوریوں کی یورش ہوئی غزنی پر غوریوں کا قبضہ ہو گیا تو خسرو شاہ نے ہندوستان آ کر ملتان اور اوچ میں اپنا سکہ و خطبہ جاری کیا۔ (تاریخ اوچ ص68-69)

(38)555 ہجری میں خسرو شاہ فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے ملک خسرو نے لاہور میں تخت نشینی اختیار کر لی۔ (تاریخ اوچ ص69)

(39)576 ہجری میں شہاب الدین محمد غوری نے افغانستان، پشاور، سندھ، اوچ اور ملتان کو فتح کر کے لاہور کا رخ کیا۔ اس وقت اوچ پر بھٹی راجہ دیو سنگھ قابض تھا، اس نے اوچ کا نام دیوگڑھ رکھا ہوا تھا۔ (تاریخ اوچ، ص69)

(40)602 ہجری میں سلطان شہاب الدین محمد غوری کھوکھروں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گیا۔ اس وقت شہاب الدین کا داماد ناصر الدین قباچہ سندھ اور ماروار کا حاکم تھا اس نے اوچ میں مع اہل و عیال سکونت اختیار کی تھی اور اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا۔ اس کی سلطنت ٹھٹھ سے لے کر سرحد تک پھیلی ہوئی تھی۔ (تاریخ اوچ ص70)

(41)624 ہجری میں ناصر الدین قباچہ نے اوچ کے قلعے کو نہایت مضبوط اور بہت خوبصورت بنوایا اور دینی علوم کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ناصر الدین کی کھوکھروں سے مخالفت تھی ان کے سردار کو کارسنگار نے محمد خوارزم کے بیٹے سلطان جلال الدین کو ناصر الدین کے مقابلہ کے لیے اپنے ساتھ شامل کر لیا دریائے چناب اور سندھ کے درمیان مقابلہ ہوا ناصر الدین ملتان چلا گیا جلال الدین نے اوچ کو آگ لگا دی اور خوبصورت شہر اور مضبوط قلعے کو خاک کا ڈھیر کر دیا خود کیچ مکران کی طرف نکل گیا اس کے بعد ناصر الدین اوچ آ گیا اور اس کی رونق کی طرف پوری توجہ دی ابھی دو برس نہ گزرے تھے

کہ شمس الدین التمش نے اوچ پر حملہ کر دیا۔ ناصر الدین دریا کے طوفان میں ڈوب کر شہید ہوا۔(65)

(42) 625ہجری میں سلطان شمس الدین التمش کے وزیر نظام الملک محمد بن اسعد نے اوچشریف کو فتح کیا اور بکھر چلا گیا۔ (تاریخ اوچ ص36)

(43) 643ہجری میں مسعود شاہ ولد فیروز الدین شاہ کو معلوم ہوا کہ مغلوں نے اوچ شریف پر لشکر کشی کی ہے اور اس کا محاصرہ کر رکھا ہے تو وہ فوراً اوچ شریف پہنچا اور مغلوں کو بھگا کر اس کے قلعے کو بچالیا۔ (تاریخ اوچ ص36)

(44) 649ہجری میں سلطان محمود ناصر الدین التمش نے اوچ اور ملتان پر دھاوا بولا اسے فتح کرنے کے بعد سنجر کو یہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔ (تاریخ اوچ ص36)

(45) 656ہجری میں مغلوں نے ایک بار پھر اوچ شریف کو تاخت و تاراج کرنا چاہا مگر سلطان محمود ناصر الدین نے بروقت کاروائی کر کے اوچ کو بچالیا اور انہیں چلتا کیا۔

(تاریخ اوچ ص36)

(46) 693ہجری میں سلطان جلال الدین خلجی نے اپنے بیٹے ارکلی خان کو اوچ اور ملتان کا حاکم مقرر کر دیا۔ (تاریخ اوچ ص36)

(47) 696ہجری میں سلطان علاؤ الدین خلجی نے نصرت خان کو اوچ شریف پر مامور کیا تاکہ وہ سرکش لوگوں کو سمجھیں اور ان سے نمٹیں۔ سلطان خلجی کے حکم سے غازی ملک، چنگیزی مغلوں سے مقابلہ کیلئے نکلا۔ اس نے اوچ شریف سمیت ملتان اور دریائے سندھ کے باہر کا علاقہ فتح کیا۔ (تاریخ اوچ ص36)

(48) 809ہجری میں مرزا پیر محمد نے اوچ شریف کے قلعے کا محاصرہ کیا اور سارنگ خان کے مقرر کیے ہوئے تاج دین سپہ سالار کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ (تاریخ اوچ ص37)

(49) 874ہجری کے بعد طوائف الملوکی، بے اطمینانی اور بے چینی کا دور دورہ شروع ہوا۔ سندھ اور پنجاب کے لوگ بھی خود مختاری کے نشے میں مست ہو گئے تو اوچشریف

اور ملتان شریف کے لوگوں نے شیخ یوسف قریشی کو اپنا حاکم بنالیا۔ (تاریخ اوچ ص 37)

(50) 931ہجری میں مرزا شاہ حسن ارغون نے اوچشریف کے بلوچوں اور لنگاہوں سے نبرد آزمائی کی ان سے قلعہ چھین لیا اس نے اوچشریف کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی یہاں کی دنیا، دولت اور مال و متاع کو کشتیوں میں لاد کر بکھر لے گیا (تاریخ اوچ ص 37)۔ روڑھی اور سکھر کے مابین دریائے سندھ کے وسط میں جس قلعہ کے آثار نظر آتے ہیں یہی بکھر تھا۔ یہ اس جگہ واقع تھا جہاں اب سکھر ہے اسی جگہ پر میر محمد معصوم بھکری کا مقبرہ بھی ہے۔ انہوں نے تاریخِ معصومی لکھی تھی۔ علامہ ابن بطوطہ بھکر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''دریائے سندھ کی ایک شاخ کا درمیان شہر سے گذر ہوتا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں اب سکھر و روڑھی کا شہر واقع ہے'' ضلع راجن پور میں حاجی پور کے قریب بھکر کا قصبہ موجود ہے۔ ضلع میانوالی میں بکھر کا شہر موجود ہے۔ جب ہمایوں بادشاہ اوچشریف میں آیا اس وقت بخشی لنگاہ اوچشریف کا حاکم تھا۔ ہمایوں نے بخشی کے انتظام اور خدمات کو سراہا اور خوش ہو کر اسے ''خانِ جہان'' کے لقب سے نوازا۔

(51) 950ہجری میں ایران کے بادشاہ طہماسپ صفوی نے سلطان محمود خان کو اوچ شریف اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ جاگیر کے طور پر عطیہ کر دیا۔ اور اسے ''خان'' کا لقب عطا کر کے عزت بخشی۔ (تاریخ اوچ ص 37)

(52) 1124ہجری میں میاں دین محمد کلہوڑا کے سپہ سالار مقصودی نے شہزادہ معزالدین کے لشکر اور عام لوگوں کو بغیر کسی وجہ کے قتل کر دیا لوگوں نے جذبہ انتقام کے تحت کلہوڑے پر چڑھائی کر دی اور اسے شکست دیکر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ (66)

(53) 1140ہجری میں نواب صادق محمد خان اول نے ریاست بہاولپور تشکیل دی تو اوچ شریف بھی نواب صاحب کے زیر نگیں آ گیا۔ انہوں نے اللہ آباد شہر کی بنیاد رکھی۔ صادق محمد خان ریاست کا پہلا نواب تھا۔ اس وقت دہلی میں نادر بادشاہ کی حکومت تھی نواب صاحب کے تین بیٹے تھے۔ بہاول خان، مبارک خان اور فتح خان۔ نواب صادق محمد نے

اپنے بڑے بیٹے بہاول خان کو 1159 ہجری میں تخت اور ریاست کا وارث بنا دیا خود اسی سال راہیِ ملکِ بقا ہوا۔ (بغداد سے بہاولپور، ص 43)

(54) 1159 ہجری یکم ربیع الثانی کو نواب بہاول خان نے زمامِ اقتدار سنبھالی اور اپنے والد گرامی کی ریاست کا والی بنا۔

یہ بادشاہ عاشقِ رسول اور بہت بڑا پیر پرست تھا اسکی سنت کے مطابق داڑھی تھی، وہ صوم وصلاۃ کا پابند تھا۔ اس نے اپنی مستقل رہائش کیلئے دیوان کوڑا مل ملتان کے صوبے دار سے آدم واہن کا علاقہ پٹے پر حاصل کیا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور دریائے ستلج کے جنوبی کنارے سے تین میل دور اپنے نام سے منسوب بہاول پور کے شہر کی بنیاد رکھی۔ پہلے یہاں ایک چھوٹی سی بستی تھی اور اس بستی کا نام سوڈھے کی جھوک تھا۔ بادشاہ نے اس شہر کو آباد کرنے کیلئے لوگوں کو بلایا۔ لوگ اس شہر میں چند دن ٹھہرتے پھر واپس چلے جاتے یہاں رہائش کا مسئلہ پریشان کن ثابت ہوا۔ نواب کو کسی نے مشورہ دیا کہ حضرت ملوک شاہ کے پاس چل کر دعا کرائی جائے۔ نواب صاحب بڑے ادب واحترام سے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی خواستگاری کی۔ آپ نے پانی منگوایا تھوڑا سا پانی پی لیا باقی پانی کے بارے میں حکم دیا کہ اسے شہر کی مرکزی مسجد کے کنویں میں ڈال دو اور لوگوں سے کہو کہ وہ اس کنویں کا پانی استعمال کریں۔ نواب صاحب نے شاہ صاحب کی نصیحت پر عمل کیا۔ چند دن گزرے کہ لوگوں سے شہر آباد ہو گیا اور جو کوئی آتا واپس جانے کا نام نہ لیتا۔ یہ مسجد و کنواں اب بھی مسجد مچھی کے نام سے مشہور ہے۔ (67)

بہاول خان نے صرف تین سال حکومت کی اور 7 رجب المرجب 1163 ہجری میں واصل باللہ ہوئے۔ نواب صاحب کو تجہیز و تکفین کے بعد ملوک شاہ کے قبرستان میں اعزاز کیساتھ دفن کیا گیا۔ ان کے لاولد ہونے کی وجہ سے ان کے دوسرے بھائی مبارک خان عباسی کو مسند آرائے سلطنت بنایا گیا۔ (بغداد سے بہاولپور، ص 44)

(55) 1164 ہجری میں امیر محمد مبارک خان اپنے بڑے بھائی بہاول خاں کی اولاد

نہ ہونے کے باعث تخت نشین ہوااور اپنی مملکت کو چلانے میں مصروف ہو گیا۔ قائم پور اور مروٹ کے قلعوں کو فتح کیا۔ سردار خان آٹھ ہزار فوج کے ساتھ خیر پور کے قریب پہنچا تو مبارک خان نے اپنی فوج کو نبرد آزمائی کا اشارہ کر دیا۔ سخت مقابلہ کے بعد سردار خان کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا وہ ہاتھ مسلتا ہوا واپس چلا گیا۔ مبارک خان نے اپنی ریاست کو مزید مستحکم کرنا شروع کر دیا۔ میلسی، لودھراں اور مظفر گڑھ کا علاقہ اس کے قبضہ میں آ گیا۔ اوچ شریف بھی اس کے زیرِ فرمان تھا۔ خانقاہوں کے سجادوں سے خوشگوار معاملات رہے۔ چوبیس سال حکومت کرنے کے بعد ربیع الاول 1186 ہجری کو یہ بادشاہ راہیِ ملکِ بقا ہوا۔ انہیں بھی حضرت ملوک شاہ کے قبرستان میں خلد آشیانی نصیب ہوئی۔

(بغداد سے بہاولپور، ص45)

(56) 1186 ہجری میں بہاول خان اور مبارک خان کا بھتیجا جسے بہاول خان ثانی کا لقب ملا۔ کہا جاتا ہے کہ بہاول خان ثانی کا دور انقلابی تھا۔ کابل کے بادشاہ تیمور نے 1779 عیسوی میں بہاولپور پر چڑھائی کی اور ڈیراور کے قلعے پر بھی حملہ آور ہوا۔ نواب بہاول خان نے ڈیراور سے 24 میل دور خان گڑھ کے مقام پر 1198 ہجری میں ایک قلعہ تعمیر کرایا 1215 ہجری میں اوچ شریف کے قلعے کو مسمار کرا دیا۔ اس قلعے کو نیست و نابود کرنے کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مخالفوں کی کمین گاہ نہ بنے۔ 1321 ہجری میں گڑھی اختیار خان کے قلعے کو فتح کیا اور کوٹ سبزل کا علاقہ بھی اس کے زیرِ نگین ہوا۔ اس بادشاہ نے 1197 ہجری کو احمد پور شرقیہ میں ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی اور اپنی ریاست کے سکے جاری کیے۔ نواب بہاول خان ثانی شریعت کا پابند تھا۔ اس نے خوبصورت داڑھی اور زلفیں رکھیں ہوئیں تھیں۔ یکم رجب المرجب 1224 ہجری کو صبح کی نماز کی خاطر وضو کیلئے اٹھا اچانک طبیعت ناساز ہو گئی بستر پر لیٹا ہی تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے 38 سال حکومت کی۔ (بغداد سے بہاولپور، ص46)

(57) 1224 ہجری رجب کے مہینے میں نواب صادق محمد خان ثانی کو سریرِ سلطنت

پر بٹھایا گیا ان کا اصل نام عبداللہ تھا۔ انہوں نے اراکینِ ریاست کا تقرر کر کے اسے ایک مستقل حکومت کی شکل دے دی اور شورش کرنے والوں کے حملوں کا دفاع کر کے اپنی حکومت کو مضبوط کیا۔ انہوں نے 16 سال حکومت کی۔ (بغداد سے بہاولپور، ص 47)

(58) 1241 ہجری میں نواب بہاول خان ثالث نے حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی اور خدمتِ خلق پر مامور ہوئے ان کا اصل نام رحیم یار خان تھا یہ شریعت کا پابند تھا۔ داڑھی اور زلفیں اس کو سجتی تھیں، ترکی ٹوپی انہوں نے پہنی۔ رحیم یار خان کا شہر بھی انہوں نے بسایا۔ اور ریاست میں ایک نئی روح پھونک دی۔ 1844 عیسوی میں برطانیہ کی حکومت نے علاقہ کی حد بندی کی تو عہد نامے کی شرائط کے تحت کوٹ سبزل، بھونگ اور بھارہ کو ان کی ریاست میں شامل کر دیا۔ انہوں نے 28 سال کامیابی کے ساتھ حکومت کی۔

(بغداد سے بہاولپور، ص 48)

(59) 1269 ہجری میں نواب صادق محمد خان تخت نشین ہوئے انہوں نے اپنے بڑے بھائی حاجی خان کو بغاوت کے خوف سے قید کر دیا۔ ریاستی لوگ ناراض ہو گئے۔ قید سے رہائی دلا کر اسے اپنا والی مقرر کر لیا اور صادق محمد کو معزول کر دیا۔ انہوں نے چار ماہ آٹھ دن حکومت کی۔ (بغداد سے بہاولپور، ص 49)

(60) 22 فروری 1853ء کو حاجی خان تخت بہاولپور پر براجمان ہوا۔ اور اپنے بھائی صادق محمد کو قید میں ڈال دیا۔ انگریز نے اسے قید سے رہائی دلائی اور لاہور منتقل کر دیا۔ اس کی پنشن بھی مقرر کرا دی۔ (بغداد سے بہاولپور، ص 50)

(61) 1858 عیسوی میں نواب رحیم یار خان کو ریاست بہاولپور کی ذمہ داری سونپی گئی اور انہیں بہاول خان کا لقب عنایت کیا گیا۔ اس نواب کی مسند نشینی کے بعد بغاوتوں کا بھوت اپنے پر پُرزے نکال کر پھیل گیا، ریاست میں ایک خوفناک صورت حال پیدا ہو گئی۔ لیکن اوچشریف میں امن و امان اور آشتی و استقلال کی فضا میں تبدیلی نہ آئی۔ اس بادشاہ نے سات سال آٹھ ماہ حکمرانی کی۔ (بغداد سے بہاولپور، ص 51)

(62)1866 عیسوی مارچ کے مہینے میں نواب صادق محمد خان اپنے والد رحیم یار خان کی جگہ پر فائز ہوئے انگریز حکومت نے ان کی سر پرستی کی اور انہیں تربیت دی۔ان کے کم سن ہونے کی وجہ سے برٹش ایجنسی نے ریاست کے امور چلائے۔1898 عیسوی میں افغانستان کی جنگ واقع ہوئی ریاست کی طرف سے بہت زیادہ مدد کی گئی۔اس کے انعام میں ریاست نے فوجی خدمات کے صلے میں سونے کے آٹھ تمغے حاصل کیے۔ 14 فروری 1899 عیسوی میں اس نواب کا انتقال ہوا۔اس نے دو بیٹے چھوڑے، محمد مبارک اور محمد حاجی خان۔(بغداد سے بہاولپور،ص 52)

(63)11 مارچ 1899 عیسوی کو مبارک خان برسرِ اقتدار ہوئے ان کو بہاول خان کا خطاب دیا گیا۔اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔طالب علمی کے دوران لاہور کے ایچیسن کالج میں عالی شان مسجد تعمیر کرائی۔ بہاول پور نور محل کے احاطے میں خوبصورت مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا۔یتیم ولاوارث بچوں کیلئے یتیم خانہ تعمیر کرایا۔شاہی محلات کو شہر کی گنجان آبادی سے باہر نکالا۔ بہاول پور میں پولیس ٹریننگ سنٹر کا اجرا کیا۔ہائی سکول، کالج اور شفا خانے بنوائے۔ پہلی دفعہ کار خریدی۔ جو جنوری 1903 عیسوی کو بہاولپور آئی۔کار کی قیمت سات ہزار تین سو پچیس روپے تھی۔شکایت کیلئے اپنے دولت خانہ دربار روڈ کے دروازے پر ایک صندوق رکھوایا اسکی چابی اپنے پاس رکھی اور اسے خود کھولتے، شکایت پڑھتے اور انصاف کرتے۔ 1906 عیسوی میں حج اور روضۂ رسول اللہ ﷺ کی حاضری کیلئے حجاز شریف گئے۔ واپسی میں عدن کے مقام پر رحلت کر گئے وہاں سے انکی میت کراچی لائی گئی۔ان کی بیوی، بچہ اور والدہ بھی ساتھ تھے۔(بغداد سے بہاولپور،ص 53 تا ص 55)

(64) بہاول خان سابع کے انتقال کے وقت ان کا ایک بیٹا صادق محمد خان ان کی عمر تقریباً دو سال تھی۔ یہ بچہ اپنے والد کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو چکا تھا۔اس کی تربیت کے بعد 8 مارچ 1924 عیسوی کو اسے ریاست کا والی بنا دیا گیا۔انہوں نے 32 سال حکومت کی۔2 اکتوبر 1929ء کو حضرت خواجہ فیض احمد صاحب سجادہ نشین

چاچڑاں شریف کے دستِ حق پرست پر بیعت فرمائی۔14 مارچ 1930ء کو کپورتھلہ تشریف لے جا کر وہاں جامع مسجد کا افتتاح کیا۔22 جنوری 1935ء کو ادائیگیِ فریضۂ حج کیلئے حجاز مقدس کے سفر پر روانہ ہوئے۔ سلطان عبدالعزیز بن سعود نجدی نے خصوصی مہمان نوازی کی۔اور آپ بیت اللہ کے غسل کی سعادت سے بہرور ہوئے۔

10 جنوری 1936ء سے غریب ناداروں کی ایک خاص تعداد ہر سال حج کی سعادت حاصل کرنے کیلئے حرمین شریفین پر بھجواتے رہے اور ان کے اخراجات خود برداشت کرتے رہے یہ سلسلہ ان کی زندگی تک چلتا رہا۔

1937ء میں شاہ جارج ششم کی تاجپوشی کی تقریب میں ہندوستان کے چھ سو والیان ریاست میں صرف چھ سلطانوں کو مدعو کیا گیا۔نواب آف بہاولپور ان چھ حکمرانوں میں سے پہلے نمبر پر تھے۔جنہوں نے اس رسمِ تاجپوشی میں ہندوستان کے چھ سو نوابوں کی نمائندگی کی۔

یکم نومبر 1940ء کو جامع مسجد الصادق چوک بازار بہاولپور میں دس ہزار سے زائد مسلمانوں کے اجتماع کے سامنے جمعۃ الوداع رمضان المبارک میں ایک فصیح و بلیغ تقریر فرمائی اور ملتِ اسلامیہ کی خدمت کے سلسلہ میں فلسطین کے مہاجرین کیلئے گراں قدر امداد عطا کی۔ 1947 میں پاکستان کے معرض وجود میں آجانے کے بعد ریاست بہاولپور نے پاکستان سے الحاق کیا تو اس کے تمام علاقے پاکستان میں ضم ہو گئے۔(68)

پاکستان کے حکمران

نمبر شار	گورنر جنرل	دور حکومت	حکومت ختم ہونے کی وجہ
1	محمد علی جناح	۱۵۔اگست ۴۷ء تا ۱۱ ستمبر ۴۸ء	۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ کو فوت ہو گئے
2	خواجہ ناظم الدین	۱۴۔ستمبر ۴۸ء تا ۱۷۔اکتوبر ۵۱ء	غلام محمد نے انہیں برطرف کر دیا
3	ملک غلام محمد	۱۹۔اکتوبر ۵۱ء تا ۱۵ اکتوبر ۵۵ء	اسکندر مرزا نے اقتدار چھین لیا
4	میجر جنرل اسکندر مرزا	۶۔اکتوبر ۵۵ء تا ۲۲۔مارچ ۵۶ء	صدرِ مملکت بن گئے

پاکستان کے صدور

نمبر شمار	صدر	دور حکومت	حکومت ختم ہونے کی وجہ
1	میجر جنرل اسکندر مرزا	۲۳۔ مارچ ۵۲ تا ۲۷۔ اکتوبر ۵۸ء	ایوب خان نے ان کا تختہ الٹ دیا
2	فیلڈ مارشل محمد ایوب خان	۲۷۔ اکتوبر ۵۸ء تا ۲۵۔ مارچ ۶۹ء	وسیع پیمانے پر احتجاج کے باعث استعفیٰ دے دیا۔
3	جنرل محمد یحیٰ خان	۲۵۔ مارچ ۶۹ء تا ۲۰۔ دسمبر ۷۱ء	مشرقی پاکستان کے ٹوٹنے کے نتیجے میں استعفیٰ دیا۔
4	ذوالفقار علی بھٹو	۲۰۔ دسمبر ۷۱۔ تا ۱۳۔ اگست ۷۳ء	وزیر اعظم بن گئے
5	چوہدری فضل الٰہی	۱۴۔ اگست ۷۳ء تا ۱۶۔ ستمبر ۷۸ء	مدت پوری ہونے کے بعد ریٹائرڈ ہوگئے
6	جنرل ضیاء الحق	۱۶۔ ستمبر۔ ۷۸ء تا ۱۷۔ اگست ۸۸ء	فضائی حادثے میں جان بحق ہو گئے
7	غلام اسحاق خان	۱۷۔ اگست ۸۸ تا ۸۔ جولائی ۹۳ء	دباؤ کے تحت استعفیٰ دیا
8	وسیم سجاد (قائم مقام)	۸۔ جولائی ۹۳ء تا ۱۳۔ نومبر ۹۳ء	فاروق لغاری کے صدر منتخب ہونے پر اقتدار اُن کے سپرد کر دیا۔
9	سردار فاروق لغاری	۱۳۔ نومبر۔ ۹۳ء تا ۲ دسمبر۔ ۹۷ء	حکومتِ وقت سے اختلافات کے سبب استعفیٰ دے دیا۔
10	جسٹس محمد رفیق تارڑ	یکم۔ جنوری ۹۸ء تا ۲۰ جون ۲۰۰۱ء	نئی حکومت کے ایما پر استعفیٰ دے دیا۔
11	جنرل پرویز مشرف	۲۰۔ جون ۲۰۰۱ تا ۱۸ اگست ۲۰۰۸	اپوزیشن کے احتجاج کے باعث استعفیٰ دیا۔

12	محمد میاں سومرو (قائم مقام)	۱۸ اگست تا ۹ ستمبر ۲۰۰۸	زرداری کے صدر منتخب ہونے پر اقتدار سپرد کر دیا
13	آصف زرداری	۹ ستمبر ۲۰۰۸ تا ۸ ستمبر ۲۰۱۳	مدت مکمل ہونے پر اقتدار سپرد کر دیا
14	ممنون حسین	۹ ستمبر 2013 تا حال	

پاکستان کے وزرائے اعظم

نمبر شمار	وزیر اعظم	دور حکومت	حکومت ختم ہونے کی وجہ
1	لیاقت علی خان	۱۵۔ اگست ۴۷ء تا ۱۶۔ اکتوبر ۵۱ء	شہید کر دیے گئے
2	خواجہ ناظم الدین	۱۷۔ اکتوبر ۵۱ء تا ۱۷۔ اپریل ۵۳ء	استعفیٰ دینے سے انکار پر غلام محمد نے انہیں برطرف کر دیا۔
3	محمد علی بوگرہ	۱۷۔ اپریل ۵۳ء تا ۱۲۔ اگست ۵۵ء	غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی توڑ دی تھی۔
4	چوہدری محمد علی	۱۲۔ اگست ۵۵ء تا ۱۲۔ ستمبر ۵۶ء	اسمبلی میں اکثریت کھونے کے بعد استعفیٰ دیا۔
5	حسین شہید سہروردی	۱۲۔ ستمبر ۵۶ء تا ۱۸۔ اکتوبر ۵۷ء	اسکندر مرزا نے استعفیٰ دینے پر مجبور کیا
6	ابراہیم اسماعیل	۱۸۔ اکتوبر ۵۷ء تا ۱۷۔ دسمبر ۵۷ء	ری پبلکن پارٹی کی حمایت کھونے کے باعث ہٹا دیئے گئے
7	ملک فیروز خان نون	۱۶۔ دسمبر ۵۷ء تا ۷۔ اکتوبر۔ ۵۸ء	ایوب خان کے مارشل لا کے نفاذ پر ہٹا دیے گئے
8	جنرل محمد ایوب خان	۲۷۔ اکتوبر ۵۸ء تا ۲۸۔ اکتوبر ۵۸ء	ایک دن وزیر اعظم رہے۔

9	نور الامین	۷۔دسمبر ۷۱ءتا ۲۰دسمبر ۷۱ء	سقوط ڈھاکہ کے بعد ہٹادیئے گئے
10	ذوالفقار علی بھٹو	۱۴۔اگست ۷۳ءتا ۵ جولائی ۷۷ء	جنرل ضیاء الحق کے مارشل لا کے نفاذ کے باعث معزول کردیئے گئے
11	محمد خان جونیجو	۲۴۔مارچ ۸۵ءتا ۲۹ مئی ۸۸ء	شدید اختلافات کے باعث ضیاء الحق نے ان کی حکومت برطرف کردی
12	بینظیر بھٹو	۲۔دسمبر ۸۸ءتا ۶ اگست ۹۰ء	کرپشن اور دیگر الزامات پر غلام اسحاق خان نے ان کی حکومت برطرف کردی
13	غلام مصطفیٰ جتوئی	۶۔اگست ۹۰ءتا ۶ نومبر ۹۰ء	اسلامی جمہوری اتحاد کی کامیابی کے بعد ہٹادیئے گئے
14	محمد نواز شریف	۶۔نومبر ۹۰ءتا ۱۸ اپریل۔ ۹۳ء	غلام اسحاق خان نے مختلف الزامات کے تحت حکومت برطرف کردی۔
15	بلخ شیر مزاری	۱۸۔اپریل ۹۳ءتا ۲۶ مئی ۹۳ء	سپریم کورٹ کے فیصلے کے نتیجے میں نگران وزارت عظمیٰ کالعدم ہوگئی۔
16	محمد نواز شریف	۲۶۔مئی ۹۳ءتا ۱۸۔جولائی ۹۳ء	دباؤ کے تحت استعفیٰ دیا۔
17	معین الدین احمد قریشی	۱۸۔جولائی ۹۳ءتا ۱۹۔اکتوبر ۹۳ء	عہدہ کا چارج منتخب حکومت کے حوالے کیا۔
18	بینظیر بھٹو	۱۹۔اکتوبر ۹۳ءتا ۵۔نومبر ۹۶ء	مختلف الزامات کے تحت فاروق لغاری نے حکومت برطرف کردی۔
19	ملک معراج خالد	۵ نومبر ۹۶ءتا ۱۷۔فروری ۱۹۹۷ء	چارج منتخب حکومت کے حوالے کیا۔
20	محمد نواز شریف	۱۷۔فروری ۹۷ءتا ۱۲۔اکتوبر ۱۹۹۹ء	جہاز اغوا کے الزام میں برطرفی

21	میر ظفر اللہ جمالی	۲۱۔نومبر ۲۰۰۲ء تا۲۶۔جون ۲۰۰۴ء	مستعفی ہو گئے۔
22	شجاعت حسین	۳۰جون ۲۰۰۴ تا ۲۰اگست ۲۰۰۴ء	مستعفی ہو گئے۔
23	شوکت عزیز	۲۰۔اگست ۲۰۰۴ء تا۱۶نومبر ۲۰۰۷ء	معیاد مکمل ہونے پر مستعفی ہوئے۔
24	محمد میاں سومرو	۱۶نومبر ۲۰۰۷ء تا۲۵مارچ ۲۰۰۸ء	نگران وزیرِ اعظم بنائے گئے۔
25	یوسف رضا گیلانی	۲۵مارچ ۲۰۰۸ء تا۱۹جون ۲۰۱۲ء	سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلے کے تحت برطرف ہوئے۔
26	راجا پرویز اشرف	۲۲جون ۲۰۱۲ء تا۲۵مارچ ۲۰۱۳ء	حکومتی مدت مکمل ہونے پر مستعفی ہوئے۔
27	میر ہزار خان کھوسو	۲۵مارچ ۲۰۱۳ءتا۵جون ۲۰۱۳ء	الیکشن کمیشن کی ہدایت پر نگران وزیرِ اعظم بنے۔
28	نواز شریف	۰۵جون ۲۰۱۳ءتا حال	

پاکستان کے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹرز

1	فیلڈ مارشل محمد ایوب خان	۷۔اکتوبر ۱۹۵۸ءتا۸۔جون ۱۹۶۲ء
2	جنرل آغا محمد یحییٰ خان	۲۵۔مارچ۔۱۹۶۹ءتا۲۰۔دسمبر ۱۹۷۱ء
3	ذوالفقار علی بھٹو (سویلین)	۲۰۔دسمبر ۱۹۷۱ءتا۱۲۔اپریل ۱۹۷۲ء
4	جنرل ضیاء الحق	۵۔جولائی ۱۹۷۷ءتا۳۰۔دسمبر ۱۹۸۵ء
5	جنرل پرویز مشرف	۲۰جون ۲۰۰۱ءتا۱۸اگست ۲۰۰۸ء

نوٹ: مندرجہ بالا فہرستیں ہمیں عزیزِ گرامی جناب نعیم احمد ناز صاحب نے مہیا فرمائی ہیں۔

جن کا تقابل ہم نے ویکی پیڈیا (Wikipedia) کی فہرستوں سے کیا ہے، اختلاف کی صورت میں ویکی پیڈیا (Wikipedia) پر اعتماد کیا گیا ہے۔

چیئرمین وایڈمنسٹریٹر ٹاؤن کمیٹی اوچشریف

اسمائے گرامی	عہدہ	از	تا
محمد اعظم خان	ایڈمنسٹریٹر	1958	1959
چوہدری محمد طفیل	ایڈمنسٹریٹر	1959	1962
مخدوم سید شمس الدین گیلانی	چیئرمین	1963	1966
مخدوم سید غلام اکبر بخاری	چیئرمین	1966	1969
مخدوم سید غلام اصغر بخاری	چیئرمین	1980	1983
مخدوم سید شمس الدین گیلانی	چیئرمین	1983	1986
شیخ فیاض احمد جاوید	قائم مقام چیئرمین	26-04-1986	09-07-1986
مخدوم سید ظفر حسن گیلانی	چیئرمین	1986	1987
عبدالحمید درانی	ایڈمنسٹریٹر	1987	1988
مخدوم سید ظفر حسن گیلانی	چیئرمین	1988	1992
مخدوم سید غلام اصغر بخاری	چیئرمین	1992	1993
غازی امان اللہ خان	ایڈمنسٹریٹر	1993	1996
سردار دُر محمد خان	ایڈمنسٹریٹر	07-01-1997	28-02-1997
غازی امان اللہ خان	ایڈمنسٹریٹر	01-05-1997	31-10-1997
چوہدری اشرف علی نعیم	ایڈمنسٹریٹر	03-01-1998	31-10-1998
شیخ فیاض احمد جاوید	چیئرمین	1998	1999

محمد شعیب طارق وڑائچ	ایڈمنسٹریٹر	1999	2000
میاں جمیل احمد	ایڈمنسٹریٹر	2000	2001
مخدوم سید ظفر حسن گیلانی	ناظم	2001	2005
مخدوم سید ظفر حسن گیلانی	ناظم	2005	2009

نوٹ: صدر پاکستان محمد ایوب خان کے جاری کردہ بنیادی نظامِ جمہوریت کے تحت 1958ء میں پہلی بار ٹاؤن کمیٹی اوچشریف قائم کی گئی محمد اعظم خان اس کے پہلے ایڈمنسٹریٹر اور بعدازاں انتخابات کے بعد مخدوم سید شمس الدین گیلانی اس کے پہلے منتخب چیئرمین مقرر ہوئے۔

چوتھا باب

اوچ شریف کا ضلعی مقام

سب تحصیل اوچ شریف کا ضلعی مقام بہاولپور ہے۔ بہاولپور پنجاب کے جنوب مغرب سمت میں دریائے ستلج کے بائیں کنارے پر تین سو میل لمبی اور 55 میل چوڑی حدود میں واقع ہے۔ اس مملکت کے شمال میں مغربی اضلاع لودھراں اور ملتان ہیں اور جنوب میں بیکانیر اور جیسلمیر اور رحیم یار خان ہیں۔ اور مغرب میں صوبہ سندھ کے بعض اضلاع ڈیرہ غازی خان اور مظفر گڑھ ہیں۔ سابق ریاست بہاولپور میں قریباً ڈیڑھ سو میل طویل ایک ریلوے لائن گزرتی ہے یہ لائن جغرافیائی اور فوجی اہمیت سے پاکستان کی شہ رگ کہلاتی ہے۔ اوچشریف کے جنوب میں عباسیہ نہر کے کنارے پر پی۔ ایل۔ کے۔ روڈ (سڑک) گزرتی ہے اس کے مغرب میں دو کلومیٹر کے فاصلے پر پنجند نہر ہے۔ اوچشریف کے مشرق میں عباسیہ لنک نہر کا گزر ہوتا ہے یہ نہر روہی کے جنگلات کو سیراب کرتی ہے اور سارا سال چلتی رہتی ہے۔ سید یوسف رضا گیلانی نے اپنی وزارت عظمیٰ کے دور میں جلال پور پیر والا سے اوچشریف تک ایک سڑک تعمیر کروائی جو تا دمِ تحریر غیر مکمل ہے۔ اوچ کے شمال میں چین کی مدد سے راہداری پر کام ہو رہا ہے کہا جاتا ہے کہ اس وسیع و عریض سڑک پر اوچشریف کو انٹر چینج دینے کا منصوبہ بھی شامل ہے۔

مرزائیت کے خلاف تاریخی فیصلہ

اوچشریف کے ضلعی مقام بہاولپور کو یہ شرف حاصل ہے کہ چودھویں صدی کے آغاز میں جب مرزا قادیانی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تو مشرق و مغرب کے علمائے کرام نے اس پر کفر اور ارتداد کا فتویٰ دیا تو پارٹیشن سے قبل نواب سر صادق محمد عباسی ثامن کے سنہری عہدِ حکومت میں یہ مسئلہ سابق ریاست بہاولپور کی عدالت میں پیش ہوا۔ جس میں جسٹس

محمد اکبر خان ڈسٹرکٹ جج ریاست بہاولپور نے مورخہ 7 فروری 1935ء بمطابق 3 ذوالقعدہ 1353ھ کو اپنے تاریخی فیصلے میں قادیانیوں کو کافر اور خارج از دائرۂ اسلام قرار دے دیا۔(69)

مرزا قادیانی

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی امت از روئے اسلام کافر ہیں کیونکہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین بنایا ہے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاتم النبیین کا معنی کیا ہے: لانبی بعدی۔ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی نہ ماننا قرآن مجید کا انکار ہے اور نصِ قطعی کا منکر اسلام سے خارج ہوتا ہے اس لئے مرزا قادیانی اور اس کی امت کو اسلام سے خارج قرار دیا گیا۔ فیصلہ بہاولپور میں قادیانیوں کو کافر قرار دلوانے میں قطبِ گولڑہ حضرتِ اعلیٰ خواجہ پیر سید مہر علی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید شیخ الجامعہ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ (اس کی تفصیل ماہ نامہ السعید، ملتان، فروری، مارچ اور اپریل 2017ء میں دیکھیں) تاج دارِ گولڑہ نے مرزے کے خلاف جو علمی جنگ لڑی تھی وہ مہرِ منیر کے پانچویں باب کی چوتھی و پانچویں فصل میں موجود ہے اس میں ایک واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔

الجیٹھ بالجیٹھ

1904ء میں ختم ہونے والے قادیانی مقدمات کے بعد 1907ء میں پھر ایک مرتبہ قادیانیت کی طرف سے حضرت (گولڑوی) کے متعلق ایک کاروائی کا پتہ چلتا ہے شاید اس سال مرزے نے پھر کوئی پیش گوئی داغی ہوگی جسے سن کر نواب محمد حیات خان کے والد میاں محمد پریشانی کے عالم میں گولڑہ شریف پہنچے اور عرض کیا قادیانی کہتا ہے اس آنے والے جیٹھ میں پیر صاحب گولڑہ کا انتقال ہو جائے گا لہٰذا اپنی حفاظت کا مناسب انتظام رکھیں مبادا کوئی حملہ نہ کر دے حضرت نے انہیں تسلی دی اور فرمایا: موت تو برحق ہے، مگر تسلی رکھو ان شاء اللہ اس جیٹھ میں میں نہیں مرتا۔ جب جیٹھ کا مہینہ آیا تو مرزا مر گیا۔ اس سال جب سیال شریف

عرس پر ملاقات ہوئی تو حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے میاں صاحب سے فرمایا ''الجیٹھ بالجیٹھ''، یعنی جیٹھ جیٹھ سے بدل گیا ہے۔(70)

مرزائی سٹیٹ کا منصوبہ

پاکستان بننے کے بعد مرزائیوں نے اپنے مذہب کا پرچار شروع کر دیا اور پاکستان کو مرزائی سٹیٹ بنانے کا منصوبہ تیار کر لیا ان کی اس چالبازی کو غزالئی زماں امامِ اہلسنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ نے بھانپ لیا۔ آپ نے ایک قرار داد لکھی اس پر علمائے کرام کے دستخط کرائے یہ قرار داد 11 جون 1952ء کو صوبائی مسلم لیگ کے اجلاس میں پیش کرنے کیلئے بھیجی۔ قرار دار کے الفاظ یہ تھے: قادیانی بالاتفاق خارج از اسلام سمجھے جاتے ہیں اس لئے ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور حکومت کو اس اعلان میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ چونکہ چوہدری ظفر اللہ (اس وقت کے وزیر خارجہ) قادیانی ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے نمائندہ نہیں ہیں۔ صوبہ پنجاب کی مسلم لیگ کونسل کو حکومت سے مطالبہ کرنا چاہیے کہ انہیں ان کے عہدے سے برطرف کر دیا جائے۔(71)

بدقسمتی سے اس قرارداد پر عمل درآمد تو نہ ہو سکا لیکن اس تحریک کی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئیں تمام مکاتبِ فکر کے علما نے مل جل کر تحریک کو کامیاب کرانے کی تگ ودو کی۔ بالآخر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے عہدِ حکومت میں مسلمان کی تعریف کا مسئلہ قومی اسمبلی میں پیش آیا۔ یہ مسئلہ قائدِ ملتِ اسلامیہ علامہ امام شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ نے اٹھایا اس وقت کے مذہبی امور کے وزیر مولانا کوثر نیازی نے کہا کہ علمائے کرام مسلمان کی تعریف پر متفق نہیں، ہم آپ کو پندرہ منٹ دیتے ہیں مسلمان کی متفقہ تعریف لکھ کر اسمبلی میں پیش کرو۔ علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ (کراچی) نے مسلمان کی تعریف لکھ کر اسمبلی میں موجود علمائے کرام کے سامنے رکھ دی، علمائے کرام نے اس پر دستخط کر دیئے۔ نورانی صاحب اور ازہری صاحب اسمبلی میں تقریر کر چکے تھے فیصلہ یہ ہوا کہ اب یہ تعریف مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) پیش کریں۔ 17 اپریل کو اسمبلی میں یہ تعریف

پیش کی گئی اسلام اور ختمِ نبوت کے تحفظ اور مسلمان کی تعریف کے متعلق مجاہدِ اسلام، فدائے ختمِ نبوت، قائد اہلسنت، حق وصداقت کی نشانی امام شاہ احمد نورانی کے نعرۂ حق، شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ ازہری ودیگر علمائے کرام اور اراکینِ اسمبلی کے اتفاق اور ان کی جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ 1974ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو کافر قرار دے دیا گیا۔ گویا امامِ اہلسنت کی تحریک کو قائدِ اہلسنت نے انجام تک پہنچا دیا لہٰذا حسبِ شریعت مسلمان، غلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکاروں کو کافر تسلیم کرتے ہیں کسی بھی مسلمان کا قادیانیوں سے نہ جانی رشتہ ہے نہ ایمانی۔ علمائے نجد کے سرخلیل علامہ محمود بن عبد اللہ المتوفی 1413ھ نے لکھا ہے:

اِنَّ نِشَاطَ الْقَادِیَانِیِّیْنَ وَالتَّبْلِیْغِیِّیْنَ مَمْنُوْعٌ فِیْ مِصْرٍ، وَلٰکِنْ نِشَاطَ الْاِثْنَیْنِ مَسْمُوْحٌ فِیْ اِسْرَآئِیْلَ بَلْ اَنَّ الْقَادِیَانِیِّیْنَ لَھُمْ مَرْکَزٌ فِیْ اِسْرَآئِیْلَ کَمَا اَنَّ التَّبْلِیْغِیِّیْنَ لَھُمْ تَجَوُّلَاتٌ شِبْہِ دَائِمَۃٍ فِیْ اِسْرَائِیْلِ (72)

یعنی قادیانیوں اور تبلیغی جماعت والوں کی مصر میں اٹھک بیٹھک ممنوع ہے لیکن ان دونوں کیلئے اسرائیل میں دروازے کھلے ہیں بلکہ اسرائیل میں قادیانیوں کا مرکز ہے۔ جیسا کہ ہمیشہ سے اسرائیل میں تبلیغی جماعت والوں کی سرگرمیاں عروج پر ہیں۔

نواب آف بہاولپور کی دینی عقیدت

سر صادق محمد خاں عباسی آخری فرمانروائے بہاولپور کی حضور ﷺ سے دلی محبت کا جذبہ بہت وسیع تھا۔ نواب آف بہاولپور صادق محمد عباسی خامس کے حضور پُرنور سرکارِ مدینہ کے روضۂ اقدس پر سرخ رنگ کے لگوائے ہوئے فانوس آج بھی اس کی محبت اور خلوص کی گواہی دے رہے ہیں۔ جب تک یہ فانوس مسجد نبوی میں جگمگاتے رہیں گے اس وقت تک صادق محمد عباسی مرحوم کا نام بھی اس دنیا میں روشن رہے گا۔

22 جنوری 1935ء کو نواب سر صادق محمد عباسی فریضۂ حج کیلئے حجازِ مقدس تشریف

لے گئے۔ وہ 100 افراد کو بھی اپنے ساتھ لے گئے جنہوں نے حج کی سعادت حاصل کی۔ جس میں ابوالاثر حفیظ جالندھری سمیت 11 افسران 15 اہلکاران، 47 ملازمین اور 27 دیگر اصحاب شامل تھے۔ نواب صاحب جس بحری جہاز پر تشریف لے گئے اس کا نام رحمانی جہاز تھا۔ اس وقت بحری جہاز کا کرایہ درجۂ اول 600 روپے، درجۂ دوم 427 روپے اور عرشہ کا کرایہ 172 روپے تھا۔

حج سے واپسی پر نواب سر صادق محمد عباسی نے اپنی ذاتی کار رولز رائس سمیت دوسری تمام گاڑیاں بھی جو وہ بحری جہاز سے اپنے ساتھ لے گئے تھے، سعودی عرب کے فرمانروا عبدالعزیز ابن السعود کو تحفے کے طور پر دیں۔ اس طرح سرزمینِ مقدس پر پہنچنے والی پہلی کار بہاولپور ہی کی تھی۔ نواب صادق محمد عباسی جب فریضۂ حج کے لئے حجاز مقدس تشریف لے جا رہے تھے تو انہوں نے روانگی سے پہلے اپنے دستِ مبارک سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ پر ایک کتاب ''رسولِ صادق'' تحریر فرمائی۔ یہ ان کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دلی محبت کی عظیم نشانی تھی۔ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت حاصلِ زندگی ہے اس لئے علامہ اقبال نے فرمایا ہے

روحِ ایمان مغزِ قرآن جانِ دین
ہست حبِ رحمۃ للعلمین

تبلیغ اسلام کا ایک واقعہ

دوسری جنگ عظیم 1939ء کے شروع ہونے سے ایک سال پہلے کا واقعہ ہے کہ لندن میں ایک انگریز رہتا تھا جو کاغذ کا سب سے بڑا تاجر تھا اور اپنے مذہب (عیسائیت) کے احکام پر سختی سے عمل کرتا تھا اس کے دو بیٹے لندن پبلک سکول ہیتھرو میں تعلیم پاتے تھے۔ ان دونوں کی عمریں 18 اور 20 سال کی تھیں ان کا والد فارغ اوقات میں ہمیشہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا اور اتوار کے روز ان کو اپنے ہمراہ گرجا گھر لے جایا کرتا تھا، دونوں بھائی بہت ذہین تھے اور وہ فارغ وقت میں لائبریری جا کر ریڈنگ روم میں مطالعہ کرتے تھے،

ایک دن وہ کتابوں کے مطالعہ میں مصروف تھے اُن کی نظر ایک انگریزی رسالہ پر پڑی اس رسالہ میں مذہبِ اسلام کے متعلق معلومات درج تھیں، اسلام اور عیسائیت کا موازنہ کیا گیا تھا، ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ مذہبِ اسلام کی کھوج کی جائے لیکن لندن میں ان کی یہ پیاس نہ بجھ سکتی تھی، انہوں نے سوچا کہ کسی ایسے ملک میں جا کر مطالعہ کیا جا سکتا ہے جہاں اسلام کے ماننے والے رہتے ہوں ایک دن دونوں بھائی اپنے گھر سے چوری چھپے لندن کے ایک بہت بڑے ہوٹل ''سوائے'' پہنچ گئے، انہوں نے ہوٹل کے مینجر سے دریافت کیا کہ اس ہوٹل میں کوئی ایسے لوگ بھی ٹھہرے ہوئے ہیں جو مسلمان ہوں اور انگریزی زبان جانتے ہوں۔ ہوٹل کے مینجر نے بتایا کہ فلاں سیٹ میں چند روز پہلے ہندوستان کی ایک مسلم ریاست کے حکمران نواب سر صادق محمد خان عباسی قیام پذیر ہوئے ہیں۔ ہوٹل کے مینجر نے فون کر کے معلوم کیا تو وہاں نواب صاحب تو موجود نہ تھے البتہ ان کا ملٹری سیکرٹری موجود تھا۔ اس سیکرٹری نے فون پر ان دونوں لڑکوں سے بات کی اور دونوں کو اپنے کمرے واقع تیسری منزل پر بلا لیا اور ان کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ پھر ان سے دریافت کیا کہ وہ ہز ہائینس کو کس لئے ملنا چاہتے ہیں تب ان لڑکوں نے اپنا مدعا بتلایا تو سیکرٹری صاحب نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور یقین دلایا کہ نواب صادق محمد عباسی ان سے مل کر بڑے خوش ہوں گے اور ان کا مقصد پورا ہو جائے گا یہ لڑکے اپنے گھر کا پتہ اور فون نمبر دے کر واپس چلے گئے۔ جب نواب صاحب شام کو اپنے کمرے میں واپس تشریف لائے تو ان کے سیکرٹری نے لڑکوں کا کارڈ پیش کیا اور ان کا مدعا عرض کیا۔ ہز ہائینس نے سیکرٹری کو کہا کہ ان کو فون کر کے آج رات میری طرف سے کھانے پر مدعو کرو! سیکرٹری صاحب نے ان کے گھر فون کیا وہ دونوں لڑکے گھر پر موجود نہ تھے، ان کی والدہ نے فون سنا اور جواب دیا کہ لڑکے جب سکول سے واپس آئیں گے تو ان کو پیغام پہنچا دیا جائے گا۔ لڑکے جب گھر پہنچے تو ان کی والدہ نے بتلایا کہ ہوٹل سوائے سے فون آیا تھا کہ ہندوستان کے مہاراجہ نے ان کو آج رات کھانے کی دعوت دی ہے، ساتھ ہی والدہ نے ان سے دریافت کیا کہ ان کی

اتنے بڑے ہندوستان کے مہاراجہ سے کیسے واقفیت ہوئی وہ اس بات کو ٹال گئے اور کہا کہ ان کا ایک ہم جماعت ہندوستانی ہے، اس نے تعارف کرایا تھا۔ خیر بات ٹل گئی۔ وہ دونوں لڑکے وقتِ مقررہ پر ہوٹل پہنچ گئے اور نواب صاحب کی شخصیت کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے کافی دیر باتیں کرنے کے بعد اپنا مدعا بیان کیا۔ نواب صاحب نے اُن سے کہا کہ وہ جب بھی ہندوستان آنے کا ارادہ کریں تو وہ بہاولپور ریاست میں اپنی آمد کی اطلاع کر دیں۔ دونوں بھائیوں نے ہندوستان جانے کا پروگرام بنایا اور اپنے والدین سے اجازت چاہی کہ چھٹیوں میں وہ ہندوستان کی سیر و سیاحت کرنا چاہتے ہیں، ایک ماہ بعد ان کا پروگرام طے ہوا اور روانگی سے قبل انہوں نے نواب آف بہاولپور کو بذریۂ تار مطلع کر دیا۔ ان دنوں ہوائی سفر بڑا مہنگا تھا اور عام بھی نہیں تھا۔ لہٰذا سمندری جہاز سے وہ وہاں سے روانہ ہوئے ان کے ساتھ جہاز کے ایک کیبن میں ایک بزرگ (پیر ذوقی شاہ) سفر کر رہا تھا ایک روز کھانا کھانے کے بعد اس بزرگ نے ان لڑکوں سے پوچھ لیا کہ تم کدھر جا رہے ہو؟ پھر خود ہی فرمایا کہ سیر و سیاحت کے ارادے سے بمبئی جا رہے ہو؟ لڑکوں نے جواب دیا: ہاں کسی حد تک یہ تو درست ہے کہ ہم ہندوستان بھی دیکھیں گے لیکن ہمارا اصل مقصد ہندوستان کی ایک ریاست بہاولپور کے حکمران سر صادق محمد عباسی کی دعوت پر ان سے ملاقات ہے کیونکہ وہ ان کو اسلامی تعلیم دلوائیں گے۔ یہ سنتے ہی بزرگ فرطِ مسرت سے اچھل پڑے اور فرمایا: ماشاءاللہ بہت نیک ارادہ ہے۔ پھر اس بزرگ نے اپنا تعارف اس طرح کرایا کہ ہندوستان کی بڑی اسلامی ریاست حیدر آباد کا مشیر ہے اور لندن میں انڈیا ہاؤس کی لائبریری میں چند تاریخی کتب کا مطالعہ کرنے آیا تھا۔ اس طرح بزرگ اور لڑکوں کے درمیان اچھی واقفیت پیدا ہو گئی، اور بزرگ نے لڑکوں کو اسلام کے متعلق ضروری معلومات پہنچائیں۔ اصل میں ان کی اسلامی تعلیم کی ابتدا یہیں سے ہو گئی غرضیکہ دورانِ سفر وہ اسلام کے متعلق بہت کچھ سمجھ گئے کہ مذہب اسلام ہی حقیقی اور درست مذہب ہے۔ اس بزرگ نے اسلام کے بانی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر روشنی ڈالی جب جہاز بمبئی کی بندرگاہ پر پہنچا

تو دونوں لڑکے حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور کلمۂ طیبہ پڑھ کر اسلام لا چکے تھے۔ یہ دونوں لڑکے ایک ماہ تک اس بزرگ کے گھر ٹھہرے یہاں انہوں نے نماز پڑھنی سیکھی اب وہ نماز باقاعدگی سے پڑھتے تھے ایک ماہ بعد انہوں نے بزرگ سے اجازت مانگی کہ وہ اپنے پروگرام کے مطابق بہاولپور جانا چاہتے ہیں اس بزرگ نے ان کو بصد خوشی اجازت دیدی۔ لہٰذا یہ دونوں لڑکے پروگرام کے مطابق بہاولپور پہنچے، ریلوے اسٹیشن پر نواب صاحب کا ملٹری سیکرٹری موجود تھا۔ اس نے انہیں شاہی مہمان خانہ میں ٹھہرایا۔ دوسرے روز وہ نواب صاحب سے ملاقات کیلئے سیکرٹری کے ہمراہ صادق گڑھ پیلس چلے گئے۔ نواب صاحب نے وزیرِ تعلیم کو طلب کیا اور ان دونوں بھائیوں کے متعلق ہدایات جاری کیں اس طرح وہ سات ماہ تک شاہی مہمان خانہ میں رہے۔ نواب صاحب ہر ماہ جامعہ عباسیہ (موجودہ اسلامیہ یونیورسٹی) کے شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد صاحب گولڑوی سے رپورٹ طلب کرتے تھے۔ یکم ستمبر 1939ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی تین ماہ بعد ان کو لندن کے محکمۂ فوج سے نوٹس ملا کہ وہ دو ہفتہ کے اندر لندن حاضری دیں تا کہ لازمی فوجی ملازمت کیلئے ان کو بھرتی کیا جائے یہ نوٹس دیکھ کر وہ پریشان ہوئے اور نواب صاحب سے ملے۔ نواب صاحب نے ان کو تسلی دی کہ وہ چند دن بعد دہلی جا رہے ہیں اور وہاں پہنچ کر پولیٹکل محکمہ کو بتایا کہ یہ دونوں لڑکے ریاست بہاولپور کی فسٹ انفنٹری بٹالین میں کمیشن حاصل کر چکے ہیں اور فوجی ملازمت حاصل کر رہے ہیں لہٰذا ان کو لندن میں بھرتی ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اس طرح ان کی پریشانی دور ہوئی، یہ دونوں لڑکے صبح دو تین گھنٹے بٹالین جا کر ٹریننگ حاصل کرتے تھے، باقی وقت میں وہ اپنی تعلیم حاصل کرتے تھے، ان دونوں بھائیوں میں بڑا بھائی ''محمد فاروق'' فوت ہو گیا اور چھوٹا بھائی ''شہید اللہ'' قرآن مجید مع تفسیر پڑھ چکا تھا اور حدیث (کی کچھ کتابیں) بھی ختم کر چکا تھا۔ وہ ہر جمعہ کو جامع مسجد میں وعظ کرتا اور مسلمانوں کو اسلام کے تمام اصولوں پر سختی سے عمل کرنے کی تاکید کرتا تھا، وہ پتلون اور ٹائی کا استعمال چھوڑ کر خالص اسلامی لباس استعمال کرتا بلکہ ہر کام عین شریعت

کے مطابق کرتا تھا۔ جنگ عظیم کے بعد اس نے نواب صادق محمد عباسی سے درخواست کی کہ وہ جس مقصد کیلئے آپ کے پاس رہا ہے وہ پورا ہو چکا ہے۔ اب وہ پوری دنیا میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرے گا لہٰذا اجازت چاہی، نواب صاحب نے اس کو کافی رقم بطور انعام دی اور اس کو خوشی سے واپس جانے کی اجازت دیدی۔ یہ لڑکا بہاولپور سے روانہ ہو کر پہلے حیدر آباد دکن میں پیر ذوقی شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچا اور کئی روز وہاں رہنے کے بعد لندن روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچنے کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ اس کی دونوں بہنیں جو روسیوں سے شادی کر چکی تھیں، طلاق لیکر واپس لندن آئی ہوئی ہیں۔ ''شہید اللہ'' اپنی دونوں بہنوں سے ملکر بہت خوش ہوا اور چند دن میں ان دونوں خواتین کو راہِ حق پر لانے میں کامیاب ہو گیا تو وہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئیں۔ اس کا والد بھی ''شہید اللہ'' کی باتوں سے بہت متاثر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ لہٰذا اس کا کریڈٹ نواب سر صادق محمد خاں عباسی مرحوم کو جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی وجہ سے کافی لوگ مسلمان ہو گئے اور بعد میں ہوتے رہے۔

(بغداد سے بہاولپور، 96 تا ص 100)

جو کرنی ہو جہاں گیری محمد ﷺ کی غلامی کر
عرب کا تاج سر پر رکھ خداوندِ عجم ہو جا

محمد ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر مادر برادر جان اولاد سے پیارا

پانچواں باب

اس باب میں ہندو راجاؤں کے حالات اور ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کا ذکر ہوگا۔

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ آفتابِ اسلام کے طلوع ہونے سے پہلے اوچشریف پر ہندو راجے کی حکومت تھی اور اس خطے کو سندھ کا ایک صوبہ تصور کیا جاتا تھا۔ اس وقت سندھ کا مرکز اروڑا تھا۔ کہتے ہیں کہ اروڑا، روڑھی کے قریب دریا کے کنارے پر واقع تھا۔ تحفۃ الکرام میں ہے کہ راجہ دیورائج سندھ کا حاکم تھا۔ اس کی نسل سے راجہ سی ہرس اور راجہ رائے ساہسی پھر سی ہرس دوم اور اس کے بعد رائے ساہسی دوم بالترتیب سندھ کے حکمران بنے۔ مورخین کہتے ہیں کہ ان کی حکومت 137 برس رہی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

صوبہ اوچ

راجہ سی ہرس دوم عدل و انصاف اور سخاوت میں بے نظیر تھا۔ اس کے دور میں سندھ نے بہت ترقی کی راجہ نے اپنی حکومت کو چار صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک صوبہ اوچ شریف تھا۔ اس راجے پر ایران کے بادشاہ نیم روز نے حملہ کیا اور راجے کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔(73)

قلعہ اوچ

سی ہرس کے مرجانے کے بعد مملکت سندھ کی باگ دوڑ اس کے بیٹے ساہسی دوم نے سنبھالی اور کسی حد تک کامیابی کے ساتھ اپنے ملک کو چلانے لگا۔ اس نے اوچشریف میں قلعہ تعمیر کرایا اور رعایا کے ساتھ مال گزاری معاف کر دینے کا وعدہ کیا۔ اس کا وزیر بدھی من ملک کا کاروبار سنبھالتا اور بادشاہ کا دستِ راست بنکر مملکت کی فلاح کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا۔ بادشاہ کو اس پر بڑا اعتماد تھا۔ بدھی من کا منشی و سیکرٹری حاجب رام تھا۔ جو اوچشریف کا سکونتی تھا اور برہمن قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک دن وزیر اور منشی اکٹھے بیٹھے تھے کہ ایک شخص

ان کے پاس آیا، انہوں نے پوچھا: توکون ہے؟ اس نے کہا: میرا نام چچ ہے میں سلائج کا بیٹا ہوں، برہمن قوم سے تعلق رکھتا ہوں۔ چار وید جانتا ہوں۔ اس کی گفتگو کے دوران دیبل کی طرف سے کچھ کاغذات آئے ان کا جواب دینا تھا۔ ان دونوں نے وہ کاغذات چچ کے حوالے کئے اور جواب لکھنے کیلئے کہا۔ چچ نے فصیح و بلیغ عبارت میں اس کا جواب لکھ دیا۔ اور رائے کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے تحریر دیکھی جواب پڑھ کر خوشی کا اظہار کیا اور چچ کو اپنا نائب بنا دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک دن راجہ ساہسی اپنے دربار میں بیٹھا تھا کہ ولایت سیوستان، سجستان، ایران سے کچھ کاغذات موصول ہوئے، راجے نے اپنے منشی کو یاد کیا مگر وہ موجود نہ تھا۔ چچ نے کہا: بندہ حاضر ہے جو حکم بجالانے کیلئے تیار ہے۔ راجے نے وہ کاغذات چچ کے سپرد کر دیے اور جواب لکھنے کی ہدایت کی۔ چچ جواب لکھ کر بادشاہ کے پاس حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے اپنے علم سے جواب کو پرکھا تو بہت خوش ہوا بلکہ اس کے دل میں چچ کی قابلیت گھر کر گئی۔ رائے حاجب رام کے مرنے کے بعد راجے نے چچ کو میر منشی کا عہدہ عطا کر دیا۔ چچ بڑی تندہی اور محنت سے اپنا فرض ادا کرنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ راجے کے گھر میں آنے جانے لگا۔ ساہسی دوم کی رانی سوبھی دیوی نے چچ کی شکل دیکھی تو وہ اس پر فریفتہ ہو گئی اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوئے اور قلبی مجبوری نے کشاں کشاں چچ کے قریب ہونے پر مجبور کر دیا بالآخر ان میں عشق کا جذبہ انتہا کو پہنچا اور ایک تعلق جڑ گیا۔ راجہ فوت ہو گیا۔ رانی مجبور تھی۔ اس نے چچ کے ہاتھوں اپنے اقارب کو موت کے گھاٹ اتروا دیا اور چچ سے شادی کر کے اس کی رانی بن گئی۔ اس طرح چچ ملک کا والی بن گیا۔ راجے ساہسی کا بھائی راجہ دھرت ''جے دار'' کا والی تھا۔ وہ جب اس راز سے واقف ہوا تو اس نے اروڑہ پر چڑھائی کی اور ملک کی وراثت کا دعویٰ کیا۔ فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ بہادروں نے ہر طرف سے اپنی تلواروں کے جوہر دکھائے لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ راجے نے چچ کو کہا: ملک کا فیصلہ ہم دونوں میں الجھا ہوا ہے دوسرے لوگوں کو لڑانے سے حل نہ ہوگا، میں بھی میدان میں اترتا ہوں اور تم بھی میدان میں اترو! ہم دونوں آپس

میں لڑکر فیصلہ کرلیں یہ ملک کس کا ہے۔ چچ نے نعرہ مارا اور میدانِ جنگ میں اتر آیا اور کہنے لگا کہ میں برہمن ہوں گھوڑے پر چڑھ کر نہیں لڑسکتا۔ تم بھی گھوڑے سے اترو اور پیادہ ہوکر ایک دوسرے کو آزمائیں اور جوانمردی کے جوہر دکھائیں۔ راجہ دھرت چچ کے مکر سے دھوکہ کھا گیا۔ اور گھوڑے سے اترا اور طاقت کے بل بوتے پر فخر کرنے لگا چچ نے پہلے وار میں اس کو موت کی نیند سلا دیا۔ اس طرح ملک کی ملکیت کا جھگڑا ختم ہوگیا۔ اب چچ واحد حکمران تھا جو ہر خطرے سے بالاتر ہوکر اپنے ملک کو وسیع کرتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ وہ کشمیر، کرمان، قندھار اور ایران کی سرحدوں تک پہنچ گیا۔ اس نے برہمن آباد کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے لوگوں پر شرط عائد کردی کہ وہ تلوار نہ باندھیں گے اگر ضرورت پڑ جائے تو نقلی تلوار باندھیں گے۔ ذرین، پشمین، مخملی اور ریشمی لباس نہ پہنیں گے۔ اگر ضرورت پڑ جائے انہیں سرخ یا سیاہ کر کے پہنیں گے اگر سواری کی ضرورت ہو تو گھوڑے کو بغیر زین کے استعمال کریں گے۔ سر اور پاؤں ننگے رکھیں گے۔ گھر سے باہر نکلیں گے تو کتے اپنے پاس رکھیں گے۔ سرکاری کچن کیلئے لکڑیاں لاتے رہیں گے۔ جاسوسی اور رہبری کیلئے آدمی فراہم کرتے رہیں گے۔ چچ نے چالیس سال تک شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی اور اپنی سرداری کا لوہا منوایا۔ (74)

آفتاب رسالت کا طلوع

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نورِ پاک کو اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات سے پہلے پیدا کیا۔ پھر آپ کے نور سے ساری دنیا بنا دی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کے نور کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی مبارک میں رکھا پھر وہ نور پشت بعد پشت چلتے چلتے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے شکمِ اقدس میں جلوہ گر ہوا تو اللہ قادر نے اسے بشریت کا وجود عطا فرمایا۔ آپ اپنی مادرِ مُشفقہ کے بطنِ اقدس سے 12 ربیع الاول 20 اپریل 571 عیسوی پیر کی رات کو صبح کے وقت کرۂ ارض پر جلوہ فگن ہوئے اور ساری دنیا کو منور و روشن کردیا۔ آپ تمام نبیوں کے سردار اور سارے رسولوں کے سلطان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا محبوب بنایا ہے۔ جو

اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو اس کے حسن و جمال اور اس کی شان و کمال کا عالم کیا ہوگا......؟ آپ کا رخِ والضحیٰ پیارا پیارا تھا۔ ایک بار جو دیکھ لیتا وہ پھر بار بار دیکھتا رہتا تھا۔ آپ کا قدِ مبارک درمیانہ تھا نہ بہت لمبا نہ بہت چھوٹا۔ آپ کا سینۂ مبارک کشادہ تھا۔ چہرہ کی تابانی، چمک اور روشنی کے بارے میں حضرت حسان کا مقولہ ملاحظہ ہو وہ فرماتے ہیں ہم اپنی آنکھوں کی روشنی کے زائل ہونے کے خوف سے آپ کو نہ دیکھ سکتے تھے۔(75)

آپ کا رنگ مبارک اتنا سفید تھا کہ چاندی کی سفیدی ماند پڑ جاتی اس میں سرخی کی آمیزش تھی جس نے اسے ملیح بنایا ہوا تھا۔ آپ کے ہاتھ مبارک گورے تھے روئی سے زیادہ نرم تھے۔ آپ کے پسینہ کی خوشبو عنبر، مشک اور کستوری کی خوشبو سے بڑھ کر تھی۔(76)

آپ کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ قرار دیا ہے اور آپ کے ہاتھ میں زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں ہیں۔(77)

بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کو فرمایا کہ ساری دنیا کی کنجیاں آپ کی بارگاہ میں پیش کر دے آپ نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے ایسا کیا۔(78)

آپ کے ہاتھ مبارک کی انگلی کے پورے کی طاقت و کمال دیکھو کہ ڈوبے ہوئے سورج کو عصر کی جگہ لوٹا دیا اور چاند کو دو ٹکرے کر دیا۔(79)

اہلِ مکہ نے حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چاند چیرنے کی درخواست کی تو آپ نے چاند شق کر کے دکھایا چاند کے دو حصے ہو گئے آپ نے فرمایا گواہ رہو! قریش نے کہا کہ اس نے جادو کر دیا ہے۔ لوگوں نے کہا اگر جادو ہے تو باہر کسی کو چاند کے دو ٹکرے نظر نہیں آئے ہوں گے اب جو قافلے آنے والے ہیں ان سے دریافت کرو۔ سفر سے آنے والوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ اس وقت چاند کو دو ٹکرے ہوتے ہوئے ہم نے بھی دیکھا ہے پھر مشرکوں کا اعتراض دم توڑ گیا۔ یہ معجزہ پوری دنیا کے لوگوں نے دیکھا قرآنِ مجید میں اعلان ہوا قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔(80)

امام طحاوی نے مشکل الآثار میں حضرت اسماء بنت عمیس سے بیان فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جھولی میں سر رکھ کر آرام فرمایا سورج غروب ہو گیا ابھی حضرت علی نے نمازِ عصر ادا نہ کی تھی آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: فَارْدُدْ عَلَیْہِ الشَّمْس اس کیلئے سورج کو واپس کردے تو سورج زمین سے نکل کر پہاڑوں کے اوپر آ گیا اور چمکنے لگا۔(81)

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کلام فرماتے تو آپ کے دانتوں سے نور نکلتا تھا۔(82)

آپ جب مسکراتے تو (آپ کے چہرے کے نور کی وجہ سے) دیواریں روشن ہو جاتی تھیں۔(83)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کسی چیز کو آپ سے احسن (زیادہ خوبصورت) نہ پایا۔ گویا سورج آپ کے چہرے میں میں چل رہا ہے جب آپ ہنستے تو آپ کے دانتوں سے نور نکلتا تھا اس نور سے دیواریں منور ہو جاتی تھیں۔(84)

حضرت ابوعبیدہ بن محمد بن یاسر نے ربیع بنت مُعَوِّذْ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت پوچھی۔ تو اس نے کہا لَوْ رَأَیْتَہٗ لَقُلْتَ: اَلشَّمْسُ طَالِعَۃٌ اگر تو انہیں دیکھ لیتا تو کہتا کہ سورج طلوع ہو رہا ہے۔(85)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا تو ہر چیز مجھ پر روشن ہو گئی اور میں نے ہر چیز کو پہچان لیا۔(86)

آپ نے فرمایا جو کچھ میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھ سکتے اور جو میں سنتا ہوں وہ تم نہیں سن سکتے۔(87)

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا کے حجابات دور کر دیے ہیں اور میں ساری دنیا کو دیکھ رہا ہوں دنیا میں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔(88)

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر حوالے سے بے مثل و بے مثال تھے صحابۂ کرام علیہم

الرضوان میں سے حضرت عمر فاروق، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس، حضرت جابر اور حضرت قتادہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بیان فرمایا ہے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے یا آپ کے بعد آپ کی مثل نہیں دیکھا۔(89)

کوئی مثل نہ ڈھولن دی
چپ کر مہر علی
اتھے جا نی بولن دی

کونین تمامی ہک پاسے
پنج تن دا گھرانہ ہک پاسے
باقی سارے مرسل ہک پاسے
حسنین دا نانا ہک پاسے

حسنِ یوسف دمِ عیسی یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ترجمہ: حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یدِ بیضا آپ کے پاس ہے۔ یعنی انبیائے کرام علیہم السلام میں جو خوبیاں تھیں وہ سب آپ میں موجود ہیں۔

نبیوں میں نبی ایسے کہ ختم الانبیا ٹھہرے
حسینوں میں حسین ایسے کہ محبوبِ خدا ٹھہرے

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے
کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے
یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

ہے انہیں کے نور سے سب عیاں
ہے انہیں کے جلوہ میں سب نہاں
بنے صبح تابش مہر سے
رہے پیش مہر یہ جاں نہیں
وہی نورِ حق وہ ظلِ رب
ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کے ملک میں آسماں
کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں
تیرا قد تو نادرِ دھر ہے
کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں
کہ چمن میں سرو چماں نہیں
نہیں جس کے رنگ کا دوسرا
نہ تو ہو کوئی نہ کبھی ہوا
کہو اس کو گل کہے کیا بنی
کہ گلوں کا ڈھیر کہاں نہیں
کروں تیرے نام پہ جاں فدا
نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا
کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں
کروں مدحِ اہلِ دُول رضاؔ
پڑے اس بلا میں میری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا
مرا دین پارہ ناں نہیں

محبوبِ خدا، مطلوبِ دوسرا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا معجزہ تھے۔ معجزہ وہ ہوتا ہے جو علم وعقل دونوں کو حیرت میں ڈال دے۔

ہند میں شق القمر کا نظارہ

پہلے گذر چکا ہے کہ قریش نے آپ سے معجزہ طلب کیا تو آپ نے چاند کے دوٹکڑے کر دیے اور مکۂ مکرمہ کے علاوہ دوسرے ملکوں کے لوگوں نے بھی چاند کو دوٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا تھا، سائنس دانوں نے چاند کی تصویر اتاری ہے اس میں بھی ایک لکیر ہے جو اس بات کی گواہ ہے کہ چاند ٹکڑے ہوا ہے چاند کا یہ منظر ہندوستان میں بھی دیکھا گیا تھا نقوشِ رسول نمبر میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاند کو جب دوٹکڑے کیا تھا تو یہ منظر ہندوستان کے ایک بادشاہ نے بھی دیکھا تھا چنانچہ ہندوستان کے جنوب مغربی ساحلی علاقہ مالابار میں یہ روایت مشہور ہے کہ اس علاقہ کے ایک بادشاہ چکروتی فرماس نے چاند کو دوٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا جو مکہ مکرمہ میں ظہور پذیر ہوا۔ بادشاہ چکروتی فرماس نے اس سلسلے میں جب تحقیقات کیں تو اسے علم ہوا کہ عرب میں ایک پیغمبر کے ظہور کی پیشگوئیاں موجود ہیں اور شقُّ القمر کا مطلب یہ ہے کہ وہ پیغمبرِ خدا ظاہر ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو جانشین مقرر کیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کیلئے عرب روانہ ہوگیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو اسلام قبول کیا اور پھر ان کے حکم پر واپس ہند روانہ ہوگیا۔ راستے میں یمن کی بندرگاہ ظفار میں اس کا انتقال ہوگیا۔ یہاں آج بھی ''ہندی بادشاہ'' کا مزار مرجعِ خاص وعام ہے۔ انڈیا آفس لائبریری (لندن) میں ایک پُرانا مسودہ (نمبر عربی 2807 ص 151-173) ہے جس میں اس کی تفصیل درج ہے۔ زین الدین المعبری کی تصنیف ''تحفۃ المجاہدین فی اخبار البرتگالین'' میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ (اس کتاب کا پُرتگیزی ترجمہ انگریزی سے کہیں بہتر ہے مگر اس کا اردو ترجمہ نامکمل ہے)(90)

ارض ہند کی فضیلت

سید السادات، منبعِ علومِ ظاہری و باطنی، حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت رضی اللہ عنہ نے ہندوستان کی زمین کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مکہ و مدینہ مبارکہ کے بعد ہند کی زمین عظمت والی ہے۔ کیونکہ!

(1) ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے آئے تو ان کا پہلا قدم ہند میں کوہِ سراندیپ پر پڑا۔

(2) حضرت خضر علیہ السلام کو ہند میں بہت پاتے ہیں۔

(3) ابدال ہند میں بیشتر آتے ہیں۔

(4) ہند میں ربا نہیں ہے۔ (اُس وقت نہیں تھا اب تو سود خوری عروج پر ہے۔)

(5) حجرِ اسود مقابلِ ہند ہے اور یہ کعبے کے رکنوں میں بہترین رکن ہے۔ (91)

علاوہ ازیں دہلیزِ کعبہ، بابِ فتح، مروہ پہاڑ، مقامِ ابرہیم، چاہِ زمزم، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک، جنت البقیع اور جبلِ حرا و جبلِ احد بھی پاک و ہند کی سمت میں پائے جاتے ہیں۔

سندھ کا قلعہ

حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کا بادشاہ بنایا تھا۔ ہَوا اُن کے قبضۂ قدرت میں تھی پگھلے ہوئے تانبے کے چشموں کے وہ مالک تھے، جن اُن کے تابع تھے اور وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے وہ کچھ بناتے تھے جو آپ چاہتے تھے۔ (خلاصہ ترجمہ آیات سورۃ سبا) حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات سے قلعے بنوائے تھے، رہنے کی عمارتیں، عالی شان مسجدیں اور بیت المقدس شریف بھی ان میں داخل ہے۔ جنات نے حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے شام اور یمن میں شہرِ تدبیر اور قلعۂ حرواج، مرواج، مسلحین، سندھ اور فلتوم عمدان وغیرہ بنائے جو اب فنا ہو چکے ہیں یا ویران پڑے ہیں۔ (92)

اوچشریف کا سربراہ داہر

حضورِ اکرم، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت سندھ میں چچ بن سلائج کی حکمرانی تھی۔ چچ کے مرجانے کے بعد اس کا بیٹا داہر اروڑا (سندھ) اور اوچشریف کی مملکت کا سربراہ بنا اور برہمن آباد کی حکومت راج چندر کے حصے میں آئی۔ راجہ داہر کی ایک بہن تھی۔ داہر نے اپنی بہن کے ساتھ خود شادی رچالی یہ ایک ایسا فعل تھا جسے تمام قومیں برا سمجھتی تھیں۔اس کے اس گھناؤنے عمل کی وجہ سے لوگ اس سے نفرت کرنے لگے۔اس وقت اسلام کی روشنی ہر طرف پھیل رہی تھی اور عرب کے سوداگر فارس کی خلیج عبور کر کے دریائے سندھ کے ساحل پر آتے جاتے تھے۔ پھر وہاں سے کھمبائیت، کالی کاٹ، مالابار وغیرہ کی بندرگاہوں کا رُخ کرتے تھے اور سوداگری وتجارت کالین دین لوگوں سے رکھتے تھے پھر ان میں بعض سندھ میں مقیم ہو گئے۔ بلکہ روایات سے پتا چلتا ہے کہ ہند کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنے ساتھ لے کر چلے حتی کہ ہم ایک مقام پر پہنچے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ اس خط کے پیچھے رہنا اس سے آگے نہ نکلنا اگر اس سے آگے نکلے تو ہلاک ہو جاؤ گے میں خط کے پیچھے رہا اور آپ آگے تشریف لے گئے اور اتنی دور گئے جہاں تک انسان کی پھینکی ہوئی کنکری جاسکتی ہے۔وہاں کچھ لوگ محسوس ہوئے جو ہندوستان کی ایک قوم "جاٹ" لگتے تھے۔(93)

بابا رتن کی بارگاہ رسالت میں حاضری

علامہ غلام محمد سیالوی فرماتے ہیں بنگلہ شریف میں شیخ الاسلام (خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ) کے ہاں حاضری نصیب ہوئی یہ آپ کے وصال سے تقریباً دو مہینے قبل کی بات ہے۔ شلوار پہننے کا ذکر ہوا، بندہ نے استفسار کیا کہ محبوبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی شلوار زیب تن فرمائی ہے یا نہیں؟

آپ نے فرمایا: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تحسین فرمائی ہے۔ ہندوستان کے علاقہ

میں ایک شہر جس کا نام بھٹنڈا ہے وہاں کے راجہ نے جب سنا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں تو تحقیق کیلئے اپنے وزیر کو مکہ مکرمہ روانہ کیا وزیر بابا رتن تھے جو بعد میں صحابی ہوئے اور یہ بابا رتن بغرضِ تجارت وسفارت وغیرہ ایک دو مرتبہ پہلے بھی ہندوستان سے عرب شریف گئے تھے ایک بار تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اونٹ بنے۔ وہ اس طرح کہ پہاڑی علاقہ میں ایک وادی کے پاس حضور علیہ السلام تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کا زمانہ تھا آپ کی اونٹنیاں وادی کی دوسری طرف چر رہی تھیں۔ درمیان میں ایک رو پانی کی جارہی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رو سے پار جانا چاہتے تھے بابا رتن وہاں پہنچے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت نصیب ہوگئی۔ عرض کیا: میں آپ کا اونٹ بن جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہاں'' تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے حضور علیہ السلام ان کے شانوں پر سوار ہوئے' دونوں پاؤں مبارک بابا رتن رضی اللہ عنہ کے سینے پر لٹکا دیئے۔ اس طرح بابا رتن نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک چوم لئے اور اپنے سینے کو ٹھنڈک سے بھر پور پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پانی کی رو سے دوسری طرف پہنچایا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعا فرمائی (بارك الله فی عمرك) تین بار فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ تیری عمر میں برکت دیوے۔ پھر جب بھٹنڈا کے راجہ نے بابا رتن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات معلوم کرنے کیلئے روانہ کیا تو اس نے تین معجزے طلب کرنے کی خواہش کی تھی۔ ایک شلوار بغیر نالے کے بابا رتن صاحب کو دی اور دوسری پان بغیر مصالحہ کے دی اور کہا کہ اگر مدعیِ نبوت سچا نبی ہوا تو ہماری زبان ہندی میں کلام فرمائیں گے، جب بابا رتن وہاں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو وہی شخص ہے جو میرا اونٹ بنا تھا؟ بابا رتن صاحب نے تسلیم فرمایا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بارك الله فی عمرك، بارك الله فی عمرك، بارك الله فی عمرك'' یعنی تین بار فرمایا اللہ تعالیٰ تیری عمر میں برکت دیوے۔

جب بابا رتن صاحب نے شلوار و پان دونوں پیش کیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شلوار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا (اس کا نالہ کہاں ہے)۔ اور پان پیش کیا تو فرمایا (اس کا مصالحہ کہاں ہے)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہندی زبان میں جو کلمات بیان فرمائے حدیث نبوی میں ویسے ہی درج ہیں۔ اور بابا رتن کا نام کتب اسماء رجال میں میں نے بہت تلاش کیا عربی لفظ ''احمر'' کے ماتحت تو نہ ملا راء کے حروف کے ماتحت تلاش کرنے پر مل گیا۔ وہاں بابا رتن ہی لکھا ہوا ہے۔ تہذیب التہذیب میں بھی اور دوسری کتاب الاصابۃ فی تمیز الصحابہ ص 538 جلد 1۔

فرمایا: بابا رتن صاحب کے متعلق میزان الاعتدال ص 236 ج 1 میں بیان ہے اور وہیں عرب شریف میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے تک رہے۔ جب وہاں سے واپس ہندوستان آنے کا قصد فرمایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لکھا ہوا قرآن مجید ساتھ لائے جوان کے مزار پر شہر بھٹنڈا میں موجود تھا اور میں نے اس قرآن مجید پر سوا پارہ تلاوت کی۔

بابا رتن صاحب کو واپسی پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سواری کیلئے ایک اونٹ دیا اور چونکہ بابا رتن حضور علیہ السلام کا اونٹ بنا تھا اس کے عوض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اونٹ دے کر سوار کر کے روانہ فرمایا۔ بابا رتن صحابی ہوئے جن کا مزار ہندوستان کے شہر بھٹنڈا میں ہے۔ اس کی حاضری مجھے نصیب ہوئی جس کا پہلے ذکر کیا ہے۔

فرمایا: اجمیر سے واپس آتے وقت راستہ پر کسی نے بتایا کہ سڑک سے ایک طرف چند میل دور بابا رتن کا مزار ہے اللہ داد ماچھی ہمراہ تھا۔ ہم دونوں پیدل وہاں گئے ابھی شہر بھٹنڈا سے باہر ہی تھے کہ ایک مجذوب فقیر ملا وہ مندرجہ ذیل شعر پڑھتا پھرتا تھا۔

خواجہ کا اجمیر بھٹنڈا رتن کا

کسی نے نہ پایا بھید فقیر کے جتن کا

بابا رتن صاحب کی عمر سات سو سال ہوئی ہے انہوں نے پہلے ہی فرمادیا تھا کہ میری عمر سات سو سال ہوگی کیونکہ محبوب کبریا علیہ السلام نے پہلی مرتبہ ملاقات پر تین بار فرمایا (بارك الله فی عمرك) اس سے تین سو سال اور دوسری ملاقات پر بھی اسی طرح تین بار فرمایا جس سے تین سو سال اور مل کر چھ سو سال کا تعین ہو چکا تھا رتن کی اولاد کا پورا محلہ دیکھا جو اونٹ عرب شریف سے لائے تھے اس کی بھی قبر بنی ہوئی دیکھی۔ (واللہ و رسولہ اعلم بالصواب) ایک

اور صحابی کا مزار بھی اس علاقہ میں ہے جن کا نام یاد نہیں۔

فتاویٰ حدیثیہ میں بابا رتن ہندی کے بیان میں حاشیہ پر شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا ہے!

اِسْمُہٗ رَتَنْ یُقَالُ بَابَا رَتَنْ وَکُنْیَتُہٗ اَبُو الرِّضَا وَقَبْرُہٗ فِیْ بَھْٹَنْدَا وَھِیَ بَلْدَۃٌ مَشْھُوْرَۃٌ فِی الْھِنْدِ وَاَنَا زُرْتُ قَبْرَہٗ وَقَرَأْتُ عَلَی الْمُصْحَفِ الَّذِیْ قَالُوْا اَنَّہٗ جَاءَ بِہٖ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ الْمُنَوَّرَۃِ وَ ذٰلِکَ الْقُرْآنُ مَا کَانَ مَرْسُوْمًا فَعَلِمَ اَنَّہٗ کُتِبَ مِنْ زَمَانٍ بَعِیْدٍ (قمر الدین)

ترجمہ:۔ اسے بابا رتن کہا جاتا تھا اس کی کنیت ابو الرضا تھی اور اس کی قبر بھٹنڈا میں جو ہندوستان میں مشہور شہر ہے۔ میں نے اس قبر کی زیارت کی اور اس قرآن مجید پر تلاوت کی جسے وہ خود مدینہ منورہ سے ہمراہ لائے تھے اور وہ قرآن مجید دوسرے مصاحف کی طرح رسم الخط والا نہ تھا بلکہ زمان بعید کی قلمی کتابت والا تھا۔ (قمر الدین)

نوٹ: اس کی شخصیت کے متعلق جو علمائے کرام کے اقوال حدیث پاک کو مدنظر رکھ کر ان کے صحابی ہونے کی تردید میں یا تکذیب وغیرہ میں وارد ہیں مشائخ عظام اور اہلِ تصوف حضرات کے نزدیک معتبر نہیں ہیں۔ انہوں نے حدیثِ پاک کو "عام وخاص من وجہ" کی حیثیت سے اصحابِ کبار سے خارج نہیں فرمایا۔ واللہ و رسولہ احکم واعلم بالصواب۔

علمائے باطن کو ظاہری علما پر فوقیت ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام وخضر علیہ السلام کا واقعہ برائے ثبوت کافی ہے۔

تحفۃ الابرار حالات خاندان متفرقہ، جدول ششم ص 33 (حرف البا) بابا حاجی رتن ابو الرضا ہندی پسر ہندی نام رتن لقب حاجی کنیت ابو الرضا بن نصر ہندی، تاریخ وفات 722ھ از پٹہ مہری، بادشاہ شہاب الدین غوری، عمر کئی سو سال رکھتے تھے مقام بٹھنڈا جانب مشرق نیم میل کے فاصلہ پر۔ (94)

بعض کا قول ہے کہ آپ اولیائے امت سے ہیں اور بعض آپ کو اصحابِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شمار کرتے ہیں۔ حضرت رضی الدین علی سعید ابن عبد الجلیل غزنوی فرماتے ہیں کہ سال چھ سو ہجری میں ہندوستان آیا اور بابا موصوف سے میں نے ملاقات کی انہوں نے شانہ مبارک خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے بیان فرمایا اور حضرت علاء الدین سمنانی نے احادیث رتنیہ کو صحیح کہا۔ شیخ ابن حجر عسقلانی نے صحابہ کی تعریف میں آپ کو بھی یاد کیا ہے اور آپ کے احوال سے بہت کچھ لکھا ہے۔ آپ بٹھنڈا میں پیدا ہوئے اور آغازِ جوانی میں ایک قافلہ کے ساتھ عربستان کی سیر کی اور واپس ہند میں آکر خبر مشہور ہوئی کہ پیغمبرِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں، بعجلتِ تمام براہِ دریا مکہ معظّمہ پہنچ کر صحبت سے فیضیاب اور بہرہ مند ہوئے۔ اور کچھ مدت حضور اقدس میں رہ کر ہند میں واپس آئے اور بہت ریاضت اور مجاہدہ اور نفس کشی کر کے مراد کو پہنچے اور جہاں بھر کا سفر کیا اور خوفناک جگہوں میں چلے کھینچے اور معتکف ہوئے کتاب سیرۃ المحمدیہ وطریقۃ الاحمدیہ میں لکھا ہے کہ بابا رتن پسر عبداللہ ہندی کے ہیں اور انہوں نے شق القمر کا معجزہ مشاہدہ کیا ہے اور انہوں نے یعنی بابا رتن نے چودھویں رات کی چاندنی میں اتفاقاً نظر کی، تحقیق دو ٹکڑے ہو گیا چاند، پس ایک حصہ اس کا چھپ گیا مشرق میں اور ایک حصہ مغرب میں اور مل گئے آسمان میں آکر جیسے کہ پہلے تھا۔ یہ حال دیکھ کر تعجب کیا کہ اس کا کیا سبب ہے۔ پوچھا قافلہ والوں سے؟ خبر دی انہوں نے کہ تحقیق ایک مرد ہے ہاشمی، مکہ میں ظاہر ہوا ہے اور دعویٰ کرتا ہے نبوت کا، اہلِ مکہ نے اُس سے معجزہ مانگا کہ چاند دو ٹکڑے ہو جائے اور چھپ جائے آدھا مشرق میں اور آدھا مغرب میں، پس میں مشتاق ہوا ان کے دیکھنے کیلئے اور گیا مکہ شریف۔

لطائفِ اشرفی میں لکھا ہے کہ پایا وہ شانہ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت رضی الدین علی لالا سے شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی نے اس شانہ کو ایک کاغذ میں لپیٹا اور اس پر اپنے ہاتھ سے لکھا

هَذِهِ مَشْطَةٌ مِنْ اَمْشَاطِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَصَلَ اِلَى هٰذَا

الضَّعِيفِ مِنْ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللهِ وَهٰذِهِ الْخِرْقَةُ وَصَلَ مِنْ
اَبِی الرِّضَا رَتَنْ اِلٰی هٰذَا الْفَقِيْرِ

حضرت رضی الدین علی لالا ایک سو چودہ مشائخ سے خرقہ رکھتے تھے ان کی وفات کے بعد ایک سو تیرہ برآمد ہوئے اس سے معلوم ہوا کہ ایک خرقہ جو علاء الدین سمنانی کو انہوں نے دیا تھا وہ انہیں خرقوں میں سے تھا جو ان کو مشائخ سے پہنچے تھے۔

1۔نوٹ: آپ کا اصل نام رتن پال بن کر پال ہے۔ خاندانِ نیپال ہند سے ہیں۔

2۔نوٹ: وجہِ تسمیہ رتن: جب حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کیا، آپ ہمراہ تھے ایک جانور کرب نام سرخ رنگ عرب میں تھا، اس کو مار کر رتن کا خطاب پایا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ایک گھاس سرخ رنگ کی ہوتی ہے اس کو رتن کہتے ہیں وہ آپ چباتے تھے اس لئے رتن کہتے ہیں۔(95)

صوفی عالی جناب مرزا آفتاب بیگ چشتی نظامی سلیمانی شمسی کی مندرجہ بالا عبارات واقوال واحوال سے معلوم ہوا ہے کہ صوفیائے کرام ومشائخِ عظام کے نزدیک بابا رتن واقعی صحابی ہوئے ہیں اور اصحابِ تواریخ کے اقوال مضطربانہ اور غیر معتبر ہیں۔(96)

نوٹ:۔رتن ہندی کے بارے میں مندرجہ بالا معلومات ہمارے فاضل دوست علامہ خدا بخش رضا نے ملتان سے فراہم فرمائی ہیں۔

اوچ میں عرب کے لوگ

علافی قبیلے کے لوگ 85 ہجری میں مکران سے کوچ کر کے راجہ داہر کے پاس آ گئے پھر وہاں سے ہجرت کر کے اوچشریف میں مقیم ہو گئے۔ اس وقت راجہ داہر سخت مشکل کا شکار تھا اور کسی معاون ومددگار کیلئے بے چین وبیقرار تھا کیونکہ اس کے ملک کو تباہ وبرباد کرنے کیلئے رمل کا راجہ چڑھائی کا عزم کر چکا تھا۔ راجہ داہر کو اپنی کمزوری کا احساس تھا۔ کسی وزیر نے اسے مشورہ دیا کہ اپنے ملک کو بچانے کیلئے عرب بہادروں سے اپیل کی جائے۔ چنانچہ راجہ ہاتھی پر چڑھ کر محمد علافی کے درِ دولت پر حاضر ہوا اور امداد کی درخواست پیش کی

اورعرض گذار ہوا: اے وجیہ العرب میں تجھے عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور تمہارے ساتھ محبت بھی کرتا ہوں، میں ایک مشکل میں مبتلا ہوں اور آپ کی مدد کا خواست گار ہوں مصیبت کی اس گھڑی مین میری مدد کرو! محمد علافی نے راجے کی بات پر ہمدردانہ طریقے سے غور کیا اور اسے مدد کرنے کی یقین دہانی کرائی اس کے بعد محمد علافی نے اپنے عرب کے سپاہیوں کو بلایا اور صورتِ حال سے آگاہ کر کے اس مہم کو سر کرنے کیلئے آمادہ کیا۔ راجے کی فوج بھی اس مہم کو سر کرنے کیلئے پہلے سے تیار تھی دونوں فوجوں نے مل کر راجے رمل کی فوج پر شب خون مارا اور اسے موت کی نیند سلا دیا۔ اس طرح دشمن پر فتح حاصل کر لی اس جنگ میں محمد علافی کو ہزاروں سپاہی اور پچاس ہاتھی اور لاتعداد گھوڑے ہاتھ لگے۔ فتح کے بعد جب اسیروں وقیدیوں کو راجے داہر کے سامنے لایا گیا تو اس نے سب کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ محمد علافی نے راجے سے کہا تمہارا فیصلہ انصاف پر مبنی نہیں ہے یہ لوگ اپنے بادشاہ کے انصار ومددگار تھے۔ انہوں نے اس کے ساتھ وفا کیا اب یہ آپ کے رحم وکرم پر ہیں۔ آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔ بادشاہ نے کہا: تم ان کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟ تو محمد نے جواب دیا کہ ہمارے اسلام میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو کسی ملک کا حاکم وبادشاہ بنائے اور وہ کسی دوسرے ملک کو فتح کر لے تو اس کے بعد وہ اس ملک کے باشندوں پر رحم کرے۔ اسلام اپنے دشمن پر بھی احسان کرنے کی تعلیم دیتا ہے، اسلام ہر ایک کی خیر خواہی کی ہدایت کرتا ہے۔ اسلام کے نزدیک بے قصور کو قتل کرنا بہت برا کام ہے۔ کل یہ لوگ آپ جیسے ایک راجے کے ساتھ تھے اور آج آپ کے ساتھ ہیں لہٰذا انہیں معاف کر دینا بہتر ہے۔ راجے نے یہ نصیحت آموز باتیں سنیں تو تمام اسیروں کو رہا کر دینے کا حکم دے دیا۔ اس شاندار مشورے اور مدد واعانت کے انعام میں راجے نے محمد علافی سے کہا: جو تمہارا جی چاہے مانگو! محمد نے کہا: میرا کوئی بیٹا نہیں ہے جو میرے بعد میرے نام کو زندہ رکھ سکے، میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی مملکت کے سکہ پر ایک طرف سے میرا نام کندہ کر دیں تاکہ جب تک سکہ چلتا رہے گا میرا نام روشن رہے گا۔ راجے نے ایک طرف اپنا نام اور دوسری

علافی

علافی

طرف محمد کا نام لکھوا دیا۔ مورخین کہتے ہیں کہ چچ اور اس کے جانشینوں نے سندھ اور اوچ شریف پر 92 سال حکومت کی۔ محمد کے عدد 92 ہوتے ہیں۔ اس نام کا صدقہ ازاں بعد اس ملک پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ (97)

محمد بن قاسم اور اوچ

محمد بن قاسم ہندوستان کا پہلا مسلمان فاتح مانا جاتا ہے۔ وہ 695ء میں پیدا ہوا۔ بچپن میں ہی اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ یہ حجاج بن یوسف کا بھتیجا تھا۔ حجاج بن یوسف جب عراق کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے محمد بن قاسم کے باپ قاسم کو بصرے کا حاکم مقرر کیا۔ اسی وجہ سے محمد بن قاسم کی تربیت بصرے میں ہوئی۔ محمد بن قاسم ابھی بچہ ہی تھا کہ اس کے والد نے وفات پائی۔ اس کا حلیہ بیان کرتے ہوئے مؤرخین لکھتے ہیں کہ محمد بن قاسم ایک خوبصورت نوجوان تھا، آنکھیں بڑی بڑی، پیشانی کشادہ، بازو گول، کلائیاں چوڑی، بدن کڑیل اور بھرا بھرا تھا، رنگ گلابی اور آواز رعب دار تھی۔ وہ نہایت ہی خلیق، حلیم الطبع، نرم رو، شیریں بیان اور ہنس مکھ تھا، پانچ سال کی عمر ہی میں اس کی ذہانت و عقل مندی اور شجاعت کے جوہر محسوس ہونا شروع ہوئے گئے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد محمد بن قاسم دمشق جا کر لشکر میں بھرتی ہو گیا تھا۔ لشکر میں شامل ہونے کے بعد وہ انتہائی قابل، تجربہ کار اور جنگ کا بہترین تجربہ رکھنے والے سالاروں کے تحت اپنی خدمات انجام دیتا رہا۔ ۱۴ سال کی عمر میں محمد بن قاسم نے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے لشکر میں ایک اعلیٰ عہدہ حاصل کر لیا۔ یہاں تک کہ اس کے چچا حجاج بن یوسف نے اسے ایران میں کردوں کی بغاوت ختم کرنے کے لیے روانہ کیا، اس دور میں کردوں نے جو بغاوت کی تھی اس کے لیے جس لشکر کا انتخاب کیا گیا تھا اس کا سالار محمد بن قاسم کو مقرر کیا گیا تھا اور اس وقت محمد بن قاسم کی عمر صرف ۱۵ برس تھی۔ (محمد بن قاسم، ص ۷)

محمد بن قاسم کا چچا حجاج بن یوسف اپنے وقت کا مشہور گورنر تھا، ظلم اور جبر کرنے میں یہ شخص شیطان کی طرح مشہور تھا، اس کی گھٹی میں ہی خون کی آمیزش تھی وہ یوں کہ جب یہ

پیدا ہوا تو اس نے اپنی ماں کا دودھ پینے سے انکار کر دیا تھا، اسے تین دن تک بھیڑ کا گرما گرم خون پلایا گیا۔ (محمد بن قاسم)

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ تاریخ میں ایک کردار اور بھی ایسا ہے جس نے پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ پینے کی بجائے خون کا ذائقہ چکھا، اور وہ چنگیز خان تھا جس کا اصلی نام تموچن تھا، یہ حجاج بن یوسف سے کم وبیش پانچ سو سال بعد پیدا ہوا، اس نے بھی جب آنکھ کھولی تو ماں کا دودھ پینے سے انکار کر دیا تھا، اس پر طرہ یہ کہ بوقتِ پیدائش اس کی مٹھیوں میں خون کے لوتھڑے بھی تھے، طبیب کی ہدایت پر اسے تین دن تک تازہ ذبح کی ہوئی بھیڑ کا گرم گرم خون پلایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں شخص (حجاج بن یوسف اور چنگیز خان) فطری طور پر سفاک، خون آشام اور جفاکش تھے، ان کی فطری سفاکی، درندگی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ حجاج بن یوسف کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ: خون بہانے اور سفاکانہ افعال کا ارتکاب کرنے میں مجھے وہ لذت ملتی ہے کہ جسے صرف اور صرف میں ہی محسوس کر سکتا ہوں۔ حجاج بن یوسف نے ظلم وستم کا جو بازار گرم کیا تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرتِ سیدنا عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے: اگر قیامت کے دن دنیا کی تمام قومیں خبیث لوگوں کا مقابلہ کریں اور ہر قوم اپنے اپنے خبیث کو مقابلے میں لائے تو ہم حجاج کو پیش کر کے تمام دنیا پر غالب ہو جائیں گے۔ (سیرتِ ابن جوزی، ص ۱۰۸)

اس میں کوئی شک نہیں کہ حجاج بن یوسف اور چنگیز خان یہ دونوں جہاں سفاک، ظالم، بے رحم، خون آشام، جفاکش اور درندہ صفت تھے وہاں یہ بڑے ذہین، فطین، چالاک، عقل مند اور غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک بھی تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں یتیم ہونے والے تموچن (چنگیز خان) نے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کے بل بوتے پر صحرائے گوبی کی وسعتوں کو عبور کر کے ایک طوفانِ بلاخیز کی طرح ایک عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس کے نام کی دہشت سے بڑے بڑے سلاطینِ دوراں کانپ جاتے تھے، جبکہ حجاج بن یوسف ایک معمولی مدرس سے ترقی کر کے اموی خلیفہ عبدالملک بن

مروان (اور اس کے بیٹوں) کا دستِ راست بن گیا اور اس نے سلطنتِ اسلامیہ کی توسیع کے لیے محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر اور قتیبہ بن مسلم جیسے جرنیل پیدا کیے جنہوں نے چین سے لے کر اندلس تک اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ (ہلاکو خان، ص ۱۵، بتغیر)

آمدم برسر مطلب عرب کے مسلمانوں کا ایک تجارتی جہاز دیبل کی بندرگاہ سے گزر رہا تھا۔ سمندری لٹیروں نے اسے لوٹ لیا۔ عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا۔ یہی وہ وقت تھا جب عرب میں ولید بن عبدالملک حکمران تھا اس کا چہیتا گورنر حجاج بن یوسف سیاہ وسفید کا مالک تھا، حجاج بن یوسف کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو اس نے راجہ داہر کو پیغام بھیجا کہ وہ مسلمان قیدیوں کو رہا کروائے۔ راجہ داہر نے اس کے جواب میں کہا کہ لٹیرے میرے قابو میں نہیں ہیں۔ اس پر حجاج بن یوسف نے اپنے نوجوان بھتیجے اور جرنیل محمد بن قاسم کی قیادت میں ایک فوج بھیجی جس کے ساتھ اونٹ، گھوڑے، اور منجنیق بھی تھیں۔ جو بھاری پتھر پھینکنے کے کام آتی تھیں۔ سب سے بڑی منجنیق کا نام عروس تھا۔ راجہ داہر نے بھی بھرپور تیاری کر لی اور محمد بن قاسم کی فوج کا مقابلہ کیا۔ لیکن اس نے محمد بن قاسم سے شکست کھائی۔ جنگ کے بعد محمد بن قاسم نے زخمی ہندو سپاہیوں کی مرہم پٹی کی اور ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ اس کے حسنِ سلوک سے بہت سے ہندو مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے دیبل کی طرف پیش قدمی کی۔ دیبل سندھ کی بندرگاہ تھی، جسے آج کل کراچی کہا جاتا ہے۔ محمد بن قاسم کی آمد کی خبر سن کر راجہ داہر کی فوج قلعے کے اندر چلی گئی۔ دیبل شہر کے وسط میں ایک بڑا مندر تھا۔ مندر کے مینار پر ایک جھنڈا لہرا رہا تھا۔ ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ جب تک مندر پر جھنڈا لہراتا رہے گا انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ محمد بن قاسم کی فوج نے منجنیق سے مندر پر پتھر برسانے شروع کر دیے ایک پتھر لگنے سے جھنڈا ٹوٹ کر نیچے آ گرا۔ جھنڈے کے گرنے سے ہندوؤں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اب راجہ داہر کی فوج نے قلعے سے باہر نکل کر لڑنے کا فیصلہ کیا۔ محمد بن قاسم کے سپاہی بڑی بہادری سے لڑے، بہت سے ہندو سپاہی قتل ہوئے، کچھ میدانِ جنگ سے بھاگ گئے اسطرح انہیں بہت

نقصان اٹھانا پڑا۔ مسلمان سپاہی قلعے میں داخل ہو گئے اور شہر فتح ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے دیبل کے لوگوں سے کہا: ''میں ظالم فاتح نہیں ہوں، میں مظلوموں کا حامی ہوں اور انہی کی نجات کیلئے یہاں آیا ہوں، میں مسلمان ہوں، مسلمان خواہ مخواہ کسی کو تنگ نہیں کرتے مگر ہم حق کو دبانے والوں کے خلاف ہیں ایسے لوگوں کے خلاف لڑنا ہمارا فرض ہے۔ محمد بن قاسم کی باتیں سن کر ہندو بہت حیران ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان فتح کے بعد وہی مار دھاڑ اور لوٹ مار کریں گے جو فاتح لشکر عموماً کرتے تھے۔ محمد بن قاسم نے دیبل کی سرزمین پر ایک مسجد تعمیر کروائی۔ اس علاقے میں لٹے پٹے تاجروں کو بھی آباد کیا۔ اس کے بعد کئی لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں راجہ داہر کو شکست ہوئی آخر کار ایک جنگ میں راجہ داہر مارا گیا اور محمد بن قاسم پورے سندھ پر قابض ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف سترہ سال تھی۔ فتح سندھ کے بعد محمد بن قاسم نے ملک کا انتظام اس خوبی سے کیا کہ سندھ کے ہندو اپنی مرضی سے مسلمان ہونے لگے اور بہت سے ہندو سپاہی مسلمانوں کی فوج میں شامل ہو گئے۔ محمد بن قاسم نے پنڈتوں کا بہت احترام کیا انہیں اپنے مندروں میں عبادت کی مکمل اجازت دے دی تھی۔ حکومت کا زیادہ تر کاروبار ہندوؤں کے سپرد تھا۔ محمد بن قاسم علاقے فتح کرتا ہوا اوچ شریف سے گزر کر ملتان تک پہنچ گیا ابھی اور فتوحات کرنا چاہتا تھا مگر اسے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے حجاج بن یوسف کی مخالفت کی وجہ سے واپس آنے کا حکم دے دیا۔ یہ حکم پا کر وہ واپس چلا گیا۔ لیکن مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کے دلوں میں اس نے محبت کے جو دیپ جلا دیئے تھے اس کے چلے جانے کے بعد بھی وہ نہ بجھ سکے۔ اوچ شریف میں محمد بن قاسم کی ایک یادگار مسجدِ ''حاجات'' کے نام سے مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ محمد بن قاسم کے ساتھ بہت سارے صحابہ بھی جہاد کیلئے آئے تھے اور تابعین کی تو کثیر تعداد تھی کیونکہ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے ہندوستان کے جہاد کا وعدہ لیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے ساتھ ہندوستان کے جہاد کا وعدہ لیا تھا۔ اگر میں اسے پا لوں تو اپنی جان و مال خرچ کر دوں اگر شہید ہو جاؤں تو

افضل شہداء میں میرا شمار ہوگا اگر واپس لوٹ آؤں تو آزاد ابو ہریرہ ہوں گا۔(98)

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: میری امت کی دو جماعتیں ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نار سے محفوظ رکھے گا۔ایک وہ جماعت جو ہندوستان میں جہاد کرے گی۔دوسری وہ جماعت جو حضرت عیسی علیہ السلام کے ساتھ ہوگی۔(99)

ہند میں اسلام کی بہار

ہندوستان کی سرزمین میں اسلام کی بہار امیر المومنین، امام العادلین، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ متوفی 23ہجری کے دور میں آئی۔ پھر اسکی خوشبو پھیلتی چلی گئی۔حتی کہ برصغیر کو اسلام کے نور نے روشن کر دیا۔آپ کے عہد ہمایوں میں حکم بن عمرو کی سربراہی میں ایک مہم تانہ (تھانہ بھوَن) پر قبضہ کیا اور بہروچ تک فتح حاصل کی۔(تاریخ اوچ،ص64)

(2)امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ متوفی 35ہجری کی خلافت کے زمانے میں عثمان بن عبید اللہ معمر عجمی (کیچ) مکران آئے۔انہوں نے اسلام کے دشمنوں کا صفایا کر دیا اور حکیم بن جبلہ رضی اللہ عنہ سندھ میں آئے اور انہوں نے ہندوستان کا اکثر حصہ دیکھا اور واپس جا کر امیر المومنین کو حالات سے آگاہ کیا۔(تاریخ اوچ،ص64)

(3)امیر المومنین حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی 40ہجری کے عہدِ ہمایوں میں حارث بن مرہ نے ہندوستان کا رخ کیا۔ان کی مہم قیقان تک پہنچی اور کامیاب رہی۔

(تاریخ اوچ،ص64)

(4)حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متوفی 60ہجری کے عہدِ حکومت میں مہلب نے سندھ پر اور عبداللہ بن عامر نے مکران پر حملہ کیا۔(تاریخ اوچ،ص64)

(5)مروان بن حکم متوفی 65ہجری کے زمانے میں راجپوتانہ پر مسلمان مجاہدین نے یلغار کی اور اس مہم میں اجمیر کا راجہ اور اس کا بیٹا واصل فی النار ہوئے۔(تاریخ اوچ،ص65)

(6)عبدالملک بن مروان متوفی 86ہجری کی امارت میں جب حجاج بن یوسف ثقفی

عراق کا گورنر تھا۔ حضرت محمد بن قاسم نے کراچی سے لے کر اوچشریف وملتان تک ایک مستحکم اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی۔ (تاریخ اوچ،ص65)

(7) سلیمان بن عبدالملک متوفی 99ہجری کے دور میں محمد بن قاسم کومعزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ یزید بن ابی کبشہ کومقرر کیا گیا مگر وہ راستے میں دم توڑ گیا۔ اس کی جگہ حبیب بن مہلب کوسندھ کا والی بنا دیا گیا۔ (تاریخ اوچ،ص65)

(8) امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز متوفی 101 ہجری کے ایامِ خلافت میں عمرو بن مسلم باہلی سندھ کا گورنر تھا۔ اس کے عہد میں راجہ داہر کے بیٹے جیسیہ کوایمان کی دولت ملی اس کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کافر مسلمان ہونے لگے اور اسلام کا نور گھر گھر میں جگمگانے لگا۔ (تاریخ اوچ،ص65)

(9) یزید بن عبدالملک بن مردان متوفی 105ہجری کے زمانے میں جنید بن عبدالرحمان سندھ کا گورنر تھا۔ اسکی گورنری کا سورج ہشام بن عبدالملک متوفی 125ہجری کی امارت تک چمکتا رہا۔ اس کے بعد تمیم بن زید الحسینی مقرر ہوئے پھر حکم الکلبی نے سندھ کو سنبھالا اس کے بعد عمرو بن قاسم حاکم مقرر ہوا۔ اس نے منصور آباد کا شہر بنایا۔ سندھ میں بنوامیہ کا یہ آخری گورنر تھا۔ (100)

ان معزز ومحترم مسلمانوں کی آمد اور انتظامی امور سنبھالنے کی وجہ سے اسلام کو چار چاند لگ گئے اور لاکھوں لوگوں نے اسلام قبول کر کے اپنا گھر جنت میں بنایا۔

علامہ احمد بن یحیٰی بن جابر بلاذری متوفی 279ھ نے لکھا ہے کہ ہم سے علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف نے کہا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے 15ھ میں حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی کو بحرین وعمان کی ولایت پر مقرر کیا وہ خود تو عمان گئے اور اپنے بھائی حکم کو بحرین بھیجا۔ حضرت عثمان عمان پہنچ کر ایک دریائی مہم تانہ (ٹھانہ) کی طرف بھیجی (جو موجودہ زمانہ میں بمبئی سے متصل صوبہ مہاراشٹر کا ایک ضلع ہے اور عہدِ قدیم میں یہ جگہ ہندوستان کی آباد اور پر رونق بندرگاہ تھی۔)(101)

جب یہ لوگ صحیح وسلامت واپس آ گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی، انہوں نے لکھا: ثقیف کے بھائی! تو نے کیڑے کو لکڑی پر چڑھایا۔ قسم بخدا اگر یہ لوگ ضائع ہو جاتے تو میں تیری قوم سے اتنے ہی لوگ لے لیتا۔(102)

بلاذری لکھتا ہے کہ حکم نے اپنے بھائی مغیرہ کو خلیج دیبل (کراچی وسندھ) کی طرف روانہ کیا اور خود بروص (بھروچ) پر حملہ کیا دشمن سے مقابلہ ہوا اور اس پر غالب ہوئے پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں بلادِ عراق پر عبداللہ بن عمر بن کریز کو مقرر کیا تو انہیں ثغر الہند کی طرف دریائی مہم بھیجنے کا حکم دیا۔ غرض یہ تھی کہ اس ملک کے حالات سے آگاہی حاصل ہو۔ عبداللہ بن عامر نے حکیم بن جبلہ عددی کی سربراہی میں ایک دستہ سمندر کے رستے روانہ کیا وہ بلوچستان اور سندھ کے مشرقی علاقے کو دیکھ کے واپس آئے عبداللہ نے انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا کہ جو کچھ دیکھا ہے جا کے خلیفۂ وقت کو سنا دیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اس ملک کا کیا حال ہے؟ کہا: اے امیر المؤمنین! میں نے اس ملک کو چل پھر کر اچھی طرح دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: مجھے اس کی کیفیت بتاؤ! حکم نے کہا:

مَاءُ هَا وَشَلٌ، ثَمَرُهَا دَقَلٌ وَلَصُّهَا بَطَلٌ اِنْ قَلَّ الْجَيْشُ فِيْهَا ضَاعُوْا۔ وَاِنْ كَثُرُوْا جَاعُوْا۔

یعنی پانی کم، پھل ردی، چور بے باک، لشکر کم ہو تو ضائع جائے، زیادہ ہو تو بھوک سے مر جائے۔ فرمایا: خبر دے رہے ہو یا شعر کہہ رہے ہو؟ عرض کیا: اے امیر المؤمنین! خبر دے رہا ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے لشکر کشی کا خیال ترک کر دیا۔ آخر 38 یا اول 39 ہجری میں حارث بن مرہ العبدی نے حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر بحیثیتِ مطبوع سرحدِ ہند پر حملہ کیا فتح یاب ہوئے، کثیر غنیمت ہاتھ آئی صرف لونڈی وغلام ہی اتنے تھے کہ ایک دن میں ایک ہزار تقسیم کئے گئے حارث اور ان کے اکثر اصحاب ارض قیقان (ملتان وسیستان کے درمیان کی جگہ کا نام ہے) میں شہید ہوئے، چند زندہ بچے۔ یہ 42ھ کا

واقعہ ہے پھر 44ھ حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے عہد میں مہلب بن ابی صفرہ نے اس سرحد پر حملہ کیا اور بنہ (بنوں) اور اہواز تک جا پہنچے یہ دونوں شہر ملتان اور کابل کے درمیان ہیں۔ بلاذری کہتا ہے قیقان میں 18 ترک سوار ملے جو دم بریدہ گھوڑوں پر سوار تھے دلیری سے لڑے۔ مہلب نے اپنے ساتھیوں سے کہا: کس چیز نے ان عجمیوں کو ہم سے زیادہ پھرتیلا بنا دیا ہے؟ پھر اس نے اپنے گھوڑے کی دم کاٹ دی وہ مسلمانوں میں پہلا شخص ہے جس نے گھوڑے کی دم کاٹی۔ بنوں کے معرکے کی نسبت بلاذری نے کہا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْاَزْدَ لَیْلَةَ بَیَّتُوْا

بِبَنَّةَ کَانُوْا خَیْرُ جَیْشِ الْمُهَلَّبِ

کیا تو نے دیکھا نہیں کہ ازدیوں نے جس رات بنوں میں شب خون مارا وہی لشکر مہلب کا بہترین تیغ زن تھا۔(103)

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کا دوسرا دور

مؤرخ فرشتہ لکھتا ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے جس مسلمان نے قدم رکھا اور اہلِ ہندوستان سے معرکہ آرائیاں کیں وہ ''مہلب بن ابی صفرہ'' تھا۔

ہجرتِ نبوی کے اٹھائیسویں (28) سال امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بصرے کے حاکم ''عبد اللہ بن عامر'' نے فارس پر حملہ کیا اور وہاں کے باشندوں کو جنہوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بدعہدی کی تھی ان کو شکست دی اور واپس بصرے آ گیا ہجرت کے تیسویں (30) سال امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کو جو کوفہ کا حاکم تھا، اس وجہ سے معزول کر دیا کہ اس پر شراب کی تہمت لگی تھی اور اس کی جگہ سعید بن العاص کو مقرر کر دیا۔ سعید اسی سال طبرستان کی طرف متوجہ ہوا حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام بھی اس کے ساتھ اس معرکہ میں شریک ہوئے۔ استر آباد کے دار السلطنت جرجان کو حسنین کریمین علیہما السلام کے قدموں کی برکت سے فتح کر لیا گیا۔ وہاں کے باشندوں نے دو لاکھ دینار سالانہ دینا منظور کئے۔ اہل

جرجان اسلام لے آئے اور خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔

ہجرتِ نبوی کے اکتیسویں (31) سال حضرت عثمان غنی نے عبداللہ بن عامر کو خراسان فتح کرنے کا حکم دیا، وہ ایک لشکرِ جرار کو ہمراہ لے کر کرمان کے راستے سے خراسان کی طرف روانہ ہوا، اس کے لشکر کا مقدمۃ الجیش حنیف بن قیس تھا غازیانِ اسلام کا یہ لشکرِ جرار سیستان (یہ علاقہ ایرانی مکران اور خراسان کے وسط میں واقع ہے اور اسے کوہستان کہا جاتا ہے) قہستان اور نیشاپور کو زیر کرتا ہوا اپنے محکوم کو اپنا اطاعت گزار بناتا ہوا طوس پہنچا۔ یہاں کے باشندوں نے بھی اسلام کی اطاعت کو قبول کیا اور مسلمانوں کے لشکر نے سرخس، ہرات، باد غیس، غرجستان، مرو، طالقان اور بلخ کو اسلامی مملکت میں شامل کیا۔ چونکہ عبداللہ بن عامر کو تھوڑے سے عرصے میں مکمل طور پر فتح ہوگئی۔ لہٰذا انہوں نے خراسان کا حاکم قیس بن ہاشم کو مقرر کیا اور خود حج کا احرام باندھ کر کعبے کی طرف روانہ ہوا ہجرتِ نبوی کے بتیسویں سال حضرت عثمان کے حکم سے عبداللہ بن عامر بلخ کو فتح کرنے کیلئے روانہ ہوا۔ لیکن متعدد مخالف اسباب کی بنا پر امیرِ لشکر اور بہت سے مسلمان لشکری اس جنگ میں شہید ہوئے اور بقیہ لشکر پریشان ہو کر بھاگا۔ یہ مسلمان سپاہی جرجان (بحرِ خزر کے جنوب مشرقی مقام کا نام تھا جسے اب استر آباد کہتے ہیں اور جیلان یا گیلان، جرجان سے متصل علاقہ) میں آ کر پناہ گزیں ہوئے۔ اسی سال عبداللہ بن عامر حرمینِ شریفین کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ ایک ایرانی سردار جس کا نام قارون تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ خراسان اس وقت بہادرانِ اسلام سے خالی ہے اس نے طبس، ہرات، بادغیس، قہستان اور غور وغیرہ کے چالیس ہزار باشندوں کو جمع کیا اور ایک لشکر جرار تیار کر کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن ہازم نے جو حنیف بن قیس کے ساتھ نیشاپور میں مقیم تھا۔ چالیس ہزار لشکریوں کی مدد سے اس فتنے کو دبایا اور اس کے صلے میں وہ خراسان کا حاکم بنایا گیا۔

44ھ میں حضرت امیر معاویہ نے زیاد بن ابیہ کو بصرہ، خراسان اور سیستان کا حاکم مقرر کیا اور اسی سال زیاد کے حکم سے عبدالرحمٰن بن ربیعہ نے کابل کو فتح کیا اور اہلِ کابل کو

حلقہ بگوش اسلام کیا۔ کابل کی فتح کے کچھ ہی عرصہ بعد ایک نامور عرب امیر مہلب بن ابی صفرہ ''مرو'' کے راستے سے کابل وزابل آئے اور ہندوستان پہنچ کر انہوں نے جہاد کیا اور دس ہزار یا بارہ ہزار کنیز وغلام اسیر کئے ان میں کچھ لوگ توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار کر کے مسلمان ہو گئے۔

53ھ میں زیاد بن ابیہ کی انگلی پر طاعون کی پھنسی نکلی اور اسی کے سبب اس نے وفات پائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے بیٹے عبیداللہ کو حاکم کوفہ مقرر کیا۔ کچھ عرصہ بعد عبیداللہ نے ماوراءالنہر کا عزم کیا اور اس ملک کے بہت سے شہروں کو فتح کر کے واپس آ گیا اس فتح کے صلے میں اسے بصرہ کی حکومت ملی لیکن اس نے اسلم بن زراعہ کو اپنی طرف سے خراسان کا حاکم مقرر کیا اور خود کوفہ میں مقیم رہا۔ 50ھ میں خراسان کی حکومت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد بن عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے سپرد کی۔ 63ھ میں یزید بن معاویہ نے مسلم بن زیاد کو سیستان اور خراسان کا حاکم مقرر کیا۔ جن لوگوں کو یزید نے مسلم کے ہمراہ روانہ کیا تھا انہیں میں ایک مہلب بن ابی صفرہ بھی تھا۔ مسلم نے اپنے چھوٹے بھائی یزید کو سیستان کی حکومت سپرد کی۔ جب یزید بن زیاد نے یہ سنا کہ کابل کے بادشاہ نے سرکشی کر کے مسلمانوں کے حاکم ابوعبداللہ بن زیاد کو قید کر لیا ہے تو اس نے ایک لشکرِ جرار جمع کر کے اہلِ کابل سے جنگ کی، ایک زبردست اور شدید معرکہ آرائی ہوئی۔ جس میں یزید کو شکست ہوئی اور اس کے لشکر کا ایک بڑا حصہ جنگ میں مارا گیا۔

جب مسلم بن زیاد کو ان حالات سے آگاہی ہوئی تو اس نے طلحہ بن عبداللہ بن حنیف کو جو ''طلحہ الطلحات'' کے نام سے مشہور ہے، کابل روانہ کیا، کابل پہنچ کر طلحہ نے پانچ لاکھ درہم ادا کر کے ابوعبداللہ کو شاہِ کابل کی قید سے آزاد کروایا۔ بعدازاں مسلم نے سیستان کی حکومت طلحہ کو سونپی۔ غور اور بادغیس کے باشندوں پر مشتمل ایک لشکر تیار کر کے کابل روانہ کیا اور اہلِ کابل کو زبردستی اپنا مطیع وفرمانبردار بنایا اور خالد بن عبداللہ کو جسے بعض لوگ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی اولاد سے اور بعض ابوجہل کی اولاد سے بتاتے ہیں، حاکمِ کابل مقرر کیا۔

جب خالد بن عبداللہ کابل کی حکمرانی سے معزول ہوا تو اس نے عراق وعرب کی طرف واپس جانا مناسب نہ سمجھا، نئے حاکم کے خوف سے کابل میں قیام کرنا بھی مشکل تھا۔لہٰذا اس نے اپنے بال بچوں اور متعلقین کو جو عربی النسل تھے ساتھ لیا اور شاہِ کابل کی راہنمائی میں کوہِ سلیمان پر اپنا ڈیرہ جمایا، جو ملتان اور پشاور کے درمیان میں واقع ہے۔خالد نے اپنی بیٹی کی شادی ایک شریف افغانی کے ساتھ کردی جو مذہبِ اسلام اختیار کر چکا تھا اس لڑکی کے بطن سے بہت سے لڑکے پیدا ہوئے جن میں دولڑکے لودھی اور سُور بہت مشہور اور ممتاز تھے۔افغانیوں کے گروہ میں دو مشہور فرقے لودھی اور سوری انہیں دو بھائیوں کی اولاد سے ہیں۔(104)

افغان کون ہیں؟

کتاب ''مطیع الانوار'' جو ایک معتبر مصنف کی تصنیف کردہ ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ افغان حقیقت میں قبطی فرعونی ہیں۔جس زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون پر غلبہ حاصل کیا تھا اس زمانے میں بہت سے قبطی شرک سے توبہ کر کے دینِ موسیٰ علیہ السلام میں شامل ہو گئے تھے لیکن ان قبطیوں کی ایک جماعت ایسی بھی تھی کہ جس نے باوجود طرح طرح کی مصیبتوں کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دین اختیار نہ کیا اور فرعون سے دوستی میں اور اس کے دعویٔ خدائی ماننے میں ثابت قدم رہے اس کے نتیجہ میں اس جماعت کو جلاوطن ہونا پڑا، لہٰذا یہ ہندوستان آئی اور کوہِ سلیمان پر رہائش پذیر ہوئی۔

اس جماعت سے بہت سے قبیلے پیدا ہوئے جو افغانیوں کے نام سے مشہور ہیں۔جس وقت خانۂ کعبہ پر ابرہہ نے حملہ کیا تھا اس وقت کعبے کے بہت سے دشمن نزدیک و دور سے آکر ابرہہ کے گرد جمع ہو گئے تھے۔اور انہوں نے اس کے ساتھ مل کر کعبہ پر حملہ کیا تھا انہیں لوگوں میں افغان بھی شامل تھے جنہوں نے وقتِ مقرر پر ابرہہ کا ساتھ دیا جب یہ مکے میں پہنچے تو وہاں خداوند تعالیٰ کے قہر میں مبتلا ہو کر جہنم واصل ہوئے۔مختصر یہ کہ مسلمان افغان کھیتی باڑی اور معاش کی طرف متوجہ ہوئے اور بے شمار گھوڑوں، گائے اور بکریوں وغیرہ کے

مالک بن گئے۔ اِن افغانوں نے اُن مسلمانوں کے ساتھ جو محمد بن قاسم کے ساتھ ہندوستان میں آئے تھے بڑے دوستانہ مراسم پیدا کئے جب ان کی نسل کثرت سے پھیلی تو یہ 143ھ میں کوہستان کے علاقے سے نکل کر مختلف شہروں کرماچ، پشاور اور شنوران وغیرہ پر قابض ہو گئے۔ راجۂ اجمیر کے ایک رشتہ دار نے جو لاہور کا راجہ تھا ان افغانوں کے فتنے کو دبانے کا ارادہ کیا اور اپنے ایک امیر کو مع ہزار سواروں کے ان کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا افغان اس لشکر کے مقابلے پر نکلے اور انہوں نے بیشتر ہندو سواروں کو قتل کر کے اس لشکر کو شکست دی اس واقعہ کے بعد لاہور کے راجہ نے اپنے بھتیجے کو دو ہزار سواروں اور پانچ ہزار پیادہ سپاہیوں کے ساتھ افغانوں کی سرزنش کے لئے روانہ کیا۔ اس بار خلج، غور اور کابل کے مسلمانوں نے افغانوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھا اور چار ہزار سپاہیوں کے لشکر کو تیار کر کے ان کی مدد کے لئے روانہ کیا۔ افغانوں کو اس مدد کے ملنے سے بڑی تقویت پہنچی انہوں نے قتل وغارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ اہل ہند سے پانچ مہینے میں ستر لڑائیاں لڑیں اور اکثر لڑائیوں میں فتح حاصل کی، لڑائی کے دوران سردی کا موسم شروع ہو گیا جاڑے نے اہل ہند کو بالکل عاجز اور مجبور کر دیا۔ لہٰذا وہ لڑائی بند کر کے واپس چلے گئے، لیکن جب جاڑوں کا زمانہ ختم ہو گیا تو لاہور کے راجہ نے پھر ایک نئے لشکر کیساتھ حملہ کیا اس مرتبہ بھی کابل اور خلج کے باشندوں نے افغانوں کی مدد کی کرماچ اور پشاور کے درمیان دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اس جنگ کی کیفیت یہ تھی کہ کبھی تو اہلِ ہند افغانیوں پر غالب آ کر انہیں پہاڑوں تک بھگا دیتے اور کبھی افغان تیروں کی بوچھاڑ سے اہلِ ہند کو پسپا کرتے اور انہیں ان کے خیموں اور قیام گاہوں سے باہر نکال دیتے۔

جب برسات کا زمانہ آیا تو دریائے نیلاب (نیلاب سے مراد دریائے اٹک یا سندھ ہے) کا سیلاب دیکھ کر اہلِ ہند لڑائی کے نتیجے کا خیال کئے بغیر اپنے ملک کی طرف لوٹ گئے اور اسی طرح کابل اور خلج کے مسلمانوں نے بھی اپنے وطنوں کو مراجعت کی، کابل اور خلج کے باشندوں سے جب کبھی ان کا کوئی ہم وطن یہ پوچھتا کہ کوہستان کے مسلمانوں پر کیا گزری تو

وہ جواب دیتے کہ ان کے ملک کو کوہستان نہ کہو، افغانستان کہو۔ کیونکہ اب وہاں افغان وغوغہ (آہ وفغاں) یعنی شور اور فریاد کے سوا کچھ نہیں سنائی دیتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے اسی بنا پر کوہستان کے مسلمانوں کو افغان اور ان کے وطن کو افغانستان کہا جانے لگا، لیکن اہلِ ہندان کوہستانی مسلمانوں کو پٹھان کہتے ہیں اس کی وجہِ تسمیہ معلوم نہ ہو سکی، لیکن خیال یہ ہے کہ اسلامی بادشاہوں کے عہد میں جب یہ قوم پہلی بار ہندوستان میں آئی تو پٹنے میں آباد ہوئی۔ اس لئے اہل ہندان کو پٹھان کہنے لگے۔ واللہ اعلم بالصواب۔(105)

اوچ پر سامانی یلغار

کھکروں اور لاہور کے راجہ کے درمیان بجائے دوستی کے رنجش پیدا ہوگئی اس وجہ سے کھکر قوم نے قوم افغان سے دوستی اور میل ملاپ پیدا کر لیا۔ اس پر راجہ لاہور نے بھی افغانوں سے لڑائی بند کر دی اور ان سے صلح کر کے ملغان کے چند گاؤں ان کو دیئے۔ خلجی جو افغانوں کی مدد سے اسی جنگل میں آباد تھے ان کو اس شرط پر افغانوں کی سی مراعات دیں کہ وہ افغانوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے مقابلہ میں سرحد کی حفاظت کریں۔ افغانوں نے پشاور کے کوہستان میں ایک حصار کھینچا اور اس کا نام خیبر رکھا اور "درہ" کے ملک پر ایسے قابض ہوئے کہ آلِ سامان کے عہدِ حکومت میں سامانی لشکر کو کبھی انہوں نے لاہور تک نہ پہنچنے دیا۔ اسی بنا پر سامانی لشکر کی لوٹ مار آخر تک ہمیشہ سندھ اور بھاطنہ جس کی اصل بھاٹیہ معلوم ہوتی ہے (جواب اوچ ہے) اس کی طرف رہی ہے۔ "درہ" سے وہ مخصوص کوہستانی سلسلہ مراد ہے جو لمبائی میں بجور (بجور سے چترال اور دریائے کابل کا درمیانی علاقہ مراد ہے) اسے سیوی (سیوی سے مراد ریاست قلات کا علاقہ ہے) تک جو بکر کا علاقہ ہے اور چوڑائی میں حسن ابدال اور کابل تک پھیلا ہوا ہے جب غزنی کی حکومت الپتگین کے ہاتھ میں آئی تو اس نے کئی بار لمغان (افغانستان کے مشرقی اضلاع جو پشاور کے قریب تک پاکستان کی حدود میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کا نام لمغان تھا) اور ملتان میں لوٹ مچائی اور بہت سے لونڈی اور غلام قید کر کے لے گیا۔(106)

جے پال کا اوچ کے راجہ سے مشورہ

جب افغانوں نے یہ دیکھا کہ الپتگین سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی راہ نہیں تو انہوں نے راجہ جے پال سے الپتگین کا مقابلہ کرنے کے لئے مدد چاہی۔ جے پال نے اس خیال کے پیشِ نظر کہ ہندوستان کی فوج سردی کی وجہ سے سرحدی مقامات پر ہمیشہ قیام نہیں کر سکتی اس سلسلے میں بھاطنہ (اوچ) کے راجہ سے مشورہ کیا۔ اس نے جو رائے دی اس کے مطابق ایک ایسے شخص کو جو افغانوں میں سے معتبر اور قابل اعتماد شخص تھا اور جس کا نام شیخ حمید تھا اس ملک کا امیر مقرر کیا۔ شیخ حمید نے لمغان اور ملتان کا علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا اور ہر مقام پر ایک ایک حاکم بطور اپنے نائب کے مقرر کیا اور اسی زمانے سے افغانوں میں حکومت اور سلطنت کا سلسلہ شروع ہوا۔

الپتگین کی وفات کے بعد اسکا جانشین سبکتگین ہوا۔ شیخ حمید نے سبکتگین کی مخالفت کو مناسب نہ سمجھا اور اسے یہ پیغام بھیجا کہ ہم مسلمان مذہب اسلام کے پیرو ہونے کی وجہ سے ایک ہیں اس لیے بادشاہ کو چاہیے کہ اس طبقے (یعنی افغانوں) کو اپنا سمجھے اور جب (کبھی) مسلمانوں کی فوج ہندوستان پر چڑھائی کرے تو اس (یعنی سبکتگین) کا لشکر کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرے اور اس جماعت کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ سبکتگین نے بھی مصلحتِ وقت کے پیش نظر شیخ حمید کی درخواست قبول کر لی اور جب راجہ جے پال پر فتح پائی تو افغانیوں کی بہت خاطر تواضع کی اور ملتان کے اکثر حصے ان کو عطا کئے۔ لیکن سبکتگین کے بیٹے سلطان محمود نے اپنے باپ کے برعکس عمل کیا۔ اس نے ہمیشہ افغانوں کو سرنگوں اور مغلوب رکھا۔ ان میں سے جو سرکش تھے انہیں قتل کیا اور جو اطاعت شعار تھے ان سے ملازموں کا سا سلوک کیا۔ (107)

عرب کی سیاسی حالت

سندھ اور ہند کی طرح عرب کی سیاسی حالت بھی ابتری کا شکار تھی وہاں بھی اسلام کے

نام پر ہولی کھیلی جارہی تھی۔ لیکن ان میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو حق کا پرچم بلند کرنا فرض جانتے تھے اور فتنہ پردازوں کو سرنگوں دیکھنا چاہتے تھے ان میں سے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ متوفی 150ھ کا نام سرِ فہرست ہے چنانچہ علامہ محمد اسماعیل سلفی نے لکھا۔

امام اعظم کا سیاسی موقف

حضرت امام رحمہ اللہ کو جہاں دین کے فقہی معاملات میں ایک اعجازی مقام حاصل تھا وہاں وہ وقت کی سیاست سے بھی بے خبر نہ تھے۔ وہ ان مؤثرات کو خوب سمجھتے تھے جن سے ایک غلط حکومت ماحول کو متأثر کر سکتی ہے اس لئے حضرت امام جہاں اپنے دار الافتا میں مجتہدانہ انداز سے کتاب وسنت کے بعض مقاصد کی تکمیل فرماتے تھے وہاں ایک ماہر سیاستدان کی طرح حکومتِ وقت کی نارسائیوں اور کمزوریوں سے بھی واقف اور باخبر تھے اور حکومت بھی اس مؤثر شخصیت اور اس کے دُوررس اثرات سے واقف تھی۔ حضرتِ امام کی قوتِ نفوذ اور عوام میں حضرت امام کی مقبولیت حکومت سے پوشیدہ نہ تھی اور نہ ہی حضرت امام اپنی اس ہمہ گیر قوت سے بے خبر تھے اس لئے ناممکن تھا کہ کوئی موقع حضرت امام کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔

حضرت امام کے مخالف بلکہ دشمن بھی ان خوبیوں سے ناواقف نہیں تھے اگر اس دورِ پرفتن میں یہ مقدس شخصیت سرزمینِ کوفہ میں موجودہ نہ ہوتی تو شاید اس کا حشر عاد و ثمود یا قومِ لوط جیسا ہوتا۔

وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ

علامہ زمخشری اعتقاداً مائل باعتزال ہیں لیکن فروع میں وہ حنفی ہیں فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ در پردہ زید بن علی کی مالی اور جانی اعانت کا فتویٰ دیتے تھے اور منصور دوانیقی ایسے چور کے مخالف تھے۔ ایک عورت نے حضرت امام سے فرمایا کہ میرا لڑکا آپ کے فتویٰ کے مطابق محمد اور ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کے ساتھ شہید ہو گیا۔ حضرت امام نے فرمایا۔ کہ کاش میں اس کی جگہ ہوتا۔ (108)

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور خلیفہ منصور

حضرت امام ابوحنیفہ 80 ھ میں (حسب روایتِ صحیحہ) پیدا ہوئے اور 150 ھ میں انتقال فرمایا۔ اسی مدت میں اموی حکومت نے دم توڑا اور عباسی حکومت نے اس کی جگہ لے لی، اکثر آئمۂ اسلام نے اس انقلاب میں کوئی اہم حصہ نہیں لیا، حکومت کے امیدواران کا شخصی کریکٹر اور اس انقلاب کے اسباب ودواعی ان کے سامنے تھے محض اسلام کے نام پر وہ کسی کے ہاتھ میں نہیں کھیلے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کی نگاہ میں نہ تو مروان الحمار کی ذاتی بردباری قابلِ تعریف تھی اور نہ ہی عبد اللہ السفاح پہلے عباسی بادشاہ کی ہوش مندی میں ان کے لئے کوئی جاذبیت تھی ان کی نظر میں یہ انقلاب "گاؤ آمد وخر رفت" سے زیادہ وقیع نہ تھا آئمۂ اسلام ان دونوں سلسلوں پر غیر مطمئن تھے حالانکہ یہ دونوں سلسلے بظاہر سنت کا دم بھرتے تھے مگر آئمۂ اسلام کی دُور اندیش نگاہیں ان کے شخصی اعمال اور اخلاق سے آگاہ تھیں اس لیے وہ بدستور ایک صحیح شرعی اور دینی حکومت کے لئے ساعی اور منتظر رہے۔ (109)

امام الائمہ، سراج الامہ، مالک الازمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ متوفی 150 ھ کے دینی وروحانی، فقہی وسیاسی مقام اوران کی بصیرت افروز فکر کے بارے میں میر محمد ابراہیم سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ نعیم (محدث) کی شخصیت ایسی نہیں ہے کہ اس کی روایت کی بنا پر حضرت امام ابوحنیفہ جیسے بزرگ امام کے حق میں بدگوئی کریں جن کو حافظ شمس الدین ذہبی جیسے ناقد الرجال امام اعظم کے معزز لقب سے یاد کرتے ہیں اور آپ کے حق میں لکھتے ہیں۔

اَحَدُ الْاَئِمَّةِ الْاِسْلَامِ وَالسَّادَاةَ الْاَعْلَامِ وَاَحَدٌ اَرْکَانِ الْعُلَمَاءِ
وَاَحَدُ الْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ اَصْحَابُ الْمَذَاهِبِ الْمَتْبُوْعَةِ الخ

(اسلامی اماموں میں سے ایک فرد، علم والوں کے سردار، علما کے رُکن رکین اور حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی میں سے ایک فقہ کے امام)۔ یہ ابن کثیر نے کہا ہے۔ سعیدی 12

نیز امام یحیٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ آپ (امام ابوحنیفہ) ثقہ

تھے اہل الصدق تھے کذب سے متہم نہ تھے۔ نیز عبداللہ بن داؤد حرینی نے کہا لوگ اپنی نماز میں امام ابوحنیفہ کیلئے دعا کیا کریں کیونکہ انہوں نے ان پر فقہ اور سنن (نبویہ) کو محفوظ رکھا۔(110)

میر محمد ابراہیم نے حضرت امام اعظم قدس سرہ پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے فرمایا: ''لطف یہ ہے کہ حضرت امام ہمام ایمان و اسلام کے تعلق وتلازم اور دونوں میں امتیاز بحسب حقیقت کو پشت اور شکم کی مثال سے ظاہر کرتے ہیں جو نہایت ہی لطیف وموزون ہے۔

جملہ شرعیات ایمان شرعی میں داخل ہیں

اگرچہ یہ امر حوالہ مذکورہ سے بھی ظاہر ہے لیکن ہم اس کی بابت ایک خاص حوالہ ذکر کرتے ہیں۔ جو اکثر علما کی نظر میں نہ ہوگا۔

وَقَدْ حَكَى الطَّحَاوِيُّ حِكَايَةً عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ مَعَ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ
اَنَّ حَمَّادَ بْنِ زَيْدٍ لَمَّا رَوٰى لَهٗ حَدِيْثٌ اَىُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ الخ
قَالَ لَهٗ اَلَا تَرَاهُ يَقُوْلُ اَىُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ قَالَ الْاِيْمَانُ ثُمَّ
جَعَلَ الْهِجْرَةَ وَالْجِهَادَ مِنَ الْاِيْمَانِ فَسَكَتَ اَبُوْحَنِيْفَةَ فَقَالَ
بَعْضُ اَصْحَابِهٖ اَلَا تُجِيْبُهٗ يَا اَبَا حَنِيْفَةَ قَالَ بِمَا اُجِيْبُهٗ وَهُوَ
يُحَدِّثُنِيْ بِهٰذَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ (111)

امام طحاوی حنفیؒ امام ابوحنیفہ کا ایک واقعہ جو امام حماد بن زید محدث کے ساتھ ہوا حکایت کرتے ہیں کہ جب حضرت حماد نے امام صاحب کے پاس حدیث ''ای الاسلام'' روایت کی اور کہا کہ آپ دیکھتے نہیں کہ سائل نے آنحضرت سے سوال کیا ''ای الاسلام افضل'' تو آنحضرت نے فرمایا ''الایمان'' پھر ہجرت اور جہاد کو بھی امور ایمان میں شمار کیا تو امام ابوحنیفہؒ خاموش ہو گئے آپ کے ایک شاگرد نے کہا آپ اس کو جواب کیوں نہیں دیتے تو آپ نے فرمایا وہ مجھ کو اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناتا ہے میں

اس کو کیا جواب دوں۔

امام طحاویؒ کے اس حوالہ سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضور امام ابوحنیفہؒ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کی کتنی تعظیم کرتے تھے۔ اس کے سامنے کس طرح گردن جھکا دیتے تھے اور یہ بھی کہ آپ نے از روئے شرع اعمال کو داخلِ ایمان تسلیم کر لیا یا آپ آگے ہی تسلیم کرتے تھے۔

حوالہ غنیۃ الطالبین اور اس کا جواب

بعض لوگوں کو حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بھی ٹھوکر لگی ہے آپ نے حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مرجیوں میں شمار کیا سو اس کا جواب ہم اپنے الفاظ میں نہیں بلکہ اپنے شیخ الشیخ حضرت نواب صاحب کے حوالے سے دیتے ہیں جو انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے نقل کیا ہے۔

آپ دلیل الطالب میں بطور سوال و جواب فرماتے ہیں۔

سوال:۔ درغنیۃ الطالبین مرجیہ را در اصحاب ابی حنیفہ نعمان ذکر کردہ اند و کذا غیرہ فی غیرہ وجہ آن چیست؟

جواب:۔ شاہ ولی اللہ محدث دھلوی در تفہیمات الٰہیہ نوشتہ ارجاء دو گونہ است یکے ارجاء است کہ قائل را از سنت بیروں می کند۔ دیگر آنست کہ از سنت بیرون نمی کند اول آنست کہ معتقد آن باشد کہ ھر کہ اقرار بلسان و تصدیق بجنان کرد۔ ھیچ معصیت او را مضر نیست اصلا دیگر آنکہ اعتقاد کند کہ عمل از ایمان نیست ولیکن ثواب وعقاب بران مترتب ست و سبب فرق میان ھر دو آنست کہ صحابہ و تابعین اجماع کردہ اند بر عطیہ مرجیہ و گفتہ اند کہ بر عمل ثواب وعقاب مترتب می شود

پس مخالف ایشان ضال و مبتدع است

شاہ ولی اللہ صاحب نے تفہیمات الٰہیہ میں لکھا ہے کہ ارجا دو قسم پر ہے ایک ارجا ایسا ہے کہ قائل کو سنت سے نکال دیتا ہے دوسرا وہ ہے جو سنت سے نکالتا نہیں۔ اول یہ ہے کہ کوئی اس بات کا معتقد ہو کہ جس شخص نے زبان سے اقرار کر لیا اور دل سے تصدیق کر لی اس کو کوئی معصیت بالکل ضرر نہیں دے گی اور دوم یہ کہ اعتقاد کرے کہ عمل ایمان کا جز نہیں ہے لیکن ثواب وعقاب ان پر مترتب ہوتے ہیں اور دونوں (قسموں) میں فرق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے مرجیہ کے خطا ہونے پر اور ان (صحابہ اور تابعین) کا قول ہے کہ عمل پر ثواب اور عقاب مترتب ہوتا ہے۔

مسئلہ ثانیہ

اجماع سلف ظاہر نشدہ بلکہ دلائل متعارضست بعض آیات واحادیث واثر دلالت می کنند برآں کہ ایمان غیر عمل ست وبسیارے از دلیل دال ست براں کہ اطلاق ایمان بر مجموع وقول وفعل ست واین نزاع راجع می شود بسوئے لفظ بجہت اتفاق ہمہ براں کہ عاصی از ایمان خارج نمی شود اگرچہ مستحق عذاب ست وصرف دلائل دالہ برانکہ ایمان عبارت از مجموع این چیزہا است از ظواہرش بادنیٰ عنایت ممکن ست انتہی

پس ان (صحابہ اور تابعین) کا مخالف گمراہ اور بدعتی ہے اور دوسرے مسئلہ میں سلف کا اجماع ثابت نہیں ہوا بلکہ دلائل متعارض ہیں۔ بعض آیات واحادیث اور آثار (صحابہ) اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ایمان عمل کا غیر ہے اور اکثر دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ایمان کا اطلاق قول اور عمل پر ہے اور یہ نزاع (محض) لفظ کی طرف رجوع کرتی ہے یعنی لفظی ہے بوجہ اس کے کہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ عاصی ایمان سے خارج نہیں

ہوتا۔ اگرچہ مستحقِ عذاب ہے اور ان دلائل کو پھیرنا جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ایمان ان سب چیزوں (عقائد و اعمال) کا نام ہے ادنیٰ توجہ سے ممکن ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے اس حوالہ کے بعد حضرت نواب صاحب اپنی طرف سے اس پر تبصرہ کر کے کہتے ہیں۔

واز انیجا معلوم شد کہ مراد حضرت شیخ جیلانی از مرجیہ بودن اصحاب ابی حنیفہ ثانی شق ست ولا غبار علیہ اگرچہ ارجح از روئے نظر در دلائل ہماں مذہب اہل حدیث ست کہ ایماں عبادت ست از مجموع اقرار و تصدیق وعمل وبہ قال القاضی ثناء اللہ فی ''مالا بدمنہ'' فاندفع الاشکال وصفی مطلع الہلال وباللہ التوفیق۔

حضرت شیخ جیلانیؒ کی مراد شقِ ثانی ہے اور اس پر کوئی غبار نہیں اگرچہ دلائل پر نظر رکھنے سے اہلِ حدیث کا مذہب ہی راجح ہے کہ ایمان مجموع اقرار اور تصدیق اور عمل کا نام ہے اور قاضی ثناء اللہ صاحب حنفی نے بھی ''مالا بدمنہ'' میں یہی کہا ہے۔ پس مشکل دور ہوگئی اور ہلال کا مطلع صاف ہو گیا اور توفیق خدا سے ہے۔ (112)

فیض ربانی

میر صاحب فرماتے ہیں ہر چند کہ میں سخت گنہگار ہوں لیکن یہ ایمان رکھتا ہوں اور اپنے صالح اساتذہ جناب مولانا ابوعبد اللہ عبید اللہ غلام حسن صاحب مرحوم سیالکوٹی اور جناب مولانا حافظ عبد المنان صاحب محدث وزیر آبادی کی صحبت و تلقین سے یہ بات یقین کے رتبے تک پہنچ چکی ہے کہ بزرگانِ دین خصوصاً حضرات آئمہ متبوعین (امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم) سے حسنِ عقیدت نزولِ برکات کا ذریعہ ہے اس لئے بعض اوقات خدا تعالیٰ اپنے فضلِ عمیم سے کوئی فیض اس ذرۂ بے مقدار پر نازل کر دیتا

ہے اس مقام پر اس کی صورت یوں ہے کہ جب میں نے اس مسئلہ کے لئے کتب متعلقہ المارکی سے نکالیں اور حضرت امام صاحب کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کتب کی ورق گردانی سے میرے دل پر غبار آ گیا جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دو پہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا یکا یک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا گویا ''ظلمٰت بعضھا فوق بعض'' کا نظارہ ہو گیا معاً خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحب سے بدظنی کا نتیجہ ہے اس سے استغفار کرو میں نے کلماتِ استغفار دہرانے شروع کئے وہ اندھیرے فوراً کافور ہو گئے اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دو پہر کی روشنی کو مات کر دیا اس وقت سے میری حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سے حسنِ عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی اور میں ان شخصیتوں سے جن کو حضرت امام ابوحنیفہ سے حسنِ عقیدت نہیں ہے کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرینِ معارجِ قدسیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کر کے فرماتا ہے ''افتمٰا رونہ علی مایری'' میں نے جو کچھ عالمِ بیداری اور ہشیاری میں دیکھ لیا اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سود ہے۔

خاتمۃ الکلام

اب میں اس مضمون کو ان کلمات پر ختم کرتا ہوں اور اپنے ناظرین سے امید رکھتا ہوں کہ وہ بزرگانِ دین سے خصوصاً آئمہ متبوعین سے حسن ظن رکھیں اور گستاخی، شوخی اور بے ادبی سے پرہیز کریں کیونکہ اس کا نتیجہ ہر دو جہاں میں موجبِ خسران ونقصان ہے۔

نَسْئَلُ اللهَ الْكَرِيْمَ حُسْنَ الظَّنِّ وَالتَّأَدُّبِ مَعَ الصَّالِحِيْنَ
وَنَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ مِنْ سُوْءِ الظَّنِّ بِهِمْ وَالْوَقِيْعَةِ فِيْهِمْ فَاِنَّهٗ
عِرْقُ الرَّفْضِ وَالْخُرُوْجِ وَعَلَامَةُ الْمَارِقِيْنَ وَلِنِعْمَ مَاقِيْلَ

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم شد از لطفِ رب

خاک پائے علماء متقدمین ومتاخرین حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (113)

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مجھ سے بیان کیا کہ جن ایام میں میں کانپور میں مولانا احمد حسن صاحب کانپوری سے علم منطق کی تحصیل کرتا تھا۔ اختلافِ مذاق و مشرب کے سبب احناف سے میری گفتگو رہتی تھی ان لوگوں نے مجھ پر یہ الزام تھونپا کہ تم اہلحدیث لوگ ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرتے ہو میں نے اس کے متعلق حضرت میاں صاحب مرحوم دہلوی یعنی شیخ الکل حضرت سید نذیر حسین صاحب سے دریافت کیا تو آپ نے جواب میں کہا کہ ہم ایسے شخص کو جو ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرے چھوٹا رافضی جانتے ہیں۔ علاوہ بریں میاں صاحب معیار الحق میں حضرت امام صاحب کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ ''اِمَامُنَا وَسَیِّدُنَا اَبُوْحَنِیْفَۃِ النُّعْمَانِ اَفَاضَ اللّٰہُ عَلَیْہِ شَابِیْبَ الْعَفْوُ وُالْغُفْرَانِ'' نیز فرماتے ہیں کہ مجتہد ہونا اور متبع سنت اور متقی اور پرہیز گار ہونا کافی ہے ان کے فضائل میں اور آیہ کریمہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ زینت بخش مراتب ان کیلئے ہے۔(114)

چھٹا باب

اوچشریف میں اسلامی بادشاہوں کا دور

اوچشریف میں اسلامی بادشاہوں کے آنے سے قبل برصغیر میں اسلام کی آمد کا ایک جائزہ ملاحظہ فرمائیے: اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ وہ انبیا ومرسلین علیہم السلام کو کل کائنات دکھا دیتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الانعام آیت نمبر 75 کا ترجمہ ہے: اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ اور اس لئے کہ وہ عین یقین والوں میں ہو جائے۔ (کنزالایمان)

(کَذٰلِکَ) کا ترجمہ اسی طرح ہوتا ہے اور اس سے پتا چلتا ہے کہ جد الانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اور ان کے بعد جتنے پیغمبر تشریف لائے اللہ تعالیٰ نے سب کو آسمانوں و زمینوں کی سلطنت کا نظارہ کرایا۔ جب خاتم الانبیا حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں آنے کی باری آئی تو اللہ پاک نے آپ کو ساری کائنات کا مشاہدہ کرنے والا بنا کر بھیجا اس میں ہندوستان بھی ہے اس کے بارے میں آپ کا ارشاد ملاحظہ ہو! حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کی دو جماعتوں کو اللہ تعالیٰ آگ سے بچالے گا۔ ایک وہ جماعت جو ہندوستان میں جہاد کرے گی اور دوسری وہ جماعت جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا ساتھ دے گی۔ (115)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ بالا فرمان کے پیشِ نظر مجاہدینِ اسلام کے اسلامی لشکر ہندوسندھ میں پہنچ گئے اور وہ چین کی سرحد تک بڑھتے چلے گئے۔ (116)

حافظ ابن کثیر نے اس لشکر کا ذکر 65 ہجری کے واقعات میں لکھا ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک لشکر ہندوستان کی طرف سندھ آیا تھا، 32 ہجری میں حکم بن عمرو تغلبی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عبداللہ عتبان رضی اللہ عنہ بھی

بذاتِ خود فوج لے کران کی امداد کیلئے پہنچے مکرانیوں اور مسلمانوں میں لڑائی ہوئی مکران کے بادشاہ راسل کو ہزیمت اٹھانی پڑی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عطا فرمائی اور بہت سارا مالِ غنیمت ان کو ملا۔(117)

حافظ ابن کثیر دمشقی فرماتے ہیں ''وَغَنِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْهُمْ غَنِيْمَةً كَثِيْرَةً'' اور مسلمانوں کو بہت سامال غنیمت میں حاصل ہوا۔(118)

امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں عثمان بن عبداللہ اور حکیم بن جبلہ ہندوستان میں آئے۔امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حارث بن مرہ عبدی نے مکران کو فتح کیا۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں مہلب بن ابی صفرہ اور عبداللہ بن عامر ہندوستان میں آئے۔(119)

مروان بن حکم کے زمانے میں مسلمان راجپوتانہ اوراجمیر تک پہنچے عبدالملک بن مروان کے زمانے میں محمد بن قاسم نے کراچی سے لیکر ملتان کو فتح کرلیا اور پورے علاقہ پر اسلامی جھنڈا لہرایا تھا۔اس وقت اسلامی نظام کا نفاذ ہوا جو نصف صدی تک قائم رہا۔(120)

116 ہجری میں منصور کو بلاد السندھ، سجستان اور خراسان کی تولیت سونپی گئی اہلِ ہند اور سجستانیوں ں نے خلیفہء وقت یزید بن ولید کی بیعت کرلی۔(121)

جب امویوں کا دورِ اقتدار اپنے انجام کو پہنچا اوراس کی جگہ عباسیوں نے لے لی تو 151 ھ میں ابوجعفر منصور عباسی نے سندھ کے گورنر کوافریقہ بھیج دیا اور یہاں ایک نئے گورنر کا تقرر عمل میں لایا گیا۔چنانچہ امام ابوجعفر طبری متوفی 310 ھ اس کی تفصیل بتاتے ہیں۔

عمر بن حفص کی امارت سندھ سے علیحدگی

151 ھ میں کرک نے بندرگاہ جدہ پر براہِ سمندر غارت گری کی نیز اس سال عمر بن حفص بن عثمان بن ابی صفرہ کو سندھ کی ولایت سے علیحدہ کر کے افریقہ کا والی مقرر کیا گیا اور اس کی جگہ سندھ پر ہشام بن عمرو التغلبی والی مقرر ہوا۔اس عزل ونصب کے اسباب اور واقعات ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

منصور نے عمر بن حفص کو سندھ کا صوبہ دار مقرر کیا۔ یہ مدینہ میں محمد بن عبداللہ (بن امام حسن رضی اللہ عنہ) اور بصرہ میں ابراہیم بن عبداللہ (بن امام حسن رضی اللہ عنہ) کے خروج تک اپنے فرائض بخوبی انجام دیتا رہا۔ محمد بن عبداللہ نے خروج کرنے کے بعد اپنے بیٹے عبداللہ الاشتر کو چند زیدیوں کے ساتھ بصرہ بھیجا اور ہدایت کی کہ وہاں سے نہایت عمدہ تیز رو گھوڑے خرید کر عمر بن حفص کے پاس سندھ چلے جاؤ اس شخص کے پاس بھیجنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ بھی منصور کے ان سپہ سالاروں میں تھا جنہوں نے محمد کیلئے بیعت کی تھی اور نیز اس لیے کہ یہ آلِ ابی طالب کی طرف قلبی رجحان رکھتا تھا۔ (تاریخ طبری ج5، حصہ دوم ص429)

ابرہیم بن عبداللہ کی جماعت کو عمر بن حفص کی امان

یہ جماعت ابراہیم بن عبداللہ کے پاس بصرہ آئی یہاں انہوں نے بہت سے اعلیٰ درجہ کے گھوڑے خریدے، سندھ میں عمدہ گھوڑوں کی نہایت قدر و قیمت تھی یہ بحری راستے سے سندھ آئے اور عمر بن حفص کے پاس پہنچے اور بیان کیا کہ نخاس میں ہمارے پاس نہایت عمدہ گھوڑے ہیں۔ عمر نے کہا کہ وہ گھوڑے میرے سامنے پیش کئے جائیں انہوں نے وہ گھوڑے اس کے سامنے پیش کیے۔ جب یہ لوگ عمر کے قریب آ گئے تو ان میں سے کسی نے کہا کہ مجھے اپنے پاس آنے دیجئے! میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں؟ اس نے بلا لیا۔ اس شخص نے کہا: ہم آپ کے پاس ایک ایسی شے لے کر آئے ہیں جو آپ کیلئے ان گھوڑوں سے بہتر ہے اور جس میں آپ کی دارین کی بھلائی ہے آپ ہمیں ان دو شرطوں پر امان دیجئے! ایک یہ کہ یا تو جس غرض سے ہم آپ کے پاس آئے ہیں آپ اسے قبول فرمالیں اور اگر قبول نہ کریں تو آپ اس وقت اس معاملہ کو بالکل پوشیدہ رکھیں اور ہمیں کوئی اذیت اس کی وجہ سے نہ دیں گے ہم پھر خود ہی آپ کے علاقہ سے چلے جائیں گے۔ (حوالہ بالا)

عمر بن حفص کی محمد بن عبداللہ سے بیعت

عمر نے ان کو امان دی، انہوں نے کہا کہ ہم گھوڑے لے کر آپ کے پاس نہیں آئے بلکہ یہ دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پوتے محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن رضی اللہ عنہما آپ کے

پاس موجود ہیں۔ ان کے والد نے ان کو آپ کے پاس بھیجا ہے۔ انہوں نے مدینہ میں خروج کر دیا ہے اور اپنی خلافت کی دعوتِ عام دے دی ہے ان کے بھائی ابراہیم نے بصرہ میں خروج کر کے اس پر قبضہ کرلیا ہے۔ عمر نے ان کی دعوت پر خوشی خوشی لبیک کہا اور محمد کے لیے ان کی بیعت کر لی۔ عبداللہ بن محمد کیلئے حکم دیا کہ اسے ہمارا مہمان بنادیا جائے چنانچہ وہ اسی کے پاس فروکش ہو گیا۔ عمر نے اپنے خاندان اور خاص سرداروں اور اپنے علاقہ کے سربرآوردہ لوگوں کو محمد کی بیعت کی دعوت دی جسے انہوں نے قبول کرلیا اور بیعت کر لی اب ان سب نے سفید جھنڈے اور نشانات اختیار کیے سفید قبائیں اور سفید کلاہیں وٹوپیاں پہننا شروع کیں اور منبر پر پہننے کیلئے بھی سفید لباس مہیا کرلیا ایک جمعرات کے دن اس نے اس سفید لباس کا اہتمام کیا۔ (ایضاً)

عمر بن حفص کا عبداللہ بن محمد کو مشورہ

بدھ کے دن بصرہ سے ایک تباہ کن جہاز سندھ آیا اس میں عمر بن حفص کی بیوی خلیدہ بنت المعارک کا ملازم عمر کے نام ایک خط لے کر آیا جس میں اسے عبداللہ کے قتل کی اطلاع دی گئی تھی، عمر نے عبداللہ (الاشتر) سے آکر یہ واقعہ بیان کیا اور اس کے باپ کی ہلاکت پر تعزیت کی اور کہا کہ میں نے آپ کے والد کیلئے بیعت کی تھی مگر اب ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آگیا ہے، عبداللہ نے کہا: میرا معاملہ اب شہرت پذیر ہو چکا ہے، میرا پتہ معلوم ہو گیا ہے اب میرے خون کی ذمہ داری تمہاری گردن پر ہے اب تم جیسا مناسب خیال کرو اپنے لیے راستہ اختیار کرو! چاہے میری حفاظت کرو یا اس سے دست بردار ہو جاؤ! عمر نے کہا: ایک بات میرے دل میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں سندھ کا ایک زبردست رئیس ہے جس کا ملک وسیع اور جس کی رعایا کثیر ہے۔ یہ باوجود شرک کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حد درجہ تعظیم و تکریم کرتا ہے اور اپنے عہد کا پکا ہے میں اسے بلا کر تمہارے اور اس کے درمیان رشتۂ مودت و محبت قائم کر دیتا ہوں اور تم کو اس کے پاس بھیج دوں گا تم وہیں رہنا اس کے ساتھ قیام کی حالت میں تم پر کسی کی دسترس نہیں ہو سکے گی۔ (ایضاً)

عبداللہ کی جماعت

عبداللہ شاہ غازی الاشتر نے کہا جو آپ مناسب خیال کرتے ہوں اس پر عمل کیجئے! عمر نے اپنی تجویز پر عمل کیا اور عبداللہ الاشتر اس رئیس کے پاس چلا گیا اس نے اس کی بڑی تعظیم، خاطر داری اور تواضع کی اور بہت اچھا سلوک کیا۔ اب زیدی رفتہ رفتہ اس کے پاس پہنچ کر قیام پذیر ہونے لگے اس طرح چار سوا چھے ذی اثر مدبر، بہادر اور علما اس کے پاس جمع ہو گئے عبد اللہ شاہ غازی اس جماعت کی معیت میں سیر وشکار کیلئے شہزادوں کی طرح پورے تزک واحتشام کے ساتھ سوار ہو کر نکلتا تھا۔ (ایضا)

عمر بن حفص کے ایک رشتہ دار کا قتل

جب محمد اور ابراہیم دونوں شہید ہو گئے تو عبداللہ الاشتر کی اطلاع منصور کو ملی منصور نے اسے بڑی اہمیت دی اسے سخت غصہ آیا اس نے عمر بن حفص کو اپنی اطلاع لکھ بھیجی عمر نے اپنے تمام رشتہ داروں کو جمع کر کے منصور کا خط سنایا اور کہا کہ اگر میں اس واقعہ کا اقرار کرتا ہوں تو وہ فوراً مجھے معزول کر دیں گے اگر ان کے پاس جاؤں تو قتل کرا دیں گے اگر مقابلہ کروں تو لڑ پڑیں گے۔ اس کے خاندان کے ایک شخص نے کہا کہ تم اس واقعہ کی ذمہ داری میرے سر ڈال دو اور اسی وقت اس کی اطلاع امیر المومنین کو لکھ کر بھیجو نیز فوراً مجھے گرفتار کر کے بیڑیاں پہنا دو اور قید کر دو! وہ یقیناً میری حاضری کا حکم دیں گے تو تم مجھے بھیج دینا۔ میرا خیال ہے کہ سندھ میں جو قوت ودبدبہ تم کو حاصل ہے نیز بصرہ میں تمہارے خاندان کا جو اعزاز اور اثر ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ میرے خلاف کوئی کاروائی نہیں کریں گے۔ عمر نے کہا: تمہارا خیال غلط ہے مجھے تمہارے متعلق اس کے بالکل برعکس معاملہ کا اندیشہ ہے وہ کہنے لگا اگر میں مارا گیا تو میں بخوشی اس کیلئے تیار ہوں کہ میری جان تم پر قربان ہو جائے اگر زندہ رہا تو یہ عطیۂ خداوندی سمجھوں گا۔ عمر نے اس کی قید کا حکم دے دیا اور وہ جیل میں ڈال دیا گیا پھر اس نے منصور کو اس کی اطلاع لکھ بھیجی منصور نے اس کی حاضری کا حکم بھیجا جب یہ اس کے سامنے پیش ہوا تو منصور نے اس کو قتل کرا دیا۔ (122)

علامہ ابن کثیر دمشقی نے حضرت محمد بن عبداللہ بن امام حسن اور ابراہیم بن عبداللہ بن امام حسن رضی اللہ عنہما کی شہادت کے حالات البدایہ والنہایہ جلد 10 ص 86-87 پر بیان کئے ہیں۔ اور عبداللہ الاشتر کا واقعہ جلد 10 ص 108 پر درج کیا ہے۔

امارت سندھ پر ہشام بن عمرو کا تقرر

اس کے بعد منصور ایک طویل مدت تک غور کرتا رہا کہ سندھ کا حاکم کسے مقرر کرے۔ کبھی کسی کا نام لیتا اور پھر خاموش ہو جاتا ایک دن سیر کیلئے جا رہا تھا، ہشام بن عمرو التغلبی اس کے ہمراہ تھا۔ منصور جب تک اس روز سواری میں رہا اسے غور سے دیکھتا رہا اپنی فرودگاہ واپس آ کر کپڑے اتار دیئے تو ربیع نے آ کر ہشام کی باریابی کی اجازت چاہی۔ منصور نے کہا: ابھی وہ میرے ساتھ تھا ملنے کی ایسی کیا ضرورت پیش آئی؟ ربیع نے کہا: اسے ایک اہم بات آپ سے عرض کرنی ہے۔ منصور ایک کرسی منگوا کر بیٹھ گیا اور اب ہشام بن عمرو کو باریاب کیا۔ اس نے سامنے کھڑے ہو کر عرض کی کہ جب سواری سے میں اپنے مکان واپس گیا تو میری فلاں بہن بنت عمرو میرے سامنے آئی اس کے حسن و جمال، ذہانت وفراست اور تقوٰی کو دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ یہ امیر المومنین کے لائق ہے اب میں اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ اسے آپ کی نذر کروں منصور دیر تک سر جھکائے بید سے زمین کھرچتا اور سوچتا رہا اور پھر کہا کہ اچھا اس وقت تو جاؤ! جو فیصلہ ہوگا اس کے متعلق میرا حکم تم کو بعد میں مل جائے گا۔ اس کے جانے کے بعد منصور نے ربیع کو خطاب کر کے کہا: اگر بنی تغلب کی ہجو میں جریر نے یہ شعر

لَاتَطلبن خَؤُلَةَ فِیْ .تَغْلُبُ

فَالزَّنْجَ اَکْرَمَ مِنْهُمْ اَخوَالَا

ترجمہ: ''بنی تغلب میں کبھی اپنا ننہال مت بنانا کیونکہ ننہالی رشتہ داروں کی حیثیت میں زنگی ان سے کہیں اچھے ہیں۔ نہ کہا ہوتا تو میں ضرور اس کی بہن سے شادی کر لیتا مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اگر اس سے میری اولاد ہوئی تو اس شعر کی وجہ سے ان کو عار آئیگا۔ اچھا! تم خود

جاؤ اور اس سے جا کر کہو: امیر المومنین کہتے ہیں کہ اس رشتۂ مناکحت کے علاوہ اگر امیر المومنین سے کچھ اور چاہتے ہو تو بیان کرو! امیر المومنین اس کے قبول کرنے میں دریغ نہ کریں گے اگر آئندہ خود مجھے اس رشتۂ مناکحت کی ضرورت ہوگی تو میں تمہاری تجویز قبول کرلوں گا، خدا تم کو اس کی جزائے خیر دے! میں اس بات کے عوض میں تم کو سندھ کا والی مقرر کرتا ہوں، تم اس رئیس سے مراسلت کرنا اگر وہ تمہاری اطاعت منظور کر لے اور عبداللہ شاہ غازی بن محمد کو تمہارے حوالے کردے تو بہتر ہے ورنہ تم اس کے خلاف جنگ کرنا۔

(تاریخ طبری، ج5، حصہ دوم ص 251)

امارت افریقہ پر عمر بن حفص کا تقرر

دوسری طرف منصور نے عمر بن حفص کو افریقہ کا والی مقرر کر کے اسے اس کے متعلق حکم بھیج دیا، ہشام بن عمرو تغلبی نے سندھ آکر اپنے عہدے کا چارج لے لیا اور عمر بن حفص بعید المسافت ممالک طے کر کے افریقہ پہنچ گیا، سندھ آکر ہشام کا جی نہ چاہا کہ وہ عبداللہ کو پکڑ لے مگر دکھاوے کے طور پر وہ اپنے مصاحبین سے کہتا رہا کہ میں اس رئیس سے اس معاملہ میں خط و کتابت کر رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ صلح و آشتی سے کام نکل جائے اسی وجہ سے میں اپنی تحریر میں نرم لہجہ اختیار کرتا ہوں تا کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے، ابوجعفر کو اس کے دیدہ و دانستہ تساہل کی مسلسل اطلاعیں ملیں، اس نے اپنے خط میں اس معاملہ کیلئے بار بار اصرار سے لکھا کہ اس پر جلد عمل کرو۔

اسی اثنا میں سندھ کے ایک علاقہ میں کسی شخص نے شورش برپا کی ہشام نے اپنے بھائی سفنج کو باغیوں کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا یہ اپنی فوج لے کر اس سمت چلا، جس راستے سے یہ پیش قدمی کر رہا تھا وہ اس رئیس کی سرحد سے بالکل ملحق تھا سفنج چلا جا رہا تھا کہ اسے ایک غبار بلند ہوتا ہوا نظر آیا اصل میں یہ غبار عبداللہ شاہ غازی کی سواری کا تھا مگر سفنج کو یہ خیال گزرا کہ یہ دشمن کا مقدمۃ الجیش ہے جس کی مقابلہ پر یہ جا رہا ہے اس خیال کی بنا پر دریافت حقیقت کیلئے اس نے اپنے جاسوس روانہ کئے انہوں نے آکر بیان کیا کہ یہ وہ دشمن تو نہیں ہے جس

کے مقابلہ کیلئے آپ جارہے ہیں۔ یہ عبداللہ بن محمد الاشتر العلوی سیر کے لئے دریائے سندھ کے کنارے کنارے جارہا ہے۔ (تاریخ طبری، ج5، حصہ دوم ص 251_252)

عبداللہ شاہ غازی کی شہادت

یہ سنتے ہی سفنج نے اس کی گرفتاری کیلئے اس سمت جانے کا ارادہ کرلیا اگرچہ اس کے مشیروں نے کہا: یہ ابن رسول اللہ ہیں! آپ خود جانتے ہیں کہ آپ کے بھائی نے عمداً ان سے کنارہ کشی کی تا کہ ان کے خون کا وبال اسے اپنے سر نہ لینا پڑے۔ علاوہ بریں وہ آپ کے مقابلہ پر نہیں آئے بلکہ محض سیر وتفریح کیلئے نکلے ہیں اور آپ خود بھی ان کے مقابلے کیلئے نہیں آئے ہیں بلکہ دوسرے کیلئے آئے ہیں مناسب ہے کہ آپ ان سے اعراض کریں اور ان کو نہ چھیڑیں! مگر سفنج نے کہا میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا ان کو پکڑ کر ان کی گرفتاری اور ان کے قتل سے منصور کی خدمت میں ذریعہ تقرب ورسوخ بنالے لہٰذا میں خود ہی کیوں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاؤں تو عبداللہ شاہ غازی اور اس کے ساتھیوں نے بہادری سے حملہ آوروں کا مقابلہ کیا، لڑے اور سب کے سب شہید ہو گئے ان میں کوئی ایسا نہ بچا جو اس واقعہ کی جا کر اطلاع دیتا، چونکہ عبداللہ دوسرے مقتولین میں خلط ملط پڑا ہوا تھا اس وجہ سے سفنج کو اس کا پتہ نہ چلا، مگر اس کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس خوف سے کہ اس کا سر کاٹ لیا جائے شہادت کے بعد اس کے ساتھیوں نے اسے دریائے سندھ میں ڈال دیا۔ (تاریخ طبری ج 5 حصہ دوم ص 252)، (ان کی ولادت 98 ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوئی اور ان کی شہادت 151 ہجری میں وادی مہران میں ہوئی تھی وادی مہران میں ان کے عرس مبارک کی تقریب سعید 20 ذوالحجہ کو شروع ہوتی ہے۔ وہاں کے مسلمانوں میں یہ بات مشہور و معروف ہے کہ سمندر میں اٹھنے والے طوفانوں کو آپ کی وجہ سے نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ اور لوگ سمندر کے طوفان سے گھبراہٹ کے بعد اس کے فرو ہو جانے پر سکھ کا سانس لیتے ہیں۔ ساحلِ سمندر کراچی میں اونچے ٹیلے پر آپ کا مزار مطلعِ انوار مرجع عوام وخواص ہے۔)

سندھ کے رئیس پر حملہ کا حکم

ہشام بن عمرو نے اس فتح کی اطلاع کیلئے منصور کی بارگاہ میں ایک عریضہ ارسال کیا اور اس میں یہ ظاہر کیا کہ میں خود ارادتاً اس کے مقابلے پر گیا تھا۔ منصور نے اپنے جواب میں اس کی اس کاروائی کو خوب سراہا اور ہدایت کی کہ اب تم اس رئیس کے خلاف جنگ کرو جس نے عبداللہ بن الاشتر کو پناہ دی تھی اور یہ اس لئے کہ عبداللہ شاہ غازی نے اس رئیس کے ہاں قیام کے زمانے میں چند لونڈیاں رکھی تھیں ان میں سے ایک کے ہاں محمد بن عبداللہ جو ابوالحسن بن محمد العلوی ابن لاشتر کے نام سے مشہور تھا پیدا ہوا۔ سفنج اس رئیس سے لڑا اس نے اس کی ریاست پر قبضہ کرلیا اور رئیس کو قتل کر دیا اس نے عبداللہ بن محمد کی امّ ولد کو مع اس کے فرزند کے منصور کی خدمت میں بھیج دیا۔ منصور نے والیِ مدینہ کو اس لڑکے کی صحتِ نسب لکھ کر بھیجی اور خود اسی بچے کو بھی اس کے پاس بھیج دیا اور لکھا کہ تم آل ابی طالب کو جمع کر کے میرا یہ خط جو اس بچے کی صحتِ نسب کے متعلق ہے سنا دینا اور اسے اس کے اعزا اور وارثوں کے سپرد کر دینا۔(123)

271ھ میں جب مامون عباسی کا اقتدار تھا سندھ کا گورنر حاجب بن صالح تھا اس کے بعد سندھ کا حاکم عثمان بن عِباد مقرر ہوا۔(124)

298 ہجری میں مقتدر عباسی کی حکومت تھی اس کے زمانے میں لیث بن علی ''سیستان'' اور ''سندھ'' کا حاکم تھا اس کے دور میں اوچ بھی سندہ کا ایک حصہ تھا اس لیے سندھ کے حوالے سے اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ 298ھ میں سندھ کا حاکم حسین تھا مقتدر عباسی نے اسے ہٹا کر اس کی جگہ احمد سامانی کا پروانہ کر دیا۔ 300ھ میں سجور دوانی کو سامانی کے بعد سندھ کا حاکم بنا دیا۔ یہ زمانہ غزنیوں خلجیوں اور افغانیوں کے عروج کی بھاگ دوڑ کا تھا۔(125)

ساتواں باب

ہندوستان میں اسلام اور بادشاہان اسلام کا عروج وغلبہ

اوچ میں سید صفی الدین کی آمد

سابقہ مسلمانوں کے بعد اوچشریف کی روحانی تعمیر وترقی سید صفی الدین گاذرونی نے شروع کی تھی۔ اہلِ تاریخ کہتے ہیں کہ سید صفی الدین گاذرونی کوان کے ماموں شیخ ابواسحاق نے خرقۂ خلافت پہنا کر ایک اونٹ پر سوار کیا اور فرمایا جدھر یہ اونٹ جائے تم خوشی سے اُدھر ہی چلتے رہنا اور جہاں اونٹ بیٹھ جائے اس جگہ کو اپنا وطن بنالینا! اونٹ چلتے چلتے اوچ کی سر زمین پر پہنچا اور اس شہر میں آکر بیٹھ گیا۔ انہوں نے اس کو اٹھانے کی کوشش کی مگر اونٹ نے اٹھنے کا نام نہ لیا گویا شیخ کے حکم کے مطابق آپ اپنی منزل مقصود تک پہنچ چکے تھے چنانچہ انہوں نے اسی جگہ کو اپنا مستقر بنالیا، جسے اس زمانے میں اوچ کہا جاتا تھا۔(126)

شیخ المشائخ حضرت سید صفی الدین حقانی گاذرون سے اوچشریف 370 ہجری میں تشریف لائے تھے ان کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ وہ پہلے صوفی بزرگ ہیں جو برِصغیر میں رونق افروز ہوئے اور اوچشریف میں سکونت اختیار فرما کر یہاں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور لوگوں کی روحانی تربیت کا انتظام فرمایا۔ تاریخ اوچ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ جس سلطان نے حضرت سید صفی الدین گاذرونی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ کے اخرجات کیلئے وقف مقرر کیا تھا اس کا نام شہاب الدین غوری تھا۔ دوسرے مؤرخین لکھتے ہیں کہ شہاب الدین غوری کا دورِ اقتدار 580ھ میں تھا۔(127)

حضرت سید صفی الدین گاذرونی کے مزار پر مرقوم تاریخِ آمد اور تاریخِ وصال کو بنیاد بنایا جائے تو ان کی آمد کا زمانہ وہ تھا جب امیر ناصر الدین سبکتگین نے غزنی میں زمامِ اقتدار کو سنبھالا ہوا تھا اور تاریخ بتاتی ہے کہ امیر ناصر الدین نے 367ھ میں ہندوستان پہنچ کر چند

قلعے فتح کیے تھے اور اکثر جگہوں پر اس نے مساجد بنوائی تھیں سبکتگین کو قلعوں کے فتح کرنے سے بہت سارا مال غنیمت بھی حاصل ہوا۔(128)

پہلے زمانے کے مسلمان بادشاہ دینی علم کے دلدادہ ہوتے تھے علماء، فضلاء، اولیاء اور ادیبوں سے محبت کرتے تھے دینِ اسلام کی ترویج واشاعت اور طالب علموں کی خدمت کیلئے وظائف دیتے تھے اور انہیں زیورِ علم سے آراستہ ہونے کیلئے ان کی مدد کرتے تھے، مدرسین بھی خلوصِ دل اور نہایت دیانتداری سے طلباء کی تربیت فرماتے تھے اور انہیں دینی وروحانی روشنی سے منور کرتے تھے امیر ناصرالدین کو دین کا جھنڈا بلند کرنے اور اسے غیر مسلموں کے ملکوں میں گاڑنے کا بہت شوق تھا اس لئے انہوں نے ہندوستان کا رخ کیا اور قلعوں کو فتح کرنے کے بعد وہاں نظامِ اسلام کو پروان چڑھانے کیلئے مساجد اور مدرسے تعمیر کرائے۔عین ممکن ہے کہ اس امیر نے اوچ کے قلعہ کو بھی فتح کیا ہو اور یہاں کے مدرسہ کا مہتمم حضرت سید صفی الدین گاذرونی کو بنا دیا ہو کیونکہ سنوں کا تطابق وتوافق یہ بتاتا ہے کہ امیر ناصرالدین اور حضرت گاذرونی کا زمانہ ایک تھا۔''معاصر الملوک'' میں لکھا ہے کہ سلطان محمود نے اپنی جوانی کے ابتدائی زمانے میں امیر ناصرالدین سبکتگین کے دور میں غزنی میں ایک سرسبز وشاداب باغ لگوایا تھا۔اس میں ایک بڑی عمدہ اور عالی شان عمارت بنوائی تھی جب باغ اور عمارت تیار ہو گئے تو ایک عظیم الشان جشن منعقد کیا اس میں اپنے والد گرامی اور ارکانِ سلطنت کو مدعو کیا، امیر ناصرالدین سبکتگین نے اس باغ اور عمارت کو دیکھا اور سلطان محمود کو کہا: اے میرے بیٹے! اگرچہ یہ باغ اور یہ عمارت بہت شاندار ہیں لیکن ایسی چیزیں تمہارے ملازم بھی بنا سکتے ہیں بادشاہوں کی شان وشوکت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ ایسی عمارت کی بنیاد ڈالیں جس کی مثال پیدا نہ کی جا سکے۔

محمود نے بڑے ادب سے پوچھا: وہ کونسی عمارت ہے جس کا ذکر آپ فرما رہے ہیں؟ سبکتگین نے جواب دیا: اس عمارت سے مراد اہلِ علم کے دل ہیں۔علما کے دل کی زمین میں اگر تم اپنے احسان اور اپنی محبت کے بیج بو گئے اور وہ بارآور ہو گئے تو ان کے پھل ایسے ہوں

گے جن کے چکھنے سے تمہیں دین و دنیا کی سعادت کی لذت ملے گی اور تمہارا نیک نام روز حشر تک زندہ رہے گا۔(129)

امیر سبکتگین کی تعریف کرتے ہوئے مؤرخ شہیر حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی 774ھ لکھتے ہیں کہ سبکتگین بہترین انسان تھا، اچھی سیرت وعادت کا مالک تھا۔ بہت عقلمند تھا شجاعت اور دیانت کا پیکر تھا۔(130)

اس دور میں دین کا علم حاصل کرنے والوں کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مہمان تصور کیا جاتا تھا اور ان کی خدمت میں کوئی کسر باقی نہ رکھی جاتی تھی۔ اس وقت عصری علوم کا کوئی تصور نہ تھا، ہر طرف دینی وروحانی علم کے چرچے تھے۔ اس کی وجہ سے لوگ مقام ولایت پر فائز ہوتے تھے۔

اوچ کے مدرسے کے برتن

خورشیدِ ملت، بلبلِ چمنستانِ رسالت علامہ مولانا خورشید احمد فیضی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کئی بار اپنے وعظ میں فرمایا کہ اوچشریف کی دھرتی کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں حضرت صفی الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے مدرسہ میں طالب علموں کو چینی کی پلیٹوں میں سالن دیا جاتا تھا ایک بار کسی طالب علم سے ایک پلیٹ ٹوٹ گئی تو آپ نے حکم دیا کہ باقی پلیٹوں کو لنگر خانے میں جمع کروا دیا جائے اور زمرد کے پیالے استعمال میں لائے جائیں۔ کسی نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا: حضور بجائے سزا کے یہ نوازش! تو آپ نے فرمایا:

تا توانی بدل راحت رساں
کہ دل مؤمن محل ظہور حق است

(ترجمہ بزبان پنجابی)

ڈھا دے مسجد ڈھا دے مندر ڈھا دے جو کجھ ڈھندا
پر اک بندے دا دل نہ ڈھاویں میرا رب دلاں وچ رہندا

اوچ میں پہلی کرامت

خواجۂ خواجگان، محبوبِ الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 725ھ نے "فوائد الفواد شریف" میں حضرت سید صفی الدین گاذرونی کا ذکر فرمایا ہے کہ ایک جوگی، شیخ صفی الدین گاذرونی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے ساتھ بحث شروع کر دی، کہنے لگا اگر تم سچے ہو تو کوئی کرامت دکھاؤ! آپ نے فرمایا: یہ تمہارا دعویٰ ہے اس کی دلیل بھی تم نے پیش کرنی ہے وہ جوگی ہوا میں سیدھا اُڑ گیا پھر اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا اب تم اپنی کرامت دکھاؤ آپ نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی اور عرض کیا: مولیٰ! تو نے بیگانوں کو یہ قوت عطا کی ہے تو مجھے بھی کچھ عنایت فرما دے تاکہ حق وصداقت کا بول بالا ہو جائے تھوڑی دیر کے بعد آپ اپنی جگہ سے قبلہ رخ اڑے۔ اور پھر واپس آ گئے اور مشرق کی جانب پرواز فرمائی پھر شمال کی طرف تشریف لے گئے پھر جنوب کی سمت چلے گئے۔ جوگی نے جب یہ منظر دیکھا تو اس کا حوصلہ پست ہو گیا اور وہ آپ کی عظمت وکرامت کا قائل ہو کر کہنے لگا: میں تو صرف سیدھا اوپر کی طرف اڑ سکتا ہوں آپ تو ہر سمت پرواز کر سکتے ہیں لہٰذا آپ سچے ہیں اور میں جھوٹا ہوں۔ (131)

اوچ کے نامور بزرگ

ڈاکٹر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں: اوچ ایک قدیم تاریخی شہر ہے جہاں سکندر اعظم آیا، ہندوؤں کے زمانہ میں یہ شہر مرکزی حیثیت رکھتا تھا اور مسلمانوں کے ابتدائی دورِ حکومت میں بھی اس شہر کو عروج حاصل تھا۔ غزنوی عہد میں اوچ میں ایک نامور بزرگ شیخ صفی الدین گاذرونی پہنچے، مشہور صوفی بزرگ خواجہ ابو اسحاق گاذرونی کے مرید اور بھانجے تھے، صفی الدین گاذرونی وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اوچ میں مدرسہ اور خانقاہ قائم کی اور وہاں سے ہزاروں طالبانِ حق فیض حاصل کرتے تھے حضرت گاذرونی نے اوچ کو دینی و روحانی ترقی سے نوازا، بہت سی عمارتیں بنوائیں اور بقولِ مؤلفِ تاریخِ اوچ حضرت گاذرونی کے مدرسے میں ڈھائی ہزار طالب علم تعلیم پاتے تھے...... حضرت گاذرونی کی

خانقاہ و مزار اوچ بخاری (محلہ خواجگان) میں واقع ہے۔(132)

مولوی حفیظ الرحمان نے حضرت سید صفی الدین گاذرونی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ ولادت 353ھ اور اوچ شریف میں تشریف آوری 370ھ اور انتقال 398ھ لکھی ہے۔(133)

حضرت صفی الدین حقانی گاذرونی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پر انوار پر آثارِ قدیمہ کا جو کتبہ آویزاں ہے، اس پر لکھا ہوا ہے۔(آمد اوچ متبرکہ 370 ہجری تاریخ شہادت 421 ہجری) قادری صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت صفی الدین گاذرونی نے 398 ہجری مطابق 1008ء میں وصال فرمایا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سبکتگین کے ابتدائی حالات

مشہور مؤرخ جوزجانی نے اپنی کتاب منہاج السراج میں سبکتگین کے ابتدائی حالات اس طرح لکھے ہیں کہ ایک تاجر، نصر حاجی، سبکتگین کو ترکستان سے بخارا لے آیا اور اسے ''الپتگین'' کے پاس فروخت کر دیا۔ الپتگین نے اس کے چہرے پر عقل، صلاحیت اور شوکت کی علامتیں دیکھ کر اسے اپنے خاص لوگوں میں شامل کر لیا۔ غزنی کی جنگ میں اسے امیرِ لشکر بنا دیا اور اپنی طرف سے وکیلِ مطلق قرار دیدیا۔ مؤرخِ مذکور لکھتا ہے کہ سبکتگین ایران کے بادشاہ یزدجرد کی نسل سے تھا جس کی تفصیل درج ذیل ہے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یزدجرد کو ملکِ مرو میں آسیا کے مقام پر قتل کر دیا گیا تو اس کے عزیز واقارب اور اس کی اولاد وہاں سے نکل کر ترکستان کی طرف بھاگ گئی۔ ترکستان میں انہوں نے ترکوں سے بہت میل ملاپ کیا اور شادی و بیاہ میں ابتدا کر دی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو تین نسلوں کے گزرنے کے بعد یہ لوگ بھی ترک مشہور ہو گئے۔(134)

ہرنی پر رحم

جامع الحکایات میں لکھا ہے کہ نیشاپور میں جب سبکتگین، الپتگین کا ملازم رہا اس کے پاس گھوڑا تھا وہ تمام دن اس گھوڑے پر چڑھ کر جنگل میں جانوروں کا شکار کیا کرتا تھا، ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک ہرنی اپنے بچوں کیساتھ چر رہی ہے۔ سبکتگین نے گھوڑے کو

دوڑایااور ہرنی کے بچے کو پکڑ لیااس کے ہاتھ پاؤں باندھ کراس نے بچے کو گھوڑے کی زین سے باندھ دیا اور شہر کی طرف روانہ ہونے لگا، ابھی چلا ہی تھا کہ اس نے مڑکر دیکھا تو ہرنی پیچھے چلی آرہی تھی اور اسکی صورت اور حرکات سے رنج ظاہر ہو رہا تھا، اس کی یہ حالت دیکھ کر سبکتگین کو ہرنی پر بہت رحم آیا اس نے ہرنی کے بچے کو فوراً چھوڑ دیا اب اس نے ہرنی کو دیکھا تو وہ اپنے بچے کی رہائی پر بہت خوش ہو رہی تھی، وہ اپنے بچے کو لے کر چلی جارہی تھی اور چند قدم اٹھانے کے بعد پھر وہ شکاری کو دیکھتی اور خوشی کا اظہار کرتی، جس دن کا یہ واقعہ ہے اسی رات سبکتگین نے خواب میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دیدار کیا، سرکار نے فرمایا: ناصر الدین! تو نے ایک بے زبان پر رحم کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت حاصل کر لی ہے لہٰذا اس پر ہمیشہ عمل کرتے رہنا اور رحم کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دینا کیونکہ یہ طریقہ دین و دنیا کا سرمایہ ہے۔(135)

امیر ناصر الدین بحیثیت سلطان

تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ناصر الدین دراصل الپتگین کا غلام تھا، اصلاً یہ ترکی تھا، سامانی حکومت کے دور میں الپتگین خراسان کا حاکم بنا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اپنی حکومت کو مضبوط بنا لیا جب والئی بخارا عبدالملک کا انتقال ہوا تو بخارا کے سرداروں نے الپتگین کے پاس قاصد بھیجا اور یہ دریافت کیا کہ آلِ سامان میں اب کون حکومت کرنے کا اہل ہے؟ الپتگین نے جواب دیا کہ عبدالملک کا بیٹا منصور ابھی نوجوان ہے لہٰذا حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کیلئے اس کے چچا سے بہتر اور کوئی نہیں۔ لیکن قاصد کے لوٹنے سے پہلے انہوں نے منصور کی تاجپوشی کرادی، منصور نے حکومت کے معاملات جب اپنے ہاتھ میں لے لئے تو اس نے الپتگین کو اپنے پاس بخارا میں طلب کرلیا۔ الپتگین اپنی رائے کی وجہ سے ڈر گیا اور اس کے سامنے سرخم نہ کیا وہ منصور کے دائرہ غلامی سے نکل گیا اور سرکشی پر آمادہ ہو گیا۔ 1351ء میں الپتگین تین ہزار سواروں کو لے کر خراسان سے غزنی کی طرف روانہ ہوا اور اس نے غزنی کو فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کرلیا، جب منصور

نے دیکھا کہ خراسان خالی ہے تو اس نے وہاں کی حکومت ابوالحسن محمد بن ہجوری کو دے دی اور الپتگین کو زیر کرنے کیلئے دوبارہ لشکر کشی کی لیکن منہ کی کھائی الپتگین نے پندرہ سال تک ہمت، قوت اور اقبال مندی سے حکومت کی اس عرصہ میں اس کے کمانڈر انچیف امیر ناصر الدین سبکتگین نے کئی بار ہندوؤں سے جہاد کیا اور ہر بار کامیابی سے ہم کنار ہوا۔ 365ھ میں الپتگین کا انتقال ہوا، منصور نے غزنی کی حکومت بظاہر الپتگین کے بیٹے ابواسحاق کو دے رکھی تھی لیکن سلطنت کے تمام اہم کام سبکتگین کے مشورہ سے تکمیل پاتے تھے کچھ عرصہ کے بعد ابواسحاق کا انتقال ہو گیا غزنی کے امیروں اور ارکانِ سلطنت نے امیر ناصر الدین سبکتگین کے چہرے پر اقبال وفتح مندی کی نشانیاں دیکھ کر 367ھ میں اسے اپنا مستقل بادشاہ تسلیم کر لیا ابواسحاق کی بہن اور الپتگین کی بیٹی سے اس کی شادی کر دی۔

(1) الپتگین نے اپنے عہد حکومت میں عدل وانصاف کو پروان چڑھایا۔

(2) ظلم، بربریت اور تجاوزات کا خاتمہ کیا۔

(3) امرا، شرفا اور ارکانِ مملکت پر مہربان رہا۔

(4) عوام کی خدمت کر کے اور انصاف ان کی دہلیز پر پہنچا کر ان کے دلوں میں اپنی محبت کا بیج بویا۔

(5) امورِ مملکت اور اسرارِ جہانداری کی قابلیت کو عمل میں لا کر اپنی حکمرانی کا سکہ بٹھایا۔ (136)

خزوار کی فتح

سبکتگین نے بلوچستان کے مقام ''ار'' جو اَب خزوار کے نام سے مشہور ہے فتح کیا۔ ''ار'' اور بخارا کی فتح کے بعد سبکتگین نے اہلِ ہند سے جہاد کرنے کا مصمم ارادہ کیا اور 367ھ کے اواخر میں ہندوستان پہنچ کر چند قلعے فتح کئے اکثر مقامات پر مساجد تعمیر کروائیں اور بہت سا مالِ غنیمت حاصل کر کے کامران و بامراد واپس غزنی پہنچا۔ (137)

ملتان میں جنگ

راجہ استبال کا بیٹا جے پال برہمن قوم سے تعلق رکھتا تھا اس کی سلطنت سرہند سے لے کر لغمان تک اور کشمیر سے لے کر ملتان تک پھیلی ہوئی تھی وہ قلعۂ بھٹنڈہ میں (اجمیر کے قریب) مقیم تھا اس قلعہ میں رہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک سکے۔ وہ غیر ملکی حملہ آوروں کی یلغار کو روکنے کیلئے کوہ پیکر ہاتھیوں اور بہادر سپاہیوں کا ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے مسلمانوں کی سلطنت کی طرف روانہ ہوا اس کے جواب میں امیر سبکتگین نے بھی اپنے مجاہدین کو ساتھ لے کر روانگی اختیار کی، ملتان کی سرحدوں پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اور کئی روز تک لڑائی ہوتی رہی اس معرکے میں امیر ناصر الدین کے بیٹے سلطان محمود نے بوجود کم سنی کے اپنی ہمت اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ ان کی مثال اس دور میں مشکل سے مل سکتی ہے۔ یہ لڑائی کچھ دنوں پر محیط رہی مگر فاتح اور مفتوح میں امتیاز مشکل تھا۔(138)

عجیب چشمہ

ملتان میں لڑائی کے دوران چند آدمیوں نے سلطان محمود کو بتایا کہ راجہ کی فوج جہاں مقیم ہے وہاں ایک چشمہ ہے جس کی خاصیت یہ ہے کہ اگر اس میں تھوڑی سی نجاست ڈال دی جائے تو آندھی کے تیز جھکڑ، بادل کی گرج اور بجلی کی چمک و دمک سے فوراً ایک طوفان بپا ہو جاتا ہے یہ سن کر سلطان محمود نے حکم دیا کہ ابھی ابھی اس چشمے میں نجاست ڈال دی جائے سلطان کے حکم کی تعمیل فوراً کی گئی، نجاست کا چشمے میں جانا تھا کہ آسمان پر گھرے بادل چھا گئے بادل کی گھن گرج اور بجلی کی چمک و کڑک سے میدانِ کارزار میں عجیب وغریب کیفیت پیدا ہو گئی، لشکر کے گھوڑے اور بار برداری کے دیگر جانور انتہائی ٹھنڈک پیدا ہو جانے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، لشکریوں کے بدن سردی کی شدت سے ٹھٹھر کر رہ گئے اور ہر فرد نقل وحرکت سے معذور ہو گیا اس عالم میں ہر فوجی فریاد وزاری کرنے لگا۔ جے پال کے لشکر میں ماتم بپا ہو گیا جے پال نے امیر ناصر الدین کے پاس صلح کا پیغام بھیجا، صلح کی شرط یہ طے ہوئی

کہ راجہ جے پال ایک لاکھ درہم اور پچاس ہاتھی پیش کرے۔ جے پال نے اس شرط کے عوض اپنے ایک معتبر رکن ''دولت'' کو سبکتگین کے پاس گروی رکھا اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر راجہ لاہور آیا تا کہ ہاتھی اور رقم مسلمانوں کے سپرد کرے۔ لاہور پہنچ کر جے پال نے بدعہدی کی مسلمانوں کو قید کر لیا اور یہ پیغام بھیجا کہ جب تک امیر سبکتگین میرے سردار ''دولت'' کو واپس نہیں کرتا میں ان مسلمانوں کو قید میں رکھوں گا جے پال کو اس کے وزیر، مشیر اور درباری اس حرکت سے منع کرتے رہے مگر وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ جب امیر سبکتگین کو اس معاملے کی خبر ہوئی تو وہ راجہ کو سزا دینے کیلئے اس کی طرف روانہ ہوا، راجہ نے تمام راجاؤں کی مدد سے بہت بڑا لشکر تیار کر لیا تھا، امیر سبکتگین نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر جے پال کے لشکر کو دیکھا تو وہ ایک دریا کی طرح نظر آیا لیکن وہ راجہ کی فوج سے ہرگز مرعوب نہ ہوا اور اس معرکے کو شیر اور بکری کی لڑائی جان کر پہاڑ سے نیچے اترا اپنے فوجی جرنیلوں کا دل بڑھایا، انہیں جہاد کا ثواب اور اس کے فوائد بتائے اور موت وشہادت کا فلسفہ ان کے سامنے رکھا، پانچ پانچ سو کے دستے بنائے اور فرمایا یہ دستے باری باری لڑیں گے پہلا دستہ جب تھک جائے گا تو دوسرا اس کی جگہ سنبھال لے۔ امیر سبکتگین کی یہ حکمت عملی اس حد تک کامیاب ہوئی کہ دشمن کی فوج میں کھلبلی مچ گئی اور ان کے حوصلے پست ہونے لگے، مسلمان مجاہدین نے جب ان کی بدحواسی ملاحظہ کی تو ان پر یک بارگی حملہ کر دیا دشمن کی فوج کے بے شمار سپاہیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا ہندوؤں کی بچی کھچی فوج بھاگ نکلی، مجاہدینِ اسلام نے نیلاب کے کنارے تک ان کا پیچھا کیا، اس معرکے میں بہت سامال غنیمت حاصل ہوا لمغان اور پشاور کے ملک دریائے نیلاب کے کنارے تک مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ ان مفتوحہ علاقوں میں اسلامی جھنڈا لہرایا گیا نظامِ مصطفیٰ کا نفاذ ہوا امیر ناصر الدین کے نام کا خطبہ وسکہ جاری ہوا۔ اس فتح کے بعد سبکتگین نے اپنے ایک سردار کو دو ہزار کی فوج کیساتھ پشاور میں چھوڑا اور اس علاقہ کے آس پاس افغانی اور خلجی صحرا نشینوں کو بھی مطیع کیا اور خود غزنی روانہ ہو گیا۔ (139)

امیر ناصر الدین سبکتگین کا انتقال

امیر ناصر الدین کی عمر جب چھپن (56) سال کی ہوئی تو انہوں نے شعبان 387ھ میں بمقام ترمز انتقال فرمایا وفات کے بعد ان کے جسم کو تابوت میں رکھ کر غزنی لایا گیا اور غزنی میں سپرد خاک کیا گیا سبکتگین نے بیس سال تک فرمانروائی کی اس کے بعد اس کی اولاد میں سے چودہ افراد باری باری مسندِ حکومت پر براجمان رہے۔(140)

سبکتگین کے کارنامے

(1) سبکتگین غلام تھا۔ پھر خداداد صلاحیت اور دانشمندی سے سلطان بنا۔
(2) انسان تو انسان وہ جانوروں پر بھی رحم کیا کرتا تھا۔
(3) علماء و صلحاء کی خدمت و محبت کو اپنے لئے سعادت سمجھتا تھا۔
(4) مساجد و مدارس کی تعمیر و ترقی میں ہمیشہ سرگرم رہتا تھا۔
(5) عدل و انصاف کا پیکر تھا۔
(6) رعایا کے ساتھ نرمی اور محبت کیساتھ پیش آتا تھا۔
(7) دشمنانِ دین کی سرکوبی کے لیے ہروقت تیار رہتا تھا۔
(8) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منظورِ نظر تھا۔
(9) ہمیشہ فاتح رہا کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھا۔

کمال قدرت اور بے پایاں رحمت تو دیکھو کہ ایک غلام کے سر پر تاج سجا کر اسے فاتحِ مملکت بنا دیا۔

کسی کو تاجِ سلطانی کسی کو بھیک در در دے
میرے مولی تیری مرضی جدھر چاہے ادھر کر دے

امین الملت یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی

تمام مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سلطان محمود تمام دنیوی اور دینی خوبیوں کا مجموعہ تھا اور اپنی دلیری و شجاعت، عدل و انصاف، انتظامِ سلطنت اور فتوحات کی بنا پر دنیا کے

گوشے گوشے میں مشہور تھا اس کی معرکہ آرائیوں کا اصل سبب یہ تھا کہ اسلام اور انصاف کی برکات کو پھیلایا جائے اور ظلم وتعدی کی بنیادوں کو ڈھایا جائے اس کی بہادری اور جرأت مندی اور استقلال کا یہ عالم تھا کہ میدانِ جنگ میں سیلاب کی طرح بڑھتا چلا جاتا تھا اور کسی بلندی اور پستی کا مطلق خیال نہ کرتا تھا۔ انصاف کا یہ عالم تھا کہ دور ونزدیک ہر مقام پر اس کی انصاف پسندی کا بول بالا تھا۔(141)

محمود غزنوی کی پیدائش

سلطان محمود کی ماں ایک زابلی شریف کی بیٹی تھی اسی وجہ سے سلطان کو محمود زابلی بھی کہا جاتا ہے۔ سلطان محمود 357ھ میں عاشورہ کی رات کو پیدا ہوئے...... کتاب ''منہاج السراج'' میں جوزجانی لکھتا ہے کہ سلطان محمود کی قسمت کا ستارہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طالع مبارک کا ستارہ ایک ہی تھا۔

سلطان محمود کے پیدا ہونے سے ایک گھڑی پہلے اس کے باپ سبکتگین نے خواب میں دیکھا کہ اس کے مکان میں آتش دان کے اندر سے ایک درخت نکلا اور اس قدر بلند ہوا کہ ساری دنیا اس کے سائے میں آگئی، سبکتگین کی جب آنکھ کھلی تو وہ اس خواب کی تعبیر کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اتنے میں ایک شخص نے آکر محمود کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی، یہ خبر سن کر سبکتگین کو بے انتہا خوشی ہوئی۔ وہ اپنے اس خواب سے جس کی ابتدا اور انتہا بہت اچھی تھی خوش ہوا اور امیدیں قائم کیں اور اس لڑکے کا نام محمود رکھا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ لڑکا بڑا ہو کر ایک عظیم الشان حکمران بنا اور اس کی سلطنت یہاں تک وسیع ہوئی کہ ایک عالَم نے اس کے انصاف کے سائے میں آرام اور راحت حاصل کی۔(142)

صورت وسیرت

مؤرخین کا بیان ہے کہ سلطان محمود کی صورت خوشنما اور خوب نہ تھی، ایک روز اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو اپنی شکل دیکھ کر بہت رنجیدہ اور پریشان ہوا اور اپنے وزیر سے کہا ''مشہور ہے کہ بادشاہوں کی صورت دیکھ کر آنکھوں میں روشنی آتی ہے ایک میری

صورت ہے کہ جسے دیکھ کر شاید دیکھنے والوں کو تکلیف ہوتی ہو۔" وزیر نے جواب دیا تمہاری صورت تو شاید ہزاروں میں ایک دیکھتا ہو لیکن تمہاری سیرت سے سب کو تعلق ہے تم اگر عمدہ سیرت کے حامل ہو جاؤ گے اور ہمیشہ ایسے رہو گے تو لوگوں میں تمہیں ہر دلعزیزی حاصل ہوگی۔ محمود کو اپنے وزیر کی یہ بات بہت پسند آئی اور اس کے کہنے پر عمل کیا (سلطان محمود نے اپنی سیرت کو اس حد تک خوبیوں کا مجموعہ بنایا) کہ تمام بادشاہوں سے زیادہ مقبول و محبوب ہوا۔(143)

سلطان محمود کے مصاحب

سلطان محمود کے دربار میں جس قدر شاعرانِ باعلم اور بہادرانِ روزگار جمع تھے اتنے شاید ہی کسی دوسرے بادشاہ کے دربار میں جمع ہوئے ہوں اور سمجھنے والے جانتے ہیں کہ اہلِ علم کا ایسا گروہ بغیر عنایات اور بخششوں کے جمع نہیں ہو سکتا۔ سلطان محمود ہمیشہ اہلِ کمال سے دوستی رکھتا تھا اور ان کو انعام و اکرام سے مالا مال کرتا تھا۔ مقررہ تنخواہوں کے علاوہ ہر سال مزید چار لاکھ درہم ان میں تقسیم کرتا تھا اور ہر طرح کی خاطر و مدارات کرتا تھا، ان اوصاف کے باوجود سلطان محمود کو بخیل کہنے کی بظاہر دو وجوہ نظر آتی ہیں ایک تو فردوسی طوسی کا قصہ اور دوسرے سلطان محمود کا اپنی آخر عمر میں اپنی رعایا اور دولت مندوں سے بلاضرورت روپیہ طلب کرنا۔(144)

بت خانہ ختم

امیر ناصر الدین سبکتگین نے اپنے زمانے میں ہندوؤں کا وہ مشہور بت خانہ جو سودرہ کے کنارے پر واقع تھا اسے مسمار کیا اور اس طرح گویا اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے لڑکے (محمود) کی پیدائش کا شکر بجا لایا۔ اور اپنے بیٹے کے طالع کی مدد سے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طالع سے مطابقت رکھتا تھا بت پرستوں کے مقابلے پر فتح حاصل کی۔

(تاریخ فرشتہ ج1 ص60)

سونے کی کان

جلوسِ محمودی کے پہلے ہی سال سیستان میں سونے کی ایک کان جو درخت کی مانند تھی زمین کے اندر نمودار ہوئی جس قدر اس کان کو کھودا جاتا تھا سونا نکل آتا تھا یہاں تک کہ کھودتے کھودتے اس کان کا گھیرا تین گز مُدَوَّرْ ہو گیا یہ کان ایک عرصے تک باقی رہی یہاں تک کہ سلطان مسعود کے زمانے میں ایک زلزلہ نے اسے بالکل معدوم کر دیا۔(145)

اوچ کی فتح

395ہجری میں سلطان محمود ''غزنی'' سے ''بھاطنہ'' آیا، بھاطنہ ملتان کے قریب ایک مقام تھا جو ایک ہندو راجہ کا دارالسلطنت تھا، سلطان ملتان سے گزرتا ہوا ''بھاطنہ'' میں مقیم ہوا، بھاطنہ کے گرد شہر پناہ بے حد بلند اور مضبوط تھی اور اس کے اردگرد ایک خندق تھی جس کی گہرائی کی خبر نہ تھی اس کا فرمانروا '' بجے راؤ'' تھا۔ اسے اپنی فوج اور ہاتھیوں کی کثرت پر غرور تھا، وہ کسی کی پرواہ نہ کرتا تھا، جب سلطان محمود غزنوی اس کی سرزنش کیلئے روانہ ہوا تو وہ بھی اپنے لشکر کو تیار کر کے مقابلے کیلئے صف آرا ہو گیا۔ تین روز تک جنگ کا بازار گرم رہا مسلمان لشکر کے قدم اکھڑنے کے قریب آئے تو سلطان محمود غزنوی نے پریشان ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فتح و کامرانی کی دعا مانگی اور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر مدد طلب کی اور اپنے قلبِ لشکر کو لے کر ہندوؤں پر حملہ کر دیا۔ محمود کا یہ حملہ اس قدر زبردست تھا کہ ہندوؤں کا لشکر تتر بتر ہو گیا۔ راجہ بجے راؤ اپنی بھاگی ہوئی فوج کو لے کر قلعے میں پناہ گزیں ہو گیا، سلطان محمود نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور خندق کو پاٹنے کا حکم دے دیا۔ بجے راؤ نے جب یہ محسوس کیا تو بدحواسی کے عالم میں اپنے لشکر کو محمود کے مقابلے میں لگا دیا اور خود خاص ساتھیوں کے ہمراہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور دریائے سندھ کے ایک جنگل میں جا چھپا، سلطان محمود غزنوی کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو اس نے اسلامی لشکر کے ایک حصے کو بجے راؤ کے تعاقب میں روانہ کیا ان بہادروں نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا تو بجے راؤ نے اپنے آپ کو خنجر مار کر ہلاک کر دیا۔ مسلمان سپاہیوں نے اس کا سر کاٹ کر سلطان محمود غزنوی

کے پاس بھیجا اور اس کے ساتھیوں کو تہ تیغ کیا اس فتح میں مسلمانوں کو دوسواسی ہاتھی اور دوسری بہت سی گراں قدر اشیا غنیمت میں ہاتھ لگیں۔ ''بھاطنہ'' اپنے تمام مضافات کے ساتھ اسلامی مملکت میں داخل کیا گیا۔(146)

اوچ کا حدود اربعہ

جناب مسعود حسن شہاب نے لکھا ہے کہ (بھاطنہ) کے بارے میں میجر راورٹی کی رائے یہ ہے کہ یہ اوچ کا قدیم نام ہے، تاریخِ فرشتہ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے دیگر تمام کتبِ تاریخ میں بھی یہی رائے ظاہر کی گئی ہے کہ (بھاطنہ) اور اوچ ایک بستی کے دو نام ہیں، ڈاکٹر داؤد پوتہ نے پوری ریاست بہاولپور کو جس میں اوچ بھی شامل ہے بھاطنہ قرار دیا ہے۔(147)

ڈاکٹر داؤد پوتہ کی رائے کو اس وقت کے اوچ کی حدودِ اربعہ سے تقویت ملتی ہے۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ جب یہ شہر 36 میل لمبا اور 24 میل چوڑا تھا۔ ایک روایت کے مطابق اوچ کا شہر چار دروازوں پر مشتمل تھا ایک دروازہ خرم پور، احمد پور شرقیہ کی طرف تھا دوسرا دروازہ الہ آباد کے قدیم شہر سے متصل واقع تھا تیسرا دروازہ علی پور تھا اور چوتھا دروازہ چوہدری نام کی ایک بستی کے قریب تھا۔(148)

اوچ کے حاکم کی سرزنش

ملتان اور اوچشریف کا حاکم شیخ حمید لودھی سلطان محمود غزنوی کے والد امیر سبکتگین کا وفادار تھا ہر طرح سے امیر کی اطاعت وفرمانبرداری بجالاتا تھا۔ شیخ حمید کے بعد اس کا پوتا ابو الفتح داؤد بن نصیر دونوں شہروں کا حاکم مقرر ہوا، ابوالفتح نے اپنے آباواجداد کے مسلکِ اہلسنت کو چھوڑ دیا اور قرامطی عقیدے کا پابند ہوگیا اور سلطان محمود کے حقوقِ خدمت سے بھی منہ پھیر بیٹھا۔ 369 ہجری میں سلطان محمود غزنوی نے اس پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور فوج کو تیاری کا حکم دے دیا تاکہ اس بدکردار انسان کو اس کی بداعمالیوں کی سزا دی جائے۔ ''زین الاخبار'' کی روایت کے مطابق سلطان محمود غزنوی نے غیر معمولی راستے سے سفر اختیار کیا

اور فوراً ابوالفتح پر حملہ کر دیا، مؤرخ الفی بیان کرتا ہے کہ جب ابوالفتح کو محمود کی روانگی کی خبر ہوئی تو اس نے گھبرا کر راجہ انند پال کو محمود کے عزائم سے باخبر کیا اور مدد کی درخواست کی انند پال نے اس بار بھی جاہلانہ دلیری سے کام لیتے ہوئے لاہور سے پشاور پہنچ کر اپنے لشکر کو اسلامی فوج کے روکنے کیلئے روانہ کیا۔ انند پال کی اس حرکت سے سلطان محمود بہت غضب ناک ہوا اور اپنے لشکر کو حکم دیا کہ پہلے اسی عاقبت نااندیش کا مقابلہ کیا جائے اور اس کے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجائی جائے۔ سلطان کے لشکر کے بہادروں نے اس حکم کی تعمیل کی اور بڑی بہادری سے انند پال کے مقابلے پر آئے اور ایسی ہمت وسرفروشی سے لڑے کہ دشمن کی فوج کو بدحواس اور منتشر کر دیا۔ انند پال نے اپنی فوج کا یہ حال دیکھا تو جان بچا کر فرار ہو گیا۔ سلطان نے اپنے لشکر کا ایک دستہ اس کے تعاقب میں روانہ کیا جب اسلامی لشکر اس کا پیچھا کرتے ہوئے دریائے چناب کے کنارے سودرہ کے مضافات میں پہنچ گیا تو انند پال کی ہمت نے جواب دے دیا اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور وہ گھبرا کر کشمیر کے پہاڑوں میں جا چھپا سلطان نے بھی اب زیادہ پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا اور ملتان کی فتح کے پیشِ نظر اس کی طرف بڑھا جب ابوالفتح نے دیکھا کہ محمود کا مقابلہ کرنے میں ہندوستان کے سب سے بڑے راجہ انند پال کا یہ حشر ہوا ہے تو اس نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ قلعہ میں بند ہو کر بیٹھ رہے لہٰذا اسی پر عمل کیا اور سلطان کی خدمت میں اپنے قصوروں کی معافی کی درخواست پیش کی اور وعدہ کیا کہ ہر سال دس ہزار اشرفیاں سلطان کی خدمت میں پیش کرتا رہے گا۔(149)

سلطان محمود (399ھ میں) غزنی سے ملتان آیا اور بڑے قہر وغضب کے ساتھ اس کے علاقے کو فتح کر لیا بہت سے قرامطیوں اور کافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اکثر کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے۔ داؤد بن نصیر کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ غزنی لے گیا اسے وہاں قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ داؤد نے اسی قلعہ میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔(150)

مولوی حفیظ الرحمٰن نے لکھا ہے کہ اس سے قبل 396 میں جب سلطان محمود غزنوی نے

راجہ جے پال کو شکست دے کر اس کا کام تمام کر دیا تو اوچ کا قصد کیا۔ اس وقت اوچ کا حاکم ابوالفتح دوؤد بن نصیر لودھی تھا جو قرامطی مذہب کا پیروکار تھا۔ (151)

قرامطہ کا تعارف

278ھ میں حمدون عرف قرامطہ نے کوفہ میں ایک نیا مذہب جاری کیا تھا۔ حمدون غالی شیعہ تھا اس کا عقیدہ تھا کہ امام صرف سات ہیں۔ وہ حضرت محمد بن حنفیہ بن علی ابن ابی طالب (کرم اللہ وجہہ) کو رسول مانتا تھا اور اذان میں یہ الفاظ بھی بڑھاتا ''اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدَا بْنَ الْحَنَفِیَّۃِ رَسُوْلُ اللہِ'' بیت المقدس کو قبلہ مانتا تھا، دن رات میں صرف دو نمازیں فرض سمجھتا تھا، جمعہ کی بجائے وہ پیر کو بابرکت تسلیم کرتا تھا، اس دن کوئی کام نہ کرتا تھا، سال بھر میں دو دن کے روزے فرض قرار دیتا تھا، نبیذ کو حرام اور شراب کو حلال کہتا تھا، غسلِ جنابت کو غیر ضروری جانتا تھا، جو شخص اس کا ہم عقیدہ نہ ہوتا اس کا قتل واجب تصور کرتا تھا، کوفہ میں اس نے اپنے مذہب کی اشاعت کی۔ حاکمِ وقت نے اسے جیل خانے میں قید کر دیا۔ محافظوں کی غفلت کے سبب وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا، اس کے پیروکار اس کے فرار کو اس کا کمال گردانتے تھے تھوڑے عرصے میں یہ مذہب دور دور تک پھیل گیا۔ ملتان بالعموم قرامطہ کا مرکز رہا۔ (152)

اوچ پر تصرف

ابوالفتح داؤد بن نصیر کے دادے شیخ حمید لودھی نے سلطان محمود کو اسلام کا واسطہ دے کر عہد و پیمان کیا اور اس کی اطاعت میں زندگی بسر کرنے لگا مگر ابوالفتح نے اس عہد کو بالائے طاق رکھ کر سرکشی اختیار کر لی۔

421ھ میں سلطان محمود غزنوی کا انتقال ہوا تو سلطان مسعود نے امیر خازن احمد نیال تگین کو لاہور کا گورنر مقرر کیا۔ اوچ بھی اس کے زیر تصرف رہا نیال تگین کو گورنری ہضم نہ ہوئی اور وہ سرکشی پر اتر آیا۔ سلطان مسعود نے امیر لامرا کو اس کی سرکوبی کیلئے متعین کیا، نیال تگین اوچ میں محصور ہوا اور موقع پا کر مفرور ہو گیا بعد میں بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے

دریا میں کود کر مر گیا۔(153)

سلطان محمود کا مسلک

سلطان محمود جماعت اہلسنت سے وابستہ رہا اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا اُوڑھنا بچھونا بنایا۔امامِ اعظم ابوحنیفہ کی فقہ پر عمل کرتا تھا علما اور محدثین سے محبت کرتا تھا ان کی تعظیم و توقیر کرتا تھا اور ان کے ساتھ بیٹھتا تھا دینداروں، بھلائی کرنے والوں اور صاحبِ صلاحیت افراد کو پسند کرتا تھا اور انہیں انعامات سے نوازتا تھا۔زندگی کے آخری دور میں امام شافعی کی فقہ کو بھی سراہتا تھا۔اعتقاد میں مذہبِ کرامیہ کا پیروکار تھا۔(واضح ہو کہ قرامطیہ اور کرامیہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔)(154)

شیخ ابوالحسن خرقانی سے ملاقات

''تاریخ بنائے گیتی'' میں بیان کیا گیا ہے کہ جب سلطان محمود خراسان گیا تو اس کے دل میں شیخ ابوالحسن خرقانی سے ملاقات کرنے کا خیال پیدا ہوا' ساتھ میں اسے یہ خوف بھی لاحق ہوا کہ وہ خراسان میں اس بزرگ سے ملنے کے لیے نہیں آیا ہے بلکہ اپنے کسی ملکی مفاد کے پیشِ نظر اس کا یہ سفر ہے، سیاست کی بدولت اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی زیارت کرنا پاسِ ادب سے دور ہے۔لہٰذا اس نے شیخ سے ملاقات کا ارادہ ترک کیا اور ہندوستان چلا گیا، وہاں معرکہ آرائیاں کرنے کے بعد غزنی واپس آیا۔غزنی پہنچ کر اس نے شیخ ابوالحسن خرقانی کی زیارت کا قصد کیا اور خرقان روانہ ہو گیا۔جب سلطان محمود وہاں پہنچا تو اس نے شیخ کی طرف یہ پیغام بھجوایا کہ ''بادشاہ آپ سے ملنے کے لئے غزنی سے چل کر یہاں آیا ہے اب اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ آپ بھی اپنی خانقاہ سے باہر آ کر بادشاہ سے ملاقات فرمائیں، ساتھ میں اس نے یہ بھی کہلوا بھیجا کہ اگر شیخ انکار کریں تو یہ آیتِ مبارکہ پڑھ دینا'' ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔(پ۵، النساء:۵۹) قاصد نے شیخ کی خدمت میں سلطان کا پیغام پہنچایا مگر انہوں نے حسبِ توقع خانقاہ سے باہر نکل کر ملنے سے انکار کر دیا، قاصد نے متذکرہ بالا آیت پڑھی، شیخ

نے جواباً فرمایا: محمود سے جا کر کہو! میں اب تک اللہ کی اطاعت میں اس حد تک مستغرق ہوں کہ رسول کی اطاعت کے مرتبے تک نہ پہنچنے کی ندامت ہے، بھلا ایسی صورت میں حاکم کی اطاعت کی طرف کیسے توجہ کر سکتا ہوں؟ قاصد نے جب یہ جواب محمود کو سنایا تو وہ سن کر رو یا اور کہنے لگا: چلو ہم خود ہی چل کر حضرت شیخ کی ملاقات کا لطف اٹھاتے ہیں، یہ مردِ حق آگاہ ویسا نہیں جیسا ہم نے اسے سمجھا۔ جب سلطان خانقاہ کی طرف روانہ ہوا تو اس طرح کہ خود ایاز کا لباس پہنا اور اپنا لباس ایاز کو پہنایا، دس عدد کنیزوں کو غلاموں کے کپڑے پہنا کر اپنے ساتھ لے لیا۔ جب یہ لوگ شیخ کے پاس پہنچے تو انہوں نے سلام کا جواب تو دیا لیکن تعظیماً کھڑے تک نہ ہوئے اور محمود جس نے ایاز کے کپڑے پہن رکھے تھے اس کی طرف مطلقاً توجہ نہ کی بلکہ ایاز جس نے محمود کا لباس زیبِ تن کر رکھا تھا اس کی طرف توجہ دی اور اس سے کچھ فرمانے کے لیے آمادہ ہوئے کہ اتنے میں ایاز (اصلاً محمود) کہنے لگا: اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نہ تو بادشاہ کی تعظیم کے لیے اٹھے اور نہ ہی اس کی طرف توجہ کی، کیا فقر کے جال کی یہی کائنات ہے کہ بادشاہ کو اس طرح نظر انداز کیا جائے؟ شیخ نے جواب دیا: ہاں جال تو یہی ہے لیکن تیرا مشار الیہ اس جال کا گرفتار نہیں ہے تو سامنے آ کیونکہ تو خود اس جال کا سب سے بڑا شکار ہے، سلطان محمود نے جب دیکھا کہ شیخ صاحب نے اصل حقیقت کو بھانپ لیا ہے تو وہ بڑے ادب سے شیخ صاحب کے سامنے بیٹھ گیا اور ان سے کہا: مجھ سے کچھ فرمایئے۔ شیخ صاحب نے غلاموں کے لباس میں بیٹھی ہوئی لونڈیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ان نامحرموں کو اس محفل سے باہر کر دو! سلطان نے ان کنیزوں کو وہاں سے اٹھا دیا اور پھر شیخ سے یوں مخاطب ہوا: حضرت بایزید بسطامی کی کوئی حکایت مجھے سنایئے! شیخ نے کہا: بایزید نے فرمایا ہے کہ جس نے مجھ کو دیکھ لیا وہ ظلم و ستم کی تمام برائیوں سے محفوظ ہو گیا۔ اس پر محمود نے سوال کیا: یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی، کیا بایزید کا مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رتبے سے بھی زیادہ ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیکھنے والوں میں بھی بھی اچھے نہ تھے، ابوجہل اور ابولہب ویسے ہی کافر رہے تو پھر بایزید کے دیکھنے والوں میں

ہر ظالم کس طرح اچھا انسان بن سکتا ہے؟

شیخ نے سلطان محمود کی یہ بات سن کر کہا: اے محمود! تُو اپنی بساط سے بڑھ کر باتیں نہ کر ادب کو ملحوظ رکھ، تو جان لے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوائے چار یاروں کے اور چند دیگر صحابہ کرام کے کسی اور نے نہیں دیکھا۔ کیا تو نے قرآن کریم کی یہ آیت سنی نہیں کہ "اور تم دیکھتے ہو ایسے لوگوں کو وہ نظر کرتے ہیں تمہاری طرف حالانکہ وہ حقیقتاً تم کو نہیں دیکھ سکتے"۔ سلطان محمود کو حضرت شیخ کی یہ بات بہت پسند آئی اور اس نے کہا: مجھے کوئی نصیحت کیجئے؟ شیخ نے جواب میں کہا: تجھے چاہیے کہ چار چیزوں کو اختیار کرے۔ اول پرہیز گاری، دوم نماز با جماعت، سوم سخاوت، چہارم شفقت۔ اس کے بعد محمود نے شیخ سے کہا: میرے حق میں دعا کیجئے؟ شیخ نے کہا: میں پانچوں وقت نماز پڑھنے کے بعد یہ دعا کیا کرتا ہوں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، محمود نے کہا: یہ دعا تو عام ہے میرے لیے کوئی خاص دعا فرمایئے؟ شیخ نے فرمایا: تیری عاقبت محمود ہو، اس کے بعد سلطان محمود نے روپوں کا ایک توڑا شیخ کی خدمت میں پیش کیا شیخ نے جو کی روٹی سلطان کے سامنے رکھی اور کھانے کے لیے کہا، محمود نے دیکھا کہ روٹی بہت سخت ہے اس نے ہر چند اسے چبایا، لیکن نہ تو وہ دانتوں سے چبائی جاتی تھی اور نہ ہی گلے سے نیچے گزرتی تھی، شیخ نے پوچھا: کیا یہ روٹی تمہارے گلے میں اٹکتی ہے؟ محمود نے جواب اثبات میں دیا تو شیخ نے فرمایا: جس طرح ہماری یہ سوکھی روٹی تمہارے گلے سے نیچے نہیں اترتی اسی طرح تمہارا یہ روپوں سے بھرا ہوا توڑا بھی ہمارے گلے سے نیچے نہیں اترتا، اس کو ہمارے سامنے سے اٹھاؤ کیونکہ ہم اس کو بہت پہلے طلاق دے چکے ہیں۔ محمود نے شیخ سے کوئی چیز بطورِ ان کی یادگار کے مانگی انہوں نے اسے اپنا ایک خرقہ دے کر رخصت کیا۔ جب محمود رخصت لے کر اٹھا تو اس مرتبہ شیخ نے اس کی تعظیم کی اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے محمود نے کہا: آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ شیخ نے جواب دیا: جب تم میرے پاس آئے تھے اس وقت تم بادشاہی کے غرور میں سرشار تھے اور میرا امتحان کرنے کی غرض سے آئے تھے، لیکن اب تم عاجزی اور انکساری کے ساتھ واپس جا رہے

ہو۔(تاریخ فرشتہ،ج ا،ص:۹۰،۹۱)

سلطان محمود کا عدل

محمود کے عدل وانصاف کے واقعات بہت مشہور ہیں، لیکن سب سے زیادہ مشہور واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے محمود کے دربار میں شکایت کی کہ اس کا بھانجا میرے گھر میں آکر مجھے گھر سے باہر نکال دیتا ہے اور میری بیوی پہ پنجے گاڑ دیتا ہے۔سلطان محمود نے جب یہ بات سنی تو سخت ناراض ہوا اور کہنے لگا اب تک تُو کہاں رہا ہے؟ اب جب وہ تیرے گھر میں آئے تو مجھے آکر خبر دے دینا۔سلطان نے اپنے دربانوں کو حکم دیا کہ جس وقت یہ شخص مجھے ملنا چاہے اسے روکنا نہیں، وہ شخص چلا گیا، ایک رات سلطان کا بھانجا اس کے گھر گیا اور اسے باہر نکال دیا تو وہ روتا ہوا بادشاہ کے پاس آیا، دربانوں نے کہا بادشاہ سو رہا ہے۔اس نے کہا: بادشاہ نے تمہیں حکم دیا تھا کہ یہ آدمی جب آئے تو اسے ملنے سے نہ روکا جائے۔وہ بادشاہ کے پاس پہنچا اور بادشاہ کو ماجرا سنایا بادشاہ اس کے گھر پہنچا اور اس لڑکے کو دیکھا وہ اس کی بیوی کے ساتھ سو رہا تھا بادشاہ نے اس کا سر کاٹ دیا اور اس شخص کو کہا مجھے پانی پلاؤ اس نے پانی پلانے کے بعد پوچھا کہ آپ نے پانی کیوں مانگا ہے سلطان کے کہا جب تو نے مجھے اس معاملے سے آگاہ کیا تھا اس وقت سے لے کر اب تک میں نے کچھ کھایا پیا نہیں۔ یہاں تک کہ میں نے تیری مدد کر دی اور تیرا حق تجھے دلا دیا۔(تاریخِ فرشتہ کے مطابق وہ شخص محمود کا بھانجا نہ تھا بلکہ کوئی اور شخص تھا جو اس کا بھانجا ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا کرتا تھا۔)(155)

''عروس فلک'' مسجد کی تعمیر

قلعہ چند پال کی فتح کے بعد جب سلطان محمود غزنوی اپنے دارالسلطنت غزنی پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ اس تمام مالِ غنیمت کی فہرست بنائی جائے اور قیمت کا اندازہ کیا جائے جو اس سفر میں ہاتھ لگا ہے۔اس حکمِ شاہی کی تعمیل فوراً کی گئی، حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ اس سفر میں بیس ہزار اشرفیاں، کئی لاکھ روپے، پچاس ہزار لونڈی وغلام، تین سو پچاس ہاتھی اور دوسری بہت سی قیمتی اشیا سلطان محمود کے ہاتھ آئی ہیں۔محمود کا سفر چونکہ کامیاب رہا تھا اور

اسے متعدد فتوحات نصیب ہوئی تھیں اس لیے اس نے حکم دیا کہ اس نعمتِ خداوندی کے شکریہ کے طور پر غزنی میں ایک جامع مسجد تعمیر کی جائے۔ اس عمارت کو سنگِ مرمر سے بنایا جائے اور دیگر بیش قیمت اور گراں قدر پتھر، مربع، مسدس، مثمن اور مدوّر ہر صورت کے تراش کر کے اس عمارت میں نصب کئے جائیں تاکہ دیکھنے والے عمارت کی خوبصورتی اور متانت سے متاثر ہوں اور صاحب عمارت کی ہمتِ عالی کی داد دیں۔

جب یہ مسجد تیار ہوگئی تو سلطان محمود نے اس کو بڑے سلیقہ سے آراستہ کیا، خوب صورت قندیلوں سے اسے بقعۂ نور بنادیا روشنی کی کثرت اور آرائش کی خوبی کی وجہ سے لوگ اس مسجد کو عروسِ فلک کہنے لگے...... اس مسجد کے ساتھ ہی سلطان محمود نے ایک عالیشان مدرسے کی بنیاد ڈالی اور مدرسے کے کتب خانے میں نایاب اور اعلیٰ کتب جمع کیں۔ مسجد اور مدرسے کے اخراجات کے لئے بہت سے دیہات وقف کر دیئے تاکہ طلبا و مدرسین اور دیگر عملہ کی ضروریات پوری ہو سکیں محمود کا مسجد و مدرسے کو تعمیر کروانا امیروں اور اراکینِ سلطنت کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوا اور انہوں نے اپنے بادشاہ کی تقلید کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ایک مختصر عرصہ میں غزنی میں بہت ساری مسجدیں، درسگاہیں، سرائیں اور خانقاہیں تعمیر ہوگئیں۔ (156)

مسجد کون بناتا ہے؟

مسلمان جہاں عبادت کرتے ہیں اسے مسجد کہتے ہیں۔ درحقیقت وہ اللہ کا گھر ہے، اس کی تعظیم بہت ضروری ہے۔ آج دنیا کے تقریباً تمام ہی ممالک میں مساجد موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے (ترجمہ) اللہ کی مسجدیں وہی تعمیر و آباد کر سکتے ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور انہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی اور وہ اللہ کے سوا کسی سے خائف نہ ہوئے تو وہ لوگ اس کے قریب ہیں کہ ہدایت پانے والوں میں ہو جائیں۔ (البیان) حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ جگہ مسجد ہے اور ناپسندیدہ جگہ بازار ہے (مسلم) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح یا شام کو مسجد میں (اللہ کی عبادت کیلئے) گیا وہ جنت میں اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوگا (بخاری و مسلم) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں

ہے سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سات لوگوں پر اس دن سایۂ عاطفت فرمائے گا۔ جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا (یعنی قیامت کے دن)

(1) عدل کرنے والا۔

(2) وہ نوجوان جو بچپن سے عبادت میں لگا ہوا ہے۔

(3) جس کا دل مسجد میں لٹکا رہے (یعنی مسجد سے آنے کے بعد پھر مسجد میں جانے کا منتظر رہے۔)

(4) وہ دو آدمی جو اللہ تعالیٰ کیلئے آپس میں محبت کرتے ہوں، ملیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے جدا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے لئے۔

(5) وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور اس پر رقت طاری ہو جائے۔

(6) جسے حسین عورت گناہ کیلئے بلائے تو وہ کہہ دے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

(7) جو کوئی اللہ تعالیٰ کی راہ میں دائیں ہاتھ سے دے تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ کتنا دیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

آپ ﷺ نے فرمایا: رات کی تاریکی میں مسجد میں آنے والے کیلئے قیامت کے دن روشنی ہوگی۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

امیر المؤمنین مولیٰ المسلمین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کا گھر بہشت میں بنا دیتا ہے۔(157)

جنت میں گھر

یہ حکایت میں نے پڑھی اور سنی ہے کہ ایک بادشاہ نے مسجد بنوائی اس میں کسی کو حصہ ملانے کی اجازت نہ دی، مستری نے مسجد کا پرنالہ لگانا تھا اور مزدور موجود نہ تھا ایک شخص مسجد کو دیکھ رہا تھا مستری نے اس سے پرنالہ مانگ لیا اس نے اٹھا کر دے دیا رات کو سلطان نے خواب میں جنت کی سیر کی، اپنا محل دیکھا اس کے مقابل اس جیسا ایک اور محل بھی دیکھا

پوچھا یہ کس کا ہے، بتایا گیا یہ آپ کی مسجد کا پرنالہ اٹھا کر دینے والے کا ہے۔نمازِ فجر کے بعد مستری کو بلا کر پوچھا! تو اس نے بتایا مزدور نہ تھا میں نے اس سے پرنالہ مانگا تھا۔ بادشاہ نے حکم دے دیا جو آدمی مسجد میں حصہ ملائے کوئی پابندی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ہر چیز کو گھیرا ہوا ہے۔

اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب

مجمع اللطائف میں آیا ہے کہ ایاز کے بیٹے کا نام محمد تھا سلطان محمود نے اسے ملازم رکھ لیا، ایک روز سلطان محمود طہارت خانے میں جانے لگا تو فرمایا: ایاز کے بیٹے! طہارت کے لئے پانی لے آؤ! ایاز نے یہ بات سن لی اور پریشان ہوا کہ شاید میرے بیٹے سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ سلطان ناراض ہے اس لئے اسے ایاز کا بیٹا کہا ہے۔ سلطان وضو بنا کر باہر نکلا تو ایاز رو رہا تھا۔ بادشاہ نے اس کی حالت دیکھی تو پوچھا: تیرے چہرے پر ملال کے آثار نظر آ رہے ہیں؟ ایاز نے نیاز مندانہ گذارش کی: آپ نے غلام زادے کو نام سے نہیں بلایا میں ڈر گیا ہوں شاید اس سے کوئی غلطی ہو گئی ہے جو آپ کے مزاج ہمایوں کے خلاف تھی، بادشاہ ہنس پڑا اور فرمایا: ایاز تو مطمئن ہو جا تیرے بیٹے سے کوئی خطا نہیں ہوئی۔ بلکہ مجھے وضو نہیں تھا اور مجھے شرم آ رہی تھی کہ میں بغیر وضو کے اپنی زبان پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لے آؤں، کیونکہ یہ نام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے مطابق ہے۔ (158)

هزار بار بشویم دهن بمشک و گلاب
هنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است

گائے کس پُل پر دے گا؟

ایک بار سلطان جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ شاہی غلاموں نے ایک موٹی تازی گائے دیکھی، اسے ذبح کر کے کھا گئے۔ گائے ایک غریب بیوہ کی تھی اس کے چھوٹے بچے دودھ پر پلتے تھے۔ جب بیوہ کو اس کی خبر ہوئی تو صبح سویرے آ کر ایک پُل پر کھڑی ہو گئی، سلطان کا جلوس اس پُل سے گذرا تو بیوہ نے بے خوفی سے سلطان کے قریب پہنچ کر کہا: "بادشاہا!

میری گائے اس پُل پر دیگا یا اگلی پُل پر" سلطان بیوہ کی فریاد پر کانپ گیا اور گھوڑے سے اتر کر کہنے لگا۔ بی بی! تیری گائے اس پل پر دیتا ہوں، اُس پُل پر دینے کی مجھے طاقت نہیں ہے۔ بادشاہ نے بیوہ کو چترِ شاہی کے نیچے آنے کا حکم دیا اور اس سے سارا واقعہ سن کر فرمایا تمہاری ایک گائے کے بدلے میں ستر گائیں دیتا ہوں تم راضی ہو جاؤ۔ بیوہ ستر گائیں لے کر راضی ہو گئی جب تک بوڑھی عورت راضی اور خوش نہ ہوئی سلطان نے ایک قدم بھی آگے نہ اٹھایا۔(159) یہ واقعہ سلطان محمود غزنوی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ یہ واقعہ اصفہان کے کسی سلطان کا ہے۔

قرضدار اور سلطان محمود

ایک شخص سلطان کے دربار میں حاضر ہوا اور عرض کی: تمنا تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کروں، گزشتہ رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیارت سے مشرف فرمایا۔ آپ ہشاش بشاش تھے۔ عرض کیا ایک ہزار کا مقروض ہوں، مقروض ہو کر نہ مروں، حکم فرمایا: محمود کے پاس جاؤ اور اس سے رقم طلب کرو! میں نے عرض کی: اگر وہ نشانی طلب کریں تو کیا کہوں؟ فرمایا: کہہ دینا کہ سونے سے پہلے تیس ہزار درود پڑھتے ہو اور تیس ہزار بیدار ہو کر، یہ نشانی دینا اور کہنا میرا قرض ادا کرو! یہ سن کر سلطان محمود پر گریہ طاری ہو گیا، اس کا قرض ادا کیا اور ایک ہزار مزید دیا، وزیروں نے کہا: عالیجاہ! آپ نے ایسی بات کی تصدیق کر دی جو ناممکن ہے۔ ہم نے کبھی آپ کو درود شریف پڑھتے نہیں دیکھا۔ سلطان نے جواب دیا کہ میں نے علمائے کرام سے سنا تھا جو شخص درجِ ذیل درود شریف کو ایک بار پڑھے گا تو اس کا ثواب دس ہزار درود شریف پڑھنے کے برابر ہو گا میں سوتے وقت تین مرتبہ اور بیدار ہوتے وقت تین مرتبہ پڑھتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ ساٹھ ہزار بار پڑھنے کی سعادت حاصل ہو گئی۔ مجھے گریہ اس خوشی سے آیا کہ علمائے کرام کا ارشاد صحیح تھا۔ کیونکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصدیق فرما دی ہے۔ درود شریف یہ ہے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَا اخْتَلَفَ الْمَلَوَانِ وَتَعَاقَبَ

الْعَصْرَانِ وَكَرَّ الْجَدِيْدَانِ وَاسْتَقَلَّ الْفَرْقَدَانِ وَبَلِّغْ رُوْحَهٗ وَاَرْوَاحَ اَهْلِ بَيْتِهٖ مِنَّا التَّحِيَّةَ وَالسَّلَامَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ كَثِيْرًا۔ (160)

مرغ اور پتھر

سفر قنوج میں سلطان محمود کے ہاتھ جہاں اور بہت سی بیش قیمت اشیاء آئیں وہیں ایک عجیب وغریب مرغ بھی تھا جو اپنی شکل وصورت سے قمری کے مشابہ تھا اس مرغ کی خاصیت یہ تھی کہ جہاں یہ موجود ہوتا اگر وہاں کوئی زہر آلود کھانا لایا جاتا، تو اس پر اضطراب کی حالت طاری ہوجاتی اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو گرنے لگتے۔ اس عجیب وغریب پرندے کو سلطان محمود نے چند دیگر گراں قدر تحائف کیساتھ خلیفہ قادر باللہ عباسی کے پاس بغداد بھجوادیا۔ اس مرغ کے علاوہ ایک عجیب وغریب پتھر بھی محمود کو ملا تھا اس پتھر کی خاصیت یہ تھی کہ اگر کسی کے جسم پر کوئی زخم ہوتا اور وہ کتنا ہی کاری کیوں نہ ہوتا، اگر اس پتھر کو اس پر ملا جاتا تو وہ زخم فوراً مندمل ہوجاتا۔ (161)

مندرجہ بالا قدرتی کرشموں پر یہ کہنا مناسب ہے۔

گر جو چاہے سو کردا ہے
گر پٹھے کا سے بھر دا ہے

ہوا میں معلق بت

جامع الحکایات میں مذکور ہے کہ سلطان نے نہروالا کے سفر میں شہر کے مندر میں ایک ایسا بت دیکھا جو بغیر کسی سہارے کے ہوا میں معلق تھا سلطان اس بت کو دیکھ کر بہت حیران ہوا اس نے اپنے دربار کے علماء وفضلاء سے اس کی وجہ پوچھی انہوں نے بہت غور وخوض کے بعد جواب دیا کہ اس بت خانے کی چھت اور دیواریں مقناطیسی پتھر سے بنی ہوئی ہیں اور یہ بت لوہے کا ہے آس پاس کی مقناطیسی کشش اور اس بت میں خاص تعلق ہے ہر جانب کشش کے مساوی ہونے کی وجہ سے بت کسی طرف جھکنے نہیں پاتا اور بالکل درمیان میں

معلق ہوگیا ہے اس بات کو آزمانے کیلئے سلطان نے حکم دیا کہ اس بت خانے کی ایک دیوار گرادی جائے حکم کی تعمیل فوراً کی گئی جونہی ایک جانب کی دیوار گرائی گئی بت بھی زمین پر گر پڑا۔(162)

یہ واقعہ مسلمانوں کے لئے باعثِ عبرت ہے کہ ہم اپنے سچے معبود کی عبادت سے سرتابی کرتے ہیں اس کے بڑے بڑے احسانوں کو بھول جاتے ہیں، نمازوں میں سستی کرتے ہیں، اس کے دربار کی حاضری میں کوتاہی کرتے ہیں، غفلت کی چادر اوڑھ کر سو جاتے ہیں، دوسری طرف جب مشرکوں کو دیکھتے ہیں تو وہ اپنے جھوٹے معبودوں کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے مندرجہ بالا واقعہ ان کی محبت وخدمت کا گواہ ہے۔اس کیفیت کو ایک عام مسلمان دیکھ لیتا تو ممکن ہے کہ وہ اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا لیکن اللہ تعالیٰ بھلا کرے سلطان محمود غزنوی کا جس نے ہر خطرے کو بالائے طاق رکھ کر اصنام کو توڑا بت پرستوں کو پھوڑا، اور بندوں کو خدا اور اس کے رسول سے جوڑا۔ ظاہر ہے کہ جس کے دل میں اللہ پاک اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت گھر بنالے وہ کسی بت سے کیوں ڈرے۔

ہر لحظہ ہے مؤمن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

سلطان محمود غزنوی فتح سومنات کیلئے بار بار ہندوستان آئے اور وہاں کے بتوں کو پاش پاش کرنے کیلئے سترہ حملے کئے بالآخر وہ سومنات کو فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے اور اس مندر کی اینٹ سے اینٹ بجادی، چنانچہ مؤرخ فرشتہ لکھتا ہے۔

فتح سومنات

415ھ میں محمود کو اس کے چند قابلِ اعتبار لوگوں نے بتایا کہ ہندوستان والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ (موت کے بعد) انسان کی روح بدن سے جدا ہوکر سومنات کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور سومنات ہر روح کو اس کے اعمال اور کردار کے مطابق (از روئے تناسخ) نیا جسم عطا کرتا ہے ہندوؤں کا یہ اعتقاد بھی ہے کہ دریا کا اتار چڑھاؤ اصل میں سومنات کی

عبادت ہے جو اس صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔محمود کو یہ بھی بتایا گیا کہ ہندوؤں کے خیال میں وہ بت جنہیں محمود نے پاش پاش کیا ایسے بت تھے جن سے سومنات ناراض تھا اس لئے اس نے ان بتوں کی طرفداری نہیں کی۔ورنہ اس میں اتنی قدرت ہے کہ وہ جسے چاہے ایک لمحہ میں تباہ و برباد کر سکتا ہے۔محمود نے جب یہ بے معنیٰ افسانے سنے تو اس کے دل میں جہاد کا شوق پھر سے چٹکیاں لینے لگا اور اس نے سومنات کو فتح کرنے اور وہاں کے بت پرستوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔

اس مقصد کے پیشِ نظر سلطان محمود نے اپنا خاص لشکر تیار کیا اور دیگر تیس ہزار سپاہیوں کو ساتھ لیا جو ترکستان وغیرہ سے جہاد کی غرض سے آئے ہوئے تھے اور بیس شعبان 415ھ کو سومنات کی طرف چل دیا۔(163)

سومنات کیا ہے؟

اس زمانے میں سومنات ایک بہت بڑا شہر تھا اور یہ دریائے عمان (مراد شمالی بحیرہ عرب) کے کنارے پر واقع تھا۔یہ شہر اپنے عظیم الشان بت کی وجہ سے تمام برہمنوں اور غیر مسلموں کے نزدیک کعبہ جیسی اہمیت رکھتا تھا۔آج کل یہ شہر ''بندر دیو'' میں ہے بعض تاریخوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں چند غیر مسلم ایک بہت بڑا بت، خانۂ کعبہ سے ہندوستان میں لائے تھے اس بت کا نام سومنات تھا اسے اس جگہ نصب کیا گیا۔لہٰذا اس جگہ کا نام بھی اس بت کے نام پر رکھا گیا لیکن برہمنوں کی ان کتابوں سے جو اسلام کے ظہور سے کئی ہزار سال پہلے تصنیف کی گئی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ متذکرہ روایت غلط ہے۔(ان کتابوں کے بیان کے مطابق) یہ بت سری کرشن کے زمانے سے تمام برہمنوں کا معبود ہے اور برہمنوں کے قول کے مطابق سری کرشن نے اس جگہ دنیا اور اہلِ دنیا سے روپوشی اختیار کی تھی۔(164)

محمود اور سومنات کا سفر

رمضان المبارک 415ھ کے وسط میں سلطان محمود مع اپنے لشکر کے ملتان پہنچا یہاں

سے راستے میں ایک خشک اور بے آب و گیاہ جنگل پڑتا تھا۔ اس لئے سلطان نے حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ چند دنوں کا پانی اور غلہ رکھ لیں اس کے علاوہ خود اس نے بھی بیس ہزار اونٹوں پر غلہ و پانی رکھ کر لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جب اس خطرناک جنگل کا سفر ختم ہو گیا تو محمود کا لشکر اجمیر کی سرحد پر جا پہنچا اجمیر کا راجہ محمود کی آمد کی خبر سن کر روپوش ہو گیا تھا، اس لیے سلطانی لشکر نے اردگرد سے مزید زادِ راہ جمع کیا۔ لیکن اجمیر کے قلعہ کو تسخیر کرنے کی کوشش میں وقت صرف نہ کیا کیونکہ محمود کا ارادہ سومنات کو فتح کرنے کا تھا لہٰذا یہاں سے یہ لشکر آگے بڑھ گیا۔

راستے میں سلطان محمود کو چند اور قلعے ملے اگرچہ ان میں بہادر سپاہی بھی تھے اور سامانِ جنگ کی فراوانی بھی تھی لیکن محمود کے سر پر خدا کی رحمت کچھ اس طرح سایہ کیے ہوئے تھی کہ ان قلعوں میں بسنے والوں نے بجائے جنگ کرنے کے محمود کے خوف سے اپنے قلعے تمام مال و اسباب کے ساتھ محمود کے سپرد کر دیئے۔ ان قلعوں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد محمود نہروالہ میں جسے پٹن گجرات بھی کہا جاتا ہے وہاں پہنچا۔ اس شہر کے تمام باشندے محمود کے ڈر سے شہر خالی کر کے کہیں اور جا چکے تھے۔ لہٰذا محمود کے حکم پر اس شہر کا تمام غلہ اپنے ساتھ لاد اگیا اس کے بعد لشکر نے بڑی تیزی سے سفر طے کیا اور سومنات جا پہنچا۔ (165)

سومنات میں ورود

جب مسلمانوں کا لشکر سومنات کے قریب دریا کے کنارے پر پہنچا تو مسلمانوں نے دیکھا کہ سومنات کا قلعہ بہت ہی بلند ہے اور دریا کا پانی قلعے کی فصیل تک پہنچا ہوا ہے اہلِ سومنات قلعہ کی دیوار پر کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کو دیکھ رہے تھے اور چلا چلا کر مسلمانوں کو یہ کہہ رہے تھے ہمارا معبود سومنات خود تم کو یہاں کھینچ لایا ہے تا کہ ایک ساتھ تم سب کو تباہ و ہلاک کر دے اور اس صورت میں تم سے ان تمام بتوں کا بدلہ لے جنہیں تم نے پاش پاش کیا ہے۔ (166)

معرکہ آرائی اور فتح

مسلمانوں کے زبردست لشکر نے اپنے باہمت اور دلیر بادشاہ سلطان محمود کے حکم سے پیش قدمی کی اور قلعے کی دیوار کے نیچے پہنچ کر معرکہ آرائی شروع کردی ہندوؤں نے جب مسلمانوں کی یہ ہمت اور الوالعزمی دیکھی تو وہ تیروں کی بوچھاڑ سے بچنے کیلئے قلعے کی دیوار سے نیچے قلعے کے اندر اتر گئے اور مندر میں جا کر سومنات کی فتح کی دعا مانگنے لگے۔ مسلمان بہت سی سیڑھیاں لگا کر قلعے کے ایک حصہ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے تکبیر کا نعرہ مارا، اس دن صبح سے لے کر شام تک جنگ ہوتی رہی جب رات کے آثار نمایاں ہونے لگے اور چاروں طرف اندھیرا چھانے لگا تو اسلامی لشکر اپنی قیام گاہ کی طرف واپس آ گیا۔ دوسرے روز صبح ہوئی تو مسلمانوں نے پھر حملہ کیا اور تیروں کی بوچھاڑ اور نیزوں کی ضربوں سے ہندوؤں کو قلعے کے اس حصہ سے پسپا کر دیا اور گزشتہ دن کی طرح سیڑھیاں لگا کر قلعے کے چاروں طرف سے حملہ آور ہوئے۔ یہ عالم دیکھ کر اہل سومنات مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور سومنات کے بت سے بغل گیر ہو کر ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے۔ ''مارو مارو'' کی آوازیں لگاتے ہوئے وہ اس قدر لڑے کہ ایک ایک کر کے سبھی ہلاک ہو گئے۔

تیسرے روز ہندوؤں کے وہ لشکر جو قلعے کے آس پاس جمع تھے اہلِ قلعہ کی مدد کیلئے مسلمانوں کے خلاف مقابلہ پر آ گئے محمود نے اپنی فوج کے ایک بڑے حصے کو قلعے کے محاصرہ سے واپس بلایا اور اسے لے کر اس بیرونی لشکر سے نبرد آزما ہوا۔ طرفین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی اور میدانِ جنگ میں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ یہ عالم دیکھ کر دیکھنے والوں کے دل لرز اٹھے ''پرم دیو'' اور ''واشلیم'' کے لشکروں کے یکے بعد دیگرے آ جانے سے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میدانِ جنگ سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جائیں۔ محمود کو جب اس بات کا احساس ہوا تو وہ پریشان ہو کر ایک گوشہ میں آیا اور حضرت ابوالحسن خرقانی رضی اللہ عنہ کی مقدس عبا کو ہاتھ میں لے کر سجدہ میں گر گیا اور اس کے وسیلے سے بڑے خلوص کے ساتھ اس نے اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعا مانگی اور اپنے لشکر میں واپس

آ گیا اس کے بعد اس نے ہندوؤں پر ایک زبردست حملہ کیا اور فتح حاصل کی۔

اس معرکے میں تقریباً پانچ ہزار سومناتی قتل ہوئے۔ باقی ماندہ لشکر اور پجاری جن کی تعداد چار ہزار تھی اپنی جان بچا کر دریا کی طرف بھاگے اور کشتیوں پر بیٹھ کر جزیرۂ سراندیپ کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ وہاں جا کر پناہ لیں۔ محمود نے پہلے سے ہی ان فراریوں کا انتظام کر رکھا تھا اور کشتیوں میں مسلمان لشکر کے چھوٹے چھوٹے دستے بٹھا کر ان کشتیوں کو دریا میں چھوڑ رکھا تھا تاکہ وہ بھاگنے والوں کا راستہ روکیں، لہٰذا جس وقت ہندو کشتیوں میں بیٹھ کر سراندیپ کی طرف روانہ ہوئے اسی وقت مسلمان لشکریوں نے ان پر حملہ کر کے ان کی کشتیوں کو غرق کر دیا۔ فتحِ سومنات کے بعد جب ہندوؤں کی طرف سے مکمل اطمینان ہو گیا تو سلطان محمود اپنے بیٹوں اور معززینِ سلطنت کو ساتھ لے کر قلعہ میں داخل ہوا۔ اور قلعہ کے ہر ہر حصہ کو بغور دیکھنے لگا عمارت کو دیکھنے کے بعد سلطان محمود ایک اندرونی راستے کے ذریعہ سے بت خانے میں پہنچا اس نے دیکھا کہ بت خانہ اپنے طول وعرض کے لحاظ سے اچھا خاصہ بڑا ہے اس کی وسعت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اس کی چھت چھپن ستونوں پر قائم تھی بت خانے میں سومنات رکھا ہوا تھا اس بت کی لمبائی پانچ گز تھی جس میں دو گز زمین کے اندر گڑا ہوا تھا اور تین گز اوپر نظر آتا تھا، یہ بت پتھر کا بنا ہوا تھا۔ جب محمود کی نظر اس پر پڑی تو اس کی اسلامی غیرت کے جوش نے شدت اختیار کی۔ لہٰذا اس نے گرز سے ایک کاری ضرب لگائی تو اس بت کا منہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد سلطان محمود نے حکم دیا کہ اس بت میں سے پتھر کے دو ٹکرے کاٹ کر علیحدہ کیے جائیں اور غزنی بھجوا دیئے جائیں ان میں سے ایک ٹکڑا جامع مسجد کے دروازے پر اور دوسرا ایوانِ سلطنت کے صحن میں رکھا جائے۔ (اس حکم کی تعمیل کی گئی) چنانچہ اس وقت سے لے کر چھ سو سال کا زمانہ گزرنے کے باوجود یہ ٹکرے وہیں رکھے ہوئے ہیں اس کے علاوہ سومنات کے بت کے دو اور ٹکرے علیحدہ کیے گئے جو مکے اور مدینے بھیجے گئے تاکہ انہیں عام راستے میں رکھ دیا جائے اور لوگ انہیں دیکھ کر سلطان محمود کی ہمت و جرأت کی داد دیں۔ تاریخ میں

یہ واقعہ پوری صحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت سلطان محمود نے سومنات کے بت کو پاش پاش کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت برہمنوں کے طبقے نے معززین کے توسط سے سلطان سے درخواست کی کہ اس بت کو نہ توڑا جائے اور یونہی چھوڑ دیا جائے ہندوؤں نے اس کے عوض دولت کی ایک بہت بڑی مقدار دینے کا وعدہ کیا۔ معززینِ سلطنت نے ہندوؤں کی اس درخواست کو سلطان تک پہنچاتے وقت یہ خیال ظاہر کیا کہ اس درخواست کو قبول کر لینے میں ہمارا فائدہ ہے، بت کو توڑ ڈالنے سے نہ تو بت پرستی کی رسم اس شہر سے مٹ سکتی ہے اور نہ ہمیں کوئی فائدہ ہوگا۔ اگر ہم اس بت کے نہ توڑنے کے معاوضے میں کوئی معقول رقم قبول کر لیں گے تو اس سے غریب مسلمانوں کا فائدہ ہوگا۔ اس کے جواب میں محمود نے ان سے کہا: تم جو کہتے ہو وہ صحیح ہے لیکن اگر میں تمہارے حکم پر چلوں گا تو میرے بعد قوم مجھے محمود بت فروش کے نام سے یاد کرے گی اور اگر میں اس بت کو پاش پاش کروں گا تو مجھے محمود بت شکن کے نام سے یاد کرے گی مجھے تو یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں محمود بت شکن کے نام سے یاد کیا جائے نہ کہ محمود بت فروش سے۔ محمود کی نیک نیتی اس وقت رنگ لائی جس وقت اس بت کو توڑا گیا تو اس کے پیٹ میں سے بیش قیمت جواہر اور اعلیٰ درجے کے موتی نکلے ان سب کی قیمت برہمنوں کی پیش کردہ قیمت سے سوگنا زیادہ تھی۔ (167)

اسلام کے دامن میں بس دو ہی تو چیزیں ہیں
اک سجدۂ شبیری اک ضربِ یداللہی

لفظ سومنات کی اصل

حبیب السیر میں لکھا ہے کہ تمام مؤرخین اس امر پہ متفق ہیں کہ سومنات اس مخصوص بت کا نام تھا جسے ہندوستان کے تمام باشندے بتوں کا سردار مانتے تھے، لیکن حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لفظِ سومنات سوم اور نات سے مرکب ہے۔ سوم مندر کا نام ہے اور نات اس بت کا جو مندر میں رکھا ہوا تھا۔ محمد قاسم مؤرخِ تاریخ

فرشتہ کی رائے یہ ہے کہ جو قدیم مؤرخین نے لکھا ہے وہ درست ہے اور حضرت عطار کا قول بھی ان مؤرخین کے بیان کے خلاف نہیں ہے اس لیے کہ لفظ سومنات سوم اور نات سے مرکب ہے۔ لیکن سوم اس راجہ کا نام ہے جس نے یہ بت بنایا اور نات خود اس بت کا نام ہے دونوں لفظ کثرتِ استعمال کی وجہ سے ''بعلبک'' کی طرح ایک ہو گئے۔ اور یہ لفظ اس بت کا نام پڑ گیا بلکہ یہاں تک ہوا کہ مندر اور شہر بھی سومنات کے نام سے مشہور ہو گئے۔ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ اگر بت کا نام سومنات ہو یا نات دونوں ہی درست ہیں۔ ہندی زبان میں نات کے معنی بزرگ یا بڑے کے ہیں جیسا کہ الفاظ جگ نات وغیرہ سے ظاہر ہے کہ ''جگ نات'' بھی جگ اور نات سے مرکب ہے ''جگ'' کے معنی خلائق کے ہیں اور ''نات'' کے معنی خالق، لیکن از روئے محاورہ اب ان الفاظ کے لغوی معنیٰ کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ دونوں لفظ مل کر اسمِ مفرد کی صورت میں کسی خاص شخص کا نام سمجھے جاتے ہیں۔ (168)

سومنات کی اہمیت

(سومنات کا مندر ہندوؤں کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتا تھا) جب کبھی سورج گہن یا چاند گہن ہوتا تو یہاں تقریباً دو لاکھ تیس ہزار آدمی جمع ہوتے، جن میں سے بیشتر دور دراز کے علاقوں سے مرادیں مانگنے اور نذریں چڑھانے کے لیے آتے تھے۔ ہندوستان کے راجے اس مندر کے اخراجات کے لیے وقتاً فوقتاً گاؤں اور قصبے وغیرہ وقف کیا کرتے تھے۔ جس وقت سلطان محمود نے اس پر حملہ کیا تھا اس وقت تقریبا دو ہزار قصبوں کی آمدنی اس کے لیے وقف تھی اس مندر میں ہر وقت دو ہزار برہمن پوجا پاٹ کے لیے موجود رہتے تھے یہ پجاری روزانہ رات کے وقت سومنات کو گنگا کے تازہ پانی سے دھویا کرتے تھے۔ واضح رہے کہ سومنات اور گنگا کے درمیان 600 کوس کا فاصلہ ہے۔ ان پجاریوں نے مندر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ایک زنجیر باندھ رکھی تھی جس کا وزن دو سو من تھا۔ اس زنجیر میں چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں پوجا پاٹ کے وقت اس زنجیر کو ہلایا جاتا تھا اور گھنٹیاں بجنے لگتی تھیں۔ ان گھنٹیوں کی آواز سے پجاری عین وقتِ مقررہ پر پوجا کیلئے حاضر ہو جاتے

یہاں پانچ سو گانے بجانے والی عورتیں اور تین سو مرد سازندے ملازم تھے جن کے اخراجات وقف شدہ دیہاتوں اور قصبوں کی آمدنی سے پورے ہوتے تھے۔ پجاریوں کے ''سر'' اور ''داڑھیاں'' مونڈنے کیلئے تین سو حجام ہر وقت موجود رہتے تھے۔ ہندوستان کے بیشتر راجے اپنی بیٹیوں کو سومنات کی خدمت کیلئے مندر بھیج دیتے تھے۔ یہ لڑکیاں تمام عمر کنواری رہ کر مندر میں مختلف فرائض سرانجام دیتی تھیں۔(169)

مال غنیمت

اس مندر سے سلطان محمود کو جو اعلیٰ درجے کے جواہرات اور سونا چاندی ہاتھ لگے وہ اس قدر زیادہ تھے کہ اس کا دسواں حصہ بھی اس سے پہلے کسی بادشاہ کے خزانے میں جمع نہ ہوا ہوگا تاریخ ''زین المآثر'' میں لکھا ہے کہ مندر کی وہ مخصوص جگہ جہاں بت ''سومنات'' رکھا ہوا تھا بالکل تاریک تھی اور وہاں جو روشنی پھیلی ہوئی تھی وہ دراصل اعلیٰ درجے کے جوہرات کی شعاعیں تھی۔ یہ جواہرات قندیلوں میں جڑے ہوئے تھے۔ اسی تاریخ ''زین المآثر'' میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ سومنات کے خزانے سے سونے اور چاندی کے چھوٹے چھوٹے بت اتنی بڑی مقدار میں برآمد ہوئے کہ ان کی قیمت کا اندازہ لگانا ناممکن ہے چنانچہ حکیم سنائی ارشاد فرماتے ہیں۔

کعبہ و سومنات چوں افلاک شد
ز محمود و از محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاک شد
این ز کعبہ بتاں بروں انداخت
آن ز کیں سومنات پرداخت

ترجمہ:۔ کعبہ اور سومنات جب افلاک ہوئے۔ محمود اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے پاک ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کے بتوں کو باہر ڈالا۔ محمود غزنوی نے سومنات سے بتوں کو باہر پھینکا۔(170)

قرآن مجید سے استخارہ

جب سلطان محمود سومنات کی تباہی وغارت گری سے فارغ ہو گیا تو اس نے نہروالہ کے عالی شان راجہ ''پرم دیو'' کو راہِ راست پر لانے کا ارادہ کیا۔ جن دنوں سلطان محمود سومنات کا محاصرہ کیے ہوئے تھا ان دنوں راجہ پرم دیو نے جرأت وہمت سے کام لے کر ایک بڑا لشکر سومنات کی مدد کیلئے روانہ کیا تھا۔ اس لشکر سے جنگ کرنے میں تقریباً دو تین ہزار مسلمان شہید ہوئے تھے۔ محمود کے ذہن میں راجہ پرم دیو کی اس جسارت کی یاد پوری طرح محفوظ تھی جس کا انتقام لینا بہت ضروری تھا۔ سومنات کی فتح کے بعد راجہ پرم دیو اپنے دارالسلطنت نہروالہ سے فرار ہو کر کندھ کے قلعے میں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔ سومنات سے کندھ کا فاصلہ چالیس کوس کا تھا، سلطان محمود نے اس فاصلے کی کوئی پرواہ نہ کی اور منزل بہ منزل سفر کرتا ہوا کندھ جا پہنچا۔ جب مسلمانوں کا لشکر کندھ کے قلعے کے قریب پہنچا تو وہاں ایک بہت بڑی خندق نظر آئی جو قلعے کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی یہ خندق پانی سے پُر تھی اور اسے عبور کرنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ محمود کے لشکر کے غوطہ خوروں نے اس کے پانی کی گہرائی کا اندازہ کرنے کیلئے ہاتھ پاؤں مارے لیکن کہیں سے بھی خندق کی انتہا نہ ملی آخر کار ہندی غوطہ خوروں نے ایک ایسی جگہ کا پتا چلا لیا جہاں گہرائی کم تھی اور اس خندق کو عبور کرنا ممکن تھا ان غوطہ خوروں کا بیان تھا کہ اگر اس کو عبور کرتے وقت پانی میں ہلچل پیدا ہوئی تو سارا لشکر تباہ ہو جائے گا یہ سن کر سلطان محمود نے قرآن کریم سے استخارہ کیا اور اجازت ملنے پر خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے اس نے اپنے امیروں اور لشکریوں کے ہمراہ پانی میں گھوڑے ڈال دیے اور صحیح وسلامت سارا لشکر پار پہنچ گیا پھر قلعہ پر ایک دم حملہ کر دیا گیا۔ پرم دیو اس حملہ کی تاب نہ لا سکا اور اپنا تمام مال واسباب چھوڑ کر بھیس بدل کر مسلمانوں کی آنکھوں سے بچ کر فرار ہو گیا۔ (171)

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

سلطان محمود کی وفات

418ھ میں ابوالحرب امیر طوس ارسلان نے سلطان محمود کو خط لکھا کہ ترکمانی سلجوقیوں کو ختم کرنے کے لیے آپ تشریف لائیں۔ سلطان ایک عظیم لشکر لے کر دشمن کی طرف گیا، غزنوی لشکر نے ترکمانیوں کو منتشر کرادیا اس کے بعد محمود ملک ''رے'' کی طرف گیا ''رے'' کے تمام خزانے اور دولت بغیر کسی مزاحمت کے اپنے خزانے میں شامل کیے پھر سلطان محمود نے ملحدوں اور قرامطیوں کو درگور کیا کیونکہ ان کے عقیدے اسلام کے خلاف تھے اس آخری معرکہ آرائی کے بعد محمود سل کے مرض میں مبتلا ہوگیا۔ یہ مرض بڑھتا چلا گیا آخرکار نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس مرض کے سبب وہ اپنے دارالسلطنت غزنی میں 23 ربیع الثانی 421ھ بروز جمعرات انتقال کر گیا اس وقت سلطان کی عمر 63 سال تھی۔ اس کی مدت حکومت 35 سال بتائی جاتی ہے جس روز محمود کا انتقال ہوا اس روز بارش ہو رہی تھی رات کے وقت بارش میں اسے غزنی کے قصرِ فیروز میں دفن کردیا گیا۔ (172)

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ، شیخ المشائخ، قطب الاقطاب، حضرت سیدنا شیخ داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ محمود کے دورِ پرنور میں ہی لاہور میں جلوہ گر ہوئے اور اسے اپنا مسکن بنایا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری

کشف المحجوب کے دیباچے میں ہندوستان میں حضرت داتا صاحب کی تشریف آوری کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ ان کے پیرومرشد شیخ ابوالفضل بن حسن نے انہیں حکم دیا کہ محمود غزنوی ہندوستان فتح کرتا ہے اور پھر لوٹ آتا ہے اس بار اس کے لشکر کا علَم لئے ہوئے تم ساتھ جاؤ اور وہیں جھنڈا گاڑ کر بیٹھ جاؤ تاکہ ہندوستان میں اسلام کی جڑیں مضبوط ہوں اور اس ہند کے محیط پر آسمان کی طرح چھا جاؤ چنانچہ اپنے پیر کے حکم کے مطابق حضرت داتا صاحب محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے ان کے ہمراہ ان کے دو پیر بھائی حضرت ابوسعید اور سید لطفی بھی تھے۔ لاہور کے شمال میں دریائے راوی

کے کنارے رات گذارنے کیلئے آپ نے قیام فرمایا جب صبح کو شہر میں داخل ہوئے تو آپ کو ایک جنازہ ملا جو حضرت سید حسین زنجانی قطب لاہور کا تھا ان کی تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے اس کے بعد شہر کے مغربی حصہ میں تشریف لائے جہاں ہندوؤں کا ایک مندر تھا اس کے قریب ہی آپ نے اپنا اسلامی جھنڈا نصب کرایا اور فرمایا کہ یہ جھنڈا ہند کی سرزمین پر اسی طرح لہراتا رہے گا اور دیار لاہور پر سایہ فگن رہے گا۔ مزار مبارک کے سات گز کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا چشمہ ہے اس کے متعلق سینہ بہ سینہ یہ روایت چلی آرہی ہے کہ اسی جگہ دریائے راوی کے کنارے آپ کا قیام تھا دریائے راوی تو مرور زمانہ کے ساتھ پیچھے ہٹتا چلا گیا اور آج وہ کافی فاصلے پر ہے لیکن آپ کے فیض و کرم کا جھنڈا اسی مقام پر لہرا رہا ہے ایک ہزار سال میں ہزاروں انقلابات آئے لیکن آپ کی عظمت و روحانیت اور ولایت و محبوبیت کا چشمۂ فیض اسی شان سے جاری ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ (کشف المحجوب، عشرت پبلشنگ ہاؤس ہسپتال روڈ انار کلی لاہور)

ولادت و سکونت

حضرت سیّدنا داتا علی ہجویری کی ولادتِ باسعادت کم و بیش ۴۰۰ھ میں غزنی میں ہوئی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اندازاً آپ کا زمانۂ ولادت ۳۸۱ تا ۴۰۱ھ کے درمیان مُتَعَین کیا جا سکتا ہے۔ (سید ہجویر، ص ۸۱) آپ کے خاندان نے غزنی کے دو محلّوں جُلّاب و ہجویر میں رہائش اختیار فرمائی اسی لیے آپ ہجویری وجُلّابی کہلاتے ہیں۔ (مدینۃ الاولیا، ص ۴۶۸، معارف ہجویریہ، ج ۲، ص ۵۰، ملخصاً، کشف المحجوب للھجویری، التعریف بغزنۃ، ص ۳۹)

نام و نسب

آپ کی کُنیت ابوالحسن، نام علی اور لقب داتا گنج بخش ہے۔ ماہرِ انساب پیر غلام دستگیر نامی نے آپ کا شجرہ نسب اس طرح بیان فرمایا ہے: حضرت مخدوم علی بن سید عثمان بن سیّد عبدُ الرَّحمٰن بن سید عبداللہ (شجاع شاہ) بن سیّد ابوالحَسَن علی بن سیّد حَسَن بن سیّد زَید بن حضرت امام حسن بن علی۔ (بزرگانِ لاہور، ص ۲۲۲، سید ہجویر، ص ۸۰)

تعلیم و تربیت

حضرت سیدنا داتا گنج بخش ہجویری کی تعلیم و تربیت کے بارے میں ایک تذکرے میں لکھا ہے کہ جس پاکیزہ فطرت ماں کی آغوش میں آپ نے پرورش حاصل کی اس کی زبان ذکرِ الٰہی میں مصروف اور دل جلوۂ حق سے سرشار رہتا تھا۔ اس لیے آپ نے ابتدائی عمر ہی سے بڑی محتاط اور پاکیزہ زندگی گزاری۔ آپ کو بچپن ہی سے عبادت کا شوق تھا۔ نیک والدین کی تربیت نے آپ کے اخلاق کو شروع ہی سے پاکیزگی کے سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی آپ کو تعلیم کے لیے مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ حُروف شَناسی کے بعد آپ نے قرآنِ پاک مکمل پڑھ لیا۔ (اللہ کے خاص بندے، ص ۴۵۹) بعض روایتوں کے مطابق آپ نے محمود غزنوی کے قائم کردہ مدرسے میں تعلیم حاصل کی۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھئے کتاب: اللہ کے خاص بندے، ص ۴۵۹۔ حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری نے کئی ممالک کا سفر فرمایا اس کا مَقصود عُلما و مَشائخ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اکتسابِ فیض اور اپنی علمی پیاس بجھانے کا اِنتظام کرنا تھا۔ اس مُقصد کے حصول کے لیے آپ نے صرف خراسان کے تین سو مشائخ کی خدمت میں حاضری دی اور ان کے عِلم و حکمت کے پُر بہار گلستانوں سے گُل چینی کر کے اپنا دامن بھرتے رہے۔ (کشف المحجوب، ص ۱۸۱ ماخوذاً) داتا صاحب تین افراد کے قافلہ کی صورت میں لاہور کی طرف آئے۔ لاہور تشریف لانے کے بعد آپ نے کفر و شرک کے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے شہر کو نورِ اسلام سے روشن فرما دیا ، یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدنا مجدد الفِ ثانی نے حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری کی وجہ سے لاہور کو پاک و ہند کے تمام شہروں کا قطب قرار دیتے ہوئے فرمایا: اس شہر کی برکت پورے ہند میں پھیلی ہوئی ہے۔

(مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب ہفتاد ہفتاد و ہشتم، ج ۱، ص ۶۵)

مسجد میں کعبہ دکھا دیا

حضرت سیدنا داتا گنج بخش ہجویری لاہور تشریف لاتے ہی اپنی قیام گاہ کے ساتھ جو

مسجد تعمیر کروائی اُس مسجد کی محراب دیگر مساجد کی بہ نسبت جنوب کی طرف کچھ زیادہ مائل تھی۔ لہٰذا لاہور میں رہنے والے اس وقت کے علما کو اس مسجد کی سمت کے مُعاملے میں تشویش لاحق ہوئی چنانچہ ایک روز آپ نے تمام علما کو اُس مسجد میں جمع کیا اور خود امامت کے فرائض انجام دیئے، نماز کی ادائیگی کے بعد حاضرین سے فرمایا: دیکھئے کہ کعبہ شریف کس سمت میں ہے؟ یہ کہنا تھا کہ مسجد و کعبہ شریف کے درمیان جتنے حجابات تھے سب کے سب اُٹھ گئے اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کعبہ شریف محرابِ مسجد کے عین سامنے نظر آ رہا ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء مترجم، ج۱ص ۱۷۴) حضرت سیدنا داتا علی ہجویری نہ صرف حنفی المذہب تھے بلکہ حضرتِ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ سے خاص عقیدت بھی رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب کشف المحجوب میں امام موصوف کا نام نامی اسمِ گرامی نہایت تعظیم کے ساتھ اس طرح تحریر فرمایا: امامِ اِماماں ومُقتدائے سُنّیاں، شرفِ فقہاء، عزِّ علماء ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الخراز۔ (کشف المحجوب، باب فی ذکر ائمتھم من تبع ائخ، ص۹۸) حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے محبت وعقیدت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ فرماتے ہیں: میں ایک روز سفر کرتا ہوا ملک شام میں مُؤذّنِ رسول حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے روضے پر حاضر ہوا، وہاں میری آنکھ لگ گئی اور میں نے اپنے آپ کو مکہ معظمہ پایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باب بنوشیبہ پر موجود ہیں اور ایک عمر رسیدہ شخص کو کسی چھوٹے بچے کی طرح اُٹھائے ہوئے ہیں۔ میں فرطِ محبت سے بے قرار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لپکا اور آپ کے مبارک قدموں کو بوسہ دیا، دل ہی دل میں اس بات پر بڑا حیران بھی تھا کہ یہ ضعیف شخص کون ہے؟ اتنے میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوتِ باطنی اور علمِ غیب کے ذریعے میری حیرت واستعجاب کی کیفیت جان گئے اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا: یہ ابوحنیفہ ہیں اور تمہارے امام ہیں۔ (کشف المحجوب، باب فی ذکر ائمتھم من تبع ائخ، ص۱۰۱)

آپ کا وصالِ پُرملال اکثر تذکرہ نگاروں کے نزدیک ۲۰ صفر المظفر ۴۶۵ھ کو ہوا۔

(سیدِ ہجویر، ص ۱۴۳)

نوٹ:

حضور سیدی داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی مقدس حیات کے متعلق ذکر کردہ اکثر مواد ہم نے دعوتِ اسلامی العالمی کے ادارے المدینۃ العلمیۃ کے شائع شدہ رسالے ''فیضانِ داتا گنج بخش'' سے کچھ ردوبدل سے لیا ہے۔ (محمد احمد رضا و محمد حامد سراج خان)

اوچ غزنوی کے عہد میں

مولانا حفیظ الرحمان حفیظ نے 298ھ سے 555ھ کے اوچشریف کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں: 298ھ میں حسین حاکمِ سندھ تھا کہ خلیفہ مقتدر نے احمد سامانی کے نام حکومتِ سندھ کا فرمان جاری کر دیا 300ھ میں سیم جورروانی منجانبِ دولتِ سامانیہ حاکم سندھ تھا یہ زمانہ غزنویوں، خلجیوں اور افغانیوں کی تگ ودو کا تھا۔ 370ھ میں حضرت شیخ صفی الدین گازرونی حقانی علیہ الرحمہ بغداد سے اوچ میں رونق افروز ہوئے۔ 396ھ میں جب سلطان محمود غزنوی نے حاکم جے پال کو شکست دے کر اس کا کام تمام کر دیا اور اوچ کا قصد کیا تو اس وقت اوچ کا حکم ابوالفتح داؤد بن نصیر بن شیخ حمید لودھی تھا جو قرامطی مذہب رکھتا تھا۔(173)

اوچ پر علی بن ربیع اور دیگر حکمرانوں کا قبضہ

سلطان مسعود کے بعد اس کا بیٹا مودود منصبِ سلطانی پر فائز ہوا اس کے عہد میں ابوعلی کوتوال اوچ کا حاکم بنا۔ سلطان مودود کی وفات کے بعد پہلے مسعود بن مودود اور اس کے بعد ابوالحسن علی بن مسعود بن محمود تخت نشین ہوئے۔ ان ایام میں علی بن ربیع ایک امیر سلطانی نے پشاور سے لے کر اوچ تک قبضہ کر لیا جب سلطان عبدالرشید بن سلطان محمود تخت نشین ہوا تو اس نے علی بن ربیع کو اوچ کی حکومت عطا کر دی۔ اور توشتگین حاجب کرخی کو امیر الامرا بنا کر ہندوستان بھیج دیا سلطان مسعود بن ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی کے عہد میں اوچ اور پنجاب حاجب طغاتگین کے زیرِ حکم رہا۔ سلطان ابراہیم شاہ بن سلطان مسعود کے زمانے میں سالار حسین بن ابراہیم علوی اوچشریف کا گورنر تھا۔(174)

ڈاکٹر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں کہ غزنوی خاندان کی حکومت کم بیش دوسو سال تک رہی اور پاکستان کے اکثر علاقے اس کے زیر نگیں رہے۔(175)

547ھ میں جب سلطان بہرام کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا خسرو شاہ فرمانروائے غزنی ہوا تو اس پر غوریوں نے یورش کی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غوریوں نے غزنی پر قبضہ کرلیا۔ اور اپنی حکومت کو مضبوط کرنے لگے خسرو شاہ ہندوستان آ گیا۔ ملتان اور اوچ میں اپنی حکومت کا سکہ و خطبہ جاری کیا۔

555ھ میں خسرو شاہ فوت ہو گیا تو اس کے بعد اس کا بیٹا خسرو ملک لاہور کا تخت نشین ہوا۔(176)

شہاب الدین غوری کی اوچ پر لشکر کشی

شہاب الدین غوری بن بہاؤ الدین ''غورستان'' کا رہنے والا تھا اس کا دوسرا بھائی غیاث الدین تھا، دونوں بھائی باہمت اور سخی تھے ان کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ اس کے زیرِ حکومت علاقے کی آمدنی ان کے مصارف سے بہت کم تھی لیکن قرب و جوار کے سپاہی ان کی سخاوت کا چرچا سن کر ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ سخاوت اور ہردلعزیزی کی وجہ سے چاروں طرف وہ مشہور ہو گئے تھے۔ 572ھ میں شہاب الدین نے اپنے بھائی غیاث الدین کے حکم سے ملتان پر حملہ کیا اور اس کے آس پاس کے علاقوں کو قرامطہ کے قبضے سے چھڑا لیا۔ اس کے بعد شہاب الدین نے اوچ پر لشکر کشی کی۔ جب اوچ کے راجہ کو شہاب الدین کی آمد کا پتا چلا تو وہ قلعہ بند ہو گیا شہاب الدین نے قلعے کے اردگرد اپنے خیمے لگا دیئے اور قلعہ فتح کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا، اسے احساس ہوا محاصرے و جنگ کے ذریعے سے قلعہ کو مسخر و مغلوب کرنا مشکل ہے۔ اس نے راجہ کی رانی کے پاس اپنا قاصد بھیجا اور کہا تو میری مدد کر، جب میں قلعہ سر کرلوں گا تو تجھے ملکہ بناؤں گا۔ رانی کو یقین تھا کہ فتح شہاب الدین کی ہو گی۔ رانی نے جواب دیا کہ میری عمر تو اب ملکہ بننے کی نہیں البتہ میری لڑکی ہے شہاب الدین اسے قبول کرلے تو میں شہاب الدین کے حکم پر عمل کروں گی اور

شہاب الدین فتح کے بعد میرے مال و متاع اور اسباب کو ہاتھ نہ لگائے گا۔ شہاب الدین نے رانی کی شرطوں کو منظور کر لیا تو رانی نے اپنے راجے کا کام تمام کر دیا۔ شہاب الدین اوچ کا مالک بن گیا اس نے لڑکی کو مسلمان کیا اور اسے اپنی ملکہ بنا لیا پھر ملکہ اور اس کی ماں کو غزنی بھیج دیا تاکہ وہ اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہوں۔ شہاب الدین دل سے رانی پر راجے سے بے وفائی کرنے کی وجہ سے ناراض تھا، کچھ عرصہ بعد رانی فوت ہو گئی اور ملکہ بھی دو برس بعد پیوندِ خاک ہو گئی۔ شہاب الدین نے ملتان اور اوچشریف کی حکومت علی کرماچ کے سپرد کر دی اور خود غزنی چلا گیا۔(177)

ناصر الدین قباچہ اوچ کا حاکم

ناصر الدین قباچہ سلطان معز الدین بن سام کا ترکی غلام تھا جو عقلمندی، معاملہ فہمی اور بہادری میں اپنی مثال آپ تھا۔ معز الدین کی خدمت میں رہنے سے قباچہ کے تجربات میں بہت اضافہ ہوا اس نے قواعد جہانبانی، کشور کشائی اور حکمرانی میں کمال حاصل کر لیا۔ سلطان معز الدین نے ملک خطا پر حملہ کیا اور اہل خطا کے ساتھ ایک زبردست جنگ کی اس جنگ میں اوچ کا جاگیردار مارا گیا، سلطان نے ناصر الدین قباچہ کو اوچ کا حاکم بنا دیا ناصر الدین سلطان قطب الدین ایبک کا داماد تھا اس کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے اس کے نکاح میں آئیں، ناصر الدین اپنے آقا سلطان معز الدین کے حکم سے ایبک کو ملنے کے لیے کبھی کبھی اوچ سے دہلی میں جاتا تھا۔(178)

اوچ کے قریب لشکر کشی

چنگیز خان کی خون آشام تلوار نے سلطان جلال الدین بن سلطان محمد خوارزمی کو ہندوستان آنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ فرمانروا ہندوستان کے مختلف حصوں میں اپنی بہادری کے جوہر دکھاتا ہوا اپنی قوت کو بڑھاتا رہا۔ اس نے دس ہزار سپاہیوں کا لشکر جمع کر لیا، جلال الدین یلدوز کو اپنا قاصد بنا کر راجہ کو کارسنکر کے پاس بھیج دیا اور اس سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا راجے نے اپنی بیٹی کو جلال الدین کی خدمت میں روانہ کر دیا اور درخواست کی کہ ناصر

الدین قباچہ کھکروں کا جانی دشمن ہے آپ اسے راہِ راست پر لائیں کھکھر قوم تاعمر آپ کی ممنون و احسان مند رہے گی سلطان جلال الدین نے راجہ کو کارسنکر کے بیٹے کو جو اپنی بہن کے ساتھ آیا تھا خلیج خان کا خطاب دیا اور اپنے ایک امیر کے ساتھ سات ہزار سواروں کو ناصر الدین قباچہ کے مقابلہ کیلئے روانہ کیا، قباچہ کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے بیس ہزار سواروں کا ایک لشکر تیار کیا اور دشمن کے مقابلے کے لیے اوچ کے قریب دریائے سندھ کے کنارے پر مقیم ہوا۔ مخالفوں نے قباچہ کے لشکر پر شب خون مار کر اسے پریشان کر دیا۔ ناصر الدین قباچہ جان بچا کر دشمن کے چنگل سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ (179)

جلال الدین کی اوچ میں آتشزدگی

جلال الدین کو یہ خبر ملی کہ دہلی کا لشکر آ رہا ہے سلطان جلال الدین نے اوچشریف میں ڈیرہ جمایا اور قباچہ کے پاس قاصد روانہ کر کے یہ پیغام دیا امیر خان کا بیٹا اور بیٹی جو حال ہی میں دریائے سندھ کے کنارے سے فرار ہو کر اس کے نواح میں آئے ہیں انہیں میرے پاس بھیج دیا جائے۔ ناصر الدین نے حکم کی تعمیل کی اور انہیں بہت سے تحفوں کے ساتھ جلال الدین کے پاس بھیج دیا سلطان جلال الدین نے اوچ میں کسی قسم کا ہنگامہ بپا نہ کیا، گرمیوں کا موسم آ گیا تو وہ کوہِ جود اور بنگالہ کی چھاؤنی کی طرف روانہ ہو گیا، اسی دوران اسے یہ خبر ملی کہ چنگیز خاں کا حاکم شہزادہ چغتائی خان، سلطان جلال الدین کو گرفتار کرنے کیلئے آ رہا ہے، سلطان جلال الدین کو یہ شک گزرا کہ قباچہ چغتائی کی مدد کر رہا ہے اس خیال سے جلال الدین اوچ کی طرف روانہ ہوا ملتان پہنچ کر سلطان جلال الدین نے قباچے پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی لیکن قباچہ اس کے قابو میں نہ آیا اور مقابلے کی تیاریاں کرنے لگا۔ جلال الدین بھی اوچ کی طرف چل پڑا اور اہلیانِ اوچ کو اپنی اطاعت کا حکم دیا۔ لوگوں نے انکار کر دیا تو جلال الدین نے جلال میں آ کر اوچ کو نذرِ آتش کر دیا لوٹ مار کرنے کے بعد دیبل اور ٹھٹھے کی طرف نکل گیا۔ (180)

اوچ میں التمش کا لشکر

622ھ میں سلطان شمس الدین التمش نے ناصر الدین قباچہ کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ التمش اپنا لشکر لے کر اوچ تک آ گیا تو قباچہ نے اوچ کو مستحکم کیا اور خود لکھوکھی کی طرف چلا گیا۔ التمش نے اوچ کا محاصرہ کر لیا اور نظام الملک بن ابو سعید جنیدی کو بکھر کے قلعے کی فتح کیلئے بھیج دیا۔ ناصر الدین قباچہ کشتی کے ذریعہ سے ایک نواحی جزیرے کی طرف روانہ ہوا لیکن وہ منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکا، دریا کی خونی لہروں نے کشتی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور قباچہ لقمۂ اجل بن گیا۔ سلطان ناصر الدین قباچہ نے سندھ ملتان اور اوچشریف پر بائیس سال حکومت کی تھی۔ (181)

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیان رہے

آٹھواں باب

اس باب میں ان بزرگوں کا ذکر ہوگا جن کا تعلق کسی نہ کسی حوالے سے اوچشریف سے جڑتا ہے۔ جو دین کا ستون تھے، جن کے دیدار، گفتار اور کردار سے بے دینوں کو دین ملا، بے ایمانوں کو ایمان نصیب ہوا، ان کے فیض کے اثر سے اور نگاہ کی برق باری سے رہزن رہزنی چھوڑ کر رہبر بن گئے، چور توبہ کر کے محراب و منبر کے وارث کہلانے لگے اور جہنم کے گڑھے میں گرنے والے بہشتِ بریں کا دروازہ کھٹ کھٹانے لگے۔ ہم نے یہ باب مقبولِ بارگاہِ رسول، محققِ دوراں، مدققِ زماں، شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1052ھ کی مشہور کتاب ''اخبار الاخیار'' سے ترتیب دیا ہے۔

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم
بداں را با نیکاں بجشد کریم
نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

قطب الاقطاب، فرد الاحباب، غوث اعظم، شیخ شیوخِ عالم، غوث الثقلین، امام الطالبین، شیخ الاسلام محی الدین **ابو محمد عبد القادر** الحسنی الحسینی الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اہلِ بیت میں کامل ولی اور ساداتِ حسنیہ میں بڑی بزرگی کے مالک ہیں، نسبی اعتبار سے آپ عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کی اولاد میں سے ہیں۔ قصبہ ''جیل'' کی طرف جسے جیلان یا گیلان بھی کہتے ہیں آپ کی نسبت ہے۔ آپ کی ولادت 470ھ اور ایک روایت کے مطابق 471ھ میں ہوئی، آپ کی عمر مبارک کے ابتدائی تینتیس سال درس و تدریس اور فتویٰ دینے میں اور چالیس سال مخلوقِ خدا کی رشد و ہدایت اور نصیحت میں صرف ہوئے۔ نوے سال کی عمر پا کر 561ھ میں آپ نے وفات پائی۔

آپ ثابت النسب شریف سید ہیں۔ شجرۂ نسب ملاحظہ ہو۔ الامام السید عبدالقادر بن امام سید ابی صالح موسیٰ بن ابی عبداللہ بن امام سید یحیٰ الزاہد بن امام سید محمد بن امام سید داؤد بن امام سید موسیٰ بن امام سید عبداللہ بن امام سید موسیٰ الجون بن امام سید عبداللہ المحض بن امام سید حسن المثنیٰ بن امیر المؤمنین امام سید حسن بن امام الائمہ اسداللہ الغالب امیر المؤمنین سید نا علی بن ابی طالب (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ورضی اللہ عنہم)(182)

علامہ امام ذہبی اور حافظ ابن رجب نے بھی مندرجہ بالا شجرۂ نسب تحریر فرمایا ہے مگر ابو صالح عبداللہ بن جنگی دوست لکھا ہے جو خلافِ صواب ہے۔ صحیح وہی ہے جو اوپر درج ہوا ہے۔(183)

آپ کا سنِ ولادت لفظِ عاشق سے اور ''سنین عمر'' لفظ کامل سے سن وفات لفظ معشوقِ الٰہی سے برآمد ہوتا ہے۔(184)

ابراہیم بن عبداللہ محض نے بھی دعویٔ خلافت کیا تھا اور امام ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ) نے ان کو چار ہزار درہم بطور امداد بھیجے تھے ان کے بیٹے حسن اور ان کے فرزند عبداللہ (شاہ غازی) مشہور ہیں۔ دنیا میں ان کی نسل باقی ہے، عبداللہ محض کے فرزند موسیٰ الجون کی نسل بھی بہت پھیلی ہے، الشیخ الجلیل، امام الاولیا، ابو صالح سیدی الشیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ حضرت موسیٰ الجون کی نسل سے ہیں۔(185)

488ھ میں جب آپ کی عمر مبارک اٹھارہ سال کی تھی آپ بغداد میں تشریف لائے، اور اس وقت کے شیوخ، آئمہ، بزرگانِ دین اور محدثین کی خدمت کا قصد فرمایا، قرآنِ کریم کو روایت و درایت اور تجوید و قرات کے اسرار و رموز کے ساتھ حاصل کیا اور زمانہ کے بڑے محدثین اور اہلِ فضل و کمال و مستند علمائے کرام سے سماعِ حدیث فرما کر علوم کی تحصیل و تکمیل فرمائی حتیٰ کہ تمام اصولی، فروعی، مذہبی اور اختلافی علوم میں علمائے بغداد سے ہی نہیں بلکہ تمام ممالکِ اسلامیہ کے علما سے سبقت لے گئے اور آپ کو تمام علما پر فوقیت حاصل ہو گئی اور سب نے آپ کو اپنا مرجع بنالیا۔ آپ خود فرماتے ہیں:

دَرَسْتُ الْعِلْمِ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا
وَ نِلْتُ السَّعَادَۃَ مِنْ مَوْلَی الْمَوَالِیْ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخلوق کے سامنے ظاہر فرمایا۔ آپ کی مقبولیتِ تامہ عوام وخواص کے قلوب میں ڈال دی اور آپ کو قطبیتِ کبریٰ اور ولایتِ عظمیٰ کا مرتبہ عطا فرمایا حتیٰ کہ چاردانگ عالم کے تمام فقہا، علماء طلبا اور فقرا کی توجہ آپ کے آستانہ کی جانب ہوگئی، حکمت ودانائی کے چشمے آپ کی زبان سے جاری ہو گئے، اور عالمِ دنیا سے ملکوت تک آپ کے کمال وجلال کا شہرہ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے علاماتِ قدرت وامارت، دلائلِ خصوصیت اور براہینِ کرامت کو آفتابِ نصف النہار سے زیادہ واضح اور ظاہر فرمایا اور بخشش کے خزانوں کی کنجیاں اور تصرفاتِ وجود کی لگامیں آپ کے قبضۂ اقتدار ودستِ اختیار کے سپرد فرمادیں۔ تمام مخلوق کے دلوں کو آپ کی عظمت وہیبت کے سامنے سرنگوں کردیا اور اس وقت کے تمام اولیا کو آپ کے سایۂ قدم اور دائرۂ حکم میں دے دیا، کیونکہ آپ منجانب اللہ اسی پر مامور تھے، جیسا آپ خود فرماتے ہیں کہ "میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے" اور تمام اولیائے وقت حاضر وغائب، قریب وبعید اور ظاہر وباطن سب کے سب آپ کے مطیع وفرماں بردار ہو گئے کہ انہیں راندۂ درگاہ ہونے کا خوف اور زیادتیِ مراتب کا شوق اس پر مجبور کرتا تھا، چنانچہ آپ کی ذاتِ گرامی قطبِ وقت، سلطان الوجود، امام الصدیقین، حجۃ العارفین، روح معرفت قلب حقیقت، خلیفۃ اللہ فی الارض، وارثِ کتاب، نائبِ رسول، سلطان الطریق اور متصرف فی الوجود تھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن جمیع الاولیا۔

غوث پاک کا حلیہ مبارک

آپ نحیف البدن، میانہ قد، کشادہ سینہ، لمبی چوڑی داڑھی، گندمی رنگ، پیوستہ ابرو، بلند آواز، پاکیزہ سیرت، بلند مرتبہ اور علمِ کامل کے حامل تھے، صاحب شہرت وسیرت اور خاموش طبع تھے، آپ کے کلام کی تیزی اور بلند آوازی سننے والے کے دل میں رعب وہیبت

زیادہ کرتی تھی، یہ آپ کی کرامت تھی کہ مجلس میں قریب اور بعید بیٹھنے والے بے کم وکاست بغیر کسی تفاوت کے آپ کی آواز بآسانی یکساں طور پر سن لیتے تھے جب آپ کلام کرتے تو ہر طرف خاموشی چھا جاتی، جب بڑے سخت دل پر نظرِ جمال پڑ جاتی تو وہ خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری کا مرقع بن جاتا اور جب آپ جامع مسجد میں تشریف لاتے تو تمام مخلوق دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر درگاہِ قاضی الحاجات میں دعا کرتی۔

چھینک کا جواب

ایک دن آپ کو جامع مسجد میں چھینک آئی تو لوگوں نے چاروں طرف سے ''یَرْحَمُکَ اللہِ'' اور ''یَرْحَمُ رَبُّکَ'' کی آوازیں بلند کیں، خلیفۂ وقت مستنجد باللہ نے جو محرابِ مسجد میں بیٹھا تھا پریشان ہو کر دریافت کیا کہ یہ شور کیسا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ شیخ عبدالقادر کو چھینک آئی تھی جس پر لوگوں نے انہیں دعا دی ہے۔

کمال علمی

منقول ہے کہ ایک دن آپ کی مجلس میں کسی قاری نے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھی آپ نے اس کی ایک تفسیر بیان کی، پھر دوسری، پھر تیسری، حتی کہ حاضرین کے علم کے مطابق اس کی گیارہ تفسیریں بیان کیں، حتی کہ اس کی چالیس تفسیریں بیان فرمائیں اور ہر تفسیر کی سند متصل ودلیل۔ ہر دلیل کی ایسی تفصیل بیان فرمائی کہ اہلِ مجلس غرقِ حیرت وتعجب ہو گئے اس کے بعد فرمایا کہ اب ہم قال کو چھوڑ کر حال میں آتے ہیں پھر آپ نے ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ'' کہا، اس ''کلمۂ توحید'' کا زبان سے نکلنا تھا کہ حاضرین کے دلوں میں شورش واضطراب موجزن ہوا، کئی نے کپڑے پھاڑ کر جنگل کا رخ کیا۔

انوکھے مسئلے کا حل

غوثِ اعظم، سلطان بغداد تمام اولیا اور عوام کے مرجع تھے، اطرافِ عالم کے لوگ آپ سے مسائل دریافت کرتے تھے اور آپ آئمۂ اربعہ کی فقہ کے مطابق فتوی عنایت فرماتے تھے۔ کسی مفتی کو آپ کے فتوی کی مخالفت کا موقع نہ ملتا تھا، ایک مرتبہ عجم سے ایک

سوال آپ کے پاس آیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ بزرگ علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے یہ قسم کھائی ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت نہ کرے کہ انسانوں میں سے کوئی بھی کسی جگہ اس عبادت میں اس کا شریک نہ ہو، ورنہ اس کی بیوی کو تین طلاقیں، بتایا جائے کہ یہ آدمی کونسی عبادت کرے؟ جس سے اس کی قسم نہ ٹوٹے اور اس کی عورت طلاق سے بچ جائے؟ اس سوال کا جواب لکھنے سے عجم و عرب کے علما عاجز ہو گئے۔ جب یہ سوال نامہ حضور غوث اعظم کے سامنے آیا تو آپ نے بغیر تامل کے فرما دیا: اس آدمی کے لیے بیت اللہ کو طواف کرنے والوں سے خالی کرا دیا جائے پھر یہ شخص تنہا بیت اللہ کا طواف کرے اس عبادت کرنے سے اس کی قسم ٹوٹے گی نہ اس کی بیوی چھوٹے گی کیونکہ وہ اکیلا بیت اللہ کا طواف کر رہا ہوگا اور انسانوں میں سے کوئی بھی اس کا شریک نہ ہوگا۔(186)

جس طرح سیدِ عالم، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات لاتعداد ہیں اسی طرح غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامات بے شمار ہیں۔(187)

آپ نے ہر حالت میں شریعت پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا قدم ہر ولی کی گردن پر رکھ دیا چنانچہ آپ نے اعلان فرمایا ''قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللهِ'' میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے جب آپ نے یہی اعلان فرمایا تو اس وقت کے تمام ولیوں نے اپنی گردنیں جھکا دیں اور آپ کے فرمان کو تسلیم کر لیا، آپ کا فیض تمام سلسلوں میں جاری وساری ہے اور ہر سلسلے والا آپ کی عظمت کو تسلیم کرتا ہے۔ اور آپ کے ایصالِ ثواب کے لیے گیارہویں شریف کا ختم دلاتا ہے۔ شاہ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: مستند روایاتِ معلومہ کے پیشِ نظر غوث اعظم کا عرس مبارک 9 ربیع الآخریٰ کو ہونا چاہیے۔ اسی تاریخ کو مرشدِ کامل عارف باللہ شیخ عبدالوہاب قادری متقی مکہ مکرمہ میں آپ کا عرس منعقد کرتے تھے یہ وہ تاریخ ہے جو قابلِ اعتماد ہے یہ تاریخِ عرس ہمارے پیر و مرشد شیخ اعظم علی متقی اور دیگر بزرگوں کے نزدیک بھی قابلِ اعتماد ہے لیکن ہمارے ملک میں 11 ربیع الثانی

زیادہ مشہور ہے، غوثِ اعظم کی اولاد اور مشائخ عظام جو (ہندو پاکستان) میں مقیم ہیں وہ آپ کا عرس گیارہویں تاریخ کو کرتے ہیں نیز اسی طرح پیرو مرشد سیدنا بہی رضی الوضی ابو المحاسن سید شیخ موسیٰ حسنی جیلانی ابن شیخ کامل عارف حق معظم مکرم ابوالفتح شیخ حامد حسنی جیلانی نے غوثِ پاک کی اولاد امجاد سے نقل فرمایا ہے۔ شیخ حامد حسنی جیلانی ایک متفق علیہ ولی اللہ تھے جن کا لقب مخدوم ثانی اور عبدالقادر ثانی تھا انہوں نے اپنے آبائے کرام کی زبانی آپ کے عرس کی تاریخ گیارہویں لکھی ہے (188)

گیارہویں کو ایصال ثواب کرنے والے ہر قسم کی تکلیفوں، مصیبتوں، پریشانیوں اور بیماریوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ ان کی عزت، عظمت اور روحانیت میں اضافہ ہو جاتا ہے، قرض سے نجات مل جاتی ہے اور اولاد، مال و رزق میں بے حد برکت ہوتی ہے، غوث اعظم قدس سرہ العزیز کی روح اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا: میں اپنے مرید کے مریدوں کا سات پشت تک ہر ایک امر کا ذمہ دار ہوں اور اگر میرے مرید کا پردہ مشرق میں کھل جائے (یعنی اسے کوئی تکلیف پہنچے) اور میں مغرب میں ہوں تو میں اس کو چھپاتا ہوں۔ (189)

غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامات حدِ تواتر تک پہنچ چکی ہیں، شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۹۱ پر ایک روایت نقل فرمائی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کس قدر با کمال بزرگ تھے، ایک بار آپ رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے جب سجدے میں گئے مقتدیوں میں سے ایک مرید کا جسم گھلنا شروع ہوا یہاں تک کہ گوشت، پوست، استخواں کسی کا نام و نشان نہ رہا صرف ایک قطرہ پانی رہ گیا۔ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بعدِ سلام روئی کے پھوئے میں اٹھا کر دفن فرمایا اور فرمایا: سبحان اللہ! ایک تجلی میں اپنی اصل کی طرف پلٹ گیا۔

شیخ ابوالسعو دسریمی شیخ محمد بن قائد آوانی اور شیخ عمر بزاز نے فرمایا کہ شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ قیامت تک اپنے مریدوں کے ضامن ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی بغیر توبہ

کے نہ مرے گا اور انہیں اللہ تعالیٰ سے یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کے مرید در مرید سات پشت تک جنت میں داخل ہوں گے۔(190)

قطب الاقطاب شیخ المشائخ حضرت سید مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری متوفی 785ھ کو سلسلۂ قادریہ سے والہانہ محبت تھی۔آپ اپنے ملفوظات ''خزانہ جلالی'' میں غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ ذکر کرتے ہیں کہ غوث اعظم نے فرمایا: خوشخبری ہے اس کے لیے جس نے مجھے دیکھا۔خوشخبری ہے اس کے لیے جس نے میرے دیکھنے والوں کو دیکھا، خوشخبری ہے اس کے لیے جس نے میرے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو دیکھا، اس کے بعد مخدوم کریم فرماتے ہیں کہ شیخ سید عبدالقادر اپنے وقت کے قطب اور بات کے سچے تھے اس لیے مجھے امید ہے کہ ان کی اس بات کے سبب اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم وکرم کرے گا۔پھر فرمایا اس سلسلہ میں ایک واسطہ سے شیخ شہاب الدین سہروردی کے حوالے سے جس میں شیخ بہاؤالدین زکریا کے واسطہ کا ذکر نہیں۔مخدوم جہانیاں کریم نے فرمایا کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا ہے جس نے شیخ شہاب الدین سہروردی کو دیکھا تھا اور ان کو شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی صحبت نصیب ہوئی تھی۔(191)

قطب الاقطاب حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ غوثِ اعظم، سلطانِ بغداد، قطبِ عالم تھے اور ان کی دعا مستجاب (قبول) تھی آپ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جو آپ کو دیکھے گا یا آپ کے دیکھنے والے کو دیکھے گا یا اس دیکھنے والے کو دیکھے گا اسے دنیا و آخرت کی راحت وخوشی ملے گی۔دنیا میں بلیات ومصیبتوں سے چھٹکارا ملے گا اور مرادیں حاصل ہوں گی، مسرت وشادمانی اس کے قدم چومے گی اور آخرت میں اس کے درجے بلند ہوں گے۔(192)

حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت رضی اللہ عنہ کو سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ کمال محبت تھی ایک روز آپ جس جگہ تشریف فرما تھے، وہاں آگ لگ گئی آپ نے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور اس پر بلند آواز سے شیخ عبدالقادر کا نام لے کر آگ پر پھینک دیا۔آگ اسی وقت بجھ

گئی۔(193)

غوث اعظم قدس سرہ کے نام کا کڑا بہت مشہور ہے جو کاتب الحروف کو اپنے والد ماجد حضرت مولانا نور محمد خان علیہ الرحمۃ والغفر ان سے عطا ہوا تھا۔ جب جانوروں میں بیماری پھیل جائے اور لوگ تنگ آ جائیں تو لوہے کا کڑا اولوں کی آگ میں گرم کرایا جائے کہ وہ خود آگ بن جائے پھر اسے نکالیں باوضو ہو کر لکڑی پر رکھ کر سات بار درود شریف، سات بار ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی پیر محبوب سبحانی''، پھر سات بار درود شریف پڑھ کر کڑے پر دم کریں اور اپنے پاؤں کی ایڑی اس پر رکھ دیں۔ ایڑی محفوظ رہے گی پھر اس کڑے سے جانوروں کی کوکھ کو داغ دیں پھر اس کڑے کو پانی میں ڈالیں اس پانی کو جانوروں پر چھڑکیں۔ اور قرآن مجید مع چنے پھلیاں پاک چادر میں رکھ کر چادر دو نمازی آدمیوں کو پکڑوا کر جانوروں کو اس کے نیچے سے گزاریں، چنے پھلیاں بچوں میں تقسیم کر دیں اور غوثِ پاک کی نیاز کریں انشاء اللہ جانوروں کی بیماری کافور ہو جائے گی۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو یا دعا مانگو یا کوئی چیز طلب کرو تو میرے وسیلے سے مانگو۔(194)

قبر کی زندگی

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ماں کے پیٹ میں بچوں کو زندگی کی دولت سے نوازا پھر دنیا کی زندگی دی پھر موت سے دوچار کیا مرنے کے بعد مؤمن مرد اور مؤمنہ عورتیں جب قبر میں جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں حیات طیبہ سے سرفراز فرماتا ہے۔ ارشادِ ربانی کا ترجمہ ملاحظہ ہو: جو اچھا کام کرے مرد ہو یا عورت جب کہ وہ مؤمن ہوں تو ضرور ہم اسے زندہ رکھیں گے پاکیزہ زندگی کے ساتھ اور ہم انہیں ضرور صلہ دیں گے ان کے بہترین کاموں کا جو وہ کرتے ہیں۔(195)

اس آیت کے تحت علامہ امام خازن اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ پاکیزہ زندگی سے مراد قبر کی زندگی ہے۔(196)

علامہ خازن کی تائید میں قرآن مجید کی متعدد آیات اور حدیث شریف کے بہت

سارے واقعات موجود ہیں علاوہ ازیں ان کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نیک عمل کرنے والے مؤمن کی دنیوی زندگی تو پہلے سے پاک ہے کہ وہ اپنی فانی زندگی میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام پر عمل کر کے اپنے زندگی کو پاک بنا چکا ہے جب وہ اس دنیا کو چھوڑ کر عالمِ برزخ میں جائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے قبر میں پاکیزہ زندگی عطا فرمائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت اس کی تائید کرتی ہے کہ بعض صحابہ نے ایک قبر پر بے خبری میں خیمہ نصب کر دیا تو قبر سے ''تَبَارَكَ الَّذِیْ'' کی تلاوت کی آواز آنے لگی اس نے پوری سورۃ پڑھ دی۔ خیمہ لگانے والے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا یہ سورۃ اللہ کے عذاب کو روکنے والی ہے اور (قبر کی تکلیفوں سے) نجات دلانے والی ہے۔(197)

محدثین فرماتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر والے کی تلاوت کی تائید فرما کر واضح کر دیا ہے کہ اللہ والے اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خبردار! ولی مرتے نہیں بلکہ وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہیں۔(198)

جلیل القدر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ چار ولی ایسے ہیں (جو نہ صرف اپنی قبروں میں زندہ ہیں بلکہ وہ) اپنی قبروں میں ایسا تصرف کرتے ہیں جیسا کہ زندہ کرتا ہے۔

(1) شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

(2) شیخ معروف کرخی رضی اللہ عنہ

(3) شیخ عقیل منبجی رضی اللہ عنہ

(4) شیخ حیاۃ بن قیس حرانی رضی اللہ عنہ(199)

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی نے فرمایا جس سے حیاتی میں مدد مانگتا رہا ہے اس کے وصال کے بعد بھی اس سے مدد مانگے۔ مشائخِ صوفیہ اور بعض فقہا اہلِ قبور سے استمداد کے قائل ہیں، اہل کشف اور اہل کمال کے نزدیک یہ مسئلہ شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ امام شافعی

فرماتے ہیں: امام موسیٰ کاظم کا مزار پاک تریاق مجرب ہے۔(200)

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج 3 ص 178 کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ

وَیَجُوْزُ التَّوَسُّلُ اِلَی اللهِ تَعَالیٰ، وَالْاِسْتَغَاثَۃُ بِالْاَنْبِیَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ بَعْدَ مَوْتِھِمْ لِاَنَّ الْمُعْجِزَۃَ وَالْکَرَامَۃَ لَا تَنْقَطِعُ بِمَوْتِھِمْ وَعَنِ الرَّمَلِیْ اَیْضًا بَعْدَمِ انْقِطَاعِ الْکَرَامَۃِ بِالْمَوْتِ وَعَنْ اِمَامِ الْحَرَمَیْنِ وَلَا یُنْکِرُ الْکَرَامَۃَ وَلَوْ بَعْدَ مَوْتٍ اِلَّا رَافِضِیٌّ۔(201)

انبیا اور صالحین سے ان کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا وسیلہ پیش کرنا اور ان سے مدد مانگنا جائز ہے کیونکہ معجزہ اور کرامت ان کے انتقال سے منقطع نہیں ہوتے امام رملی بھی یہی فرماتے ہیں کہ وصال سے کرامت منقطع نہیں ہوتی، مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے امام نے فرمایا ہے اولیا کے وصال کے بعد ان کی کرامت کا منکر رافضی ہے۔ لہٰذا غوثِ اعظم اور دیگر اولیاء اللہ کا مزار سے مدد کرنا اور تصرف فرمانا شرعاً ثابت ہے۔ کوئی اہلحدیث، اہل تفسیر اور اہل تاریخ اس کا منکر نہیں ہے۔ قطب الاقطاب حضرت سید جلال الدین بخاری کے پیر و مرشد اور قطب الاقطاب حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت بخاری اوچی کے دادا پیر شیخ الاسلام والمسلمین شیخ المشائخ حضرت غوث بہاؤالحق ملتانی کا استغاثہ ملاحظہ ہو۔

معلا حب سبحانی مقدس قطب ربانی
علی سیرت حسن ثانی محی الدین جیلانی
مدد یا شاہ جیلانی بریں افتادہ حیرانی
تو ملجائی وجانانی محی الدین جیلانی
چہ تابد، با ثنا خوانی اگر خواہش ہمیدانی
کنی ہر مشکل آسانی محی الدین جیلانی
مدد یا شاہ جیلانی نظر یا شاہ صمدانی

کرم یا شیخ ربانی، محی الدین جیلانی
بکن کارم کہ بتوانی غریبم در پریشانی
جہاں را پیر پیرانی محی الدین جیلانی
بدل از صدق روحانی چو مدح پیر پیرانی
مرا از غم تو برہانی محی الدین جیلانی
سگ درگاہ جیلانی بہاؤالدین ملتانی
لقائے دین سلطانی محی الدین جیلانی (202)

حضرت سید عبدالوہاب بن غوث پاک رضی اللہ عنہ

سید عبدالوہاب کی ولادتِ باسعادت 25 شعبان 522 یا 542ھ میں حضور غوث پاک کے گھر میں ہوئی تھی۔ آپ نے اپنے والدِ ماجد سے علومِ نقلیہ، عقلیہ وروحانیہ حاصل کیے تھے۔ دوسرے اساتذہ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا، ہر ایک علم میں یدِ بیضا رکھتے تھے۔ کراماتِ ظاہرہ اور مقاماتِ فاخرہ کے پیکر تھے، حقائق ودقائق کے سمندر کے شناور تھے، آپ قدوۃ السالکین اور حجۃ الصادقین یعنی حضور غوث اعظم کے ہر لحاظ سے جانشین تھے ایک بار آپ نے غوث اعظم کے سامنے وعظ فرمایا لیکن لوگوں نے کوئی دلچسپی نہ لی لوگوں نے غوثِ پاک کی بارگاہ میں عرض کیا: آپ وعظ فرمائیں، جب آپ نے وعظ شروع کیا تو خلقت چیخ اٹھی، ایسے نکات بیان فرمائے کہ سامعین دنگ رہ گئے جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے عرض کیا! ابا حضور مجھے یہ مدارج کب حاصل ہوں گے اور میرے کلام میں یہ تاثیر کیونکر پیدا ہوگی؟ فرمایا: میرے پیارے بیٹے! ابھی آپ نے زمین کا سفر طے کیا ہے جب آسمانی سفر کرو گے تو پھر یہ مقام حاصل ہوگا۔ فرمایا: جب میں کرسیِ وعظ پر بیٹھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ میرے دل پر تجلیات کی بارش برساتا ہے اس بارش کے قطرات کو لوگوں میں بانٹتا ہوں۔ یہ سن کر سید عبدالوہاب نے علوم باطنی وروحانی کی ریاضت کی اس میں انہیں یدطولیٰ حاصل ہوا اور معارف کے اس درجۂ معراج پر پہنچے کہ اپنے والد ماجد حضور

غوث اعظم قدس سرہ کے قائم مقام بنے اور آپ کی مسند پر بیٹھ کر خلقِ خدا کو فیض یاب فرمایا آپ کے وعظ میں وہی تاثیر پیدا ہوگئی جو غوث اعظم کے وعظ میں تھی۔ آپ نے پوری زندگی مظلوموں کی مدد فرمائی غریبوں کی حاجت روائی کی، خلیفہ ناصر الدین نے بھی آپ کو لوگوں کی حاجت برآری کیلئے مقرر فرمادیا تھا۔ بالآخر یہ علم وعرفان کا سورج ایک عالَم کو علم کے نور سے روشن کرنے کے بعد 25 شوال 593ھ جمعرات کی رات کو غروب ہوگیا۔

آپ نے دو بیٹے سید صفی الدین عبدالسلام اور ابوالفتح ضیاء الدین سلیمان اور ایک دختر نیک اختر ''عائشہ بی بی'' کو چھوڑا۔ (غوث اعظم مولانا برخوردار ملتانی)

سید صفی الدین عبدالسلام رضی اللہ عنہ

سید صفی الدین کی ولادت حضور غوث کی موجودگی میں ہوئی اور آپ بچپن میں اپنے دادا کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوتے رہے، ان کا لقب جمال الفقہاء، زین الصلحاء والمحدثین تھا ان کو حضور غوثِ پاک اور اپنے والد گرامی کی شاگردی حاصل ہوئی، بغداد کے محدثین آپ سے حدیث سماعت کرتے تھے، آپ عظیم المرتبت مدرس ومفتی تھے۔ اہلِ علم آپ کے سامنے نیازِ جبیں خم کرتے تھے۔ خلیفہ ظاہر باللہ آپ کا شاگرد تھا۔

3 رجب المرجب 611ھ میں آپ کا وصال ہوا اور آپ دنیا کو چھوڑ کر خلدِ آشیاں ہوئے۔ بحر السرائر میں ہے۔ آپ کے دو فرزند ارجمند تھے۔

(1) سید احمد (2) سید حسن

اور ایک صاحبزادی ''سیدہ فاطمہ'' تھی۔ (حوالہ بالا)

سید احمد گیلانی حلبی رضی اللہ عنہ

سید احمد کا لقب علم الدین تھا آپ کی ولادت 558ھ میں ہوئی تھی۔ آپ نے اپنے والدِ ماجد سے علوم کی تکمیل کی پھر مسندِ درس پر جلوہ افروز ہوئے اور شیخ شیوخ عالم کے مرتبہ پر پہنچے۔ بغداد شریف میں خلقِ خدا کو فیض یاب کرنے کے بعد جب وہاں فسادات رونما

ہوئے تو آپ روم چلے گئے یہاں آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ عزت بخشی کہ آپ کی ولایتِ عظمیٰ اور قطبیتِ کبریٰ کا ڈنکا بجنے لگا، لوگ جوق در جوق بیعت ہونے لگے۔ آپ کا وصال 630ھ میں ہوا، آپ کے واصل باللہ ہونے سے کچھ عرصہ قبل اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند ودیعت فرمایا۔ اس کا نام سید مسعود گیلانی تھا۔ (حوالہ بالا)

سید مسعود گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام سید مسعود تھا اور لقب محی الدین تھا، کنیت ابوالبرکات تھی آپ اوصافِ جمیلہ کے مالک تھے۔ اور فہم وفراست کے تاجدار تھے آپ کی وفات 1262ء میں ہوئی۔ آپ نے اپنے ورثا میں صرف ایک صاحبزادہ چھوڑا۔ اس کا نام سید علی گیلانی تھا جو سلسلہ قادریہ کا وارث بنا۔ (ایضاً)

سید علی گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

سید علی کی کنیت ابوالحسن تھی اور لقب ضیاء الدین تھا آپ بہت بڑے عالم، متقی اور پرہیزگار تھے۔ آپ نے خلقِ خدا کی تربیت شریعت کے مطابق فرمائی اور 1315 عیسوی میں راہیِ خلد ہوئے۔ اپنے بعد ایک فرزند سید شاہ میر گیلانی کو چھوڑا جس نے اس خاندان کے فیض کو آگے بڑھایا۔ (ایضاً)

سید شاہ میر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ شاہ میر گیلانی جلیل القدر بزرگ تھے۔ پارسا تھے مناقبِ عظمیٰ ومراتبِ کبریٰ کا پیکر تھے آپ کی کنیت ابومحمد تھی آپ کا لقب سلطان المشائخ اور مخدوم الاولیاء تھا، صاحبِ کرامات اور عالی مقامات تھے آپ نے دنیا کو چھوڑ کر جب خلد کی راہ اختیار فرمائی تو 1365ء تھا۔ آپ نے اپنے بعد ایک بیٹا چھوڑا، اس کا نام سید محمد شمس الدین تھا۔ (ایضاً)

سید شمس الدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

سید محمد شمس الدین بہت بڑے ولی اللہ تھے، صاحبِ شان وشوکت تھے۔ ہلاکو خان

کے فساد کی وجہ سے حلب تشریف لائے۔ اہلِ حلب نے آپ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا، لوگوں میں آپ کی کرامتوں کا چرچا تھا۔ حضرت بندگی محمد غوث کی ولادت حلب میں ہوئی، سید بندگی محمد غوث حلب سے اوچ میں تشریف لائے۔ سید محمد شمس الدین کا وصال 1431ء میں ہوا تھا۔ آپ کا مزار مطلعِ انوار حلب میں ہے۔ (203)

حضرت مخدوم سید محمد غوث بندگی اوچی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مخدوم سید محمد غوث المعروف حضرت غوث بندگی رحمۃ اللہ علیہ جن کو شیخِ محقق علیہ الرحمہ نے شیخ محمد الحسینی کے نام سے یاد کیا ہے۔ 793ھ میں پیدا ہوئے اور سرزمینِ اوچشریف میں 894ھ میں وصال فرمایا تھا۔ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب آپ اوچشریف کو مسکن بنانے کیلئے تشریف لائے تو یہاں کے بزرگوں نے ان کے لیے دودھ کا پیالہ بھیج دیا، آپ نے دودھ کے اوپر گلاب کا پھول رکھ کر پیالہ واپس کر دیا تو بزرگوں نے آپ کو خوش آمدید کہا، دودھ کا پیالہ بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ یہاں بزرگوں کی کثرت ہے اور یہاں روحانیت کے دودھ کی نہریں رواں دواں ہیں، یہاں آپ کی چنداں ضرورت نہیں ہے، آپ کسی اور علاقے میں تشریف لے جائیں۔ آپ نے ان کی بات کو بھانپ لیا تھا اور دودھ کے بھرے ہوئے پیالے میں پھول رکھ کر پیالہ واپس کر دیا یعنی ان کو بتا دیا کہ آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں ہم آپ حضرات کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں گے بلکہ پھول کی طرح خوشبو بکھیریں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ شیخِ محقق نے آپ کے سلسلۂ نسب کے بارے میں لکھا ہے کہ چھ واسطوں سے حضور پرنور غوث اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے یعنی حضرت محمد غوث بن سید شاہ امیر بن سید مسعود بن سید احمد بن سید صفی الدین بن سید السادات منبع البرکات شیخ سیف الدین عبد الوھاب بن شیخ السموت والارض محی الدین ابی محمد عبدالقادر الجیلی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ (204)

لیکن مولوی حفیظ الرحمان نے آپ کے والدِ ماجد کا اسم گرامی سید شمس الدین محمد حلبی لکھا ہے (205) شمس الدین محمد بن سید شاہ امیر قادری بن سید ابی علی صوفی بن سید مسعود بن سید ابی الیاس احمد بن سید صفی الدین صوفی بن حضرت سیف الدین عبدالوہاب بن شیخ المشائخ

حضرت پیر سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہم۔ (آگے سلسلہ نسب یوں ہے۔)

وہ بیٹے ہیں سید ابوالصالح موسیٰ بن سید عبداللہ ثالث بن سید یحیٰ زاہد بن سید محمد مورث بن سید داوٗد بن سید موسیٰ ثانی بن سید موسیٰ بن سید عبداللہ ثانی بن سید عبداللہ محض بن سید حسن مثنی بن امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، امام الائمہ، مالک الازمہ، واقفِ اسرارِ خفی وجلی سیدنا مولا علی و مالکِ عصمت رشکِ عفت خاتون جنت سیدہ طیبہ فاطمۃ زہرا رضی اللہ عنہم۔(206)

قطب الاقطاب، سلطان العارفین، قدوۃ السالکین، قطب الاولیا، غوث الاتقیا، مخدومِ جہاں، محبوبِ جہانیاں حضرت مخدوم محمد غوث الحسنی الحسینی الجیلانی البغدادی الخراسانی الیونانی اوچی۔ صاحبِ عظمت وکرامت وشوکت وجلالت تھے جس طرح علمِ باطنی وروحانی میں یکتائے زمانہ تھے اسی طرح علمِ ظاہر میں جامع علوم معقول ومنقول، حاوی فروع واصول تھے، مجمعِ فضائل حسبی ونسبی منبع کمالات وہبی وکسبی تھے کچھ عرصہ روم میں جلوہ فگن رہے پھر یونان تشریف لے گئے وہاں فیضان وعرفان کے دریا سے خلقِ خدا کو سیراب کرتے ہوئے 864ھ میں بعہد سلطان قطب الدین لنگاہ ملتان تشریف لائے۔(207)

شیخِ محقق علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ آپ روم سے خراسان اور وہاں سے ملتان رونق افروز ہوئے اس کے بعد اوچشریف کو قدومِ میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا۔ قطب الاقطاب حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت رضی اللہ عنہ کی طرح آپ کو بھی سیر وسیاحت کا بے حد شوق تھا آپ نے روئے زمین کا سفر کر کے اسے شرفِ استراحت بخشا آپ جب اوچشریف میں مقیم ہو گئے تو لوگ جوق در جوق آپ کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے لگے بادشاہِ وقت بھی آپ کا مرید ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا ایک بار بادشاہ نے کسی مسئلہ کے لئے مجلسِ مباحثہ منعقد کرائی، علما جمع تھے، مخدوم صاحب کو بھی بلایا گیا۔ علمائے ظواہر نے یہ امر طے کر لیا کہ مخدوم صاحب پہ الزام کی صورت نکل آئے تو ہمارا بول وبالا ہو جائے گا ورنہ ان کی گرم بازاری ہماری عزت ومرتبے کو ٹھنڈا کر دے گی۔ پھر ایک پر پیچ سوال آپ کے سامنے رکھ دیا اور کہا اس کا جواب آپ کے ذمہ ہے، وقت تنگ ہو چکا تھا اس لیے آپ نے

فرمایا: اس کا جواب کل دوں گا رات کو نیم بیداری کی حالت میں مولائے کائنات، باب مدینۃ العلم حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کا دیدار نصیب ہوا آپ نے فرمایا: اے میرے فرزند ارجمند جواب دندان شکن ہو۔ آپ نے بطورِ انکساری عرض کی: حضور! میرے پاس کچھ نہیں۔ فرمایا: منہ کھولو! آپ نے منہ کھولا تو شیر خدا نے اپنا لعاب مبارک آپ کے منہ مبارک میں ڈال دیا اور فرمایا جواب دندان شکن ہوگا۔ آپ بہت خوش وخرم مجلسِ مباحثہ میں تشریف لے گئے اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ جواب بیان فرمایا اور ایسے استدلال قائم فرمائے کہ علمائے کرام دنگ ہو گئے اور کہنے لگے ایسا جواب مرحمت فرمانا آپ کا حصہ ہے ہمارے علوم وعقول کو اس مقام تک پہنچنا دشوار ہے۔ (208)

دہلی کے بادشاہ سلطان بہلول لودھی متوفی 894ھ نے اپنے شہزادے کو 9000 فوجِ جرار کا سپہ سالار بنا کر سلطان حسین لنگاہ والیِ ملتان پر حملہ کرنے کیلئے روانہ کیا، ہاتھیوں کا دستہ بھی ساتھ تھا۔ سلطان حسین یہ خبر سن کر بہت پریشان ہوا وہ آپ کا غلام تھا اور ہر کام میں آپ کے مشورے پر عمل کرتا تھا، آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: مقابلہ ناگزیر ہے! آپ نے فرمایا: تم اپنی فوج کو مقابلے کیلئے روانہ کر دو! دہلی کی فوج نعرے لگاتی ہوئی میدانِ کارزار میں آ گئی اور دوسرے دن صبح کے وقت مقابلہ شروع ہونا تھا مخدوم صاحب کا قاصد بادشاہ کے پاس آیا اور کہا کہ سرکار فرماتے ہیں ''غمگین مباش'' یعنی غم نہ کر انشاء اللہ کل فتح آپ کی ہوگی۔ بادشاہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا حضور یہ جملہ مجھے اپنے منہ مبارک سے سناؤ! آپ نے فرمایا: حضور غوث الثقلین قدس سرہ العزیز نے مجھے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے مرید سلطان حسین کو تسلی دو! وہ کوئی فکر نہ کرے ہم دہلی کے لشکر کو تتر بتر کر دیں گے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو دہلی کا لشکر لڑنے کی تاب نہ لا سکا، بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ سلطان حسین کو فتح نصیب ہوئی، بادشاہ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور حضرت مخدوم علیہ الرحمہ کی قدم بوسی کی۔ مخدوم سید محمد غوث، شعر گوئی میں بھی کمال رکھتے تھے قادری تخلص تھا۔ اکثر اشعار حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے بارے ہوتے تھے۔ (209)

شیخِ محقق نے چند بیت لکھے ہیں۔

رندیم و قلندریم و چالاک
مستیم و معربدیم و بیباک

جامیم و صراحیم و بادہ
دُرو صدفیم و بحر و خاشاک

والی ولایت شش و پنج
حامی بلاد فہم و ادراک

مجموعۂ راز عالم دل
منصوبہ کشائے سر لولاک

بگذشتہ ز خویش بے کدورت
نگذشتہ ز عشق جوہر خاک

آئینہ صاف باغل و غش صافی
صافی دل و پاک رائے شکاک

گر صاف شوی و پاک دائم
میگوئی چو قادری تو ناپاک

ما بلبل بوستان قدیم
شہباز سفید دست انسیم

اس آخری شعر میں حضرت شیخ عبدالقادر کی ولایت کی طرف تلمیح اور اشارہ ہے اور یہ اس طرح کہ شہبازِ سفید، شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی کا لقب ہے جس کی بعض متقدمین مشائخ نے آپ کی پیدائش سے پہلے خوشخبری دی تھی کہ شیخ عبدالقادر کو فرشتے بازِ اشہب کہتے ہیں۔آپ قصیدہ قطبیہ میں فرماتے ہیں۔

أَنَا بَلْبَلُ الْأَفْرَاحِ أَمْلَاءَ دَوْحَهَا
طَرَبًا وَفِي الْعُلْيَاءِ بَازٌ أَشْهَبٍ

آپ کا وصال نوے برس کی عمر میں 823ھ میں ہوا آپ کا روضہ اوچ میں ہے۔ آپ کے تین بیٹے تھے ایک کا نام عبدالقادر ثانی تھا وہ مخدوم ثانی کے لقب سے مشہور تھے، دوسرے کا نام سید عبداللہ تھا جو بہت سلیم الطبع اور اپنے زمانہ کے بے مثل شاعر تھے، کہتے ہیں کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی آپ سے شعروں کی اصلاح لیا کرتے تھے، تیسرے کا نام سید مبارک تھا جو بہت بڑے بزرگ تھے، ان سے ایک بیٹا تھا جس کا نام میرِ میران تھا وہ لاہور میں رہتے تھے۔ (210)

حضرت مخدوم محمد غوث قدس سرہ العزیز کی دو بیویاں تھیں ایک بیوی سلطان قطب الدین لنگاہ کی دختر تھی اس سے کوئی اولاد نہ ہوئی دوسری بیوی حضرت سید صفی الدین حقانی کے خاندان سے تھی اس کا نام فاطمہ تھا۔ اس کے بطن مبارک سے چار بیٹے ہوئے، سید عبدالقادر ثانی محبوب سبحانی، سید عبداللہ ربانی، سید مبارک حقانی، سید محمد نورانی، اخبار الاخیار میں تین صاحبزادوں کا ذکر ہے سید محمد نورانی کا ذکر نہیں ہے۔

مخدوم شیخ سید عبدالقادر ثانی محبوب سبحانی اوچی رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ محمد غوث بندگی حسنی جیلانی کے فرزندِ ارجمند اور شیخ عبدالقادر ثانی سے ملقب تھے، بڑے بلند پایہ عالی مقام، صاحبِ کرامات بزرگ تھے اور کمالات کے ان مقامات تک رسائی کر چکے تھے جو عقل کی حدود سے وراء الوریٰ ہیں، بہت سے کفار و فساق آپ کی صورت دیکھ کر اسلام لائے تھے، آپ شہرِ اوچ میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے حقیقی وارث ہونے کی حیثیت سے رہتے تھے، اسی لیے آپ کو عبدالقادر ثانی اور مخدومِ ثانی کہا جاتا تھا آپ اپنا ثانی نہ رکھتے تھے اسی لئے اس لقب سے مشہور ہوئے۔

منقول ہے کہ آپ نے جوانی کا زمانہ نہایت تزک و احتشام سے گزارا تھا، آپ عیش و نشاط کے اتنے رسیا تھے کہ مزامیر وغیرہ کو اپنے ساتھ اونٹوں پر جہاں جاتے ساتھ لے جایا

کرتے تھے لیکن سجادہ نشین ہوجانے کے بعد آپ نے اسبابِ تغنی اور ایسی مجالس میں بیٹھنے سے توبہ کرلی اور اپنے مریدوں کو بھی قوالی وغیرہ سے بڑی سختی اور شدت سے منع فرمایا کرتے تھے اور اگر اتفاق سے کسی گانے والے یا طبلہ وسارنگی کی آواز آپ کے کان میں پڑ جاتی تو اتنا روتے اور خدا کے حضور آہ وبکا کرتے کہ دیکھنے والوں کو یہ یقین ہوجاتا کہ آپ ابھی وفات پا جائیں گے۔

آپ پر جذبہ کی حالت کی ابتدا یوں ہوئی کہ آپ ایک روز اوچ کے کسی جنگل میں شکار کھیل رہے تھے کہ ایک تیتر عجیب وغریب آوازیں نکال رہا تھا، اسی جنگل میں ایک فقیر اور درویش بھی گھوم رہا تھا، اس نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ سبحان اللہ! ایک روز ایسا بھی آئے گا کہ یہ نوجوان بھی اس تیتر کی طرح آہ ونالہ کرے گا، اس فقیر کی یہ بات آپ پر ایسی اثر انداز ہوئی کہ اسی وقت آپ پر وجد طاری ہوگیا اور ماسوی اللہ سے دل نفرت کرنے لگا، بعدہٗ کیفیت یہ تھی کہ روزانہ آپ پر شوق کے آثار، جذبہ ووجد کے اسباب، محبتِ الٰہی کے انوار موسلا دھار بارش کی طرح برسنے لگے یہاں تک کہ تمام چیزوں سے دل ہٹ کر خدا کی جانب متوجہ ہوگیا۔

منقول ہے کہ آپ کے والدِ بزرگوار کے پاس کہیں سے مخمل کے تھان آئے انہوں نے آپ کے پاس یہ کہہ کر بھجوائے کہ ان سے اپنا لباس بنالو، لیکن شیخ نے ان مخمل کے تھانوں کی اپنے شکاری کتوں کی جھولیں سلوالیں، اس کی خبر جب آپ کے والد صاحب کو ہوئی تو انہوں نے آپ کو بلاکر خوب ڈانٹا۔ اس کے بعد آپ کے والدِ ماجد کو اسی رات خواب میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی آپ نے فرمایا کہ تم اپنے دوسرے بچوں کی دیکھ بھال کرو۔ اس واقعہ کے ساتھ ہی شیخ عبدالقادر ثانی پر جذب ووجد کی فراوانی ہوگئی۔ توبہ کر کے عیش ونشاط ولذات سے دور رہنے لگے، مزامیر، باجے، طبلہ وسارنگی سب توڑ کر پھینک دیے اور شکاری جانور چھوڑ دیے سر منڈوا کر سلوک کی راہ لی۔ آپ کے والدِ بزرگوار جب رحلت فرمانے لگے تو آپ کے سب بھائیوں میں سے آپ ہی کو اپنا جانشین مقرر کیا، آپ

کے دوسرے بھائی اس وقت کے بادشاہ کے خاص ملازم تھے اور آپ نے بادشاہ کی ملازمت کو ایک عرصہ پہلے ہی ترک کر دیا تھا آپ کی ترکِ ملازمت پر بادشاہِ وقت اگرچہ آپ پر خفا تھا مگر جب آپ کے والد صاحب کا انتقال ہوا تو بادشاہ نے آپ کے زمانے کے مقرر کردہ وظائف کے علاوہ وظائف میں مزید اضافہ کیا اور اس کی اطلاع کے لیے اپنے ایک خاص آدمی کو آپ کی طرف بھیجا مگر آپ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ہمیں آپ کے وظائف کی اب ضرورت نہیں اس کے خواستگار اور بہت ہیں۔ آپ نے برس ہا برس اسی طرح گزار دیئے اور لوگوں سے جتنی تکالیف اور اذیتیں پہنچتی رہیں سب کو صبر اور خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

ایک بار بادشاہِ وقت نے ایک فرمان بایں مضمون آپ کے نام جاری کیا اور اپنی مجلس میں بلانا چاہا کہ اگر آپ ہم کو اپنی تشریف آوری سے نوازیں تو عین سعادت ہوگی اور اس سے پہلے ہماری مجلس میں حاضر ہونے میں جتنی تقصیرات ہوئی ہیں وہ ہم نے سب کی سب معاف کر دی ہیں، آپ نے اس کو جواب میں یہ لکھا،

ہیچ باب ازیں باب روئے گشتن نیست

ہر آنچہ بر سرما می رود مبارکباد

کسے کہ خلعت سلطانِ عشق پوشید است

بحلہائے بہشتی کجا شود دل شاد

ترجمہ:۔ ہم اس دروازے کو چھوڑ کر اور کسی دروازے پر نہیں جا سکتے، اس کے صلہ میں ہمیں جو کچھ برداشت کرنا پڑے گا اسے خندہ پیشانی سے قبول کریں گے۔

جس نے عشق کی بادشاہی کا لباس پہن لیا ہو اس کا ان بہترین لباسوں سے دل مسرور نہیں ہوتا۔

یہ واقعہ بھی بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ سلطان سنجر نے حضرت غوث اعظم کو لکھا تھا کہ اگر آپ ہمارے پاس تشریف لائیں تو سیستان کی حکومت جس کو ملک نیمروز کہتے ہیں آپ کی

خانقاہ کے لنگر کے لیے وقف کر دی جائے گی تو آپ نے اس کے جواب میں لکھا،

چوں چتر سنجری رُخ بختم سیاہ باد
جز فقر اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانکہ یافتم خبر از ملک نیم شب
صد ملک نیمروز بیک جو نمی خورم

بعض لوگ اس حکایت کو شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں۔

ابتداً آپ (شیخ عبدالقادر ثانی) کو ورد و وظائف کا اس حد تک شوق تھا کہ تمام دن عبادت میں مصروف رہتے اور کسی سے کلام نہ کیا کرتے تھے بعدہٗ عشقِ الٰہی کے استغراق میں یہ کیفیت تھی کہ فرائض و سنن سے فراغت کے بعد جتنا وقت ملتا اسے مراقبہ میں صرف کرتے، فجر کی نماز سے اشراق تک اور اشراق کے بعد سے چاشت تک اسی طرح ایک نماز سے دوسری نماز تک مراقبہ میں مستغرق رہتے، البتہ جب بہت تھک جاتے تو تھوڑی دیر مسجد کی چٹائی پر آرام کر لیتے، بسا اوقات آپ خود ہی اذان دینے کے بعد گھروں میں جا کر لوگوں کو بیدار کرتے اور فرماتے اٹھو! یہ وقت نیک بختی اور خوشی کا ہے۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تو فرماتے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے اسی ساعت میں (یعنی صبح کو) اپنے جمالِ پر انوار سے نوازا کرتے ہیں اس لیے چاہتا ہوں کہ تم لوگوں کو بھی یہ فیض نصیب ہو مگر تم لوگ اس وقت اٹھنے میں کوتاہی کرتے ہو۔

ایک دن ایک قوال آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس سے فرمایا کہ توبہ کرو اور رباب و ستار کو توڑ کر پھینک دو اور درویش بن جاؤ، اس بدنصیب قوال کو توبہ کی سعادت نصیب نہ ہوئی البتہ ایک رئیس اسی مجلس میں بیٹھا تھا آپ کی یہ بات اس کے دل میں اثر کر گئی تو اس نے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کی، ابھی وہ گریہ وزاری کر رہا تھا کہ اسے خدا نے ولایت کے بلند مقام پر فائز کر دیا اور وہ یہ کہنے لگا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا گجراتی

بھائی فوت ہو گیا اور اس کا جنازہ جا رہا ہے، اب لوگوں نے اسے دفن کر دیا۔ سو آپ کی یہ برکت تھی کہ ادنیٰ توجہ سے ایک نو مسلم کو اسی وقت جلی کشف حاصل ہو گیا۔

ملتان میں ایک بار بڑی شدت اور تیزی سے طاعون پھیلا، لوگوں کے تمام کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گئے، اس زمانے میں لوگ وہاں سے گھاس لیجاتے جو آپ کے وضو کا پانی پڑنے سے اُگی تھی، اسے طاعون کی پھنسی پر لگاتے تو اللہ کے حکم سے صحت یاب ہو جاتے تھے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے میرے ہاتھ میں ایسی تاثیر رکھی ہے کہ میں جس بیمار پر ہاتھ پھیر دوں خدا اس کو شفا اور تندرستی عطا فرما دیتا ہے اور یہ اثر صرف اس وجہ سے ہے کہ مجھے شیخ عبد القادر جیلانی سے نسبت ہے کیونکہ آپ کے زمانے کے اکثر لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ شیخ عبد القادر جیلانی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کیا کرتے تھے اور مردہ لوگوں کو زندہ کرتے تھے، آپ کی کرامات میں سے ایک عجیب کرامت یہ ہے کہ اوچ میں ایک دفعہ اس قسم کی وبا پھیلی کہ لوگوں کی پسلیوں میں درد ہوتا اور کسی علاج سے فائدہ نہ ہوتا۔ اس درد کی وجہ سے لوگ برابر مر رہے تھے اسی دوران میں غیاث الدین لنگاہ جو بڑے صالح اور متقی بزرگ تھے اور آپ کی خدمت گزاری میں ہمیشہ لگے رہتے تھے ان کو نبی علیہ السلام نے ایک ذراع کی مقدار لمبے بانس کی لاٹھی دی اور فرمایا کہ اس کو لے جا کر ہمارے بیٹے عبد القادر ثانی کو دے دو اور اسے کہہ دو کہ اس پر دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر جس مریض کو لگا دو گے وہ بحکمِ الٰہی فوراً تندرست ہو جایا کرے گا اور اسی رات آپ کو خواب میں نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم نے غیاث الدین کو ایک امانت دی ہے وہ لے لو اور استعمال میں لاؤ! کہتے ہیں کہ اس بانس کے ٹکڑے کے متعلق ملتان میں اب تک قصے مشہور ہیں۔ آپ کی والدہ سادات میں سے تھیں۔ شیخ ابوالفتح کی بیٹی تھیں جو سید صفی الدین گازرونی کی اولاد میں سے تھیں۔

اوچ کی تعمیر بھی سید صفی الدین نے شروع کی تھی کہتے ہیں کہ سید صفی الدین گازرونی کو ان کے ماموں شیخ ابو اسحاق نے خرقۂ خلافت پہنا کر ایک اونٹ پر سوار کیا اور فرمایا کہ جدھر

یہ اونٹ جائے تم خوشی سے ادھر ہی چلتے رہو، جہاں جا کر یہ بیٹھ جائے اسی جگہ کو اپنا وطن بنا لینا، چنانچہ اونٹ اوچ کی سرزمین میں آکر بیٹھ گیا، آپ نے اس کو اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ اُٹھا تو آپ نے اپنے شیخ کے حکم کے مطابق اسی جگہ کو اپنی جائے سکونت بنایا جسے اس زمانے میں اُچہ کہتے تھے۔

کہتے ہیں کہ اوچ کے خطہ اور جنگل میں وہ کیفیت وحالت ہے جو کسی دوسری جگہ کو نصیب نہیں اور یہی وہ سرزمین ہے جو وادئ فراق ودیوانگی کی راہ دکھاتی ہے۔ اس وقت یہ آبادی پہلے زمانہ کی آبادی کی طرح نہیں ہے ہاں بزرگانِ ملت کے مقابر موجود ہیں، اب اس کی بہت معمولی آبادی ہے، اس وقت بھی اس جگہ پہنچ کر ایسا وجد وکیف طاری ہوجاتا ہے جو دائرۂ تحریر سے باہر ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے تو اس مقام پر اور بھی زیادہ کیفیات طاری ہوتی ہوں گی، یہ شیخ ابوالفتح آپ کی والدہ کے دادا تھے بہت بلند مرتبت بزرگ تھے، جنات کی تسخیر میں مہارت رکھتے تھے۔

شیخ عبدالقادر ثانی نے (78) برس کی عمر پائی اور 18 ربیع الاول 940ھ میں انتقال فرمایا، آپ کا مزار اوچ میں مرجعِ خاص وعام ہے جس کی زیارت کر کے لوگ برکت حاصل کرتے ہیں نیز آپ کے دو بیٹے بہت بڑے ولی اللہ تھے۔ آپ کے سات فرزند تھے، سید فتوح الملک (لاولد)، سید جلال (لاولد)، سید حسن (لاولد)، سید جعفر (لاولد)، سید حسین (لاولد) اور سید زین العابدین جو اپنے والد کے سامنے فوت ہوئے ان کی والدہ قوم لنگاہ سے تھی بہت صالحہ وعابدہ تھی۔ زین العابدین کا ایک بیٹا میر سید محمد غوث تھا جو مخدوم سید عبدالقادر ثانی کو بہت پیارا تھا 55 سال کی عمر میں فوت ہوا ان کا مزار ستگھرہ میں ہے۔ سید محمد غوث کے تین بیٹے تھے۔ سید عبدالقادر، سید بڈہا، سید اللہ بخش۔ سید عبدالقادر بہت عابد وزاہد تھے والئ عصر نے انہیں عرب شریف بھیج دیا، بہت بڑے تاجر تھے عرب شریف سے واپس لوٹے۔ سید بڈہا شباب کی حالت میں لاولد ہو کر خلد آشیاں ہوا۔ سید اللہ بخش اخلاقِ حمیدہ وصفات برگزیرہ سے آراستہ تھے، 994ھ میں بنگالہ تشریف لے گئے اور وہاں

وصال فرمایا ان کی اولاد لاہور میں ہے۔ سید فتوح الملک سید جلال حسن کی والدہ سید محمد بخاری کی دختر تھیں جو حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری اوچی کی اولاد سے تھے۔(211)

مخدوم سید عبدالرزاق جیلانی رضی اللہ عنہ

حضرت مخدوم سید عبدالرزاق جیلانی، حضرت مخدوم پیر سید عبدالقادر ثانی محبوب سبحانی کے بڑے صاحبزادے تھے صاحبِ معرفت اور جلیل القدر عالمِ دین اور ولی اللہ تھے بہت خوبصورت بلکہ ثانی یوسف تھے، زہد، تقوی اور پارسائی میں بے مثال تھے، اربابِ دنیا سے بے نیاز تھے، عالی ہمت اور صاحبِ سخاوت تھے، آپ کے فضائل ومناقب بکثرت ہیں۔ جب آپ ناگور تشریف لے گئے تو وہاں کے حاکم نے آپ کی تشریف آوری کو بہت بڑی غنیمت جانا اور بہت خوش ہوا اور آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو کر غلامی کی سعادت حاصل کر لی اور ایک زرخیز جاگیر خانقاہ و فقرا کی ضرورت کیلئے وقف کر دی۔ آپ اپنے والد ماجد کے وصال کے وقت ناگور میں تھے۔ بحر السرائر اور اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ایک دن مجلس آراستہ تھی، آپ نے فرمایا مجھے میرے والدِ گرامی نے یاد فرمایا ہے دوسرے دن فرمایا کہ آج رات کو دروازے پر آ کر آواز دی: عبدالرزاق جلد آؤ! لہٰذا آپ وہاں سے روانہ ہوئے جب اوچشریف تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ سرکار محبوب سبحانی دارِ فانی سے رخصت ہو گئے ہیں اور بوقتِ رحلت وصیت فرما گئے ہیں کہ عبدالرزاق ناگور سے جب واپس آئے تو یہ خرقہ انہیں پہنایا جائے اور اجازتِ خلافت و نعمت مشائخ ان کے سپرد کر دی جائے، حسبِ وصیت سب کچھ آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ آپ اوچشریف میں رہ کر فیض پاشی کرتے رہے، آپ نے خلقِ خدا کو اپنے فیض سے فیض یاب فرمایا اور ان کی روحانی وجسمانی تربیت فرمائی، بالآخر 942ھ میں داعیِ اجل کو لبیک کہا اور واصل باللہ ہوئے۔ آپ کا مزار مطلعِ انوار اوچشریف میں ہے آپ کی اولادِ امجاد تین بیٹوں پر مشتمل تھی۔ سید مخدوم حامد، سید مخدوم غلام علی، سید مخدوم شریف، سید غلام علی اور سید شریف لاولد رحلت فرما کر خلد آشیاں ہوئے مخدوم سید حامد سے سلسلۂ نسب چلا اور انہوں نے سجادگی کی مسند کو

زیب وزینت بخشی۔(212)

مخدوم پیر سید حامد جہاں بخش جیلانی قدس سرہ

پیر طریقت، رہبر شریعت، مخدوم المخادیم، حضرت پیر سید حامد بن مخدوم پیر سید عبدالرزاق قدس اللہ اسرارہ حضرت غوث اعظم، پیرِ پیران، میرِ میراں، محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی، غوثِ صمدانی، شہبازِ لامکانی، کائنات کے سلطان، غوث الانس والجان، مظہرِ محبوبِ رحمان، محی الملۃ والدین والایمان، حضرت شیخ پیر سید ابو محمد عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی رضی اللہ عنہ کے خلیفۂ مطلق اور صاحبِ سجادہ برحق تھے۔ بزرگ عالیشان، رفیع المکان، مظہر کبریاء جلال، صاحبِ تصرف وحال، مالکِ کرامت، منبعِ عظمت اور مرکزِ جلالت تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام کے جاہ وجلال سے آراستہ تھے۔ دنیوی ودینی بادشاہی سے پیراستہ تھے، روشن کرامات اور عالی خوارقات کا معدن تھے، سخاوت کا پیکر تھے اور جہاں بخش مشہور ہوئے۔ اپنے جدِ امجد سرکار محبوب سبحانی سید عبدالقادر ثانی کے مرید تھے آپ کی کنیت ابو الفیض وابو موسیٰ تھی۔ لقب جہاں بخش تھا، جس غلامِ بے دام ومریدِ سعید کو خلافت سے نوازتے تو یہ بھی فرماتے تجھے دونوں جہانوں کی سلطنت کا مالک بنادیا ہے۔ اگر کوئی آپ کی مخالفت کرتا تو مخالفت کرنے سے پہلے ذلیل وخوار ہوجاتا، آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ جیلانیہ تھیں، ان کا تعلق بھی آپ کے خاندان سے تھا۔ حضرت موسیٰ پاک شہید آپ کے فرزندِ دلبند ارجمند فرماتے ہیں کہ اہلِ ملتان سرکشی وتکبر سے آپ کی تکلیف کا باعث بنے۔ آپ نے فرمایا: یہ لوگ دریا کی وجہ سے مست ہوجاتے ہیں۔ اللہ کی قدرت کہ دریا خشک ہوکر ان سے دور چلا گیا۔ ایک بار خشک سالی نے لوگوں کو مفلوج کردیا، لوگ درِ دولت پر حاضر ہوئے اور اپنی بے کسی وبے بسی کا اظہار کیا۔ کہنے لگے: اب آپ کا سہارا ہے ہماری دستگیری فرمائیں ورنہ مخلوق ہلاک ہوجائے گی۔ اس وقت ایک قوال حاضرِ خدمت ہوا اسے حکم دیا کہ ملہار، راگ گاؤ! اس نے ملہار شروع کیا تو آپ کو وجد آگیا اور آپ کے دہنِ اقدس سے یہ کلمہ نکلا: ہمارا استسقاء (بارش طلب کرنا) یہی ہے۔ پھر ایسی بارش ہوئی کہ لوگوں کے مکان

پانی سے بھر گئے۔

حضرت موسیٰ پاک شہید قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ مغل بادشاہ ہمایوں کا زمانہ تھا آپ کی خدمت میں مرید جمع تھے کہ آپ کی زبانِ پاک سے یہ کلمے ظاہر ہوئے گھوڑوں کو داغنے کی وجہ سے ان کی فریاد منظور ہوگئی ہے اور فرمان ایزدی جاری ہوگیا ہے کہ اب مغلوں سے ہندوستان چھین لیا جائے۔ کچھ عرصے کے بعد معاملہ دگرگوں ہوگیا۔ آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھ سے فزوں تھی آپ کے تمام خلفا باکمال تھے۔ ان میں سے حضرت شیخ داؤد کا درجہ بہت بلند تھا، یہ بہت عابد وزاہد تھے، صاحبِ کشف تھے ان کا مزارِ پرانوار شیر گڑھ میں ہے۔ شیر گڑھ پنجاب کا قصبہ ہے شیخ داؤد کا انتقال 982ھ میں ہوا تھا۔ حضرت مخدوم حامد جہاں بخش باوجود کثرتِ مالِ دنیا و دولت کے تکلف پسند نہ تھے۔ ایک بار شب خوابی والے لباس میں تہجد کی نماز ادا فرمائی اور صبح کی نماز بھی اسی لباس سے پڑھی۔ اس وقت بادشاہ کا قاصد خلعتِ فاخرہ لے کر خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا خواجۂ جہاں حضور سے ملنے کے مشتاق ہیں۔ مناسب حال بادشاہ مکان اراستہ کرائیں اور لباس کیلئے خلعت زیب تن فرمالیں۔ آپ نے جو جواب عنایت فرمایا وہ سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا: بادشاہِ مجازی کی ہم نشینی کیلئے وہ لباس جو معبودِ حقیقی کی عبادت سے مزین ہو چکا ہے نہیں بدلا جاسکتا۔ پھر اسی لباس سے بادشاہ کو ملاقات کا وقت عطا فرمایا اور ان لوگوں پر تعجب کیا جو مخلوق کے لیے طرح طرح کی آرائش کرتے ہیں۔ وحدت الوجود کا مسئلہ آپ کے پیش نظر رہتا تھا، فرماتے تھے کہ سالک کے ظاہری اعمال شریعت کے مطابق ہوں۔ آپ فقہا کے اس قول کو کہ غنا سے نفاق پیدا ہوتا ہے تعجب کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ غنا اور نفاق میں کیا مناسبت ہے؟ جو شخص اپنی ہستی سے بے خبر ہوجاتا ہے اسے نفاق وسماع کی کیا خبر! ہاں اس گروہ کے ساتھ اگر مخصوص ہو جو ریا کار ہیں تابعِ شہوات ہیں تو اور بات ہے۔

حضرت موسیٰ پاک شہید فرماتے ہیں کہ حضور کو میرے ساتھ خاص محبت تھی۔ فرماتے تھے بابا! مجھے تیرے ساتھ پدری و پسری محبت کے علاوہ ایک اور محبت ہے جو ان سے بڑھ کر ہے

وہ محبتِ الٰہی ہے جو "الحب للہ" کی مصداق ہے۔ آپ پر آخری عمر میں خشیتِ الٰہی کا غلبہ ہو گیا تھا گریہ وزاری میں وقت گزرتا تھا۔ فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور بے نیازی پر نظر پڑتی ہے تو تمام طاعات وعبادات برباد نظر آتی ہیں۔ کیا معلوم خاتمہ کیسے ہوتا ہے؟ اس وقت آپ پر کپکپی طاری ہو جاتی۔ رحلت کے وقت اتنا گریہ فرمایا کہ لوگ دیکھ کر بیہوش ہو جاتے، حضرت موسیٰ پاک شہید فرماتے ہیں کہ حضور نے اپنی حیاتِ پاک میں مجھے اپنا ولی عہد مقرر فرما دیا تھا۔ امرِ خلافت وسجادگی اور پیری مریدی میرے سپرد فرمادی تھی یہ سب کچھ حضور غوث اعظم سلطان بغداد رضی اللہ عنہ کے روحانی حکم سے ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ پاک فرماتے ہیں کہ رحلت سے کچھ عرصہ پہلے آپ نے مجھے یاد فرمایا۔ جب میں آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوا تو آپ نے مجھے گلے لگایا اور فرمایا بابا! تیرے ساتھ خلوت میں کچھ باتیں کرنی ہیں۔ یہ سن کر میں بے ہوش ہو گیا، آپ مراقبہ میں تھے حاضرین میں سے کسی نے آپ کو میری حالت کے بارے میں بتایا تو آپ نے سر اٹھا کر فرمایا بابا! دلجمعی چاہیے؟ اور ایک تکیہ مجھے دیکر فرمایا ذرا نیند کر لو دور سے آئے ہو تھکاوٹ ہو گی۔ آپ کا حکم پا کر میں سو گیا لیکن اضطراب نے سونے نہ دیا اٹھ بیٹھا آپ کی نصیحتوں اور وصیتوں سے مستفیض ہوتا رہا۔ وفات سے دو یوم پہلے تمام کنبہ کو طلب فرمایا میری والدہ اور ماسی (خالہ) اور میرے بھائی وبہنوں کی طرف علیحدہ علیحدہ نگاہ کر کے مہربانی سے سرفراز فرمایا اور کہا: جاؤ میں تم سب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں تم بھی مجھے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو! شیخ سید موسیٰ پاک شہید فرماتے ہیں کہ آخر شب کو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور صبح تک پکڑے رہے اور کبھی کبھی مجھے دیکھ بھی لیتے کلمہ طیبہ کا ورد زبان پر تھا نماز کے وقت بالکل سکون ہو جاتا۔ ہفتہ کی شب کو مغرب کی نماز کے بعد آوازِ بلند سے فرمایا "اللہ" اور اپنے پاؤں مبارک دراز کر دیئے پھر جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ"۔ تاریخ وفات 19 ذوالقعدہ 978ھ ہے۔

خلفا

آپ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے ان میں سے داؤد کرمانی جو شیر گڑھ میں مدفون ہیں۔ حضرت شیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ جن کا روضہ متبرکہ ملتان کی غربی طرف 9 میل کے فاصلہ پر زیارت گاہِ خلقِ خدا ہے ان کے نام کا ریلوے اسٹیشن شیر شاہ ہے۔ حضرت مخدوم شیخ پیر سید حامد جہان بخش رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کا قطعہ تاریخ یہ ہے۔

شیخ حامد گنج بخشِ دو جہاں
شد بملک خلد ز ایں فانی سرا
شیخ محبوبے است سال وصل او
نیز حامد شاہ سید مقتدا

آپ کی کرامتیں بہت مشہور تھیں۔ ہمایوں کو شیر شاہ نے شکست دی اور ہندوستان سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تو اس نے ایران کے بادشاہ طہماسپ سے امداد طلب کی اور سوچا کہ کسی کامل سے روحانی مدد بھی مانگوں جب تک اللہ والے کے ہاتھ نہ اٹھیں گے اور لب مبارک جنبش نہ کریں گے تو کامیابی ممکن نہیں۔ ہمایوں آپ کے دربارِ اقدس میں حاضر ہوا اور روحانی مدد کا خواستگار ہوا آپ نے اس کے سر پر ایک دوپٹہ باندھا جس کے سات پیچ سر پر آئے۔ فرمایا: سات پشت تک سلطنت تیرے خاندان میں رہے گی ہمایوں کو فتح نصیب ہوئی اور سات پشت تک سلطنت اس کے خاندان میں چلتی رہی۔ (213)

مخدوم سید موسیٰ پاک شہید اوچی ثم ملتانی

سلطان المحققین، عمدۃ الواصلین، قطب العالم، سلطان الشہداء، جمال الاسلام ابو الفضائل حضرت مخدوم پیر سید موسیٰ پاک شہید کی ولادتِ باسعادت 952ھ میں اوچشریف کی سرزمین پر ہوئی۔ آپ کی کنیت ابوالحسن ہے، آپ کا سنِ ولادت ابوالفضائل کے اعداد سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ آپ کے والدِ ماجد حضرت مخدوم پیر سید حامد نے آپ کو اپنا خلیفہ نامزد

کر دیا تھا۔ان کے وصال کے بعد آپ کو سجادگی وخلافت کے لیے منتخب کرلیا گیا تھا۔آپ بچپن سے عبادت، ریاضت اور زہد کے دلدادہ تھے۔علومِ باطنی کے ساتھ علومِ ظاہری میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ انشراحِ صدر سے مشرف تھے، علومِ تصوف کے ماہر تھے، وظائف واوراد سے بہت دلچسپی رکھتے تھے، خوشنویسی میں اپنی مثال آپ تھے، خوش خطی کی مشق رات کو فرماتے جب آپ کی مادرِ مُشفقہ آپ کو بیدار دیکھتیں تو سوجانے کا حکم دیتیں بلکہ خود آکر سلا جاتیں تو آپ سوجاتے۔تھوڑی دیر بعد اٹھ کر پھر قلم وتختی ہاتھ میں لے کر مشق شروع کر دیتے۔ جب والدہ ماجدہ کو آتا دیکھتے تو فوراً سو جاتے۔ اکثر اوقات نیند اڑانے کیلئے آنکھوں میں نمک ڈال دیتے۔آپ فرماتے تھے کہ مجھے حصولِ فیض کا شوق اپنے جدِ امجد سے ہوا تھا اس کے بعد والدِ ماجد نے اپنی خدمت میں طلب کرلیا اور ہر وقت مجھے اپنے ساتھ رکھا۔آپ بچپن میں فرماتے تھے" یادِ مولیٰ از ہمہ اولیٰ" اللہ تعالیٰ کی یاد سب سے بہتر ہے۔والدِ گرامی قدر نے جب آپ کی عبادتوں وریاضتوں کو دیکھا تو فرمایا:" بابا زود شود کہ از دوستانِ حق شوی۔" بابا تم بہت جلدی اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے ہوجاؤ گے۔آپ کو کتبِ متداولہ پر عبور حاصل ہوگیا تھا تلاوتِ کلامِ مجید، ذکر اذکار، درود شریف میں آپ ایسے منہمک رہتے تھے کہ کھانے کی پرواہ نہ کرتے تھے کھانا ٹھنڈا ہوجاتا تھا۔آپ کی والدہ ماجدہ آپ کے والدِ ماجد کو شکایت کرتی تھیں، والدِ ماجد فرماتے تھے کہ بابا! نفس کے آرام کے لیے بھی کچھ ہونا چاہیے! ابھی ریاضت کا وقت بہت پڑا ہے۔آپ فرماتے تھے کہ صبح کی نماز کے بعد والد ماجد مجھے اپنے ساتھ بٹھا کر وظائف پڑھواتے تھے اور ذکرِ جہر سلسلۂ قادریہ کے قاعدہ کے مطابق کراتے تھے۔ 9 سال کی عمر میں مجھے کچھ اسمائے الٰہی اور ادعیۂ مسنونہ کی ترغیب دلائی۔ 52 سال کی عمر تک میں نے ان کا ناغہ نہیں کیا، آپ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ آیتِ کریمہ "وَابْتَغُوا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ" پر غور کیا تو یہ خیال دامن گیر ہوا کہ سالک کے لیے وسیلہ پکڑنا شرط ہے، تاکہ دولتِ سرمدی حاصل ہو کچھ اس خیال سے مضطرب رہا تو اللہ تعالیٰ کا کرم شاملِ حال ہوا۔ میرے والدِ ماجد نے ایک دن ذوق کی

حالت میں فرمایا: بابا میرے پاس آجا! جب میں حاضر ہوا تو فرمایا: مجھے فیض حضرت جدِّ اعلیٰ، غوثِ صمدانی، محبوبِ سبحانی، سلطانِ بغداد قدس سرہ سے دست بدست پہنچا ہے وہ لے اور ہاتھ دراز کر میں نے نہایت مسرت سے اپنا ہاتھ حضور والدِ ماجد کے ہاتھ میں دیدیا تو اس وقت ''یَدُ اللهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ'' کی شاہراہ کا معائنہ نصیب ہوا۔ میرے والدِ ماجد میرے ہاتھ کو پکڑے ہوئے تھے اور فرمانے لگے بابا جو کچھ کرو گے اس کا ثمرہ نقد با نقد حاصل ہوگا۔ شریعتِ وُثقٰی کو ملحوظِ خاطر رکھ کر حقیقت کے درجۂ قصوٰی پر پہنچنا۔ اول پرسشِ شریعت ہے، اگر شریعت نے کسی کی شکایت کی تو پھر مشکل ہے، پھر فرمایا: ''فَخُذْ مَا اٰتَیْتُکَ وَکُنْ مِّنَ الشّٰاکِرِیْنَ''۔ ترجمہ:۔ پس لے لو جو کچھ میں نے تمہیں دیا اور ہو جاؤ شکر گذاروں میں سے (البیان) اس کے بعد خرقۂ مبارک وسجادہ اور تسبیح عطا فرمائی اور یہ انگوٹھی جو میں پہنے ہوئے ہوں آپ نے عطا فرمائی تھی فرامینِ اوقات لنگر وسندات (سند کی جمع) وجاگیرات وظائف بھی مجھے تفویض فرمائے۔ اور ارشاد فرمایا: ''بروکار کن واین نعمت را بہر کہ خواہد اظہار کن'' اس پر کام کرو اور اس نعمت کو چاہنے والے پر ظاہر کرو۔ اس سعادت کے حاصل کرنے میں جو خوشی وشادمانی اس بے نوا کو ہوئی اس کا اندازہ اللہ خبیر وعلیم ہی جانتا ہے۔ صاحب ''بحر السرائر'' فرماتے ہیں اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سیدی وسندی وشیخی، مشکاۃ مصباح الاحدیہ، مرأۃ الجمال الحقیقیۃ المحمدیہ، النور الاظہر والسر الاطہر سید جمال الدین ابوالحسن سید موسیٰ شہید قدس سرہ نے کس قدر کمالاتِ علمیہ اور استعداداتِ عملیہ حاصل کر لیے تھے اور کس قدر قابلیت واستحقاق آپ کے جوہرِ نفیسہ میں موجود تھے۔

شیخِ محقق فرماتے ہیں: سلطان المشائخ قطب الدین شیخ موسیٰ پاک شہید قدس سرہ خَلق اور خُلق دونوں میں وارثِ محبوبِ خدا، سرورِ عالم محمد مصطفیٰ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھے۔ حضور غوثِ صمدانی، قطبِ ربانی، شہبازِ لامکانی، سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی رؤیت وزیارت سے بار بار مشرف ہوئے تھے آپ نے بطریقۂ کشف قبور حضرت محبوبِ سبحانی سید عبد القادر ثانی کی بیعت سے سرفرازی حاصل کی۔ شجاعت، سخاوت، علم، حلم اور وفا میں بابِ علم حضرت علی

مرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے مظہر تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میری خواہش تھی کہ سیدِ عالم، نورِ مجسم شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اپنے دیدارِ پرانوار سے نواز کر کمالات سے باریاب فرمائیں اور اجازتِ ارشاد حاصل ہو تو نور علی نور ہوگا مگر سمجھتا ہوں کہ بندہ شرمندہ اور زیارت فیض بشارت نبی الانبیا۔ کجا سما اور کجا ریسماں، لیکن بابِ رحمت کھلا۔ جمالِ جہان آرا کی زیارت کا شرف نصیب ہوا۔ سرکارِ پرانوار نے رؤیت کا اعزاز عنایت فرما کر سرفراز فرمایا اس وقت مسرت وخوشی کا کچھ اندازہ نہ تھا۔ (214)

شہادت

کچھ دیہات لنگر خانہ کے لیے وقف تھے آپ ان کو دیکھنے کیلئے وہاں تشریف لے گئے۔ اپنے خدام وعقیدت مندوں کو اپنے دیدار پرانوار سے سرفراز فرماتے ہوئے ایک بستی میں قیام فرمایا۔ لنگاہوں نے اس بستی کو لوٹنے کیلئے حملہ کردیا بستی والوں کا شوروغوغا سن کر اپنی سواری ہاتھی پر بیٹھ کر اپنے چند غلاموں کے ساتھ ان کی مدد کیلئے روانہ ہوئے۔ لنگاہوں نے آپ کو دیکھ کر راہِ فرار اختیار کی لیکن سلطانِ لنگاہ نے ایک تیر آپ پر چھوڑا جو آپ کو لگا آپ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ شعبان کا مہینہ تھا 1010ھ میں یہ حادثہ پیش آیا سلطانِ لنگاہ ایسے مرض میں مبتلا ہوا کہ اس کی زبان کتے کی زبان کی طرح باہر نکلی ہوئی تھی اس کے جسم سے بدبو اور عفونت نکلنے لگی، ہاتھ پاؤں برص زدہ ہو گئے۔ اس طرح وہ اپنی عاقبت کو پہنچا اور اس کے دوسرے ہمراہی بھی مختلف امراض میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید بروز بدھ دس بجے کے قریب اوچشریف میں اپنے والد ماجد کے پاؤں میں خلد آشیاں ہوئے کچھ عرصہ کے بعد آپ کے والد ماجد نے کسی صالح ونیک آدمی کو خواب میں فرمایا کہ میرا بیٹا قطب زمان ہے۔ ادب کی وجہ سے ہم نے اپنی ٹانگیں اکھٹی کی ہوئیں ہیں، انہیں یہاں سے اٹھا کر کسی اور جگہ لے جانا بہتر ہے۔ آپ کے حکم کے مطابق اوچشریف سے آپ کو مہنگے ہٹی منتقل کیا گیا اور وہاں خانقاہ بنائی گئی۔ مولانا برخوردار فرماتے ہیں کہ اب تک یہ جگہ موجود ہے اور متبرک آستان سے جانی پہچانی جاتی ہے

اور بطورِ یادگار اجتماع بھی ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ پاک شہید کے صاحبزادے شیخ سید حامد گنج بخش ملتان میں رہتے تھے، رند بلوچ آپ کے مرید تھے، انہوں نے بہت ساری زمین آپ کو پیش کی تھی صاحبزادے کو اشارۃً وبشارۃً معلوم ہوا کہ حضور موسیٰ پاک شہید ملتان شریف میں دفن ہونا پسند فرماتے ہیں آپ نے حسب الارشاد ایک سجے ہوئے گھوڑے پر آپ کے صندوق کو سوار کر کے اسے ملتان لے آئے۔ آپ 15 سال مہنگے ہٹی میں آسودہ خاک رہے لیکن جب برآمد ہوئے تو جسدِ اقدس تر و تازہ تھا یہ نظارہ دیکھ کر دنیا حیران تھی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

جہاں اب روضہ شریف ہے آپ یہاں دفن کیے گئے۔ آپ کے مزار اقدس سے انوارِ الٰہی نمودار ہو رہے ہیں عجیب کشش ہوتی ہے۔ قبولیتِ دعا کیلئے بہت بابرکت مقام ہے۔ ملتان شریف میں جلیل القدر اولیاء اللہ خلد آشیاں ہیں لیکن آپ کے آستانے کا رنگ سب سے نرالا ہے اور آپ کا فیض بہت اعلیٰ ہے۔ روضے کے اندر تین مزاریں چبوترے میں ہیں درمیان میں حضرت موسیٰ پاک شہید شرقاً حضرت مخدوم سید حامد آپ کے فرزندِ دلبند اور غرباً آپ کے نبیرہ سید جان علی سوئے ہوئے ہیں۔

آپ کی اولاد

حضرت موسیٰ پاک شہید کے چار بیٹے تھے سید حامد گنج بخش، سید جان محمد، سید عیسیٰ، سید یحییٰ، یہ سب آپ کے مرید و خلیفہ تھے۔

پاک گیٹ و حرم گیٹ کی وجہ

جب آپ کو مہنگے ہٹی سے ملتان لایا گیا تو آپ کی سواری جس گیٹ سے گذری اس کا نام پاک گیٹ اور جس دروازے سے مستورات تشریف لائیں اس کا نام حرم گیٹ پڑ گیا۔

حضرت مخدوم سید عبدالقادر ثالث

حضرت مخدوم پیر سید عبدالقادر ثالث نہایت سادہ بزرگ تھے۔ آپ کے والد گرامی حضرت مخدوم سید حامد گنج بخش نے اپنے چھوٹے بیٹے مخدوم سید موسیٰ پاک شہید کو سجادہ اور اپنا خلیفہ بنا گئے تھے۔ حضرت مخدوم سید عبدالقادر ثالث کے حاشیہ نشینوں نے آپ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا اور چھوٹے بھائی سے نزاع میں ڈال دیا حاکمِ وقت نے دونوں بھائیوں کے مابین فیصلہ کر کے دونوں کو راضی کیا۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر ثالث نے اوچشریف میں مسندِ سجادگی کو چمکایا اور خلقِ خدا کو فیض و تربیت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت مخدوم سید محمد شمس الدین ثانی

مخدوم سید محمد شمس الدین مخدوم حامد گنج بخش کلاں کے فرزندِ ارجمند تھے۔ اصل نام محمد شریف تھا۔ سجادگی و مسند نشینی کا نام شمس الدین رکھا گیا۔ آپ نے خانقاہ کی توسیع کرائی اور 1077ھ میں مسجد تعمیر کرائی۔ ان کے تیسرے فرزند حضرت مخدوم سید محمد زمان شاہ جیلانی کی اولاد میں سے جمال دین والے سادات ہیں۔ بہاولپور میں بھی ان کی اولاد مقیم ہے اور سید شمس الدین کا مزارِ پرانوار بہاولپور پرانی سبزی منڈی کے نزدیک ہے۔

حضرت مخدوم سید عبدالقادر رابع

یہ بزرگ اپنے والدِ ماجد حضرت مخدوم شمس الدین ثانی کے سجادہ نشین و خلیفہ بنے۔

حضرت مخدوم سید شمس الدین ثالث

آپ حضرت مخدوم سید عبدالقادر رابع کے جانشین ہوئے ان کے چار صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں۔ آپ کا مزار مخدوم سید شمس الدین ثانی کے غربی جانب ہے۔

حضرت مخدوم حامد گنج بخش ثانی

آپ کا اسم گرامی سید مراد شاہ تھا آپ اپنے والد مخدوم سید محمد شمس الدین کے جانشین ہوئے۔

حضرت مخدوم سید محمد شمس الدین رابع

آپ کا اصل نام سید خدادادشاہ تھا۔روحانی مشاغل کی وجہ سے شمس الدین نورانی کے لقب سے مشہور ہوگئے۔تھوڑا عرصہ دارِفانی میں گزارا،اپنے والدگرامی کے سجادہ نشین بنے اوراس کے بعد راہیِٔ ملکِ بقاہوئے۔

مخدوم سید عبدالقادر خامس

ان کا اصل نام سید سونہاراشاہ تھا ان کو حجام نے استرے سے شہید کر دیا تھا۔سنِ شہادت 1163ھ ہے۔

مخدوم سید فضل علی گیلانی

آپ مخدوم سید عبدالقادر خامس شہید کے فرزندار جمند تھے اوراپنے والد کے جانشین بنے۔آپ مخدوم حامد گنج بخش ثالث مشہور ہوئے، نواب جاں نثار خان گجر والیٔ D.G.Khan نے اپنی لڑکی ان کی زوجیت میں دی۔ غلام شاہ کلہوڑا والیِ سندھ بھی حضرت مخدوم سید فضل علی کا ہم زلف تھا۔ان کے گھر گجر کی چھوٹی لڑکی تھی۔مخدوم صاحب کے نوکروں کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے لوگ پریشان تھے اور اس کی زد بہاولپور کی حکومت پر پڑتی تھی۔حکومت نے مخدوم کوکئی بارمتوجہ کیامگرکوئی فرق نہ پڑا۔مخدوم صاحب کوحکومت کی طرف سے اندیشہ رہتا تھااس بناپرمخدوم صاحب نے قلعہ بنوایا تھا۔غلام شاہ کلہوڑاوالیانِ بہاولپور کا مخالف تھا اس نے بھی قلعہ بنانے کی حمایت کی اس قلعے کا ایک دروازہ اب بھی موجود ہے جو''ہاتھی گیٹ'' کے نام سے مشہور ہے، گیٹ کے بیرونی محراب پر یہ قطعہ درج ہے۔

در زمان جانشین غوث اعظم گنج بخش
رخ نمود این قلعہ دار الامان قادری

ہاتفم دربارہ بدخواہ آن تاریخ گفت

از یزید آمد عدو خاندان قادری

آخری مصرعہ کے عدد 1187 نکلتے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ قلعہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے جانشین سرکار گنج بخش نے قادریوں کی دارالامان کیلئے 1187ھ میں تعمیر کرایا تھا۔

مخدوم عبدالقادر سادس

یہ مخدوم صاحب اپنے والد مخدوم سید حامد گنج بخش ثالث کے جانشین ہوئے۔ آپ متقی و پرہیزگار تھے آپ کا ازدواجی رشتہ نواب مولاداد گجر کی دختر سے ہوا 1201ھ میں وفات پائی۔ آپ کی اولاد نہ تھی۔

مخدوم گنج بخش رابع

تاریخِ اوچ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم گنج بخش رابع مخدوم سید فضل علی حامد گنج بخش ثالث کے فرزند تھے اور مخدوم سید عبدالقادر سادس کے بھائی تھے اپنے بھائی کی جگہ سجادہ نشین بنے ان کا نام حسن بخش تھا۔ سجادگی کے بعد گنج بخش رابع مشہور ہوئے طبیعت میں بے اعتدالی تھی اور تجاوزات سے تمسک تھا۔ امراؤ شرفاء اور معتمدین ملازمت چھوڑ کر خانہ نشین ہو گئے۔ متعلقینِ دربار، شیخ حبیب اللہ اور محمد عمر خان ڈاہر، فتح محمد غوری وغیرہ جدا ہو گئے اور حکومت بہاولپور میں ملازمت اختیار کر کے گوشۂ عافیت حاصل کر لیا۔ مخدوم صاحب نے حکومت سے پھڈا لے لیا اور جنگ کی تیاری کر کے ریاست بہاولپور پر یورش کی۔ مخدوم نوبہار سجادہ نشین دربار عالیہ جلالیہ اور گل محمد خاں داد پوترہ اور اختیار خاں رئیس گڑھی اختیار خان پر بوجہ عقیدتمندی بھروسہ تھا مگر کسی نے بھی مخدوم صاحب کا ساتھ نہ دیا نواب محمد بہاول خان ثانی نے بھی کوئی خاص توجہ نہ دی۔ مگر جب مخدوم صاحب کی فوج خانواہ نورنگا تک پہنچ گئی تو نواب صاحب نے اپنے بااعتماد ملازم محمد عمر خان ڈاہر کے ہاتھ ایک مراسلہ بھیج کر مخدوم صاحب کو اس طفلانہ حرکت سے باز رہنے کی حجت پوری کی۔ جب مخدوم صاحب باز نہ آئے تو نواب صاحب نے اپنی فوج کو متحرک کیا مخدوم صاحب اور ان کے وفادار

سپاہی پلولی کے قلعے میں محصور ہو گئے، قلعہ فتح ہو جانے کے بعد یکے بعد دیگرے قلعہ ٹھٹھ، اوچ، رام کلی اور گڑھی اختیار خان تک بھاگتے رہے اور پناہ لیتے رہے پھر سندھ کی طرف چلے گئے۔ مخدوم صاحب نے اپنے حسب حال یہ شعر لکھ کر دل کا بخار نکالا۔

بہار سرکش و گل بے وفاؤ لالہ دو رنگ

دریں پتن بچہ امید آشیانہ کنیم

یعنی مخدوم نو بہار نے سرکشی کی گل محمد خاں داد پوترہ بے وفا نکلا اختیار خاں جس کو لالہ کہتے تھے دو رنگ (منافق) ہو گیا ایسے میں ہم آشیانہ بنانے کی کیا امید رکھ سکتے ہیں۔

مخدوم حامد محمد شمس الدین خامس

ان کا اصل نام سید عباس علی تھا، دس سال سجادگی کو رونق بخشی اور قادر پور میں اپنے والد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

مخدوم حامد گنج بخش خامس

آپ کا اسم گرامی سید حسن بخش تھا۔ اپنے والد مخدوم حامد محمد شمس الدین خامس کی وفات کے بعد قادر پور میں سجادہ نشین ہوئے۔ والیانِ بہاولپور کے دل کا غبار چھٹ چکا تھا سرکار کی اجازت سے اوچشریف تشریف لائے اور از سرِ نو خاندان کے بانی ہوئے۔ 54 سال سجادگی کے بعد 1284ھ میں وفات پائی۔

مخدوم حامد محمد شمس الدین سادس

آپ مخدوم شیخ محمد گنج بخش خامس کے فرزند تھے۔ اصل نام سید محمد شاہ تھا والد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے آپ صاحبِ سخن سنج اور صاحب تصانیف تھے 21 برس سجادگی پر متمکن رہے 1303ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

مخدوم گنج بخش سادس

مخدوم سید حامد محمد شمس الدین کے بعد ان کے جانشین ہوئے آپ کا اصل نام سید حسن

بخش تھا، والد صاحب کے بعد 30 سال تک مسندِ خلافت اور سجادگی کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ ان کی ولادت 1280ھ میں ہوئی اور وصال 1323ھ میں ہوا۔ فرزندِ نرینہ کی دولت میسر نہ آئی۔

مخدوم حامد محمد شمس الدین سابع

آپ کا اصل نام مراد شاہ تھا۔ ولادت 1286ھ میں ہوئی سجادہ نشینی کی سعادت 1323ھ میں میسر آئی۔ فرزند دلبند سے گھر آباد نہ ہوا۔ 1327ھ میں انتقال کیا۔

مخدوم حامد محمد گنج بخش سابع

آپ کا نام مخدوم سید ولایت حسین شاہ تھا۔ اپنے بھائی مخدوم سید مراد شاہ کے بعد سجادگی کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے ایک بیٹا چھوڑا جوانی کے عالم میں فانی جہان کو چھوڑ کر راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔

مخدوم الملک سید محمد حامد شمس الدین ثامن گیلانی

مخدوم الملک سید شمس الدین گیلانی کا تاریخی نام خیرات حسین تھا اور انہیں مخدوم سید حامد محمد شمس الدین کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جب ان کی ولادت ہوئی تو کچھ عرصے کے بعد ان کے سر سے شفقتِ پدری کا سایہ اٹھ گیا وہ یتیمی کی حالت میں پروان چڑھے۔ بتایا جاتا ہے کہ آپ آغوشِ مادر میں تھے تو اس دوران کچھوچھہ شریف (انڈیا) کے بزرگ حضور محدثِ اعظمِ ہند، حضرت علامہ ابو حامد سید محمد شاہ کچھوچھوی اوچشریف تشریف لائے۔ مزاراتِ مقدسہ کی حاضری کے بعد انہوں نے آپ کو ملنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو باہر بھجوادیا۔ محدثِ کچھوچھوی نے آپ کو اپنے سینے سے لگایا، ماتھے کو چوما تو ان کی آنکھیں تر ہو گئیں۔ پوچھا گیا: آپ گیلانی صاحب کی یتیمی اور بے کسی پر آنسو بہا رہے ہیں؟ فرمایا: ہرگز نہیں، بلکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس بچے کی پشت پر سرکارِ غوث اعظم، شہنشاہِ بغداد کا ہاتھ مبارک ہے اس لیے میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں اور میں

اس بچے کی قسمت پر رشک کر رہا ہوں۔مخدوم الملک نے کاتب الحروف کو یہ واقعہ بتایا اور اس کے بعد یہ اشعار سنائے۔

بندۂ پروردگارم امتِ احمد نبی
دوست دارم چہار یار تابع اولادِ علی
مذہبِ حنفیہ دارم ملتِ حضرتِ خلیل
خاکپائے غوث اعظم زیرِ سایہ ہر ولی

مخدوم الملک نے علومِ عقلیہ ونقلیہ محقق اساتذہ سے حاصل کیے تھے،ان میں سے مولانا قطب الدین اور مولانا فقیر اللہ صاحب قابلِ ذکر ہیں۔مخدوم صاحب نے روحانیت میں کمال حاصل کیا۔اور کشف کے علم کے ماہر تھے۔عارف باللہ حضرت مولانا محمد ظریف فیضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں ایک بار مخدوم صاحب کو ملنے کے لیے گیا تو آپ اس وقت شمس محل کے برآمدہ میں وضو کر رہے تھے جب فارغ ہوئے ہم نے سلام کیا تو آپ نے فرمایا کہ خواجہ فیض محمد شاہجمالی اپنے مزار میں قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف ہیں۔میں نے کہا: مخدوم صاحب آپ اوچشریف میں تشریف فرما ہیں اور میرے پیر کا روضہ سندیلہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خان میں ہے۔آپ کو کیسے علم ہو گیا ہے کہ وہ قرآن مجید پڑھ رہے ہیں؟ مخدوم صاحب نے بلا تامل فرمایا: اگر میں قرآن مجید کے ورقوں کا رنگ اور اس کا سائز بتادوں تو پھر مان لو گے۔میں نے کہا بتاؤ! آپ نے فرمایا: ورقوں کا رنگ مصری کاغذ والا ہے اور قرآنِ مجید حمائلی سائز کا ہے۔مولانا محمد ظریف نے اس کی تائید کی اور عرض کیا آپ کا کشف درست ہے کیونکہ خواجہ صاحب اپنی زندگی میں اسی قرآنِ مجید پر تلاوت کرتے تھے۔

محمد اسماعیل نے بتایا کہ میں نے ایک پلاٹ خریدا پینتیس ہزار روپیہ بچ گیا۔آپ نے فرمایا: رقم کب ادا کرے گا؟ میں نے عرض کیا: میلے کے بعد دوں گا۔فرمایا: ٹھیک ہے۔میلہ ختم ہوا تو میں نے تیس ہزار روپیہ اٹھایا اور آپ کی خدمت میں پہنچ گیا عرض کیا: حضور! بقایا پیسے دینے آیا ہوں۔آپ نے فوراً فرمایا: تو تیس ہزار لے کر آیا ہے گھر میں جو پانچ ہزار

رکھ کر آیا ہے وہ بھی لے کر آ۔ محمد اسماعیل یہ سن کر شرمندہ ہوا۔ گھر آیا پانچ ہزار اٹھایا اور پینتیس ہزار روپیہ ادا کیا۔

گنبدِ خضریٰ پر استدعا

آپ نے فرمایا کہ روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حاضری کے وقت میں نے بارگاہِ نبوت علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں تین چیزوں کی استدعا کی۔

(1) میرا مسلک جماعتِ اہلسنت سچا ہے تو مجھے مسجدِ نبوی کی دربانی نصیب ہو اور وہ بھی اس طرح کہ مسجد شریف کا دربان میرا ہاتھ پکڑ کر دربانی والی کرسی پر بٹھائے۔

(2) اگر پیری مریدی درست ہے تو مدینہ شریف میں لوگ خود بخود آ کر میرے مرید بنیں۔

(3) نذرانہ لینا جائز ہے تو یہاں بھی لوگ مجھے نذرانہ دیں۔

بارگاہِ رسالت مآب علیہ السلام میں یہ استدعا کرنے کے بعد آپ کے پاس لوگ آئے اور دست بیعت ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ آپ نے گنبدِ خضریٰ کے سائے میں انہیں سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت کیا۔ مدینہ منورہ کی سرزمین پر اور مسجدِ نبوی میں لوگوں نے آپ کی خدمت میں نذرانے و ہدایا پیش کیے اور انہیں قبول فرمانے کی گزارش کی، آپ جب مسجدِ نبوی کے دروازے پر پہنچے تو سرکاری دربان نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا کہ آپ اس کرسی پر بیٹھیں اور جب تک میں واپس نہ آؤں آپ یہاں بیٹھے رہیں۔ ان استدعاؤں کے پورا ہو جانے کے بعد آپ نے فرمایا مجھے یقین کامل ہو گیا کہ میرا مسلک اہلسنت و جماعت سچا مذہب ہے آپ کے پاس ہر مکتبۂ فکر کے لوگ آتے جاتے رہتے تھے لیکن آپ جماعت اہلسنت کے علما و مشائخ کو سب پر ترجیح دیتے تھے، امامِ اہلسنت، غزالیِ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپ کے دوستانہ تعلقات تھے۔ مخدوم صاحب نے ان سے اپنی نمازِ جنازہ کی امامت کا وعدہ لیا ہوا تھا۔

سنی خطیب کا انتخاب

خورشیدِ ملت، بلبلِ چمنستانِ رسالت حضرت علامہ مولانا خورشید احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ گاہ بگاہ حضرت مخدوم صاحب کو ملنے کیلئے آتے تھے اور دربار شریف پر حاضری دیتے تھے۔ اس وقت چُنی فروشوں کی دوکانیں مسجد کے صحن کے سامنے ہوتی تھیں۔ ایک دوکاندار نے خورشیدِ ملت کو قبر پرست کا طعنہ دیا آپ نے اس کی ہرزہ سرائی سن لی اور مخدوم صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ساری بات عرض کر دی۔ مخدوم صاحب نے فرمایا: آپ اپنے علما کو لے آئیں ان میں سے ایک عالم کو منتخب کر لیں گے پھر اس کے آرڈر دربار شریف پر کرا لیں گے۔ خورشیدِ ملت نے تحصیل احمد پور شرقیہ اور گرد و نواح کے علما کو طلب فرمایا، فقیر سمیت تقریباً 70 علما جمع ہوئے۔ جنہیں شمس محل کے حال کمرے میں بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ پھر سب پر نگاہ ڈالی۔ فقیر ان کے درمیان بیٹھا ہوا تھا آپ نے آ کر فقیر کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا میں اِنہیں منتخب کرتا ہوں۔ اس انتخاب کے بعد آپ نے علمائے کرام کو پر تکلف کھانا کھلایا۔ کھانے کے بعد علمائے کرام چلے گئے۔ تو آپ نے فقیر کو فرمایا دو دن کے بعد میرے پاس صوبائی وزیر اوقاف محمد ذاکر قریشی آ رہے ہیں آپ اس دن آ جانا میں آپ کا تعارف کرا دوں گا اور آپ کے بارے میں انہیں بتا دوں گا۔ انشاء اللہ آپ کے آرڈر ہو جائیں گے۔

بندۂ ناچیز حسبِ حکم شمس محل اوچ شریف پر پہنچا۔ اس وقت قبلہ مخدوم صاحب وزیر اوقاف کو غوثیہ لائبریری میں رکھی ہوئی نادر و نایاب کتابوں کی زیارت کرا رہے تھے، مجھے فوراً لائبریری میں لے جایا گیا، مخدوم صاحب نے میرا ہاتھ پکڑا اور صوبائی وزیر کے ہاتھ میں دے کر فرمایا! یہ مولانا سراج احمد سعیدی قادری ہیں اور میرے لیے یہ میرے بیٹے افتخار حسن کی طرح ہیں۔ صوبائی وزیرِ اوقاف محترم محمد ذاکر قریشی صوفی منش آدمی تھے، انہوں نے فراغت کے بعد اپنا وزٹینگ کارڈ مجھے دیا اور اس کی پشت پر لکھ دیا کہ مولانا صاحب کو میرے ملنے سے روکا نہ جائے اور فرمایا مجھے لاہور میں کوٹھی پر ملو میں چلا گیا اور

وزیر صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ وزیر صاحب کا آرڈر نامہ دکھایا تو گارڈ نے ہمیں وزیر صاحب کے خاص کمرے میں پہنچا دیا جب ہم کمرے میں گئے تو وزیر صاحب تشریف فرما تھے، ہمیں دیکھ کر وزیر صاحب بہت خوش ہوئے اور محکمۂ اوقاف پنجاب کے سیکرٹری کو فون کر کے بتایا کہ مولانا سراج احمد صاحب آپ کے پاس آرہے ہیں انہیں باقاعدہ طور پر آرڈر دیں تاکہ کوئی چیلنج نہ ہوسکے۔ ہم وہاں سے سیکرٹری کے دفتر میں پہنچے تو گارڈ نے ہمیں ان کے کمرے میں جانے کی اجازت دی، سلام کے بعد میں نے بتایا کہ مجھے وزیر صاحب نے بھیجا ہے انہوں نے مجھے کاغذ دیا اور ایک درخواست لکھوائی اور فرمایا کہ اگلے ہفتہ میں انٹرویو ہیں آپ کو انٹرویو کے لیے بلایا جائے گا۔ میں انٹرویو کے لیے اوقاف کے دفتر میں پہنچا۔ جب انٹرویو ہوا تو مجھے 70% نمبر ملے۔ جامعہ انوار العلوم ملتان کے ایک مدرس کو 75% نمبر ملے۔ باقی حضرات کو 60% سے بھی کم نمبر ملے۔ میرے آرڈر، جامع مسجد دربار محبوب سبحانی کے لیے ہوگئے، لیکن یہاں بادِ مخالف میں ایک ہلچل مچ گئی۔ محکمۂ اوقاف بہاولپور کا بڑا افسر حضرت لاہوری کا مرید وخلیفہ تھا اس نے مجھے ہارون آباد کی جامع مسجد میں بھیج دیا، وہاں کی آب وہوا مجھے پسند نہ آئی۔ تین دن کے بعد میں ملتان شریف حضور غزالیِ زماں کی خدمت میں حاضر ہوا، رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ آپ اس وقت کتب خانہ میں تشریف فرما تھے۔ مجھے فوراً اندر بلا لیا۔ میں قدم بوس ہوا۔ آپ نے حالات پوچھے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: اگر تم گورنمنٹ کی ملازمت کرنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے بہتر ملازمت عطا فرمائے گا۔ اس دعا کا یہ نتیجہ نکلا کہ میاں محمد اسلم تاتاری (ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول اوچشریف) نے محکمۂ تعلیم میں میری ملازمت بطور عربی لیکچرار کرادی، اس میں میرا کچھ بھی خرچ نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ میاں اسلم تاتاری کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین) میاں صاحب فقیر کے پیچھے جامع مسجد غوثیہ مدرسہ عزیز العلوم میں جمعہ ادا کرتے تھے۔ ملازمت کرانے سے قبل انہوں نے ایک زبردست جملہ بولا جسے میں آج تک نہیں بھولا۔ جملہ یہ تھا۔ ''مولانا آپ یہ ملازمت اختیار کرلیں کیونکہ سنی بے وفا ہوتے

ہیں، اُڑانے پر آئیں تو آسمان سے اوپر لے جاتے ہیں۔ گرانے پر آئیں تو گڑھوں اور غاروں میں دھکیل دیتے ہیں۔'' میں نے ان کے ایک ایک حرف کو پورا پایا ہے۔

علما و مشائخ کے دشمن

ایک بار مخدوم صاحب نے فرمایا: جو لوگ علمائے کرام اور بزرگانِ دین کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ دراصل وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے دشمن ہیں۔ حالانکہ شریعتِ مطہرہ نے ہر حالت میں بزرگوں کے ادب واحترام کا حکم دیا ہے۔ ''باادب بانصیب، بےادب بےنصیب'' جو لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں یا ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔ وہ شیطان کے پیروکار ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے!

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ ۝١١٢ (پ:۸، الانعام: ۱۱۲)

ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن بنا دیا سرکشی کرنے والے انسانوں اور جنوں کو، خفیہ طور پر پہنچاتے ہیں ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی جھوٹی بات (لوگوں کو) فریب دینے کے لیے اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے تو آپ چھوڑ دیں انہیں اور ان کے بہتان کو۔ (البیان)

مخدوم صاحب نے فرمایا علمائے کرام انبیا علیہم السلام کے وارث ہیں اور ولایت بھی انہی کو ملتی ہے جو عالم ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے دشمن پیدا ہو جاتے ہیں جو ان پر بہتان لگاتے ہیں، درحقیقت وہ اپنا خانہ خراب کرتے ہیں۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے:

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں زند

جب اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ دری کرتا ہے تو اس کا رجحان پاک لوگوں پر طعنہ کرنے میں ہوتا ہے۔ مخدوم صاحب نے فرمایا کہ بعض لوگ تو انبیائے کرام کی ہمسری کا دعویٰ کرتے

ہیں۔ چنانچہ مولائے روم نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا!

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شِیر
ہمسری با انبیاء برداشتند
اولیاء را ہمچو خود پنداشتند
ایں خورد زاید ہمہ بخل وحسد
واں خورد زاید ہمہ نور احد
ایں زمین پاک وآں شور و بد
ایں فرشتہ پاک وآں دیوست و دو (215)

ترجمہ

پاک لوگوں کے کام کو اپنے پر قیاس نہ کر
اگر چہ لکھنے میں شیر (درندہ) اور شیر (دودھ) یکساں ہے
انہوں نے نبیوں کے ساتھ برابری کا دعویٰ کھڑا کر دیا اور اولیا کو اپنے جیسا سمجھ لیا
یہ کھاتا ہے تو نجاست اس سے نکلتی ہے
اور وہ جو کچھ کھاتا ہے سب خدا کا نور بن جاتا ہے
یہ کھاتا ہے تو سراسر بخل اور حسد پیدا ہوتا ہے
اور وہ کھاتا ہے تو سب خدا کا نور بن جاتا ہے
یہ پاک زمین ہے اور وہ شور اور خراب
یہ پاک فرشتہ ہے اور وہ بھوت اور درندہ

مخدوم صاحب نے فرمایا: دشمنوں کے حسد اور بغض سے لوگوں میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ مخلص اور منافق کا پتا چل جاتا ہے جس پر زبان درازی کی جاتی ہے اس کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ صبر کرتا ہے یا کتے کے پیچھے دوڑ لگاتا ہے، اگر وہ صبر کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی معیت مل

جاتی ہے۔ ''اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ'' اور وہ بارگاہِ الوہیت میں سرخرو ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے امتحان لیا اور ابلیس کو ان کا دشمن بنا دیا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ میں نے ہمیشہ صبر سے کام لیا اور اپنے دشمن سے انتقام نہیں لیا، بغض اور حسد سے اجتناب کیا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ دشمنوں اور مخالفوں کو معاف کر دینا ہمارے آبا و اجداد کا طریقہ ہے کیونکہ غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے ہیں۔

وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

اور ضبط کرنے والے ہیں غصہ کو اور درگزر کرنے والے ہیں لوگوں سے،
اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے احسان کرنے والوں سے۔

چوروں پر لطف

مخدوم صاحب کو خوبصورت جانوروں اور پرندوں کا شوق تھا، آپ جہاں ہوتے اور جس خوبصورت چیز کو دیکھ لیتے اسے ضرور حاصل کرتے۔ مرغیاں، مور، بکریاں، خوبصورت چڑیاں اور دیگر چیزوں سے انہیں بے حد رغبت تھی۔ دراصل وہ ان چیزوں کو دیکھنے سے شاہکارِ قدرت کے مناظر دیکھتے تھے۔ مخدوم صاحب کے پاس ایک کمیت گھوڑی بہت خوبصورت تھی، کسی حاسد وڈیرے کے اشارے پر کسی چور نے اسے چرا لیا کچھ عرصہ کے بعد گھوڑی کی مخبری ہوگئی، چھاپہ لگا تو چور گھوڑی سمیت پکڑا گیا اور آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے گھوڑی کو دیکھا تو وہ کمزور ہوگئی تھی۔ آپ نے گھوڑی کی گردن پر ہاتھ پھیر کر چور کو فرمایا: تو بڑا ظالم ہے میری گھوڑی کو دانہ پانی نہیں ڈالا بیچاری کمزور ہوگئی ہے۔ چور رونے لگا اور کہا: حضور! میرے پاس بچوں کے لیے آٹا نہیں ہے، میں گھوڑی کو کیا کھلاتا؟ آپ نے اسے خورد و نوش کا سامان دے کر فرمایا جا یہ بچوں کو دے کر واپس آجا۔ اس نے

پھر کیونکر آنا تھا۔

غوثِ اعظم سلطانِ بغداد کا جبہ چوری کرنے والا چور آپ کی نگاہِ ولایت سے قطب بن گیا، مخدوم صاحب کا بیل چوری کرنے والا چور پکڑا گیا اور مخدوم صاحب کے پاس لایا گیا، لے آنے والے اسے باری باری جوتے مار رہے تھے۔ آپ نے پوچھا: اسے کیوں مار رہے ہو؟ لوگوں نے کہا: یہ آپ کے بیل کا چور ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو! آپ نے اس سے پوچھا! بیل کیوں چوری کیا ہے؟ اس نے کہا: غلطی ہو گئی ہے، آپ نے پوچھا: تو اکیلا تھا یا تیرے ساتھ کوئی اور بھی چوری میں شریک تھا۔ اس نے کہا: ایک آدمی اور بھی تھا۔ آپ نے فرمایا: تُو جا اسے پکڑ کر میرے پیش کر۔ اس نے کہا: حضور ابھی پکڑ کر اسے لے آتا ہوں۔ جانے کے بعد اس نے کہاں واپس آنا تھا۔

مخدوم صاحب بے حد سخی تھے، یتیموں، مسکینوں، گداگروں، بیوگان کی مالی امداد کے ساتھ ساتھ علمائے کرام اور بزرگوں کی بھی معاونت اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے۔ ایک بار بندۂ ناچیز آپ کی خدمت میں حاضر تھا اور آپ شمس محل کے برآمدہ میں جلوہ فگن تھے کہ اچانک تحصیل سمندری سے ایک بزرگ سید ابرار الحسن گیلانی، حاجی تاج محمد ملکانی بستی والے کے پیر تشریف لائے۔ کاتب الحروف ان کے ہاں عرس پر گیا تھا اس لیے ان کو جانتا تھا وہ گاڑی سے اترے تو آپ نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ میں نے ان کے آنے سے پہلے ان کا تعارف کرا دیا، جب وہ برآمدہ کی سیڑھیوں پر چڑھے تو آپ نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا انہیں اپنے ساتھ بٹھایا حسبِ معمول ان کی خاطر مدارت کی۔ انہوں نے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا: اس وقت تک اجازت نہیں ہے جب تک آپ کوئی چیز مجھ سے نہیں مانگتے۔ وہ حیران ہو گئے کہ کیا مانگوں۔ پھر انہوں نے کہا مجھے اس پنجرے والا تیتر عطا کر دو! آپ اٹھے اور پنجرا اٹھا کر ان کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے پنجرا لے کر سر پر رکھ لیا اور خوشی سے جھومنے لگ گئے۔ وہ بزرگ بھی گیلانی سید تھے۔ ایک بار ان کے آستانہ پر گیا تھا عرس شریف کی محفل تھی اس میں فقیر کی حاضری تھی، انہوں نے اپنے حصولِ علم کا ایک واقعہ بیان

فرمایا کہ میں دہلی میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے ایک مدرسہ میں گیا، استاذ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے فرمایا: میرے پاس داخلے کی گنجائش نہیں آپ کسی اور مدرسہ میں چلے جائیں۔ میں نے کہا میں آپ کے علم کا چرچا سن کر آیا ہوں، میں آلِ رسول ہوں، گیلانی سید ہوں امام حسن کی اولاد سے ہوں، یہاں میرا کوئی جان پہچان والا نہیں ہے، آپ مہربانی فرمائیں اور مجھے داخلہ دیں۔ استاد صاحب نے فرمایا: میں ایک طالب علم کو بلاتا ہوں، اگر وہ اپنے کھانے سے آدھا کھانا تجھے دے دے تو پھر تمہاری رہائش کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اس طالب علم کو روزانہ ایک پیاز ملتا تھا، وہ اس پر گزارا کرتا تھا اسے بلایا گیا تو وہ آدھے پیاز پر راضی ہوگیا۔ آپ نے فرمایا پندرہ دن میں نے آدھا پیاز کھایا پھر دہلی کے ایک شخص نے استاذ صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے گھر سے ایک روٹی منگوالیا کرو، پھر آدھی اسے اور آدھی روٹی مجھے ملنے لگی۔ اس طرح میں نے دینی علم حاصل کیا۔

تالے کھل جاتے تھے

مخدوم صاحب جب شمس محل اوچشریف میں تشریف فرما ہوتے تو جمعہ کی رات کو عشا کی نماز کے بعد بزرگوں کے مزارات کے لیے جاتے اس وقت مزارات کے دروازے بند ہو جاتے تھے آپ جس مزار شریف پر اندر جا کر فاتحہ پڑھنا چاہتے تھے تو خلیفے کو فرماتے! تالے کو دیکھ کھلا ہے یا بند ہے، وہ دیکھتا تو تالا بند ہوتا عرض کرتا: حضور! تالا بند ہے۔ آپ فرماتے اچھا تم ہٹ جاؤ! میں خود دیکھتا ہوں، جب آپ تالے کو ہاتھ لگاتے تو تالا کھل جاتا۔ آپ فرماتے تالا کھلا ہوا تھا تجھے ہاتھ لگانا نہیں آیا۔ جب اندر سے فارغ ہوجاتے تو تالا لگا دیتے، صبح کو دربار کا مجاور تالے کو چابی سے کھولتا تھا۔

مخدوم صاحب کی سیاسی زندگی کا حال ان کے عرس پر چھپنے والے ایک جریدے سے ماخوذ ہے وہ ملاحظہ ہو۔

1945ء میں اوچشریف کے حلقہ ڈسٹرک بورڈ بہاولپور کے ممبر منتخب ہوئے۔ 1952ء میں سابق ریاست بہاولپور کی قانون ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور 1955ء

تک بدستور رہے۔ ون یونٹ کے قیام سے بہاولپور اسمبلی ختم کر دی گئی 1961ء تا 1966ء تک ٹاؤن کمیٹی اوچشریف کے چیئرمین رہے۔ 1967ء میں بنیادی جمہوری نظام کے لیے صوبائی اسمبلی کے رکن بنے۔ 1967ء میں جب صوبائی اسمبلی کے دوبارہ انتخابات ہوئے تو کنونشن مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے۔ 1969ء تک بدستور رکنِ اسمبلی رہے پھر جمعیت علما پاکستان کے پلیٹ فارم کو ترجیح دی۔ اس کے علاوہ ڈویژنل مشاورتی کمیٹی، زرعی ترقیاتی کارپوریشن، ڈسٹرکٹ امن کمیٹی اور دیگر متعدد دینی اور سماجی کمیٹیوں کے رکن یا سربراہ رہے۔ 1977ء میں صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے، کچھ عرصہ کے بعد جنرل ضیا نے مارشل لا لگا کر اسمبلیوں کو ختم کر دیا۔ 1983ء میں ٹاؤن کمیٹی کے بلا مقابلہ چیئرمین منتخب ہوئے اور 1986ء تک رہے۔ انہوں نے ہائی سکول، کالج، ہسپتال، وٹنری ہسپتال، تحصیل، تھانہ، زراعت، مارکیٹ کمیٹی، ریسٹ ہاؤس، بس اسٹینڈ وغیرہ کے لیے اربوں روپے کی اراضی عطیہ کر دی۔ (216)

مخدوم الملک کو صدمہ

1977ء میں مخدوم الملک کے داماد مخدوم سید مسیح الاسلام کے گھر ضلع راجن پور میں شادی تھی اور مخدوم الملک نے شادی پر جانا تھا اوچشریف سے دو کاروں پر روانگی کا پروگرام بنا ایک کار پر مخدوم صاحب اور ان کے خلیفہ غلام علی خان اور حاجی عبدالرحمٰن اور دوسری کار پر مخدوم صاحب کی دختر نیک اختر سید عامر علی گیلانی کی والدہ ماجدہ اور مخدوم صاحب کی بہو سید علی حسن گیلانی کی والدہ ماجدہ سوار تھیں، سید عامر علی کی والدہ نے اپنے بیٹے کو بڑی اماں کے پاس محل میں رہنے دیا مخدوم علی حسن کی والدہ نے اپنے بیٹے کو ساتھ لے لیا جب شمس محل کے دروازہ سے باہر نکلے تو بی بی نے گاڑی کو رکوا کر علی حسن کو بھی بڑی اماں کے پاس بھیج دیا اور کہا کہ شام تک واپس آ جائیں گے بچوں کو ساتھ لے جانا مناسب نہیں، سردی کا موسم ہے۔ شادی پر پہنچ گئے جب واپسی ہوئی تو رات کا وقت تھا ایک جگہ مخدوم صاحب نے گاڑی روک کر فرمایا خلفا اس گاڑی میں چلے جائیں، میری بیٹی اور بہو کو میری کار میں بھیج

دو۔ انہوں نے جا کر کہا تو بیبیوں نے انکار کیا، اسی طرح تین بار ہوا، آخری بار مستورات نے کہا کہ سائیں کی خدمت میں عرض کرو کہ انہیں نیند آ رہی ہے۔ جب چلنے لگے تو مخدوم صاحب نے مستورات کی گاڑی کو آگے کیا اور خود پیچھے روانہ ہوئے، مستورات کے ساتھ خان قادر بخش مکھڑالی کی بہن مریم بی بی بھی تھیں۔ سڑک دریا کے کنارے پر تھی ایک جگہ پر دریا نے سڑک کے نیچے سے مٹی کاٹ لی تھی جب کار وہاں پہنچی تو سڑک بیٹھ گئی اور کار دریا میں جا گری مخدوم صاحب نے ڈرائیور سے پوچھا کہ اگلی کار کی بیک بتیاں کیوں بجھ گئی ہیں؟ اس نے کہا شاید انہوں نے راستہ تبدیل کر لیا ہے، ڈرائیور قریب پہنچا تو اپنی گاڑی روک کر نیچے اترا اور کار کے ٹائروں کی رگڑ کو دیکھ کر یقین کر لیا کہ کار دریا میں گر گئی ہے اس نے مخدوم صاحب سے چھپانا چاہا مگر مخدوم صاحب نے فرمایا مجھے علم ہو گیا ہے کہ کار دریا میں ہے۔ رات کی تاریکی کے باوجود مچھیرے آ گئے پولیس کے جوان پہنچ گئے اور فوج بھی مدد کے لیے آ گئی۔ ساری رات کار تلاش کرتے رہے مگر کار نہ ملی صبح کو مرید بلوچ نے چھلانگ ماری اور کار کا پتا لگا لیا کار کو دریا سے باہر نکالا گیا چار لاشیں شمس محل میں بیک وقت پہنچیں تو کہرام مچ گیا۔ مخدوم الملک نے جس طرح اس صبر آزما صدمے کو برداشت کیا یہ ان کا کام تھا۔ اس سانحۂ ارتحال کے چند دن بعد کاتب الحروف کے بڑے بھائی محمد رمضان خاں کا انتقال ہو گیا۔ میرے بھائی کو دفن کرنے کیلئے جا رہے تھے اور میرے والد ماجد حضرت مولانا نور محمد خاں علیہ الرحمہ روتے جا رہے تھے۔ للو والی پل کے نزدیک مخدوم الملک کی گاڑی آ گئی آپ گاڑی سے اترے اور میرے والد صاحب کے پاس جا کر فرمایا: خان صاحب صبر سے کام لو۔ رونے سے کیا بنے گا۔ میرے صدمے کو دیکھو اور میرے جد امجد حضرت امام حسین علیہ السلام کے امتحان کو دیکھو۔ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے جو چاہے سو کرے۔ مخدوم الملک کے فرمان کو سننے کے بعد میرے والد صاحب نے صبر کیا اور مخدوم صاحب کی ہمت اور حوصلے کی داد دی۔

مخدوم صاحب کی اولاد

(1) ولی عہد حضرت مخدوم سید مختار حسن گیلانی (19 نومبر 1941ء میں پیدا ہوئے 12 جولائی 1974ء کو وصال فرمایا۔) ان کی اولاد مخدوم سید سمیع الحسن گیلانی (سابق تحصیل ناظم)، مخدوم سید سہیل حسن گیلانی، مخدوم سید سلیمان گیلانی، مخدوم سید علی حسن گیلانی (M.N.A)

(2) حضرت مخدوم سید ولایت حسن گیلانی۔ (پیدائش یکم دسمبر 1947ء وفات 24 مئی 1976ء)

(3) مخدوم سید محبوب حسن گیلانی قلندرانہ طبیعت کے مالک ہیں۔

(4) مخدوم سید ظفر حسن گیلانی۔ 1986ء سے 1987ء تک ٹاؤن کمیٹی اوچشریف کے چیئرمین بنے پھر 1988ء سے 1992ء تک دوبارہ چیئرمینی حاصل کی۔ اس کے بعد 2001ء سے 2005ء تک اور 2005ء سے 2009ء تک اوچشریف شہر کے ناظمِ اعلیٰ بنے۔(217)

(5) مخدوم سید افتخار حسن گیلانی دینی و دنیاوی تعلیم یافتہ ہیں۔ علماء اور شرفاء کا بہت احترام کرتے ہیں۔ پابندِ صوم وصلاۃ ہیں۔ باوضو رہنے کے عادی ہیں۔ مریدوں کے ساتھ شفقت فرماتے ہیں۔ کئی بار M.P.A بن چکے ہیں اب بھی M.P.A ہیں اپنے علاقے کی ترقی کے لیے سرگرم رہتے ہیں۔ ان کے دو صاحبزادے ہیں: مخدوم زادہ سید عمر رضا گیلانی، مخدوم زادہ سید احمر رضا گیلانی۔ مخدوم صاحب کی اولاد جماعت اہلسنت سے وابستہ ہے۔

تبرکات

خانوادہ گیلانیہ کے تبرکات ونوادرات مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی دستار مبارک۔

(2) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا جُبہ مبارک۔ جس کے اندر آپ کی والدہٗ ماجدہ نے اشرفیوں کو سی دیا تھا۔

(3) وہ پتھر جس پر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قدم مبارک ثبت ہے۔

(4) ہرن کی کھال پر خطِ کوفی میں لکھے ہوئے قرآن پاک کے چند اجزا جو امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں۔

(5) انتخابِ کشف المحجوب (حضرت سیدنا علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش علی ہجویری)

(6) تفسیر حسینی ملاں حسین الواعظ کاشفی کا ایک نسخہ مکتوبہ یاقوت رقم۔

(7) شرح غنیۃ الطالبین کا قلمی نسخہ۔

(8) شمس العارفین سلطان باہو کا قلمی نسخہ۔

(9) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قلمی نسخے۔

(10) شاہنامہ فردوسی قلمی، ان کے علاوہ اور بھی بے شمار نادر و نایاب قلمی اور مطبوعہ کتابیں مصوری کے شاہکار اور دوسرے نوادرات۔

(11) بلا اعراب قرآن پاک۔

(12) وہ بانس مبارک جو سرکار علیہ السلام نے خواب میں بیماروں کی شفا کیلئے عطا فرمائی۔

(13) جبے، تلواریں اور وظائف کی کتابیں وغیرہ۔

نواں باب

قطب الاقطاب، حضرت شیر شاہ سید جلال الدین بخاری، اوچی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی سید جلال الدین تھا اور آپ کے القاب، شیر شاہ' سرخ پوش' قطب کمال' قطب الاقطاب' شیخ الاسلام اور جلال اللہ ہیں۔

سلسلہ نسب

آپ حسینی سید ہیں سلسلۂ نسب یہ ہے۔ سید جلال الدین بن سید علی بن سید جعفر بن سید محمد بن سید محمود بن سید احمد بن سید عبداللہ بن سید علی بن سید جعفر بن سید علی بن محمد تقی بن سید امام علی رضا بن سید امام موسیٰ کاظم بن سید امام جعفر صادق بن سید امام محمد باقر بن سید امام زین العابدین علی بن سید امام حسین بن امام الائمہ حضرت علی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) صاحب "نزہۃ الخواطر" کے اس بیان کردہ سلسلۂ نسب کے مطابق آپ کے اور سید الشہداء، راکبِ دوشِ مصطفیٰ حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کے درمیان پندرہ واسطے ہوئے۔

شجرہ طریقت

قطب الاقطاب سید جلال الدین سرخ پوش بخاری قدس سرہ العزیز خانوادۂ سہروردیہ کے علاوہ خانوادہ حسینیہ کے سربراہ بھی تھے۔ خانوادہ حسینیہ میں آپ کا شجرۂ طریقت وہی ہے جو حضرت مخدوم مذکور کا شجرہ نسب ہے۔ آپ کو اس سلسلۂ جلیلہ میں خلافت کا خرقہ اپنے والدِ محترم حضرت مخدوم سید علی سے حاصل ہوا جو بخارا کے نامور اصحابِ طریقت میں سے تھے۔ (لیکن حضرت شیر شاہ سید جلال الدین کو شیخ الاسلام، غوث العٰلمین، حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی متوفی 661ھ سے جو تعلقِ خاطر تھا اس کی وجہ سے نسبت سہروردیہ کی شہرت آپ پر غالب آ گئی)(218)

ولادت باسعادت

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کی ولادتِ باسعادت 595ھ میں بخارا کی سرزمین پر ہوئی۔ آپ کے والدِ ماجد حضرت شیخ سید علی ابوالمویٔد بن جعفر حسینی سادات کے محترم ومبارک خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

تعلیم وتربیت

آپ کی تربیت وتعلیم اپنے والدِ ماجد کی نگرانی میں بخارا کے شہر میں ہوئی اور یہ بات زبانِ زدِ عام ہے کہ آپ مادرزاد ولی اللہ تھے۔ مخدوم غلام اصغر (اچھی سائیں) فرماتے تھے کہ آپ اپنی والدہ ماجدہ کے شکمِ اطہر میں قرآن پاک کے 30 پارے حفظ کر چکے تھے اور بظاہر آپ کو قرآن پاک کسی استاد کے پاس پڑھنے کی نوبت نہیں آئی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

صاحب حدیقہ الاسرار نے لکھا ہے کہ آپ نے اپنے سینہ کو علومِ ظاہری وباطنی سے پر کیا ہوا تھا۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ آپ علومِ حیدری کے وارث وامین تھے۔ صاحب نزھتہ الخواطر نے بھی آپ کی جلالتِ شان، عزت وعظمت اور علمی وروحانی مقام کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

وَكَانَ عَالِمًا كَبِيْرًا عَارِفًا فَقِيْهًا زَاهِدًا صَالِحًا مُنْقَطِعًا اِلَى اللهِ سُبْحَانَهٗ وَكَانَ يُدَرِّسُ وَيُفِيْدُ اَخَذَ عَنْهُ خَلْقٌ كَثِيْرٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَالْمَشَائِخِ وَبَارَكَ اللهُ تَعَالٰى فِىْ ذُرِّيَتِهِ الصَّالِحَةِ فَمَلَأَ مِنْهُ آفَاقَ الْهِنْدِ

(ترجمہ) آپ بہت بڑے عالم تھے۔ عارف باللہ تھے۔ فقیہ عابد، زاہد پارسا اور ساری دنیا سے کٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے۔ درس وتدریس کا مشغلہ تھا ایک دنیا آپ کے فیضِ علمی وروحانی سے بہرہ ور تھی اور بے شمار بندگانِ الٰہی علماء ومشائخ نے آپ سے علمی وروحانی استفادہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولادِ صالحہ میں بہت برکت عطا فرمائی پورا ہندوستان جن کی برکات سے فیضیاب ہوا۔

مردہ زندہ ہوگیا

حدیقہ الاسرار میں لکھا ہوا ہے کہ آپ کے بچپن کا زمانہ تھا کہ ایک آدمی مر گیا، لوگ اس کو دفن کرنے کیلئے شہر سے باہر لے جا رہے تھے کہ اچانک آپ کی نگاہ اس پر پڑی آپ نے پوچھا: یہ کون ہے اور لوگ کیا کر رہے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ مردہ کو دفن کرنے کیلئے گورستان لے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر وہ زندہ ہو تب بھی دفن کریں گے؟ اتنا کہنا تھا کہ مردہ بحکمِ ایزدی زندہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سارے لوگ حیران ہو گئے۔ لوگوں نے یہ بات آپ کے والد ماجد کو بتا دی۔ آپ کے والد ماجد نے آپ کو بلا کر ایک تھپڑ مارا اور فرمایا "پردہ دری شرع میکنی" تو شریعت کے پردے کو چاک کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: "اگر قبلۂ من ناراض نشدے آئندہ در بخارا کسے را موت نیامد" اگر قبلہ والد گرامی ناراض نہ ہوتے تو آئندہ کسی کو بخارا شہر میں موت کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔ (219)

تمام علمائے کرام نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں اس پر دلائل وشواہد موجود ہیں کہ اولیاء اللہ اور انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے مردہ زندہ کرنے کی قدرت بخشی ہے۔ ہم نے اس کی تفصیل اپنی کتاب "غوثِ اعظم غیروں کی نظر میں" لکھ دی ہے۔ اور دوسرا "مردوں کو زندہ کرنے کے واقعات" بھی موجود ہیں۔

وعلیک السلام یا ولدی

ایک بار آپ مناسکِ حج ادا کرنے کے بعد روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیت سے مدینہ منورہ گئے اور یہ آپ کی پہلی حاضری تھی۔ مدینۃ المنورہ کے لوگوں نے آپ کی جلالتِ شان دیکھ کر پوچھا: آپ کون ہیں؟ فرمایا: میں سید ہوں تو وہ آپ کو بصدِ ادب واحترام مواجہ شریف کے سامنے لے گئے اور عرض گذار ہوئے کہ ہمارا ایمان ہے حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مزار مطلعِ انوار میں بحیاتِ جسمانی جلوہ فگن ہیں۔ آپ اپنے سید ہونے کی تصدیق ان سے کرا دیں ورنہ آپ کو جھوٹ بولنے کی سزا ملے گی کیونکہ مدینۃ المنورہ میں اور گنبدِ خضریٰ کے سامنے اتنا بڑا جھوٹ! اس کی سزا بھی بڑی ہوگی۔ آپ نہایت عاجزی اور کمال زاری

کے ساتھ بارگاہِ رسالت مآب میں متوجہ ہوکر عرض گذار ہوئے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَالِدِيْ۔ ابا حضور! میرے سلام قبول فرمائیے۔

بلا تامل از اندرونِ روضہ آواز آمد۔ وَعَلَيْكَ اَلسَّلَامُ يَا وَلَدِيْ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ وَسِرَاجُ كُلُّ اُمَّتِيْ اَنْتَ مِنِّيْ وَمِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ۔

فوراً روضہ مقدسہ سے آواز آئی اے میرے بیٹے آپ پر بھی سلام ہوں تم تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور میری ساری امت کے چراغ ہو تم مجھ سے ہو اور میری اہل بیت سے ہو۔ جب لوگوں نے روضۂ مطہرہ سے اس آواز کو سنا تو سب کے سب آپ پر ہزار جان سے قربان ہونے لگے اور تعظیم و تکریم سے پیش آنے لگے اور اپنے مطالبہ پر معافی کے خواستگار ہوئے۔(219)

بعض تذکرہ نویسوں نے یہ واقعہ آپ کے پوتے حضرت سید جلال الدین حسین المعروف حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت علیہ الرحمہ کی طرف منسوب کیا ہے ممکن ہے کہ یہ دونوں بزرگ اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے ہوں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

سرخ پوش کی وجہ

تاریخِ اوچ میں مرقوم ہے کہ آپ نے ایک ظالم حکمران کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو اس نے غضبناک ہوکر آپ کو آگ میں زندہ جلا دینے کا حکم دے دیا۔ جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ پر آگ کا کچھ اثر نہ ہوا (مگر آپ کے کپڑے سرخ ہو گئے) یہ کرامت دیکھ کر وہ حاکم مسلمان ہوکر آپ کا گرویدہ ہوگیا اور اپنی لڑکی آپ کی زوجیت میں دے کر اپنی عقیدت کو چار چاند لگا دیئے۔ صاحبِ تاریخ نے لکھا ہے کہ اس بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ (آپ کے کپڑوں پر سرخی کے آثار دیکھ کر لوگ آپ کو سرخ پوش کہنے لگے۔ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے عاشقوں کو آگ نہیں جلاتی۔ موجودہ زمانے میں لاڑکانہ کے محمد پناہ کا واقعہ سب کے سامنے ہے۔ جو اخبارات میں آ چکا ہے۔)(جرأت لاہور

24 فروری 1998ء۔خبریں ملتان 25 فروری 1998ء)

اشرفیوں کی تھیلی

ایک بار آپ نے ایران سے ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔دورانِ سفر آپ کے قافلہ کے ایک ساتھی نے اشرفیوں کی ایک تھیلی بطورِ امانت آپ کے سپرد کی اور کہا کہ میں ہندوستان پہنچ کر آپ سے لے لوں گا۔راستے میں وہ تھیلی چوروں کی نذر ہوگئی۔اس کا علم تھیلی کے مالک کو بھی تھا مگر اس نے بکھر پہنچ کر تھیلی کا مطالبہ شروع کر دیا۔جب اس کا تقاضا بڑھا تو آپ اس کو دریا کے کنارے پر لے گئے دریا کے پانی میں ہاتھ ڈال کر تھیلی نکالی اور اس کے سامنے رکھ دی۔وہ شخص آپ کا معتقد ہوگیا اور اپنی تلخی وشدت کی معافی کا خواستگار ہوا۔

بھکر میں شادی

سید المحدثین شاہ عبدالحق محدثِ دہلوی متوفی 1052 نے اخبار الاخیار شریف میں لکھا ہے کہ جب آپ بکھر پہنچے تو آپ کو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نکاح کرنے کی بشارت ملی چونکہ یہ بشارت حضرت سید بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کے بارے میں تھی اس لیے اس بشارت سے حضرت سید بدرالدین بھی نوازے گئے اور اس سے قبل آپ کی دریا سے تھیلی نکالنے والی کرامت بھی مشہور ہو چکی تھی اور آپ سید بدرالدین کی نگاہوں میں نہایت ہی مبارک ومحترم بن چکے تھے۔حضور علیہ السلام کی طرف سے بشارتِ نکاح نے آپ کے مقام ومرتبہ میں مزید اضافہ کر دیا۔

ملتان کے اولے

بخارا سے آپ مشہد میں قیام پذیر ہوئے۔وہاں سے بکھر تشریف لائے اور وہاں سے ملتان جلوہ گر ہوئے۔ملتان کے زمانۂ قیام میں ایک مرتبہ گرمی اپنے عروج کو پہنچ گئی۔دھوپ کی شدت،موسم کی حدت اور سورج کی تمازت کے شعلے جسموں کو جلا رہے تھے آپ کی زبان سے اچانک یہ جملہ نکلا "آہ یخ بخارا در چنیں حرارت از کجا یابم" اس گرمی میں بخارا

کی ٹھنڈک کہاں سے ملے گی۔ بس آپ کے اس ارشاد پر آسمان ابر آلود ہو گیا اور بارش کے ساتھ مرغی کے انڈوں کے برابر اولے گرنے لگے۔ آپ ان کی برودت وٹھنڈک سے لطف اندوز ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے لگے۔

اوچ شریف میں تشریف آوری

اوچ شریف کی سرزمین پر آپ کی تشریف آوری ایک ایسے دور میں ہوئی جبکہ اس شہر کے گرد ونواح میں کفر اپنے عروج پر تھا۔ چولستان کا علاقہ ہندوؤں کے قبضہ میں تھا۔ ڈیراور، بھگلہ اور جیسلمیر کے قلعے راجپوتوں کی زینت بنے ہوئے تھے۔ کافروں کا طرزِ عمل مسلمانوں کے ساتھ دل آزاری ودشمنی پر مبنی تھا۔ حضرت سید جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روحانی قوت اور عملی طاقت اور ایمان وخلوص کی تاثیر سے اطراف واکناف کے بے شمار کفار کو دامنِ اسلام سے وابستہ کر دیا اور ''کُلُّ مُؤْمِنٌ اِخْوَۃٌ'' کی لڑی میں پرو کر سب کو ایک دوسرے کا خیر خواہ اور اسلامی بھائی بنا دیا۔ اسلام نے ہمیشہ بھائی چارے کا حکم دیا ہے اور عدل وانصاف قائم رکھنے کا تقاضا کیا ہے۔

مسلمان ہونے والی قومیں

حقیقت یہ ہے آپ کی نظر فیضِ اثر سے لاکھوں بندگانِ خدا مستفیض ہوئے جن میں بعض کا ذکر تاریخ اس طرح کرتی ہے۔ راجپوتوں کے متعدد قبائل آپ کی تبلیغ ودعوت اسلام سے مشرف بایمان ہوئے۔ چولستان کے علاقہ کا راجہ گھلو اور بہاولپور کی بیشتر اقوام مثلاً چڈہر، ڈاہر، سیال وغیرہ بھی آپ کے دستِ حق پرست پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

جھنگ سیال

صاحب خزینۃ الاصفیا نے لکھا ہے کہ جھنگ سیالاں کے شہر کے بانی حضرت سید جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ ہیں چنانچہ انکی عبارت ہے ''ہزار ہا مخلوقِ خدا را بہ ہدایت ہادی حقیقی براہ راست آورد وشہر جھنگ سیالاں کہ پنجاب مشہور ومعروف است بنا فرمود''۔

ترجمہ: ہزاروں لوگوں کو ہدایتِ حق سے راہِ راست پر لائے اور شہر جھنگ سیالاں جو

پنجاب کا مشہور ضلعی مقام ہے اس کی بنیاد آپ نے رکھی تھی۔

چنن پیر کی بشارت

جب آپ اوچ شریف میں مقیم ہوئے تو ڈیراور کا قلعہ اس وقت جیسلمیر کی حدود میں تھا اور یہاں کا راجہ کافر تھا ایک مرتبہ تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں آپ کا گزر اس مقام سے ہوا۔ آپ نے پوچھا: یہاں کوئی مسلمان بھی رہتا ہے۔ لوگوں نے نفی میں جواب دیا: آپ نے فرمایا: راجہ کی بیوی کو حمل ہے اور اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ ایک نیک سیرت مسلمان ومؤمن ہوگا۔ راجہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے بچہ کے پیدا ہونے کے بعد اس کو ڈیراور کے قریب ریت کے ٹیلے پر پھینکوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے غیب سے اس بچہ کی پرورش کا انتظام فرمایا (وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيْزٍ) بڑا ہو کر یہ بچہ چنن پیر کے نام سے مشہور ہوا اور اسلام کا بہت بڑا خادم اور مبلغ ثابت ہوا۔ چنن پیر کا سالانہ عرس کئی ہفتوں پر محیط ہے اور عرس کے موقع پر ایک سرکاری چھٹی بھی ہوتی ہے۔ (افسوس کہ اب اس میں خرافات کی کثرت در آئی ہے۔)

کنواں کیسے چلتا تھا؟

یہ بات مشہور ہے کہ جب آپ اپنے خلفا کے ساتھ اوچشریف تشریف لائے تو یہاں ایک کنواں جادو کے زور سے چلتا تھا اور اس سے رام رام کی آواز آتی تھی جب اس کنویں پر آپ رونق افروز ہوئے اور یہ تماشا دیکھا تو آپ نے اس کنویں کو حکم دیا کہ تو اُس اللہ کے نام سے چل جو تیرا اور میرا خالق ہے۔ چنانچہ کنویں سے بجائے رام رام کے اللہ اللہ کی آواز آنے لگی اور اس آواز نے ایوانِ کفر میں زلزلہ برپا کر دیا۔ جادوگروں نے بہت کوشش کی کہ جادو کا طلسم ایک بار پھر چڑھ جائے مگر ''ہنوز دلی دور است'' اس وقت اُوچ کی باگ ڈور ایک رانی کے پاس تھی یہ رانی بھی بہت بڑی جادوگرنی تھی اور اس کا دعویٰ تھا کہ میں مردے بھی زندہ کر سکتی ہوں۔ جب اس کو کنویں کا پتا چلا تو اس نے بصد ادب واحترام آپ کو دعوت دی اور بکرا خدمت میں پیش کیا آپ نے اس کو ذبح کرا دیا اور پکوا کر اپنے غلاموں کو کھلایا۔ کھانے سے فراغت کے بعد رانی نے کہا اگر تم سچے ہو تو اس بکرے کو زندہ کرو ورنہ میں اس

کو زندہ کر کے تمہارے کیے دھرے پر پانی پھیر دوں گی۔ آپ نے بکرے کی ہڈیاں اکٹھی کرالیں اور ان پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ ''قُمْ بِاِذْنِ اللهِ'' بکرا زندہ ہو گیا آپ نے فرمایا: دیکھ بکرا زندہ ہو گیا ہے۔ اس نے دیکھا تو بکرے کی تین ٹانگیں تھیں۔ اعتراض کرتے ہوئے اس نے کہا: تم نے بکرا سالم زندہ نہیں کیا۔ اس کی ایک ٹانگ تو نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: تو بھی تو اس گھمنڈ میں مبتلا ہے کہ میں بھی بکرا زندہ کر سکتی ہوں تو سارا بکرا زندہ نہ کر بلکہ اس کی ایک ٹانگ بنا دے۔ رانی کے جادو کا طلسم نگاہِ ولی کے سامنے بے اثر ہو کر رہ گیا، رانی نے جملہ کافروں کے ساتھ آپ کے ہاتھ مبارک پر اسلام قبول کر کے آپ کی غلامی کا پٹا پہن لیا اور گوہرِ ایمان سے اپنی جھولیاں بھر لیں۔ ''واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب''

مولوی حفیظ الرحمٰن نے تاریخِ اوچ میں یہ واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ جب سید جلال الدین سرخ پوش بخاری اوچ پہنچے تو اوچ کی تمام عورتیں کنویں پر پانی بھرنے کے لیے جمع ہوتیں اور کہتی تھیں کہ ''میاں کھوآ! میاں بدرالدین نے آکھیئے اللہ تعالیٰ دے حکم نال چل پئے'' اس بات پر کنواں چلنے لگ جاتا تھا اور عورتیں پانی بھر لیتیں تھیں۔ سید جلال الدین اس کیفیت کو دیکھ کر جذبہ میں آ گئے اور باآواز بلند کہا ''اے کھوآ'' میں حکم دیتا ہوں کہ ٹھہر جا۔ اس حکم کو سن کر کنواں ٹھہر گیا پھر جس قدر کوشش کی گئی کنواں نہ چلا۔ عورتیں حضرت بدرالدین کی خدمت میں گئیں اور انہیں کنویں کے رک جانے کا واقعہ سنایا۔ حضرت بدرالدین نے فرمایا کہ اب اوچ کا مالک آ گیا ہے چنانچہ وہ خود بھی اس وقت حضرت سید جلال الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت کی اجازت اور کلمہ کی آواز سے کنواں چل پڑا۔ یہ کنواں اب تک چاہ کلماں والا کے نام سے مشہور ہے۔ (220)

پانی کا پیالہ

قطب الاقطاب حضرت سید مخدوم جہانیاں جہانگشت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میرے دادا حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کے پاس لکڑی کا پیالہ تھا۔ جب آپ حجرے میں ذکر الٰہی کرتے تو وہ پیالہ بھی آپ کے ساتھ ذکر کرتا تھا (اس کی آواز حجرے کے باہر سنی

جاتی تھی) کسی شخص نے حضرت شیخ صدر الدین ملتانی سے پوچھا کہ حجرے میں حضرت صاحب کے سوا کوئی نہیں ہوتا لیکن آواز سے محسوس ہوتا ہے کہ دو آدمی ذکر کر رہے ہیں۔آپ نے فرمایا پیالہ ذکر کرنے میں آپ کی موافقت کرتا ہے۔(اس کے بعد حضور مخدوم جہانیاں نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ پیالہ اب تک ہمارے پاس بطور تبرک محفوظ ہے)(221)

کاتب الحروف نے اس پیالے کا دیدار کیا ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو بزرگوں کے تبرکات سے فیض نصیب فرمائے۔آمین

جہاز کی حفاظت

حضرت مخدوم جہانیاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ایک دن آپ سبق پڑھا رہے تھے۔ اچانک مراقبہ فرمایا اور سر نیچے کر لیا تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور سبق پڑھانا شروع کر دیا۔ شاگرد نے عرض کیا: حضور! جب تک مراقبے کا حال نہیں بتائیں گے میں سبق نہیں پڑھوں گا۔آپ نے فرمایا: سبق پڑھ لو! تمہارا کیا کام ہمارے معاملات سے؟ مگر طالب علم نہ مانا تو آپ نے فرمایا: ہمارے غلاموں کا جہاز دریا میں غرق ہو رہا تھا اور وہ لوگ ہمیں مدد کیلئے پکار رہے تھے تو ہم نے ہاتھ بڑھا کر جہاز کو کھینچ لیا۔آپ نے اپنی آستین دکھائی جو پانی سے تر تھی۔بعض شاگردوں نے تاریخ لکھ لی کچھ ایام کے بعد جہاز والے آپ کی زیارت کیلئے آئے اور قصہ بیان کیا جب تاریخ بتائی تو وہی تاریخ نکلی۔(222)

غوث کے بیٹے کی دعوت

حضرت شیر شاہ جلال الدین رضی اللہ عنہ اپنے شیخِ کریم حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی کی صحبت میں کم و بیش تیس سال تک رہے، ایک بار ملتان کے کسی خواجے نے ایک بھنی ہوئی بکری حضرت غوثِ پاک کے فرزند حضرت صدر الحق کی خدمت میں پیش کی، اس وقت آپ کے ساتھ سید جلال الدین اوچی بخاری اور مولانا جمال الدین امام اور مولانا بدر الدین امام موجود تھے خوانچہ دراز ہوا اور کھانا لگا دیا گیا مگر حضرت سید جلال الدین علیہ الرحمۃ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کھانا کھانے سے منہ پھیر لیا۔مولانا جمال الدین اور مولانا

بدرالدین بھی دست کش ہو گئے۔ غوث پاک کے جگر گوشے نے سب سے پہلے حضرت سید جلال الدین سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ''نفسم سخت طالب تناول این بریاں شدہ است'' میرا نفس اس بھونی ہوئی بکری کو کھانے کا سخت طالب تھا۔ میں نے یقین کرلیا کہ یہ حرام ہے کیونکہ نفس کتے کی طرح مردار کھانا چاہتا ہے۔ پھر آپ نے مولانا جمال الدین سے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ مخدوم زادہ کی نگاہِ کرم سے میری انگلی کی رگ پھڑ کنے لگ جاتی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب میرے سامنے حرام کھانا آ جائے۔ اس کے بعد آپ نے مولانا بدرالدین سے پوچھا تو آپ نے عرض کیا ''آواز مے شنوم لاتاکل فانھا میتۃ'' میں نے ایک آواز سنی ہے کہ نہ کھانا! یہ مردار ہے۔ شیخ الاسلام حضرت صدرالدین نے اس خواجہ کو بلوالیا اور پوچھا کہ یہ بکری کہاں سے لائے ہو؟ اس نے کہا قصاب سے۔ آپ نے قصاب کو طلب کرلیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو آپ نے خواجہ کو فرمایا جو رقم بکری کی اس کو دے چکے ہو وہ اس کو بخش دو اور اس کے بعد آپ نے قصاب سے پوچھا کہ اب تم سچ بتاؤ یہ بکری کہاں سے لائے ہو اس نے عرض کیا کہ میں ایک مفلس اور غریب آدمی ہوں میں نے دیہات سے دو بکریاں چورائیں تھیں ایک تو راستہ میں بھاگ گئی اور ایک کو میں پکڑ لایا اور بھون کر خواجہ کے ہاتھ پر فروخت کردی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کسی کو علم نہیں ہے، آپ نے وہ بکری کتوں کے آگے ڈلوادی۔ (223)

چار یار

مشہور مؤرخ میر علی شیر فاتح ٹھٹھوی اپنی کتاب تحفۃ الکرام میں لکھتے ہیں۔ ''سید جلال الدین بخاری''، جنہیں سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کا لقب حاصل ہے وہ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے مرید اور یار ہیں یہ بزرگ آپس میں چار یار کہلاتے تھے۔

(1) حضرت شیخ غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی
(2) حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر
(3) حضرت شیخ سید عثمان مروندی لعل شہباز قلندر

(4) حضور شیخ سید جلال الملة والدین بخاری'' (رحمۃ اللہ علیہم) (224)

صاحب خزینۃ الاصفیا نے آپ کے پانچ صاحبزادوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ''ایں پنج فرزند چوں پنج بنائے اسلام درولایت وشرافت وخوارق اشتہار داشتند'' (ترجمہ) یہ پانچوں فرزند جو اسلام کی پانچ بنیادوں کی طرح تھے ولایت شرافت اور خوارق یعنی کرامات میں شہرت رکھتے تھے۔

صاحب حدیقۃ الاسرار نے لکھا ہے کہ ''فرزندان آنجناب والا شان بر بنائے پنج ارکان اسلام تطبیق پنجتن پاک علیہم السلام پنج بودند اول سید علی دوم سید جعفر نواسہ بادشاہ بخارا کہ بر دو صاحبان بفرمان عالیشان بہ بخارا رفتہ مقیم آنجا شدند۔ سوم۔ سید احمد کبیر از بطن عفت بی بی صبیہ سید بدر الدین بھاکری۔ چہارم۔ سید صدر الدین محمد غوث۔ پنجم۔ سید بہاؤ الدین محمد معصوم از بطن سیدہ شریفہ و ہر پنج حضرات صاحب خوارق وکرامات بودند۔

نگاہ جلال

ایک درویش تغلق افغانی جو ظاہری وباطنی تصرف میں مشہور تھا اوچ شریف آیا اور آپ کو ملنے کی خواہش کا اظہار کیا آپ اس وقت اپنے حجرے میں عبادتِ الٰہی میں مشغول تھے جب ملاقات ہوئی تو اس نے آپ کو دیکھ کر اپنے دل میں کہا! ''بزرگے کامل است اما متاہل خواہد شد و بسیار اولاد ایشاں فاسق وفاجر نیز خواہد'' بزرگ تو کامل ہے شادیوں سے جو اولاد ہو گی اکثر وبیشتر فاسق وفاجر ہوں گے۔ ''جانب وے نظر جلال اندوخت کہ سوخت وخاکستر گشت روح وے بسوخت'' آپ نے اس پر نگاہ جلال ڈالی تو وہ اس وقت جل کر راکھ ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (225)

انتقال پرملال

آپ علمی، عملی اور روحانی فیوض وبرکات سے کائنات کو فیضیاب کرنے کے بعد 95 سال کی عمر میں 19 جمادی الاولیٰ 690ھ مطابق 20 مئی 1291ء کو اس دارِ فانی سے انتقال فرما کر خلد آشیاں ہوئے۔ ہجری سن کی تاریخ وفات لفظ مخدوم سے برآمد ہوتی ہے۔

آپ کا عرس مبارک 17-18-19 جمادیٰ الاولیٰ کو آپ کے مزار مطلعِ انوار مسجد پاک کے احاطہ میں ہوتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے مؤلف کے رسالے سید جلال الدین یا کرامات سرخ پوش میں دیکھیں۔

مخدوم سید احمد کبیر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری ثانی حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے دو فرزند حضرت علی وحضرت جعفران کے ہمراہ بخارا سے آئے تھے کچھ دن کے بعد برصغیر پاک وہند میں میں رہ کر واپس چلے گئے۔ (226)

بدر الدین بھکری کی دو صاحبزادیاں جو یکے بعد دیگرے حضرت جلال الدین کے نکاح میں آئیں۔ دوسری صاحبزادی سے سید محمد غوث سید بہاؤ الدین اور سید احمد کبیر پیدا ہوئے۔ سید احمد کبیر کی ولادت 684 ہجری میں ہوئی تھی آپ کی دینی وروحانی تربیت ثانی حیدر کرار کی گود مبارک میں ہوئی تھی۔ آپ نے شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت صدر الدین سجادہ نشین شیخ الاسلام شیخ المشائخ حضرت غوث العالمین بہاؤ الحق والدین زکریا ملتانی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ مرید ہونے کے ساتھ ساتھ خرقۂ خلافت بھی انہیں سے حاصل کیا۔ سید احمد کبیر بخاری بڑے عارف وذاکر وشاکر اور صاحبِ کرامات بزرگ تھے لیکن کشف وکرامات کو چھپائے رہتے تھے۔ خشیتِ الٰہی کا ان پر انتہا کا غلبہ تھا کہ وہ اس خوف کی وجہ سے بستر پر نہیں سوتے تھے سردی وگرمی میں صرف ایک کپڑا اوڑھ کر آرام کرلیا کرتے تھے دن اور رات میں دو قرآنِ پاک ختم کیا کرتے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں قرآنِ مجید سے بہت محبت تھی۔ (227)

جب قرآنِ پاک پڑھتے تھے تو گویا سینہ مبارک سے نعرے نکل رہے ہوتے تھے۔ شیخ المشائخ حضرت صدر الدین عارف سہروردی کے خلیفہ اور سلسلۂ سہروردیہ کے نامور بزرگ قطب الاقطاب شیخ جمال الدین خنداں رو رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید احمد کبیر کی بہت حفاظت کرتے تھے اور آپ کی بے حد رعایت فرماتے تھے ایک بار حضرت شیخ جمال نے فرمایا کہ

مجھے حضرت جلال الدین بخاری نے حکم فرمایا تھا کہ میرا فرزند احمد کبیر بڑا با شوق ہے وہ عشقِ الٰہی میں اعلیٰ مقام کا مالک ہوگا اس کی حفاظت کرنا اور اس کی رعایتِ دل کو ملحوظ رکھنا۔ جوانی میں حضرت سید احمد کبیر حضرت شیخ جمال خنداں رو کا کچھ خیال نہ رکھتے تھے اور ان کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رکن الدین ابوالفتح یعنی شاہ رکنِ عالم نوری حضوری قدس سرہ العزیز نے حضرت مخدوم کے ذریعہ پیغام بھیجا تو سید احمد کبیر بخاری فوراً حضرت جمال خنداں رو کی خدمت میں پہنچے اور قدم بوسی کا شرف حاصل کیا پھر کبھی بے پروائی کا مظاہرہ نہ فرمایا۔ حضرت مخدوم سید احمد کبیر پر جس طرح تلاوتِ کلامِ الٰہی کے وقت ایک وجدانی کیفیت طاری ہوتی تھی اسی طرح نمازِ فرض و نفل کی ادائیگی میں بھی آپ پر غلبہ اور کشف کا یہ عالم ہوتا تھا کہ آپ نعرہ مارتے اور زار وزار روتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے ''اللہ تعالٰی کی عبادت یوں کرو کہ گویا اس کی زیارت کر رہے ہو اگر یہ تصور نہ بن پائے تو پھر یوں بنو کہ ہمارا معبود ہمیں دیکھ رہا ہے''۔ آپ اس مقام پر فائز تھے۔

بہشتی روٹی

قطب الاقطاب سرکار مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں مکہ مکرمہ میں مقیم تھا تو دیکھا کہ ایک بزرگ جبلِ ابوقبیس پر حجرہ میں مشغولِ عبادت تھے۔ مکۃ المکرمہ کے شیخ قطبِ عالم، حضرت شیخ عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم جاؤ اور اس بزرگ کی زیارت کرو! میں گیا اور دروازے پر دستک دی انہوں نے پوچھا: دروازے پر کون ہے؟ میں نے کہا: اَنَا وَلَدُ رَسُوْلِ اللهِ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جگر گوشہ ہوں! اے میرے سردار میرے لیے دروازہ کھول دیں تا کہ میں آپ کی زیارت کرلوں۔ انہوں نے فوراً دروازہ کھول دیا اور مجھے مصافحہ کا شرف بخشا۔ مجھے کافور سے بھی زیادہ سفید قرص (ٹکیاں) عطا فرمائیں۔ میں نے وہ اپنے شیخ حضرت یافعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت پیش کردیں، آپ نے خود بھی کھائیں اور مجھے بھی کھلائیں اور فرمایا: اے سید! یہ جنت کی روٹی ہے وہ ٹکیاں اوچ شریف میں لے آیا اور اپنے والدِ کریم حضرت مخدوم سید احمد کبیر کی خدمت میں پیش کیں آپ نے بھی انہیں تناول

کیا وہ قرص نباتِ مصری سے زیادہ شیریں تھیں۔(228)

حضرت سید احمد کبیر بخاری کی رحلت کا واقعہ اس طرح ہے کہ مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: والد مخدوم بزرگ نے جس رات انتقال کیا (اس رات) دعا گو خدمت میں حاضر تھا اور اس رات عشا کی نماز وقتِ مستحب میں نہیں پڑھ سکے، جب آدھی رات ہوئی تو مجھے بلایا۔ پورا وضو کیا عشا کی نماز اور وتر ادا کئے آپ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے جان اللہ تعالیٰ کے سپرد کی۔(229)

5 محرم الحرام 750 ہجری میں آپ خلد آشیاں ہوئے۔ مشہور یہ ہے کہ آپ کا مزار حضرت شیر شاہ سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کے مزار سے متصل ہے۔ مخدوم سید احمد کبیر کا کڑا اور ہدا بہت مشہور ہے۔ بلبل چمنستان رسالت حضرت مولانا خورشید احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سانپ کو قبضہ میں لینے کیلئے جوگی آپ کے نام کا ہُدا دیتے ہیں اور سانپ آپ کے نام کا ہُدا مان کر خود کو جوگی کے حوالے کر دیتا ہے۔ خورشیدِ ملت کے الفاظ یہ ہیں "ایڈوں جوگی سید احمد کبیر دا ہُدا ڈیندا ہا ☆ اُوڈوں مشکی زمین چیر تے باہر آویندا ہا"

کاشفِ اسرارِ لوح و قلم حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اصل نام جلال الدین حسین ہے۔ آپ کا مشہور لقب مخدوم جہانیاں جہانگشت ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت 15 شعبان 707ھ میں ہوئی آپ نے فرمایا کہ پیدائش دعا گو کی شب برات میں ہے۔ 707ھ میں آپ نے اپنی عمر کا جب حساب لگایا تو فرمایا کہ اس فقیر نے شمار کیا ہے تو اب میری عمر 75 برس ہوگئی ہے۔(230)

آپ کے والدِ کریم سید احمد کبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی تعلیم و تربیت کا بہت خیال رکھا۔ گھر میں تعلیم و تربیت کے باوجود آپ کو امام الاولیا حضرت جمال الدین خنداں رُو یعنی سرکار جمال درویش کی بارگاہ میں لے گئے ان کے پاس کھجوروں کا ٹوکرا رکھا ہوا تھا، انہوں نے آپ کی آمد کی خوشی میں انہیں تقسیم کر دیا مخدوم جہانیاں نے اپنے حصے کی کھجوریں گٹھلیوں کے ساتھ کھالیں، شیخ نے یہ دیکھ کر فرمایا: تم نے گٹھلیوں کو بھی کھالیا؟ جواب دیا: آپ کے

ہاتھ مبارک کی کھجوروں کی گٹھلیاں بھی بابرکت تھیں اس لیے انہیں پھینکنا مناسب نہ سمجھا، حضرت جمال درویش نے فرمایا: تم اپنے خاندان اور اپنے فقر کو روشن کرو گے۔(231)

ولی اللہ وہ ہوتا ہے جو دینی علوم سے بہرہ ور ہو اور شریعت پر عمل کرے، ہمارے جملہ بزرگانِ دین عالمِ باعمل اور اللہ تعالیٰ کے اولیا میں سے تھے۔ حضور مخدوم جہانیاں نے بھی دینی وروحانی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونے کیلئے ابتدائی تعلیم اوچ میں حاصل کی۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے لکھا ہے ''حضرت مخدوم کا خاندان دو پشت سے برصغیرِ پاک وہند میں رشد وہدایت کا مرکز بنا ہوا تھا ان کے دادا اور باپ سہروردی سلسلہ کے مشائخ میں سے تھے اور ان کی خانقاہ اوچ میں مشہور تھی حضرت مخدوم نے ابتدائی تعلیم وتربیت اوچ میں حاصل کی اوچ کے دو اساتذہ شیخ جمال الدین خنداں رو اور شیخ بہاؤالدین (قاضیِ اوچ) کے پاس پڑھتے رہے۔ شیخ جمال خنداں رُو کے درس میں ہدایہ، بزدوی، مشارق الانوار، مشکوٰۃ المصابیح اور عوارف المعارف کا دورہ رہتا تھا، حضرت مخدوم نے شیخ جمال سے حدیث کا درس بھی لیا تھا۔ قاضیِ اوچ شیخ بہاؤالدین کے پاس حضرت مخدوم نے ہدایہ اور بزدوی کا کچھ حصہ پڑھا تھا۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں: مولانا بہاؤ الدین قاضیِ اوچ دعا گو کے استاد تھے۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو آپ ملتان شریف چلے گئے۔ حضرت شاہ رکنِ عالم نوری حضوری نے آپ کے قیام کا انتظام مدرسے میں کر دیا اور لوگوں کو فرمایا حضرت جلال الدین بخاری کا پوتا تحصیل علم کیلئے تشریف لایا ہے پھر انہوں نے آپ کی تعلیم کیلئے شیخ موسیٰ اور مولانا امجد الدین کو مقرر کیا۔ انہوں نے آپ کو ہدایہ وبزدوی کا باقی حصہ پڑھا دیا۔ آپ نے ملتان میں ایک سال قیام فرمایا۔ اور نہایت آرام سے رہے، شاہ رکنِ عالم آپ کے قیام وطعام کا خیال رکھتے تھے۔ روزانہ اچار، روٹیاں اور آشام کا ایک پیالہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا، آشام میووں، گھی اور دودھ سے تیار ہوتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں مجھے ایسا آشام کبھی نہیں ملا۔ تکمیلِ علم کے بعد حضرت شاہ رکنِ عالم نے آپ کو بہت اعزاز واکرام کے ساتھ اوچ شریف اپنی کشتی سے بھیجا۔ سلطان محمد تغلق نے آپ کو

شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز کر دیا۔(232)

اور سیوستان کی جاگیر آپ کو دے دی آپ نے وہاں خانقاہِ محمدی تعمیر کرائی پھر چند دنوں کے بعد سب کچھ چھوڑ کر عرب شریف چلے گئے۔(233)

آپ کو مخدوم جہانیاں اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ عید کے دن حضرت شیخ صدر الدین کے روضہ پر حاضر ہوئے اور عیدی کی استدعا فرمائی، اندر سے آواز آئی کہ (تمہاری عیدی یہ ہے کہ) حق تعالیٰ نے تجھ کو مخدوم جہانیاں کر دیا ہے، جب شیخ رکن الدین کے روضے پر گئے تو وہاں سے بھی یہی آواز آئی۔ جب باہر آئے تو ہر شخص آپ کو مخدوم جہانیاں کہہ کر خطاب وسلام کرتا تھا۔(234)

حضرت مخدوم جہانیاں کی تابعیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی حالت میں دیکھنے والے کو صحابی کہتے ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ایمان کی حالت میں دیکھنے والے کو تابعی کہتے ہیں اور تابعین کو ایمان کی حالت میں دیکھنے والے کو تبعِ تابعین کہا جاتا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔''(235)

حضرت مخدوم جہانیاں مکۃ المکرمۃ میں شیخِ وقت حضرت عبداللہ یافعی اور مدینۃ المنورہ میں حضرت عبداللہ مطری کے پاس پڑھتے رہے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ نے آپ کو جہاں بے شمار کمالاتِ معرفت عطا فرمائے وہاں آپ کو تابعی ہونے کی عظمت بھی مرحمت فرمائی تھی۔ ایک جن صحابی سے آپ کو شرفِ تلمذ (شاگردی) حاصل تھا۔ اس بات کو سید جلال الدین محمد مقصود عالم شاہ رضوی نے اپنے رسالہ ''القول الصواب فی تعریف الاصحاب'' میں بیان فرمایا ہے پھر ان کے صاحبزادے علامہ جعفر رضوی نے ان سے ''الفیض الطاری شرح صحیح البخاری'' میں نقل کیا ہے۔(236)

سید السادات حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہ العزیز نے فرمایا میں نے چند مشائخ

سے خرقہ پہنا ہے (یعنی خلافت حاصل کی ہے) بعض سلسلے دس، بارہ واسطوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتے ہیں لیکن میں نے ایک ایسا خرقہ پہنا ہے کہ درمیان میرے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک واسطہ ہے وہ خرقہ حضرت خضر علیہ السلام کا ہے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہنا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں بعض یاروں کو پہناؤں گا۔ (237)

آپ نے دنیا بھر کے مشائخ کی زیارت کی اور تقریباً بیس مشائخ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ مفتی غلام سرور لاہوری کا بیان ہے کہ حضرت مخدوم علیہ الرحمۃ چودہ خانوادوں کے خلیفہ تھے اور حضرت غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے آپ کی محبت، عشق کی حد تک پہنچی ہوئی تھی حضرت مخدوم کریم اپنے ملفوظ میں خود لکھتے ہیں "یعنی حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بشارت ہے اس شخص کیلئے جس نے مجھے دیکھا یا اس کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا" حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ایسے بزرگ کو دیکھا، جس نے صرف ایک واسطے سے حضرت شیخ الشیوخ کی زیارت کی ہے اور حضرت شیخ الشیوخ حضرت محبوبِ صمدانی سے براہِ راست استفاضہ فرما چکے ہیں۔ (238)

ایک اور موقع پر حضرت مخدوم اس امر کی خود تشریح فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری علیہ الرحمۃ تھے انہوں نے مجھے خرقہ عنایت کیا اور انہوں نے یہ نعمت شیخ الشیوخ سے پائی تھی۔ (239)

آپ دو سال تک مدینہ منورہ میں رہے اور کئی بار مسجد نبوی شریف میں امامت کے فرائض انجام دیئے۔ (240)

آپ عراق تشریف لے گئے اور شہر شوکارہ میں شیخ شرف الدین محمود تستری سے ملے وہ ایک سو تیس سال کے تھے لیکن صحت اتنی اچھی تھی کہ جمعہ کے دن عصا ہاتھ میں لے کر نماز کو جاتے۔ حضرت مخدوم نے کچھ عرصہ یہاں قیام کیا، شیخ سے عوارف کا درس لیا اور خرقہ حاصل کر کے زرون چلے گئے یہاں حضرت قطب الاقطاب شاہ رکنِ عالم نوری حضوری کے مرید شیخ امین الدین رہتے تھے وہ وصال کر گئے تھے انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو مقراض

اور سجادہ دے کر وصیت کی تھی کہ جب سید جلال الدین اس طرف آئیں تو یہ امانتیں ان کے حوالے کر دینا۔ چنانچہ شیخ امام الدین نے یہ تبرکات آپ کے سپرد کیے آپ نے شیراز، بیت المقدس بغداد، رئے، کرمان، ہمدان، بلخ، خراسان، استنبول، بخارا، سنجر، گنجہ، خیبر، بدخشاں، خوارزم، تبریز، اصفہان، یمن، دمشق، غزنی اور شہر سیستان (میں جانے) کا ذکر اپنے سفرنامے میں کیا ہے۔(241)

آپ فرماتے ہیں کہ مجھے حکم ملا'' کربلا جا کر امام حسین (علیہ السلام) شہید کی زیارت کریں۔ میں نے مزارِ پاک کے پاؤں سے سرمہ اٹھایا خود بھی آنکھوں میں ڈالتا رہا اور بے شمار مخلوق نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ کئی اندھے بینا ہو گئے، جس روز امیر المؤمنین امام الثقلین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا خون مبارک زمین کربلا پر تشریف لایا تھا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم ملا کہ قطرے خون مبارک کے زمینِ کربلا پر پڑے رہیں اور باقی خون اٹھالو۔ ان چند قطروں کی یہ تاثیر ہے کہ جب کسی کو زحمت ہو مثلاً لنگڑا، کوڑھی، بہرا یا گونگا وغیرہ اس جگہ کی خاک پاک لے کر مرض والی جگہ پر ملے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اچھا ہو جائے گا، اس زمین میں ایک غار مقدار چوبیس گز عمیق ہے وہ عاشورا کے روز مانند دیگ کلائی کے جوش میں آتا ہے۔(242)

صاحبِ انیس القادر یہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت مخدوم اپنے آستان پر تشریف فرما تھے کہ اچانک کھوڑوں کی گھاس میں آگ لگ گئی اور ہولناک شعلے اٹھنے لگے۔ حضرت مخدوم نے تھوڑی سی مٹی پر'' یا شیخ عبدالقادر جیلانی پڑھ کر دم کیا اور اسے گھاس کی طرف پھینک دیا جس سے آگ فوراً بجھ گئی۔''(243)

آپ کے ملفوظات کے مؤلف سید علاؤالدین علی بن سعد حسینی فرماتے ہیں کہ آپ ایک سو اٹھاسی علوم کے ماہر تھے ان علوم کی فہرست بھی ملفوظات میں موجود ہے۔(244)

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدثِ دہلوی نے فرمایا:'' جامع است میانِ علم وولایت وسیادت'' آپ علم اور ولایت وسیادت کے جامع تھے۔(245)

آپ کی ذاتِ گرامی مجمع البحرین تھی یعنی علومِ ظاہری و باطنی کے بحرِ بے کنار تھے۔

ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ آپ نے باطنی وروحانی علوم حاصل کیے اور منازلِ سلوک طے کر کے دنیائے ولایت میں ایک خاص مقام حاصل فرمایا۔ شیخ محقق متوفی 1052ھ فرماتے ہیں: آپ کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ جس سے معانقہ کرتے اور گلے ملتے اس سے اس کی کرامتیں لے لیتے اور اس پر اتنی توجہ ڈالتے کہ اس کے پاس جتنی نعمتیں ہوتیں وہ بے اختیار ہو کر آپ کو دے دیتا۔ آپ چودہ خانوادوں کے خلیفہ تھے۔ قطبِ فلکِ ولایت، مرکزِ دائرۂ ہدایت، صاحبِ آیاتِ ظاہرہ وکراماتِ باہرہ، شیخ عبد الواحد متوفی 912ھ فرماتے ہیں: مخدوم جہانیاں قدس اللہ سرہٗ کی سیادت وفرزندگی کا ثبوت روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ثابت اور مقرر رہے۔ (246)

آپ جب مدینہ منورہ پہنچے تو زیارت کے لیے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حاضر ہوئے۔ لوگوں نے منع کیا کہ اب وقت ختم ہو گیا ہے۔ آپ جلال میں آ کر کھڑے رہے اور عرض کیا: ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا جَدِّیْ'' اے نانا! آپ پر سلام ہوں۔ (لوگ مجھے نہیں آنے دیتے) روضۂ مبارکہ سے آواز آئی: ''وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا وَلَدِیْ'' اے میرے بیٹے آپ پر سلام ہوں۔ (لوگو! انہیں چھوڑ دو، اس کو آنے دو منع نہ کرو یہ میرا فرزند ہے) یہ سن کر مجاور لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا اور تعظیم کرنے لگے لوگوں نے آپ کی صحبت اختیار کر لی اور فیض حاصل کیا۔ (247)

748ھ میں جمعہ کی رات کو آپ روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے آپ کے پیچھے بھی زائرین کھڑے تھے۔ جب آپ زیارت سے فارغ ہوئے تو سو گئے۔ حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے میرے بیٹے! میری زیارت کرنے والوں کے آگے کھڑے ہونے میں احتیاط کیا کرو! آپ فرماتے ہیں کہ ''میں نے عہد کیا کہ اب ایسا نہیں کروں گا'' (248)

حضرت مخدوم جہانیاں قدس اللہ وجہہ کے کمالاتِ معرفت اور سعادت ودولت کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے اور نہ وہ تحریر وتقریر میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ ایک بزرگ نے آپ کا اور

آپ کے مریدوں کا تذکرہ مناجات کی صورت میں کیا ہے اور وہ یہ ہے "الٰہی! مخدوم جہانیاں کے صدقے میں اور ان پندرہ ہزار مریدوں کے طفیل جو دانش مند، اہلِ تقویٰ ہیں۔ الٰہی! مخدوم جہانیاں کے صدقہ میں اور ان کے ان بارہ ہزار سات سو پچپن مریدوں کے طفیل جو خلفا ہیں۔ الٰہی! مخدوم جہانیاں کے صدقے اور اس کے ان دو ہزار پینتیس مریدوں کے طفیل جو اوتاد ہیں۔ الٰہی! مخدوم جہانیاں کے صدقے اور ان کے ان سات ہزار سات سو مریدوں کے طفیل جن کا مصلّٰی ہوا میں ہے۔ الٰہی! مخدوم جہانیاں کے صدقہ اور ان کے ان ایک لاکھ بارہ ہزار چھ سو ساٹھ مریدوں کے طفیل کہ جو صوفی اور اہل سنت و جماعت سے ہیں۔ الٰہی! مخدوم جہانیاں کی بندگی کے صدقے اور ان کے ان دس ہزار مریدوں کے طفیل جو وجد و احوال والے ہیں۔ الٰہی! مخدوم جہانیاں کے صدقے اور ان کے ان دو ہزار پینتیس مریدوں کے طفیل جو اسلام کے بھیدوں سے واقف ہیں۔ الٰہی! مخدوم جہانیاں کے صدقے اور ان کے ان ایک ہزار سات سو اکتالیس مریدوں کے طفیل جن کے دل حق کے ساتھ مشغول ہیں اگرچہ زبان خلق کے ساتھ مصروف ہے۔ الٰہی! مخدوم جہانیاں کے صدقے اور ان کے ان نو سو ننانوے مریدوں کے طفیل جنہیں موجوداتِ عالم میں کسی موجود کا ہوش نہیں۔ الٰہی! مخدوم جہانیاں کے صدقے اور ان کے ان دو سو پنتالیس مریدوں کے طفیل کہ اگر وہ کوئی بات کہیں تو دنیا والے انہیں دیوانہ کہیں۔ الٰہی! مخدوم جہانیاں کے صدقے اور ان کے ان بیس مریدوں کے طفیل جو اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ الٰہی! مخدوم جہانیاں کے صدقے اور ان کے ان دو مریدوں کے طفیل جن کے چہرے کے سامنے آفتاب نہیں چمک سکتا۔ الٰہی! مخدوم جہانیاں کا صدقہ اور ان کے ان دو مریدوں کا صدقہ جو مخلوق سے بالکل التفات نہیں برتتے۔ الٰہی! مخدوم جہانیاں کا صدقہ اور ان کے ان پانچ سو پچیس مریدوں کے طفیل جو عام بندوں میں خلط ملط ہیں۔ الٰہی! مخدوم جہانیاں کا صدقہ اور ان کے ایک لاکھ اٹھاسی ہزار سات سو پانچ مذکورہ بالا مریدوں کے طفیل اس عاجز کو تمام دینی اور دنیوی پریشانیوں سے نجات دے اور بہتر بنا دے۔(249)

کاتب الحروف کو پورا یقین ہے کہ بندہ جب مذکورہ بالا مناجات بارگاہِ رب الارباب میں پیش کرے گا تو مجیب الدعوات اسے ہرگز خالی ہاتھ نہ لوٹائے گا۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''بیشک تمہارا رب زندہ ہے کریم ہے اس بات سے حیا فرماتا ہے کہ بندہ اس کے آگے ہاتھ پھیلائے اور وہ ان کو خالی لوٹا دے۔'' (250)

زندگی آ گئی

ایک دفعہ آپ بی بی حوا رضی اللہ عنہا کے مزار پر فاتحہ کے لیے تشریف لے گئے۔ ایک جنازہ لایا گیا، دریافت پر معلوم ہوا کہ حضرت بدرالدین یمنی کا جنازہ ہے۔ آپ نے فرمایا: جلدی دفن نہ کرو! ممکن ہے کسی بیماری کی وجہ سے مردہ معلوم ہوتے ہوں۔ چنانچہ جنازہ مسجد میں رکھا گیا، آپ بھی مسجد میں نوافل ادا کر کے قرآنِ مجید کی تلاوت میں مصروف ہو گئے جب اس آیت پر پہنچے ''یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ'' حضرت بدرالدین کی لاش میں حرکت پیدا ہو گئی اور وہ اٹھ کر حضرت مخدوم کی قدمبوسی کرنے لگے۔ آپ نے انہیں لباس پہنایا اور عصر کی نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ انہوں نے آپ کے فرمان کے مطابق نماز پڑھائی۔ (251)

بے ادبی کی سزا

سرکار مخدوم جہانیاں جہانگشت نوراللہ مرقدہ عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ اور طہارت و ورع کے پیکر تھے۔ شریعت کے پابند تھے، ماہِ رمضان میں آپ نے اوچ کی جامع مسجد حاجات میں اعتکاف فرمایا۔ اوچ کا حاکم جس کا نام سومرہ تھا جامع مسجد میں آیا۔ آپ کے پاس لوگ جمع ہو گئے اس نے سب کو مسجد سے باہر نکال دیا۔ آپ کو یہ بات ناگوار گذری آپ نے سومرہ سے فرمایا کہ اے سومرہ تو دیوانہ (پاگل) ہو گیا ہے کہ درویشوں کو تنگ کرتا ہے۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ سومرہ دیوانہ ہو گیا۔ سومرہ کی ماں اس کو آپ کے پاس لائی اور آپ سے معافی کی خواستگار ہوئی۔ آپ نے فرمایا سومرہ کو غسل دے کر اور کپڑے پہنا کر حضرت جمال الدین خنداں رُو کے مزار پر لے جا اور پھر میرے پاس لے

آ! اس کی ماں نے ایسا ہی کیا۔ سومرہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے آپ سے اور درویشوں سے معافی مانگی اور اپنا سر آپ کے قدموں پر رکھا آپ نے دعا فرمائی تو وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ (252)

2۔ مخدوم جہانیاں قدس سرہ مخدوم شیخ نور قطبِ عالم پنڈوی کی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے پنڈوہ میں تشریف لائے۔ جب آپ کو مرقدِ پاک میں اتار دیا گیا اور تمام لوگوں کو واپسی کی اجازت مل گئی بادشاہِ وقت وہاں حاضر تھا وہ بھی جانے لگا تو مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ سے عرض کیا: غلام کی آرزو ہے کہ غریب خانہ آپ کے مبارک قدموں کے شرف سے مشرف ہو جائے؟ آپ نے اس کی عرض کو قبول کر لیا۔ ایک روز اس کے محل میں تشریف لائے، بادشاہ نے اپنے تمام امیروں اور رئیسوں کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور بہت اعزاز و اکرام سے پیش آیا۔ بادشاہ کی مجلس میں ایک بے ادب بھی موجود تھا، اس نے کہا: اے بادشاہ! آپ نے ایک بدعتی کی اتنی تعظیم و توقیر کی؟ بادشاہ کو اس کی بات بُری لگی اور پوچھا کہ انہوں نے کونسی بدعت کی ہے؟ اس نے کہا کہ آپ شرع کے مخالف ایک قول کرتے ہیں کہ ''التعریف لیس بشی'' تعریف کوئی چیز نہیں ہے (اس کی تشریح آ رہی ہے) آپ اس وقت نمازِ مغرب میں مشغول تھے اس لیے بادشاہ چپ رہا۔ جب آپ نے فراغت پالی تو اس بے ادب نے حضرت مخدوم سے کہا: آپ خاموش کیوں ہیں جواب دیں؟ حضرت مخدوم نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب توجہ کی اور جواب حاصل کر کے فرمایا: ''دیکھو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحِ مبارک تشریف فرما ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں: یہ میری سنت ہے۔'' اس بے ادب نے جواب دیا: لوگو یہ شخص پہلے بدعتی تھا اور اب کافر ہو گیا ہے۔ جو یہ کہے کہ فلاں کی روح میرے پاس ہے وہ غیب کی خبر دیتا ہے اور وہ کافر ہو جاتا ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ نے فرمایا: ''تعجب ہے کہ تیری زبان منہ میں برقرار ہے؟'' (فوراً) اس کی زبان ایک ہاتھ باہر نکل آئی وہ خاک پر گر پڑا اور مر

گیا۔ بادشاہ نے کہا اس گستاخ و بیباک کو اٹھاؤ اور اس کے گھر پہنچادو۔

فائدہ: ''معدن الحقائق شرح کنز الدقائق'' میں ہے کہ تعریف یہ ہے کہ لوگ عرفہ کے روز عرفات کے علاوہ کسی اور مقام میں حجاج کی مانند جمع ہوں وہاں وقوف کریں۔ دعا مانگیں اور گریہ وزاری میں رہیں تاکہ حاجیوں سے تشبیہ ہو جائے۔ ''نہایہ شرح ہدایہ'' میں ہے۔ تعریف واجب یا سنت مؤکدہ نہیں بلکہ مستحب ہے ایسا ہی زخیرہ (کتاب) میں ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ سے روایاتِ اصول کے علاوہ اور روایت میں ہے کہ وہ مکروہ نہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے بصری میں یہ فعل کیا۔ (253)

ایک لمحہ میں پنجاب سے بنگال

شیخ علاؤالدین کی بنگال میں عظیم الشان خانقاہ تھی۔ لنگر اتنا وسیع تھا کہ ہزاروں مسافر دو وقت کھانا کھاتے تھے اور جو کوئی جو کچھ مانگتا اسی وقت عطا فرما دیتے، بادشاہ نے اسے اپنی ہتک سمجھا اور آپ کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا تو آپ سنار گاؤں چلے گئے اور لنگر کا خرچ دوگنا کر دیا۔ اتنے بڑے عالم تھے کہ کسی کو گفتگو کی تاب نہ تھی۔ حضرت نظام الدین اولیا جب سراج الدین رضی کو ان کے علاقہ میں بھیجنے لگے تو انہوں نے کہا: علاؤالدین سے کیسے نبھے گی؟ محبوبِ الٰہی نے فرمایا: وہ تیرا مرید ہوگا۔ علاؤالدین نے فرمایا: میرے جنازہ کی نماز مخدوم جہانیاں پڑھائیں گے۔ مرید حیران تھے کہ کہاں اوچ اور کہاں بنگال؟ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ انتقال کے فوراً بعد آپ بنگال میں نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے موجود تھے۔ (254)۔ اَنَا اٰتِیۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡكَ طَرۡفُكَ، کو دیکھ لیں۔

زوجہ مبارکہ

حضرت مخدوم نے فرمایا: حدیث شریف میں ہے تین بہترین چیزیں یہ ہیں: زبان اللہ کو یاد کرنے والی، دل اللہ سے ڈرنے والا اور بیوی شوہر کے ایمان کی مدد کرنے والی۔ غلاموں نے پوچھا: بیوی کا مدد کرنا کیا ہے؟ فرمایا: عورت مرد کی صلاحیت میں کوشش کرے،

اس کی کارآمد چیزیں تیار رکھے۔ مثلاً سردی میں گرم پانی، مرد کو سست نہ ہونے دے، اگر وہ سو جائے تو اسے وقت پر جگا دے۔ اپنی زوجہ کے بارے میں فرمایا: لڑکوں کی ماں تہجد کے وقت مجھ سے پہلے اٹھتی ہے۔ جب تہجد پڑھ لیتی ہے تو دعا گو کو بیدار کرتی ہے۔ فرمایا بیوی ایسی ہونی چاہیے۔(255)

دیدار خدا

ایک اور موقع پر زوجۂ محترمہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ایک بار وہ عبادت میں مشغول تھیں کہ بے ہوش ہو کر سجدہ میں گر پڑیں۔ جب ہوش آیا تو سجدہ سے اٹھیں۔ میں نے کہا: جا کر وضو کر لو بے ہوشی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کہنے لگیں: میں بے ہوش نہ تھی دل کی آنکھوں سے حق تعالیٰ کا دیدار کر رہی تھی۔ تعظیم کے لیے سجدہ میں گر گئی تھی۔ جب مجازی بادشاہوں کی تعظیم کی جاتی ہے تو میں حقیقی بادشاہ کی تعظیم سجدے سے کیوں نہ کرتی؟(256)

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بشر بن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے اور باادب ہو کر آپ کے سامنے بیٹھ گئے اپنے ہاتھ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زانو پر رکھ دیئے اور عرض کرنے لگے: مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے؟ آپ نے فرمایا: یہ شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور ماہِ رمضان کے روزے رکھو اور اگر طاقت ہو تو حج کرو۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے صحیح فرمایا ہے۔ انہوں نے دوسرا سوال کیا: مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ پر ملائکہ پر کتابوں پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھو اور تقدیر کی اچھائی و برائی پر تمہارا ایمان ہو (یعنی اچھی و بری چیز کا خالق اللہ ہے) جبریل نے کہا: آپ نے سچ فرمایا ہے۔ حضرت جبرائیل نے تیسرا سوال کیا: مجھے احسان کے بارے میں بتایئے؟ آپ نے فرمایا: ''اَنْ تَعْبُدَ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ'' تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ کر سکو تو پھر یہ تصور کرو کہ تمہارا معبود تمہیں دیکھ رہا ہے۔ انہوں نے تصدیق کے بعد چوتھا سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ (آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ

نے اس کے ظاہر کرنے کا حکم نہیں دیا اس لیے) آپ نے فرمایا: مسئول کا علم سائل سے زیادہ نہیں۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا: قیامت کی نشانیاں بتا دیں؟ آپ نے فرمایا: پہلی نشانی یہ ہے باندی اپنے آقا کو جنے گی، دوسری نشانی یہ ہے کہ ننگے پیروں والے، ننگے بدن والے چرواہے اور مفلس محلوں میں عیش کریں گے۔ (257)

نماز میں اللہ کا دیدار کرنا بزرگوں سے ثابت ہے اور مندرجہ بالا حدیث شریف بتاتی ہے کہ محسن وہ ہے جو عبادت میں اپنے رب کا دیدار کرے۔ خاکِ کربلا میں نزہۃ المجالس کے حوالے سے لکھا ہوا ہے کہ ایک آدمی نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں ایک سجدہ کرتا ہوں اور دوسرا اس وقت تک نہیں کرتا جب تک کہ خدا کو نہ دیکھ لوں۔ علامہ جامی علیہ الرحمۃ نے ''شواہد النبوۃ'' میں لکھا ہے کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ جب وضو فرماتے تو آپ کا چہرہ زرد ہو جاتا اور جسم میں کپکپی پیدا ہو جاتی۔ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا تم جانتے ہو کس کے حضور پیش ہونا ہے؟ ایک دفعہ آپ گھر میں نماز ادا کر رہے تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی آپ سجدے میں تھے لوگوں نے شور مچایا: اے ابنِ رسول اللہ! آگ لگ گئی ہے۔ لیکن آپ نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا جب آگ بجھ گئی آپ نے سجدے سے سر اٹھایا۔ لوگوں نے پوچھا: آپ آگ سے بے پرواہ کیوں رہے؟ فرمایا آخرت کے ڈر سے۔ ایک حکایت سامنے آئی کہ ایک ولی سیر و سیاحت کرتے ہوئے جنگل میں پہنچے۔ نماز کا وقت ہو گیا سوچا کہ ساتھی ہوتا تو جماعت کی سعادت نصیب ہو جاتی اچانک جنگل میں اذان سنی جا کر دیکھا تو سفید ریش بزرگ مسجد میں کھڑا ہے عرض کیا: حضور! جماعت بھی ہو گی؟ فرمایا: آجاؤ جماعت کرا دیتے ہیں۔ بزرگ نے فرمایا آؤ نماز پڑھاؤ۔ عرض کیا: حضور! اذان آپ نے کہی ہے لہٰذا نماز بھی آپ پڑھائیں۔ اس نے تکبیر کہی، انہوں نے امامت کی۔ کوئی سجدہ لمبا اور کوئی چھوٹا۔ اضطراب پیدا ہوا کہ یہ کیسی نماز ہے؟ جب سلام پھیرا تو ان کی کیفیت بدلی ہوئی تھی۔ بزرگ نے فرمایا: خیر تو ہے کہا کہ یہ کیسی نماز ہے؟ فرمایا: کیا ہوا؟ عرض کیا:

کوئی سجدہ چھوٹا اور کوئی لمبا؟ بزرگ کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈبڈبا گئیں، سسکیاں لے کر کہا: اپنی مرضی سے سجدہ کرتا تو ایسا نہ ہوتا جس کی مرضی سے سجدے کیے ہیں جب وہ سر اٹھانے کہ اجازت دیتا تو سر اٹھاتا۔ وہ کبھی جلدی اجازت دیتا اور کبھی دیر سے۔

بہر صورت عبادت کا مزا تبھی ہے جب معبودِ حقیقی کے جلوے سامنے ہوں

تو سامنے آ تجھے سجدہ کروں پھر لطف ہو سجدہ کرنے کا

میری نماز ہے یہی میرا سجود ہے۔ یہی میری نظر کے سامنے جلوۂ حسن یار ہو

کبھی اے صورت منتظر نظر آ لباس مجاز میں

ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں

چشم دید نظارہ

6 شوال 1436 بروز جمعرات حضرت مخدوم جہانیاں رضی اللہ عنہ کے قبرستان میں مؤلف کے شاگرد مولوی محمد اقبال سعیدی کی قبر کھودنے لگے۔ تو ایک قبر کھل گئی جس میں میت اپنی اصلی حالت میں موجود تھی اس کو دفن ہوئے عرصہ بیت چکا تھا لیکن اس کا کفن بھی اسی طرح محفوظ تھا جس طرح اسے پہنایا گیا سچ ہے کہ!

زمین میلی نہیں ہوتی زمن میلا نہیں ہوتا

محمد کے غلاموں کا کفن میلا نہیں ہوتا

مخدوم راجن قتال علیہ الرحمۃ

آپ کا نامِ نامی اسم گرامی سید صدر الدین راجن قتال (علیہ الرحمۃ) تھا۔ آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت علیہ الرحمۃ کے حقیقی بھائی تھے۔ شاہ ولایت کے نام سے مشہور ہوئے۔ 26 شعبان المعظم 660ھ کو پیدا ہوئے تھے اور 16 جمادی الاخریٰ 727ھ کو انتقال فرمایا۔

علم و عمل میں خاص پایہ رکھتے تھے اور مستجاب الدعوات تھے۔ دعوتِ اسلام اور تبلیغ کی خدمت کو باحسن وجوہ انجام دیا۔

قتال کی وجہ یہ لکھی ہے کہ "ایک دفعہ دہلی کے سفر میں ایک درخت کے نیچے قیلولہ فرما رہے تھے کہ چڑیوں نے چلا چلا کر آرام میں خلل ڈالا۔ حضرت نے خفا ہو کر ان کو کہا کہ "مجھے نیند کرنے دو" اس نظرِ غضب کی تاثیر سے درخت کے تمام پرندے گر کر مرنے لگے۔"

ایک اور روایت بھی مشہور ہے جو تاریخِ فرشتہ میں موجود ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص پر غضب آلودہ نگاہ ڈالی تو وہ بیتاب ہو کر چلانے لگا کہ میں جلتا ہوں۔ ہر چند اس پر پانی کی مشکیں ڈالی گئیں مگر وہ جانبر نہ ہو سکا۔

قتال کی شہرت کی ایک وجہ یہ بھی قلمی تذکرہ میں ہے کہ "حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ ایک دفعہ بیمار تھے فیروز شاہ تغلق بادشاہِ دہلی کی طرف سے ایک ہندو معتمد "نواہوں" نامی عیادت اور دعائے صحت کے لیے مامور ہو کر حاضرِ خدمت ہوا اور بادشاہ کی طرف سے عیادت کے مراسم کے بعد حضرت کی صحت کے لیے دعا کی اور کہا کہ "اللہ تعالیٰ حضرت کو صحت کاملہ بخشے۔ حضرت بھی خاتم الاولیا ہیں جس طرح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیا تھے۔" یہ کلمات سن کر حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمۃ نے اپنے بھائی راجو صاحب (راجن قتال) کو فرمایا کہ اس ہندو نے ختمِ نبوت کے ساتھ ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا اقرار کرلیا ہے اس لیے وہ اب مسلمان ہو چکا ہے لازم ہے کہ اب یہ
ہندو علی الاعلان اپنے اسلام کا اظہار بھی کر دے۔ منشی نواہوں (یانباہورام) نے بھی حضرت کا منشا معلوم کرلیا اور ڈر کے مارے جلدی تیاری کر کے دہلی چلا گیا۔ حضرت راجو صاحب نے اس کا تعاقب کیا اور چونکہ نباہو (نواہوں) نے علانیہ اسلام کی قبولیت کا اظہار نہ کیا تھا۔ اس لیے حضرت راجو نے اس کو قتل کر دیا اس بنا پر حضرت کا نام راجو قتال مشہور ہو گیا۔"

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ کی خانقاہ میں ایک دیوار ہے جس کی نسبت یہ مشہور ہے کہ حضرت راجو قتال علیہ الرحمہ اس دیوار پر سوار ہو کر ایک دفعہ دہلی سے اوچ پہنچے تھے۔

ملفوظات میں لکھا ہے کہ حضرت کے ہاتھ پر تین لاکھ چالیس ہزار تین سو اشخاص نے

بیعت کی تھی۔

آپ اگرچہ کثیر الاولاد تھے لیکن ان کی اولاد میں ان کی سجادگی نہ ہوئی بلکہ ان کے خلیفہ جانشین حضرت سید فضل الدین بن سید محمود ناصر الدین بن حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمۃ ہوئے۔

ان کی نسبت حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی خلق کے مطالعہ کے لیے مامور فرمایا ہے اور میرے بھائی صدر الدین کو اپنی قدرت کے مطالعہ کا شغل مرحمت فرمایا ہے۔(258)

مخدوم راجن قتال علیہ الرحمہ کا سن ولادت 26 شعبان المعظم 660ھ اور انتقال 16 جمادی الاخری 727ھ لکھا ہوا ہے لیکن صاحبِ گلزار محمدی نے آپ کا سن ولادت 11 ربیع الاول 708ھ اور وصال 16 جمادی الاخریٰ 810ھ لکھا ہے اور آپ کی کل عمر 111 سال لکھی ہے حالانکہ آپ کی عمر 102 سال بنتی ہے بہر حال موخر الذکر کی بات میں وزن ہے۔

حضرت مخدوم ناصر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اصل نام محمود تھا ناصر الدین لقب تھا۔آپ کثیر الاولاد تھے۔

سلطان حسین لنگاہ والیِ ملتان کی دختر بی بی تگنی آپ کے عقدِ نکاح میں وابستہ تھیں۔ بی بی تگنی کا روضہ اس وقت بھی خانقاہ سید فضل اللہ کے سامنے شکستہ حالت میں موجود ہے۔جو مرمت کرانے والے کا منتظر ہے۔

آپ کے نرینہ فرزندوں کی تعداد پچیس (25) تک پہنچی تھی اور چودہ صاحبزادوں کی اولادیں بھی ہوئی تھیں۔شیخ حامد کبیر، شیخ برہان الدین قطبِ عالم احمد آبادی اور شیخ فضل اللہ قطبِ مدار آپ کی اولاد میں سے مشہور بزرگ گزرے ہیں۔

2 ذیقعدہ 740ھ کو ولادت اور 22 رمضان المبارک 800ھ میں انتقال ہوا آپ اپنے والد حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمۃ کے بعد پندرہ سال تک زندہ رہے

60 سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

راجو قتال اگر چہ کثیر الاولاد تھے مگر ان کے سجادہ نشین حضرت سید فضل الدین سید محمود ناصر الدین بن حضرت مخدوم جہانیاں علیہ الرحمہ ہوئے۔

سید فضل الدین کی اولاد اور سجادگی کا سلسلہ اب تک اوچ شریف میں موجود ہے۔ جس کا ذکر علیحدہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ کے موجودہ سجادہ نشین دیوان محمد کبیر بن دیوان محمد باقر بن دیوان عنایت شاہ بن دیوان غلام جہانیاں ہیں۔ (259)

سید حامد کبیر بخاری کے سلسلہ کے بعض بزرگوں کا ذکر

سید حامد کبیر بن مخدوم ناصر الدین علیہ الرحمہ

آپ اپنے باپ کے جانشین ہوئے۔ علمِ حدیث اور تفسیر کے علامہ تھے۔ صاحبِ بیعت اور عرفان تھے ان کے عہد میں غازی خان والیِ ڈیرہ غازیخاں نے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ کے مزار پر مقبرہ تعمیر کرایا۔ جس کی تعمیر کا سال 857ھ ہے۔

ابوالفتح

ان کی اولاد سے سید رکن الدین ابوالفتح مشہور بزرگ ہوئے ہیں جنہوں نے داؤد خان لنگاہ کی دختر بی بی مراد خاتون سے نکاح کیا اور اس کے بطن سے مخدوم محمد کیمیا نظر پیدا ہوئے۔

کیمیا نظر

سید جلال شاہ اور سید محمود شاہ ان کے فرزند ہیں، محمود شاہ نندے لعل کے نام سے مشہور ہوئے (260)۔ (نندے لعل اصل میں زندہ لعل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک عورت کے جانور جنگل میں چر رہے تھے چوروں نے جانوروں کو چورانا چاہا عورت نے واویلا کیا مگر اس کی فریاد کسی نے نہ سنی تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ اس کی مدد کیلئے وہاں پہنچے اور چوروں سے لڑنے لگے ایک چور نے آپ کی گردن تلوار سے کاٹ دی۔ آپ نے اپنے سر کو اٹھا کر ایک ہاتھ پر رکھ لیا اور دوسرے ہاتھ سے تلوار چلانے لگے چوروں نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ عاجز ہو کر آپ کے

قدموں میں گر گئے۔ عورت نے اپنے جانور لے لیے آپ اس طرح چلتے ہوئے اپنی مزار والی جگہ پر آ گئے اور یہاں آسودہ خاک ہو گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔)

سید حامد بڈھا

مخدوم شیخ حامد کبیر بن شیخ محمد کیمیا نظر (عرف مخدوم حامد بڈھا) اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ ان کے عہد میں شاہ حسین ارغون نے اوچ پر حملہ کیا شیخ حامد کبیر شاہ حسین ارغون کے خوف سے اوچ سے کوچ کر کے عیسیٰ خیل (ضلع میانوالی) کے طرف چلے گئے۔

سید سدا بھاگ بخاری اوچی

مخدوم محمد راجن (عرف سدا بھاگ) بن شیخ حامد کبیر اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ انہوں نے مبارک خاں لنگاہ کی بیٹی سے نکاح کیا ان کے فرزند سید زین العابدین شاہ نے ان کی زندگی میں انتقال کیا۔ اس لیے ان کے پوتے مخدوم حسن جہانیاں بن سید زین العابدین شاہ جانشین ہوئے۔

مخدوم حسن جہانیاں

مخدوم حسن جہانیاں بن سید زین العابدین بن محمد راجن سدا بھاگ نے اپنے دادا کے حکم سے سید رحمت اللہ شاہ چاندنہ چراغ سجادہ نشین خانقاہ سید جلال میر سرخ پوش علیہ الرحمۃ پر مریدوں کی جماعت کو ساتھ لے کر حملہ کیا (اس موقع پر بیشمار سادات بھاولی شہید ہوئے) اور مزار مبارک اس سے چھین کر خود سجادہ نشین ہو گئے اور اس وقت سے سید جلال سرخ پوش علیہ الرحمہ کی سجادگی پھر ان کے خاندان میں آ گئی۔ اور سید رحمت اللہ شاہ چاندنہ چراغ اوچ سے کوچ کر کے کہروڑ لال عیسن میں چلے گئے۔

مخدوم ناصر الدین ثانی

مخدوم شیخ محمود ناصر الدین ثانی بن مخدوم حسن جہانیاں اپنے باپ کی جگہ سجادہ نشین ہوئے۔ جاگیر اوچ جو پہلے سادات بھاولی کے نام چلی آتی تھی انہوں نے یہ جاگیر

دربارِ اکبرشاہی سے اپنے نام منتقل کرالی۔

مخدوم نوبہار کلاں

مخدوم شیخ نوبہار کلاں بن مخدوم ناصر الدین ثانی اپنے والد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے ان کے وقت میں حضرت سید جلال الدین علیہ الرحمۃ کا جسد مبارک مقبرۂ شیخ صدرالدین راجو قتال سے چوتھے موقع پر (جہاں اس وقت خانقاہ بنی ہوئی ہے) منتقل کیا گیا اور مقبرہ تیار کرایا گیا اور مسجد بنوائی گئی۔ تاریخ بنائے مسجد 1027 ھ ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) بعض لوگ سید جلال الدین بخاری کے مزار کی منتقلی کو تسلیم نہیں کرتے۔

مخدوم حسن جہانیاں ثانی

مخدوم حسن جہانیاں ثانی بن شیخ سید نوبہار کلاں اپنے والد کی جگہ سجادہ نشین ہوئے آپ کی کوئی اولاد نہ تھی اور اوچ سے کوچ کر کے موضع لطف پور (علاقہ شجاع آباد ضلع ملتان) میں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں بقیہ زندگی بسر کر کے انتقال فرمایا۔

مخدوم ناصر الدین ثالث

مخدوم شیخ سید ناصر الدین ثالث بن شیخ سید نوبہار کلاں اپنے بھائی کے جانشین ہوئے۔
مگر کچھ عرصہ کے بعد اپنے چھوٹے بھائی شیخ راجو کو سجادگی تفویض کر کے سبکدوش ہو گئے۔

شیخ راجو

مخدوم شیخ راجو بن شیخ سید نوبہار اپنے بھائی کے سجادہ نشین ہوئے سکونتِ اوچ ترک کر کے جہان پور میں سکونت اختیار کی۔ ان کے چھ لڑکے ہوئے۔

ناصر الدین رابع

مخدوم ناصر الدین رابع بن شیخ راجو اپنے والد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔
چار لڑکے چھوڑ کر انتقال کیا۔

مخدوم راجن

مخدوم راجن کنگنے والا بن شیخ ناصر الدین رابع شکار کے بہت مشتاق تھے ایک دن شکار میں اس قدر لطف آیا کہ اپنے ملازمان کو طلائی کڑے پہنا کر بخش دیے اسی وجہ سے ان کو کنگن والا کہتے ہیں۔ ان کی اولاد نہیں ہوئی ان کے بعد ان کا بھتیجا جانشین ہوا۔

نو بہار ثانی

مخدوم حامد نو بہار ثانی بن سید لال قلندر بن مخدوم ناصر الدین رابع اپنے چچا کی وفات کے بعد بنام و لقب حامد نو بہار ثانی سجادہ نشین ہوئے۔ اولادِ نرینہ ان کی زندگی میں فوت ہو گئی تھی اس لیے ان کی وفات کے بعد سجادگی کا جھگڑا ان کے دامادوں کے درمیان کھڑا ہوا۔ وفات 1158ھ میں واقع ہوئی ہے۔

ان کے عہد میں خاندانِ عباسی کے تاجداروں نے شکار پور سندھ سے اوچ شریف کے علاقہ میں آ کر سکونت اختیار کی اور قلعہ ڈیراور فتح کیا۔

ناصر الدین خامس

مخدوم محمود ناصر الدین خامس بن سید غلام شاہ کلاں بن سید امیر شاہ بن سید غلام علی شاہ بن مخدوم حامد نو بہار کلاں اپنے خسر کے سجادہ نشین ہوئے نیک طبع اور با اخلاق تھے۔ ہمیشہ درس و تدریس کا شغل رکھا ان کو عوام "ساڑھی والا پیر" کہتے تھے۔ ان کے عہد میں نواب مبارک خاں بانی مبارک پور اور نواب محمد بہاول خاں بانی بہاولپور کی وفات ہوئی اور نواب بہاول خان ثانی تخت نشین بہاولپور ہوئے۔ ان کی وفات 1203ھ میں ہوئی۔

سید نو بہار ثالث

مخدوم حامد نو بہار ثالث بن مخدوم ناصر الدین خامس اپنے والد کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد صاحب مہارویؒ کے ہاتھ پر انہوں نے بیعت کی اور ایک ہزار بیگہ جاگیر جھلین والی اپنے پیر کی نذر کی۔ جو آج تک صاحبزادگانِ مہاروی کی

تصرف میں ہے۔

ان کی بیعت کا ذکر کتاب ''شعاعِ نور'' (مؤلفہ حفیظ الرحمان میں درج ہے۔) ان کے بھائی مخدوم قلندر بخش شاہ نے مخدوم صاحب کے ملازم دایہ یارا کے ہاتھ سے ان کو زہر دلا دیا۔ ان کے دو خوردسال بچے جندوڈہ شاہ اور غلام شاہ تھے۔

مخدوم قلندر بخش شاہ نے نواب محمد بہاول خان ثانی والیِ بہاولپور سے اوچ کی خانقاہوں کی تولیت حاصل کر کے مخدوم نوبہار ثالث کی بیوی اور بیٹی کو ان کے حامیوں سمیت قتل کر دیا اور غلام شاہ کو اوچ میں نظر بند کر دیا۔ جندوڈہ شاہ چھپ کر سندھ بھاگ گیا۔

جندوڈہ شاہ نے سندھ میں بالغ ہو کر ایک عورت گوہر خاتون سے نکاح کر لیا۔ اور میر سہراب خان تالپور کے اثرِ تربیت وصحبت سے مذہبِ اثنا عشری اختیار کر لیا۔ پھر 1224ھ میں اپنے مریدوں کی ایک جماعت کیساتھ اوچ میں وارد ہوا اور مخدوم ناصر الدین سادس کے لقب سے سجادہ نشین خانقاہِ حضرت سید جلال بن گیا۔ مخدوم قلندر بخش احمد پور (ڈیرہ نواب) میں پہنچ کر وظیفہ خوارِ سرکارِ بہاولپور ہو گئے اور بقیہ زندگی یہیں گزاری۔

جندوڈہ شاہ پہلا سجادہ نشین اوچ بخاری ہے جس نے سندھ سے مسلک اثنا عشری لا کر اوچ شریف میں مروج کیا۔ (تاریخ اوچ)

مخدوم ناصر الدین سادس

مخدوم ناصر الدین سادس سندھی اپنے چچا مخدوم قلندر بخش سے سجادگی لے کر سجادہ نشین ہوئے اور اپنے بزرگوں کے مذہبِ اہلسنت وجماعت اور حنفی مشرب اور طریقہ سہروردی کو ترک کر کے مسلکِ اثنا عشری اختیار کیا۔ اور رسمِ تعزیہ داری کا اوچ میں رواج ڈالا۔

مخدوم صاحب کے چھ فرزند تھے سید محمود شاہ جو سندھ میں پیدا ہوئے تھے اور مخدوم صاحب کی وفات پر جو جمعرات 9 ربیع الاول 1266ھ کو ہوئی تھی مخدوم حامد نوبہار کے لقب سے سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے دیگر پانچ بیٹوں کے نام یہ ہیں۔

(1) سید غلام راجن شاہ (2) سید کریم حیدر شاہ

(3) سید اللہ بخش شاہ (4) سید فتح شاہ
(5) سید نبی بخش شاہ

مخدوم حامد نو بہار رابع

مخدوم حامد نو بہار رابع اپنے باپ کی جگہ سجادہ نشین ہوئے۔ ان کی سجادہ نشینی کی خوشی میں اوچ میں چراغ بندی ہوئی۔

ایک باہیبت اور بارعب ہونے کے علاوہ بالعموم شکار کھیلتے تھے اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اولادِ نرینہ نہیں تھی۔ شب جمعرات 2 ذیقعدہ 1281ھ میں خدا بخش للو اور مہر امراسی وغیرہ خدام کے ہاتھ سے وفات پائی۔

مخدوم ناصر الدین سابع

مخدوم محمود ناصر الدین سابع بن مخدوم غلام راجن شاہ بن مخدوم ناصر الدین سادس مخدوم حامد نو بہار رابع کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ خوش خلق، وضع دار، حلیم الطبع اور سخی تھے ان کو شکار کھیلنے اور کشتی دیکھنے اور شطرنج کھیلنے کا بہت شوق تھا۔

ان کی متواتر کوشش پر والئ بہاولپور نے خدمات لشکری تا قیام خانقاہ منظور فرمائی۔

ان کی سخاوت اور دریا دلی کی وجہ سے لنگر کا گزارہ مشکل سے ہونے لگا اور اسی وجہ سے وفات کے بعد کوئی نقدی وغیرہ برآمد نہ ہوئی۔ ولادت 1264 وفات 1322ھ کو ہوئی ایک فرزندِ نرینہ تھا جو سجادہ نشین ہوا۔

مخدوم نو بہار خامس

مخدوم حامد نو بہار خامس بن محمود ناصر الدین سابع اپنے باپ کے سجادہ نشین ہوئے اصل نام حضور بخش تھا۔ نماز کے پابند تھے جو تنہائی میں اپنے طریقہ کے ساتھ ادا کیا کرتے تھے۔ سادہ لباس اور بے تکلف زندگی بسر کرتے تھے۔ انہوں نے مرہونہ جائداد کا بہت سا حصہ فک کرایا اور دو صاحبزادے سید حسین بخش اور غلام عباس نام چھوڑے۔ 6 شعبان المعظم 1340 کو راہئ ملک بقا ہوئے۔

مولوی حفیظ الرحمان مؤلفِ تاریخِ اوچ کے مذکورہ مندرجات پر مخدوم سید سبطین حیدر بخاری (سابق تحصیل ناظم، تحصیل احمد پور شرقیہ) نے اپنے برادران صاحبان کی موجودگی میں نظرِ ثانی فرمائی اور انہیں بلا اعتراض تاریخِ اوچ متبرکہ میں شامل کرنے کی اجازت بخشی۔

(محمد سراج احمد سعیدی قادری)

مخدوم ناصر الدین ثامن

آپ کا نام سید حسین بخش تھا۔ مخدوم محمود ناصر الدین ثامن بن مخدوم حامد نو بہار خامس کے لقب سے اپنے والد کی وفات پر سجادہ نشین ہوئے۔

تاریخ سجادہ نشینی 15 شعبان المعظم 1340ھ ہے۔ آغازِ عمر میں تعلیم کیلئے ان کو بہاولپور میں رہنے اور شہری صحبت سے استفادہ کرنے کا موقع ملتا رہا انہوں نے سرکارِ بہاولپور کی سرپرستی میں تعلیم پائی تھی اور ایک بڑے عالم محترم بزرگ مولوی جمعیت علی علیہ الرحمۃ کی صحبت میں رہے تھے اس لیے انہوں نے جندوڈہ شاہی مسلکِ شیعہ کو اپنی تحقیقات کے بعد ترک کر کے اپنے بزرگانِ عظام کا مسلک اہلسنت و جماعت اختیار کیا ہوا تھا۔ (261)

مخدوم نو بہار سادس

مخدوم سید نو بہار سادس، مخدوم سید ناصر الدین حسین بخش کے بڑے فرزندِ ارجمند تھے۔ آپ کا نام مرید جہانیاں تھا۔ اپنے والد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے، طبیعت جذب و کیفیت سے مالا مال تھی، نماز میں مصروف رہتے تھے اور دنیاوی فکر و فاقہ سے لاتعلق تھے۔ ان کے کچھ حالات مولانا بخت علی کے صاحبزادے مولانا عبدالحی الطاف نے اپنے والدِ ماجد کے حالات میں درج کر دیے ہیں۔ علامہ دین محمد عباسی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے (کہ سید مخدوم مرید جہانیاں) المعروف مخدوم سید نو بہار سادس نے تھوڑا عرصہ فرائضِ سجادگی انجام دیے اور اپنے بڑے بیٹے مخدوم سید غلام اکبر (منظور سائیں) کو اپنا جانشین بنا دیا۔ آپ جلد راہیِ ملکِ بقا ہوئے اور اپنے بیٹے سید سلطان جہانیاں اور مخدوم سید اعجاز جہانیاں کو سوگوار چھوڑا۔ ان کے بعد مخدوم سید غلام اصغر بخاری (اچھی سائیں) سجادہ نشین

بنے اور وہ ناصر الدین تاسع کے لقب سے مشہور ہوئے۔(262)

خاندانِ بخاری و گیلانی اور دوسرے بزرگوں کے حالات اور شجرۂ نسب پر محترم جناب ریاض احمد بھٹہ صاحب (سیکرٹری مخدوم الملک سید افتخار حسن گیلانی) کام کر رہے ہیں۔

مخدوم ناصر الدین تاسع

مخدوم ناصر الدین تاسع کا نام مخدوم سید غلام اصغر تھا اور آپ ''اچھی سائیں'' کے لقب سے مشہور تھے۔ اپنے والدِ گرامی کی زندگی میں سجادہ بن جانے کی سعادت حاصل کی اور پیری مریدی کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ فرماتے تھے کہ ہم سلسلۂ سہروردیہ کے امین ہیں کیونکہ ہمارے جدِ اعلیٰ سرکار جلال الدین سرخ پوش بخاری حضرت شیخ المشائخ غوث العالمین بہاؤ الملۃ والشرع والدین غوث بہاؤ الحق ملتانی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ ہم اپنے مشائخ اور اپنے بزرگوں کے طریقہ کو نہیں چھوڑ سکتے اگر ہم اسے چھوڑ دیں تو یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔

مولانا حافظ غلام عباس (کالڑے بیٹ احمد والے جو میرے شاگرد بھی ہیں) انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ مولوی ضیاء اللہ نے صبح کو درس دیتے ہوئے فرمایا: لوگ بزرگوں کے مزاروں پر چنٹڑ کے ٹلیاں اور گھنگھرو باندھ آتے ہیں۔ پیر فقیر قبروں میں مردہ ہیں اس لیے انہیں روک نہیں سکتے، ایک ٹلی ''اچھی سائیں'' کے گلے میں ڈال دیں تو پھر ان کا پتہ چل جائے گا۔ اس تقریر کے بعد مولانا کو پشت پر پھوڑا نکلا۔ مولانا کی نیند اڑ گئی اور علاج معالجہ میں زور لگا دیا۔ ایک رات عشا کے بعد مولانا روئے اور سرکار جلال الدین بخاری اوچیؒ سے استغاثہ کیا۔ مولانا کو نیند آ گئی سرکار کا دیدار ہوا آپ نے فرمایا: میرے بیٹے سید غلام اصغر کے پاس جا (آپ نے تصویر بھی دکھائی) وہ پانی دم کر دیں گے تُو ٹھیک ہو جائے گا، صبح کو مولانا اچھی سائیں کی خدمت میں حاضر ہوئے معافی مانگی، پانی دم کرایا، تین دن آپ کے پاس حاضری دیتا رہا اور ٹھیک ہو گیا۔ استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی منظور احمد فیضی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں مولانا ضیاء اللہ سے ٹاکرہ ہو گیا وہ سوالات کرنے لگے اور فقیر قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیتا رہا، میں نے کہا: مولانا میرا صرف ایک

سوال ہے۔ جواب عنایت فرمائیں۔ سورۂ مریم میں ہے کہ ''وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ''، ''بَرًّا'' گرائمر کے لحاظ سے کیا ہے؟ اور ''بَرًّا'' اور ''بِرًّا'' میں کیا فرق ہے؟ مولانا کے ہوش طوطے اڑ گئے۔ مولانا قبول احمد صاحب فیضی جو علامہ منظور احمد فیضی کے سالے بھی ہیں اور بہنوئی بھی، انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت قبلہ مخدوم سید شمس الدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کرتا تھا اور مخدوم سید غلام اصغر بخاری سے محبت کرتا تھا نہ عقیدت رکھتا تھا۔ ایک رات نیند میں مخدوم سید شمس الدین گیلانی نے مجھے تھپڑ مارا اور فرمایا: تُو اچھی سائیں سے بغض رکھتا ہے یہ تھپڑ اس بغض کی وجہ سے تجھے لگا ہے۔ خبردار سادات سے بغض نہ رکھا کر! مولانا قبول احمد فیضی فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے توبہ کی۔ سرکار جلال الدین کے مزار پر حاضری دی اور مخدوم اچھی سائیں کے پاس جا کر معافی طلب کی پھر ان دونوں سے برابر محبت کرنے لگا۔
(واللہ اعلم بالصواب)

اولاد

مخدوم سید غلام اصغر بخاری کے آٹھ بیٹے ہیں۔ (1) مخدوم سید زمرد حسین بخاری (سجادہ نشین دربار سرکار جلال الدین و سرکار مخدوم جہانیاں) (2) مخدوم لیاقت حسین بخاری (3) مخدوم منور حسین بخاری (4) مخدوم مسرت حسین بخاری (5) مخدوم حسنین حیدر بخاری (6) مخدوم سبطین حیدر بخاری (7) مخدوم ثقلین حیدر بخاری (8) مخدوم ذوالقرنین حیدر بخاری

مخدوم نو بہار سابع

مخدوم نو بہار سابع کا نام مخدوم سید زمرد حسین ہے آپ مخدوم سید غلام اصغر بخاری کے بڑے فرزندِ ارجمند ہیں اپنے والدِ ماجد کی موجودگی میں ولی عہد نامزد ہوئے اور ان کی موجودگی میں کربلا کے نام سے آستانہ بنایا۔ لیکن سجادہ نشین منتخب ہو جانے کے بعد بنگلہ بخاری کو رونق بخشے ہوئے ہیں۔ ہر مکتبِ فکر کے لوگوں سے محبت بھرا تعلق رکھے ہوئے ہیں۔ علما کا احترام کرتے ہیں۔ ان کے تین صاحبزادے ہیں۔ (1) مخدومزادہ سید حسن زمرد

بخاری (ولی عہد) (2) مخدومزادہ سید حسین زمرد بخاری (3) مخدومزادہ سید شہباز علی بخاری

تبرکات

حضرت شیر شاہ سید جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین کے پاس جو تبرکات ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

(1) حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دستار مبارک۔

(2) حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رومال مبارک جو آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔ جو آگ میں نہ جل سکا۔

(3) سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی چادر مبارک

(4) حضرت یونس علیہ السلام کو پیٹ میں لینے والی مچھلی کے کانٹوں سے بنی ہوئی تسبیح

(5) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا ہرن کی جلد پر لکھا ہوا قرآنِ پاک

(6) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآنِ پاک

(7) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی تلوار مبارک (صمصام)

(8) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تلوار مبارک (تمقام)

(9) سرکار سید جلال الدین سرخپوش بخاری کی ٹوپی مبارک اور ذکر کرنے والا پیالہ

(10) سرکار مخدوم جہانیاں جہانگشت کی ٹوپی، جھاڑو و عصا اور دیگر بے شمار تبرکات

مخدوم سید فضل الدین لاڈلہ رحمۃ اللہ علیہ

مشائخِ سادات بخاری کی ایک شاخ حضرت سید جلال الدین بخاری کی سجادہ نشین چلی آئی ہے اور ایک دوسری شاخ دیوان صاحبان کے نام سے موسوم ہے۔

حضرت مخدوم ناصر الدین کا ذکر ''ساداتِ بخاری'' کے سلسلہ میں گذر چکا۔ ان کے ایک فرزند سید حامد کبیر تھے جن کا سلسلہ ساداتِ بخاری کے نام سے مخدوم محمود ناصر الدین ثامن تک پہنچتا ہے۔

ناصر الدین کے ایک اور فرزند سید فضل الدین فیض اللہ تھے جو حضرت مخدوم راجن

قتال کی وصیت کے مطابق خلافتِ روحانی اور خرقۂ بزرگی سے مشرف ہوئے تھے۔

یہ خاندان بھی مسلسل اور باقاعدہ وصیت کے مطابق سجادہ نشین سمجھا جاتا رہا۔ وصیت کا یہ واقعہ چونکہ علی الاعلان ہوا تھا اس لیے اکثر مریدین اور معتقدین کا رجحان اس طرف رہا اور اس سلسلہ کے انفاسِ ذکیہ اور برکاتِ سَنِیَّہ (روشن) کے فیض سے کئی ایک ہندو قوموں نے شرفِ اسلام حاصل کیا۔ لانگ، کھاکھی، وہونتر، نون وغیرہ اسی سلسلہ کے بزرگوں کی برکت سے حقانیتِ اسلام کی آگہی سے ممتاز ہوئے۔ ملتان اور ضلع مظفر گڑھ ان کے زیرِ اثر رہا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ کے کچھ خاص تبرکات اس خاندان میں بھی ہیں۔ حضرت کا باطنی فیض اور شرعی پابندی کا امتیاز بھی اس خاندان کا خاصہ رہا ہے۔ اوچ کا وہ محلہ بھی جس میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ کی ولادت اور سکونت تھی اب تک اس خاندان کے زیر قبضہ ہے۔

ان کا سلسلہ حسبِ ذیل سجادوں کے مراحل طے کرنے کے بعد اس وقت دیوان محمد کبیر کی سیادت میں مشعل نور ہدایت ہے۔ یہ سادات حضرات دیوان صاحب کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ اور مسلک جماعت اہل سنت سے وابستہ ہیں۔

شجرہ سجادگان

سید فضل الدین لاڈلہ ← دیوان سید عبدالجلیل بخاری ← دیوان سید عبداللہ

دیوان سید عبدالجلیل ثانی ← دیوان سید زین العابدین ← دیوان سید احمد

دیوان سید مسیح اللہ (المعروف مسّو شاہ) ← دیوان سید زین العابدین ثانی

دیوان سید محمد باقر ثانی ← دیوان سید محمد زین العابدین ثالث ← دیوان محمد باقر ثالث

دیوان سید زین العابدین رابع۔ مجاہد (تاریخِ اوچ میں لکھا ہے کہ آپ چاچڑاں کے بزرگوں سے تعلق رکھتے تھے۔)

دیوان سید غلام جہانیاں (ان کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ حضرت خواجہ قاضی عاقل محمد کے مرید تھے)

دیوان سید عنایت شاہ المعروف دیوان پیر شاہ

دیوان سید نور شاہ المعروف دیوان سید باقر شاہ رابع

دیوان سید راجن بخش المعروف دیوان سید کبیر شاہ

دیوان سید محمد نور شاہ المعروف دیوان سید باقر شاہ خامس

دیوان سید اعجاز احمد شاہ بخاری (ولی عہد)

(مندرجہ بالا شجرہ حضرت قبلہ مخدوم سید دیوان اعجاز احمد بخاری (ولیعہد) اور حضرت قبلہ دیوان سید امیر حیدر بخاری سے پوچھ کر لکھا گیا ہے)۔(مؤلف)(263)

حضرت جمال الدین خنداں رو رحمۃ اللہ علیہ

حضرت جمال درویش رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام حضرت بہاؤ الحق والدین سہروردی کے مرید تھے۔آپ کے علم اور تدریسی وروحانی فیض کا ڈنکا سارے جہاں میں بجتا تھا۔قطبِ عالم، کاشفِ اسرار لوح وقلم حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے بھی آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے تھے۔جب حضرت مخدوم جہانیاں سات سال کے ہوئے تو ان کے والدِ ماجد ان کو حضرت جمال درویش رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے۔(264)

حضرت جمال الدین خنداں رو کے درس میں ہدایہ شریف، بزدوی، مشارق الانوار، مشکوٰۃ المصابیح اور عوارف المعارف کا دورہ رہتا تھا۔آپ طالب علم کی خواہش کے مطابق اسے کتابیں پڑھاتے تھے۔مخدوم جہانیاں نے حضرت جمال درویش سے حدیث شریف کا درس لیا تھا اور مخدوم کریم نے دو حدیثوں کے اسباق کی تفصیل بھی بیان فرمائی ہے۔ حضرت شیخ جمال کے طریقۂ درس کے متعلق مخدوم کریم فرماتے ہیں: عام فہم سبق پڑھاتے تھے اگر کوئی جگہ مشکل ہوتی تو ذرا دیر سر جھکاتے اور مشکل کو حل کر دیتے تھے، عجب علم تھا جو وہ رکھتے تھے۔(265)

حضرت مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعض ولی، اللہ تعالیٰ کی آواز سنتے ہیں، شیخ جمال الدین اوچی رحمۃ اللہ علیہ یہ مرتبہ رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آواز سنتے تھے اگر کوئی شخص ان کے لیے فتوح (تحفہ وہدیہ) لاتا تو اس کے بارے میں آواز سنتے تھے کہ یہ چیز ہم نے آپ

کے لیے حلال کردی ہے۔(266)

سرکار مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ شیخ جمال الدین اوچی بہت تحمل وبردباری کے مالک تھے۔ ایک دن آپ کے پاس سیاح قلندر آئے۔ آپ نے ان کے کھانے کے لیے نان وروغن پیش کیے۔ قلندر لوگ ناراض ہو گئے اور سیخیں وسریئے اٹھا کر آپ کو مارنے پر آمادہ ہو گئے اور بکری کے گوشت ویخنی وٹکیاں اور سالن کا مطالبہ کرنے لگے۔ آپ نے معذرت سے کام لیا اور فرمایا: اے درویشو! جو کچھ موجود تھا وہ میں نے تمہاری خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ انہوں نے آپ کی ایک نہ سنی اور جوں کے توں گرم رہے تو شیخ نے سر سے دستار اتار دی اور گردن وسر ان کے آگے جھکا کر فرمانے لگے: تم مارلو! جب قلندروں نے یہ دیکھا تو سیخیں اور سریئے ان کے ہاتھوں سے گر گئے اور سارے قلندر آپ کے پاؤں مبارک پر گر پڑے۔(267)

مخدوم کریم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اوچشریف میں ایک درویش عیالدار نان ونفقے سے عاجز ہو گیا اور حضرت شیخ جمال الدین اوچی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اپنے احوال سے آپ کو مطلع کیا۔ آپ نے فرمایا: ہر روز بلا ناغہ سو بار ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ'' کا وظیفہ پڑھا کرو تمہارا رزق فراخ ہو جائے گا۔ ایک اور سپاہی بھی مفلس تھا آپ نے اسے بھی یہ وظیفہ بتایا وہ غنی ہو گیا۔(268)

شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ فتوحات (تحفے تحائف) قبول فرماتے تھے، رد نہیں کرتے تھے۔ اگر تحفوں میں شبہ ہوتا تو ذرا دیر سر جھکاتے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز سنتے کہ ہم نے یہ چیز تیری ملک کر دی ہے اس کے بعد آپ وہ چیز لے لیتے۔ یعنی بندہ اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ سب مولیٰ کی ملک ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں فرماتے ہیں: میں نے اس طرف کے مشائخ سے سنا ہے کہ شیخ جمال جو مرتبہ رکھتے تھے اس وقت کے مشائخ کو نہ ملا تھا۔ ایک دن شیخ جمال الدین اور ابرہیم غوری ایک جگہ بیٹھے تھے کہ ایک عزیز دو تھال حلوے کے لایا، ایک شیخ جمال الدین کیلئے اور ایک ابراہیم غوری کیلئے۔ ابراہیم غوری

صاحبِ کشف تھے، انہوں نے لانے والے سے کہا: تُو یہ حلوہ سود (کے مال) سے لایا ہے اور واپس کر دیا۔ شیخ جمال الدین نے دوسرا تھال بھی لے لیا اور ذرا دیر سر نیچے کیا اور ابراہیم غوری سے فرمایا: حکم ہوا ہے۔ "مَلَّکْنَا لَکَ" یعنی ہم نے تجھے مالک بنا دیا ہے اب تو آ اور کھا! پھر دونوں نے مل کر کھایا۔(269)

حضرت قطبِ عالم، حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ والد ماجد دامت برکاتہ کے پاس ایک درویش مسافر آیا اور کہا تمہارے شہر میں میں نے ایک ایسے شیخ کو پایا ہے کہ دل کے ساتھ تو حق سے نوحہ گری رکھتا ہے اور تن سے بشاشت (میل جول) خلق کیساتھ رکھتا ہے۔ کیا معظم آدمی ہے! وہ شیخ جمال الدین قدس اللہ سرہ ہیں۔(270)

مخدوم کریم نے فرمایا: شیخ جمال اوچی اسرارِ کلی رکھتے تھے۔ انہوں نے کسی بادشاہ سے کوئی چیز قبول نہیں کی۔ چند بادشاہوں نے گاؤں وغیرہ لینے کا حکم دیا لیکن آپ نے قبول نہ کیا۔ آخرِ عمر میں قبول کر لیا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ اتنی مدت قبول نہ کرنے کی وجہ کیا تھی؟ فرمایا: اب اپنے پیروں کی پیروی کرتے ہوئے لے لیا ہے۔ جیسے شیخ بہاؤ الدین و شیخ رکن الدین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین قبول کرتے تھے۔(271)

آپ کی اولاد سید جمالی کہلاتی ہے۔ چنانچہ ان کے سجادہ نشین حضرت قبلہ سید گل بہار شاہ جمالی سعیدی (مرحوم) سے سنا ہے کہ وراثت کے کاغذات میں سید جمالی اور ہاشمی قریشی کے نام ملتے ہیں۔ لیکن آپ کے شجرہ نسب تک فی الحال رسائی نہیں ہو سکی۔ مولوی حفیظ الرحمان نے تاریخِ اوچ میں آپ کو حضرت سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی اولاد قرار دیا ہے اور سلسلۂ نسب بھی تحریر کیا ہے لیکن کوئی حوالہ و ماخذ بیان نہیں کیا۔ ہم نے صحابیِ رسول، شیخ الحدیث فی الصحابہ حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اولاد و سلسلۂ نسب کی طرف جب امہات الکتب میں رجوع کیا تو اولاد سے آپ کو تہی دامن پایا۔

"درویش" اولیاء اللہ وصالحین کاملین کا لقب ہے۔ آپ بھی اس لقب سے مشہور ہوئے۔ "خنداں رُو" یعنی "ہنس مکھ" یہ بھی آپ کا لقب ہے۔ آپ کا اصل نام جمال الدین

ہے۔آپ کی سیادت و بلندی درجات پر مخدوم سید احمد کبیر (والدِ ماجد سرکار مخدوم جہانیاں) کو قطب الاقطاب، حضرت شیخ رکن عالم نوری حضوری قدس سرہ العزیز کا حکم ہوا کہ جاؤ اور جمال درویش رضی اللہ عنہ کی زیارت کرو اور ان سے بے پروائی کا طریقہ اختیار نہ کرو!

ڈاکٹر محمد ایوب قادری آپ کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں: شیخ جمال خنداں رو محدثِ عالم، صاحبِ نسبت درویش اور حضرت مخدوم صدر الدین عارف کے خلیفہ تھے۔ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانی نے بچپن ہی میں ان کی جبینِ منور سے علم و فضل اور صلاح و تقویٰ کا اندازہ لگا لیا تھا (بلکہ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ شیخ جمال حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کے مرید تھے) اور شیخ الاسلام نے حضرت صدر الدین عارف کو وصیت فرمائی تھی کہ جب جمال اوچی تمہارے پاس آئیں تو خاص طریقہ سے تعلیم و تربیت فرمانا اور نصف تبرکات و آثار ان کے سپرد کر دینا، چنانچہ اسی طرح عمل میں آیا۔ شیخ جمال محدث اپنے مرشد کے حضور سے باطنی نعمتوں سے مالا مال ہو کر اوچ شریف واپس آئے اور یہاں ایک مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔ مدرسہ میں خود حدیث کا درس دیتے تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں نے شیخ جمال محدث سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، شیخ جمال کی خانقاہ اوچشریف کی مشہور خانقاہ تھی۔ حضرت جمال بڑے حلیم بردبار اور بااخلاق درویش و عالم تھے۔ ایک مرتبہ قلندروں نے ان کے ساتھ زیادتی کی مگر انہوں نے حلم و استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ظاہر میں مخلوق کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے تھے اور باطن میں خالق سے انس و رغبت رکھتے تھے۔ آخر زمانہ میں شیخ جمال محدث کی شہرت پاک و ہند سے باہر بھی دنیائے اسلام میں تھی اور وہاں کے اکابر علما و مشائخ ان سے متعارف تھے۔ انہوں نے حضرت صدر الدین عارف کے ساتھ حج کیا۔ شیخ جمال محدث اتباعِ سنت کا بڑا خیال رکھتے تھے، ہمیشہ موٹا کپڑا زیب تن فرماتے تھے، بازار سے ایک تنگہ (پرانے زمانے کے دو پیسے) کی چادر منگواتے اور اس میں تین کپڑے پگڑی، کُرتا اور ازار بند بنا لیتے تھے۔ شیخ جمال خنداں رو کا صحیح سالِ انتقال معلوم نہ ہو سکا۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے 767ھ/ 1277ء اور مولوی حفیظ

الرحمان بہاولپوری اور نور احمد خان فریدی نے 700ھ/ 1201ء لکھ دیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی پیدائش 707ھ/ 1308ء تمام تذکرہ نویسوں اور مؤرخین کے نزدیک مسلم ہے اور حضرت مخدوم جہانیاں سب سے پہلے شیخ جمال خنداں رو کی خدمت میں سات سال کی عمر یعنی 714ھ/ 1314ء میں حاضر ہوئے اور ان کی خدمت میں ابتدائی تعلیم بھی حاصل کی۔ لہٰذا ہمارا خیال ہے کہ شیخ جمال خنداں رو کا انتقال آٹھویں صدی ہجری کے ربع اول کے اختتام پر ہوا ہوگا۔ صحیح سالِ وفات کا تعین دشوار ہے۔ شیخ جمال کا مزار اوچ موغلہ میں ہے (اور 25 محرم الحرام کو عرس منعقد ہوتا ہے)

شیخ جمال خنداں رو کے بعد ان کے جانشین ان کے عالم و فاضل فرزند شیخ رضی الدین گنج علم نے اپنے والد کے بعد مدرسہ اور خانقاہ کا خوب انتظام کیا۔ شیخ رضی الدین گنج علم 667ھ/ 1228ء میں پیدا ہوئے 770ھ/ 1378ء میں انتقال کیا۔ شیخ جمال خنداں رو کا خاندان علم و فضل کے اعتبار سے ہمیشہ ممتاز رہا۔ وہ مخدوم جہانیاں کے استاد تھے اس کے بعد ان کے خاندان کو بخاری مخادیم کی اتالیقی کی عزت برابر حاصل رہی۔ تاریخِ اوچ میں ہے کہ اب تک یہ رسم ہے کہ جب بخاری سجادہ نشین کے ہاں فرزند پیدا ہوتا ہے تو شیخ جمال الدین کی خانقاہ پر ایک گھوڑا بطور تحفہ پیش کیا جاتا ہے۔ (لیکن ہم نے دیکھا ہے نہ سنا ہے، از سعیدی قادری) تبرکات میں ایک کٹورہ، ایک تسبیح اور ایک قرآنِ کریم بطور یادگاہ موجود ہیں۔ (272)

شیخ رضی الدین گنج علم

آپ حضرت شیخ جمال الدین خنداں رو کے فرزندِ ارجمند تھے۔ آپ کے بارے میں عارف باللہ حضرت مولانا محمد ظریف فیضی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ آپ کو سبق یاد نہ ہوتا تھا۔ والدِ ماجد نے جوش میں آ کر آپ کو دریا میں ڈال دیا۔ کچھ دیر کے بعد دریا سے آواز آئی: جمال درویش! اپنے بیٹے کو لے لے اب اسے سبق نہیں بھولے گا اور اسے مارنا نہیں جو پوچھو گے بتائے گا۔ یہ آواز حضرت خضر علیہ السلام کی تھی۔ اس کے بعد آپ سے علم کا خزانہ جاری ہو گیا

اور آپ کا لقب گنجِ علم پڑ گیا، ان کے آستانے کے دروازے کے کونڈے پانی میں جھول کر پینے سے ادراک کھل جاتا ہے اور حافظہ تیز ہو جاتا ہے۔ استاد صاحب مذکور نے ہمیں کونڈے جھول کر پلائے تھے۔ آپ کا مزار حضرت جمال درویش کے مزار کے غربی جانب واقع ہے۔ عمارت منہدم ہو چکی ہے۔ آپ شیخ رکن العالم والملۃ والدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خلفا میں تھے۔ آپ کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ کاشفِ اسرار لوح وقلم حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے معلم تھے۔ حضرت مخدوم کریم نے ان کے ایک فتویٰ پر اس طرح تصدیق فرمائی تھی "اَصَابَ فِیمَا اَجَابَ الْاُسْتَاذُ الْاَجَلُّ الْمُرْشِدُ الْکَامِلُ الْاَکْمَلُ شَیْخِیْ شَیْخَ رَضِیُّ الدِّیْنَ گَنْج عِلْم۔ نَفَعَنَا اللہُ وَاِیَّاکُمْ بِعِلْمِہٖ وَکَمَالِہٖ وَاَفَاضَ اللہُ عَلَیْنَا فُیُوْضَہٗ وَنَوَالَہٗ (بزرگ استاد، مرشدِ کامل اکمل، میرے شیخ رضی الدین گنج علم نے جو جواب دیا وہ صائب وصحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں آپ کے علم وکمال کا نفع پہنچائے اور آپ کے فیوض وبرکات سے مستفید فرمائے۔ آمین)(273)

فقیر پر تقصیر اس بات کا عینی گواہ ہے کہ ساداتِ بخاری اور دیوان صاحبان اپنے اساتذہ اور ان کی اولاد کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ یہ ادب کسی اور قوم میں بہت کم دیکھا گیا ہے۔ سرکار مخدومِ جہاں کی تصدیق اس کی گواہ ہے۔

شیخ صدر الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا کے فرزندِ ارجمند تھے۔ والدِ بزرگوار کے انتقال کے بعد مسندِ ارشاد واصلاح پر جلوہ نما ہوئے، اکثر وبیشتر اولیائے کرام آپ کے عقیدت مند اور مرید تھے۔ مشہور بزرگ میر حسینی سادات بھی آپ کے مرید تھے۔ صاحب کنز الرموز آپ کے متعلق یوں رطب اللسان ہیں۔ مثنوی

آں بلند آوازہ و عالم پناہ
سرورِ دین افتخار صدر گاہ

صدر دین و دولت آں مقبولِ حق
نُہ فلک از خوان جودش در طبق
آب حیواں قطرہ بحر دلش
چوں خضر علم لدنی حاصلش
معتبر چوں قولِ او افعال او
ہم بیان او گواہ حال او
مقتدائے دیں قبول خاص و عام
دولتش گفتہ توئی خیر الانام
ملک معنی جملہ در فرمان او
ہم بکسب و ہم بمیراث آن او

وہ شہرۂ آفاق دنیاوالوں کی پناہ گاہ، دین کے سرداراور صدر نشینی کیلئے باعثِ افتخار صدر الدین مقبولِ خدا ہیں۔ جن کے جودوسخا کیلئے نو آسمان صرف ایک دسترخوان کی مانند ہیں۔ آبِ حیات ان کے دل کے سمندر کا ایک قطرہ ہے اور خضر کی مانندان کو بھی علمِ لدنی حاصل ہوا ہے۔ آپ کے افعال مانند باتوں کے معتبر ہیں اور آپ کا بیان آپ کے حال کی گواہی دیتا ہے۔ آپ دین کے پیشوا اور عام وخاص میں مقبول ہیں۔ خوش نصیبوں نے آپ کو دو جہاں کی سعادت سے تعبیر کیا ہے، تمام باطنی مملکت آپ کا حکم مانتی ہے اور آپ تمام کسبی اور موروثی شان وشوکت کے حامل ہیں اور شیخ بہاؤالدین زکریا کے تعریف میں فرماتے ہیں۔

بیت

من کہ رُو از نیک وبد بر تافتم
ایں سعادت از قبولش یافتم

میں نے اچھے اور برے سے منہ پھیر کر یہ سعادت ان کو قبول کر کے پائی ہے۔

''کنوز الفوائد'' جو شیخ صدر الدین کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے آپ کے مرید شیخ

خواجہ ضیاء الدین نے یکجا اکٹھا کیا ہے حقیقت میں یہ وہ نصیحتیں ہیں جو شیخ صدر الدین نے اپنے مریدوں کے نام تحریر فرمائی تھیں۔

ایک جگہ لکھا ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حِصْنِیْ۔ فَمَنْ دَخَلَہٗ اٰمِنَ مِنْ عَذَابِیْ" کہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو اس میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے مامون ہو جائے گا۔ دو چیزیں ہیں، ایک حصن اور ایک حصار، حصار کے معنی چار دیواری کے ہیں، قطعِ نظر اس کے کہ اس کی نگرانی وحفاظت کی جائے یا نہیں، اور حصن اس چار دیواری کو کہتے ہیں جسے بنانے کے بعد اس کی نگرانی اور حفاظت کا بھی اہتمام کیا گیا ہو۔

حصن کی تین حالتیں ہیں۔ "ظاہر، باطن، حقیقت" قلعہ کا ظاہر یہ ہے کہ بندہ اللہ کے سوا کسی اور سے امید وخوف نہ رکھے، پوری دنیا بھی اگر دوست یا دشمن ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کسی قسم کا نقصان یا فائدہ اور اچھائی یا برائی نہیں پہنچا سکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ (یونس:108)

اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کے رد کرنے والا کوئی نہیں (کنز الایمان)

قلعہ کا باطن یہ ہے کہ مرنے سے قبل اس بات کا جزم ویقینِ محکم کرے کہ اس ختم ہونے والی سرائے اور دُنیا میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ سب عارضی اور وقتی ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں کسی چیز کو ثبات وقیام اور بقا ودوام حاصل ہی نہیں اور اس دنیا کو ختم کرنے کے لیے تقدیر کا قلم چل چکا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ" اس دنیا کی ہر شے فنا ہونے والی ہے، چونکہ خود دنیا کو ثبات وقیام نہیں، اس لیے دنیا کے ہونے اور نہ ہونے کی پرواہ کیے بغیر پوشیدہ طریقہ سے اس دنیا میں ٹھہرا رہے۔ قلعہ کی حقیقت یہ ہے کہ

جنت کی خواہش اور دوزخ کا خوف دل سے نکال دے اور یادِ الٰہی سے دل کو پرسکون ومطمئن کرے اور ''فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ'' (القمر:۵۵) مقتدر بادشاہ کے پاس صداقت کے مقام پر بیٹھنے والوں کا مصداق بنے۔ جب اس مقام کے لائق ہو جائے گا تو جنت خود بخود اس کی طلب گار بن کر اس کے پیچھے پیچھے آئے گی اور دوزخ اس سے دور بھاگ جائے گی۔

ایک نصیحت اپنے کسی مرید کو یہ فرمائی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی پہلی شرط یہ ہے کہ جن احکام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان لائے انہیں احکام پر (من وعن) ایمان لا کر اس پر ثابت قدمی سے قائم رہا جائے اور یہ ثابت قدمی اس وقت ہوتی ہے جب انسان بغیر شک وشبہ کے دل سے اعتقاد رکھے اور پوری رضا مندی، رغبت ومحبت کیساتھ زبان سے اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں وحدہ لاشریک ہے اور تمام اوصاف کمالیہ کے ساتھ ہمیشہ سے موصوف ہے، تمام اسما وصفات کے ساتھ قدیم ہے۔ عقل ودانش کے ادراک سے بلند وبالاتر ہے، اجسام، عوارض، حدوث کی علامتوں سے مقدس وپاک ہے، تمام جہانوں کو اسی نے پیدا فرمایا ہے، اس کی ذات وصفات کے متعلق کیوں اور کس طرح (وغیرہ الفاظِ شک وشبہ استعمال کرنا) درست نہیں، وہ کسی کے مشابہ نہیں ہے اور کسی چیز کو اس سے کسی طرح مشابہت نہیں دی جا سکتی۔ تمام پیغمبر اس کے رسول اور بھیجے ہوئے ہیں اور سرکارِ دوعالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام پیغمبروں سے افضل واعلیٰ ہیں، سرتاج الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ سب برحق ودرست ہے اور اس میں باہم دیگر کوئی فرق واختلاف نہیں، خواہ آپ کی باتیں بظاہر عقل میں آئیں یا نہ آئیں اور آپ کی باتیں (بادی النظر) عقل میں نہ آئیں تب بھی ان کو ماننا اور تسلیم کرنا چاہیے، تا کہ اعتقاد درست رہ سکے کیونکہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حکم کو خوب پہچانا اور جانا ہے لیکن اس کی کیفیت اور حقیقت معلوم کرنے میں نہ رہے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف کے مطابق اللہ کے کسی حکم میں تاویل کرنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ تاویل جائز ہے، ایمان کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ نیکی

کرنے سے دل خوش ہو اور اگر کوئی برائی سرزد ہو جائے تو کم از کم اسے دل میں ضرور برا تصور کرے۔ ایمان پر استقامت اور ثابت قدمی کی علامت ونشانی یہ ہے کہ علم وایمان کے اعتبار سے نہیں بلکہ ذوق وحال کی بنا پر غیروں کی بجائے صرف خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب رکھے۔

ایک اور نصیحت میں لکھا ہے کہ کوئی سانس خدا کے ذکر کے بغیر منہ سے نہ نکلے کیونکہ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جو شخص ذکرِ الٰہی کے بغیر سانس لیتا ہے وہ اپنے کو ہلاک وبرباد کرتا ہے۔ ذکرُ اللہ کے وقت وساوسِ شیطانیہ اور خواہشاتِ نفسانیہ سے مکمل گریز کرنے کی کوشش کی جائے جب اس (مذکورہ) طریقے کے مطابق ذکر اللہ کیا جائے تو ذکر کی نورانیت کی وجہ سے وساوس اور دل میں آنے والے تمام تخیلات خود بخود جل کر خاکستر ہو جائیں گے اور پھر ذکر اللہ کی نورانیت سے دل بہت جلد منور ہو جائے گا اور اس میں ذکر کی حقیقت مستقر ہو جائے گی اور اس وقت ذکر کے ساتھ جس کا ذکر کیا جا رہا ہے (یعنی اللہ) اس کے جمال کا مشاہدہ پیش نظر رہے گا اور نورِ یقین سے دل بہت جلد منور وتاباں ہو جائے گا۔ طلب گاروں کا مطلوب اور سالکوں کا مقصود صرف یہی ہے۔

این کار دولت است کنوں تا کرا رسد

(یہ کام دراصل خوش بختوں کا ہے، اب دیکھو کس کے حصہ میں آتا ہے)

آپ کے وصیت نامہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا

اے ایمان والو! ذکرِ الٰہی کثرت سے کیا کرو جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو نیک بختوں میں لکھ کر زبان سے ذکر کرنے کی توفیق کے ساتھ ساتھ دلی موافقت کی قوت بھی عطا فرما دیتا ہے، پھر لسانی ذکر میں ترقی عطا فرما کر قلبی ذکر تک پہنچا دیتا ہے تاکہ اگر زبان خاموش ہو جائے تو دل جاری رہے اسی کو ذکرِ کثیر کہتے ہیں۔ اس ذکر تک انسان اس وقت رسائی حاصل کرتا ہے جب ہر قسم کے نفاق (فسق فجور) سے بری ہو جائے

جس کا لطیف اشارہ نبی علیہ السلام کے اس فرمان میں ملتا ہے کہ

اَکْثَرُ مُنَافِقِیْ اُمَّتِیْ قُرَّاءَ هَا

میری امت کے منافق اکثر قاری ہونگے۔ منافقوں کی اس منافقت سے وہ نفاق مراد ہے جو غیر اللہ کے ساتھ میل جول اور باطنی تعلق کی وجہ سے ہو اور جب کسی انسان کو ان غیر محمودہ چیزوں (وہ جو حلال نہیں) سے علیحدگی کی توفیق ہوتی ہے پھر یہ انسان بُرے خیالات اور ناپسندیدہ اخلاق سے علیحدہ ہو کر اپنے باطنی کمالات کے ذریعہ سے ممتاز ہوتا ہے تو وہ وقت قریب آجاتا ہے جب کہ اس کے باطن میں ذکر اللہ کے نور کے اتنے جوہر نمایاں ہوتے ہیں کہ ذاکر کو ذکر کے ذریعے خدا تعالیٰ کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے اور یہی وہ بلند مرتبہ اور نعمتِ عظمیٰ ہے جس کے حصول کے لیے صاحبِ ہمت اور اہلِ بصیرت لوگ اپنی گردنوں کو جھکاتے اور خم کرتے ہیں۔ (274)

شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ صدر الدین بن شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا اور اپنے دادا شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا کے براہِ راست سجادہ نشین اور جانشین تھے۔ فتاویٰ صوفیہ جو آپ کے ایک مرید کی تصنیف ہے اس میں آپ کا کثرت سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ مجمع الاخبار میں آپ کے ملفوظات اور خطوط درج ہیں جو آپ نے اپنے مریدوں کے نام لکھے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں عزیز! خوب یاد رکھنا چاہیے کہ انسان دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے ایک صورت اور دوسری صفت، اور قابلِ تعریف صرف صفت ہے، صورت کی کوئی قیمت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے اعمال اور دلوں کو دیکھتا ہے، صفت کا ظہور حقیقی طور پر صرف آخرت ہی میں ہوگا، وہاں ہر صفت ایک ظاہری صورت میں نظر آئے گی کیونکہ آخرت ہی وہ انعام ہے جہاں ہر چیز کی حقیقت ظاہر لباس میں ملبوس کر دی جائیگی اور یہ صورتیں متلاشی نظر آئیں گی اور جس کی جو صورت ہوگی اسی صورت میں اس کو اٹھایا جائے گا۔ جیسا کہ بلعم باعور کو اتنی عبادت اور زہد کے باوجود کتے کی شکل وصورت میں اٹھایا جائے

گا۔یعنی اس کی صورت کتے جیسی بنا دی جائے گی، اسی طرح قیامت کے دن ظالم وسرکش اپنے کو بھیڑیئے کی شکل وصورت میں دیکھے گا، متکبر و مغرور کی صورت چیتے کی مانند اور لالچی وکنجوس کی شکل خنزیر جیسی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ

(آج کا دن وہ دن ہے کہ ہم نے تمہاری آنکھوں سے پردہ ہٹالیا) آپ جب تک اپنے قلوب سے اوصافِ رذیلہ کو دور نہ کریں گے اس وقت تک جانوروں اور درندوں میں شمار کیے جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ

(یہ جانوروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں) قلوب کی صفائی اور پاکی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں استعانت اور التجا کی جاتی ہے اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا کیونکہ نفس ہمیشہ سرکشی پر اکساتا ہے مگر جن لوگوں پر اللہ نے اپنا فضل وکرم کیا وہ نفس کی سرکشی سے علیحدہ اور کنارہ کش رہتے ہیں اور میرا پروردگار بڑا ہی غفور ورحیم ہے یعنی جب تک خدا تعالیٰ کا فضل وکرم دستگیری کر کے شاملِ حال نہ ہو اس وقت تک تزکیۂ نفس اور قلوب کی صفائی ناممکن ہے اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو تم میں کوئی کسی وقت بھی پاکیزہ صفت والا نہ بن سکتا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی نشانی یہ ہے کہ انسان اپنے ذاتی عیوب پر نظر رکھے اور انہیں برا تصور کرے اور انوارِ الٰہی کی عظمت کے پرتو سے اس کا باطن اس طرح درخشاں ہو جائے کہ تمام دنیا اور دنیا کی شان وشوکت اس نیک مرد کی نظروں میں کوئی وقعت نہ رکھے اور دنیا داروں کی منزلت وقدر اس کے دل میں سنگریزے کی مقدار تک بھی نہ رہے، جب کسی مومن کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو دنیا دار جن شہوانی اور حیوانی صفات میں مبتلا اور گرفتار ہیں وہ ان تمام چیزوں سے نفرت کرنے لگتا ہے اور پھر اس نیک مرد کی خواہش یہی رہتی ہے کہ یہ دنیا دار بھی فرشتہ صفت بن جائیں۔ چنانچہ ظلم، غضب، غرور، بخل اور طمع ولالچ کے بجائے اس کے اندر عفو، بردباری، تواضع وسخاوت

اور ایثار کی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں، ذکر کردہ اوصاف آخرت کے طلبگاروں کی ہیں، رہے طالبانِ حق، سو ان کے اوصاف بہت بلند و بالاتر ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے "تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللهِ" (اخلاق الٰہی کو اپنے اخلاق بناؤ) یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے جہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہوتی۔

چو میدانی ہر آنچہ کاری دردی
آخر بہمہ حال نکو کار بہ

(جب تجھے معلوم ہے کہ جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے، تو پھر ہر حال میں نیکی ہی کا بیج بونا بہتر ہے) عقلمند کے لیے تو یہی نصیحت دنیا اور آخرت کے تمام کاموں کی سعادت کے لیے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نیکی اور بھلائی کی توفیق دیتا ہے، شیخ نے اعمال پر متابعت کے لیے ایک نصیحت یہ بھی فرمائی کہ اپنے تمام اعضا کو تمام تر ممنوعات اور مکروہاتِ شرعیہ سے قولاً وفعلاً باز رکھا جائے اور فضول آدمی کی نشست و برخاست سے علیحدگی اختیار کی جائے اور وہ چیز جو اللہ سے تعلق توڑ دے اس کی کوئی قیمت نہیں اور باطل پرست لوگوں کی صحبت سے کنارہ کشی اختیار کی جائے اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جو شخص حق کا طلبگار نہیں وہ جھوٹا اور باطل پرست ہے۔

مجمع الاخبار میں ہے کہ ایک دن سلطان غیاث الدین تغلق بادشاہ نے مولانا ظہیر الدین لنگ سے دریافت کیا کہ آپ نے شیخ رکن الدین ابوالفتح کی کبھی کوئی کرامت بھی دیکھی؟ تو مولانا نے جواب دیا کہ جمعہ کے روز لوگوں کا بڑی کثرت سے آپ سے فیض حاصل کرنا یہ آپ کی کرامت ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ شیخ کے پاس تسخیر کا عمل ہے اور مجھے اگرچہ لوگ عقلمند اور عالم کہتے ہیں مگر میرے پاس کوئی نہیں آتا، خیر کل میں شیخ کے پاس جا کر ان سے یہ مسئلہ پوچھوں گا کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو جو سنت قرار دیا گیا ہے اس میں کیا راز ہے؟ چنانچہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ شیخ سے میری ملاقات ہوئی اور شیخ نے مجھے حلوا کھلایا ہے، جس کی حلاوت بیدار ہونے کے بعد تمام دن

محسوس کرتا رہا، میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر کرامت یہی ہے تو شیطان بھی! اسی طرح کے کرشمے دکھا کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے یعنی اس بات کا کرامت سے کوئی تعلق نہیں اس طرح تو شیطان بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے دل میں اس بات کا تہیہ کر لیا کہ کل سویرے جا کر یہ مسئلہ ضرور پوچھوں گا، دوسرے دن صبح سویرے میں شیخ کی خدمت حاضر ہوا تو مجھے دیکھتے ہی آپ نے فرمایا کہ (بڑا اچھا ہوا آپ تشریف لے آئے) میں آپ کا انتظار کر رہا تھا اور پھر خود ہی اس طرح تقریر شروع فرمائی کہ ناپاکی کی دو قسمیں ہیں، ایک ناپاکی دل کی اور دوسری ناپاکی بدن کی۔ جسم کی ناپاکی یہ ہے کہ عورت سے مجامعت کے بعد بدن ناپاک ہو جاتا ہے اور برے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے دل ناپاک ہو جاتا ہے۔ جسم کی پلیدی اور ناپاکی پانی سے ختم ہوتی ہے اور دل کی ناپاکی آنسوؤں سے دھلتی ہے، پھر اس کے بعد فرمایا کہ پانی کے اندر تین اوصاف ہونگے تب وہ طاہر اور مطہر ہوگا، اور تین اوصاف رنگ، مزہ اور بو ہیں، شریعت نے وضو میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اسی لیے مقدم رکھا تاکہ کلی کرنے سے پانی کا مزہ اور ناک میں پانی ڈالنے سے اس کی بو معلوم ہو جائے، مولانا فرماتے ہیں کہ جب شیخ نے یہ تقریر فرمائی تو میرے جسم سے پسینہ بہنے لگا اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ شیطان جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت اختیار نہیں کر سکتا اسی طرح حقیقی شیخ کی شکل بھی اختیار نہیں کر سکتا، اس لیے کہ حقیقی شیخ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری پوری پیروی کرتا ہے۔ اس کے بعد شیخ نے مولانا ظہیر الدین سے خطاب کر کے فرمایا مولانا! آپ ظاہری علوم سے مالا مال ہیں لیکن علومِ حال سے ابھی تک ناآشنا ہیں۔

سلطان قطب الدین بن علاؤ الدین خلجی بادشاہ کے دور میں شیخ رکن الدین ابوالفتح دہلی تشریف لائے اور شیخ نظام الدین اولیاء جو اس وقت مسندِ ارشاد و تربیت پر فائز تھے اور اس وقت کے مشہور بزرگ تھے، شیخ ابوالفتح کی آمد کی خبر سن کر آپ کے استقبال کے لیے اپنے خاص مقام سے حوضِ علائی تک تشریف لائے۔ سلطان قطب الدین بادشاہ نے شیخ رکن الدین کا بڑا اکرام کیا اور دوران گفتگو پوچھا کہ اس شہر میں آپ کا کن کن لوگوں نے

استقبال کیا ہے تو شیخ نے فرمایا دہلی والوں میں سے اس بزرگ ہستی نے (یعنی خواجہ نظام الدین اولیاء) جو شہر والوں میں سب سے زیادہ بہتر ہیں۔

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ سلطان قطب الدین کے دل میں شیخ نظام الدین اولیاء کا مرتبہ اور عزت کم ہو گئی تھی۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح کی عزت کرنے کی وجہ یہی تھی کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کی شان بان ختم ہو جائے۔ غرضیکہ شیخ رکن الدین ابوالفتح نے اپنے اس جواب سے ان تمام موہومہ تخیلات کی بیخ کنی کر دی جن کی غیر متوقع امید کی گئی تھی، سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ استقبال کرنے کے بعد دونوں بزرگوں یعنی شیخ رکن الدین ابوالفتح اور خواجہ نظام الدین اولیاء کی جامع مسجد میں ملاقات ہوئی جس کی تفصیل یوں منقول ہے کہ حضرت محبوبِ سبحانی اپنی نماز کی مقررہ جگہ سے اٹھ کر شیخ رکن الدین کے پاس تشریف لے گئے، پھر تھوڑی دیر کے بعد شیخ رکن الدین اپنی جگہ سے اٹھ کر خواجہ نظام الدین کی جگہ پر دوبارہ دیدار کی غرض سے تشریف لے گئے اور دونوں کی اسی جامع مسجد میں خوب صحبت و ملاقات رہی۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ محبوبِ سبحانی اپنے مقبرے کی عمارت تعمیر کروا رہے تھے کہ اچانک شیخ رکن الدین کی آمد کا شور بلند ہوا آپ نے اسی وقت کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور اپنے دوست احباب کو جمع کر لیا، اتنے میں شیخ رکن الدین پالکی میں سوار ہو کر آپ کے ہاں تشریف لے آئے، بوقتِ ملاقات بھی وہ غالباً مرض اور خاص عذر کی بنا پر پالکی میں بیٹھے رہے۔ خواجہ نظام الدین اولیا اور آپ کے دیگر تمام ساتھی پالکی کے اردگرد بیٹھ گئے، باتیں ہو رہی تھیں اور مجلس خوب گرم تھی کہ اتنے میں شیخ رکن الدین ابوالفتح کے چھوٹے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیل نے کہا کہ آج بزرگوں کا اجتماع ہے، بہترین موقع ہے لہذا اس کو غنیمت تصور کرتے ہوئے آپ حضرات سے کچھ استفادہ کرنا چاہتا ہوں، سو گزارش یہ ہے کہ عرصۂ دراز سے میرے دل میں ایک شبہ ہے اور وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے میں راز کیا تھا؟ شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ اس میں غالباً یہ حکمت ہوگی

کہ نبی علیہ السلام کے وہ کمالات ودرجات جو ابھی تک مقدر اور پوشیدہ تھے ان کا عملی طور پر اصحابِ صفہ پر فیضان ظاہر کرنا مقصود ہوگا اس کے بعد خواجہ نظام الدین نے اپنے حلقہ بگوش لوگوں سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ فقیر کے خیال میں ہجرت کا راز یہ ہے کہ مدینہ کے وہ فقرا جو مکہ میں آکر نبی علیہ السلام کی زیارت نہیں کر سکتے تھے ان کو اس نعمتِ عظمیٰ سے مشرف کرنا مقصود تھا (ہجرت کے راز کو انہیں دو وجوہ پر منحصر نہ سمجھا جائے بلکہ علمائے کرام نے اس کے متعدد اسرار لکھے ہیں۔) غرض یہ کہ ہر دو بزرگوں کے بیان کا مقصد ایک دوسرے کی خاطر وتواضع تھی، شیخ رکن الدین کا مطلب یہ تھا کہ ہماری آمد کا مقصد طلبِ کمال اور حصولِ فائدہ ہے اور محبوب سبحانی کا مطلب تکمیل اور فائدہ رسانی تھی، یہ واقعہ سیر الاولیا میں بھی لکھا ہے۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ نبی علیہ السلام کا کمال جو اصحابِ صفہ پر موقوف تھا وہ ارشاد وتکمیل ہی تھا جو موجبِ ثواب اور باعثِ عالی درجات تھا ان کا اپنا ذاتی کوئی کمال نہ تھا، غرض یہ کہ دونوں بزرگوں کی باتوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ واللہ اعلم اس کے بعد کھانا لایا گیا، کھانے سے فراغت کے بعد محبوبِ سبحانی نے چند عمدہ قسم کے کپڑوں کیساتھ سو اشرفیاں ایک ایسے باریک کپڑے میں جس میں سے اشرفیوں کا رنگ باہر سے چمکتا ہوا نظر آرہا تھا، باندھ کر شیخ رکن الدین کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیں، شیخ رکن الدین نے اس تحفہ کو دیکھ کر فرمایا ''اُسْتُرْ ذَهَبَكَ'' کہ اپنے سونے کو ڈھانپ لو۔ محبوب سبحانی نے جواب میں فرمایا کہ سونا میرا مذہب ہے یعنی مال ودولت باعثِ سترِ مذہب ہے اور گودڑی درویش کا حال ہے تا کہ وہ (ان دونوں کے ذریعہ) عوام سے پوشیدہ رہ سکے۔ (اس کے بعد بھی) شیخ رکن الدین نے تحفہ قبول کرنے سے پس وپیش کیا تو محبوبِ سبحانی نے اس کے بھائی عماد الدین اسماعیل کے حوالے کر دیا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ اتفاق سے محبوبِ الٰہی بیمار پڑ گئے۔ عیادت کے لیے شیخ رکن الدین آپ کے مکان پر تشریف لائے اور فرمایا کہ ہر شخص حج کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش اور سعی کرتا ہے اور یہ عشرۂ ذی الحجہ ہے، میں سعی کر کے شیخ المشائخ کی زیارت کی

سعادت سے بہرہ ور ہوا، شیخ نظام الدین اولیا کی وفات کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ بھی شیخ رکن الدین نے پڑھائی۔ بعدہٗ فرمایا کہ تین سال تک ہم کو دہلی میں رکھنے کا راز یہی تھا کہ ہم کو یہ سعادت حاصل کرنی تھی اس کے تھوڑے عرصہ بعد شیخ رکن الدین ابوالفتح اپنے اصلی وطن (ملتان) واپس ہو گئے۔

خیر المجالس میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کا یہ بیان لکھا ہے کہ شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ابوالفتح جب ملتان سے دہلی تشریف لائے تو آپ کے پاس قلندروں اور بھکاریوں کا ایک جمِ غفیر جمع ہو گیا۔ قلندروں نے کہا کہ ہمیں شربت پلائیے آپ نے انہیں کچھ دے کر روانہ کیا پھر بھکاریوں نے مطالبہ کیا کہ ہم کو بھی دلواؤ! آپ نے ان کو بھی کچھ دے کر روانہ کیا ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ قوم کے سردار کے پاس تین چیزوں کا ہونا لازمی ہے۔ اولاً مال و دولت تا کہ لوگ جو کچھ اس سے مانگیں وہ ان کو دے دیا کرے، اس زمانے کے قلندر شربت مانگتے ہیں اگر درویش کے پاس نقدی اور مال نہ ہو تو وہ ان کو شربت کہاں سے پلائے گا ان مانگنے والوں کی حالت یہ ہے کہ یہ باہر نکلتے ہی بدگوئی شروع کر دیتے ہیں اور اپنے اس مانگنے کے جرم کے سبب قیامت کے روز عذاب میں گرفتار ہوں گے، دوسری چیز یہ کہ درویش صاحبِ علم ہونا چاہیے تا کہ علما کی صحبت میں ان سے علمی گفتگو کر سکے، تیسری چیز جو درویش کے لیے لازمی ہے وہ "حال" ہے تا کہ دوسرے درویشوں کو بھی حال میں لا سکے۔ (275)

دسواں باب

بحق آنکہ شاہ اولیاء شد
درِ او بوسہ گاہ اولیاء شد

حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری سنجری قدس سرہ

آپ کی ولادتِ باسعادت 527 یا 530 یا 535ھ بمقام سیستان یا اصفہان یا سجستان یا سنجر یا سجز میں ہوئی۔ والدۂ ماجدہ کا نام ام الورع بی بی نور تھا۔ ان کا ارشاد ہے کہ جب آپ میرے شکم میں آئے تو خیر و برکت کے سائے امنڈنے لگے۔ آدھی رات کے بعد آپ والدۂ ماجدہ کے شکم میں تسبیح و تہلیل فرماتے تو اس کی آواز بی بی سنتی تھیں۔ آپ کی ولادت کے وقت گھر روشن ہو گیا۔ آپ کے والد گرامی کا اسم سید غیاث الدین حسن تھا آپ صاحبِ ثروت، یکتائے صالحین و یگانہ مجاہدین تھے ان کا مزار شام میں یا عراق میں ہے۔

نسب نامہ پدری

سید معین الدین حسن بن غیاث الدین بن سید نجم الدین طاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم بن سید ادریس بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی سجاد زین العابدین بن سید امام حسین بن امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

نسب نامہ مادری

سیدہ اُمّ الورَع نور بنت سید داؤد بن سید عبداللہ حنبلی بن سید یحیٰ زاہد بن سید محمد مورث بن سید داؤد اول بن امام سید موسیٰ جون بن امام سید عبداللہ المحض بن سید امام حسن المثنیٰ بن امیر المؤمنین سید امام حسن بن امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت خواجہ سید معین الدین حسن والدِ بزرگوار کی طرف سے حسینی اور والدۂ ماجدہ کی طرف سے حسنی سید ہیں جس

طرح حضور غوثِ اعظم، سلطانِ بغداد والدِ کریم کی طرف سے حسنی اور والدۂ ماجدہ کی طرف سے حسینی سید ہیں یعنی یہ دونوں بزرگ نجیب الطرفین ہیں۔

خواجہ کی غوثِ اعظم سے رشتہ داری

حضور غوثِ پاک کی والدہ ماجدہ بی بی ام الخیر خواجہ غریب نواز کی ننہالی رشتہ میں خالہ اور ددھیالی رشتہ میں بہن ہیں۔(276)

غوثِ پاک حضرت سید عبداللہ حنبلی صومعی کے نواسے اور حضرت خواجہ غریب نواز ان کی پوتی کے بیٹے ہوئے۔

بشارت وسفرِ اجمیر

سیر الاقطاب میں ہے کہ جب آپ مکہ مکرمہ میں تھے تو آپ کو مع مریدین الی یوم الدین کی بخشش کی بشارت ملی۔ فریضۂ حج کے بعد آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے، مسجد قبا میں تھے تو دربارِ نبوت سے بشارت ملی تُو میرے دین کا معین ہے۔ ولایتِ ہندوستان تجھے عطا کی ہے، ''اجمیر'' تبلیغی مرکز ہے، پھر آپ کو پوری روئے زمین کا نظارہ کرا دیا اور دہلی و اجمیر کا راستہ دکھا دیا۔ آپ مدینۂ منورہ سے بغداد شریف تشریف لائے۔ وہاں سے ہرات (سبزوار) پہنچے۔ وہاں کے حاکم یار محمد کے باغ میں داخل ہوئے، حالانکہ اس باغ میں کسی کو داخلے کی اجازت نہ تھی۔ آپ حوض کے کنارے پر بیٹھ کر تلاوتِ کلامِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ یار محمد فاسق و فاجر ہونے کے ساتھ ساتھ اصحابِ کرام اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے بغض و عناد رکھتا تھا۔ جس کا نام ابوبکر، عمر یا عثمان ہوتا اسے قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کرتا تھا۔ یار محمد باغ میں آ پہنچا تو ملازموں نے آپ کو عرض کیا: آپ باہر چلے جائیں۔ آپ نے فرمایا: تم درخت کے نیچے بیٹھ جاؤ اور اللہ کی قدرت کا نظارہ دیکھو! یار محمد نے جب آپ کو دیکھا تو ملازموں سے ناراض ہونے لگا، خواجہ صاحب نے مسکرا کر اسے دیکھا تو وہ کانپنے لگا اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ آپ نے فرمایا حوض سے تھوڑا سا پانی لے لو اور بسم اللہ پڑھ کر اس کے منہ پر چھڑکو، جب پانی چھڑکا گیا تو اسے ہوش آ گیا۔ اس نے آپ سے معافی مانگی آپ

نے فرمایا تو رسول اللہ ﷺ کی دل آزاری کرتا ہے اور مجھ سے معافی مانگتا ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پالو گے۔ اس نصیحت کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ توبہ کر کے اہلسنت و جماعت میں شامل ہو گیا۔ مؤرخ فرشتہ نے کیا خوب فرمایا:

آنچہ زر مے شود از پرتو آن قلب سیاہ

کیمیاء است کہ در صحبت درویشان است

یار محمد آپ کے غلاموں میں شامل ہو گیا۔ اپنا تمام مال غریبوں میں تقسیم کر دیا اور اسلامی خدمات کی انجام دہی میں مشغول ہو گیا۔ حضرت خواجہ غریب نواز یہاں سے عازم بلخ ہوئے شیخ حَضرَ وَیہ کی خانقاہ میں قیام فرمایا اور مولانا ضیاء الدین حکیم کو اپنے حلقہ میں داخل فرمایا۔ المختصر آپ چالیس خادموں، درویشوں اور رفیقوں کے ہمراہ ہرات، بلخ اور غزنی سے ہوتے ہوئے ہندوستان میں داخل ہوئے آپ براہِ قلعہ شادمان ملتان آئے، تقریباً پانچ سال قیام فرما کر سنسکرت و پراکرت پر عبور حاصل کیا پھر لاہور تشریف لائے اور حضور علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پُرانور کے پاؤں والی جانب چلہ کشی کی۔ مقصود کے حصول کے بعد آپ کی زبان پر جاری ہوا:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

خزانے بخشنے والا، جہاں کو فیض دینے والا، خدا کے نور کا مظہر، ناقصوں کیلئے پیر کامل اور کاملوں کو راہ دکھانے والا۔

سرکار داتا گنج بخش علی ہجویری سے اجازت لینے کے بعد آپ پٹیالہ اور دہلی تشریف لائے 586ھ/1190ء میں جب آپ وہاں پہنچے تو دلی پر پرتھوی راج کا قبضہ تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ راجے کھانڈ راؤ کے گھر کے سامنے صدائے توحید و رسالت بلند ہوئی اور آپ کے غلاموں نے نماز ادا کی۔ چند روز یہ سلسلہ چلتا رہا ایک دن ایک طاقت ور شخص بغل میں

چھری چھپا کر آپ کو قتل کرنے کے لیے آیا، آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا: میاں! تو اپنا کام پورا کر لے تو وہ کانپنے لگا اور چھری اس کی بغل سے گر گئی وہ آپ کے قدموں پر جھک گیا اور مشرف با سلام ہوا اس کے سات سو ساتھی بھی اسلام لائے، ایک دن ایک شخص روتا ہوا آیا اور کہا کہ راجے نے میرے بیٹے کو قتل کر دیا ہے آپ اس شخص کے ہمراہ اس کے بیٹے کی لاش پر پہنچے اور اس کے سر کو دھڑ کے ساتھ ملا کر فرمایا اگر تجھے بے قصور قتل کیا گیا ہے تو اللہ کے حکم سے زندہ ہو جا! وہ لڑکا فوراً زندہ ہو گیا۔ اس طرح سرزمینِ دہلی پر اسلام کی پہلی کرن پھوٹی۔ آپ نے دہلی کا شہر اپنے مرید و خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی اوشی کے سپرد کیا اور خود 40 جانثاروں کے ساتھ اجمیر چلے گئے۔ راجہ کو نجومیوں اور جوگیوں سے پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ یہاں اللہ کا ولی آنے والا ہے، لوگ انتظار میں تھے جب آپ وہاں پہنچے تو لوگوں نے بے حد تعظیم کی، دہلی اور اجمیر کے سفر کے دوران تقریباً سات سو قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ اجمیر کے شہر سے دور ایک میل کے فاصلہ پر سایہ دار درختوں کے دامن میں قیام پذیر ہوئے۔ 40 غلام بھی ساتھ تھے راجے کے کارندے آ گئے اور کہا: ان درختوں کے سائے میں راجے کے اونٹ بیٹھا کرتے ہیں۔ آپ یہاں سے چلے جائیں! آپ نے وہاں سے کوچ فرمالیا اور آنا ساگر تالاب کے کنارے پر آ گئے اور فرمایا: اونٹ بیٹھتے ہیں تو بیٹھیں۔ اونٹ ایسے بیٹھے کہ پھر اٹھ نہ سکے۔ ساربانوں نے منت کی تو آپ نے فرمایا: جاؤ! اونٹ اٹھے ہوئے ہوں گے۔ ان کے آنے سے پہلے اونٹ اٹھ چکے تھے۔ آپ کے چند مرید آنا ساگر پر نہانے کیلئے گئے، برہمنوں نے بُرا بھلا کہہ کر ہٹا دیا، انہوں نے حضرت خواجہ غریب نواز کو شکایت کی، آپ نے ایک خادم کو چھاگل دی اور فرمایا: اسے تالاب سے بھر کر لے آؤ۔ اجمیر کے ہر تالاب کا پانی اس کوزے میں آ گیا اور سارے تالاب خشک ہو گئے۔ لوگوں نے جان لیا کہ یہ اس ولی کی کرامت ہے۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نادم ہو کر معذرت چاہی، آپ نے چھاگل کا پانی تالاب میں ڈلوا دیا تو تمام تالاب پانی سے بھر گئے آپ کی یہ کرامت دیکھ کر اجمیر کے لوگ فوراً مسلمان

ہوا
ہو گئے۔ پرتھوی راج اسلام کی روز افزوں اشاعت سے بہت پریشان ہو،اس نے بڑے بڑے جادوگروں کو بلایا تا کہ آپ کے ساتھ مقابلہ کریں۔ جب وہ آ گئے تو آپ نے اپنے رفیقوں کے اردگرد ایک حصار کھینچ دیا، جے پال اور اس کے ساتھیوں نے جادو کے بنائے ہوئے سانپ، ہاتھی، شیر وغیرہ وغیرہ چھوڑ دیئے جب یہ چیزیں حصار کے پاس آتیں تو مٹ جاتیں، اس کے بعد جادوگروں نے آگ برسانا شروع کی اس کا اثر یہ ہوا کہ اس سے خود جادوگر جلنے لگے اب جے پال نے ہوا میں پرواز کر کے آپ پر حملہ کرنا چاہا تو آپ نے اپنی جوتیوں کو ہوا میں اڑا دیا، جوتیوں نے جے پال کی خوب سرکوبی کی اور اسے آپ کے قدموں میں ڈال دیا۔ جے پال مسلمان ہوا سب لوگ اسلام لے آئے اسی طرح آپ نے نوے لاکھ انسانوں کو مسلمان کیا۔ (277)

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں رقم طراز ہیں: آپ برصغیر میں بڑے بڑے مشائخ کے سر حلقہ اور سلسلۂ چشتیہ کے بانی ہیں، بیس سال تک سفر و حضر میں خواجہ عثمان ہارونی کی خدمت میں رہے اور آپ کے سونے کے لباس کی حفاظت کی، اس کے بعد نعمتِ خلافت سے آپ کو نوازا گیا۔ آپ پتھورا رائے کے دورِ حکومت میں اجمیر (ہندوستان) تشریف لائے اور عبادتِ الٰہی میں میں مشغول ہو گئے، پتھورا رائے اس زمانہ میں اجمیر میں مقیم تھا، ایک روز اس نے آپ کے ایک مسلمان عقیدت مند کو کسی وجہ سے ستایا، وہ بیچارا آپ کے پاس فریاد لے کر پہنچا، آپ نے اس کی سفارش میں پتھورا رائے کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ لیکن اس نے آپ کی سفارش قبول نہ کی اور کہنے لگا کہ یہ شخص یہاں آ کر بیٹھ گیا ہے اور غیب کی باتیں کرتا ہے۔ جب خواجہ اجمیری کو یہ بات معلوم ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے حوالے کر دیا اس زمانہ میں سلطان معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری کی فوج غزنی سے آئی، پتھورا لشکرِ اسلام سے مقابلہ کے لیے آیا اور سلطان معز الدین کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ اسی تاریخ سے اس ملک میں اسلام پھیلا اور کفر کی جڑیں کٹ گئیں۔ آپ کی صداقت، ریاضت، کردار اور گفتار سے اسلام کا علم بلند ہوا۔

مشہور ہے کہ خواجہ اجمیری کی وفات کے بعد آپ کی پیشانی پر یہ نقش ظاہر ہوا ''حَبِیْبُ اللہِ مَاتَ فِیْ حُبِّ اللہِ'' یعنی اللہ کا حبیب اللہ کی محبت میں دنیا سے گیا۔

تاریخ وصال

بعض کے نزدیک حضرت خواجہ کی وفات 6 رجب 633ھ اور بعض کے نزدیک ماہِ ذوالحجہ میں ہوئی لیکن پہلا قول صحیح ہے اور اجمیر میں جہاں آپ کی اقامت تھی وہاں مزار ہے، آپ کا مزار مبارک ابتداً اینٹوں سے بنایا گیا تھا پھر اس کو علیٰ حالہ باقی رکھ کر پتھر کا ایک صندوق اس کے اوپر بنایا، اس کی وجہ سے آپ کے مزار میں بلندی پیدا ہوگئی، سب سے پہلے آپ کے مزار کی عمارت خواجہ حسین ناگوری نے بنوائی۔ اس کے بعد دروازہ اور خانقاہِ ہند کے کسی بادشاہ نے تعمیر کرائے۔

ملفوظات

آپ کے ملفوظات ''دلیل العارفین'' میں حضرت خواجہ بختیار کاکی اوشی نے جمع کر دیے ہیں اس میں اس تحریر ہے کہ آپ نے فرمایا: عاشق کا دل محبت کی آگ میں جلتا رہتا ہے، لہٰذا جو کچھ بھی اس دل میں آئے گا جل جائے گا اور نابود ہو جائے گا، کیونکہ آتشِ محبت سے زیادہ تیزی کسی آگ میں نہیں...... فرمایا: بہتی ندیوں کا شور سنو، کس طرح شور کرتی ہیں لیکن جب سمندر میں پہنچتی ہیں بالکل خاموش ہو جاتی ہیں۔

فرمایا: میں نے خواجہ عثمان ہارونی کی زبان سے خود سنا ہے، فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے اولیاء بھی ہیں کہ اگر اس دنیا میں ایک لمحہ بھی اس سے حجاب میں آجائیں تو نیست ونابود ہو جائیں۔

فرمایا: میں نے خواجہ عثمان ہارونی کی زبان سے خود سنا ہے فرماتے تھے کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے، اول سمندر جیسی سخاوت، دوم آفتاب جیسی شفقت۔ سوم، زمین جیسی تواضع۔

فرمایا: نیک لوگوں کی صحبت نیکی کرنے سے بہتر اور برے لوگوں کی صحبت بدی کرنے

سے بدتر ہے۔فرمایا: مرید اپنی توبہ میں اس وقت راسخ اور قائم سمجھا جائے گا جب کہ اس کی بائیں طرف والے فرشتہ نے بیس سال تک اس کا ایک گناہ بھی نہ لکھا ہو۔

یہ بات اکابر متقدمین سے بھی منقول ہے اور بعض متاخرین صوفیا نے اس بات کی حقیقت اس طرح بیان فرمائی ہے کہ مرید کے لیے ہر وقت توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے اور توبہ واستغفار کے ہوتے ہوئے گناہ نہیں لکھا جاتا، یہ مطلب نہیں کہ گناہ اس سے بالکل سرزد ہی نہ ہو اسی وجہ سے مشائخ کرام اپنے مریدوں کو سوتے وقت استغفار کی تاکید کرتے ہیں تاکہ دن بھر کے وہ گناہ جو ابھی تک رحمتِ الٰہی کی وجہ سے نہیں لکھے گئے ہیں کتابت و ظہور میں نہ آئیں۔

فرمایا: میں نے خواجہ عثمان ہارونی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ انسان مستحقِ فقر اس وقت ہوتا ہے جب اس عالمِ فانی میں اس کا کچھ بھی باقی نہ رہے۔محبت کی علامت یہ ہے کہ فرمانبردار رہتے ہوئے اس بات سے ڈرتے رہو کہ محبوب تمہیں دوستی سے جدا نہ کردے۔

فرمایا: عارفوں کا بڑا بلند مقام ہے جب وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو تمام دنیا و مافیہا کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہیں۔

فرمایا: عارف وہ ہے کہ جو کچھ چاہے وہ فوراً اس کے سامنے آجائے اور جو بات کرے تو فوراً اس کی جانب سے اس کا جواب سن لے۔

فرمایا: محبت میں عارف کا کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ صفاتِ حق اس کے اندر پیدا ہو جائیں اور محبت میں عارف کا درجۂ کامل یہ ہے کہ اگر کوئی اس کے مقابلہ پر دعویٰ کر کے آئے تو وہ اپنی قوتِ کرامت سے اسے گرفتار کرلے۔

فرمایا: ہم برسوں سے یہ کام کرتے رہے لیکن آخر میں ہیبت کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا، فرمایا کہ تمہارا کوئی گناہ اتنا نقصان نہیں پہنچائے گا جتنا کسی مسلمان کی بےعزتی کرنے سے پہنچے گا۔

فرمایا: پاسِ انفاس اہلِ معرفت کی عبادت ہے اور معرفتِ خداوندی کی علامت یہ ہے

کہ مخلوق سے بھاگے اور معرفت میں خاموش رہے۔

فرمایا: عارف کو معرفت حاصل نہیں ہو سکتی تا وقت کہ معارف کو یاد نہ کرے اور عارف وہ ہے جو اپنے دل سے غیر اللہ کو نکال کر باہر کر دے تا کہ وہ بھی اس طرح اکیلا ہو جائے جیسے اس کا محبوب یکتا ہے۔

فرمایا: بدبختی کی علامت یہ ہے کہ گناہ کرتا رہے پھر بھی مقبولِ بارگاہ ہونے کا امیدوار ہو اور عارف کی علامت یہ ہے کہ خاموش اور غمگین رہے۔

فرمایا: جس نے بھی نعمت پائی وہ سخاوت کی وجہ سے پائی۔

فرمایا: درویش وہ ہے کہ جس کے پاس جو بھی حاجت لے کر آئے تو اسے خالی ہاتھ اور معدوم واپس نہ کرے اور عارف راہِ محبت میں ایسا شخص ہے جو دو عالم سے دل ہٹا لے۔

فرمایا: اس دنیا میں درویشوں کے ساتھ بیٹھنا عزیز ترین چیز ہے اور درویشوں کا درویشوں سے جدا ہونا بدترین چیز ہے کیونکہ یہ جدائی علت سے خالی نہیں۔

فرمایا: درحقیقت متوکل وہ ہے جس کو مخلوق سے تکلیف واذیت حاصل ہو لیکن نہ وہ کسی سے شکایت کرے اور نہ ہی کسی سے ذکر کرے اور سب سے بڑا عارف وہ ہے جو سب سے زیادہ حیران ہو۔

فرمایا: عارف کی علامت یہ ہے کہ وہ موت کو پسند کرے اور عیش وراحت کو چھوڑ دے اور یادِ الٰہی سے انس حاصل کرے۔

فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے محبت کرنے والوں کو اپنے انوار کی دولت عطا فرمائے تو یہی رؤیت اور دیدار ہے۔

فرمایا: اہلِ محبت وہ ہیں جو استاد کے بغیر دوست کی باتیں سنیں۔

فرمایا: عارف وہ ہے جو صبح اٹھے تو رات کی یاد اسے نہ آئے۔

فرمایا: سب سے بہتر وقت وہ ہے جب دل وسوسوں سے پاک ہو۔

فرمایا: علم ایک بے پناہ سمندر ہے اور معرفت اس کی ایک نالی، سو کہاں خدا، کہاں

بندہ۔ علم اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور معرفت بندہ کے لیے۔

فرمایا: اہلِ معرفت ایسے آفتاب ہیں جو تمام عالم پر درخشاں ہیں اور تمام عالم ان کے نور سے روشن ہے۔

فرمایا: لوگ منزل گاہِ قرب کے نزدیک صرف اس وقت جا سکتے ہیں جب نماز میں مکمل فرمانبرداری کریں کیونکہ مومن کی معراج یہی نماز ہے۔

اجمیر کی وجہ تسمیہ

مشہور ہے کہ ''اجمیر'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک ہندو راجہ کا نام جس کی حکومت کی حد غزنی تک تھی ''آجا'' تھا، نیز ''آجا'' ہندی میں آفتاب کو بھی کہتے ہیں، اور ''میر'' ہندی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں، ہندوؤں کی تاریخ میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں پہاڑوں پر تعمیر ہونیوالی دیواروں میں سب سے پہلے یہی دیوار تعمیر ہوئی جو اجمیر کے پہاڑ کے اوپر ہے۔ اسی طرح سرزمینِ ہند میں جو سب سے پہلا حوض بنایا گیا وہ ''پھکر'' کا حوض ہے جو اجمیر سے آٹھ میل دور ہے اور ہندو اس کی پوجا کرتے ہیں اور ہر سال چھ روز کیلئے ''تحویلِ عقرب کے وقت وہاں جمع ہو کر غسل کرتے ہیں اپنی عمرِ عزیز اور اولاد کو ایک باطل مذہب کی بدولت برباد کرتے ہیں ان میں سے جو قیامت کے قائل ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ قیامت بھی اسی حوض سے شروع ہوگی۔ اور ''آجا'' نام جو اس ملک میں ہندو تھے پہلے سے رکھتے تھے، پتھوراسب سے آخری راجہ ہے جس سے مسلمانوں نے ملکِ ہند حاصل کیا۔''

علامہ تھانوی نے کہا کہ حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ چشتیوں کے بادشاہ ہیں چشتی تو ہند میں وہیں سے جاری ہوئے۔ ہندوستان میں تو چشتیوں کی سلطنت حضرت کی وجہ سے ہے۔ ایک انگریز نے ہندوستان سے انگلستان میں جا کر کہا تھا کہ ہندوستان کے تمام سفر میں ایک بات عجائبات میں سے دیکھی کہ ایک مرد (خواجہ اجمیری) اجمیر کی سرزمین میں پڑا ہوا تمام ہندوستان پر حکومت کر رہا ہے۔ (شیخ تھانہ بھون نے) کہا کہ لوگوں کے قلوب میں حضرت کی بڑی عظمت ہے حتیٰ کہ ہندوؤں تک کے قلوب میں عظمت ہے۔ اجمیر میں تو اکثر

ہندو حضرت کے نام کی قسم کھاتے ہیں، سلاطینِ اسلام کے قلوب میں بھی عظمت کا یہی حال تھا۔ اکبر بادشاہ نے کئی بار دارالخلافہ سے اجمیر تک پیدل سفر کیا ہے۔ یہ عظمت نہ تھی تو اور کیا تھی؟ اور اکبر بادشاہ کی بے دینی کی باتیں مشہور ہیں یہ سب اس کی پالیسی کی باتیں تھیں ورنہ اس کے قلب میں اہلِ علم اور اہلِ دین کی عظمت اور محبت ضرور تھی اور مرنے کے وقت تو اہلِ علم کو بلا کر توبہ کی ہے۔

اگر توبہ کے بعد بضرورت پھر کوئی دنیا کے متعلق بات کی تو دوبارہ علما کو بلا کر توبہ کی اس کو بھی پسند نہ کیا کہ دنیا کی بات پر جان دوں، ذکر اللہ میں مشغول ہو کر جان دی ہے۔ کیا خبر ہے کسی کو، کوئی کیسا ہے اس لیے میری ہمیشہ سے رائے ہے کہ سلاطینِ اسلام کی شان میں گستاخی نہیں کرنی چاہیے۔ (278) مگر.......

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہ

آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے جلیل القدر خلفاء اور اکابر اولیاء اور عظیم القدر صوفیاء میں سے تھے اور بڑے مقبول بزرگ تھے۔ ترکِ دنیا اور فقر و فاقہ میں ممتاز تھے اور یادِ الٰہی میں بڑے مستغرق اور محو رہتے تھے اگر کوئی آپ سے ملنے کے لیے آتا تو تھوڑی دیر کے بعد افاقہ ہوتا اور آپ اپنے آپے میں آتے اس کے بعد آنے والے کی طرف متوجہ ہوتے، اپنی یا آنے والے کی بات کہہ سن کر فرماتے کہ اب مجھے معذور رکھو اور پھر یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے، اگر آپ کی کوئی اولاد فوت ہو جاتی تو اس وقت خبر نہ ہوتی تھوڑی دیر کے بعد آپ کو خبر ہوتی۔ یعنی آپ بحر وحدت میں مستغرق رہتے تھے۔

مصلّے کے نیچے سے روٹی

منقول ہے کہ آپ کے پڑوس میں ایک بنیا رہتا تھا، شروع شروع میں آپ اس سے قرض لیتے تھے اور اس سے فرما دیتے تھے کہ جب تمہارا قرض تیس درہم تک ہو جائے تو اس سے زیادہ نہ دینا، جب آپ کو فتوحات حاصل ہوتیں تو آپ قرض ادا فرما دیتے، اس کے بعد

آپ نے پختہ ارادہ فرمالیا کہ کبھی قرض نہ لوں گا، اس کے بعد اللہ کے فضل و کرم سے ایک روٹی مصلے کے نیچے سے نکل آتی اسی پر تمام گھر والے گزارا کر لیتے، اس بنئیے نے خیال کیا کہ شاید حضرت شیخ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں جو قرض نہیں لیتے اس نے اپنی بیوی کو جستجوئے حال کے لیے حضرت خواجہ کے گھر بھیجا، حضرتِ شیخ کی اہلیہ محترمہ نے صحیح صحیح حالت اس کی بیوی کو بتا دی اس کے بعد سے وہ روٹی ملنا بند ہو گئی (چونکہ آپ کو منجانبِ اللہ مصلے کے نیچے سے روٹی ملا کرتی تھی جس پر آپ کے گھرانے کی گزر اوقات تھی اس لیے آپ کو کا کی کہتے ہیں کہ کاک افغانی زبان میں روٹی کو کہا جاتا ہے اور چونکہ آپ بلاد ماوراء الہند کے قصبہ اوش کے رہنے والے تھے اس لئے آپ کو اوشی کہا جاتا ہے)

شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ شیخ معین الدین اجمیری نے شیخ قطب الدین کو پانچ سو درہم تک قرض لینے کی اجازت دے دی تھی لیکن جب آپ درجۂ کمال پر پہنچے تو اس سے بھی دست برداری فرمالی۔

نیند ختم

منقول ہے کہ خواجہ قطب الدین اپنے ابتدائی دور میں نیند کے غلبہ کے بعد تھوڑا سو لیتے تھے لیکن آخری زمانہ میں یہ بھی بیداری سے تبدیل ہو گیا۔

شیخ محمد نور بخش نے اپنی کتاب ''سلسلۃ الذهب'' میں آپ کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ ''بختیار اوشی'' بڑے ولی، سالک، مجاہدہ و ریاضت میں ممتاز اور خلوت و عزلت کو پسند کرنے والے اپنے چلوں میں کم خواب، کم خور، کم گو اور ہمیشہ یادِ الٰہی میں رہنے والے اور باطنی حالات و مکاشفات میں بڑے بلند پایہ تھے۔

سونے سے قبل تین ہزار درود شریف پڑھنا

منقول ہے کہ آپ ہر رات تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد سویا کرتے تھے، انہیں ایام میں آپ کا نکاح ہوا اور تین روز تک درود شریف نہ پڑھ سکے ایک شخص نے جس کا نام رئیس تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا، تو آپ نے فرمایا کہ بختیار کا کی کو

ہمارے سلام کے بعد کہنا کہ تم ہر رات جو تحفہ ہمیں بھیجا کرتے تھے تین رات سے وہ ہمیں نہیں پہنچا۔

درویشوں کی صحبت اور وصال

منقول ہے کہ شیخ علی سکزیؒ کے مکان پر صحبتِ احباب گرم تھی خواجہ بختیار بھی وہاں موجود تھے اور شیخ علی ایک بزرگ حضرت خواجہ معین الدین حسن کے رشتہ دار اور خواجہ قطب الدین کے ہمسایہ تھے ان کا مزار بھی خواجہ صاحب کے مزار کے قریب ہے، اس محفلِ سماع میں قوال نے شیخ احمد جام کا یہ شعر پڑھا۔

کشت گانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

(خنجر تسلیم ورضا کے شہیدوں کو ہر گھڑی غیب سے ایک نئی زندگی عطا ہوتی ہے)

خواجہ صاحب پر اس شعر سے ایک وجد طاری ہوا اور چار شبانہ روز اسی شعر سے عالمِ تحیر میں مبتلا رہ کر پانچویں رات رحلت فرما گئے۔ میر حسن دہلوی نے اسی زمین کی غزل میں اس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جاں بریں یک بیت دادہ است آں بزرگ
آرے ایں گوہر ز کانے دیگر است

(اسی ایک شعر پر اس بزرگ نے جان دے دی یقیناً یہ موتی کسی دوسری کان کا ہے)

کشت گانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

(خنجر تسلیم ورضا کے شہیدوں کو ہر گھڑی غیب سے ایک نئی زندگی عطا ہوتی ہے)

یہ واقعہ ربیع الاول کی چودھویں رات 633ھ کا ہے اور اسی سال 14 شعبان کو سلطان شمس الدین التمش کی وفات ہوئی۔

موت ایک پُل ہے

خواجہ قطب الدین نے اپنی کتاب ''دلیل العارفین'' میں لکھا ہے کہ جمعرات کے دن اجمیر کی جامع مسجد میں مجھے اپنے شیخ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ مجلس میں درویش، مرید اور عزیزانِ اہلِ صفہ حاضر تھے۔ ملک الموت کے بارے میں بات چیت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا ''موت کے بغیر دنیا کی ذرہ برابر قیمت نہیں'' دریافت کیا یہ کیسے؟ فرمایا ''اس لیے کہ موت ایک پُل ہے جسے عبور کر کے حبیب، حبیب سے ملتا ہے'' پھر فرمایا کہ دوستی دل سے ہوا کرتی ہے نہ کہ زبان سے اور جو چیزیں تمہیں معلوم ہیں ان سے خاموشی اختیار کرو تو عرش کے گرد طواف کرنے لگو۔

فرمایا کہ عارف کی مثال چمکنے والے آفتاب کی طرح ہے جس کے نور سے پوری دنیا روشن ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: اے درویش! ہمیں یہاں لایا گیا ہے اور ہماری قبر بھی یہیں ہوگی، آئندہ کچھ ہی دنوں کے اندر ہم سفرِ آخرت اختیار کریں گے اس کے بعد شیخ علی سنجری سے فرمایا کہ ایک تحریر لکھو کہ قطب الدین دہلی روانہ ہو جائے، ہم نے خلافت سجادہ قطب الدین کو دے دی اور ان کا قیام دہلی ہوگا، جب حکمنامہ مکمل ہو گیا تو اس فقیر (خواجہ بختیار) کو عنایت فرمایا اس فقیر نے سرِ تسلیم جھکا دیا، پھر فرمایا: ذرا قریب آجاؤ! میں قریب ہوا تو دستار و کلاہ میرے سر پر رکھ کر خواجہ عثمان ہارونی کا عصا عطا فرمایا اور خرقہ پہنا کر قرآنِ کریم، جائے نماز اور نعلین عطا فرمائے اور فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ امانت مشائخِ چشت کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے۔ تم بھی اسے جاری رکھنا تا کہ قیامت کے دن مشائخ کے سامنے شرمندگی اٹھانا نہ پڑے، اس فقیر نے سر جھکا دیا پھر دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا: اب جاؤ! سپردِ خدا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں منزل پر پہنچائے۔ پھر فرمایا: چار چیزیں نفس کا جوہر ہیں اول درویشی میں تونگری کرنا، دوم بھوک میں سیر نظر آنا، سوم غم میں مسرور معلوم ہونا، چہارم دشمن سے بھی دوستی کا معاملہ کرنا۔ پھر فرمایا: جہاں بھی جاؤ کسی کا دل نہ دکھانا اور جہاں بھی جاؤ مُردوں کی

طرح رہنا۔ (حضرت کاکی نے فرمایا) میں دہلی میں آکر مقیم ہو گیا اور تمام حکام اور عوام مجھ فقیر کی جانب رجوع کرنے لگے۔ چالیس روز نہیں گزرے تھے کہ ایک قاصد پیغام لایا کہ حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ آپ کے روانہ ہونے کے بیس روز بعد واصلِ بحق ہو گئے۔ (رحمۃ اللہ علیہ) (279)

شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانی قرشی اسدی رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے آپ کا شمار ہندوستان کے اکابر اولیا میں ہوتا ہے۔ ظاہری کمالات، بلند مراتب اور عالی برکات و فیوض سے آراستہ تھے۔ ''نزہۃ الارواح'' کتاب کے مصنف میر حسینی سادات اور ''لمعات'' کے مصنف شیخ فرید الدین عراقی آپ کی خدمت میں رہے اور آپ کی تربیت سے فیض پایا۔

دودھ کا پیالہ

آپ جس وقت صاحبِ کمال و برکات ہو کر ملتان تشریف لائے تو اکابرِ ملتان نے بطور کنایہ آپ کی خدمت میں دودھ سے لبالب بھرا ہوا ایک پیالہ بھیجا، مطلب یہ تھا کہ اس شہر میں کسی کی گنجائش نہیں ہے۔ شیخ نے اس اشارہ کا مطلب سمجھ کر دودھ کے پیالہ پر ایک پھول رکھ کر واپس فرما دیا۔ مقصود یہ تھا کہ ہمارا مقام اس شہر میں اس طرح رہے گا جس طرح دودھ پر یہ پھول رکھا ہوا ہے۔ اکابرِ ملتان اس حسنِ ادا پر حیران رہ گئے اور آپ کی کرامات کے معترف و مطیع ہو گئے۔

شیخ زکریا ایسے مستغنی اور شاکر تھے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ

وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۲۲﴾
(النحل: ۱۲۲)

(یعنی ہم نے انہیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرمائی اور وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہیں) وہ آپ پر پوری طرح صادق آتا ہے۔

آپ کے ہمعصر ایک شیخ نے آپ سے فقر و غنا کے بارے میں گفتگو کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا اپنے تمام اسباب کے ساتھ بھی کوئی قیمت نہیں رکھتی۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ (النساء:۷۷)

(یعنی آپ فرما دیجئے کہ دنیا کی بہار چند روز ہے) اور ظاہر ہے کہ اس تمام دنیا میں سے ہمارے پاس کتنا ہے (ظاہر ہے کہ یہ تمام دنیا ہماری نظر میں کیا قیمت رکھ سکتی ہے)

سانپ اور غنا کی مثال

فرمایا کہ سانپ کا ساتھ رکھنا اس شخص کو ضرر پہنچاتا ہے جو اس کے کاٹے کا منتر نہ جانتا ہو۔ فرمایا کہ غنا ہمارے رخسارۂ حال کا تِل ہے۔

اصحابِ سیرت کا بیان ہے کہ آپ کے اور شیخ فرید الدین شکر گنج کے درمیان بڑی گہری محبت تھی اور سالوں اسی طرح رہے یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی تھے۔

ایک مرتبہ آپ کی جانب سے شیخ فرید الدین کو ایسا پیغام بھیجا گیا جو شیخ فرید الدین کی مجلس کے خلاف تھا، شیخ زکریا نے اس کی معذرت میں ایک رقعہ لکھا، اس میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان عشق بازی ہے "بازی" نہیں ہے۔

شریعت کی پاس داری

حضرت شیخ نظام الدین اولیا سے منقول ہے کہ بابا گنج شکر بڑے روزہ دار تھے، حتیٰ کہ بخار اور فسد کھلوانے کی حالت میں بھی روزہ ترک نہ فرماتے اور شیخ زکریا روزہ تو زیادہ نہ رکھتے تھے البتہ بڑے عبادت گزار اور شریعت کی بڑی اطاعت کرنے والے تھے اور حضرت نظام الدین یہ آیت کریمہ پڑھتے

يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ (المؤمنون:۵۱)

یعنی اے جماعت انبیائے کرام! حلال و پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو بیشک میں

جو عمل تم کرتے ہو جاننے والا ہوں۔ اور فرماتے کہ شیخ زکریا کے حق میں یہ آیت صحیح طور پر صادق آتی ہے۔

رئیس الاولیاء کا منصب

شیخ نور بخش نے اپنے کتاب "سلسلۃ الذہب" میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس اللہ سرہ ہندوستان کے رئیس الاولیاء تھے۔ آپ علومِ ظاہری کے زبردست عالم اور صاحبِ احوال ومقامات اور صاحبِ مکاشفات ومشاہدات تھے، آپ ایسے مرشدِ کامل تھے جن سے اکثر اولیاء کے سلسلہ نکلتے ہیں، آپ کا کفر سے ایمان، معصیت سے اطاعت اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف ہدایت کرنے میں بڑا مقام ہے۔"

آپ کی نصیحت

"مجمع الاخبار" میں شیخ بہاؤ الدین کی نصیحتوں کے باب میں تحریر ہے: "ہر بندہ پر لازم ہے کہ صدق اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور یہ کیفیت اس وقت حاصل ہوگی جب عبادت وذکر میں غیر اللہ کی نفی اور دوسروں کا مٹا دینا ہو اور یہ حالت احوال کے درست ہونے سے ملتی ہے اور یہ اقوال وافعال میں محاسبۂ نفس پر موقوف ہے۔ لہٰذا بغیر ضرورت کے نہ کوئی بات ہو نہ کام اور ہر قول وفعل سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف التجا وتضرع ہو اور اسی سے استعانت ہو، تاکہ اللہ تعالیٰ اسے نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔"

ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک مرید کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہو کیونکہ ذکر سے طالب اپنے مطلوب تک پہنچتا ہے اور محبت ایسی آگ ہے جو ہر قسم کے میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے اور جب محبت مستحکم ہو جاتی ہے تو ذکر مشاہدۂ مذکورہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہی وہ ذکرِ کثیر ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے فلاح وکامیابی کا وعدہ فرمایا ہے" ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الانفال:۴۵)

(یعنی بکثرت اللہ کا ذکر کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ)

خضر کھڑا رہا

آپ نے اپنے ایک مرید کو ایک خط میں تحریر کیا کہ "میں نے سنا ہے کہ شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی اپنے شیخ ابوالنجیب عبدالقادر کے ساتھ حرم کعبہ میں تھے شیخ ابو النجیب علم اسرار میں پہنچ گئے حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے لیکن شیخ نے ان کی طرف التفات نہ فرمایا حضرت خضر علیہ السلام تھوڑی دیر کھڑے رہ کر واپس چلے گئے، جب شیخ ابوالنجیب کو افاقہ ہوا تو ان سے شیخ سہروردی نے ہمت کر کے دریافت کیا کہ حضرت! یہ کیا ہو گیا تھا کہ ایک نبی آپ کی ملاقات کو آئے لیکن آپ نے اس کی طرف بالکل التفات نہیں فرمایا، شیخ ابوالنجیب نے اس کی طرف دیکھا اور چہرہ سرخ ہو گیا، پھر فرمایا افسوس! تمہیں کیا پتہ اگر حضرت خضر علیہ السلام آ کر واپس چلے گئے تو پھر آ جائیں گے لیکن ہمارا یہ وقت حق کے ساتھ مشغولیت کا تھا اگر یہ چلا جاتا تو پھر ہاتھ نہ آتا اور اس کی ندامت قیامت تک باقی رہتی، ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت خضر علیہ السلام تشریف لے آئے، شیخ نے کھڑے ہو کر استقبال کیا اور خاطر تواضع کی"

لہٰذا مرید کو اپنے اوقات کی نگرانی وحفاظت کرنی چاہیے، غیر اللہ کو دل سے دور کر دینا مخلوق سے میل جول اپنے اوپر حرام کر لینا اور ذکرِ حق سے انسیت حاصل کرنا چاہیے اور اگر اس کو ذکر سے انس حاصل نہ ہوگا تو حق تعالیٰ کی محبت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔

سلامت رکھنے والی تین چیزیں

ایک دوسرے خط میں ایک مرید کو تحریر فرمایا کہ

سَلَامَةُ الْجَسَدِ فِیْ قِلَّةِ الطَّعَامِ وَسَلَامَةُ الرُّوْحِ فِیْ تَرْكِ الْاٰثَامِ

وَسَلَامَةُ الدِّیْنِ فِی الصَّلَاةِ عَلٰی مُحَمَّدٍ خَیْرِ الْاَنَامِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

"کم کھانے سے جسم تندرست رہتا ہے، گناہوں کے ترک کر دینے سے روح کو سلامتی

ملتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے سے دین سلامت رہتا ہے"

شیخ بہاؤ الدین نے 7 صفر 661 کو وفات پائی۔ آپ کا مزار پر انوار قاسم باغ قلعہ کہنہ کے مشرقی کونے پر واقع ہے۔ (280)

خواجہ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ اور خواجہ اجمیری سے فیض یافتہ تھے۔ آپ کا شمار اکابر اولیائے کرام میں سے ہے۔ ریاضت، مجاہدہ، فقر اور ترکِ دنیا آپ کے محبوب ترین مشغلے تھے۔ آپ کشف و کرامت کی علامت اور ذوق و محبت کی درخشندہ نشانی تھے۔ خود کو لوگوں کی نظروں سے چھپائے رکھتے اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی جانب کوچ فرماتے رہتے تھے، آخر کار اجودھن (موجودہ پاکپتن) تشریف لائے۔ یہاں کے باشندے تند خو، ظاہر پرست اور خاص کر فقیروں اور درویشوں کے دشمن تھے، آپ نے اس جگہ پہنچ کر فرمایا کہ یہ مقام میرے رہنے کے مناسب ہے چنانچہ وہیں رہنے لگے آپ کا یہاں پر کوئی پرسانِ حال نہ تھا، قصبہ کے باہر کریر کے درخت تھے ان میں سے ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے، یہاں کی مسجد میں اکثر و بیشتر نماز پڑھتے اور عبادت کرتے، یہیں آپ کے فرزند پیدا ہو گئے اور یہیں آپ نے فاقے کیے اور یہیں مجاہدے اور ریاضت کی صعوبتوں کو برداشت کرتے رہے چونکہ زبردست روحانیت کے مالک تھے اس لیے پوشیدہ نہ رہ سکے۔

پرانا لباس

ایک دفعہ آپ کا زیب تن لباس پارہ پارہ اور بوسیدہ ہو گیا ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک کرتہ لایا آپ نے وہ کرتہ زیب تن فرمایا اور پھر فوراً ہی اتار کر شیخ نجیب الدین المتوکل کو دے دیا اور فرمایا کہ جو لطف اور سرور مجھے اس پرانے کرتے میں آتا ہے وہ نئے میں نہیں آتا۔

افطار

حضرت گنجِ شکر کا معمول تھا کہ وہ اکثر و بیشتر شربت سے روزہ افطار فرمایا کرتے تھے، اسی عادت کے موافق جب افطار کا وقت ہوتا تو آپ کے سامنے ایک شربت کا گلاس جس میں منقّی کے دانے ہوتے پیش کیا جاتا جس میں سے آدھا بلکہ دو تہائی تو حاضرینِ مجلس میں تقسیم فرما دیتے اور باقی خود نوش فرما لیتے اور بعض دفعہ اس میں سے بھی کچھ کسی طلبگار کو دے دیا کرتے تھے پھر دو روغنی روٹیاں آپ کے سامنے پیش کی جاتی تھیں جن میں سے ایک ٹکڑا نوش فرما کر باقی حاضرینِ مجلس میں تقسیم کر دیتے اس کے بعد دستر خوان پر مختلف قسم کے کھانے چنے جاتے جو تمام لوگ کھاتے اور آپ دوسرے دن افطار تک کچھ تناول نہ فرماتے۔ سوتے وقت اسی کمبل کو جس پر دن کو بیٹھا کرتے تھے بچھونا بنا لیتے اور یہ کمبل اتنا چھوٹا تھا کہ اس کے بچھونے پر لیٹتے وقت آپ کے پاؤں اس سے باہر رہتے تھے۔

عید

حضرت نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ شیخ فرید الدین گنج شکر اکثر و بیشتر زنبیل میں روٹی کھایا کرتے تھے اور افطار کے وقت زنبیل میں سے ایک دو ٹکڑے لازماً آپ کے سامنے آجاتے تھے، شیخ فرید الدین محمود کا بیان ہے کہ میں نے ایک بڑی مدت تک شیخ فرید الدین گنج شکر کی زنبیل گردانی کی ہے اور نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضری دیتے وقت کئی مرتبہ کہا ہے کہ ہم جس رات شیخ گنج شکر کے ہاں دلیہ یا کریر کے پھول پیٹ بھر کر کھا لیتے اس دن ہماری عید ہو جاتی اور جو ہم سے بچتا وہ ہمارا ایک دوست چن لیتا جسے دوسرے سب لوگ کھا لیتے تھے البتہ جب دلیہ یا کریر کے پھول وغیرہ نہ ہوتے تو ہم زنبیل گردانی کرتے، نیز شیخ فرید الدین محمود کا بیان ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت نظام الدین اولیاء کے ہاں بھی کئی سال تک زنبیل گردانی کی ہے اور ان تمام حضرات نے یہی معمولی سی غذا کھا کر اتنے اعلیٰ اور بلند ترین مقامات حاصل کئے ہیں۔

کھانے سے خیانت کی بو

شیخ فرید الدین گنج شکر کا نوکر ایک دن پیسے کا نمک ادھار لے کر آیا جب اس نے کھانا پکا کر شیخ کے پاس بھیجا تو آپ کو باطنی نور کے ذریعہ معلوم ہوا کھانے میں ادھار کی ملاوٹ ہے تو نوکر سے فرمایا کہ اس کھانے سے خیانت کی بو آ رہی ہے میرے لیے یہ کھانا جائز نہیں۔ (چنانچہ وہ کھانا واپس کر دیا اور تناول نہیں فرمایا)

مسعود کیا کرے

ایک دفعہ آپ کی بیوی نے آپ سے آ کر عرض کیا کہ ایک لڑکا بہت سخت بیمار ہے اور بھوک کی شدت سے مر رہا ہے شیخ گنج شکر نے سر اٹھا کر جواب دیا کہ مسعود کیا کرے اگر موت آ جائے اور بھوک سے مر جائے اور دُنیا سے سفر کر جائے تو اس کے پاؤں میں رسی باندھ کر پھینک دو۔ (یہ بیوی کے ذہن کا علاج تھا کہ اسے ہر جانب سے مایوس کر کے خدا کی جانب متوجہ کرنا تھا) یعنی ہر کام میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

شرابی کے گھر کا کھانا

شیخ فرید الدین گنج شکر نے جب مجاہدہ کرنا چاہا تو اس سلسلے میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا طے کا روزہ رکھو (طے کا روزہ وہ ہوتا ہے جس میں افطار صرف پانی سے کرتے ہیں اور یہ کم از کم تین دن کا ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک سال کا، اس طرح روزہ رکھنا صوفیائے کرام کے ہاں ایک عام معمول ہے اور اکابر علمائے اسلام میں بھی بعض حضرات رمضان میں افطار صرف چائے وغیرہ سے کرنے کے بعد اور کچھ نہیں کھایا کرتے تھے رحمہم اللہ) چنانچہ شیخ گنج شکر نے طے کے روزے رکھنے شروع کر دیئے اور تین روز تک کچھ نہ کھایا، تیسرے روز افطار کے وقت ایک آدمی نے آپ کے سامنے چند روٹیاں لا کر رکھیں، آپ سمجھے کہ غیب سے آئی ہیں اور انہیں روٹیوں سے افطار کیا لیکن پیٹ نے انہیں قبول نہیں کیا اور کھایا پیا تمام باہر آ گیا، آپ نے یہ واقعہ اپنے پیر و مرشد سے کہا تو انہوں نے

فرمایا کہ اے مسعود! تم نے تین روز روزہ رکھنے کے بعد ایک شرابی کا کھانا کھایا لیکن اللہ کی عنایت نے تمہاری دستگیری فرمائی کہ تمہارے معدے میں اس غذا کو رہنے نہ دیا۔

گنج شکر کی وجہ

مرشد نے فرمایا اب جاؤ اور پھر تین دن طے کا روزہ رکھو! آپ نے روزہ رکھا اور شام کو کوئی کھانا میسر نہ ہوا، یہاں تک کہ رات کا ایک پہر گزر گیا اور کمزوری بڑھ گئی بھوک کی حرارت سے بدن جلنے لگا۔ اس عالمِ بیتابی میں آپ نے ہاتھ بڑھا کر زمین سے کچھ سنگریزے اٹھا کر منہ میں ڈالے تو وہ شکر ہو گئے آپ کو فوراً خیال آیا کہ ہو سکتا ہے یہ بھی شیطانی کرشمہ ہو اس لیے ان سنگریزوں کو تھوک دیا اور پھر یادِ الٰہی میں مصروف ہو گئے جب آدھی رات ہو گئی تو کمزوری پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔ آپ نے پھر زمین سے کچھ سنگریزے اٹھا کر منہ میں ڈال لیے وہ پھر شکر بن گئے، آپ نے انہیں بھی تھوک دیا۔ آپ نے تین مرتبہ اس طرح کیا اور ہر مرتبہ یہی کرامت ظاہر ہوتی رہی تو یقین ہوا کہ یہ نعمتِ خداوندی ہے اس لیے انہیں کھا لیا، پھر دوسرے روز خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں حاضری دی، پیر و مرشد نے فرمایا کہ اچھا کیا جو سنگریزوں سے افطار کیا وہ غیب سے آئے تھے۔ اب جاؤ! شکر کی طرح ہمیشہ شیریں رہو گے اس دن سے شیخ فرید الدین مسعود کو لوگ گنج شکر کہتے ہیں اور سیر الاولیاء میں بھی یہی واقعہ لکھا ہے، آپ کے گنج شکر ہونے کی وجہ تسمیہ کا ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ کچھ سوداگر شکر لے کر جا رہے تھے شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کچھ شکر مانگی انہوں نے کہا شیخ! آپ کو مغالطہ ہوا ہمارے اونٹوں پر شکر نہیں بلکہ نمک ہے۔ شیخ نے فرمایا نمک ہی ہو گا، سوداگروں نے اپنی منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد جب مال کھولا تو وہ واقعی نمک ہی تھا (وہ سمجھے کہ شیخ کی دعا سے ایسا ہوا ہے) اس لیے دوڑے دوڑے شیخ کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے کہ واقعتاً ہم سے غلطی ہوئی ہے آپ ہمیں معاف فرمائیں اور دعا کریں کہ وہ شکر ہو جائے آپ نے فرمایا شکر ہو جائے گا (چنانچہ وہ نمک پھر سے شکر ہو گیا) تیسری وجہ یہ ہے کہ شیخ کو ماں نے حکم دیا کہ نماز پڑھو! عرض

کیا: امی نماز پڑھنے سے کیا ملے گا؟ فرمایا شکر! کیونکہ آپ کو شکر سے محبت تھی۔ جب آپ نماز پڑھتے تو ماں شکر کی پوڑی مصلے کے نیچے رکھ دیتیں، ایک دن وہ بھول گئیں تو انہوں نے عرض کیا: الٰہی! آج تو ہی اپنی رحمت سے کرم نوازی فرمادے۔ شیخ نے نماز پڑھ کر مصلی اٹھایا تو شکر کا دریا بہہ رہا تھا اس لیے آپ کا نام گنج شکر پڑ گیا۔(281)

خانخاناں نواب محمد بیرم خاں بڑے صاحب جاہ وجلال اور مراتبِ علیا پر فائز ہونے کے باوجود فقیروں اور درویشوں سے اچھا سلوک کیا کرتے تھے اوامرِ خداوندی کی تعظیم کے پیش نظر مخلوقِ خدا پر مہربانی اور شفقت کے کامل مجسمہ اور پیکر تھے وہ دنیا کی زندگی نیک بختی سے گزار گئے اور دنیا سے شہادت کی موت کے مصداق تھے وہ (اس واقعہ شکر و نمک کے بارے میں فرماتے ہیں)

کان نمک جہاں شکر شیخ بحر و بر
آں کز شکر نمک کند او از نمک شکر

نمک کی کان، شکر کا خزینہ، بحر و بر کا شیخ وہ ہے جس نے شکر کو نمک اور نمک کو شکر بنا دیا۔

رباعی

کان نمک و گنج شکر شیخ فرید
کز گنج شکر کان نمک کرد پدید
در کان نمک کرد نظر گشت شکر
شیریں ترا زیں کرامتے کس نشنید

(نمک اور شکر کا خزانہ شیخ فرید ہیں جنہوں نے شکر کے خزانے کو نمک کی کان سے تبدیل کر دیا اور نمک کی کان کو ایک ہی نظر میں شکر بنا دیا اس سے زیادہ بہتر کرامتیں کسی اور کی سننے میں نہیں آئیں) غرضیکہ شکر کو نمک اور نمک کو شکر بنانے کے بعد آپ نے مقام ''اچہ'' (اوچ) کی حاجات جامع مسجد میں چلہ معکوس کھینچا، چالیس دن تک اس طرح عبادت کی کہ روزانہ رات کے وقت اس درخت کے سہارے جو کنویں کے کنارے پر تھا خود کو کنویں میں لٹکا

دیتے اور صبح کو باہر نکل آتے۔ غواصِ بحر توحید، حضرت خواجہ غلام فرید اَدامہُ المجید فی لقاء الحمید کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا مشہور ہے کہ حضرت خواجہ گنج شکر نے بارہ سال کنویں میں معلق ہو کر عبادت کی؟ آپ نے فرمایا: اگر چہ کتابوں میں بارہ سال کا ذکر بھی آیا ہے لیکن یہ روایت مستند نہیں ہے۔ معتبر روایت یہ ہے کہ آپ نے ایک مقام پر چالیس روز کنویں میں معلق ہو کر صلوٰۃِ معکوس ادا کی اور یہ روایت پایۂ ثبوت تک پہنچی کہ اوچ متبرکہ میں مسجد حاجات کے دروازے پر مخدوم فضل الدین کی خانقاہ کی غربی جانب مخدوم خیر شاہ صاحب کی حویلی کے دروازے کے پاس چالیس روز صلاۃِ معکوس ادا کی۔ اس مسجد کے سامنے ایک درخت تھا جس کی ایک شاخ کنویں کے اوپر تھی چنانچہ آپ نے ایک مولوی صاحب کو محرمِ راز بنالیا تھا، وہ آپ کو عشا کی نماز کے بعد کنویں میں لٹکا دیتا تھا، صبح کی نماز سے پہلے آ کر نکال لیتا تھا، یہ عمل چالیس روز رہا۔(282)

علامہ گنگوہی صاحب نے لکھا ہے اشغالِ صوفیہ بطور معالجہ کے ہیں سب کی اصل، نصوص سے ثابت ہے کہ جیسا اصل علاج ثابت ہے مگر شربت بنفشہ حدیث صریح سے ثابت نہیں ایسا ہی سب اذکار کی اصل ہیئت ثابت ہے جیسا توپ بندوق کی اصل ثابت ہے اگر اس وقت میں نہ تھی سو یہ بدعت نہیں ہاں ان ہیئات کو سنتِ ضروری جاننا بدعت ہے اور اس کو بھی علما نے بدعت لکھا ہے۔(283)

تنقیحِ مناط

حضرت شیخ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ ایک مشہور عقل منداور فلسفی جس کا نام ضیاء الدین تھا اور جو منارہ کے نیچے پڑھایا کرتا تھا اس کی زبانی میں نے خود سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں خواجہ فرید الدین شکر گنج کے پاس گیا میں ظاہری شریعت کے علوم کے علاوہ کچھ نہ جانتا تھا میرے دل میں خیال آیا کہ اگر شیخ نے ظاہری علوم کے علاوہ کچھ اور پوچھا تو میں کیا جواب دونگا، میں ابھی اسی خیال میں تھا کہ شیخ نے مجھ سے پوچھا تنقیحِ مناط کیا ہے؟(تنقیحِ مناط کے معنی ہیں بیخودی کے اسباب جس کو اہلِ تصوف کی اصطلاح میں وجد و حال

کہتے ہیں) چونکہ تنقیحِ مناط علمِ خلاف کا ایک خاص مسئلہ ہے شیخ کے اس مسئلہ پوچھنے سے مجھے بڑی مسرت ہوئی اور میں نے اس مسئلہ کو بڑی وضاحت سے بیان کیا اور اس کے نفی و اثبات کے ہر پہلو کو اجاگر کیا۔

کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھی ہے؟

پانچویں یوم کی شب کو شیخ پر مرض کی شدت طاری ہوئی۔ باجماعت عشا کی نماز پڑھنے کے بعد استغراق میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش میں آئے تو حاضرین سے پوچھا کہ کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ اور پڑھ لوں پھر کون جانے کیا ہوگا۔ چنانچہ آپ نے دوسری مرتبہ پھر عشاء کی نماز پڑھی اور اس کے بعد پھر استغراق میں چلے گئے۔ اور جب ہوش آیا تو پوچھا کہ کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ آپ اس سے پہلے دوبار پڑھ چکے ہیں، آپ نے فرمایا: ایک مرتبہ اور پڑھ لوں پھر معلوم نہیں کیا ہو؟ غرضیکہ آپ نے تیسری بار بھی عشاء کی نماز پڑھی اور نماز پڑھنے کی بعد ''یا حی یا قیوم'' کہتے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

حضرت شیخ گنج شکر کے بعض ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ملتے ہیں جن میں لکھا ہوا ہے کہ چار چیزوں کے بارے میں سات سو مشائخ سے سوال کیا گیا تو سب نے ایک ہی جواب دیا۔

(1) گناہوں کو چھوڑ دینے والا ہی سب سے زیادہ عقل مند ہے۔

(2) دانا اور حکیم آدمی وہ ہے جو کسی چیز پر غرور نہیں کرتا۔

(3) قناعت کرنے والا ہی سب سے زیادہ مالدار اور غنی ہے۔

(4) تارکِ قناعت ہی سب سے زیادہ محتاج اور غریب ہے۔

نیز لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اس آدمی سے شرم آتی ہے جو بندہ اللہ کے دربار میں دستِ سوال دراز کرے اور وہ اسے خالی واپس کردے۔ فرماتے ہیں: ہونے کا غم نہیں اور نہ ہونے کا افسوس نہیں، نامرادی (اس لیے کہ وصل سے پہلے وصل کی تمنا اور طلب تھی جس میں

سرور و کیف تھا جب معراج اور وصال ہو گیا تو تمنا اور طلبِ وصال کی پر لطف کیفیت بھی ختم ہو گئی اس لیے اس کو نامرادی سے تعبیر کر دیا گیا) اور مایوسی کا دن دراصل مردانِ خدا کی معراج ہے۔ لوگوں کی سرد کلامی کی وجہ سے اپنی سرگرمی نہیں چھوڑنی چاہیے، شیخ جلال الدین رومی فرمایا کرتے تھے کہ باتوں کا دل پر اثر ہوتا ہے اس لیے اولاً ہر بات کے اول و آخر کو خوب جانچو اور پرکھو! اگر وہ کام اور بات اللہ کے لیے ہے تو بات کرو ورنہ خاموش رہو، فقیر جب کوئی نیا کپڑا پہنے تو وہ یہ سمجھے کہ اس نے کفن پہن لیا ہے، تم جیسے (اندر میں) ہو ویسے (باہر میں) نظر آؤ، ورنہ تمہاری اصل اور حقیقت خود بخود ظاہر ہو جائے گی، اچھے اور پاکیزہ جذبات و نظریات ثقلین کی عبادت سے بہتر ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص لوگوں کی عیب جوئی سے کنارہ کش اور علیحدہ رہا وہ نیک بخت اور خوش قسمت ہے اور صوفی کسی چیز کو مکدر اور خراب نہیں کرتا بلکہ وہ ہر چیز کو مانجھ کر، صاف اور منزگی (پاک) کرتا ہے، تم اگر بزرگ ہو بڑا بننے کی خواہش رکھتے ہو تو حاکموں کی طرف توجہ نہ کرو بلکہ ان سے علیحدگی اختیار کرو اور یہ رباعی بھی انہیں کی ہے۔

رباعی

دوشینہ شبم دل حزینم بگرفت
و اندیشہ یار نازنینم بگرفت
گفتم بہ سرو دیدہ روم بر در تو
اشکم بدوید آستینم بگرفت

(کل رات میرا دل بے قرار ہو کر نازنینِ محبوب کے تصور میں گم ہو گیا اور میں نے دل ہی میں کہا کہ میں خوشی خوشی آپ کے درِ دولت پر حاضری دونگا لیکن آنسوؤں نے دوڑ کر میری آستین پکڑ لی)

سماع جائز یا ناجائز

ایک محفل میں بابا فرید گنج شکر بھی موجود تھے اور لوگ سماع کے جواز اور عدمِ جواز کے متعلق علمائے کرام کے اختلاف کا ذکر کر رہے تھے ان لوگوں کی تمام تر گفتگو سننے کے بعد

آپ نے فرمایا: سبحان اللہ ایک جل کر راکھ ہو چکا ہے اور دوسرے ابھی تک اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔ ایک مجلس میں آپ نے فرمایا کہ تدبیر اور زیادہ غور وفکر کرنے سے آفت آتی ہے اور تسلیم کر لینے میں سلامتی ہے۔ علمائے کرام عام لوگوں میں زیادہ باعزت ہیں اور درویش اور فقیر لوگ باعزت لوگوں میں زیادہ معزز اور سردار وشریف ہیں، عالموں اور فاضلوں میں شریف کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان کے ستاروں میں چودھویں رات کا چاند، ذلیل ترین وہ انسان ہے جو اپنے کو کھانے، پینے اور پہننے میں مشغول رکھتا ہے۔

بادشاہ کو سفارش نامہ

بابا فرید گنج شکر کو کسی نے ایک دفعہ ایک معروضہ پیش کیا کہ سلطان غیاث الدین بلبن کو میرے لیے ایک سفارش نامہ تحریر فرما دیجئے، چنانچہ شیخ نے لکھا کہ میں اس شخص کا معاملہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے آپ تک پہنچاتا ہوں اگر آپ اسے کچھ عطا کر دیں تو حقیقتاً یہ عطا کرنے والا اللہ ہی ہے، آپ مشکور ہوں گے اور اگر آپ عطا نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہی مانع اور روکنے والا ہے اس طرح آپ معذور تصور کئے جائیں گے۔ یہ اشارہ تھا اس حدیث کی طرف

اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفُعُ ذَالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ(284)

وصال

بابا فرید گنج شکر نے اپنی زندگی کے انسٹھ برس پورے کر کے 5 محرم الحرام 665ھ میں وفات پائی۔ آپ کا عرس مبارک یکم محرم سے لے کر 10 محرم تک پاکپتن میں ہوتا ہے۔ آپ کا کچھ ذکر آگے بھی ملے گا۔

خواجہ نظام الدین محمد بدایونی محبوبِ الٰہی قدس سرہ

آپ شیخ فرید الدین گنج شکر کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ کا نام محمد بن احمد بن علی

بخاری اور آپ کا لقب سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء تھا، خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں محبوب اور مقرب تھے۔ آپ کی برکات کے اثرات سے ہندوستان لبریز ہے آپ کے دادا علی بخاری اور نانا خواجہ عرب دونوں اکھٹے بخارا سے لاہور تشریف لائے۔ یہاں ایک عرصۂ طویل رہنے کے بعد بدایوں چلے گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کی۔ آپ بہت تھوڑی سی عمر کے تھے کہ آپ کے والدِ ماجد خدا کو پیارے ہو گئے جن کا مدفن بدایوں میں ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء جب کچھ بڑے ہوئے تو آپ کی والدۂ ماجدہ نے آپ کو ایک مدرسہ میں برائے حصولِ تعلیم داخل کر دیا جہاں آپ نے قرآنِ کریم اور اس کے علاوہ دوسری کتابیں پڑھنی شروع کیں، آپ کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی اس وقت آپ لغت اور علمِ ادب پڑھتے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ملتان سے ایک غزل خواں بنام ابوبکر آپ کے استاذ کے پاس آیا اس نے کہا کہ میں نے شیخ بہاؤالدین زکریا کے سامنے مجلس سماع میں یہ شعر پڑھا تھا۔

لَقَدْ لَسَعَتْ حَيَّةُ الْهَوٰى كَبِدِىْ

(محبت کے سانپ نے میرے دل کو ڈس لیا ہے) اور کہنے لگا کہ مجھے دوسرا مصرعہ یاد نہیں رہا شیخ نظام الدین اولیا نے فوراً دوسرا مصرعہ پڑھ کر سنایا ''لَا طَبِيْبَ لَهَا وَلَا مَرَاقِیْ'' (اس کے لیے نہ کوئی طبیب ہے جو علاج و معالجہ کر کے اسے دور کر دے اور نہ کوئی منتری ہے جو جھاڑ پھونک کر کے اس کے اثرات کو دل سے دور کر دے) اس کے بعد اس غزل خواں نے شیخ بہاؤالدین زکریا کی تعریف کی اور کہنے لگا کہ ان کے ہاں ذکر و شغل کی یہ حالت ہے کہ آپ کے ہاں کے چکی پیسنے والے مرد اور عورتیں بھی ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور اسی قسم کی بہت سی باتیں بیان کرتا رہا لیکن ان میں سے کسی بات نے بھی نظام الدین اولیاء کے دل پر اثر نہ کیا پھر اس غزل خواں نے کہا کہ میں وہاں سے اجودھن (موجودہ پاکپتن) پہنچا، وہاں میں نے طریقت کا ایک بادشاہ دیکھا جو ایسا اچھا اور ایسا بہترین ہے (یعنی بابا گنج شکر کے مختلف قسم کے فضائل بیان کئے) غزل خواں کی یہ باتیں سنتے ہی خواجہ نظام الدین اولیاء کے دل میں شاہِ اجودھن کی محبت و ارادت نے جگہ کر لی اور ان کی طبیعت پر ایک کیف و خودرفتگی سی

طاری ہوگئی اور اسی وقت سے خواجہ نظام الدین اولیاء کے دل میں شیخ فرید کی محبت پیوست ہوگئی اور ان کے دیدار کی پیاس روز بروز بڑھتی رہی چنانچہ اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے شیخ فرید کی ملاقات کا تصور ان کے ذہن میں رہنے لگا پھر بدایوں سے آپ بغرضِ حصولِ تعلیم دہلی تشریف لائے اور صدر ولایت شمس الملک کے تلامذہ اور شاگردوں کے زمرہ میں داخل ہوکر مقاماتِ حریری پڑھی، اسی طرح علمِ حدیث بھی آپ ہی سے حاصل کیا۔

(آپ چونکہ علمِ منطق میں بڑے ماہر تھے اس لیے) دوسرے طالب علم آپ کو نظام الدین منطقی کہا کرتے تھے، یہاں سے فراغتِ تعلیم کے بعد شیخ فریدالدین کے شوقِ ارادت میں آپ پاک پتن تشریف لے گئے اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔ پاک پتن پہنچ کر آپ نے شیخ فرید سے قرآنِ کریم کے چھ پارے تجوید کے ساتھ پڑھے، عوارف کے چھ باب کا درس لیا، تمہیدِ ابوشکور سالمی اور بعض دیگر کتب بھی شیخ فریدالدین سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ شیخ فریدالدین سے جب مجھے شرفِ پابوسی حاصل ہوا اس وقت اول ملاقات میں شیخ نے یہ شعر پڑھا تھا:

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

(تیری فرقت اور جدائی کی آگ نے کئی دلوں کو کباب کر دیا اور تیرے شوق کی آگ نے کئی جانیں خراب کر دیں) اس کے بعد میں نے چاہا کہ آپ کی خدمت میں حاضری کے شوق کو ظاہر کروں لیکن آپ کا خوف مجھ پر اس طرح غالب آیا کہ صرف اتنا ہی کہہ سکا کہ ملاقات کا شوق بے انتہا غالب تھا، پھر مجھ پر خوف کے آثار دیکھ کر فرمایا: ہر نئے آنے والے کو دہشت ہوتی ہے۔ اسی دن میں نے آپ سے بیعت کی اور پھر پوچھا کہ اب کیا ارشاد ہے؟ کیا پڑھنے کا سلسلہ ختم کر کے اب اوراد و وظائف میں مشغول ہو جاؤں؟ فرمایا ہم کسی کو حصولِ تعلیم سے منع نہیں کرتے وہ بھی کرو اور یہ بھی کرو! پھر دیکھو کون غالب آتا ہے؟ نیز فقیر اور درویش کے لیے کچھ علم بھی ضروری ہے۔ اس کے بعد شیخ نظام الدین اولیاء نعمتِ خلافت

حاصل کر کے دہلی واپس آ گئے، پیرو مرشد شیخ فرید الدین گنج شکر کے پاس آپ دہلی سے پاک پتن تمام عمر میں تین مرتبہ گئے۔ شیخ فرید الدین کے انتقال کے وقت خواجہ نظام الدین اولیاء اتفاقاً اسی طرح موجود نہ تھے جس طرح کہ شیخ فرید الدین گنج شکر اپنے مرشد خواجہ قطب الدین کے وصال کے وقت ان کے پاس موجود نہ تھے اور اسی طرح خواجہ قطب الدین اپنے شیخ حضرت معین الدین چشتی کے انتقال کے وقت ان کے پاس موجود نہ تھے اس واقعہ کے بعد باشارۂ غیبی خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی چھوڑ کر اس کے قریب بستی غیاث میں قیام پذیر ہو گئے جہاں آپ کی خانقاہ بھی ہے۔

نظام الدین اولیاء نے ایک بار فرمایا کہ جب معز الدین کیقباد نے وہاں ایک نیا شہر آباد کرنا چاہا تو اس وقت لوگ بڑی کثرت سے میری طرف رجوع کرنے لگے میرے دل میں خیال آیا کہ اب یہاں سے بھی چلا جانا چاہیے میں اسی خیال میں تھا کہ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد میرے پاس ایک نازک اندام خوبصورت آدمی آیا اور اس نے یہ شعر پڑھا

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی
کانگشت نمائے عالمے خواہی شد

(یعنی جب آپ ماہتاب بنے تھے اس وقت یہ کیوں نہ سمجھا کہ تم دنیا کے انگشت نما بنو گے)

پھر اس جوان نے کہا کہ طریقہ یہ ہے کہ اول تو مشہور ہی نہ ہونا چاہیے اور اگر شہرت عام ہو جائے تو پھر اس طرح رہنا چاہیے کہ کل کو محشر کے میدان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے پھر فرمایا کہ یہ قوت اور حوصلہ کی بات نہیں کہ مخلوقِ خدا سے پوشیدہ ہو کر خدا کی یاد کی جائے، بلکہ قوت اور حوصلہ تو یہ ہے کہ مخلوقِ خدا میں رہ کر خدا کی یاد کی جائے۔ جب اس سیم تن نے اپنی تمام باتیں کہہ لیں تو میں اس کے لیے کچھ کھانا لایا لیکن اس نے کچھ نہ کھایا اس وقت میں نے اپنے دل سے عہد لیا کہ اب یہاں سے کسی اور جگہ نہ جاؤں گا پھر اس نے تھوڑا سا پانی پیا اور چلا گیا اس روز کے بعد آج تک پھر میں نے اس کو کبھی نہیں دیکھا۔ غرضیکہ نظام الدین اولیاء نے جب وہاں رہنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو خدا

تعالیٰ نے انہیں کافی مقبولیت دی، عام وخاص سب لوگ آپ کی طرف رجوع کرنے لگے، اس کے بعد دستِ غیب اور فتوحات کے دروازے آپ پر کھل گئے اور ایک جہاں اللہ تعالیٰ کے احسان وانعام کی مدد سے آپ کے ذریعہ سے فائدہ حاصل کرنے لگا، آپ کا اپنا حال یہ تھا کہ تمام اوقات ریاضت اور مجاہدہ میں گزارتے، ہمیشہ روزہ رکھتے اور افطار کے وقت بھی تھوڑا سا پانی پی لیتے، سحری کے وقت عام طور پر کچھ نہ کھاتے، خادم جب کہتے کہ آپ نے افطار کے وقت بھی تھوڑا سا چکھا تھا اگر سحری میں بھی نہ کھائیں گے تو کیا حال ہوگا؟ ضعف اور کمزوری میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے گا۔ خادموں کی یہ باتیں سننے کے بعد رو کر فرماتے بہت سے مسکین اور درویش مسجدوں اور بازاروں میں بھوکے پڑے فاقے کر رہے ہیں، اب بتاؤ ان کی حالت دیکھ کر یہ کھانا میرے حلق سے نیچے کیسے اترے گا، تب خادم مجبوراً آپ کے سامنے سے سحری کا کھانا اٹھا لیتے تھے۔

منقول ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اپنے شیخ کے ساتھ کشتی میں سوار تھا، شیخ نے مجھے بلایا اور فرمایا میرے سامنے آؤ! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے، سنو! جب دہلی پہنچو مجاہدہ کرتے رہنا، بیکار رہنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، روزہ رکھنا آدھی منزل ہے، اور بقیہ اعمال مثلاً نماز، حج یہ دوسری آدھی منزل ہیں۔ پھر ایک مرتبہ شیخ فرید نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے دعا کی ہے کہ آپ اللہ سے جو مانگیں گے وہ مل جائے گا، ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ اے نظام الدین! ہم نے تمہارے لیے اللہ سے دنیاوی قوت بھی مانگ لی ہے خلیفہ بناتے وقت شیخ فریدالدین نے فرمایا کہ سلوک کے راستہ پر مستعد رہنے کے لیے مجاہدہ کرتے رہنا ایک مرتبہ شیخ فریدالدین گنج شکر اپنے کمرے میں ننگے سر بیٹھے ہوئے تھے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر تھا اور یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

رباعی

خواہم کہ ہمیشہ در رضائے توزیم
خاکی شوم و بزیر پائے توزیم

مقصود من خستہ ز کونین توئی
از بہر تو میرم و برائے توزیم

(میری تمنا یہ ہے کہ ہمیشہ تیری رضا میں رہوں اور خاک ہو کر تیرے پاؤں میں زندگی گزاروں، دونوں جہانوں میں مجھ خستہ حال کا مطلوب آپ ہی ہیں میرا مرنا بھی آپ کے لیے اور جینا بھی آپ کے لیے ہے) شیخ فریدالدین ان اشعار کو پڑھنے کے بعد خدا کے حضور سجدہ ریز ہوئے۔ جب متعدد بار شیخ نے اسی طرح کیا تو میں آپ کے حجرے میں داخل ہوا اور شیخ کے قدموں میں اپنا سر رکھا آپ نے فرمایا کیا چاہتے ہو؟ میں نے کچھ دینی اور مذہبی امور طلب کئے، آپ نے وہ امور مجھے عطا فرما دیئے اس کے بعد مجھے افسوس ہوا کہ میں نے محفلِ سماع میں مرنے کی خواہش کیوں نہ کی؟

منقول ہے کہ شیخ فریدالدین ہمیشہ اپنے کمرے میں اکیلے رہا کرتے تھے کمرے کا دروازہ اندر سے بند فرما کر تمام شب راز و نیاز میں مشغول رہتے صبح کو آپ کے درخشندہ چہرے کو جو کوئی دیکھتا تو یہی کہتا کہ شب بیداری کی وجہ سے آپ کی آنکھیں سرخ ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ میر خسرو دہلوی نے اپنے پیر و مرشد خواجہ نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی کی تعریف میں یہ شعر کہا ہے:

آ شبانہ مینائی ببرکہ بودے امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثرے خمار دارد

(آپ ہمیشہ رات کو دیدار کرتے ہیں مگر آج رات کوئی خاص بات ہوئی ہے جس کی وجہ سے اب تک آپ کی انکھوں میں خمار کے اثرات موجود ہیں۔)

منقول ہے کہ ایک مرتبہ محبوبِ الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ ایک واقعہ میں مجھے ایک خط دیا گیا جس میں لکھا تھا کہ جب تک اور جتنا ممکن ہو لوگوں کے دلوں کو آرام پہنچاؤ کیونکہ مسلمان کا دل حقیقت میں خدا کے ظہور کا مقام ہے قیامت کے بازار میں کوئی سامان اتنا مقبول نہ ہوگا جتنا دلوں کو آرام پہنچانا مقبول ہے۔

منقول ہے کہ ایک روز خواجہ نظام الدین اولیا دوپہر کو آرام فرمارہے تھے اسی دوران ایک درویش آیا جس کو آپ کے ایک خادم نے واپس کر دیا، محبوبِ سبحانی نے اسی قیلولہ کی حالت میں اپنے شیخ فریدالدین گنج شکر کو خواب میں دیکھا جو فرمارہے تھے کہ اگر آپ کے گھر میں کوئی چیز نہیں ہے تو کم از کم آنے والے کے ساتھ حسنِ سلوک کی تو رعایت کیا کریں، یہ کہاں کا قاعدہ ہے کہ ایک خستہ دل، مجبور اور معذور کو یونہی لوٹا دیا جائے۔ چنانچہ محبوب الٰہی نے بیدار ہو کر اس واقعہ کی تحقیق کی اور جس خادم نے آنے والے درویش کو لوٹا دیا تھا اس پر ناراض ہوئے اور کہا کہ مجھ پر خفگی کا اظہار فرمایا گیا ہے اس کے بعد محبوب الٰہی نے یہ دستور بنالیا تھا کہ قیلولہ کے بعد جب بیدار ہوتے تو پوچھتے کہ کوئی آیا تھا یا نہیں؟

منقول ہے کہ کچھ لوگوں نے محبوبِ الٰہی سے ملاقات کرنے کا ارادہ کیا اور آتے وقت انہوں نے شیخ کو بطور تحفہ پیش کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید لیں، ان لوگوں میں ایک طالب علم بھی تھا اس نے کہا ان تمام تحفوں کو ایک ساتھ ہی پیش کر دیں گے تا کہ خادم کو گھر لے جانے میں آسانی رہے اس طالب علم نے یہ حرکت کی کہ تھوڑی سی مٹی اٹھا کر ایک کاغذ میں باندھ دی، سب نے محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضری دی اور ہر ایک نے شیخ کی خدمت میں اپنا اپنا تحفہ پیش کیا اور اس طالب علم نے وہ مٹی کی پڑیا پیش کی، شیخ کے خادم نے وہ تمام تحائف اٹھانے شروع کر دیے اور جب وہ پڑیا اٹھانے لگا تو شیخ نے فرمایا اس کو یہیں رہنے دو! اس کے اندر ہماری آنکھوں میں ڈالنے کا سرمہ ہے جب طالب علم نے یہ بات سنی تو اس نے اپنی حرکت سے توبہ کی، پھر شیخ نے اس طالب علم سے فرمایا کہ تمہیں کھانے وغیرہ کی جب ضرورت ہو تو میرے پاس آجایا کرو۔

منقول ہے کہ ایک آدمی اپنے گاؤں سے محبوبِ الٰہی کی ملاقات کے ارادہ سے اپنے گھر سے روانہ ہوا، اثنائے سفر میں جب وہ قصبہ بوندی پہنچا تو وہاں ایک بزرگ رہتے تھے اور لوگ اس بزرگ کو شیخ مؤمن کہتے تھے، یہ آدمی اس بزرگ سے بھی ملنے چلا گیا۔ جب یہ ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے فرمایا: کہاں جانے کا ارادہ ہے، اس نے کہا کہ شیخ نظام

الدین کے پاس جانے کا، شیخ مؤمن نے فرمایا کہ محبوبِ الٰہی کو میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ جمعہ کی ہر شب کو میں آپ سے خانۂ کعبہ میں ملا کرتا ہوں، اس آدمی نے محبوبِ الٰہی کی خدمت میں حاضری دی اور کہا کہ قصبہ بوندی کے درویش نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ باتیں کہی ہیں، اس پر محبوبِ الٰہی ذرا بے چین ہوئے اور فرمایا کہ وہ بہت بلند مرتبہ درویش ہے مگر اپنی بات پر برقرار نہیں رہتا۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ سلطان علاؤ الدین خلجی نے بطورِ امتحان امورِ مملکت کے انتظام کے لیے محبوبِ الٰہی کی خدمت میں چند فصلیں لکھ بھیجیں جن میں ایک فصل کا مضمون یہ تھا ''حضرت شیخ کونین کے مخدوم ہیں لوگوں کی دینی اور دنیاوی اکثر حاجتیں آپ کے دربار سے پوری ہوتی ہیں اور اللہ نے دنیا کی مملکت کی باگ ڈور ہمارے ہاتھ میں دی ہے اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ مملکت کے مصالح آپ کے سپرد کر دیئے جائیں تاکہ جس امر میں مملکت کی بھلائی اور ہماری بہتری ہو آپ اس سے ہم لوگوں کو آگاہ فرمادیا کریں۔ اسی کے متعلق چند متعلقہ مرتب فصلیں جنابِ والا کی خدمت میں پیش ہیں، جس امر میں بھلائی اور خیر ہو اس کے نیچے تحریر فرمادیں تاکہ ہم اس پر عمل کرا سکیں۔''

سلطان علاؤ الدین خلجی نے یہ فرمان اپنے محبوب فرزند خضر خان کے ذریعہ جو خواجہ نظام الدین کا مرید بھی تھا ارسالِ خدمت کیا، خضر خاں نے جب یہ فرمان سربمہر محبوب الٰہی کے دست اقدس میں دیا تو آپ نے اسے کھولے بغیر حاضرینِ مجلس سے فرمایا: آؤ! فاتحہ پڑھیں۔ اس کے بعد فرمایا: شاہی معاملات اور امور سے فقیروں کا کیا واسطہ؟ میں ایک فقیر، شہر کے ایک کونے میں پڑا ہوا بادشاہ اور دیگر مسلمانوں کے لیے دعا کر رہا ہوں اگر مجھے اس شہر میں رہنے کی وجہ سے پھر کچھ کہا گیا تو اس شہر کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا جاؤں گا کیونکہ خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔ سلطان علاؤ الدین خلجی کو جب یہ خبر پہنچی تو بہت خوش ہوا اور اس کے بعد آپ کا عقیدت مند ہو گیا اور کہلا بھیجا کہ اگر جنابِ والا اجازت دیں تو حاضری دوں؟ جس کے جواب میں محبوب الٰہی نے کہلا بھیجا کہ آنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ میں

آپ کے لیے غائبانہ دعا کرتا ہوں کیونکہ عدم موجودگی میں جو دعا کی جاتی ہے وہ پر تاثیر ہوتی ہے۔ سلطان نے اس کے بعد پھر ملنے کے لیے منت وسماجت کی تو آپ نے کہلا بھیجا کہ فقیر کے گھر کے دو، دروازے ہیں اگر بادشاہ سلامت ایک دروازے سے آئیں گے تو میں دوسرے دروازے سے نکل کر باہر چلا جاؤں گا۔

منقول ہے کہ محبوبِ الٰہی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سماع کے جتنے اوصاف سنے ہیں ان تمام اوصاف سے زائد اخلاقِ حمیدہ کے اعتبار سے شیخ کبیر کو محمول کرتا ہوں۔ ایک دن میں اپنے شیخ کی زندگی میں بھری مجلس میں ایک کہنے والے سے یہ شعر سنا تھا:

مخرام بدیں صفت مبادا
کز چشم بدت رسد گزندے

(دنیا کی زندگی میں اس طرح نہ رہو کہیں خدانخواستہ تمہیں نظر لگ کر تکلیف پہنچے) آج مجھے شیخ کے اخلاقِ حمیدہ اور بزرگی اور مہربانی یاد آتی ہیں جس کے وہ مجسمہ تھے اور پیکر تھے اتنا کچھ فرمانے کے بعد محبوبِ سبحانی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر فرمایا کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد میرے شیخ نے جان، جانِ آفریں کے حوالے کی۔

منقول ہے کہ ایک آدمی نے حضرت محبوب الٰہی کی مجلس میں کہا کہ فلاں جگہ پر آپ کے دوست جمع ہیں اور مختلف قسم کے باجے بجا رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو ان کو گانے باجے اور حرام کام سے دور رہنے کا حکم دیا تھا، انہوں نے غلو سے کام لیا ہے شریعت میں قوالی وغیرہ اور مزامیر کی کوئی اجازت نہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ اوحدالدین کرمانی ایک مرتبہ شیخ شہاب الدین کے پاس آئے چنانچہ شیخ شہاب الدین نے اپنی جائے نماز اکٹھی کر کے اپنے زانو کے نیچے رکھ لی اس سے مطلب آنے والے کی تعظیم کرنا ہوتی ہے جب رات ہوئی تو شیخ اوحدالدین نے سماع سننے کی خواہش ظاہر کی،، شیخ شہاب الدین نے محفلِ سماع کیلئے ایک جگہ منتخب کی اور اسے خوب صاف وستھرا کرایا اور اس کے بعد غزل خواں کو بلوایا اور خود گھر کے ایک کونے میں جا کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

یہ حکایت اس تحریر کیخلاف ہے جو ''نفحات الانس'' میں ہے جس میں لکھا ہوا ہے کہ مولانا شہاب الدین کے پاس اگر کوئی شیخ اوحد الدین کا ذکر کرتا تو مولانا فرمایا کرتے کہ ہمارے سامنے اس بدعتی کا ذکر نہ کیا کرو! ساتھ ہی شیخ رکن الدین علاؤالدین کا بیان ہے یہ قصہ صحیح ہے اور مختلف اوقات پر محمول ہے باقی اللہ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے ایک مرتبہ ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ مجھ سے خطا ہوئی اور ایک نامعقول کام کا مرتکب ہوا ہوں اور یہ رقعہ محبوبِ الٰہی کو دے دیا، خط پڑھنے میں محبوب الٰہی کو قدرے دیر ہوگئی آپ نے خط کو پڑھا نہیں اور فرمایا کہ مولانا یہ خط آپ کا ہے؟ مولانا معذرت خواہی کے ساتھ آگے بڑھے اور کہا: جی ہاں! یہ خط بندہ طبعی کا ہے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا: خوب طبیعت خوب!

منقول ہے کہ محبوبِ الٰہی نے موت سے چالیس دن پہلے کھانا ترک فرما دیا تھا اور آخری وقت جب اس دنیا سے جارہے تھے تو پوچھنے لگے کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے اور کیا میں نے نماز پڑھ لی ہے؟ اس پر لوگ جواب دیتے کہ جی ہاں! آپ نماز ادا فرما چکے ہیں تو ارشاد فرماتے کہ میں پھر پڑھ لیتا ہوں۔ غرضیکہ ہر نماز کو تکرار سے پڑھتے اور فرماتے کہ ہم جارہے ہیں، ہم جارہے ہیں۔ پھر خادم کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ اگر گھر میں کسی قسم کا کوئی سامان رہا تو کل قیامت کے دن اس کے متعلق جواب دینا پڑے گا۔ (مطلب یہ تھا کہ تمام اثاثہ خدا کی راہ میں تقسیم کر دیا جائے) چنانچہ خادم نے سب کچھ لوگوں میں تقسیم کر دیا، البتہ وہ غلہ رہنے دیا جو درویشوں کے کھانے کے لیے تھا (آپ نے خادم سے) پھر فرمایا کہ مُردہ مال کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ اس کو بھی نکال پھینکو اور گھر میں جھاڑو دے دو! تب خادم نے غلہ خانے کے دروازے کھول دیئے اور لینے والے لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہوگیا اور تمام غلہ لے گئے اس کے بعد دوسرے خادموں نے عرض کیا کہ آپ کے بعد ہم غریبوں کا کیا حال ہوگا؟ آپ نے فرمایا: (کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں) ہمارے روضہ سے تمہیں اتنا مل جایا کرے گا جو تمہاری ضروریات کے لیے کافی ہوگا۔ ان خادموں نے پھر عرض کیا کہ ہم میں سے آمدنی

کو کون تقسیم کرے گا؟ آپ نے فرمایا: تقسیم کرنے کا حقدار وہ ہے جو اپنے حصہ سے دست بردار ہو جایا کرے گا۔ بعدِ طلوعِ آفتاب بروز بدھ 18 ربیع الاول 725ھ میں آپ نے وفات پائی۔ حضرت محبوب الٰہی کا ارشاد ہے کہ چلنے والا کمال کی طرف متوجہ رہتا ہے یعنی سالک جب تک سلوک کے مراحل طے کرتا رہتا ہے تو کمال کا امیدوار رہتا ہے۔

امیدوار کی تین قسمیں ہیں: سالک واقف راجع

سالک وہ ہے جو راہِ سلوک میں مسلسل چلتا رہے۔

واقف وہ ہے جس کو راہِ سلوک میں کوئی وقفہ پیش آئے، اس مقام پر لوگوں نے عرض کیا کہ کیا سالک کو بھی اس راہ میں وقفہ پیش آجاتا ہے؟ فرمایا: ہاں! اس وقت جب سالک کے عبادت کرنے میں کوئی کمی اور لغزش ہو جائے جس سے عبادت کا ذوق ولطف ختم ہو جائے تو اس وقت سالک کے لیے بھی وقفہ پیدا ہو جاتا ہے، اس حالت میں اگر سالک فوراً کوئی تدبیر کر کے خدا کے حضور توبہ کر لے تو اپنی اصلی حالت پر رہ سکتا ہے اور اگر خدانخواستہ وہ اپنی موجودہ حالت پر ہی رہے تو پھر اس بات کا سخت خطرہ ہے کہ کہیں راجع نہ بن جائے اس کے بعد سالک سے جو سلوک کے راستہ پر چلتے ہوئے لغزشیں ہو جاتی ہیں ان کو بیان کیا کہ وہ کل سات ہیں۔

اعراض، حجاب، تفاصل، سلبِ مزید، سلبِ قدیم، تسلی، عداوت

پھر فرمایا کہ عاشق و معشوق دو دوست ہیں جو باہم دیگر ایک دوسرے کی محبت میں رہتے ہیں جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

الفت کا جب مزا ہے کہ دونوں ہوں بیقرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی
ہے کوچۂ الفت میں وحشت کی فراوانی
قیس کو جب ہوش آیا تو لیلیٰ ہوئی دیوانی

اسی حالت میں اگر عاشق سے کوئی چیز سرزد ہو جائے جو معشوق کو ناپسند ہو تو معشوق

اپنے عاشق سے **اعراض** کرتا ہے یعنی اپنی توجہ اس کی طرف نہیں کرتا اس لیے عاشق کے لیے ضروری ہے کہ وہ فوراً توبہ کر کے عذر خواہی کرے جس کے نتیجہ میں اس پر معشوق لازماً خوش ہو جائے گا اور عاشق اگر اپنی غلطی پر مصر رہے اور معذرت نہ کرے تو یہ **اعراض** اس وقت **حجاب** بن جاتا ہے، یعنی معشوق اپنے اور عاشق کے مابین پردہ ڈال لیتا ہے اس صورت میں عاشق پر ضروری ہے کہ گریہ وزاری، آہ وبکا کے ساتھ توبہ کرے، اگر اس مرحلہ میں ذرا سی کوتاہی سے کام لیا گیا تو یہ **حجاب**، **تفاصل** یعنی جدائی سے تبدیل ہو جائے گا۔ پھر یوں ہوتا ہے کہ معشوق اپنے عاشق سے جدا ہو جاتا ہے اگر اس حالت پر بھی کوئی عذر خواہی نہ کرے تو پھر **تفاصل سلب مزید** سے تبدیل ہو جاتا ہے یعنی عاشق اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹا رہے اور کوئی عذر وغیرہ نہ کرے تو **سلب مزید سلب قدیم** کی صورت اختیار کر لیتی ہے یعنی عبادت وطاعت کی راحت وثواب جو پہلے سے حاصل تھا وہ چھین لیا جاتا ہے، اس حالت میں بھی اگر توبہ واستغفار میں کوتاہی سے کام لیا گیا تو **سلب قدیم تسلی** میں **متشکل** ہو جاتا ہے یعنی معشوق دل سے اپنے اس عاشق کو جدائی کا متمنی اور خواہش مند ہو جاتا ہے اس وقت بھی اگر توبہ واستغفار میں غفلت سے کام لیا گیا تو **تسلی عداوت** سے **متبدل** ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھے ایک مرتبہ فرمایا کہ سماع نہ مطلقاً جائز ہے نہ مطلقاً ناجائز وحرام۔ لوگوں نے دریافت کیا: حضرت سماع کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: جیسے سننے والے ہوں (پھر ذرا تفصیل سے فرمایا) کہ سماع تو ایک خوش اور بہترین آواز کے سننے کا نام ہے اس لیے اسے ناجائز نہیں کہا جاسکتا، البتہ وہ سماع جس میں مزامیر اور باجے وغیرہ ہوں وہ سب کے نزدیک مطلقاً حرام وناجائز ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ بعض مرید ایسے ہوتے ہیں جو اپنے پیر ومرشد پر اکتفا نہیں کرتے اور دوسرے پیر کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس سے خرقہ حاصل کر لیتے ہیں میرے نزدیک یہ حرکت کوئی قابلِ قبول نہیں۔ دراصل بیعت تو وہی ہے جو پہلی مرتبہ کسی کے ہاتھ پر کی جائے، اگرچہ وہ پیر ومرشد ایک عام ہی کیوں نہ ہو،

خواجہ نظام الدین اولیا سے کسی نے ایک مرتبہ شیخ منصور حلاج کے متعلق دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا کہ وہ دراصل خیر نساج کے مرید تھے جن کی ارادت وعقیدت سے منہ موڑ کر شیخ جنید بغدادی سے بیعت کرنا چاہی تو شیخ جنید نے فرمایا کہ تم دراصل خیر نساج کے مرید ہو میں تمہیں دوبارہ بیعت نہیں کرتا۔ چنانچہ شیخ جنید جو اپنے وقت کے مقتدا اور کامل تھے انہوں نے حلاج کو واپس کر دیا، چونکہ شیخ منصور حلاج کو آپ نے واپس لوٹا دیا تھا اس لیے دوسرے تمام مشائخ نے بھی ان سے بیعت نہ لی۔

سیدی منصور حلاج کے بارے میں فقیہِ اعظم، شیخ الاسلام، سیدی اعلیٰ حضرت، الشاہ الامام احمد رضا خان قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سوال ہوا، اہلِ دل قارئین کی دلچسپی کے لیے وہ سوال اور جواب پیش ہے:

سوال: مکرم و معظم بعد آداب نیاز کے گزارش ہے کہ اگر برائے مہربانی ان واقعات کے جن کی بنا پر حضرت منصور کے بارے میں فتویٰ دیا گیا تھا، مطلع فرمائیں تو بہت ممنون ہوں۔ اگر فتویٰ میں کسی آیت شریف کا حوالہ دیا گیا ہو تو اس کو بھی لکھ دیجئے گا۔ اس تکلیف دہی کو معاف فرمائیے گا۔ ایک معاملہ میں اس کی بہت ضرورت ہے۔

امامِ اہلِ سنت علیہ الرحمۃ اس کا جواب عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: حضرت سیدی حسین بن منصور حلاج قدس سرہ جن کو عوام ''منصور'' کہتے ہیں، منصور ان کے والد کا نام تھا، اور ان کا اسم گرامی ''حسین''، اکابر اہلِ حال سے تھے، ان کی ایک بہن ان سے بدرجہا مرتبہ ولایت ومعرفت میں زائد تھیں، وہ آخرِ شب کو جنگل تشریف لے جاتیں اور یادِ الٰہی میں مصروف ہوتیں۔ ایک دن ان کی آنکھ کھلی بہن کو نہ پایا، گھر میں ہر جگہ تلاش کیا، پتہ نہ چلا، ان کو وسوسہ گزرا، دوسری شب میں قصداً سوتے میں جان ڈال کر جاگتے رہے، وہ اپنے وقت پر اُٹھ کر چلیں، یہ آہستہ آہستہ پیچھے ہولیے، دیکھتے رہے آسمان سے سونے کی زنجیر، یاقوت کا جام اُترا اور ان کے دہن مبارک کے برابر آ لگا، انہوں نے پینا شروع کیا، ان سے صبر نہ ہوسکا کہ یہ جنت کی نعمت مجھے نہ ملے، بے اختیار کہہ اُٹھے کہ بہن تمہیں اللہ کی

قسم! کہ تھوڑا میرے لیے چھوڑ دو! انہوں نے ایک جرعہ چھوڑ دیا، انہوں نے پیا، اس کے پیتے ہی ہر جڑی بوٹی ہر در و دیوار سے ان کو یہ آواز آنے لگی کہ کون اس کا زیادہ مستحق ہے کہ ہماری راہ میں قتل کیا جائے؟ انہوں نے کہنا شروع کیا: ''اَنَا لَاحَقُّ'' بیشک میں سب سے زیادہ اس کا سزاوار ہوں۔ لوگوں کے سننے میں آیا ''انا الحق'' وہ دعویٰ خدائی سمجھے، اور یہ کفر ہے۔ اور مسلمان ہو کر جو کفر کرے مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ بَدَّلَ دِیْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ، رواہ احمد والستۃ الامسلما عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ واللہ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ۔ یعنی جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کرو۔ اس حدیث کو اصحابِ ستہ میں سے مسلم کے علاوہ سب نے اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۲۶،ص ۴۰۱، ۴۰۲)

یاد رہے کہ شیخ منصور حلاج کے متعلق مختلف حکایتیں مشہور ہیں، حقیقت حال تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے لیکن محبوبِ سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ منصور حلاج دراصل ولی اور خدا تعالیٰ کا مقرب بندہ تھا، مگر وہ پھسل گیا۔ اس زمانہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس کی دستگیری کرتا اگر وہ میرے زمانے میں ہوتا تو میں اس کا ہاتھ تھام لیتا (یعنی اس کی رہنمائی کرتا)

قطعہ

گرچہ ایزد دہد ہدایت دیں
بندہ را اجتہاد باید کرد
نامہ کاں بحشر خواہی خواند
ہم ازینجا سواد باید کرد

(دین کی ہدایت اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے مگر انسان کو بھی آخر کوشش کرنا چاہیے لوگ حشر میں اپنے نامہائے اعمال پڑھیں گے اس لیے اس دنیا میں سوادِ اعظم حاصل کر لینا ضروری ہے)

محبوبِ الٰہی نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر کوئی مرید اپنے شیخ سے عرض کرے کہ میں آپ

کا مرید ہوں اور پیر صاحب فرمائیں کہ تو میرا مرید نہیں ہے تو اس حالت میں اس کو مرید ہی تصور کیا جائے گا، لیکن اگر کوئی شیخ اپنے کسی مرید سے کہے تو میرا مرید ہے اور مرید کہے کہ میں آپ کا مرید نہیں تو ایسے شخص کو مرید نہیں سمجھا جائے گا۔ اس لیے کہ ارادت دراصل مرید کا فعل ہے شیخ کا کام نہیں۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ سچے لوگوں کی صبح، صبح کے وقت ہوتی ہے اور عاشقوں کی صبح شام سے شروع ہوتی ہے جو عشا سے فجر کی نماز تک شب بیدار رہ کر زندہ و تابندہ رہتے ہیں انہیں لوگوں کو مشائخ کہا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ پیر و مرشد کی صحبت سے جو خرقہ حاصل کیا جائے وہ کسی دوسرے کو نہ دیا جائے اسے دھونا ناجائز نہیں مگر بہتر یہی ہے کہ اسے دھویا نہ جائے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ انوارِ الٰہی سے فیض یافتہ پیر اگر وصیت کرے کہ قبر میں اس کے برابر فلاں عمدہ چیز رکھ دی جائے تو اس چیز کو اس کے پہلو میں رکھنا جائز ہے یا یہ وصیت کرے کہ فلاں صالح فرزند کو یہ چیز دے دی جائے تو لازمی طور پر وہ چیز موصیٰ لہ کو دے دی جائے۔

سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ محبوبِ الٰہی خواجہ نظام الدین کو جب قبر میں اتارا گیا تو وہ خرقہ جو آپ کو شیخ فرید الدین گنج شکر نے عنایت فرمایا تھا وہ آپ کے جسم پر اوڑھا دیا گیا اور شیخ کی جائے نماز آپ کے سر مبارک کے نیچے رکھ دی گئی۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ کل قیامت کے دن کچھ لوگوں کو چوروں کی جماعت کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا یہ لوگ کہیں گے کہ (اے باری تعالیٰ) ہم نے تو دنیا میں کوئی چوری نہیں کی تھی (پھر ہمیں چوروں کے ساتھ کیوں کھڑا کیا گیا ہے) تو آواز آئے گی کہ تم نے جوان مردی کا لباس تو پہنا مگر عمل کوئی نہ کیا، آخر کار یہ لوگ بھی نیک لوگوں کی شفاعت سے نجات پائیں گے۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ اس ضعیف نے جتنے خرقے پہنائے ہیں ان میں سے چار کو خرقۂ ارادت پہنایا ہے اور باقی دوسروں کو محض برکتاً خرقہ دیا ہے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ تصوف کی کتب میں لکھا ہے کہ سلوک کے سو درجے ہیں جن میں سے سترھواں درجہ کشف و کرامت

ہے۔ اگر سالک اسی میں رہ جائے تو باقی تراسی 83 درجوں کا حصول کب کرے گا؟ اس لیے فقیر درویش کو اپنی نظر کشف وکرامت تک محدود نہیں رکھنی چاہیے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ جب میرے مخدوم نے مجھے خلافت سے نوازا تو ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے تمہیں علم عقل اور عشق کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے جس میں یہ تینوں چیزیں موجود ہوں وہ خلافتِ شیخ اور مشائخ کا مستحق ہے اور حقیقت یہ ہے انہیں تین چیزوں سے کام بحسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچتا ہے۔ حضرت محبوب الٰہی اور تمام مشائخ اور بزرگوں پر اللہ تعالٰی اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ (285)

شیخ نجیب الدین متوکل قدس سرہ

آپ شیخ فریدالدین گنج شکر کے بھائی اور خلیفۂ مجاز تھے۔ معاملات میں سخت (یعنی شریعت کے پابند) اور نہایت متوکل تھے، ستر برس کی مدت تک شہر میں رہے، اگر چہ غلہ وغیرہ کی کوئی مستقل آمدنی نہ تھی اور آپ کے بیوی بچے بھی تھے مگر اس کے باوجود اتنے خوش وخرم رہتے تھے کہ آپ کو یہ بھی خبر نہ ہوا کرتی کہ آج کونسا دن، مہینہ اور کتنی رقم ہمارے گھر میں موجود ہے۔ ایک مرتبہ عید کے روز آپ کے گھر پر چند درویش جمع ہو گئے۔ اتفاق سے اس دن آپ کے گھر میں کچھ بھی نہ تھا آپ اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے آپ نے اپنے دل میں کہا کہ کیا آج عید کا دن یونہی گزر جائے گا اور میرے بچوں کے منہ میں کیا کوئی غذا نہ پہنچے گی اور کیا یہ مہمان بھی یونہی لوٹ جائیں گے؟ اتنے میں دیکھا کہ بوڑھا آدمی مکان کی چھت پر آیا اور یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

بادل گفتم دلا خضر را بینی!
دل گفت اگر مرا نماید بینم

(میں نے اپنے دل سے کہا کہ کیا آپ خضر علیہ السلام کو دیکھتے ہیں؟ تو دل نے مجھے جواب دیا کہ اگر وہ مجھے دکھائی دیں تو دیکھوں) پھر اس بوڑھے نے کھانا بھرا ہوا خوان پیش کیا اور کہا کہ عرش پر ملاءِ اعلٰی کے فرشتے آپ کے توکل کی تعریف کر رہے ہیں اور آپ پھر بھی اس دنیا کو دل

میں لیے ہوئے ہیں اور اس کی طرف میلان کرر ہے ہیں، آپ نے جواب دیا کہ خدا شاہد ہے کہ میں اپنے لیے اس کی طرف مائل نہیں ہوا بلکہ دوستوں کی ضروریات نے مجھے اس کی طرف مائل ہونے پر مجبور کر دیا اور غالباً کھانا لانے والے حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا بیان ہے کہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کی ارادت سے پہلے ایک روز میں خواجہ نجیب الدین متوکل کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا میں نے اس مجلس میں کھڑے ہو کر اہلِ مجلس اور شیخ نجیب الدین متوکل سے درخواست کی کہ آپ لوگ ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھ کر میرے لیے دعا کریں کہ میں کہیں کا قاضی مقرر ہو جاؤں اس پر شیخ مسکرائے اور فرمایا قاضی نہ بنو کچھ اور بنو۔

منقول ہے کہ شیخ فریدالدین گنج شکر کی خدمت میں ایک دن شیخ نجیب الدین متوکل حاضر ہوئے اور کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ مناجات میں یارب کہتے ہیں جس کا جواب آپ خدا کی طرف سے یہ سنتے ہیں ''لَبَّیْکَ عَبْدِیْ'' (کہ اے میرے بندے میں حاضر ہوں) آپ کی یہ بات سننے کے بعد شیخ فریدالدین نے فرمایا کہ ''اَلْاِرْجَافُ مُقَدِّمَۃُ الْکَوْنِ'' (کہ افواہیں واقعات کی پیش خیمہ ہوتی ہیں) اس کے بعد شیخ متوکل نے یہ بھی کہا کہ حضرت خضر آپ کے پاس تشریف لایا کرتے ہیں اور لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابدال بھی آپ کی خدمت میں آتے ہیں۔ یہ سننے کے بعد آپ نے فرمایا کہ آپ بھی تو ابدال ہیں، ایک دن ایک فقیر نے شیخ متوکل کے پاس آکر عرض کیا کہ شیخ نجیب الدین متوکل آپ ہیں؟ آپ نے جواب دیا: ہاں! میں ہی نجیب الدین متوکل ہوں، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مقبرہ کے راستہ میں سلطان محمد عادل بادشاہ کی مشہور عمارت جے منڈل کے سامنے شیخ نجیب الدین متوکل کی قبر ہے خواجہ نظام الدین اولیاء اور آپ کا مکان بھی اسی جگہ پر تھا۔ (286)

گیارہواں باب
سلطان شمس الدین التمش

التمش کے باپ کا نام ایلم خان تھا اور اس کا تعلق ترکوں کے قراختائی گھرانے سے تھا۔ ایلم خان البری قبیلے کا سردار تھا اور اپنی دولتمندی و سخاوت کی وجہ سے اپنے علاقوں میں مشہور تھا، التمش صورت کے لحاظ سے اپنے بھائیوں میں ممتاز تھا اور باپ کی آنکھ کا تارا تھا اس کے بھائیوں نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جو حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کے بھائیوں نے کیا تھا۔ التمش کے بھائیوں نے گلہ بانی کے بہانے اسے ایلم خان سے جدا کیا اور ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا، التمش سوداگر کے گھر پرورش پاتا رہا پھر اسے حاجی بخاری نے خرید لیا، بخاری نے اسے حاجی جمال الدین کے حوالے کیا۔ جمال نے اسے ساتھ لیا اور غزنی کا رخ کیا غزنی میں التمش کے حسن و جمال کی دھوم مچ گئی، بادشاہ کے درباریوں نے التمش کا ذکر شہاب الدین غوری، سلطانِ غزنی کے سامنے کیا۔ غوری نے التمش کی قیمت کے تعین کا حکم دیا، حاجی جمال کے پاس ایک اور غلام بھی تھا، اس نے دونوں غلاموں کی قیمت دو ہزار بتائی۔ بادشاہ نے ایک ہزار میں دونوں غلام خریدنے چاہے مگر سودا نہ ہوا۔ بادشاہ نے اعلان کر دیا کہ غزنی میں ان غلاموں کو کوئی خرید نہ کرے۔ سوداگر پھرتے پھراتے ایک بار پھر غزنی آیا تو التمش کا ستارۂ مقدر چمک اٹھا، ہوا یہ کہ قطب الدین ''نہروالہ'' کے راجے کو شکست دے کر نصیر الدین خرمیل کے ساتھ غزنی آیا۔ قطب الدین نے التمش کو خریدنے کیلئے اجازت مانگی۔ بادشاہ نے کہا: چونکہ میں نے لوگوں کو اس کے خریدنے سے منع کر دیا ہے اس لیے سوداگر سے کہہ دو وہ دہلی آ کر اسے تمہارے پاس بیچ دے۔ قطب الدین جب غزنی سے دہلی روانہ ہونے لگا تو اپنے وزیر نظام الدین کو حکم دیا جب دہلی آنا تو حاجی جمال کو ساتھ لے آنا۔ نظام الدین سلطنت کے ضروری کاموں سے فارغ ہو کر جب دہلی

روانہ ہوا تو حاجی جمال کو بھی ساتھ لے لیا۔ دہلی پہنچنے کے بعد قطب الدین نے حاجی جمال کے دونوں غلاموں کو ایک لاکھ جیتل کے عوض خرید لیا۔

قطب الدین نے ایبک نامی غلام کو طغاخ کے نام سے موسوم کیا اور دوسرے کا نام التمش رکھا۔ ایبک کو تو قطب الدین نے بٹھنڈہ کا امیر بنا دیا اور التمش کو بیٹا بنا کر اپنے درباریوں میں داخل کر لیا۔ قطب الدین اور یلدوز کی جنگ میں قطب الدین کی طرف سے لڑتے ہوئے ایبک کا انتقال ہو گیا اور التمش اپنے آقا کے دامنِ کرم میں پرورش پاتا رہا اور ترقی کرتے کرتے میر شکار کے عہدے تک پہنچا۔

قطب الدین ''التمش'' پر بڑا اعتماد کرتا تھا یہاں تک کہ گوالیار کا قلعہ فتح کر کے التمش کو اس کا حاکم بنا دیا۔ کچھ عرصہ بعد التمش کو برن اور اس کے گردو پیش کے علاقوں کی جاگیرداری دی گئی اور بدایوں کا حاکم مقرر کیا گیا۔ جب شہاب الدین کھکروں کو ختم کرنے کے لیے ہندوستان آیا تو قطب الدین بھی شاہی حکم کے مطابق ایک زبردست لشکر لے کر شہاب الدین کی مدد کیلئے پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ التمش کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بھی بدایوں سے ایک عظیم الشان لشکر تیار کر کے قطب الدین کے پاس پہنچا اور اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ التمش نے پنجاب کے اس معرکے میں اپنی فطری بہادری کے بڑے جوہر دکھائے اور یہ ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی فوج میں اس جیسا بہادر اور جیالا سپاہی اور کوئی نہیں ہے۔(287)

دریا میں گھوڑا ڈال دیا

کھکروں کی فوج دریا کی دوسری طرف تھی اور ہندو سپاہیوں پر مسلمان سپاہیوں کا کوئی قابو نہ چلتا تھا۔ التمش نے ہمت و جرأت سے کام لے کر دریا میں گھوڑا ڈال دیا اور دریا کو عبور کر کے دشمن پر حملہ آور ہوا۔ التمش نے تلوار کے کمالات کا ایسا مظاہرہ کیا کہ دس بارہ ہزار ہندو موت کے گھاٹ اتارے گئے، کھکروں کی فوج شکست کھا کر میدانِ جنگ سے فرار ہو گئی۔ شہاب الدین نے التمش کی جانبازی و بہادری دیکھ کر اسے شاہی انعامات سے سرفراز

کیا اور قطب الدین سے سفارش کی کہ التمش کا فرمانِ آزادی لکھ کر اس کی آزادی کا اعلان کیا جائے اور بہترین طریقے پر اس کی پرورش کی جائے۔ قطب الدین نے اپنے آقا کی تعمیل کی اور التمش کی گردن سے غلامی کا پٹا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اتار لیا۔ التمش نے رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے امیر الامرا کا منصب حاصل کر لیا۔(288)

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

بشارت

ایک روز کا واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردی ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً 12 سال تھی آپ کی مجلس کے سامنے سے گذرا۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا۔ جب تک یہ لڑکا دہلی کا بادشاہ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ اسے دنیا سے نہ اٹھائے گا یہ لڑکا سلطان شمس الدین التمش تھا جو مندرجہ بالا حالات سے گزر کر دہلی کی سلطنت کا سلطان بنا۔(289)

بزرگوں سے سچ فرمایا ہے!

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

تخت نشینی

قطب الدین ایبک کو خداوند تعالیٰ نے تین بیٹیاں عطا کی تھیں ان میں سے ایک تو التمش کے نکاح میں آئی اور باقی دو باری باری ناصر الدین قباچہ سے بیاہی گئی تھیں۔ قطب الدین کی وفات کے بعد دہلی کے امیروں اور ارکانِ سلطنت نے التمش کو تخت نشینی کیلئے دہلی آنے کی دعوت دی۔ التمش بدایوں کے امرا اور اپنے لشکر کے ساتھ دہلی آیا اور تختِ سلطنت پر جلوہ گر ہو کر شمس الدین کا لقب اختیار کیا۔ التمش نے 607ھ میں عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور بہت جلد قطب الدین کے عہد کے امیروں اور درباریوں کو اپنے لطف و کرم سے

اپنا گرویدہ بنالیا اور یوں گذشتہ عہد کے تمام معززین التمش کے نام کا ترانہ پڑھنے لگے، لیکن جامداروں کا سردار اس راہ پر نہ آیا اور وہ غرور کے نشے میں سرشار ہو کر سرکشی کے خواب دیکھتا رہا اس نے شہاب الدین اور قطب الدین کے زمانے کے کچھ امیروں کو اپنے ساتھ ملا کر اپنی سیاسی چالوں میں پھنسالیا اور دہلی کے گردونواح سے اچھی خاصی فوج جمع کر لی اور دہلی کے قریب کے ایک میدان میں التمش کے مقابلے پر آ ڈٹا۔ چونکہ التمش کی قسمت کا ستارہ بلندی پر تھا اس لیے جامدار کو شکست ہوئی۔ جامداروں کے دو (نامی گرامی) سردار "اقسن قر" اور فرخ شاہ میدان جنگ میں کام آئے، ترکی جامداروں کا افیسرِ اعلیٰ اپنے مخصوص مصاحبوں کو لے کر میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔ شمس الدین التمش کے فوجیوں نے ان باغیوں کا پیچھا کیا۔ کچھ عرصہ میں ہی ان سب باغیوں کو ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا اس کامیابی کے بعد التمش کا کوئی حریف باقی نہ رہا اور ملک ہمیشہ ہمیشہ کیلئے باغیوں اور سرکشوں کے ہنگاموں سے پاک ہو گیا۔(290)

ناصرالدین قباچہ کی شکست

614ھ میں التمش اور اس کے ہم زلف یعنی قطب الدین ایبک کے دوسرے داماد ناصرالدین قباچہ کے درمیان لاہور کے کسی علاقے کے بارے میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ جھگڑے نے یہاں تک طول کھینچا کہ دونوں میں معرکہ آرائی کی نوبت آ پہنچی۔ منصوریہ کے نواح میں دریائے چناب کے کنارے پر دونوں حریف بالمقابل ہوئے ایک زبردست لڑائی کے بعد ناصرالدین قباچہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور التمش کو فتح نصیب ہوئی۔ 615ھ میں قباچہ نے غزنی کے قرب وجوار کے ان خلجی امیروں کو شکست دی جو سندھ کے علاقوں کو اپنی لشکر کشی سے تباہ و برباد کیا کرتے تھے ان خلجی سرداروں نے قباچہ سے شکست کھانے کے بعد التمش کے دامن میں پناہ لی۔ التمش نے ان کی مدد کی اور ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ قباچہ پر حملہ کیا، قباچہ التمش کا مقابلہ نہ کر سکا اور اپنے ملک کے کسی سرحدی مقام پر روپوش ہو گیا التمش نے اس کا پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا (اور اتنی سرزنش پر اکتفا کر کے)

واپس دہلی آ گیا۔(291)

حوض شمسی

حضرت شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر اپنے پیر و مرشد قطب الاقطاب حضرت قطب الدین بختیار کاکی اوشی کے ملفوظ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک بار التمش کو حوضِ شمسی تعمیر کروانے کا شوق پیدا ہوا۔ اس سلسلے میں وہ روزانہ قطب الدین کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حوض کی جگہ اور اس کے رقبے وغیرہ کے بارے میں ان سے بات چیت کرتا۔ اس حوض کی تعمیر کیلئے التمش کے ذہن میں جو مقام آتا وہ فوراً اسے جا کر دیکھتا اور پھر کسی وجہ سے اس مقام کا خیال ذہن سے نکال دیتا۔ اتفاق سے ایک دن التمش کا گزر اسی جگہ سے ہوا جہاں اب حوضِ شمسی واقع ہے۔ التمش کو یہ مقام بہت پسند آیا اور اس نے اسی وقت اس جگہ حوض کی تعمیر کا ارادہ کر لیا۔ جس روز کا یہ واقعہ ہے اسی رات کو التمش نے خواب میں حضور پرنور ﷺ کی زیارت کی، التمش نے دیکھا کہ سرور انبیا ﷺ ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اس منتخب مقام کی طرف تشریف لائے ہیں اور التمش سے دریافت فرماتے ہیں کہ وہ کس امر کا خواہاں ہے؟ التمش جواب دیتا ہے کہ وہ اس جگہ ایک حوض تعمیر کروانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ حضور پرنور ﷺ نے التمش کی التجا کو پسند فرمایا پھر آپ کے گھوڑے نے زمین پر لات ماری۔ جس سے ایک چشمہ پھوٹ نکلا اور زور شور سے بہنے لگا۔ التمش ابھی خواب دیکھ رہا تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی اور اس وقت قدرے رات باقی تھی۔ التمش اسی وقت حضرت قطب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑے ادب کیساتھ ان سے اپنے خواب کی تمام رُوداد بیان کر دی۔ حضرت فرید گنج شکر اپنے پیر و مرشد سے روایت کرتے ہیں کہ التمش اسی وقت حضرت قطب الدین کو اپنے ساتھ لے گیا۔ قطب الدین نے دیکھا کہ وہاں ایک چشمہ پھوٹا ہوا ہے اور اس کا پانی ہر چہار طرف بہہ رہا ہے یہ واقعہ تھوڑے بہت ردوبدل کیساتھ ہندوستان کے دیگر مشائخ کے ملفوظات میں بھی درج ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔(292)

غیبی امداد

بعض لوگ خود التمش کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جس زمانے میں التمش بخارا
میں غلامی کی زندگی بسر کر رہا تھا اس زمانے میں ایک روز اس کے آقا نے اسے ایک رائج
الوقت سکہ دیا اور بازار سے انگور لانے کیلئے کہا۔ التمش انگور لانے کیلئے روانہ ہوا، بازار میں
جاتے جاتے اچانک وہ سکہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اس نے بہت تلاش کیا مگر سکہ نہ ملا لہٰذا وہ
مجبور ہو کر (آقا کے خوف سے) ایک جگہ بیٹھ کر رونے لگا اس وقت ادھر سے ایک فقیر گذرا
اس فقیر نے اپنے کشفِ باطن کے ذریعے التمش کا حال معلوم کر لیا اور انگور خرید کر کے اسے
دے دیئے۔ انگور دیتے ہوئے فقیر نے التمش سے کہا: اگر خدا تجھے کبھی بادشاہ بنادے
تو فقیروں اور حاجت مندوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو اللہ تعالیٰ نے اس وقت تیرے
ساتھ کیا ہے۔(293)

خدمت فقرا

بعض تاریخ کی کتابوں میں یہ واقعہ بھی التمش کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ جب التمش
بغداد میں اپنی غلامی کا ابتدائی زمانہ بسر کر رہا تھا تو ایک روز اس کے مالک نے کچھ صاحب
باطن درویشوں کو اپنے گھر مدعو کیا۔ محفلِ سماع شباب پر تھی اور یہ فنافی اللہ لوگ بڑے ذوق
وشوق کے ساتھ نعرے بلند کر رہے تھے یہ محفل رات بھر جاری رہی اور التمش رات بھر ہاتھ
میں شمع لے کر کھڑا رہا۔ قاضی حمید الدین ناگوری اس محفل کے صدر تھے، فقرائے پاک
طینت التمش کی اس خدمت سے بہت خوش ہوئے اور اس گروہ کی کیمیا اثر نگاہوں کے طفیل
اس خوش عقیدہ غلام التمش کے دن پھر گئے، وہ خاک تھا اور اب کندن بن گیا، پہلے غلام تھا
اور اب وہ بے شمار لوگوں کا آقا اور کئی ایک ملکوں کا سلطان بنا دیا گیا۔ (یہ بڑے کرم کے ہیں
فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔)(294)

ذوق سماع

التمش کے عہدِ حکومت کا واقعہ ہے کہ ایک بار قاضی حمید الدین ناگوری ہندوستان تشریف لائے اور دہلی میں ایک مقام پر قیام فرما کر خلق خدا کی راہنمائی کرتے رہے اور ہدایت کا مقدس فریضہ انجام دیتے رہے۔ قاضی صاحب فقرا کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو سماع پسند فرماتے تھے اس وجہ سے ان کی خانقاہ میں روزانہ محفلِ سماع منعقد ہوتی تھی چونکہ اس طرح کی محفلِ سماع کو بعض فقہا حدفِ تنقید بناتے ہیں۔ اس لیے دو مشہور علماء عماد الدین اور ملا جلال الدین نے قاضی صاحب کی روش پر اعتراض وارد کیا۔ یہ علماء قاضی صاحب کے بہت خلاف ہو گئے اور ان کی مخالفت نے اس قدر طول کھینچا کہ انہوں نے التمش کو اپنے اثر ورسوخ سے مجبور کیا کہ وہ قاضی صاحب کی محفلِ سماع کو شاہی حکم کے ذریعے ممنوع قرار دے۔ التمش نے ان علماء کے کہنے پر بے حد مجبور ہو کر قاضی صاحب کو اپنے ہاں بلوایا ان سے بحث کرنے کیلئے ملا عماد الدین اور ملا جلال الدین بھی تشریف لائے ان دونوں علماء نے قاضی صاحب سے سوال کیا۔ ''از روئے شرع سماع حرام ہے یا حلال؟ قاضی صاحب نے جواب دیا کہ یہ فعل اہلِ حال کیلئے حلال ہے اور اہلِ قال کیلئے حرام ہے'' علماء کو یہ جواب دینے کے بعد قاضی صاحب فوراً التمش سے مخاطب ہوئے اور اس سے کہا آپ جناب کو اپنے بچپن کا وہ واقعہ تو یاد ہوگا۔ جب آپ غلام تھے اور آپ کے آقا کے گھر میں محفلِ سماع منعقد ہوئی تھی آپ اس محفل میں شمع ہاتھ میں لے کر رات بھر کھڑے رہے تھے۔ ان اہلِ حال فقیروں کو آپ کی یہ خدمت پسند آئی تھی اور اسی وجہ سے ان فقیروں کی دعاؤں کی طفیل خداوند تعالیٰ نے آپ کو بادشاہت کے مرتبے تک پہنچا یا دیا ہے'' قاضی صاحب کی زبان سے یہ واقعہ سن کر التمش کی آنکھوں کے سامنے وہ تمام واقعہ پھر گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ التمش قاضی صاحب سے بڑی مہربانی کیساتھ پیش آیا اور انہیں بے حد تعظیم اور احترام کی ساتھ رخصت کیا۔ قاضی صاحب سے ملاقات کا یہ اثر ہوا کہ التمش نے محفلِ سماع کو ممنوع قرار نہ دیا بلکہ خود بھی قاضی صاحب کی خانقاہ میں حاضری دیتا

اور فقرا کی محبت سے مستفید و لطف اندوز ہوتا۔(295)

قاتلانہ حملہ

التمش عبادات مذہبی اور فرائضِ دینی کا بڑی سختی سے پابند تھا وہ ہر جمعہ کو جامع مسجد میں حاضر ہو کر نماز باجماعت ادا کرتا تھا۔ بادشاہ کی یہ مذہب دوستی اور خدا پرستی دہلی کے ملحدین کو پسند نہ آئی ایک ایسے گروہ کے سردار نے جس کا نام ''برعکس نہند نام زنگی کافور'' کے مصداق نور تھا اپنے ساتھیوں کے مشورے سے التمش کو عین حالتِ نماز میں شہید کرنے کا فیصلہ کیا۔ (ایک دن) یہ لوگ خنجر اور تلواروں سے لیس ہو کر مسجد میں گھس آئے اور چند نمازیوں کو شہید کرتے ہوئے التمش کے قریب پہنچ گئے لیکن خداوند تعالیٰ نے ان قاتلوں کی دستبرد سے التمش کو بچا لیا اور یہ لوگ خوف زدہ ہو کر مسجد سے بھاگ نکلے، لوگوں نے ان کا تعاقب کیا، دیواروں اور مکانوں پر چڑھ کر ان پر پتھراؤ کیا اس کا نتیجہ یہ نکلا اس گروہ کا ایک ایک فرد ہلاک ہو گیا اور دہلی کا شہر اس شریر گروہ سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو گیا۔

التمش کی حکومت کے آخری زمانے میں بغداد کا مشہور و معروف عالم و فاضل فخر الملک عصائی جو پورے تیس سال تک خلافتِ عباسیہ کی وزارت کے منصب پر سرفراز رہ چکا تھا۔ کسی بنا پر ناراض ہو کر بغداد سے جلاوطن ہوا اور دہلی آ کر قیام کیا۔ التمش نے اس بزرگ کا اس کی شان کے مطابق استقبال کیا اور اسے انعامات اور اعزازات سے سرفراز کر کے اپنا وزیر مقرر کیا۔ التمش کے عہدِ حکومت میں علماء اور انشاء پردازوں کی ایک بڑی جماعت بادشاہ کی سرپرستی میں اپنی تصنیف و تالیف سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچاتی تھی، اس جماعت میں نور الدین عوفی کا نام امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اس عالم و فاضل شخص نے ''جامع الحکایات'' تصنیف کی، اس کتاب کو التمش کے وزیر نظام الملک محمد بن ابو سعید جنیدی کے نام نامی سے منسوب کیا۔(296)

وفات

اجین کے سفر کی تکان دور کرنے کیلئے التمش نے کچھ روز دہلی میں قیام کیا پھر ملتان کی

طرف چل پڑا۔ یہ سفر التمش کو موافق نہ آیا اور اس کی صحت پر برا اثر پڑا تو وہ بیمار ہو گیا۔ بیماری نے اس حد تک طول کھینچا کہ التمش بستر مرگ پر لیٹ گیا۔ امراء و سردار التمش کو اسی حالت میں دہلی لے آئے۔ دہلی آ کر اس کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ بیس شعبان 633ھ کو اس کا انتقال ہو گیا۔ (خدا کی رحمت اس کی لحد پر سایہ فگن رہے)(297)

رکن الدین فیروز شاہ کی حکومت

ہندوستان کی معتبر کتبِ تواریخ میں بیان کیا گیا ہے 625ھ میں التمش نے فیروز شاہ کو بدایوں گوالیار اور لاہور کی حکومت عطا کر دی۔ اس کی قوت میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ التمش کی وفات کے بعد 633ھ میں منگل کے روز فیروز شاہ کی تخت نشینی کی رسم عمل میں آئی، وزیروں اور امیروں نے نذرانے پیش کئے، شاعروں نے مبارک بادی کے قصیدے لکھے اور انعام حاصل کئے۔ رکن الدین نے انتظامی امور کی طرف توجہ نہ دی، دن رات عیش وعشرت میں بسر کرنے لگا۔ قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے خزانے کو بڑی بے دردی سے گویّوں اور بھانڈوں وغیرہ پر خرچ کرنا شروع کر دیا۔ رکن الدین کی عیاشی اتنی بڑھ گئی کہ اس نے حکومت کے تمام انتظامات اپنی ماں ترکان شاہ کے سپرد کر دیے، خود سارا وقت پینے پلانے میں گزارنے لگا۔ ترکان ایک ترکی لونڈی تھی جو التمش کے حرم میں داخل ہو گئی تھی، یہ عورت بہت کینہ پرور تھی، اس نے رکن الدین کی عیاشی اور امورِ سلطنت سے لاتعلقی کا فائدہ اٹھایا۔ اور التمش کی منکوحہ بیویوں کو بڑی ذلت اور رسوائی کی ساتھ قتل کروا دیا۔ التمش کی ترکی لونڈیاں بھی ترکان شاہ کی آتشِ حسد سے محفوظ نہ رہ سکیں، اس کے ظلم وستم سے تنگ آ گئیں اور غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئیں۔ ترکان شاہ کا ستم اور حسد اتنا بڑھا کہ اس نے التمش کے سب سے چھوٹے بیٹے قطب الدین شاہ کو قتل کرا دیا۔ ان مظالم کی وجہ سے رکن الدین کو ہر چھوٹا بڑا نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ (298)

ملتانیوں کی بغاوت

بدایوں، لاہور، ملتان اور ہانسی کے حکمرانوں نے رکن الدین کی اطاعت سے انکار کر دیا اور علمِ سرکشی بلند کیا، رکن الدین سرکش امیروں کی سرزنش کیلئے فوج کو ساتھ لے کر منصوریہ کے قرب وجوار میں پہنچا تو التمش کے عہد کے مشہور امراء تاج الدین، ملک محمد، بہاؤالدین حسن، کریم الدین، ضیاء الملک، خواجہ رشید اور امیر فخر الدین وغیرہ شاہی فوج سے علیحدہ ہو کر فوراً دہلی پہنچ گئے انہوں نے مشورہ کر کے التمش کی بڑی بیٹی رضیہ سلطانہ کو اپنا فرمانروا تسلیم کر کے تختِ شاہی پر بٹھا دیا۔ رضیہ نے ترکان شاہ کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا، رکن الدین کو جب رضیہ سلطانہ کی تخت نشینی کا علم ہوا تو وہ دہلی کی طرف چل پڑا۔ رکن الدین جب کیلوکھری پہنچا تو رضیہ نے ایک لشکر اس کے مقابلے کیلئے روانہ کیا دونوں میں جنگ ہوئی، رکن الدین نے شکست کھائی اسے قید کر کے ایک قلعے میں نظر بند کر دیا گیا، رکن الدین نے عالمِ اسیری میں وفات پائی، رکن الدین کی مدتِ حکومت صرف چھ مہینے اور آٹھ دن ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) (299)

رضیہ سلطانہ

ابتدائی حالات

رضیہ سلطانہ میں حکمرانی کی صلاحیتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ عقل وفہم اور حسنِ تدبیر وسیاست کے لحاظ سے یہ خاتون اپنے زمانے کے بہترین مردوں کا جواب تھی۔ انسان کی صلاحیتوں کو جانچنے والوں کو رضیہ سلطانہ میں سوائے نسوانیت کے اور کوئی دوسرا عیب نہیں ملتا جو بادشاہت کے جلیل القدر مرتبے تک پہنچنے میں حائل ہو سکے۔ رضیہ کا یہ شعار تھا کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت بے حد ادب اور تعظیم کیساتھ کرتی تھی۔ مذہبی معلومات کے علاوہ دوسرے علوم وفنون پر بھی اس کی بڑی گہری نظر تھی۔ (300)

التمش اور رضیہ

شمش الدین التمش کے زمانے ہی سے رضیہ سلطنت کے انتظامی امور سے دلچسپی لیتی تھی اور اس زمانے میں حکومت کے بہت سے اہم اور پیچیدہ مسائل میں اس کی رائے حرفِ آخر کا درجہ رکھتی تھی۔ التمش کو رضیہ سلطانہ کی فہم اور فراست پر بے حد اعتماد تھا اور اسی وجہ سے وہ امورِ سلطنت میں اس کی مداخلت کو بہت پسند کرتا تھا۔ گوالیار کی فتح کے بعد التمش نے اپنے خاص امراء کی موجودگی میں رضیہ سلطانہ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ ان امراء نے اس موقع پر التمش سے سوال کیا کہ آخر بیٹوں کے ہوتے ہوئے ایک بیٹی کو وارث تاج و تخت قرار دینے میں کون سی حکمت ہے؟ التمش نے جواب دیا کہ میں بیٹوں کی عادات واطوار اور چال چلن سے اچھا خاصہ واقف ہوں۔ اس وقت جب ہر لحاظ سے وہ میرے دست نگر ہیں۔ بری طرح میخواری اور عیش وعشرت میں مشغول ہیں، اس وجہ سے انہیں حکمرانی کے قابل نہیں سمجھتا، رضیہ سلطانہ کو میں اپنے بیٹوں پر اس لیے ترجیح دیتا ہوں کہ اگرچہ وہ بظاہر ایک عورت ہے لیکن عقل اور پختگی کے لحاظ سے مرد ہے۔ 634ھ میں رضیہ سلطانہ تختِ سلطنت پر فائز ہوئی۔ حکمرانی کے فرائض کو خوش اسلوبی سے سرانجام دینے کیلئے اس نے پردہ ترک کر دیا اور مردانہ لباس زیب تن کر کے دربارِ عام منعقد کیا۔ التمش کے عہد کے وہ تمام قاعدے، ضابطے اصول اور قانون جو رکن الدین کے عہد میں ''نقش ونگارِ طاقِ نسیاں'' ہو گئے تھے، رضیہ نے انہیں دوبارہ نافذ کیا۔ رضیہ نے حکومت کے فرائض کو انجام دینے کے سلسلے میں اپنے باپ کی پوری پوری پیروی کی اور انصاف اور جود وسخا کو اپنا شعار بنایا۔ (301)

چند امراء کی بغاوت

جب رضیہ سلطانہ نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو چند نامی گرامی امراء مثلاً نظام الملک محمد جنیدی وزیر سلطنت، علاؤ الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی وغیرہ نے علمِ بغاوت بلند کیا۔ ان امراء نے باہمی مشورہ سے ملک کے دوسرے امیروں اور جاگیرداروں کو بھی رضیہ سلطانہ کے خلاف اکسایا۔ اودھ کے جاگیردار ملک نصیر الدین کو جب ان

امیروں کی بے وفائی کا علم ہوا تو اس نے رضیہ سلطانہ کی مدد کرنے کا تہیہ کر لیا اور دہلی کی طرف روانہ ہوگیا۔ نصیر الدین دریائے گنگا کو پار کر کے آگے بڑھ رہا تھا کہ باغی امراء نے اس پر حملہ کر دیا۔ ان امیروں نے نصیر الدین کو گرفتار کر کے اس کی فوج کو منتشر کر دیا۔ ملک نصیر الدین کی صحت کچھ اچھی نہ تھی، اس لیے اس نے عالمِ اسیری میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

رضیہ سلطانہ کو جب امیروں کی سرکشی کا علم ہوا تو اس نے بڑے دانش مندانہ طریقے سے ان ہنگامہ پرور امراء کی مجموعی قوت کو منتشر کیا اور ایک ایک امیر کو موت کے گھاٹ اتارا، ملک سیف الدین اور اس کا بھائی میدانِ جنگ میں گرفتار ہوئے اور قتل کئے گئے۔ علاء الدین شیر خانی کو بابل کے علاقے میں ہلاک کیا گیا اور اس کا سر دہلی میں لایا گیا۔ ملک نظام الدین میدانِ جنگ سے بھاگ کر کوہ سرمور میں پناہ گزین ہوا اور وہیں راہیِ ملکِ بقا ہوا۔ (302)

سندھ کا امیر

باغی امیروں کو مناسب اور موزوں طریقے سے ختم کرنے کے بعد رضیہ سلطانہ کے رعب و دبدبہ کا سکہ عوام کے دلوں پر بیٹھ گیا اور سارا ملک باغیوں اور سرکشوں کی ہنگامہ خیزیوں سے پاک وصاف ہوگیا۔ رضیہ نے حکومت کی بنیادوں کو پوری طرح مضبوط اور مستحکم بنا کر حکومت کے بڑے بڑے عہدے اپنے مشہور اور قابلِ اعتماد امیروں کے سپرد کیے۔ رضیہ نے سابق وزیرِ مملکت نظام الملک کے نائب خواجہ مہدی غزنوی کو وزارت کے منصب پر سرفراز کیا اور یہ نیا وزیر بھی نظام الملک ہی کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ لشکر کی نیابت سیف الدین ایبک کے حوالے کی گئی۔ اور اسے قتلغ خان کا خطاب دیا گیا۔ اعز الدین کبیر خانی نے رضیہ کی اطاعت قبول کر لی تھی اسے لاہور کا حکمران مقرر کیا گیا اسی طرح لکھنؤ، دیول، سندھ اور دوسرے مقامات کی حکومتیں بھی ملک کے نامی گرامی اور قابل اعتماد امراء کے سپرد کی گئیں اور وہ سب دارالسلطنت دہلی سے اپنی اپنی تقرری کا فرمان لے کر اپنے اپنے علاقوں کو روانہ ہوئے۔ کچھ عرصے بعد سیف الدین ایبک نے داعیِ اجل کو

لبیک کہا اور اس کی جگہ قطب الدین کو نیابتِ لشکر سپرد کی گئی۔

قطب الدین کو لشکر کا نائب بنانے کے بعد رضیہ نے اسے رنتھنبور کی فتح کیلئے روانہ کیا۔ قطب الدین رنتھنبور گیا اور اس نے وہاں سے مسلمان قیدیوں کو آزاد کروایا جو التمش کی وفات کے زمانے سے ہندوؤں کی اسیری میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ قطب الدین نے قلعے کو فتح کرنے کی کوشش نہ کی اور دہلی واپس آ گیا۔(303)

ملتان کا حکمران

لاہور کے حاکم اعز الدین نے 636ھ میں علمِ سرکشی بلند کیا۔ اعز الدین کی بغاوت کو فرو کرنے کیلئے رضیہ سلطانہ نے اس پر لشکر کشی کی، اعز الدین نے رضیہ سے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور اس کی اطاعت گزاری کر کے خاموش رہا۔ رضیہ کو اعز الدین کا یہ انداز بہت پسند آیا اور اس نے خوش ہو کر لاہور کی حکومت کے ساتھ ملتان کی حکومت بھی اعز الدین کو سونپ دی، اس سال بٹھنڈہ کے حاکم ملک التوانیہ نے رضیہ کے خلاف بغاوت کر دی، اس کے جواب میں رضیہ نے اپنی فوج کو تیار کیا اور بٹھنڈہ پر حملہ کر دیا، شاہی فوج ابھی راستے میں تھی کہ ترکی امراء نے اس پر چھاپہ مارا (اس معرکہ میں ترکوں کو فتح ہوئی) یاقوت حبشی موت کے گھاٹ اتارا گیا اور رضیہ سلطانہ کو قید کر کے بٹھنڈہ کے قلعے میں نظر بند کر دیا گیا۔(304)

رضیہ اور ملک التوانیہ کی شادی

باغی امرا نے دہلی کے دوسرے امیروں سے مشورہ کیا اور انہیں اپنا ہم خیال بنا کر سلطان التمش کے بیٹے معز الدین بہرام شاہ کو تخت نشین کر دیا۔ اس دوران میں رضیہ سلطانہ نے بٹھنڈہ کے حاکم ملک التوانیہ سے شادی کر لی۔ رضیہ اور التوانیہ نے آپس میں صلاح ومشورے کے بعد کھکروں، جاٹوں اور دیگر زمینداروں کے لڑاکے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک زبردست لشکر تیار کیا اور دہلی پر حملہ کر دیا۔ معز الدین بہرام شاہ نے بھی اپنی فوج اعز الدین بلبن کی ماتحتی میں روانہ کی۔ اعز الدین بلبن التمش کا داماد تھا جو بعد میں الغ خان

کے نام سے مشہور ہوا، راستے میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہو گیا (ایک زبردست جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں) رضیہ سلطانہ کو شکست ہوئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ کر بٹھنڈے میں پناہ گزین ہوئی۔(305)

رضیہ کا قتل

رضیہ اس شکست سے آزردہ خاطر نہ ہوئی اس کی بے چین اور اقتدار پسند طبیعت نے اسے آرام سے بیٹھنے نہ دیا۔ اس نے اپنے منتشر لشکر کو ازسرِ نو مرتب کیا اور ایک بار پھر دہلی پر حملہ آور ہوئی، اس بار بھی بہرام شاہ نے اعزالدین کو رضیہ کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ 4 ربیع الاول 736ھ کو کیتھل کے گردو بیش کے علاقے میں دونوں لشکروں کی معرکہ آرائی ہوئی، اس بار بھی رضیہ کو شکست ہوئی اور اعزالدین کامیاب و کامران رہا۔ رضیہ اور التوانیہ دونوں میدان سے بھاگ نکلے، لیکن چند زمینداروں نے انہیں گرفتار کرلیا، ان دونوں میاں بیوی کو یا تو انہیں زمینداروں نے قتل کر دیا یا پھر ان کو گرفتار کر کے معزالدین بہرام شاہ کے سامنے لایا گیا اور اسی کے حکم سے ان دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ رضیہ نے تین سال اور چھ دن تک حکومت کی، رضیہ کے زوال پر زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہر صاحبِ عقل شخص بڑی آسانی سے اس کا پتہ چلا سکتا ہے اور تھوڑے بہت غور و خوض کے بعد یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ یاقوت حبشی کا حد سے بڑھا ہوا اقتدار و اختیار ہی رضیہ کے زوال کا اصل سبب تھا۔ یہ پوری طرح واضح ہے کہ ایک حبشی دہلی کا امیر الامرا ہونے کا کیا حق رکھتا ہے؟ ایک ادنیٰ شخص کا ہندوستان کی سب سے بڑی شخصیت سے خاص تعلقات رکھنے کے کیا معنی ہیں؟ رضیہ سلطانہ 25 ربیع الاول 637ھ کو قتل کی گئی۔(306)

معزالدین بہرام شاہ

جب رضیہ سلطانہ کو بٹھنڈہ کے قلعے میں نظر بند کر دیا گیا تو اس کے فوراً بعد 28 رمضان 637ھ منگل کے روز معزالدین بہرام شاہ کی تخت نشینی عمل میں آئی۔ اس نے رضیہ سلطانہ کا خاتمہ جلد از جلد کر دیا اور عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو ملک اختیار الدین الپتکین سیاہ

وسفید کا مالک ہو گیا۔ اس کے سامنے معز الدین کی حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہ تھی۔ اپتگین نے عارضی اقتدار سے فائدہ اٹھا کر شاہی خاندان سے رشتہ جوڑا اور بہرام شاہ کی بہن سے شادی کر لی۔ اپتگین کا آستانہ شاہی دربار سے کم نہ تھا، اس کی ڈیوڑھی پر بھی بادشاہ کے دروازے کی طرح ہاتھی گھومتا رہتا تھا۔(307)

لاہور پر حملہ

17 جمادی الاخریٰ 639ھ کو چنگیز خانی مغلوں نے لاہور کا محاصرہ کر لیا، لاہور کے حاکم ملک قراقش نے اپنی فوج میں نا اتفاقی دیکھی تو آدھی رات کے وقت دہلی نکل گیا۔ مغلوں نے لاہور کو لوٹا اور بہت سارے لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ جب بہرام شاہ کو ان حالات کی خبر ہوئی تو اس نے شاہی محل میں تمام امیروں کو جمع کیا۔ نظام الملک اور قطب الدین حسن غوری وکیل السلطنت کو مغلوں کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ جب یہ دریائے بیاس کے کنارے پر سلطان پور کے قصبے میں پہنچے تو نظام الملک نے شاہی امیروں کو بادشاہ سے ناراض کرنے کے لیے ایک تدبیر سوچی اور بادشاہ کے پاس ایک مکتوب روانہ کیا کہ آپ نے جن منافق سرداروں کو میرے ساتھ روانہ کیا ہے ان کے ساتھ کام کرنا بہت دشوار ہے یا تو آپ خود یہاں آئیں یا مجھے اجازت دیں کہ قطب الدین کے مشورے سے جو مناسب سمجھوں ان امیروں کے ساتھ سلوک کروں۔ بہرام شاہ نے بڑی سادگی سے جواب دیا اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارے ساتھی سردار قتل کے مستحق ہیں لیکن اس وقت ان سے تعرض کرنا مناسب نہیں، تم ان کی خاطر داری کر کے اس مہم سے فراغت حاصل کر لو۔ امیروں نے جب یہ پیغام سنا تو وہ بادشاہ کے خلاف ہو گئے اور بہرام شاہ کو معزول کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ جب بادشاہ کو ان حالات کی خبر ہوئی تو اس نے حضرت شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین اوشی کو ان کے پاس اپنی صفائی کے لیے بھیجا لیکن حضرت قطب الدین بھی ان امیروں کو ان کے ارادے سے باز نہ رکھ سکے۔ حضرت قطب الدین دہلی واپس آ گئے ان امیروں نے بھی دہلی کا رخ کیا اور بہرام شاہ کا محاصرہ کر لیا تین مہینے تک ان کا سلسلۂ

جنگ جاری رہا، عام لوگ بھی امیروں کے ساتھ ہو گئے تو انہوں نے فتح حاصل کر لی اور 8 ذوالقعدہ 639ھ کو معز الدین بہرام شاہ کی گرفتاری عمل میں آئی۔ کچھ عرصہ کے بعد امیروں نے اسے قتل کر دیا۔(308)

علاؤالدین مسعود

ذوالقعدہ 639ھ میں علاؤالدین کی تخت نشینی کی رسم عمل میں آئی۔ ملک قطب الدین حسن کو نائب السلطنت مقرر کیا گیا، نظام الملک وزارت کے عہدے پر فائز ہوا اور ملک قراقش کو امیر حاجب بنایا گیا جب نظام الملک اپنی مرضی کے مطابق حکومت کے فرائض انجام دینے لگا تو دوسرے امیروں کو اس کی مطلق العنانی ایک آنکھ نہ بھائی ان سب نے مل کر نظام الملک کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ 2 جمادی الاول 640ھ کو چہار شنبہ کے دن نظام الملک کو قتل کر دیا گیا اور اس کی جگہ حیدر الملک نجم الدین ابوبکر وزیر الملک مقرر ہوا اور غیاث الدین بلبن کلاں امیر حاجب بنایا گیا۔(309)

سندھ کا حکمران

ناگور، سندھ اور اجمیر کے صوبوں کی حکمرانی بلبن کلاں کو سونپی گئی، ملک تاج الدین کو بدایوں کی صوبہ داری سونپی گئی، اسی طرح باقی علاقوں کو بھی امرا نے آپس میں تقسیم کر لیا، اس تقسیم کا بڑا خوشگوار نتیجہ نکلا، حکومت کا انتظام بہتر طریقے پر ہونے لگا اور رعایا امن اور اطمینان کی فضا میں سانس لینے لگی۔(310)

اوچ پر مغلوں کا پہلا حملہ

قندھار اور طالقان کی طرف سے مغلوں نے 643ھ میں سندھ کے نواح پر حملہ کیا اور اوچ کا محاصرہ کر لیا، علاؤالدین نے اپنے امیروں کو جمع کیا اور جلد از جلد اوچ کی راہ لی۔ جب یہ لشکر دریائے بیاہ (بیاس) کے کنارے پہنچا تو مغل اوچ کے قلعے کے محاصرے سے دستبردار ہو کر جنگل کی طرف بھاگ گئے۔ علاؤالدین کامیاب و کامران واپس دہلی آیا، دہلی

واپس آ کر علاؤالدین کے کردار میں بہت سی ناگوار تبدیلیاں پیدا ہوگئیں، بادہ خوری اور عیش کوشی نے علاؤالدین کو عدل وانصاف کے احساس سے محروم کر دیا۔ اسے ظلم وستم اور جائدادوں کی ضبطی کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہ رہا، ان حرکات کی بنا پر حکومت کا سارا انتظام درہم وبرہم ہوگیا اور سارے ملک میں فساد وفتنہ کا دروازہ کھل گیا۔ امراء نے جب یہ حالت دیکھی تو انہوں نے علاؤالدین کی مخالفت کی اور اس کی معزولی کا تہیہ کر لیا۔ ان امرا نے علاؤالدین کے چچا ناصرالدین محمود کے پاس ایک خفیہ قاصد بھیجا اور اس سے دہلی آنے کی درخواست کی۔ ناصرالدین کو جب علاؤالدین کے حالات کی خبر ہوئی اور اس نے امراء کو اپنی موافقت میں دیکھا تو فوراً بہرائچ سے روانہ ہوگیا اور دہلی جا پہنچا۔ 26 محرم 644ھ کو امراء نے علاؤالدین کو قید کر کے زندان میں ڈال دیا اور ناصرالدین کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا کچھ دنوں بعد علاؤالدین نے عالمِ اسیری میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اس بادشاہ کی مدتِ حکومت چار سال اور ایک مہینہ ہے۔ (311)

اوچ میں سید جلال الدین کی جلوہ گری

مولوی عزیز الرحمان نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ 643ھ میں مغل لشکر نے قندھار اور سیستان کے راستہ سے آ کر اوچ پر حملہ کیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت دہلی کے تخت پر سلطان رکن الدین متمکن تھا اس نے مغلوں سے اپنا ملک بچانے کے لیے خود اوچ کا قصد کیا۔ ابھی سلطانی لشکر اوچ نہ پہنچا تھا کہ مغلوں کا لشکر اوچ کا محاصرہ چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ اسی بادشاہ کے عہد میں حضرت سید جلال الدین بخاری 641ھ میں حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی خانقاہ سے خرقۂ فقر واجازت اور تربیتِ روحانی حاصل کر کے اوچ تشریف لائے اور یہیں اقامت فرمائی۔ (312)

اوچ کے صوبے دار کی بغاوت

649ھ میں ملک اعزالدین اوچ کے صوبہ دار نے بغاوت کی۔ اس وقت دہلی کا بادشاہ سلطان ناصرالدین محمود تھا۔ بغاوت کے انتظام کیلئے بادشاہ اس طرف آرہا تھا کہ

ناگور میں ملک اعز الدین نے پہنچ کر امان مانگی اور معافی حاصل کر کے پھر حکومتِ ملتان اور اوچ کی سند لے کر واپس آیا۔ پھر دوسری دفعہ بھی اس نے ایسا ہی کیا۔ اس دفعہ بادشاہ نے معافی دے کر ملک اعز الدین کو بدایوں کی طرف جاگیر عطا فرمائی اور اوچ شیر خاں حاکمِ غزنی کے ماتحت کر دیا۔ اس وقت غزنی بھی دہلی کی سلطنت کا صوبہ تھا۔ اسی شیر خان نے بھٹ نیر اور بٹھنڈا کے قلعے تعمیر کرائے۔ 651ھ میں سلطان رکن الدین ملتان اور اوچ کی جانب عازم ہوا اور اسی سفر میں اوچ ملتان اور بٹھنڈا شیر خان سے واپس لے کر ارسلان خان کے حوالے کیا مگر پھر شیر خان کو حکومتِ اوچ اور حکومتِ دیپال پور واپس مل گئی۔ (313)

سلطان ناصر الدین محمود

مؤرخین کا بیان ہے کہ حقیقت میں التمش کے بڑے لڑکے کا نام ناصر الدین تھا۔ اس بیٹے کا لکھنوتی میں انتقال ہوا اور اس حادثے کے بعد التمش کے گھر میں اس کا سب سے چھوٹا بیٹا پیدا ہوا۔ التمش نے اپنے مرحوم فرزندِ اکبر کی یاد کو تازہ رکھنے کیلئے اس نومولود بچے کا نام بھی ناصر الدین رکھا۔ التمش کی آرزو پوری ہوئی اور ایک ایسا وقت آیا کہ اس کے بڑے بیٹے کی جگہ یہ چھوٹا بیٹا اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ التمش نے ناصر الدین کی تربیت اور تعلیم کی طرف بڑی توجہ دی، علاؤ الدین مسعود کے عہدِ حکومت میں ناصر الدین بہرائچ کا حاکم مقرر ہوا۔ اس نے غیر مسلموں سے بڑی جنگیں کیں اور اپنے صوبے کو معمور اور آباد کیا۔ اس کے انصاف اور رعایا دوستی کی بڑی شہرت ہوئی اور کچھ ہی دنوں میں اس نے بہت ہر دلعزیزی حاصل کر لی۔ (314)

سلطان کی تخت نشینی

حکمرانی اور عدل و انصاف میں ناصر الدین کی قابلیت ہند و سندھ ہر امیر اور معزز شخص پر ظاہر ہوگئی۔ جب علاؤ الدین کی لاپراہی اور ظلم و ستم کی وجہ سے امرائے سلطنت تنگ آ گئے تو انہوں نے ناصر الدین کو بہرائچ سے بلا کر تختِ حکومت پر بٹھا دیا۔ یہ فرمانروا بہادری، عبادت و ریاضت اور سخاوت میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس نے اپنی ذاتی اخراجات

کیلئے کبھی شاہی خزانے سے کوئی رقم نہیں لی۔ (وہ اپنی ذاتی محنت سے اخراجات کیلئے رقم کمایا کرتا تھا) وہ ہر سال اپنے ہاتھ سے قرآنِ پاک کے دو نسخے لکھتا اور ان کے ہدیے سے جو کچھ حاصل ہوتا، وہ اسی میں گزر اوقات کرتا۔ ناصرالدین کو علماء اور صوفیاء سے بڑی عقیدت تھی، وہ ان ہستیوں کی بڑی عزت و تعظیم کرتا تھا۔ اہلِ فن کا وہ بہت قدر شناس تھا، اور ان کے مرتبے کے مطابق انہیں خلعت و انعام بخشتا۔ بہت سے شعرا نے اس کی تخت نشینی کے وقت مدحیہ قصائد نظم کئے اور (مناسب و معقول) انعام حاصل کئے۔ قاضی منہاج السراج جوزجانی مصنف "طبقات ناصری" نے بھی اس موقع پر ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے۔

آں خداوندے کہ حاتم وبذل ورستم کوش است
ناصر دنیا و دین محمود ابن التمش است

اوچ کا صوبے دار شیر خان

ناصرالدین کے عہدِ حکومت میں وزارت کا عہدہ التمش کے محبوب غلام اور داماد غیاث الدین بلبن کے سپرد کیا گیا۔ ناصرالدین نے بلبن کو خانِ اعظم الغ خان کا خطاب دیا۔ حکومت کے تمام امور بلبن کی رائے سے انجام دیتا۔ بلبن کے چچیرے بھائی شیر خان کو خانِ معظم کا خطاب دیا گیا اور اسے پنجاب (اوچ) اور ملتان کی صوبہ داری دی گئی، اس تقرر کا مقصد یہ تھا کہ شیر خان مغلوں کی ہنگامہ خیزیوں کی روک تھام کرے جو اس وقت کابل، قندہار، غزنی اور ہرات سے ہندوستان کو تباہ کرنے کیلئے اُمڈا چلا آرہا تھا۔ خانِ معظم شیر خان نے اپنے فرائض کو بڑی خوبی سے انجام دیا۔ بھٹ نیر اور بٹھنڈہ کے مضبوط و مستحکم قلعے تعمیر کر کے مغلوں کی روک تھام کی۔ (315)

اللہ کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے

مؤرخین کا بیان ہے کہ جب ناصرالدین نے بلبن کو اپنا وزیر مقرر کیا تو تنہائی میں جا کر اسے کہا: میں نے تمہیں اپنا نائب مقرر کیا ہے اور خدا کی مخلوق پر حکمران بنایا ہے۔ تم ایسا کوئی کام نہ کرنا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ اور شرمندہ ہونا پڑے۔ بلبن نے نیابت کے

کچھ ایسے سخت مضبوط اور مستحکم اصول وقوانین بنائے کہ اصل اقتدار اسی کے ہاتھ میں آ گیا امرا اور ارکانِ حکومت میں اتنی قدرت نہ رہی کہ وہ اس کے کاموں میں دخل دیتے۔ (316)

سندھ وملتان پر حملہ

ماہِ رجب 644ھ میں ناصرالدین نے بلبن کے مشورے سے ملتان پر حملہ کیا اور یکم ذوالقعدہ کو دریائے لاہور (راوی) کو پار کر کے آب سودرہ کے کنارے جا پہنچا۔ ناصرالدین خود تو یہاں ٹھہر گیا اور بلبن کو لشکر کا افسر بنا کر سندھ اور کوہِ جود کی طرف روانہ کیا۔ بلبن نے کوہ جود اور اس کے آس پاس کے علاقے خوب جی بھر کر تباہ وبرباد کئے اور انہیں لوٹا، نیز ان باغیوں اور کھکروں کو قتل کیا جنھوں نے پچھلے سال مغلوں کی راہنمائی کی تھی۔ ان مقتولوں کی بیویوں اور بچوں کو قید کر کے بلبن بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ فوج میں سامان رسد کی کمی کی وجہ سے ناصرالدین نے ملتان میں زیادہ دیر قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور واپس دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ (317)

ملتان کے جاگیردار

مؤرخین کا بیان ہے کہ وہ قدیم امراء جو قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے عہد سے ملتان اور لاہور کے جاگیردار تھے۔ صدقِ دل سے بادشاہ کے مطیع وفرمانبردار نہ تھے اور مغل لٹیروں کا مقابلہ پوری طاقت سے نہ کر کے خود اپنے آقا کے ساتھ بے وفائی سے کام لیتے تھے۔ ناصرالدین نے بلبن کے مشورے سے ان تمام امراء کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ ان کے بیٹوں کا تقرر کر کے ان معزول امراء کو اپنے ساتھ دہلی لے آیا۔ اس اقدام کی وجہ سے پنجاب کی سیاسی اور مالی حالت میں استحکام پیدا ہو گیا اور ناصرالدین کی حکومت کچھ عرصہ کیلئے مستحکم ہوگئی۔ (318)

اوچ کا صوبے دار بلبن

ناصرالدین نے 647ھ میں بلبن کی بیٹی سے شادی کی اور اس سے اگلے سال 648 میں ملتان پر حملہ کیا۔ ملتان اور لاہور کا حاکم شیر خان دریائے بیاس کے کنارے ناصرالدین

کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ 6 ربیع الاول 648ھ میں ملتان پہنچا کچھ دنوں بعد ناصر الدین نے ملک اعز الدین بلبن کلاں صوبیدار ناگور اور اوچ کو اس طرف روانہ کیا اور خود واپس آ گیا۔ 649ھ میں ملک اعز الدین نے بادشاہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کو بالائے طاق رکھا اور علمِ سرکشی کو بلند کیا اور خود واپس آ گیا۔ 649ھ میں (بادشاہ) ملک اعز الدین کی سرزنش کیلئے ناگور روانہ ہوا۔ اعز الدین بادشاہ کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور امن کا طالب ہوا۔ اعز الدین نے ناصر الدین سے اپنی بداعمالی کی معافی مانگی باشاہ نے اسے معاف کر دیا اور اس کی حکومت بحال کر کے واپس دہلی کامیاب و کامران آیا۔ (319)

اوچ شیر خان کے سپرد

ناصر الدین نے 5 شعبان 649ھ کو ایک لشکر کے ساتھ قلعہ ٹرور پر حملہ کیا۔ جاہر دیو نے اس زمانے میں پہاڑ پر ایک قلعہ تعمیر کر رکھا تھا وہ پانچ ہزار سواروں اور ایک لاکھ پیادوں کی فوج لے کر ناصر الدین کے مقابلہ پر آیا۔ فریقین میں ایک زبردست جنگ ہوئی تو وہ میدانِ جنگ سے فرار ہو گیا۔ ناصر الدین نے قلعے کا محاصرہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ یہاں سے بادشاہ نے چندیری اور مالوہ کے علاقے کا رخ کیا اور وہاں نامی گرامی امیروں کو مقرر کر کے واپس آیا۔ اس معرکے میں خانِ اعظم نے مردانگی اور بہادری کے بڑے جوہر دکھائے اس واقعے کے بعد خانِ اعظم کے چچیرے بھائی شیر خاں نے جو اپنی سخاوت، بہادری اور عقلمندی کیلئے بہت مشہور تھا۔ غزنی کو مغلوں کے قبضے سے نکال لیا اور وہاں بھی ناصر الدین کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا۔ اس کے بعد شیر خان نے بادشاہ کے حسب الحکم ملتان اور اوچ پر لشکر کشی کی۔ ملک اعز الدین بلبن میں بغاوت اور سرکشی کے آثار پائے جاتے تھے لیکن وہ شیر خان کے رعب و دبدبہ سے خائف ہو گیا اور مجبوراً ناگور سے اوچ آیا اور بغیر کسی حیل و حجت اور مزاحمت کے اس نے قلعہ شیر خان کے سپرد کر دیا اور خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ناصر الدین نے اسے بدایوں کا حاکم مقرر کر دیا۔ (320)

ناصر الدین کی اوچ روانگی

22 شوال 650ھ کو ناصر الدین لاہور کے راستے سے ملتان اور اوچ کی طرف روانہ ہوا جب وہ دریائے بیاس کے کنارے پہنچا تو سہون سے سن قر قتلغ خان اور بدایوں سے ملک اعز الدین بلبن بزرگ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ بادشاہ کے ساتھ آملے۔ 651ھ کی ابتدا میں عماد الدین ریحانی نے خانِ اعظم کی غیر موجودگی میں بعض درباری امراء سے سازش کر کے خانِ اعظم کو موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کیا۔ جب ریحانی اپنے اس ارادے میں کامیاب نہ ہوسکا تو پھر اس نے خانِ اعظم کی غیر موجودگی کا یہ فائدہ اٹھایا کہ بادشاہ کو اس کے خلاف باتیں کرنا شروع کر دیں۔ اس نے ناصر الدین کے کان خوب بھرے اور اسے خانِ اعظم کے خلاف اکسایا اور یہ باور کروایا کہ خانِ اعظم کا اپنی جاگیر ہانسی میں قیام کرنا ہر لحاظ سے موزوں ومناسب ہے۔ ناصر الدین (عماد ریحانی کے داؤ میں آگیا اور اس) نے خان اعظم کو دہلی کی حکومت چھوڑ کر ہانسی میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ (خانِ اعظم کو مجبوراً شاہی حکم کی تعمیل کرنا پڑی اور وہ ہانسی چلا گیا) اس کے جاتے ہی عماد الدین خوب کھیل کھیلا اس نے مختلف امراء اور منصب داروں کو دق کرنا شروع کر دیا اور ان کے عہدوں میں بھی تبدیلیاں کیں۔

عماد الدین ریحانی نے ایبک کشلی خان کو کڑا مانک پور کا صوبے دار مقرر کر کے وہاں بھجوا دیا، اور عین الملک جنیدی کو جو کچھ عرصے سے دہلی میں قیام پذیر تھا وزیر الملک مقرر کیا۔ امیر اعز الدین کشلو خان کو امیر حاجب کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ (321)

اوچ ارسلان خان کے حوالے

عماد الدین ریحانی نے دہلی پہنچ کر بادشاہ کی پریشانیوں میں اضافہ کر دیا۔ شوال کی ابتدا میں ناصر الدین نے دہلی سے دریائے بیاس کے کنارے کے علاقوں کا سفر کیا (اس زمانے میں) چونکہ شیر خان سندھی باغیوں سے شکست کھا چکا تھا اس لیے بادشاہ نے عماد

الدین کی باتوں میں آکر اس کی طرف فوج کو روانہ کیا اور بٹھنڈہ، اوچ اور ملتان کے علاقوں کو شیر خان کے قبضہ سے نکال کر ارسلان خان کے حوالے کیا۔ اس زمانے میں ”ملک اعزالدین“ کیتھل اور کہرام کے باغی اور مجنون زمینداروں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ اعزالدین کا انتقام لینے کیلئے ناصرالدین نے کہرام پر حملہ کر دیا اور اس کے قاتلوں کو سخت سزائیں دے کر بدایوں کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ روز وہاں قیام کرنے کے بعد ناصرالدین واپس آ گیا۔(322)

عمادالدین ریحانی کی برطرفی

ناصرالدین کے دہلی پہنچنے پر ہندوستان کے مشہور علاقوں بدایوں، لاہور کڑہ، سوالک، سرہند، سنام اور ناگور وغیرہ کے حاکموں نے باہمی اتفاق سے خانِ اعظم کو یہ لکھا کہ عماد الدین ریحانی کے حد سے بڑھے ہوئے ظلم و ستم کی وجہ سے حکومت کے کاموں کا سارا انظام بگڑ کر رہ گیا ہے۔ ان حالات میں یہی مناسب ہے کہ آپ دہلی آئیں اور پہلے کی طرح حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ خان اعظم نے امراء کی یہ درخواست قبول کر لی اور ہانسی سے دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ خانِ اعظم ہانسی سے نکلا اور ادھر یہ تمام امراء اس سے ملاقات کرنے کیلئے اپنی اپنی جاگیروں سے نکل کر کڑھ کے نواح میں جمع ہوئے۔ عمادالدین کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے ناصرالدین کو باخبر کیا اور اس کے ساتھ ان امیروں سے جنگ کرنے کیلئے روانہ ہوا۔ جب ناصرالدین ہانسی کے قریب پہنچا تو خانِ اعظم اور دوسرے امراء نے یہ پیغام بھجوایا: ہم تمام امراء آپ کے خادم اور غلام ہیں، اگر آپ کے ساتھ عماد الدین نہ ہو تو ہم سب بارگاہِ سلطانی میں قدم بوسی کیلئے حاضر ہوں گے“ ناصرالدین نے اسی وقت عمادالدین ریحانی کو وکالت کے عہدے سے معزول کر کے بدایوں کی صوبہ داری کیلئے روانہ کر دیا اس کے بعد تمام امراء ناصرالدین کے خدمت میں حاضر ہوئے اور شاہانہ نوازشات سے بہرہ اندوز ہوئے۔(323)

اوچ دوبارہ شیر خان کے سپرد

ملک جلال الدین خانی جو بادشاہ کے مصاحبوں میں سے تھا اسے لاہور کا امیر مقرر کیا گیا اور شیر خان کو حسب سابق (اوچ) دیبال پور، ملتان، بٹھنڈہ اور اس کے نواح کی امارت عطا کی گئی۔ ناصر الدین کامیاب و کامران دہلی واپس آیا (خان اعظم بھی اس کے ساتھ آیا) خانِ اعظم کے دہلی آجانے کی وجہ سے دہلی کے باشندے بہت خوش ہوئے۔(324)

مغلوں کا اوچ پر دوسرا حملہ

655ھ کے آخر میں مغلوں کے ایک لشکر نے اوچ اور ملتان کے علاقوں پر حملہ کیا۔ ناصر الدین نے اس حملے کا سدباب کرنے کیلئے سراپردہ سرخ کو باہر لانے کا حکم دیا چار ماہ بعد جب لشکر جمع ہو گیا تو بادشاہ منزل بہ منزل سفر کرتا ہوا ملتان پہنچا (اس کے پہنچنے سے پہلے) مغلوں کی فوج بغیر جنگ کئے واپس چلی گئی لہٰذا ناصر الدین بھی دہلی واپس آ گیا۔ ناصر الدین نے شیر خان کو پنجاب کا حاکم بنا دیا اور لکھنوتی کی حکومت ملک جلال الدین خانی کے سپرد کر دی۔ 656ھ میں بادشاہ نے کڑہ مان پور کا سفر کیا۔ ارسلان خاں اور قلیچ خاں نے اس علاقے میں سرکشی کر رکھی تھی اور باوجود طلبی کے ناصر الدین کے سفرِ ملتان میں شریک نہ ہوئے تھے، اس بار وہ (اپنی ناشائستہ حرکات سے باز آ گئے) اور باقاعدہ حلف اٹھا کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ارسلان خاں کو لکھنوتی اور قلیچ خاں کو، کوہ پایہ کی حکومت دی گئی۔ 657ھ میں خانِ اعظم کے بھائی کشلی خان کو بیانہ، کول جالیسر اور گوالیار کی حکومت دی گئی۔ اسی سال بادشاہ کی لیے لکھنوتی سے دو زنجیر ہاتھی اور بے شمار جواہرات اور کپڑے آئے۔ ملک اعز الدین کشلی خان نے اسی سال داعیِ اجل کو لبیک کہا۔(325)

ہلاکو خان کے سفیر کی آمد

ماہِ ربیع الاول 657ھ میں ہلاکو خان کا ایک قاصد دہلی آیا۔ خانِ اعظم اسے حکومت کی قوت اور طاقت سے باخبر کرنے کیلئے پچاس ہزار مسلح عربی، ایرانی، ترکی، خلجی اور افغانی

سواروں، دو لاکھ پیادوں، لڑائی کے سامان سے لدے ہوئے دو ہزار ہاتھیوں اور تین ہزار آتش بازی کے عرادوں کو ساتھ لے کر شہر سے باہر پہنچ کر اس کا استقبال کیا۔ طبل و دہل کی آواز، صدائے نفیر، ہاتھیوں کی چنگھاڑ، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور لشکر کی کڑک و دمک سے سارا میدان گونج اٹھا۔ فوج کو مناسب طور پر ترتیب دینے کے بعد خانِ اعظم کچھ آگے بڑھا اور ہلاکو خان کے قاصد کو اپنے ساتھ لے کر صفوں، گھوڑوں، ہاتھیوں اور بہادرانِ لشکر کا نظارہ کرتا ہوا ناصر الدین کے سامنے قصرِ سفید میں لایا۔ اس دن بادشاہ کا محل سونے اور چاندی کے سامان سے سجایا گیا تھا۔ معززین امرائے سلطنت، سادات و مشائخ اور وہ پچیس شہزادے جو چنگیز خان کی ہنگامہ خیزیوں کی وجہ سے اپنے وطنوں سے فرار ہو کر ہندوستان میں پناہ گزین ہوئے تھے اور ہندی رائے اور رائے زادے بڑے ادب کیساتھ دست بستہ شاہی تخت کے سامنے کھڑے تھے۔ (326)

اوچ پر مغلوں کا تیسرا حملہ

مولوی عزیز الرحمٰن مغلوں کے تیسرے حملے کے بارے میں لکھتے ہیں: 653ھ میں مغلوں نے ملتان اور اوچ پر پر تیسرا حملہ کیا۔ مگر بادشاہ کی مدافعت کی خبر سن کر مغل واپس چلے گئے۔ 656ھ میں سلطان ناصر الدین محمود دہلی کے دربار میں ہلاکو خان کا ایلچی پہنچا اور ایک بڑے عالی شان دربار میں اس کا استقبال ہوا۔ قاضی منہاج السراج اوچی نے اس دربار میں ایک قصیدہ بھی پڑھا تھا جس کے بعض اشعار حسب ذیل ہیں۔

قَدْ صَادَفَ الرِّضْوَانُ اَیَّامَ الْوَرٰی

مِنْ رُوْحِ هٰذَا الْبَزْمِ لِلسُّلْطَانِ

لَا زَالَ یَبْقٰی فِیْ جَلَالَةِ مُلْکِهٖ

وَمَزِیْدُ اَمْکَانِ وَرِفْعَةُ شَانِ

فارسی

زہے جشنے کزو اطراف چو خلد بریں گشتہ
خہے بزمے کزو اکناف عدل راستیں گشتہ
ز ترتیب نہاد و رسم و آئین و نشاط او
تو گوئی عرصہ دہلی بہشت ہشت مین گشتہ
ز فر ناصر الدین شاہ محمود بن التمش
ملک نزدش دعا خواندہ فلک پیش زمین گشتہ
شہنشاہے کہ در عالم بفیض فضل ربانی
سزائے چتر شاہی لائق تخت و نگیں گشتہ
چو خاقانان کیں آور چو سلطاناں دیں پرور
بدل ماحی کفر است و بجاں حامئ دیں گشتہ
مبارک باد بر اسلام این بزم شہہ عالم
کزیں ترتیب ہند بسے خوش تر ز چنیں گشتہ (327)

اوچ کا صوبہ دار قآن الملک

شیر خان کی وفات پر سلطان غیاث الدین بلبن نے اوچ و ملتان کی صوبہ داری اپنے بیٹے سلطان محمد کو عطا کر دی اور اسے قآن الملک کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اسی شہزادے کے ندیموں میں حضرت امیر خسرو دہلوی اور خواجہ حسن شاعر تھے۔ اسی شہزادے نے علماء اور شعراء کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ یہاں تک کہ شیخ سعدی شیرازی کو بھی بارہا طلب کیا (آپ نے ہندوستان آنے کا ذکر اپنی کتاب بوستان کے آٹھویں باب میں کیا ہے) انہی ایام میں ہلاکو خان نے خلافتِ عباسیہ کو زیر وزبر کیا۔ عباسی شہزادے اسی وقت ہندوستان کی طرف آئے۔ غیاث الدین نے شہزادوں کا پر جوش استقبال کیا اور وسیع النظری سے مدارت (تواضع)

کی۔اسی کے وقت میں تیمور خان چنگیزی نے پنجاب پر حملہ کیا لاہور اور دیپال پور کو لوٹتا ہوا ملتان کی طرف روانہ ہوا۔شہزادہ محمد بن بلبن نے اوچ سے روانہ ہو کر دریا کے کنارے پر فوج جمع کر دی جنگ ہوئی تو تیمور خان نے شکست کھائی۔شہزادہ کی فوجیں مخالفوں کا تعاقب کر رہی تھیں شہزادہ ایک تالاب کے کنارے پر نماز کی تیاری کر رہا تھا کہ ایک مغل سردار نے حملہ کر کے شہزادے کو شہید کر دیا۔امیر خسرو اور ان کے رفقاء گرفتار ہو کر مغلوں کے قیدی ہوئے کچھ عرصہ بعد رہائی پا کر دہلی پہنچے۔(328)

اوچ کا حاکم کیئ خسرو

شہزادہ سلطان محمد شہید کے انتقال کے بعد بادشاہ نے اس کے بیٹے کیئ خسرو کو وہی خطاب والقاب عطا فرما کر اوچ وملتان کا صوبہ دار بنایا۔کچھ عرصہ کے بعد سلطان بلبن کا انتقال ہوا۔اگرچہ سلطان کی وصیت یہ تھی کہ کیخسرو کو ولی عہد بنا کر تخت نشین کیا جائے مگر وزیر اعظم ملک فخر الدین کوتوال نے سلطان بلبن کے دوسرے پوتے کیقباد بن بغرا خاں کو تخت نشینِ دہلی کر دیا۔کیخسرو سخت رنجیدہ ہوا اور تختِ دہلی حاصل کرنے کیلئے مغلوں کی طرف رخ کیا مگر کامیابی نہ ہوئی آخر دہلی جاتا ہوا کیخسرو شاہی فوج کے ہاتھوں، رہتک کے مقام پر شہید ہوا۔(329)

یوم امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

24اکتوبر 1975 کو صدر پاکستان فضل الٰہی چوہدری نے راولپنڈی میں حضرت امیر خسرو کی سات سو سالہ تقریبات پر بین الاقوامی کانفرنس (عرس) کا افتتاح کیا اور کہا کہ مسلم تہذیب وثقافت کی تاریخ میں حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ ایجاد، دریافت، تحقیق، امتزاج اور قوتِ متحرکہ کے جذبہ کی علامت ہیں۔(330)

گنگوہی صاحب سے امیر خسرو کے ایک شعر کے بارے میں سوال ہوا تھا۔وہ ملاحظہ ہو

سوال:۔امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول

خلق مے گویند کہ خسرو بت پرستی میکند
آرے آرے میکند با خلق عالم کار نیست

شعر مذکور کا مطلب کیا ہے کیونکہ اولیا اللہ سے اور بت پرستی سے کیا علاقہ غالباً کوئی اصطلاح ہوگی اگر چہ حسبِ ظاہر تو خلاف معلوم ہوتا ہے؟

جواب:۔ حسب اصطلاحات شعر کا مطلب صحیح ہے بت پرستی سے مراد ان کی، تابعداری محبوب کی ہوتی ہے تو محبوب ان کے سیدی شیخ نظام الدین قدس سرہ تھے۔ ان کی اطاعت حق تعالیٰ کی اطاعت تھی۔(331)

قرآن مجید کی کتابت

نظام الدین احمد نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ سلطان ناصر الدین ہر سال اپنے ہاتھ سے قرآن شریف کے دو نسخے کتابت کرتا تھا۔ ان کا جو ہدیہ ملتا تھا اس سے وہ اپنے کھانے پینے کا سامان لیتا تھا، ایک بار ایک امیر نے بادشاہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن شریف کو معمول سے زیادہ ہدیہ پر لیا، بادشاہ کو یہ بات پسند نہ آئی اور اس نے حکم دیا کہ آئندہ سے اس کے لکھے ہوئے قرآن مجید خفیہ طور پر اور رائج الوقت قیمت پر ہدیہ کئے جائیں۔ ناصر الدین کے گھر میں اس کی بیوی کے علاوہ، کوئی خادمہ یا کنیز وغیرہ نہ تھی جو گھر کا کام کاج کرتی۔ ملکہ خود اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتی اور گھر کے دوسرے کام انجام دیتی۔ ایک روز ملکہ نے ناصر الدین سے کہا: روٹی پکاتے پکاتے میرے ہاتھوں میں سوزش ہوگئی ہے اگر اس کام کے لیے کوئی لونڈی خرید لائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں؟ ناصر الدین نے ملکہ کو جواب دیا ''سرکاری خزانے پر صرف رعایا کا حق ہے مجھے اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ میں اپنے ذاتی آرام و اسائش کیلئے کچھ روپیہ لے کر ایک لونڈی اپنے لیے خریدوں۔ تمہیں دنیاوی تکلیفوں پر صبر کرنا چاہیے خدا تمہیں اس کا بدلہ آخرت میں دے گا۔(332)

ناصر الدین کا اخلاق

ایک روز ایک فقیر بادشاہ کے پاس آیا اس وقت بادشاہ قرآن شریف کی تلاوت کر رہا

تھا۔ فقیر کی نظر قرآن شریف کے ایسے حروف پر پڑی جہاں ''فِيهِ، فِيهِ'' دو بار لکھا ہوا تھا (یہ آیت اس طرح ہے!

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

فقیر نے بادشاہ سے کہا ایک ''فِيهِ'' زیادہ لکھا ہوا ہے بادشاہ نے قلم دوات لے کر ایک ''فِيهِ'' کے گرد دائرہ بنا دیا فقیر کی حاجت روائی کر کے رخصت کر دیا پھر ناصر الدین نے قلم تراش لے کر ''فِيهِ'' کا حلقہ مٹا دیا ایک غلام نے یہ منظر دیکھا تو ناصر الدین سے پوچھا پہلے حلقہ بنانے اور پھر اسے مٹانے کی کیا مصلحت ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا: فقیر میرے پاس ضرورت کیلئے آیا تھا اگر اس کے اعتراض کی تردید کرتا تو وہ نادم ہو کر چلا جاتا اور اپنی ضرورت پیش نہ کر سکتا، اس کی موجودگی میں میں نے حلقہ کھینچ دیا جب وہ چلا گیا تو میں نے حلقہ مٹا دیا دنیا میں دل کا غبار دور کرنا مشکل ہے لیکن کاغذ کا نقش مٹانا آسان ہے۔ (333)

طہارت نفس

ناصر الدین کے ایک وزیر کا نام محمد تھا بادشاہ اسے ہمیشہ نام سے پکارتا تھا ایک دن اس نے اسے تاج الدین کہہ کر آواز دی، وزیر نے اس وقت بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی پھر گھر چلا آیا۔ تین روز تک بادشاہ کے پاس نہ گیا، بادشاہ نے اسے بلوایا اور غیر حاضری کا سبب پوچھا۔ وزیر نے کہا آپ ہمیشہ مجھے محمد کے نام سے پکارتے تھے لیکن اس دن آپ نے خلافِ معمول تاج الدین کہہ کر پکارا میں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ شاید آپ کے دل میں میری طرف سے کوئی بدگمانی پیدا ہو گئی ہے، اس لیے تین دن تک آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا اور سارا وقت پریشانی میں بسر کیا۔ بادشاہ نے قسم کھا کر کہا: میں تم سے بدگمان نہیں، جب تجھے تاج الدین کے نام سے پکارا تھا اس وقت مجھے وضو نہ تھا مجھے مناسب نہ معلوم ہوا کہ بغیر وضو ''محمد'' کا مقدس نام اپنی زبان پر لاؤں۔ 663ھ میں ناصر الدین

بیمار ہوا اور ۱۱ جمادی الاولیٰ 664ھ کو اس نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی اس کی مدت حکومت (22) سال سے کچھ زیادہ ہے۔(334)

اوچ کا دورہ

سلطان ناصر الدین محمود نے 651ھ میں ملتان اور اوچ کا دورہ کیا۔ اس دورہ کے دوران بادشاہ نے اوچشریف اور ملتان ارسلان خان کے حوالے کر دیا، سید نور الدین غزنوی جو حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلیفہ تھے اس وقت شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز تھے، سید نور الدین کا وصال 647ھ میں ہوا آپ بڑے مستجاب الدعوات بزرگ تھے، ان کا مزار مطلعِ انوار دہلی میں مرجعِ خلائق ہے۔(335)

اوچ شیر شاہ کے سپرد

قطب الاولیا حضرت شیر شاہ سید جلال الدین سرخ پوش رحمۃ اللہ علیہ 595 ھ میں سرزمینِ بخارا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والدِ ماجد کی زیرِ نگرانی بخارا میں حاصل کی۔ آپ مادرزاد ولی اللہ تھے، شکمِ مادر میں قرآنِ مجید حفظ کر لیا تھا۔ آپ صاحبِ کرامت تھے۔ بخارا سے ملتان شریف تشریف لائے، غوث العالمین حضرت بہاؤ الحق زکریا کی خدمت میں چند دن رہ کر دستارِ ولایت حاصل فرمائی، غوث پاک نے آپ کو اوچشریف کا علاقہ سپرد فرمایا۔ آپ نے 641ھ میں سرزمینِ اوچشریف کو رونق بخشی، آپ بہت بڑے عالم، عارف باللہ، فقیہ، عابد، زاہد اور پارسا تھے۔ آپ نے اوچشریف میں خلقِ خدا کو ہدایت دینے کیلئے دینی مدرسہ بنایا، لڑکے اور لڑکیاں علیحدہ علیحدہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔ علما فرماتے ہیں کہ پانچ سو لڑکیاں بخاری شریف پڑھتی تھیں۔ رات کو جب آپ کمرے میں اللہ کا ذکر کرتے تھے تو ایک لکڑی کا پیالہ بھی آپ کے ساتھ مل کر ذکر کرتا تھا۔(336)

حضرت چنڑ پیر

حضرت چنڑ پیر کے والدین ہندو تھے آپ جب ان کے علاقے میں تبلیغِ اسلام کیلئے تشریف لے گئے تو چنڑ پیر کے والد جو اپنے علاقے کے راجہ تھے انہوں نے آپ کی طرف

توجہ نہ کی، آپ نے فرمایا راجے کی بیوی حاملہ ہے جو بچہ جنے گی وہ ولی اللہ ہوگا۔ راجے کو آپ کی پیش گوئی کا علم ہوا تو اس نے بغض کی وجہ سے اپنے بچے کو پیدا ہونے کے بعد ڈیراور کے قریب ریت کے ٹیلے پر ڈلوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بچے کی حفاظت کی اور اس کی تربیت کا انتظام فرمایا، بڑا ہو کر وہ بچہ چتڑ پیر کے نام سے مشہور ہوا۔ حضرت سید جلال الدین نے بے شمار لوگوں کو ہدایت کے راستے پر گامزن کیا۔ آپ کی روحانی طاقت و ایمانی قوت اور بلندئ کردار سے راجپوتوں، کافروں اور ہندوؤں کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسلام بادشاہوں کی تلوار سے نہیں پھیلا بلکہ اللہ والوں کی گفتار اور ان کے کردار سے پھیلا ہے تو بجا ہے۔ اسلامی تلوار جب بھی میان سے باہر آئی تو محض دفاع کیلئے مگر اللہ والا جب باہر نکلا تو صرف فلاح کیلئے۔ حضرت شیر شاہ سید جلال الدین اپنے وقت کے قطب الاقطاب تھے، سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے چشم و چراغ تھے اور حنفی المذہب تھے۔ آپ کا وصال 690ھ میں ہوا۔ مزارِ پر انوار محلہ بخاری اوچشریف کے مغرب جنوب میں واقع ہے۔ خلقِ خدا آپ کے مزار پر حاضری دے کر فیض و برکت حاصل کرتی ہے۔

نادار کی دستگیری و مدد

سید محمد غوث شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بندۂ ناچیز کو بتایا کہ غربت کا زمانہ تھا، جب انہیں خورد نوش کیلئے پیسوں کی ضرورت ہوتی تو وہ آپ کے مزار پر حاضری دیتے، سورۂ فاتحہ سات بار "سورۃ الانشراح" سات بار، درود شریف سات بار پڑھ کر ثواب آپ کی نذر کرتے اور مراقبے میں چلے جاتے، آپ غوث شاہ صاحب کو دیدار کراتے اور فرماتے، فلاں جگہ پر پیسے رکھے ہیں جا کر اٹھا لو! شاہ صاحب فرماتے تھے جب میں اس جگہ پر جاتا تو مجھے پیسے مل جاتے تھے۔

پل بھر میں اوچ سے مدینہ منورہ

حضرت سید جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ایک شاگردہ کا واقعہ خورشیدِ ملت مولانا خورشید احمد فیضی اور مجاہدِ ملت مولانا خدا بخش اظہر رحمۃ اللہ علیہما بیان فرماتے تھے: شاگردہ نے حضرت

کی زوجہ سے کہا: مجھے ایسا وظیفہ بتاؤ کہ مجھے خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زیارت ہو جائے۔ بی بی نے وظیفہ بتادیا، بچی نے عمل کیا، اسے خاتونِ جنت کی زیارت نصیب ہوگئی۔ سیدہ نے بچی سے کہا: کوئی چیز مانگ لو! بچی نے کہا: مجھے تہجد کی نماز مسجدِ نبوی میں نصیب ہوتی رہے۔ سیدہ نے اسے اس دولت سے نواز دیا، چنانچہ وہ بچی تہجد کی نماز مسجد نبوی میں ادا کرتی اور صبح کی نماز اوچ شریف اپنے گھر میں پڑھتی تھی۔ ایک بار بچی کو مسجد نبوی سے تازہ کھجوریں تحفہ میں ملیں وہ کھجوریں ساتھ لے آئی جب بی بی کی خدمت میں حاضر ہوئی وہ کھجوریں بی بی کو تحفہ میں دے دیں اتفاقاً اسی روز غوث العالمین شیخ الاسلام حضرت شیخ بہاؤالحق ملتانی اوچشریف تشریف لائے۔ قطب الاقطاب حضرت سید جلال الدین تبلیغی دورہ پر تھے، جب بی بی صاحبہ کو غوث پاک کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے وہ کھجوریں آپ کے پاس بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا: یہ کھجوریں کہاں سے آئیں ہیں؟ بی بی نے فرمایا: مجھے میری شاگردہ نے تحفہ میں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: شاگردہ کو بلاؤ! جب شاگردہ غوث العالمین کے پاس آئی، آپ نے پوچھا: کھجوریں کہاں سے لائی ہو؟ تو وہ رونے لگی، آپ نے فرمایا: جب تک بتاؤ گی نہیں ہم کھجوریں نہیں کھائیں گے۔ اس نے سارا واقعہ سنایا پھر آپ نے کھجوریں تناول فرمائیں۔

ڈھولکی کی آواز

غوث پاک جب ملتان شریف پہنچے تو آپ نے ڈھولکی کی آواز سنی، آپ نے شاہ رکنِ عالم کو فرمایا: ہمارے شہر میں ڈھولکی بجانے والے کو روکو! جب تک میں نہ آجاؤں اسے نہ چھوڑو! آپ نے جا کر دیکھا تو کراڑ (ہندو) ایک کراڑی (ہندو عورت) کی میت کو جلانے کیلئے لے جارہے تھے اور ڈھولکی کی تھاپ پر یہ بھجن پڑھ رہے تھے۔

کر گھن وڑنج وپار تے دنیا تے دل نہیں آنوڑاں

غوث پاک پہنچے۔ دیکھا تو وہ کراڑ تھے، پوچھا: کون مرگیا ہے؟ انہوں نے بتایا: وہ کراڑی مرگئی ہے جو آپ کے گھر جھاڑو دیا کرتی تھی۔ آپ نے فرمایا: وہ تو مسلمان تھی، تم

اسے جلانے جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا: وہ ہمارے دھرم پر تھی۔ غوث پاک نے فرمایا: اس سے پوچھ لو وہ تمہارے دھرم پر تھی یا مسلمان تھی؟ کراڑوں نے کہا: کیا مردے بھی بولتے ہیں؟ غوث پاک نے فرمایا: تمہارے مردے نہیں بولتے، ہمارے بولتے ہیں۔ انہوں نے کہا: آپ اس سے پوچھ لیں وہ مسلمان ہے یا کراڑی ہے؟ آپ نے کراڑی کی میت پر جا کر فرمایا: تو نے مرنا تھا تو مجھے پہلے بتا دیتی تاکہ میں صفائی کیلئے کسی اور کو مقرر کر دیتا، میرے آنے سے پہلے مر گئی ہے؟ آپ کی آواز سن کر کراڑی اُٹھ بیٹھی، کلمہ پڑھ کر کہنے لگی: حضور! آپ نے جلدی کی ہے جب یہ مجھے جلاتے تو انہیں پتا چلتا کہ میں کون ہوں۔ کراڑوں نے یہ کرامت دیکھ کر کلمہ پڑھ لیا تو وہ اپنی پہلی حالت میں چلی گئی اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے بعد آپ نے دعا مانگی اور اسے دفن کرا دیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سَمِعْتُ مِنْ مَوْلَانَا خُدَا بخش اظہر علیہ الرحمۃ

بارھواں باب

غیاث الدین بلبن

غیاث الدین کا تعلق ترکوں کے قبیلہ سے تھا، اس کا باپ دس ہزار گھرانوں کا سردار تھا، مغل جب فتح و کامرانی کی دھومیں مچاتے ہوئے ترکستان پہنچے تو ایک مغل نے بلبن کو گرفتار کرلیا اور ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ دیا۔ سوداگر اسے بغداد لے آیا اور مشہور و معروف بزرگ خواجہ جمال الدین بصری کے پاس فروخت کر دیا، خواجہ صاحب کو جب معلوم ہوا کہ بلبن کا تعلق اس خاندان سے ہے جس سے ہندوستان کے نامی گرامی بادشاہ التمش کا تھا تو وہ بلبن کیساتھ ہندوستان آیا۔ دہلی میں خواجہ صاحب نے التمش کی خدمت میں کچھ ترکی غلام پیش کئے، بلبن بھی ان غلاموں میں شامل تھا۔ التمش نے تمام غلاموں کو بھاری قیمت میں خرید لیا، خواجہ جمال الدین کو شاہی انعامات سے سرفراز کیا، التمش نے بلبن کے چہرے سے بلندئ اقبال کا اندازہ لگایا اور اسے اپنا باز دار خاصہ مقرر کیا۔ بلبن کی قسمت کا ستارہ چمکا، اس نے التمش کے دل میں گھر بنالیا، التمش نے بلبن کو ہندوستانی ترکوں کا امیرِ اعلیٰ بنا کر پنجاب کے مشہور باغیوں اور سرکشوں کا بھی امیر بنا دیا۔ رضیہ سلطانہ کے زمانے میں جب ترکوں نے دہلی کے آس پاس کے علاقوں میں مناقشات کیں اور مختلف گروہوں میں تقسیم ہوئے تو شاہی فوج نے ان سب کو قید میں ڈال دیا۔ بلبن بھی ان میں شامل تھا کچھ عرصے کے بعد بلبن نے قید سے چھٹکارا حاصل کیا اور میر شکار کے عہدے پر فائز ہوا۔ معز الدین بہرام شاہ کے عہد حکومت میں بلبن نے بڑی ترقی کی اور امیر آخور کے منصب پر پہنچا۔ بلبن نے اپنی قید کی زندگی میں یہ سبق سیکھا کہ دوسروں کی تکلیف کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے، میر شکاری کے عہدے پر رہنے سے اس نے یہ محسوس کیا کہ دنیا اس کے دامِ سیاست میں شکار ہوگی۔ امیر آخوری کا منصب ظاہر کر رہا تھا کہ ایک دن یہ شاہ سوار حکمرانی کے میدان میں

اپنی تیز رفتاری اور عقلمندی کے جوہر دکھائے گا۔ ناصر الدین محمود کا مبارک دور جب ختم ہوا تو بلبن بغیر روک ٹوک کے بادشاہ بن گیا۔ اس کی تخت نشینی کی رسم قصرِ سفید میں تختِ شاہی پر عمل میں آئی۔ بلبن ایک باشعور، سمجھدار، ہوشیار اور صاحبِ وقار حکمران تھا۔ اس کے ہر حکم میں عقلمندی اور سنجیدگی کے آثار پائے جاتے تھے۔ وہ سلطنت کے اہم امور قابل اور موزون افراد کے سپرد کرتا تھا۔ اسے جب تک لوگوں کی قابلیت، ایمان داری، پرہیز گاری اور پختہ کاری کا تجربہ و اندازہ نہ ہو جاتا تھا وہ اس وقت تک کوئی اہم کام ان کے سپرد نہ کرتا تھا۔ ان صفات کیساتھ ساتھ اسے عُمّال کی اعلیٰ خاندانی اور شرافتِ نسبی کا بہت خیال رہتا تھا۔ اس کے مقرر کردہ گورنروں اور صوبیداروں میں کمینے اور پست طبیعت لوگوں کیلئے کوئی گنجائش نہ تھی۔ تقرری سے پہلے ان کی نیک نیتی پرہیز گاری اور ایمانداری کو جان لیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود کسی عامل کی بد دیانتی یا بدنسبی یا بے اعتدالی کا کوئی ثبوت مل جاتا تو اسے عہدے سے برخاست کر دیا جاتا تھا۔ بلبن نے غیر مسلموں کو ذمہ داری کا کوئی عہدہ نہیں دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ غیر مسلم حاکموں سے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ بلبن نے اپنے بائیس سالہ عہدِ حکومت میں لہوولعب کے متوالوں کو منہ نہ لگایا ایسے لوگوں کا بادشاہ کے پاس پہنچنا ناممکن تھا۔ (337)

کردار کی بلندی کا ایک واقعہ

بیان کیا جاتا ہے کہ بلبن کے زمانے میں ایک رئیس تھا جس کا نام فخر و بائی تھا یہ شخص بہت امیر تھا، اس نے کچھ عرصہ بلبن کی خدمت کی تھی۔ بلبن نے اپنی عادت کے مطابق اس سے کبھی کوئی بات نہ کی تھی، فخرو نے درباریوں کے واسطے سے بادشاہ کی خدمت میں یہ معروضہ پیش کیا کہ اگر بادشاہ اسے گفتگو سے سرفراز فرمائے تو فخرو معاوضے میں دولت اور جنس کی ایک بڑی مقدار نذرانے کے طور پر بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے گا۔ درباریوں نے فخرو کا معروضہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا تو اس نے جواب دیا فخرو اگرچہ بہت بڑا دولت مند ہے لیکن وہ ایک بازاری شخص ہے اور بازاریوں کا سردار ہے، ایسے شخص

سے بادشاہ کا بات چیت کرنا اس کے رعب و دبدبہ اور وقار کے منافی ہے اور رعایا کے دلوں میں بادشاہ کا احترام باقی نہیں رہتا۔ بلبن کے دربار میں نادر الوجود اور لاثانی افراد یکجا ہو گئے تھے، یکتائے روزگار اہلِ سیف و علم و قلم تھے۔ اس کے دربار کی شان و شوکت محمود غزنوی جیسے عالی شان اور ذی مرتبت حکمرانوں کے درباروں سے زیادہ تھی۔ مؤرخین لکھتے ہیں یکتائے روزگار علماء و فضلاء اور اہلِ سیف اور بہادر لوگ بلبن کے بڑے بیٹے خان شہید کی محفل میں جمع ہوتے تھے اور اپنے وجود مسعود سے لوگوں کو فیض یاب کرتے تھے۔ (338)

بلبن کا انصاف

بلبن جس طرح دربار کے آداب اور قوائد کو ملحوظ خاطر رکھتا تھا اسی طرح انصاف اور حق پرستی کو بھی مدنظر رکھتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار جامدار کے بیٹے ملک نعیق نے جو شاہی امیروں میں تھا اور چار ہزار سواروں کا مالک اور بدایوں کا صوبہ دار تھا، ایک فراش کو اس قدر درے لگائے کہ وہ بے چارہ مر گیا۔ بلبن جب بدایوں گیا تو فراش کی بیوہ نے بلبن سے فریاد کی، بلبن نے تحقیق کے بعد حکم دیا کہ ملک نعیق کو بھی اتنے درے لگائے جائیں جتنے اس نے فراش کو لگائے تھے۔ بلبن کے حکم کی تعمیل کی گئی اور ملک نعیق کی لاش شہر کے دروازے پر لٹکا دی گئی، ایک اور واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ بلبن کے ایک معتبر غلام ہیبت خان حاکم اودھ نے مستی کے عالم میں ایک شخص کو ہلاک کر دیا۔ مقتول کی بیوی ان کے پاس فریاد لے کر آئی، بلبن نے ہیبت خان کو پانچ سو درے لگائے جانے کا حکم دیا۔ سزا کے بعد بلبن نے ہیبت خان کو اس بیوہ کے سپرد کر دیا اور فرمایا: یہ شخص پہلے گورنر تھا لیکن اب تیرا غلام ہے تو جو چاہے اس کے ساتھ سلوک کر اسے قتل کروا دے یا اسے معاف کر دے۔ ہیبت خان نے نامی گرامی امیروں کی سفارش کروائی۔ بیوہ کو تیس ہزار روپے ہرجانہ ادا کیا اور اپنی جان بچائی۔ بادشاہ نے اس فیصلہ کو قبول کر لیا ہیبت خان اس واقعہ سے اتنا شرمندہ ہوا کہ اس نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔ (339)

دستور جہانبانی

بلبن اپنے بیٹوں سے کہتا تھا کہ سلطان شمس الدین التمش فرماتے تھے کہ بادشاہوں کے اکثر کام شرک کی حدوں کو چھو لیتے ہیں اور بہت سے کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف ہوتے ہیں لیکن وہ اس وقت اور بھی زیادہ گناہ گار ہو جاتے ہیں جب وہ ان چار باتوں پر عمل نہیں کرتے وہ چار باتیں یہ ہیں:

(1) بادشاہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی شان وشوکت کے رعب ودبدبہ کو مناسب موقع پر استعمال کرے۔ خدا ترسی اور خلقِ خدا کی بھلائی ہمیشہ اس کے پیش نظر رہے۔

(2) بادشاہ کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے کہ اس کے ملک میں بدکاری کا رواج نہ ہو، فاسقوں اور بے غیرتوں کو ہمیشہ ذلیل ورسوا کرنا چاہیے۔

(3) امورِ سلطنت کو عقلمند اور مہذب لوگوں کے سپرد کرنا چاہیے۔ خلقِ خدا پر جن کو حاکم بنایا جائے وہ دیانتدار اور خدا ترس ہوں، بدعقیدہ لوگوں کو ملک میں پنپنے نہ دینا چاہیے کیونکہ ایسے لوگ رعایا کو غلط راستے پر ڈال دیتے ہیں۔

(4) چوتھی اور آخری بات یہ ہے کہ بادشاہ کو چاہیے کہ وہ انصاف سے پورا پورا کام لے، ماتحتوں کی کارگزاری کا بنظرِ عدل جائزہ لیتا رہے۔ تاکہ ملک سے ظلم وستم کا نشان مٹ جائے، بلبن اپنے بیٹوں کو یہ بھی کہا کرتا تھا کہ اگر تم میں سے کسی نے کسی عاجز اور لاچار کو ستایا تو میں ظالم کو اس کے ظلم کی پوری پوری سزا دوں گا۔ (340)

بلبن کے خصائص

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب کبھی غیاث الدین بلبن کسی نہر کے کنارے یا کسی دریا کے پل کے قریب پہنچ جاتا تو خود کنارے پر کھڑا ہو جاتا اور اپنے عہدے داروں کو حکم دیتا کہ وہ سب سے پہلے مریضوں، عورتوں، بچوں اور کمزور جانوروں کو پار پہنچائیں اور صحت مند وتوانا لوگ معذوروں اور لاچاروں کی مدد کریں۔ اس کے بعد گھوڑے، ہاتھی اور بار برداری کے دوسرے جانور پل کو عبور کریں، ایسے انتظامات کے سلسلے میں بلبن نے اکثر مقامات پر کئی

کئی دن بسر کئے لیکن اس کے دل پر کسی قسم کا خوف وملال طاری نہ ہوا۔ بلبن نے جب حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے غیر پسندیدہ تمام افعال سے توبہ کر لی اور اس نے اپنے ملک میں عیش وعشرت کا نام مٹا دیا۔ بڑی محبت سے روزے، نماز وغیرہ کا پابند ہو گیا، فرائض کے علاوہ اس نے کبھی تہجد، چاشت اور اشراق کی نماز بھی قضا نہیں کی، وہ ہر وقت باوضو رہتا تھا۔ عالموں، صوفیوں اور بزرگانِ دین وغیرہ کی موجودگی میں دسترخوان پر کبھی پیش دستی نہ کرتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ کھانے کے وقت علماء سے مختلف مسائل کی تحقیق کرتا، وہ امیروں اور وزیروں وغیرہ کی قیام گاہوں پر ان سے ملاقات کیلئے جاتا اور ان کی عزت افزائی کرتا۔ اس کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد مشائخ اور علماء دین کے گھروں میں جاتا۔ وہ شیخ برہان بلخی مولانا سراج الدین سنجری اور مولانا نجم الدین دمشقی جیسے جید اور بزرگ علما کے صحبت سے فیض یاب ہوتا، بلبن قبرستان میں جا کر قبروں کی زیارت بھی کیا کرتا تھا، جب حکومت کے کسی رکن یا بزرگ کا انتقال ہو جاتا تو وہ اس کے جنازے پر جاتا۔ تجہیز اور تکفین میں شریک ہوتا پھر مرنے والے کے گھر جا کر صبر کی تلقین کرتا اور راضی برضائے الٰہی رہنے کی تاکید کرتا۔ مرنے والے کے وارثوں کو خلعت اور انعامات سے نوازتا، یتیم بچوں کی پرورش کیلئے بھاری وظیفے مقرر کرتا اور ان کے غم میں برابر شریک رہتا۔ بلبن کی عادت تھی کہ اگر کہیں سوار ہو کر جاتا اور راستے میں لوگوں کا ہجوم نظر آتا اور یہ معلوم ہوتا کہ یہاں وعظ ہو رہا ہے تو وہ فوراً سواری سے اتر کر مجلس وعظ میں شریک ہو جاتا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کو بہت غور سے سنتا اور زار وقطار روتا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ بلبن کے قدیم غلاموں اور خاص ملازموں کا بیان ہے کہ ان میں سے کسی نے بادشاہ کو ننگے سر اور ننگے پاؤں نہیں دیکھا، وہ محفل میں کبھی با آوازِ بلند قہقہہ نہیں لگاتا تھا۔ بلبن کا قول ہے کہ بادشاہ کا رعب اور اس کے وقار کا سکہ رعایا کے دل پر جس قدر سنجیدگی اور متانت سے بیٹھتا ہے اس قدر سیاست کا اثر نہیں ہوتا وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ اگر کوئی بادشاہ بارعب اور دبنگ نہیں ہوتا تو اس کی رعایا سرکشی اور بغاوت کی طرف مائل ہو

جاتی ہے جو بادشاہ اپنے ذاتی وقار کا تحفظ کرتا ہے وہ بڑے اطمینان کے ساتھ مدتوں حکومت کرسکتا ہے۔ بصورتِ دیگر اس کی حکومت فتنہ خیزوں اور ہنگامہ آرائیوں کا مرکز بن جاتی ہے۔ قوانینِ انصاف محض کتابوں کی زینت بن کر رہ جاتے ہیں اور عملی زندگی میں ان کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ ظلم و جور کا دور، دورہ ہو جاتا ہے۔ (341)

اوچ کا صوبے دار

بلبن کی تخت نشینی کے چوتھے سال اس کے چچا زاد بھائی معظم شیر خاں خواجہ تاش نے داعیِ اجل کو لبیک کہا، شیر خان سلطان ناصر الدین محمود کے عہد سے لاہور، ملتان، بھٹ نیر، سرہند، دیپال پور اور ان تمام علاقوں کا حاکم تھا جو مغلوں کی ہنگامہ آرائیوں کی زد پر واقع تھے۔ شیر خان کی وفات کے بعد بلبن نے اوچشریف اور ملتان کی صوبے داری اپنے فرزند سلطان محمد کے سپرد کردی اور اس کو ''قآن الملك'' (عادل بادشاہ) کا خطاب دیا۔ سلطان محمد کے رفیقوں میں حضرت امیر خسرو دہلوی اور خواجہ حسن سرِ فہرست تھے۔ سلطان محمد کے علمی و روحانی شوق نے علماء، صوفیاء اور شاعروں کو اپنا گرویدہ کرلیا اس کی خوش خیالی، ذوق اور علم دوستی کا چرچہ دور دور تک پھیل گیا۔ یہاں تک کہ حضرت شیخ سعدی شیرازی متوفی 691ھ بھی ہندوستان آئے حضرت شیخ سعدی نے ہندوستان آنے کا ذکر بوستان کے آٹھویں باب کی ایک حکایت میں کیا ہے ان کی واپسی لاہور کے راستے سے ہوئی تھی۔ وہ 658ھ میں اپنے وطن شیراز پہنچے۔

اوچشریف اور ملتان میں شیخ سعدی کی آمد کا کوئی حوالہ ہماری نظر سے نہیں گزرا لیکن یہ ممکن نہیں کہ وہ ہندوستان آئیں اور اپنے پیر بھائی غوث العالمین شیخ الاسلام بہاؤ الحق ملتانی اور ان کے خلیفہ قطب الاقطاب جلال الملۃ والدین سید جلال الدین اوچی کو نہ ملیں۔ غوثِ پاک اور حضرت شیخ سعدی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ (342)

مرشد کی تلاش

صاحبِ سیر العارفین حضرت سلطان المشائخ سے نقل کرتے ہیں کہ جب بابا فرید گنج

شکر دینی وروحانی علوم حاصل کرنے کے بعد ملتان آئے تو شیخ بہاؤالدین زکریا سے ملے انہوں نے کہا آپ کا کام کہاں تک پہنچا ہے بابا صاحب نے فرمایا: اگر میں آپ کی کرسی کو حکم دوں کہ وہ ہوا میں اڑنے لگے تو وہ اڑنے لگے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا شیخ بہاؤالدین نے اس پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ مولانا فرید آپ نے خوب کام انجام دیا ہے۔(343)

منقول ہے کہ مخدوم شیخ فرید گنج شکر، مخدوم شیخ بہاؤالحق زکریا اور مخدوم شیخ نجم الدین کبریٰ رضی اللہ عنہم بیعت کی نیت سے مخدوم شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔(شرط یہ لگائی کہ ہم، لوگوں کی جوتیوں والی جگہ پر بیٹھ جائیں گے اگر مرشد نے ہمیں نام سے پکار کر اپنے پاس بلایا تو مرید ہو جائیں گے ورنہ نہیں۔ انہوں نے اپنی شرط پر عمل کیا تو مرشد نے انہیں نام لے لے کر بلایا اور بابا فرید کو فرمایا کہ تمہارا حصہ تو خانوادۂ چشت میں ہے اور تمہارے پیر طریقت شیخ قطب الدین بختیار ہیں جو دہلی میں تشریف رکھتے ہیں اور باقی دونوں حضرات کو بیعت میں قبول فرما کر اپنا مرید بنالیا۔ شیخ شہاب الدین کی ملازمہ ایک بوڑھی عورت تھی جو مہمانوں کے ہاتھ دھلایا کرتی تھی سب سے پہلے اس نے بابا فرید کے ہاتھ دھلائے بابا فرید اپنے ہاتھ دھوتے رہے یہاں تک کہ لوٹے کا سارا پانی ختم ہو گیا، اس کے بعد شیخ بہاؤالحق اور شیخ نجم الدین کے ہاتھ دھلانے کیلئے وہ اور پانی لائی ان بزرگوں نے جب کھانا تناول کرنا شروع کیا تو شیخ بہاؤالحق اور شیخ نجم الدین نے بابا فرید سے پوچھا: آپ نے ہاتھ دھوتے ہوئے لوٹے کا سارا پانی ختم کیوں کیا؟ بابا فرید نے فرمایا: بوڑھی ملازمہ کے بارے میں لوح محفوظ پر دوزخی لکھا ہوا تھا، ایسے بڑے پیر اور بزرگ کی خدمت میں رہنے والی دوزخی رہے یہ میں نے گوارا نہ کیا میں نے اس حرف کو لوح محفوظ سے دھو دیا اور اسے بہشت والوں میں کر دیا پھر ان دونوں بزرگوں نے کشف سے تحقیق کی تو معاملہ یوں ہی تھا جیسے بابا فرید نے فرمایا تھا۔(344)

غوث علی شاہ کے ملفوظات میں ہے کہ جب بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بارادۂ بیعت حاضر ہوئے تو اس وقت خواجہ صاحب ایک درخت

خشک سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ بابا صاحب کو خیال آیا کہ تعجب ہے جس درخت سے خواجہ صاحب نے کمر لگائی ہے وہ خشک رہے، ایک نظر ڈالی تو درخت سرسبز ہو گیا۔ خواجہ صاحب نے نگاہ کی تو وہ پھر خشک ہو گیا۔ دوبار اسی طرح الٹ پلٹ ہوئی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا: میاں فرید! تم فقیری کرنے آئے ہو یا خدا سے لڑنے؟ مرضیِ الٰہی تو یوں ہے کہ درخت خشک رہے تم اس کو ہرا بھرا کرنا چاہتے ہو۔ قطب الدین کے پاس جاؤ وہ تمہاری خبر لے گا اور یہ بھی سنو! تمہارا حصہ اس کے پاس ہے۔ خواجہ صاحب کے حکم کے مطابق بابا فرید پرانی دہلی میں آئے اور حضرت قطب الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کی عمر کم تھی اور وہ بچوں کے ساتھ کھیل کود کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ بابا فرید کے دل میں خیال آیا کہ پیر تو ملا لیکن لڑکا ہے۔ حضرت قطب الدین نے بابا فرید کی بات کو بھانپ لیا اسی وقت حجرے میں چلے گئے اور بوڑھے بن کر نکل آئے۔ فرمایا: بابا فرید! اب تو میں تمہارے پیر بننے کے قابل ہو گیا ہوں؟ بابا صاحب بیعت ہو گئے اور حضرت کو وضو کرانے کی خدمت اختیار کی، ایک دفعہ سردی کے موسم میں آدھی رات کے بعد تہجد کی نماز کیلئے گرم پانی کی ضرورت ہوئی، تمام شہر میں تلاش کے بعد آگ کہیں نہ ملی، بابا صاحب بہت گھبرائے ایک بڑھیا کے گھر میں آگ کا علم ہوا، بڑھیا نے کہا: آگ کے بدلے اپنی آنکھ نکال دے تو آگ دیتی ہوں۔ بابا صاحب راضی ہو گئے آنکھ دے کر آگ لائے اور جھٹ پٹ پانی گرم کیا اور اپنے شیخ کو وضو کرایا، صبح کے وقت حضرت قطب الدین نے آپ کی آنکھ پر پٹی دیکھی، پوچھا: یہ کیا ہوا ہے؟ عرض کیا: حضور آنکھ آئی ہے۔ قطب صاحب نے فرمایا کہ خیر آئی ہے تو سوائی ہے پٹی کھولی تو آنکھ پہلے سے سوائی تھی۔ (345)

بعض علما سے سنا ہے کہ جب بابا فرید حضرت قطب الدین کے پاس پہنچے وہ اس وقت گیند بلا کھیل رہے تھے، انہوں نے بلا گیند کو لگایا تو وہ اڑتی ہوئی زمین پر جا گری۔ آپ نے فرمایا: فرید! گیند کو اٹھا کر میرے پاس پھینکو! فرید گیند کو اٹھانے لگے تو نہ اٹھا سکے، قطب پاک نے فرمایا: فرید خشک درخت کو سرسبز کرنا آسان تھا۔ قطب کی گیند کو اٹھانا بہت مشکل

ہے یہ سن کر بابا فرید قطب کے قدموں پر جا گرے اور مرید ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے انہیں اپنی بیعت سے سرفراز فرمایا۔ واللہ اعلم بالصواب

بابا فرید جب مرید ہو گئے تو اپنے شیخ کی خدمت کو لازم جانا اور وہیں قیام پذیر ہو گئے کچھ مدت کے بعد خواجۂ خواجگان حضرت شیخ معین الملۃ والدین اجمیر سے تشریف لائے تو بابا فرید ان کی قدم بوسی کیلئے حاضر نہ ہوئے، وجہ یہ تھی کہ مرشد کی موجودگی میں پہلے مرشد کی قدم بوسی کروں یا مرشد کے مرشد کی؟ حضرت خواجہ معین الدین نے قطب الدین کو فرمایا: فرید کو بلاؤ! جب آپ حاضر ہوئے تو پہلے اپنے پیر کی قدم بوسی کی ان کے مرشد نے فرید کا بازو پکڑ کر انہیں اپنے مرشد کے قدموں پر ڈال دیا۔ حضرت معین الدین نے بابا فرید کو اپنی بغل میں لیا، بڑی مہربانی فرمائی اور دعاؤں سے نوازا۔ اس کے بعد قطب الدین کو حکم دیا کہ فرید کا کام پورا کرو (یعنی دستار ولایت عطا کرو۔)

چار یار

غوث العالمین، شیخ بہاؤ الحق والدین ملتانی، حضرت بابا فرید گنج شکر، قطب الاقطاب حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری اور حضرت سید عثمان لال شہباز قلندر مروندی علیہم الرحمۃ کو صوفیاء کرام میں چار یار کہا جاتا ہے۔ (346)

اوچ کا میلہ

چیت کے مہینے میں یہ بزرگ اوچشریف میں جمع ہوتے تھے، ذکر واذکار اور دینی وروحانی محفلوں کا انعقاد کرتے تھے۔ جس میں لوگوں کی دینی وروحانی تربیت کا اہتمام کیا جاتا تھا اور اسلامی جماعتوں کو براعظم ایشیا کے مختلف علاقوں میں تبلیغِ دین کیلئے بھیجا جاتا تھا۔ چیت کے مہینے کے پہلے جمعہ کو جھاڑو والا میلہ، دوسرے جمعہ کو چھڑکاؤ والا میلہ، تیسرے جمعہ کو پندرھی والا میلہ اور چوتھے جمعے کو 22 والا میلا کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا بزرگوں کے دَور سے یہ میلا چلا آرہا ہے کچھ عرصہ کے بعد اس میلے میں غلط کاموں کی امیزش ہوگئی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھیٹر، ڈرامے، سرکس، ناچ گھر اور ہلٹر بازی نے

میلے کو اپنی آغوش میں لے لیا، گلی گلی میں جرائم کے اڈے کھل گئے، اصلاحِ نفس کی بجائے فساد جان و ایمان نے لوگوں کو برباد کرنا شروع کر دیا۔ اب دہشت گردی کے خطرے کے پیش نظر یہ میلہ دم توڑتا نظر آرہا ہے۔ مندرجہ بالا خرافات کے پیش نظر اس کا نہ ہونا بہتر ہے۔

گنج شکر نے کعبہ دیکھ لیا

بیان کیا جاتا ہے جب آپ کی عمر سات سال کی ہوئی آپ کی والدہ ماجدہ نے تہجد کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ کو آواز دی آپ نے بستر چھوڑ کر اماں کی خدمت میں حاضری دی ماں نے فرمایا: بیٹا تمہاری عمر سات سال ہوگئی ہے جاؤ وضو بنا کر آؤ اور نماز پڑھو آپ کو شکر سے پیار تھا آپ نے پوچھا اماں نماز پڑھنے کے بعد مجھے کیا ملے گا اماں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو شکر کھلائے گا آپ وضو بنا کر اماں کے پاس آ گئے اماں نے آپ کو مصلے پر کھڑا کیا اور فرمایا نیت کرو جب نیت میں ''منہ طرف کعبہ شریف''، والا لفظ زبان پر لانا چاہا تو رک گئے اماں نے کہا فرید خاموش کیوں ہو گئے ہو فرید نے جواب دیا اماں میں کعبہ کو تلاش کر رہا ہوں لیکن وہ مجھے نظر نہیں آرہا اماں نے فرمایا کعبہ یہاں سے بہت دور ہے یہ کلمہ اسی طرح ادا کیا جاتا ہے۔ فرید نے کہا اماں اگر مجھے کعبہ سامنے نظر نہ آیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ میرے سامنے ہی نہ ہو یا کعبہ دکھا دو یا یہ کلمہ ہٹا دو اماں نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا مولا فرید کو وضو کرانا مصلے پر کھڑا کرنا اور نیت کرانا میرا کام تھا اب اسے کعبہ دکھانا تیرا کام ہے تو اللہ تعالیٰ نے حجاب اٹھا دیئے اور بابا فرید کو کعبہ دکھا دیا فرید نے رو کر ماں کے قدموں کو چوما، ماں نے پوچھا کہ بیٹا خیر تو ہے فرید نے کہا اماں میں کعبہ کو بھی دیکھ رہا ہوں اس کے غلاف کو بھی دیکھ رہا ہوں اور حاجیوں کے طواف کو بھی دیکھ رہا ہوں جب آپ وضو کرنے گئے تو ماں نے شکر کا پوڑا مصلے کے نیچے رکھ دیا تھا نماز پڑھنے کے بعد ماں نے فرمایا مصلے کے نیچے شکر کا پوڑا رکھا ہے اٹھا لو ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ماں شکر کا پوڑا مصلے کے نیچے رکھنا بھول گئی فرید نے نماز کے بعد مصلی اٹھایا تو شکر کا دریا بہتا نظر آیا ماں کی خدمت میں کہا یہ کیا ماجرا ہے ماں نے فرمایا فرید پہلے شکر کا پوڑا تمہاری ماں رکھتی تھی آج تمہاری ماں بھول گئی ہے لیکن جس کی عبادت

کرتے ہو وہ بھولنے سے پاک ہے اس نے تمہارے لیے شکر کا دریا بہا دیا ہے۔(347)

اخبار الاخیار میں آپ کے گنج شکر ہونے کی اور وجوہات بھی بیان کی گئی ہیں جو پہلے گزر چکی ہیں۔

ڈھیلا سونا بن گیا

کہا جاتا ہے کہ ایک فقیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور فقر و فاقہ کی شکایت کی آپ نے فرمایا مٹی کا ڈھیلہ لے آؤ اس نے حاضر کر دیا آپ نے تین بار سورہ اخلاص پڑھ کر ڈھیلے پر دم کیا تو وہ سونا بن گیا فقیر گھر پہنچا اور گھر والی کو کہا کہ مٹی کے ڈھیلے لے آؤ آج میں ان کو سونا بناؤں گا فقیر ساری رات سورۃ اخلاص پڑھ کر ڈھیلوں پر دم کرتا رہا مگر وہ ڈھیلے۔ ڈھیلے ہی رہے دوسرے دن فقیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا حضور جو سورۃ آپ نے پڑھی تھی میں بھی اسے پڑھتا رہا ہوں لیکن ڈھیلے سونا نہ بنے آپ نے مسکرا کر فرمایا سورۃ کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن تمہارے پاس فرید کی زبان تو نہیں ہے۔ یہ سن کر فقیر شرمندہ ہو گیا۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر ارادتاً جس پتھر پر تھوک دیا کرتے تھے وہ سونا بن جاتا تھا حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ کے آگے سونے کا دریا بہتا تھا یہ منظر ان امیرزادوں نے کئی بار دیکھا جو حضرت محبوب الٰہی کو مفلسی اور غربت کا طعنہ دیا کرتے تھے حضرت سیدی مولہ کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کے مصلے کے نیچے سیم وزر (سونے وچاندی) کا سمندر موجزن تھا وہ بظاہر کوئی کام نہیں کرتے تھے مگر ان کا روزانہ کا خرچ لاکھوں روپے تھا سیدی مولہ، سلطان جلال الدین خلجی کے دور حکومت میں گزرے ہیں۔(348)

حجام اور عرس

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد نقشبندی سرہندی کا حجام جب بابا فرید کے عرس پر آنے کی تیاری کرتا تو حجامت کرنا چھوڑ دیتا تھا۔ شیخ احمد نے اسے حجامت کیلئے بلایا تو اس نے حجامت کرنے سے انکار کر دیا اور کہا جب میں عرس شریف کیلئے جانے کا ارادہ کر لیتا ہوں تو حجامت کرنا چھوڑ دیتا ہوں مجدد صاحب نے فرمایا جب عرس پر جاؤ تو مجھے ضرور مل کر جانا

آپ نے اس حجام کو ایک رقعہ دیا اور فرمایا کہ پاکپتن میں مسجد اولیاء کے اندر اس شکل وشباہت کا ایک شخص ملے گا تم ان کی بارگاہ میں میرا سلام عرض کرنا اور ان کو میرا یہ رقعہ پیش کرنا وہ جو جواب ارشاد فرمائیں یا لکھیں وہ مجھے پہنچا دینا حجام پاکپتن پہنچا اور حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضری دی اور مسجد اولیاء میں بتائی ہوئی صورت وشباہت والے بزرگ کو دیکھا تو آپ کا رقعہ ان کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے پڑھا اور اس کا جواب لکھ دیا اور اس کو حجام کے حوالے کر دیا عرس کی تقریبات سے فارغ ہو کر وہ حجام سرہند شریف پہنچا اور رقعہ کا جواب حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا جواب پڑھ کر آپ زاروقطار روئے پھر کچھ دیر کے بعد خوب مسکرائے حجام نے پوچھا حضرت پہلے روئے اور پھر مسکرائے اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ رقعہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں بھیجا تھا وہ ہستی جو تمہیں مسجد اولیاء میں ملی تھی وہ خود حضرت بابا فرید الدین گنج شکر تھے اور وہ رقعہ جو آپ نے ان کی خدمت میں پیش کیا تھا میں نے اس میں لکھا تھا کہ آپ سنت وشریعت کی پابندی میں بینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں آپ کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے تو آپ اپنے مزار مقدس پر لوگوں کو غیر شرعی رسومات وحرکات سے کیوں نہیں روکتے؟ حضرت نے جواب لکھا ہے کہ میں عالم برزخ میں ہوں اور اب تبلیغ دین کا فریضہ میرے ذمہ نہیں ہے بلکہ اب یہ آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے، لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ دین اسلام کی تبلیغ کا فریضہ بڑھ چڑھ کر سرانجام دیں تو میں رونے لگا کہ میں اپنا فریضہ کماحقہ سرانجام نہیں دے سکا اور لوگوں کو ان کے مزار مقدس پر غیر شرعی حرکات وافعال سے منع نہیں کر سکا۔ (اور مسکرانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا مجدد صاحب آپ سے تو آپ کا حجام نہ رک سکا میں ساری دنیا کو کیسے روکوں) عوام الناس اولیاء اللہ کے مزارات مقدسہ پر جو غیر شرعی باتوں کا ارتکاب کرتے ہیں صاحب مزار اولیائے کاملین پر نہ تو اس کی ذمہ داری ہے اور نہ ہی وہ اس کے مکلف ہیں یہ تو سجادگان اور علماء کرام کا فریضہ ہے کہ لوگوں کو خلاف شرع امور سے روکیں اور بزرگوں کے عرس کے موقع پر علماء وفضلاء اور مشائخ لوگوں کی مکمل

راہنمائی کریں جاہلانہ رسموں سے روک کر اپنی ذمہ داری کو نبھائیں۔(349)

شرعی احکام سے بے خبر لوگ بیت اللہ شریف میں بھی اپنی حرکات سے باز نہیں آتے، مساجد میں بھی تجاوزات کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے بیت اللہ اور مساجد پر نزلہ نہیں گرایا جاتا اس طرح بعض غیر شرعی حرکات کی وجہ سے عرس کو بند نہیں کیا جائے گا بلکہ غلطیوں کا ازالہ کیا جائے گا۔ کتا مسجد میں چلا جائے تو کتے کو باہر نکالا جائے گا مسجد نہیں گرائی جائے گی۔ مکھی ناک پر بیٹھ جائے تو مکھی کو اڑایا جاتا ہے ناک نہیں کاٹی جاتی۔

بہشتی دروازہ

بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر ان کے روضے کا جنوبی دروازہ کھول دیا جاتا ہے اس دروازے کا نام بہشتی دروازہ ہے جو آدمی اس سے گزر جائے اس کے بہشتی ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ اس کے بارے میں شیخ الجامعہ علامہ غلام محمد گھوٹوی فرماتے ہیں کہ اس دروازے کے بہشتی دروازہ ہونے میں کوئی شک نہیں، ہر مسلمان کو جنت کا ملنا خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رحمت پر موقوف ہے۔ عمل اس کی بنیاد نہیں جیسا کہ احادیث میں موجود ہے، بہشتی دروازہ بھی مسلمانوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا مظہر ہے۔ اس لیے اس میں تعجب والی کوئی بات نہیں۔ رہا اس کا ثبوت تو محدثین کے طریق کے مطابق روایت کے صحیح اور ثابت ہونے کیلئے ضروری ہے کہ ایک تو اس کے راوی ثقہ ہوں، دوسرے سند متصل ہو جب کہ یہ دونوں شرطیں یہاں پر علی الوجہ الاتم موجود ہیں۔ اس لئے اس کے صحیح وثابت ہونے میں کوئی شبہ نہیں، میں نے قطب گولڑہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب سے سنا انہوں نے اپنے شیخ حضرت شاہ سلیمان تونسوی سے سنا یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضرت شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ تک پہنچا اور آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ اے نظام! جو مسلمان اس دروازے سے گزرے گا وہ بہشتی ہے۔ ان راویوں میں کوئی ایسا راوی موجود نہیں جو غیر معتبر اور غیر ثقہ ہو اس لئے اصول روایت کی رو سے یہ روایت بالکل صحیح ہے اور اس میں شک کرنا ضلالت اور گمراہی ہے۔(350)

حضرت شیخ سید عثمان مروندی لعل شہباز قلندر

آپ کا نام عثمان تھا۔ لعل اور شہباز قلندر مرشد کے عطا کئے ہوئے لقب ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام سید کبیر ہے، سلسلہ نسب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد مروند میں رہتے تھے۔ یہ مقام افغانستان میں ہرات کے قریب ہے۔ آپ کی ولادت 573ھ کو مروند میں ہوئی۔ آپ نے دینی تعلیم مروند میں حاصل کی بچپن میں نیک خصلتوں کی وجہ سے ولایت کے آثار نمودار تھے۔ آپ نے حضرت بابا ابراہیم کی خدمت میں رہ کر سلوک کی منزلیں طے فرمائیں، ایک روایت کے مطابق شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کے روحانی فیض سے بھی مستفیض ہوئے اور ہندوستان میں مختلف بزرگوں کی صحبت سے فیض یاب ہوئے، جن میں غوث العالمین اور ان کے صاحبزادے حضرت شیخ صدرالدین عارف اور شیخ المشائخ حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر اور قطب الاقطاب حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری قابل ذکر ہیں۔ حضرت شہباز قلندر نے ان سے روحانی فیض حاصل کیا اور سلسلہ سہروردیہ سے منسلک ہوئے۔ آپ حنفی المشرب تھے یعنی فقہ حنفیہ کے پیروکار تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کا بیٹا سلطان محمد خان شہید آپ کا بے حد معتقد تھا، اس کی آرزو تھی کہ آپ کیلئے ملتان میں خانقاہ تعمیر کروادی جائے اس سے آپ اپنے فیض کو لوگوں تک پہنچائیں مگر آپ نے اسے پسند نہ فرمایا۔ سیر وسیاحت کرتے ہوئے جب آپ شاہ بوعلی قلندر پانی پتی کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے فرمایا ہندوستان میں تین سو قلندر موجود ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ سندھ چلے جائیں ان کے مشورہ سے آپ نے سیوستان (سہون) میں قیام فرمایا۔ سیوستان کے جس محلہ میں مقیم ہوئے وہ بازاری عورتوں کا گڑھ تھا، آپ کے آنے سے عریانی وفحاشی کا بازار سرد پڑ گیا، لوگ پرہیزگاری کی طرف مائل ہونے لگے۔ بدکار عورتیں توبہ کرنے لگیں۔ آپ نے لوگوں کے دلوں میں نیکی، سچائی اور راست بازی کا بیج بو دیا۔ خلقِ خدا کی اخلاقی ترقی ہونے لگی اور وہ ہدایت کے راستے پر چلنے لگے آپ کی زبان مبارک کی تاثیر یہ تھی کہ جو آدمی ایک لمحہ آپ

کے پاس بیٹھ جاتا آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ آپ نے تقریباً چھ سال تک سیوستان میں تبلیغ اسلام کی خدمت کا فریضہ انجام دیا اور ہزاروں انسانوں کو صراطِ مستقیم پر چلایا، بھٹکے ہوؤں کو اسلام کے نور سے منور کیا۔ عمر کے آخری حصہ میں آپ پر جذب وسکر کی کیفیت طاری ہوگئی اور آپ پر قلندریت غالب آ گئی۔ اس لیے آپ کو شہباز قلندر کہا جانے لگا۔ آپ کا کلام اشعار کے رنگ میں بھی موجود ہے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

زعشق دوست ہر ساعت درون نار می رقصم
گہے بر خاک می غلطم گہے بر خار می رقصم
بیا اے مطرب مجلس سماع ذوق را در دہ
کہ من از شادی وصلش قلندر دار می رقصم
شد بد نام او زعشقش بیا اے پارسا اکنوں
نمی ترسم ز رسوائی سر بازار می رقصم
مرا خلقے ہمی گوید گدا چیز ایں چہ مے رقصم
بدل داریم اسرارے از آں اسرار می رقصم
منم عثمان مروندی کہ یار خواجہ منصورم
ملامت می کند خلق من بردار می رقصم

آپ نے 21 شعبان 673ھ مطابق 1274ء بعمر 97 سال سہون شریف سندھ میں انتقال فرمایا۔ عرس کے موقع پر دھمالیوں اور بھنگڑا ڈالنے والوں کی بہتات ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمتِ خاص سے اعراسِ بزرگانِ دین کو خلاف شرع کاموں سے پاک فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہٖ اجمعین۔

روضہ کی تعمیر

فیروز شاہ تغلق کے عہدِ حکومت میں ملک رکن الدین اختیار الدین والیِ سیوستان نے آپ کے روضے کو تعمیر کیا۔ 993ھ میں ترخانی خاندان کے آخری بادشاہ مرزا جانی بیگ

نے مزار کی توسیع کا کام کروایا۔ 1009ھ میں جانی بیگ کے بیٹے مرزا غازی بیگ نے اپنی صوبہ داری کے زمانے میں مزید کام کیا۔ (351)

کاتب الحروف محترم جناب اللہ ڈیوایا مرحوم سندھی کی دعوت پر مولانا الٰہی بخش سعیدی کی مسجد میں صوفی عبدالحکیم غازی کو ساتھ لے کر روڑھی گیا، رات کو گیارہویں شریف کی محفل میں بیان کیا۔ موئے مبارک والے دیوان صاحب بھی موجود تھے۔ انہوں نے موئے مبارک کی زیارت کیلئے بلایا تو ان کے پاس حاضری دی۔ جب ''الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' بلند آواز سے پڑھا جاتا تو موئے مبارک ڈبیہ سے باہر تشریف لے آتا اور جب آہستہ پڑھا جاتا تو حجاب میں چلا جاتا۔ یہ منظر کئی بار دیکھا اور تبرک حاصل کیا۔ دوسرے دن مولانا الٰہی بخش سعیدی کے ہمراہ دریا کے غربی کنارے پر پیلوں کے جنگل میں گئے اور ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں بہت ٹھنڈک تھی۔ مولانا نے فرمایا یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت شہباز قلندر نے چلہ کیا تھا۔

معتصم باللہ کی شہادت

640ھ میں ہلاکو خان کے حکم سے تاتاریوں نے امیر المؤمنین المعتصم باللہ عباسی کو شہید کر دیا۔ مؤرخ شہیر حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی 774ھ نے ہلاکو خان اور اس کے مددگاروں کے لیے لعنہم اللہ لکھ کر ان سے بیزاری کا اعلان کیا ہے۔

تاتاریوں کا تعارف

تاتاری غیر مسلم تھے، ان کے قبول اسلام کا واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ تاتاریوں کے غلبے کے بعد سلسلہ عالیہ قادریہ کے خراسانی بزرگ اشارۂ غیبی کے تحت ہلاکو خان کے بیٹے تگودار خان کے پاس پہنچے وہ شکار سے واپس آ رہا تھا۔ اس نے اپنے محل کے دروازے پر درویش کو دیکھا تو مسخری اور حقارت سے کہنے لگا: اے درویش! تمہاری داڑھی کے بال اچھے ہیں یا میرے کتے کی دم؟ آپ نے فرمایا: میں بھی اپنے مالک کا کتا ہوں اگر میں اپنی جان نثاری اور وفاداری سے اسے خوش کر پاؤں تو میری

داڑھی کے بال اچھے ہیں ورنہ آپ کے کتے کی دم اچھی ہے جو آپ کی فرمابرداری کرتا ہے اور آپ کیلئے شکار کی خدمت سرانجام دیتا ہے۔ تگودار خان پر اس گفتگو کا بہت اثر ہوا اس نے آپ کو اپنا مہمان رکھ کر آپ کی تعظیم کی اور تبلیغ کے زیر اثر در پردہ اسلام قبول کر لیا مگر اسے اس خیال سے ظاہر نہ کیا کہ ناسازگاریِ حالات کے پیشِ نظر کہیں اپنی قوم کی مخالفت کا سامنا نہ کرنا پڑے اس کے بعد ان کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ کچھ عرصہ کے بعد تشریف لانا تاکہ میں اس دوران اپنی قوم کو ذہنی طور پر نیا مذہب قبول کرنے کیلئے تیار کر سکوں۔ وہ درویش واپس وطن تشریف لے گئے ان کا وقت پورا ہو گیا تھا۔ اس لیے داعیِ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے صاحبزادے باپ کے وصیت کے مطابق تگودار خان کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ باقی سردارانِ قوم اسلام کیلئے مائل ہو گئے ہیں مگر ایک سردار جس کے پیچھے کافی لوگ ہیں، آمادہ نہیں ہو رہا صاحب زادے نے تگودار خان کے مشورہ سے اسے بلوایا اور تبلیغ فرمائی اس نے کہا: میں ایک سپاہی ہوں میری ساری عمر جنگ میں گزری ہے میں صرف طاقت پر ایمان رکھتا ہوں۔ اگر آپ میرے پہلوان کو کشتی میں گرا دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ صاحبزادے نے تگودار خان کے روکنے کے باوجود اس سردار کا چیلنج منظور کر لیا اور مقابلہ کیلئے تاریخ و وقت کا تعین کر کے اعلان عام کر دیا۔ تگودار خان نے کہا: ایک تاتاری نوجوان پہلوان سے ایک کمزور جسم درویش کا مقابلہ نہ انصافی ہے مگر مخالف سردار نے کہا کہ یہ مقابلہ ہو کر رہے گا۔ چنانچہ مقررہ دن مخلوق کی موجودگی میں مقابلہ ہوا صاحبزادے نے جاتے ہی زوردار طمانچہ تاتاری پہلوان کے منہ پر رسید کیا کہ وہ دور جا گرا۔ لوگوں میں اس کی شکست کا شور مچ گیا اس کا یہ اثر ہوا کہ اس سردار نے میدان میں آ کر آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ اس کے بعد اکثر لوگوں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی۔ تگودار خان نے بھی اپنے اسلام کا اظہار کر کے اپنا نام احمد رکھا۔ تاریخ میں اس کا یہی نام تحریر ہے۔ تاتاری جرنیلوں نے اس کے اسلام لانے کو پسند نہ کیا اور بغاوت کی، احمد نے مقابلہ کیا مگر کامیاب نہ ہو سکا اور لڑتے لڑتے شہید

ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ باپ یعنی ہلاکو خان اسلام اور عرب تاریخ کو تباہ کرے اور بیٹا احمد (تگودار خان) اسی تہذیب اور اسلام کے تحفظ کیلئے اپنی جان قربان کر دے۔ اس واقعہ کے بعد تاتاریوں میں اشاعتِ اسلام کی رفتار سست پڑ گئی لیکن دوسری طرف ہلاکو خان کا ایک چچازاد بھائی (برکہ) بھی حضرت شیخ شمس الدین باخوری کے ہاتھ پر اسلام قبول کر چکا تھا اور احمد (تگودار خان) کے بھتیجے کے بیٹے غزن محمود نے بھی اسلام قبول کر لیا اس لیے وسط ایشیا کی تاتاری حکومت، تاتاری اسلامی حکومت میں بدل گئی۔ غزن محمود کے خلاف بھی اس کے جرنیلوں نے مذہب کی تبدیلی پر بغاوت کی مگر اس نے سب کو شکست دی اور غالب آنے میں کامیاب ہوگیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تقریباً تمام تاتاری قبائل اسلام لے آئے۔ ایک وہ وقت تھا کہ تاتاریوں کے ابتدائی حملہ کے وقت سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے یہ کہہ کر اپنا گھوڑا لوٹا لیا تھا کہ اسے ملائکہ اور اولیاء اللہ کی ارواح چنگیزی لشکر کے سروں پر سایہ فگن یہ کہتی نظر آئی ہے کہ اے کافرو! ان فاجروں کو قتل کر دو جس کے نتیجے میں کروڑوں مسلمانوں کا خون بہا اور ایک وقت یہ آیا کہ ایک درویش نے اپنی قوتِ ید اللّٰہی کا مظاہرہ کر کے بے شمار تاتاریوں کو کفر سے نکال کر حلقہ بگوش اسلام کیا۔ صاحبانِ اسلام جب بداعمالیوں میں مبتلا ہو کر اسلام سے ہٹ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کر دیتا ہے پھر ان کی جگہ دوسری قوم کو دین کی خدمت کیلئے کھڑا کر دیتا ہے۔ جب احیاءِ دین کے ظہور کا وقت آتا ہے تو غلاموں سے سلاطین تک سب پاکیزہ زندگی کے نمونے بن جاتے ہیں۔ سلطان قطب الدین ایبک ارکانِ دین کی پابندی کے ساتھ ساتھ غریب پروری اور مسکین نوازی کے سبب لکھ داتا مشہور ہوتا ہے۔ سلطان شمس الدین التمش حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے حسبِ وصیت ان کی نماز جنازہ پڑھا کر عصر کی سنتوں اور تہجد کے نوافل کا ہمیشہ ادا کرنے والا مرقع ثابت ہوتا ہے۔ سلطان ناصر الدین محمود سرکاری خزانے کو پبلک کی امانت سمجھتے ہوئے قرآن مجید کی کتابت کو اپناتا ہے اپنا اور اپنے اہل خانہ کا ذریعہ معاش بناتا ہے امراء و سلاطین تبلیغ اسلام میں خواجہ بہاؤ الدین نقشبند، خواجہ غریب نواز، حضرت گنج

شکر اور حضرت غوث بہاؤالحق کے احکام کی خدام خانہ زاد کی طرح تعمیل کرتے ہیں اور ان خدمات کے صلے میں ہندو چین جیسے کفرستانوں کے تخت وتاج سات سات اور آٹھ آٹھ سو سالوں کیلئے اپنے خاندانوں کے واسطے وقف کرالیتے ہیں۔(352)

اوچ کی فوج

تیمور خان چنگیزی نے پنجاب پر حملہ کردیا لاہور کو لوٹا، دیپالپور کو تاخت وتاراج کیا اور ملتان کو لُوٹنے کا عزم کر کے نکلا تھا کہ بلبن کے شہزادے سلطان محمد نے اوچشریف سے کمر باندھ لی اور دریا کے کنارے پر فوج کو جمع کیا تیمور اور شہزادے کی فوجوں کے درمیان مقابلہ ہوا تیمور کی فوج مقابلہ کی تاب نہ لاسکی اور بھاگ نکلنے میں عافیت سمجھی شہزادے کی فوجیں چنگیزی فوجوں کے تعاقب میں تھیں اور شہزادہ نماز کی تیاری میں مصروف تھا اچانک مغلوں نے اس پر حملہ کردیا۔شہزادے نے جام شہادت نوش کرلیا شہزادے کے رفیقوں میں سے حضرت امیر خسرو۔وغیرہ حضرات گرفتار ہوکر مغلوں کے اسیر بنے کچھ عرصہ بعد انہیں رہائی ملی اور وہ خدا خدا کر کے دہلی پہنچے شہزادے سلطان محمد کی شہادت کے بعد بلبن نے اس کے بیٹے اور اپنے پوتے کیخسرو، کو اسی منصب پر فائز کردیا اور اسے بھی وہ اعزاز بخشا جو اپنے بیٹے کو بخشا تھا اس طرح کیخسرو اوچشریف اور ملتان کا صوبہ دار بن گیا سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے انتقال سے پہلے وصیت کی تھی کہ کیخسرو کو ولی عہد بنا کر تخت شاہی اس کے سپرد کردیا جائے مگر وزیر اعظم ملک فخر الدین نے بلبن کے دوسرے پوتے کیقباد بن بغرہ خان کو تخت نشین بنادیا کیخسرو کو تخت نہ ملنے سے زبردست چوٹ لگی تو اس نے تخت شاہی کے حصول کیلئے مغلوں کی طرف منہ کیا مگر انہوں نے اسے منہ نہ لگایا کیخسرو، دہلی جارہا تھا تو شاہی فوج نے اسے رُہتک کے مقام پر دھرلیا اور شہید کردیا اس کے شہید ہونے سے کیقباد کا راستہ صاف ہوگیا۔مؤرخ فرشتہ لکھتا ہے کہ غیاث الدین بلبن کے انتقال کے بعد امیروں اور ارکان سلطنت وغیرہ نے آپس میں مشورہ کر کے بغرا خان کے بیٹے کیقباد کو معزالدین کا خطاب دے کر بلبن کا جانشین مقرر کردیا تھا اس وقت اس کی عمر اٹھارہ

18 سال تھی اس نے بڑی موزون طبیعت پائی تھی وہ نکتہ رسی، سخن فہمی اور بہت سی دوسری عمدہ صفات کا مجموعہ تھا اللہ تعالیٰ نے اسے صورت بھی بڑی دلکش عطا فرمائی تھی اس کی کمال نسبی نے اس کے ذاتی خوبیوں اور حسن و جمال کی قدر و قیمت میں بہت اضافہ کر دیا تھا یہ نوعمر فرمانروا باپ کی طرف سے بلبن کا پوتا تھا اور ماں کی طرف سلطان شمس الدین التمش کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔(353)

فرشتے نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔اگر ہم غیاث الدین کے عہد کو سب زمانوں میں بہتر زمانہ قرار دیں تو نامناسب نہ ہوگا اس کے عہد حکومت میں شیخ فرید الدین گنج شکر شیخ الشیوخ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی اوران کے صاحبزادے شیخ صدرالدین عارف، شیخ بدرالدین غزنوی خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور سیدی مولا جیسے بزرگان صاحب حال اور درویشان کامل اپنے فیض سے ہندستان کی سرزمین کو سیراب کررہے تھے۔ غیاث الدین بلبن نے بائیس سال حکومت کی۔(354)

بلبن کی وفات 685 میں ہوئی تھی اس کے دور میں قطب الاقطاب حضرت سید جلال الملۃ والدین سرخپوش بخاری اوچشریف میں جلوہ افروز تھے اور اپنے روحانی و جسمانی، ظاہری و باطنی حسی و معنوی فیض سے خلق خدا کو سیراب فرمارہے تھے،اوچ شریف میں آپ کی تشریف آوری 641ھ میں ہوئی ہے۔

جلال الدین فیروز خلجی

جلال الدین خلجی بڑے تزک واحتشام کے ساتھ بہادر پور سے کیلوکھری آیا، کچھ دنوں تک تو اس نے سلطان شمس الدین کو تخت پر بٹھا کر خود اس کے نائب کی حیثیت سے کام کیا لیکن 688ھ میں اس نے شمس الدین کو ابدی نیند سلا کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا، تخت نشینی کے وقت اس کی عمر 70 برس تھی۔اس نے چتر شاہی کا رنگ سرخ کی بجائے سفید قرار دیا ظلم،شقاوت اور جبر سے کنارہ کشی اختیار کی لطف وکرم کو اپنا شعار بنالیا باقی زندگی میں کسی کو تکلیف نہ دی۔(355)

سیدی مولہ

سیدی مولہ جرجان کے فقیروں کے لباس میں ملک مغرب میں آئے اور درویشوں و صوفیوں سے طویل عرصے تک فیضان قلبی حاصل کرتے رہے شیخ طریقت حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر کی زیارت کیلئے ان کی خدمت میں پہنچے ان سے فیض یاب ہونے کے بعد دہلی میں رہنے کی اجازت چاہی آپ نے اجازت دیتے ہوئے فرمایا تمہاری خواہش ہے کہ دہلی میں خلق خدا سے ربط پیدا کروں اور اپنے آستانے کو لوگوں کا ملجاء وماؤی بناؤں فقیروں اور درویشوں کی حاجت روائی کروں مجھے تمہارے اس ارادے سے کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ دہلی پہنچ کر امیروں اور حاکموں سے زیادہ میل جول پیدا نہ کرنا اور ان سے تعلقات بڑھانے سے پرہیز کرنا کیونکہ ان کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے سے درویشوں اور فقیروں کو ہمیشہ نقصان پہنچتا ہے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی دوستی ہماری موت کا سبب بن جاتی ہے سیدی مولہ نے دہلی میں ایک عظیم الشان خانقاہ تعمیر کرائی اور ضرورت مندوں وفقیروں وغیرہ کی مدد کرنے لگے ۔ مسافر، غریب، ناچار خانقاہ میں آتے اور اپنی مرادیں حاصل کرتے سیدی مولہ ریاضت اور مجاہدہ میں جواب نہ رکھتے تھے ایک چادر کے علاوہ ان کے بدن پر کوئی کپڑا نہ ہوتا تھا، غذا بھی سادہ استعمال کرتے تھے لیکن ان کی خانقاہ میں عمدہ کھانے پکتے تھے بذات خود خواہشات نفسانی کو ابھرنے نہ دیتے تھے کسی سے نذرانہ، ہدیہ وغیرہ نہ لیتے تھے۔ لیکن خود جی کھول کر صدقات وخیرات کیا کرتے تھے۔ دہلی کے لوگ کہتے کہ آپ کیمیا گر ہیں غیاث الدین بلبن کے بعد جب کیقباد کی حکمرانی کا دور آیا تو سیدی مولہ کے اخراجات میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہو گیا لیکن انہوں نے شیخ المشائخ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی نصیحت کو فراموش کر دیا امیروں اور بڑے لوگوں سے گہرے مراسم پیدا کر لئے اور جب یہ لوگ آپ کو ملنے کے لئے آتے تو آپ ان کو دو دو تین تین ہزار اشرفیاں انعام میں دیدتے امیروں کو آپ کے دستر خوان پر عمدہ واعلیٰ کھانا ملتا اور نفیس شربت نوش جان بنتا آپ کے دستر خوان کے سامنے شاہی

دستر خوان کی رونق ماند پڑ گئی ایک ایک دن میں ایک ہزار من میدہ، چالیس من شکر، چالیس من گڑ، سو من گوشت اور کئی من گھی صرف ہوتا ان کی عطا کا عالم یہ تھا کہ جب کسی شخص کو کچھ دینا ہوتا تو فرماتے فلاں بورے یا فلاں پتھر کے نیچے اتنی چاندی یا سونا یا اشرفیاں ہیں وہ تم لے لو جب انہیں اٹھایا جاتا تو ان کے نیچے سے وہی نکلتا جو آپ فرماتے، جلال الدین خلجی تخت نشین ہوا تو لوگوں کا رش آپ کی خانقاہ میں پہلے سے زیادہ ہو گیا بادشاہ کا بڑا بیٹا خان خاناں آپ کا بے حد معتقد تھا ایک امیر قاضی جلال الدین کاشانی نے سیدی مولہ سے تعلقات استوار کر لئے اور ان کو بادشاہ بننے کی رغبت دلاتا رہا اس کی وجہ سے سیدی مولہ کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ مندرجہ بالا واقعات کو صاحب تاریخ فرشتہ نے اس کے ج 1 ص 224 تا ص 227 پر تفصیل سے بیان کیا ہے۔

آپ کو جس روز قتل کیا گیا اس دن آسمان پر بے انتہاء گرد و غبار تھا اور اتنا اندھیرا چھا گیا تھا کہ یوں معلوم ہوا ہوتا تھا کہ گویا قیامت آ گئی ہے سلطان جلال الدین اس سے پہلے آپ کا معتقد نہ تھا مگر ان حالات کو دیکھنے کے بعد آپ کا بہت معتقد ہو گیا۔ آپ کی شہادت 640ھ میں ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (356)

سیاہ آندھی

علامہ ضیاء الدین برنی مؤلف تاریخ فیروز شاہی جو اس قسم کی روایتوں کو بیان کرتے ہوئے ہمیشہ اپنے آپ کو صادق القول سمجھتا ہے، سیدی مولہ کے قتل کے بعد کے واقعات کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ ''جس روز سیدی مولہ کو قتل کیا گیا میں اس روز دہلی میں تھا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ قتل کے بعد ایک بہت سیاہ آندھی اٹھی اور سارا شہر تاریک ہو گیا یہ تاریکی اتنی ڈراؤنی تھی کہ شہر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی دہلی کے باشندے ایک دوسرے کی شکل بھی نہ دیکھ سکتے تھے اس آندھی کے بعد دہلی اور سوالک میں ایک زبردست قحط پڑا اس قحط کی مشکلات و مصائب کی تاب نہ لا کر ہندوؤں کا ایک بڑا گروہ دریائے جمنا میں غرق ہو گیا۔'' (357)

حدیث قدسی میں ہے!

مَنْ عَادَلِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ (بخاری)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی رکھی تو میں اس کو جنگ کا چیلنج کرتا ہوں۔ سیدی مولہ کے قتل کے بعد کالی آندھی کا آنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اظہار تھا سید الشہداء راکب دوش مصطفیٰ حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے جان نثاروں کی شہادت کے بعد آسمان سے خون کی بارش ہوئی تھی اور آندھی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ کسی کو اپنا ہاتھ دکھائی نہ دیتا تھا اس کی تفصیل ہماری کتاب ''یزید اہل اسلام کی نظر میں'' باحوالہ موجود ہے۔

ملتان وسندھ ارکلی خان کے سپرد

691ھ میں ہلاکوں خان کے ایک رشتہ دار نے ایک لشکر جرار ہمراہ لے کر ہندوستان پر حملہ کیا۔ جلال الدین بھی مقابلہ کیلئے آ گیا خلجیوں نے بہادری سے کام لیا اور معرکہ سر کر لیا اس واقعہ کے بعد چنگیز خان کا نواسہ الغوخان اپنے لشکر سمیت مسلمان ہو گیا تو جلال الدین نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کردی بعد ازاں بادشاہ نے اپنے بیٹے ارکلی خان کو ملتان، لاہور اور سندھ کا حکمران بنا دیا الغوخان اور اس کے ساتھیوں نے نومسلموں کے خطاب سے شہرت پائی اور موضع غیاث پور کو جہاں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء آرام فرما رہے ہیں اپنا مستقر قرار دے کر اس مقام کو مغل پورہ کے نام سے موسوم کیا۔(358)

سلطان علاؤ الدین خلجی

علاؤ الدین خلجی تخت دہلی کا مالک ہو گیا وہ بڑا کشور کشاء صاحب عزم اور فاتح دلیر بادشاہ تھا شمالی ہند کی ہر چھوٹی بڑی طاقت نے اس کے اقتدار کو تسلیم کر لیا اور یہی وہ پہلا مسلم حکمران تھا جس نے دکن کو فتح کر کے سلطنت کو وسعت دی اس نے ملکی مصالح اور وقتی ضروریات کے پیش نظر ایک خاص نظام حکومت قائم کیا جو بڑی حد تک کامیاب رہا راشننگ اور کنٹرول کا اجراء کر کے قیمتوں میں اضافے اور اشیاء کی قلت کا انسداد کیا وہ علماء سے مشورہ بھی کرتا تھا مگر اس پر عمل ضروری نہیں سمجھتا تھا مولانا علاؤ الدین اور قاضی مغیث سے مشورہ

اور گفتگو اس کی صریح دلیل ہے۔ وہ مذہب کا بڑا احترام کرتا تھا علاؤالدین خلجی نے عوام کے اخلاق کو درست کیا شراب، جوا اور دوسری تمام برائیوں کا خاتمہ کیا طوائفوں کو نکاح کرنے پر مجبور کر دیا یعنی اصلاح معاشرہ کی پوری کوشش کی مشائخ کرام وصوفیاء عظام سے بہت عقیدت رکھتا تھا بوعلی شاہ قلندر اور شیخ رکن الدین ملتانی اور شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی سے اس نے اکثر موقعوں پر اظہار عقیدت کیا علم وفضل کے اعتبار سے علاؤالدین کا زمانہ قابل فخر ہے اس کے عہد میں بڑے بڑے علماء وفضلاء اور دانشور دہلی میں جمع تھے زبدۃ التواریخ میں مولانا شیخ نورالحق دہلی لکھتے ہیں اہل فضل وکمال کے گروہ جتنے اس کے عہد میں جمع ہو گئے تھے کسی زمانے میں نہیں ہوئے تھے بلکہ نہ آئندہ ہوں گے ضیاؤالدین برنی نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں صرف دہلی میں علاؤالدین خلجی کے زمانے کے چالیس علماء کرام کے نام تحریر کئے ہیں ان میں قاضی مغیث الدین بیانوی قاضی محی الدین کاشانی مولانا کمال الدین کولی مولانا وجیہ الدین پائیلی اور شمس الدین یحییٰ کے نام گروہ علماء میں نہایت ممتاز ہیں امیر خسرو اور شیخ نظام الدین اولیاء عہد علائی کی زندہ جاوید ہستیاں ہیں اسی سلطان کا زمانہ تھا کہ مخدوم سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت پیدا ہوئے اس وقت برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کے سلطنت کے قیام کو کم وبیش سو سال گزر رہے تھے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً تیرہ سال تھی کہ خلجی خاندان کا 720ھ مطابق 1320ء میں خاتمہ ہوا۔ (359)

علاؤالدین خلجی کی صحت کی دیوار گرتی چلی گئی آخر کار 6 شوال 716ھ کی رات کو اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی سلطان محمود غزنوی سے کئی گنا زیادہ سیم وزر، جواہرات اور معدنیات اس نے دوسروں کیلئے چھوڑے اس نے اپنے دور میں چوراسی 84 لڑائیاں لڑی۔ ہر لڑائی میں وہ کامیاب وکامران رہا۔ (360)

معتبر لوگوں نے بیان کیا ہے کہ علاؤالدین نے کڑہ کے مشہور درویش حضرت خواجہ ''گرگ'' کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے مدد کا طالب ہوا خواجہ صاحب نے

علاؤالدین کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

ہر کس کہ کند باتو جنگ
سر در کشتی تن در گنگ

جو کوئی تجھ سے جنگ کرے گا اس کا سر کشتی میں اور جسم گنگا میں ہوگا سلطان جلال الدین خلجی کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔(361)

علاؤالدین کی پریشانی

علاؤالدین نے درنگل پر لشکر کشی کی کچھ عرصہ علاؤالدین کو اپنے لشکر کے حالات کا علم نہ ہوسکا اسے بہت پریشانی ہوئی آخر کار بادشاہ نے قاضی مغیث اور ملک قرابیگ کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ عرض کیا۔ مذھب اسلام کا خیال حضور کو مجھ سے زیادہ ہے اگر آپ کشفِ باطن سے لشکر اسلام کا حال معلوم کریں تو از راہِ عنایت مجھے بھی آگاہ فرمائیں۔ درنگل کی طرف جانے والے لشکر کی کوئی خبر نہیں ملی، میں سخت پریشان ہوں۔ بادشاہ نے قاضی صاحب کو تاکید کر دی تھی کہ حضرت صاحب جو کچھ فرمائیں بغیر کمی وبیشی کے میرے سامنے بیان کیا جائے۔ آپ نے پرانے زمانے کے ایک بادشاہ کی فتح کی داستان سنائی اور فرمایا مزید فتوحات کی بھی امید ہے، قاضی صاحب اور ملک قرابیگ بادشاہ کے پاس پہنچے اور جو کچھ حضرت صاحب نے فرمایا تھا حرف بحرف بادشاہ کو سنا دیا، علاؤالدین حضرت محبوب الٰہی کی گفتگو سن کر بہت خوش ہوا اور یقین کر لیا کہ درنگل کا معرکہ سر ہو گیا ہے اسی روز عصر کے وقت قاصد آئے اور انہوں نے درنگل کا فتح نامہ علاؤالدین کی خدمت میں پیش کیا۔ علاؤالدین حضرت محبوب الٰہی کی روحانی بلندیوں کا پہلے سے زیادہ قائل ہو گیا اور ہمیشہ خط وکتابت و نیازمندی کا سلسلہ جاری رکھا اور دعائیں حاصل کرتا رہا۔ علاؤالدین کی سلطنت کابل، سندھ، سرحد، بنگالہ، دکن اور گجرات کی حدود تک پہنچ گئی اور سارے ہندوستان کے شہر، علاقے اور تمام راجاؤں کے محل اور خزانے بادشاہ کے قبضے میں آ گئے۔ ہندوستان میں کہیں دس بیگہ زمین ایسی نہ رہی جہاں علاؤالدین

کے نام کا خطبہ وسکہ جاری نہ ہو۔(362)

قبر میں زندگی

حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی بڑے باادب تھے، جب خواجہ قطب الدین بختیار قدس اللہ روحہ کے مزار مبارک پر جاتے تو آستانے کو چومتے۔ایک بار حسبِ عادت آستان بوسی کی اور فاتحہ پڑھی پھر لوٹ آئے ،دل میں خیال آیا۔خدا معلوم حضرت کو میرے آنے کی خبر بھی ہوتی ہے یا نہیں،مزار مبارک سے آواز آئی مجھے اپنی طرح زندہ سمجھو،تم جسم سے آتے ہو تو میں جان سے آتا ہوں تم نے میرے پاس تحفے فاتحہ و درود کے بھیجے تو میں تم کو ہدیہ سلام بھیجتا ہوں اور جب تم یہاں تک آؤ گے تو میں بھی گنبد سے باہر آسکتا ہوں۔

جب آپ نے رحلت فرمائی اور جنازہ اٹھایا گیا تو قوالوں نے یہ شعر پڑھا۔

سرو سیمیا! بصحرا مے روی
ایں کے عہدے کہ بے ما مے روی
اے تماشگاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا مے روی
دیدہ سعدی و دل ہمراہ تست
تانہ پنداری کہ تنہا مے روی

اے سروسیمیں! تم تو صحرا کی طرف سدھارے۔یہ کیسا عہد ہے کہ ہمارے بغیر چل دیئے۔تمہارا چہرہ تمام جہانوں کی تماشا گاہ ہے تم کدھر تماشا دیکھنے چل پڑے،سعدی کی آنکھیں اور اس کا دل تمہارے ساتھ ہے کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ تنہا جارہے ہو۔اس پر حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی کا ہاتھ ظاہر ہو کر بلند ہوا، حضرت امیر خسرو نے شعر پڑھنے والوں کو روک دیا اور فرمایا خاموش ہو جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت مخدوم جنازہ سے اٹھ کر کھڑے ہوں اور سماع میں شریک ہو جائیں۔(363)

امیر حبیب اللہ پٹیالہ سے سرہند جانے لگے تو قاضی سلیمان منصور پوری کو ساتھ لے لیا

جب روضہ حضرت مجدد الف ثانی پر مراقبہ کیلئے بیٹھے تو قاضی جی نے دل میں کہا کہ شاید ان بزرگوں نے کوئی راز کی بات کرنی ہو ان سے الگ ہو جانا چاہیے یہ اپنے دل میں یہ خیال لے کر اٹھے کہ حضرت مجدد الف ثانی (صاحب مزار) نے آپ کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور فرمایا سلیمان بیٹھے رہو ہم کوئی بات تجھ سے راز میں نہیں رکھنا چاہتے۔ یہ واقعہ مراقبہ یا مکاشفہ کا نہیں بلکہ بیداری کا ہے۔(364)

تفسیر کبیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ مکان تبدیل کرتے ہیں۔(365)

کون کہتا ہے کہ ولی مر گئے
قید سے چھوٹے وہ اپنے گھر گئے

غیبت کی اجرت

اللہ تعالیٰ جس کو عزت دیتا ہے اس کے دشمن پیدا ہو جاتے ہیں محبوب الٰہی کا ایک دشمن آپ کے خلاف بہت زہر اگلتا تھا۔ آپ روزانہ اس کے گھر کا خرچہ اس کے پاس بھیج دیتے تھے، ایک بار اس کی بیوی نے اسے لعن طعن کیا تو وہ آپ کی گلہ گوئی سے رک گیا۔ آپ نے اس کے پاس کچھ نہ بھیجا وہ حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری یاوہ گوئی کرنے سے آپ ہمارے گھر کا خرچ بھیج دیتے تھے اب میں نے آپ کی برائی بیان کرنا چھوڑ دی ہے تو آپ نے کچھ بھی نہیں بھیجا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا جب تو مجھے احمق، بے وقوف وغیرہ کہتا تھا تو میرے گناہ معاف ہوتے تھے اور تو میرا مزدور تھا میں تمہاری اجرت بھیج دیتا تھا اب تُو نے مزدوری کرنی چھوڑ دی ہے تو تمہاری اجرت بھی بند ہو گئی ہے۔ (سبع سنابل)

کوفے میں ایک شخص امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی عیب جوئی کرتا تھا اور آپ کو گالیاں دیتا تھا، ایک بار آپ کے ایک محب نے اس کی گالیاں سن لیں۔ اور غمگین ہو کر آپ کے پاس حاضری دی، آپ نے اس کی غمگینی کو دیکھ کر فرمایا۔ تم غمگین کیوں ہو؟ اس نے کہا کہ میں جب آ رہا تھا تو فلاں آدمی لوگوں کے سامنے آپ کو

گالیاں دے رہا تھا، اس لئے میں غمگین ہوں۔ آپ نے ایک تھیلی اشرفیوں کی اٹھائی اسے ساتھ لیا اور گالیاں دینے والے کے پاس تشریف لے گئے اس نے آپ کو دیکھا تو بہت شرمندہ ہوا۔ آپ نے تھیلی اس کے حوالے کی اور فرمایا یہ تیری اجرت ہے۔ تو نے میرے گناہ لے لئے ہیں اور اپنی نیکیاں مجھے دے دی ہیں لہٰذا تو اشرفیوں کا حق دار ہے۔

مغلوں کی چوتھی یلغار

تغلق خان دو لاکھ کی فوج کیساتھ ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور سندھ سے گذرتا ہوا دریائے جمنا کے کنارے تک پہنچ گیا۔ (366)

اوچ کے صوبے دار کی جوانمردی

اوچشریف اور ملتان کے صوبہ دار ہزبرالدین خان نے انتہائی جوانمردی، کمال اور ہمت سے مغلوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا اور 18 میل تک انہیں پیچھے دھکیل دیا پھر صوبہ دار کی فوج مغل فوج کے تعاقب میں لگی رہی مغل کی فوج کے کچھ لوگوں نے پیچھے ہٹتے ہوئے راستے میں ایک خفیہ کمین گاہ بنائی اور گھات لگا کر اس میں بیٹھ گئے جب ہزبرالدین وہاں پہنچا تو انہوں نے اس پر حملہ کر دیا چنانچہ وہ اس حملہ میں راہی ملک بقا ہوا۔ (367)

کسی نے کیا خوب کہا ہے!

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

اوچشریف غازی بیگ کے پاس

ہزبرالدین خان کے شہید ہو جانے کے بعد اوچشریف کا علاقہ غازی بیگ کی قلم رو میں آ گیا کچھ عرصہ بعد غازی بیگ سلطان غیاث الدین تغلق کے لقب سے مشہور ہوا اور پورے ہندوستان پر حکومت کرنے لگا۔ (368)

اوچ علم کا گہوارہ

غازی بیگ کے دور میں اوچشریف پھر علم کا گہوارہ بن گیا اور علم کے حوالے سے اس کی شہرت کا ڈنکا بجنے لگا دارالعلوم کے فضلاء کا ایک مقام تھا۔ قاضی القضاۃ ملک افتخار الدین اور رکن الرکین سلطنت مولانا شہاب الدین اس مدرسے کے فضلاء میں سے تھے، ملک غازی بیگ جب غیاث الدین تغلق بن کر دہلی میں تخت نشین ہوا اور پورے ہندوستان پر حکومت کرنے لگا تو اس نے اوچشریف اور ملتان کی صوبے داری اپنے بھائی بہرام خان کو دے دی اور اسے کشلو خان کا لقب عطا کیا بہرام خان عرف کشلو خان نے اپنی صوابدید کے مطابق اپنے صوبہ کے نظام کو چلایا۔(369)

مغلوں کی پانچویں یلغار

مغلوں نے 704 اور 705ھ میں پھر ہندوستان پر چڑھائی کی اور گزشتہ حملوں سے عبرت حاصل نہ کی اس بار بھی وہ بری طرح شکست سے دوچار ہوئے اور منہ لٹکا کر واپس چلے گئے۔ اس دور میں علمائے کرام، مشائخِ عظام کا سایہ پورے ہندوستان پر جلوہ فگن تھا اور وہ اپنے اپنے مقام پر دینی و روحانی خدمات سرانجام دینے میں مصروف تھے۔ چنانچہ شیخ المشائخ غوث العالمین حضرت بہاؤالحق زکریا ملتانی اور سید الاصفیاء حضرت شیخ صدرالدین اور قطب الاقطاب حضرت رکن عالم نوری حضوری، شیخ المشائخ شیر شاہ حضرت سید جلال الدین بخاری اور مخدوم الملک حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سید الاصفیاء حضرت شیخ نظام الدین محبوب الٰہی اور حضرت بابا فرید گنج شکر اور ان کے نواسے حضرت شیخ علاؤالدین اور دیگر اولیاء اللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، برصغیر میں علوم دینی اور روحانیت کے جو چراغ روشن کر گئے تھے وہ پوری آب و تاب کے ساتھ روشن تھے۔ دنیا کے لوگ عموماً اور برصغیر پاک و ہند کے لوگ خصوصاً ان چراغوں سے روشنی حاصل کر رہے تھے اور اپنے ایمان اور اخلاق کو چمکا رہے تھے۔ اس وقت اوچ کے سادات اور مخادیم دربار حضرت شیخ رکن الدین رکن عالم (ملتان شریف) میں بیعت ہوا کرتے تھے، بہت سی پریشانیوں اور لڑائیوں کے بعد ملک

غازی، سلطان غیاث الدین تغلق کا نام پا کر دہلی میں تخت نشین ہوا اور تخت نشین ہوتے ہی، اوچ و ملتان کی صوبے داری اپنے دوست اور بھائی بہرام خان کے سپرد کر دی اسے کشلو خان کا خطاب عطا کیا۔(370)

اوچ کا صوبیدار علی محصل

725ھ میں غازی بیگ المعروف غیاث الدین تغلق اپنے محل کی چھت سے گر کر فوت ہو گیا، اس کا فرزند فخر الدین سلطان محمد تغلق تخت نشین ہوا تو اس نے اوچشریف اور ملتان کی صوبہ داری کیلئے علی محصل کو گورنر بنا دیا۔ علی نے بہرام خان عرف کشلو خان کے داماد رستم خان کو گالیاں دیں، اس کے بال نوچے اور ہاتھا پائی کی۔ علی، رستم کے ہاتھوں قتل ہو گیا ادھر بہرام خان بھی شاہی لشکر کے ہاتھوں موت کا پیالہ پی کر مر گیا علی کے بعد اوچشریف میں قوام الملک حاکم بنا۔(371)

مغلوں نے اوچ کو لُوٹا

ترمش زین مغل 727ھ میں بے شمار فوجی لشکر لے کر ہندوستان کی مملکت پر حملہ آور ہوا اوچشریف اور ملتان شریف کو لوٹنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے اکثر علاقوں کو جنگ کی آگ میں ڈال دیا اور اپنی ہوس کو پورا کرنے کے بعد واپس لوٹ گیا۔ 734ھ میں مشہور سیاح علامہ ابن بطوطہ اوچشریف میں آیا چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ بھکر سے چل کر ہم اوچشریف میں پہنچے یہ شہر دریائے سندھ کے کنارے پر واقع ہے۔ خاصا بڑا شہر ہے بازار بہت عمدہ ہیں عمارتیں مضبوط ہیں ان دنوں حاکم شہر سید جلال الدین کیچی تھا جو شجاعت اور کرم میں مشہور تھا۔ بے چارہ یہاں گھوڑے سے گر کر مر گیا اس شہر میں سید جلال الدین علوی کی زیارت سے بھی مشرف ہوا انہوں نے مجھے خرقہ عنایت کیا، یہ بزرگانِ صالحین میں سے تھے۔ ہندوستان کے بادشاہ کو 742ھ میں اطلاع ملی کہ شاہو افغان نے ملتان میں اس کے نائب بہزاد کو قتل کرا دیا ہے اور قوام الملک کو اوچشریف سے بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے۔ سلطان نے شاہو کی بیخ کنی کیلئے ملتان کی طرف روانگی اختیار کی شاہو کو جب علم ہوا کہ بادشاہ

اس کی کمر توڑنے کیلئے اور اس کو نیچا دکھانے کیلئے رواں دواں ہے تو وہ ملتان کی طرف بھاگ نکلا اور اپنی جان وآن بچا کر پکا شاہو بن گیا۔(372)

کھوکھروں کا اوچ پر قبضہ

کھوکھروں نے 743ھ میں اپنے پاس خاطر خواہ طاقت اکھٹی کرلی اور اس کے بل بوتے پر اوچشریف اور ملتان اور لاہور پر قبضہ کرلیا۔ لاہور کے گورنر تاتار خان کو تہہ تیغ کردیا، پورے علاقے میں خوف وہراس پھیلا دیا دہلی کے تخت نشین کو جب اس معاملہ کا علم ہوا تو اس نے اپنے معتمدِ خاص خواجہ جہاں کو کھوکھروں سے نپٹنے کیلئے روانہ کیا۔ تاکہ کھوکھروں کی بغاوت کو نیست ونابود کیا جائے۔ خواجہ جہاں نے بلادھڑک کھوکھروں سے نبرد آزمائی کی، نتیجہ یہ نکلا کہ کھوکھر قتل ہوئے اور بچے کھچے گرفتار ہوئے۔ ان کا غاصبانہ قبضہ اپنی موت آپ مر گیا۔ اوچشریف اور دیگر مقبوضہ علاقے پھر سلطنت دہلی کے ہاتھ آگئے۔ دہلی کے تخت نشین کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں پر حکومت کرنے کا حق بنوعباس کو ہے، حالانکہ اس وقت بغداد میں بنوعباس کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ صرف مصر میں معتصد باللہ عباسی برائے نام خلیفہ تھا، اس بنا پر سلطان محمد تغلق نے عباسی خلیفے کی غائبانہ بیعت کرلی۔ اس بیعت کے بعد 744ھ میں عباسی خلیفے نے ہندوستان کے بادشاہ محمد تغلق کے پاس حاجی سعید کو اپنا قاصد بنا کر روانہ کیا اسے تحفے تحائف کے ساتھ حکومت کیلئے منشور بھی بھیجا۔ دہلی کے بادشاہ نے عباسی خلیفے کے قاصد کا والہانہ استقبال کیا اس کی قدم بوسی کی اور پیدل چلنے لگا۔ عباسی خلیفے کیلئے اپنا مکتوب اپنے ہاتھ سے لکھا، خط اپنے قاصد حاجی رجب کو دیا اور قیمتی اشیا بطور تحفہ بھی مصر روانہ کیں۔ ان ایام میں ایک عباسی شہزادہ ہندوستان میں آیا۔ سلطان محمد تغلق نے اس کے لیے پرتباک استقبال کا انتظام کیا۔ اسے اعزاز واکرام سے نوازا۔ لاکھ بیگہ زمین اور باغ اسے بطور تحفہ عطا کئے۔ جب عباسی صاحب دربارِ شاہی میں آتے تو سلطان اپنا تخت چھوڑ کر اس کا استقبال کرتا اور اسے اپنے ساتھ بٹھاتا۔ سلطان محمد تغلق کے مصاحب امیر لوگ تھے اور امیروں میں دولت کا نشہ سوار

ہوتا ہے، وہ لوگ کم کسی کو خاطر میں لاتے ہیں، دولت میں فرعونیت کا عنصر شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کو دولت وفرعونیت، غرور اور تکبر ہرگز پسند نہیں ہیں چنانچہ سرور کشور رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا و دولت کی قدر مچھر کے پر جتنی بھی نہیں ہے اگر مچھر کے پر کے برابر اس کی قدر و قیمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو پانی کا ایک گھونٹ بھی عطا نہ کرتا۔(ترمذی شریف)

سلطان امیروں کے غرور اور ان کی فرعونیت سے تنگ تھا اس لیے اس نے ان کو اپنی مجلس سے اس طرح باہر نکال دیا جس طرح مکھی کو دودھ سے نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔ اب ان کی جگہ میرزادوں اور کمی کاسبیوں نے سنبھال لی۔ ملک میں ایک تماشا برپا ہو گیا ہر طرف بدامنی لوگوں کو کچلنے لگی ظلم و ستم دندنانے لگا اور افراتفری کا سیلاب امڈ آیا۔ سلطان نے جب یہ تماشا دیکھا تو اصلاح کیلئے پہلے پہل اوچشریف کا قصد کیا اور کشتی کے ذریعے سے روانہ ہوا یہ سفرِ اصلاح، بادشاہ کیلئے سفر آخرت بن گیا چنانچہ 752ھ میں سلطان محمد نے دورانِ سفر داعیِ اجل کو لبیک کہا اور سلطنت کو چھوڑ کر آخرت کو سدھارا۔(373)

مٹے ناموں کے نشان کیسے کیسے
زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

باربک اوچ میں

سلطان محمد کے مہمان مخدوم زادہ عباسی اور شیخ المشائخ حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی نے سیوہان (سیون) کے مقام پر سلطان فیروز باربک کو دہلی کا تخت نشین بنایا۔ سلطان اپنے تخت کو سنبھالنے کیلئے دہلی روانہ ہوا چونکہ راستے میں اوچشریف بھی آتا تھا اس لئے اس نے اوچشریف میں دربار لگایا اور لوگوں میں تحفے وتحائف تقسیم کئے سادات کرام علماء وفضلاء اور امراء کو بھی خصوصی پیکج دیے۔ قطب الاقطاب حضرت مخدوم جہانیاں اور شیخ المشائخ حضرت خواجہ نصیرالدین میں ملاقات ہوئی، صوفی بزرگوں کی نشست و برخاست اور ان کے ادب وآداب نے ایک زمانے کو متاثر کیا۔ روحانیت کے دریا میں موج آ گئی اور تشنگانِ عشق

سیراب ہونے لگے، نئے بادشاہ فیروز باربک نے چند دن یہاں گزارے اور ملتان سے ہوتا ہوا دہلی پہنچا وہ 752ھ میں دہلی پہنچ کر تخت نشین ہوا اور ملکی امور کو استحکام بخشا۔(374)

مغلوں کی اوچ پر چھٹی یلغار

مغلوں کی فوج نے 759ھ میں اوچ شریف پر حملہ کردیا ملتان اور دیپال پور کو لوٹا شاہی فوج کے آنے سے پہلے لوٹ مار کر کے مغل بھاگ گئے باربک نے نظام حکومت سنبھالنے کے بعد اوچشریف، ملتان اور صوبہ پنجاب مع جاگیر نصیر الملک کے سپرد کردیا۔اس نے صوبے بھر میں امن اور اعتدال کو برقرار رکھا محمد شاہ کے دور اقتدار میں نصیر الملک کو امیر الامراء کا منصب عطا ہوا۔اسے خضر خان کے خطاب سے نوازا گیا اور اس کی خدمات کو سراہا گیا۔(375)

اوچ غلام علی کے سپرد

ناصر الدین محمود بن سلطان محمد شاہ کے زمانے میں اوچشریف و ملتان شریف اور دیپال پور سارنگ خان کی حکومت کا حصہ بن گئے۔سارنگ خان نے اوچشریف کی کمند آور فوج کی مدد سے کھوکھروں کے رئیس و سردار شیخا خان کو چنے چبوائے اسے شکست فاش دی اور لاہور کو ان کے تسلط سے آزاد کرالیا اوچشریف میں خضر خان یعنی نصیر الملک کو ہٹا کر اس کی جگہ پر ملک غلام علی کو حاکم مقرر کیا گیا۔یہ واقعہ 800ھ کا ہے۔(376)

اوچشریف کے حاکموں کی تبدیلی

800ھ میں ملک غلام علی اوچشریف کا حاکم تھا۔اس کے زمانے میں مرزا پیر محمد جہانگیر اوچشریف میں آیا وہ اس کے گردونواح میں سیر کر رہا تھا کہ تیمور گورگان نے ہندوستان پر چڑھائی کا عزم کرلیا۔12 محرم 800ھ کو اس نے دریائے سندھ کو عبور کیا اور اوچشریف سے گزر کر ملتان پہنچا۔وہاں سے پاکپتن گیا اور دہلی کی راہ لے لی، دہلی کے بادشاہ نے راہ فرار اختیار کی اور وہ گجرات چلا گیا تیمور نے بغیر کسی مزاحمت کے دہلی کو فتح کر لیا۔جمعہ کے دن صاحب قران تیمور کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔فتح کی خوشی میں پانچ دن

جشن منایا گیا تیمور نے صوبہ پنجاب یعنی اوچشریف وملتان اور دیپالپور کا علاقہ خضر خان کے سپرد کر دیا۔ سارنگ خان نے ہمت نہ ہاری اور اپنی قوت کے زور پر اوچشریف اور ملتان کی حکومت خضر خان سے چھین لی۔ خضر خان نے تیمور کے پاؤں پکڑے اور اپنی مقبوضہ حکمرانی واپس لینے کے جتن کئے اور اپنی خدمات یاد دلائیں، خضر خان کا بخت بیدار ہوا اور وہ اوچشریف وملتان کا پھر حاکم بن گیا۔ تائیدِ ایزدی نے اس کی یاوری کی تو وہ تختِ شاہی کا مالک بنا دیا گیا۔ خضر خان سادات کے خاندان سے تھا اور ہندوستان میں پہلی بار سادات کو حکمرانی کی دولت نصیب ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ تیمور کچھ عرصہ دہلی میں رہ کر پانی پت، میرٹھ، بھٹ نیر، جموں اور لاہور کو تاخت وتاراج کرتا ہوا سمرقند چلا گیا تھا۔ (377)

اوچشریف کا گورنر عبدالرحیم

سید نصیر الملک عرف خضر خان کو اللہ تعالیٰ نے بغیر مزاحمت کے تختِ شاہی پر متمکن فرما دیا۔ خضر خان اعلیٰ اخلاق اور بالا صفات کا مالک تھا اس کی سیادت اور اس کی نجابت پر شیخ المشائخ حضرت سید مخدوم جہانیاں قدس سرہ نے مہر تصدیق ثبت فرمائی تھی۔ تخت نشینی کے بعد خضر خان نے اوچشریف پر ملک عبدالرحیم کو گورنر بنا دیا۔ ملک عبدالرحیم خضر خان کے باپ کا منہ بولا بیٹا تھا اور اس وقت اوچشریف اور ملتان میں تیمور گورگان کا خطبہ وسکہ جاری تھا۔ خطبہ کے آخر میں سید بادشاہ یعنی خضر خان کا نام لے کر اس کیلئے دعا کی جاتی تھی۔ خضر خان 822ھ میں وصال پا گیا تو سلطنت کی ذمہ داری اس کے بیٹے مبارک شاہ پر آن پڑی۔ (378)

اوچ کا حاکم محمود حسن

مبارک شاہ نے اوچشریف وملتان اور سندھ کا صوبہ ملک محمود حسن کے سپرد کر دیا۔ ملک محمود نے اوچشریف میں چھاؤنی قائم کر کے اس کی اہمیت میں اضافہ کر دیا 830ھ میں اوچشریف اور ملتان کی صوبیداری ملک محمود حسن سے واپس لے لی گئی اور ملک رجب کے سپرد کر دی گئی ملک رجب زیادہ دیر زندہ نہ رہا، اس کی موت کے بعد اوچشریف اور ملتان

پھر ملک محمود حسن کے سپرد کر دیا گیا۔ اس کے حسنِ انتظام کے پیش نظر اسے عماد الملک کے لقب سے نوازا گیا۔ 835ھ میں عماد الملک کو بادشاہ نے دہلی میں طلب کرلیا اس کے چلے جانے کے بعد ملک حسرت کھوکھر نے ان علاقوں میں لوٹ مار شروع کر دی۔ سلطان ابوالفتح مبارک شاہ کو جب ملک حسرت کے فتنے وفساد کی اطلاع ملی تو وہ بنفسِ نفیس اوچشریف کیلئے روانہ ہوا ملتان آکر سب سے پہلے بزرگانِ دین کے مزارات کی زیارت کی اور مشائخ سے ملا۔ اس کے بعد اوچشریف کیلئے روانہ ہوا ابھی راستے میں تھا کہ اسے مجبوراً دہلی جانا پڑ گیا چنانچہ وہ اوچشریف آئے بغیر دہلی چلا گیا اور 837ھ میں واصل باللہ ہوا۔ (379)

خود مختار حکومت کا قیام

مبارک شاہ کے بعد سلطان محمد شاہ بن فرید خان تخت نشین ہوا اس نے رعایا کی طرف توجہ نہ دی بلکہ آرام پسندی اختیار کی۔ اس بنا پر اس کے خلاف بہلول لودھی نے دلیری دکھائی، دیپالپور اور پانی پت کے علاقوں پر قبضہ کرلیا پھر نمائشی اطاعت کا چکمہ دے کر صلح کر لی اور بادشاہ سے دیپالپور اور لاہور کی حکومت اپنے لیے لکھوالی۔ 845ھ میں حکم نامہ بھی حاصل کرلیا آہستہ آہستہ اپنا کام نکالتا رہا اور خانِ خاناں کا لقب اور فرزندی کا خطاب بھی حاصل کرلیا۔ اس کے بعد اس نے دہلی پر حملہ کر دیا، تخت چھیننے کی کوشش کی جو بے کار گئی لیکن ملک میں افراتفری کا بازار گرم ہو گیا۔ لودھی کی قوت کو بڑھتا ہوا اور دہلی کی حکومت کو گرتا ہوا دیکھ کر ملتان شریف کے سرکردہ لوگوں نے میٹنگ کی اور یہ طے کیا کہ ملتان اور اس کے گردونواح میں خود مختار حکومت قائم کی جائے۔ (380)

ملتان و اوچ کا بادشاہ

غوث العالمین حضرت غوث بہاؤ الحق والدین قدس سرہ العزیز کے سجادہ نشین شیخ محمد یوسف قریشی کو اہل ملتان نے اپنا بادشاہ بنایا اور پورے علاقے میں ان کے نام کا خطبہ دیا اور ان کا سکہ جاری کیا۔ چونکہ اوچشریف اور ملتان میں چولی دامن کا تعلق قدیم سے چلا آرہا تھا اس لیے ملتان کا اثر اوچشریف میں پہنچا، اوچشریف کے باشندوں نے بھی شیخ محمد یوسف

قریشی کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا اور ان کے سکے کو اپنا سکہ بنالیا۔(381)

ملتان کے بادشاہ سے دھوکہ

شیخ محمد یوسف قریشی کے ایامِ شاہی میں سندھ اور سیوی (سیون) کے علاقوں کا سردار رائے سہرا تھا۔ سردار صاحب لنگاہ قوم کا سربراہ تھا، اس نے اپنا وکیل ملتان کے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا اور اپنی نیازمندی کا اظہار کیا اور عرض گزار ہوا کہ دہلی کی حکومت اتار چڑھاؤ اور فتنے وفساد کی شکار ہے، لہٰذا ہمیں بھی ملتان کی سلطنت میں شامل کرلیا جائے، استدعانامے پر رائے سہرا نے اپنی مہر لگا دی اور اپنی پرانی غلامی اور پختہ محبت کا ذکر کیا، مزید برآں رائے سہرا نے اپنی لڑکی کا نکاح بھی حضرت شیخ محمد یوسف کے ساتھ کردیا، اس طرح اس نے شاہِ ملتان سے اپنی رشتہ داری قائم کرلی۔ جب آنا جانا اور اٹھنا بیٹھنا ایک ہوگیا تو رائے سہرا نے اپنے داماد اور ملتان کے بادشاہ حضرت شیخ محمد یوسف کو قید کر کے دہلی بھجوادیا اور خود سلطان قطب الدین لنگاہ بن کر ملتان کے تختِ شاہی پر قابض ہوگیا۔ اس دوران دہلی کی نوراکشتی میں بہلول لودھی تخت نشین ہوگیا تھا۔ اس کو جب شیخ محمد یوسف کی وجاہت اور خاندانی عظمت اور غوث العٰلمین کی نیابت کا پتہ چلا تو اس نے شیخ کی بے حد تعظیم کی، انہیں مایوسی کے دلدل سے نکالا اور ان کے فرزندِ ارجمند شیخ عبداللہ قریشی کو اپنی لڑکی کا نکاح دے دیا رائے سہرا یعنی قطب الدین لنگاہ 874ھ میں مرگیا۔ اس کی قبر اوچ میں بنائی گئی جو حضرت بندگی محمد غوث کی خانقاہ کے احاطے میں ہے۔(382)

ملتان حسین لنگاہ کے سپرد

قطب الدین لنگاہ کے فوت ہو جانے کے بعد اس کا بیٹا سلطان حسین لنگاہ ملتان کا بادشاہ بنا۔ یہ نیک آدمی تھا، ملتان کی حسین آگاہی اس کے نام سے مشہور ہے یعنی حسین لنگاہی سے اب وہ حسین آگاہی بن گئی ہے۔ ممکن ہے کہ حسین آگاہی کے نام کی کوئی اور وجہ بھی ہو، حسین لنگاہ دین سے محبت کرتا تھا، اہلِ علم کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس کے عہد میں بلوچوں کی جماعتیں یکے بعد دیگرے آکر اس کے ساتھ شامل ہوئیں، ان کے آنے

سے اس کی ہمت وقوت میں اضافہ ہوا۔ اس نے بلوچوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور انہیں اپنی مملکت میں گورنری کا عہدہ دیا۔(383)

سہراب خان بلوچ کی آمد

حسین لنگاہ کے عہد میں سہراب خان بلوچ جو اسماعیل خان اور فتح خان کا باپ تھا، اپنی قوم کے ساتھ کیچ مکران کے نواح سے حسین لنگاہ کے پاس آیا۔ حسین لنگاہ نے اس کی بہت پذیرائی کی اور اسے قلعہ کوٹ کروڑ سے قلعہ دھن کوٹ تک کا تمام علاقہ جاگیر میں دے دیا، اس کے بعد بے شمار بلوچ ملتان آئے اور حسین لنگاہ کے لشکر میں اضافے کا سبب بنے۔ اس نے دریائے سندھ کے کنارے کا بقیہ علاقہ بھی بلوچوں کو جاگیر میں دے دیا۔ اس طرح سیت پور سے دھن کوٹ کا سارا علاقہ بلوچوں کے قبضہ میں آ گیا۔(384)

اوچشریف کا بلوچ گورنر

بلوچ خاندان کے سردار بایزید خان اور ابرہیم خان سندھ کے والی جام نندہ سے ناراض ہوکر سلطان حسین لنگاہ کے پاس آ گئے۔ حسین لنگاہ نے پرانی پیت پریت کے تحت ان کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور انہیں شاہی مہمان بنایا پھر سردار بایزید اور ابرہیم خان کو شور اور اوچ کے شہر جاگیر میں دے دیئے۔ اس طرح ابراہیم خان اوچشریف کی ولایت پر گورنر مقرر ہوا۔ پھر بلوچ قوم کا اوچشریف اور ملتان میں اثر ورسوخ بڑھ گیا۔ اقتدار میں رہ کر بلوچ سردار نے سلطان کیساتھ وفا کیا اور بھرپور انداز میں قوم ورعیت کی خدمت کا فریضہ انجام دیا۔ اس دوران سلطان حسین لنگاہ کا رابطہ دہلی کے بادشاہ سے ہو چکا تھا اور باہمی مصالحت نامے تحریر ہو رہے تھے۔ حسین لنگاہ جب بوڑھا ہو گیا اور امورِ سلطنت انجام دینے سے عاجز آ گیا تو اس نے اپنے پوتے محمود لنگاہ کو سلطنت کا والی مقرر کیا اور اس کے نام کا خطبہ وسکہ جاری کر دیا۔ محمود لنگاہ فیروز لنگاہ کا بیٹا تھا فیروز اپنے باپ کے عہد میں شہید ہو گیا اس لیے دادے نے اپنے پوتے کو ترجیح دی۔(385)

بایزید خان کی علم دوستی

سردار بایزید خان بہت ہی علم دوست تھا وہ ہمیشہ عالموں، فاضلوں اور درویشوں کی صحبت میں اپنا وقت گزارتا۔ جو عالم و فاضل اور درویش اس کے پاس آجاتا وہ اس کی عزت افزائی کرتا اور اسے مال و دولت سے نوازتا۔ اس عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو عالم آتا وہ مستقل طور پر بایزید کے دربار سے منسلک ہو جاتا۔ شیخ جمال الدین قریشی، شیخ عالم قریشی کی اولاد میں سے تھے۔ وہ ایک زبردست عالم تھے، انہوں نے خراسان میں قیام کر کے مختلف علوم کی تکمیل کی، سردار بایزید نے انہیں محض اپنی علم دوستی کی وجہ سے اپنا وزیر سلطنت بنایا اور تمام ملکی و مالی مہمات ان کے سپرد کر دیں۔ سردار بایزید انتہائی دیانت دار اور مذہبی احکام کا پابند تھا۔ اس کی دیانتداری کا یہ واقعہ اپنی مثال آپ ہے ایک بار ''شور'' کے علاقے میں وہ ایک نئی عمارت تعمیر کروا رہا تھا کہ زمین کے اندر سے ایک خزانہ ملا اس نے خزانے پر قبضہ نہ کیا بلکہ اسے حسین لنگاہ کے پاس بھجوا دیا۔ حسین لنگاہ اس کی دیانتداری سے بہت متاثر ہوا اور پہلے سے زیادہ اس کی قدر کرنے لگا۔ (386)

بلوچوں کا نسب نامہ

بلوچ قوم کے نسب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیر سید الشہداء حضرت امیر حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما پر منتہی ہوتا ہے چنانچہ ''ایم لونگ ورتھ ڈیمز'' نے لکھا ہے کہ بلوچوں کی جدی روایت یہ ہے کہ میر حمزہ کا ایک بچہ پری کے بطن سے پیدا ہوا تھا جو ایک لق و دق صحرا میں پڑا ہوا ملا اسی رعایت سے اس کی اولاد کا جو سلسلہ چلا ہے اسے برلوچ (بلوچ) کہتے ہیں۔ (387)

ڈیمز دوسری جگہ پر لکھتا ہے کہ بلوچ سیستان میں قیام پزیر تھے، اس سے پہلے زمانے کے متعلق یہ روایات ہمیں صرف اتنا بتاتی ہیں کہ بلوچ پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچا کی پری کے بطن سے ہیں۔ (388)

مولوی محمد افضل چیلہ سیال واسو آستانہ جھنگ نے حضرت امیر حمزہ کی چار شادیاں

بیان کی ہیں، تیسری شادی کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ آپ نے بی بی ملکہ مہر نگار سے کی تھی۔ راوی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے کوہ قاف پر لڑائی کی تھی اور مہر نگار قوم پریان سے تھی جسے آپ قید کر کے لائے تھے۔ جس سے آپ کا ایک فرزند بدیع الزمان پیدا ہوا جس کا ذکر تاریخِ بلوچستان مصنفہ رائے بہادر ہنورام اور داستانِ امیر حمزہ میں ص 336 پر ہے آپ کے اہل وعیال ہلو کی بردہ پہاڑی پر رہتے تھے۔(389)

میاں محمد افضل نے امیر حمزہ کے چار فرزندار جمند ثابت کئے ہیں۔

(1) حضرت عمار (2) حضرت علم معروف

(3) حضرت بدیع الزماں (4) حضرت قباد (رضی اللہ عنہم)

مولانا فرماتے ہیں چوتھے بیٹے کے علاوہ باقی سب کی اولاد کا سلسلہ چلا ہے۔ حضرت عمار کی اولاد کا وہ سلسلہ جو انہوں نے پرویا ہے وہ اس طرح ہے: میر چاکر خان ثانی بن میر شہیک بن ہلیر خان بن رند خان بن جلال خان بن ہارون خان بن نیکو خان بن میر چاکر خان اول بن جمیل خاں بن سید محمد بن بلوچ بن عبد الرشید بن دوست محمد بن شرف محمد بن عمار بن سید الشہداٗ حضرت امیر حمزہ بن حضرت عبد المطلب (رضی اللہ عنہم)(390)

میاں صاحب نے ہر ایک کی اولاد کا نقشہ بھی دکھایا ہے اور ان کی مدد سے بلوچ قبیلوں کی تقسیم بھی ظاہر کی ہے۔ اس کے برعکس وہ روایت جسے امام ابن سعد متوفی 230ھ نے نقل کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ حضرت امیر حمزہ کی تین شادیاں تھیں۔ بنت الملہ سے یعلیٰ اور عامر پیدا ہوئے، خولہ بنت قیس سے عمارہ پیدا ہوئے۔ سلمیٰ بنت عمیس جو اسما بنت عمیس کی بہن تھیں۔ ان سے ایک بیٹی امامہ پیدا ہوئیں۔ حضرت یعلیٰ کی اولاد کے نام یہ ہیں عمارہ، فضل، زبیر، عقیل اور محمد لیکن وہ بچپن میں انتقال کر گئے تھے۔(391)

اقوامِ پاکستان کا انسائیکلو پیڈیا ص 929 بھی میاں صاحب کے بیان کئے ہوئے نسب نامے کی تائید کرتا ہے۔ بندۂ ناچیز بند بوسن ملتان کے علاقے میں تقریر کرنے کے لیے گیا بعد از فراغت معزز لوگوں نے دورانِ گفتگو قوم پوچھی تو میں نے کہا کہ ''بلوچ'' ہوں

یہ سن کر انہوں نے بہت محبت کی اور فرمایا بلوچ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کی اولاد ہیں۔
ڈیمز لکھتا ہے کہ بلوچوں کے حسب ونسب کے متعلق مندرجہ ذیل آرا کا اظہار کیا جاتا ہے۔
(1) یہ نسلاً ترکمان ہیں اس خیال کی وکالت پوتنگر اور راور خانیکوف نے کی ہے۔
(2) یہ نسلاً عرب ہیں غالباً یہ نظریہ سیاحوں نے عام طور پر پیش کیا ہے اور سر کی ہولڈ چ نے اس کی نہایت شدومد سے وکالت کی ہے۔
(3) یہ نسلاً راجپوت ہیں اس خیال کا اظہار ڈاکٹر بیلو نے کیا ہے۔
(4) یہ نسلاً ایرانی ہیں اس خیال کی تائید سر آر برٹین لیسن۔اسپیگل اور دوسروں نے کی ہے۔(392)

مکھن فقیر مرحوم سکنہ بستی محمود میتلہ سے جو نسب نامہ میں نے سنا تھا اور ماسٹر رحیم بخش بن حاجی جندوڈہ بلوچ سکنہ بستی صوفی صادق نے کسی دادے ہال سے لکھ کر دیا ہے وہ ملاحظہ کریں ”جلال خان بن نوطے خان بن جنید خان بن محمد خان بن احمد خان بن عبدالکریم خان بن اللہ داد خان بن علی گوہر خان بن برخوردار خان بن زمان خان بن عثمان خان بن نہال خان بن کمال خان بن جلب خان بن دولت خان بن قائم خان بن شاہ توقیط خان بن رستم خان بن بدیع الزمان خان بن امیر حمزہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف“

امام المناظرین شیخ المحدثین علامہ منظور احمد فیضی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ بلوچ قوم امیر المؤمنین مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ کی اولاد ہے۔اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے ڈیمز نے لکھا ہے بلوچ قوم کے لوگ حضرت علی کا احترام کرتے ہیں۔(393)

ڈیمز لکھتا ہے کہ بایزید اور ابراہیم بلوچ جنہوں نے جام نندا نظام الدین سندھ کے حکمران سے جنگ کی تھی۔مہاجر کی حیثیت سے شاہ حسین کے پاس پہنچے اور جاگیریں لیں جو اوچ شریف اور شورکوٹ پر مشتمل تھیں۔خان بایزید نے نہایت اثر ورسوخ پیدا کیا اور شاہ حسین کی فوج کا کمانڈر رہو گیا۔(394)

ڈیمز آگے چل کر لکھتا ہے کہ میر چاکر خان رند بلوچ اپنے بیٹے شہداد خان کے ہمراہ سبی

سے معاش اور اراضی کی تلاش میں یہاں آیا۔ ملک سہراب دودائی نے حسد کے مارے شاہ محمود کو اس کی خدمات قبول کرنے سے باز رکھنا چاہا۔ اس پر بایزید بلوچ نے اس کی طرف داری کی اور اپنی جاگیر اوچشریف سے اسے زمین دے دی۔(395)

محمد سردار خان بلوچ نے لکھا ہے کہ سولہویں صدی کی پہلی دہائی میں بہت سے بلوچ قبائل پنجاب میں پھیل گئے اور بھیرہ تک پہنچ گئے۔ جہاں توزک بابری کے مطابق بابر 1519ء میں انہیں ملا ایک اور موقعہ پر بابر نے دولت خان لودھی کو یاد دلایا کہ اس نے کس طرح بابر اور اس کے بیٹے کو بلوچوں کے نرغے سے نکالا تھا۔(396)

1529ء میں بابر نے بلوچوں کے خلاف ایک تادیبی مہم بھی ترتیب دی کیونکہ وہ صوبہ پنجاب کو لوٹنا کھسوٹنا اپنا موروثی حق سمجھتے تھے۔(397)

ڈیمز نے بلوچوں کی آمد کے بارے میں لکھا ہے کہ چاکر خان کی ہجرت کرنے پر رزم آراؤں نے اپنی بیویوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اپنے قلعوں سے نیچے اتر آؤ اپنے بستر اور کپڑے دریاں اور سرخ قالین، تکیے دھاری دار کمبل، سانچے میں ڈھلے ہوئے پیالے اور مکران کے بنے ہوئے آب خورے اپنے ہمراہ لے کر آجاؤ کیونکہ چاکر اب یہاں نہیں رہے گا وہ کسی دور دیس کو روانہ ہونے والا ہے چنانچہ اپنے لمبے لمبے لبادے اور سرخ رنگ کے بڑے بڑے جوتے پہنے ہوئے، سروں پر خود لگائے، جسم پر اسلحہ باندھے تیر اور کمانیں سنبھالے چاندی کے چاقو اور خنجر لئے ہوئے فیاض میر کی آواز پر چالیس ہزار افراد لبیک کہتے ہوئے گھوڑں پر سوار ہو کر آگے بڑھے۔ اس طرح ٹڈی دل کی مانند ان لوگوں نے میدانوں کا رخ کیا۔ شاداب زمینوں اور چراگاہوں پر قبضہ کرتے اور حتی المقدور پہاڑیوں کو اپنی کمین گاہیں بناتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ کچھ قبائل بہت دور میدانوں میں آگے تک نکل گئے۔ ان کے آگے جانے والوں میں ایک تو چانڈیہ ہوں گے جنہوں نے سندھ کے آس پاس کے علاقے کا نام جہاں سندھ اور پنجاب کی سرحدیں ملتی ہیں اپنی نام پر رکھ دیا یعنی چانڈکو۔ ہوت قبیلہ نے شمال کی طرف رخ کیا اور دودائیوں کے ہمراہ ڈیرہ

اسماعیل خان میں آباد ہو گئے۔اس علاقے پر ان کا قبضہ دوسو سال تک رہا۔(398)

محمد سردار خان بلوچ نے لکھا ہے شاہ حسین بلوچوں کے کئی سردار اور قبائلی اپنے جلو میں بکھر لے گیا 931ھ/ 1524ء میں سندھ کی مکمل فتح کے بعد اور داخلی دشمنوں سے نپٹ کر شاہ حسین نے لنگاہ علاقے کے پُر اضطراب شہروں ملتان اور گجرات پر اپنی حریصانہ نگاہیں جمادیں اوچشریف میں بلوچوں اور لنگاہوں کی مشترکہ فوج مقابل ہوئی لیکن وہ انہیں شکست فاش دے کر ملتان کی طرف بڑھتا گیا۔ اس وقت ملتان میں شاہ محمود لنگاہ کا مرکزِ حکومت تھا۔ متفرق لوگوں کے علاوہ رند۔ دودائی اور کورائی قبائل کے بلوچ جنگ آزما شاہ محمود کے دست و بازو تھے۔(399)

چانڈکو سٹیٹ

کامران اعظم سویدری لکھتا ہے چانڈیہ، بلوچ اقوام کا مشہور تمن ہے۔ اکبری دور میں چانڈکو کے نام سے ایک زرخیز جاگیر اس تمن کی ملکیت تھی جو نواب خانِ خاناں نے ضبط کر کے میاں آدم شاہ کلہوڑے کی نذر کر دی، اس طرح روجھان مزاری اور کوٹ مسرواہی کے قریب ایک اور چانڈکو اسٹیٹ تھی۔(400)

اوچ صلاح الدین ننداکے پاس

سلطان حسین لنگاہ نے مملکت کی باگ ڈور اپنے پوتے محمود کے سپرد کر دی اور وہ 908ھ میں راہیِ ملکِ بقا ہو گیا۔ سلطان محمود کو مفت میں ملک مل گیا تھا اور اس کی عمر بھی ابھی پختہ نہ تھی۔ وہ ملک چلانے کے تجربے سے آشنا نہ تھا۔ اچھے اور برے میں فرق کرنا نہ جانتا تھا۔ اس لئے اس کے دائیں بائیں کمینے اور ذلیل لوگ جمع ہو گئے۔ اس کی روش کو دیکھ کر سندھ کے لوگ سردار سنجر خان کی طرف راغب ہو گئے۔ (سنجر پور کا ایک قصبہ صوبہ پنجاب کی جنوب مغربی سرحد K.L.P روڈ پر واقع ہے اور سنجر پور کے نام سے مواضعات بھی ہیں۔ ممکن ہے کہ اسی کے نام پر ہوں) سنجر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا صلاح الدین نندا سندھ کا حاکم بنا تو اوچشریف کا علاقہ بھی اس کے ساتھ وابستہ ہو گیا۔ صلاح الدین کے بعد اس کا بیٹا فیروز نندا

اپنے باپ کا جانشین بنا فیروز کے عہد میں 927ھ کو سندھ کی ریاست ارغونیوں کے ہاتھ لگ گئی۔ ارغونی قندھار سے آئے تھے، اس سے پہلے یہ لوگ کبھی کبھی سندھ پر حملے کرتے رہتے تھے۔ غازی بادشاہ سلطان ظہیر الدین بابر متوفی 936ھ نے شاہ بیگ ارغون قندھار کے والی کو 928ھ میں قلعہ بند کیا۔ ارغون محاصرے سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا بھاگتا بھاگتا سندھ پہنچا اور فاتح سندھ بن کر یہاں اپنا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا شاہ بیگ 930ھ میں فوت ہوگیا۔(401)

اوچ کی تباہی

شاہ بیگ ارغون کا بیٹا سلطان حسین ارغون سندھ کا حاکم بن بیٹھا۔ حسین ارغون نے 932ھ میں اوچشریف پر حملہ کیا اور بڑی بے دردی سے پورے شہر کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس کی بے دردی کو دیکھ کر مخدوم سید حامد (بن شیخ مخدوم سید محمد کیمیا نظر بن شیخ رکن الدین ابو الفتح بن مخدوم سید حامد کبیر بن شیخ مخدوم سید محمود ناصر الدین بن قطب الاقطاب شیخ المشائخ سید السادات حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت) اوچشریف سے ہجرت کر کے میانوالی (کوہستان) چلے گئے اور وہاں سے ایران گئے۔ ایران سے بلوچستان تشریف لائے۔ مخدوم سید حامد بخاری اس وقت روحانی ودینی پیشوا تھے اور سجادگی کی مسند پر جلوہ افروز تھے۔ آپ کا مزارِ پُرانوار دریائے سندھ کے کنارے پر ڈیرہ فتح خاں کی محاذ میں موجود ہے۔ یہ جگہ اوچ بلوٹ کے نام سے مشہور ہے۔(402)

اوچ پر قبضے کا استحکام

حسین ارغون کو علم تھا کہ اوچشریف کا قبضہ اس وقت مستحکم ہوگا جس وقت ملتان کو وہ زیر کر لے گا۔ اس دور میں ملتان بھی سلطان محمود لنگاہ کے زیر تسلط تھا چنانچہ حسین ارغون نے ملتان پر یلغار کی اور اسے فتح کر لیا پھر وہاں خواجہ شمس الدین کو گورنر مقرر کر دیا اور خود واپس ٹھٹھہ (سندھ) چلا گیا۔ حسین ارغون کے گورنر خواجہ شمس الدین نے اہلِ ملتان کو تمام سہولتوں سے مالا مال کر دیا اور اپنی حکومت حسن اسلوبی سے چلاتا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد وزیر لنگر خان

نے خواجہ صاحب کو نکال دیا اور بذاتِ خود ملتان کا بادشاہ بن بیٹھا۔(403)

اوچشریف مرزا کامران کے پاس

جب بابر کا انتقال ہو گیا تو ہمایوں 936ھ/ 1530ء میں تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے بھائی مرزا کامران کو پنجاب کی سلطنت کا مالک بنا دیا تو اوچشریف سمیت پنجاب کا تمام علاقہ کابل وقندھار کے ساتھ منسلک ہو گیا۔ مرزا صاحب نے اپنے ملک کا دورہ کیا، جب وہ لاہور آیا تو اس نے اوچشریف اور ملتان کے والی لنگر خان کو اپنے دربار میں طلب کر لیا۔ لنگر خان بصد احترام مرزا کامران کے ہاں پہنچ گیا۔ مرزا نے اس کو لاہور کے قریب جاگیر دے دی اور ملتان واوچشریف میں اپنے ملازم مقرر کر دیئے۔ اس طرح اوچشریف اور ملتان باقاعدہ مغلوں کی سلطنت کا حصہ بن گئے۔(404)

اوچ کی نئی نشونما

اوچشریف ایامِ گزشتہ میں کئی بار شکست وریخت اور تباہی و بربادی کا شکار ہو چکا تھا۔ اس کا جو بلند وبالا وقدیم ترین ٹکڑا آباد تھا وہ بھی دریا کا لقمہ بن گیا۔ اس کی زندگی کے آخری سانس باقی تھے کہ مغل بادشاہ نے اسے نئی زندگی بخشی اور اس کے آباد کرنے میں سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ اپنے نام کے شہر اوچ موغلہ کی بنیاد رکھی، اس میں دارالعلوم، دارالافتا اور دارالاحتساب کے دفتر کھول دیئے اور لوگوں کو دینی وروحانی اور معاشی آسودگی کا سامان فراہم کیا۔ اس کے ایسا کرنے سے اوچشریف کی روحِ رفتہ واپس لوٹ آئی اور اسے باصحت اور پروقار زندگی کی نعمت مل گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اوچشریف دلہن کی طرح ایک خوبصورت منظر پیش کرنے لگا۔ مرزا کامران نے اس کی خوشحالی وخوشجمالی اور بلند بالی کے بعد کابل روانگی اختیار کی۔(405)

اوچ پر مرزا سلطان کا قبضہ

مرزا کامران کے چلے جانے کے بعد مرزا سلطان نے اوچشریف پر قبضہ کر لیا پھر کچھ عرصے کے بعد ہیبت خان اعظم ہمایوں بھی سریر آرائے سلطنت ہوا پھر وہ اوچشریف کو چھوڑ

کر کشمیر روانہ ہوگیا۔اس کے چلے جانے کے بعد حسین ارغون نے اسے سنبھالا۔مرزا کامران کے کابل پہنچنے کے بعد اس کی اپنے بھائی ہمایوں سے ناچاکی ہوگئی۔کامران بادشاہ کی فوجوں سے فرار ہوکر سندھ آ گیا۔ارغون نے اسے خوش آمدید کہا اور اپنا داماد بنالیا۔ ہمایوں نے اوچشریف کا رخ کیا اور اسے فتح کرلیا۔ایک بار پھر اوچشریف سلطنتِ مغلیہ کے پاس چلا گیا۔ ہمایوں نے ابوالمعالی کو پنجاب کا حاکم مقرر کیا تو اوچشریف بھی اس کی نگرانی میں چلا گیا۔(406)

تیرھواں باب

مغلیہ خاندان

مغل خاندان کا پہلا فرمانروا جو ہندستان میں آیا وہ بابر تھا۔ بابر کا نام محمد ظہیر الدین تھا۔ اس کی ولادت 888ھ، 1483ء میں ہوئی تھی اس کا تعلق تیمور اور چنگیز خان کے خاندان سے تھا۔ وہ بارہ برس کا تھا کہ اس کے والد عمر شیخ مرزا فوت ہو گئے تو فرغانہ کی سلطنت کے امور کی ذمہ داری اس کے سر پر آن پڑی۔ (407)

بابر نے اس ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے نبھایا لیکن اسے چاروں طرف سے اس کے مخالفین اور دشمنوں نے گھیر لیا۔ دشمنوں نے اسے گرانے کی بہت کوشش کی مگر جسے اللہ تعالیٰ رکھے اسے کون چکھے۔ وہ ہر معرکے میں کامیاب ہوا۔ اس نے 1526ء میں ہندوستان کا رخ کیا، سرہند سے ہوتا ہوا دہلی پہنچا۔ دہلی کا بادشاہ ابراہیم لودھی مقابلے کیلئے نکلا، پانی پت کے تاریخی میدان میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا، بابر اپنے توپ خانے کی وجہ سے لودھی کی فوج پر چڑھ گیا۔ ابرہیم لودھی کی فوج بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑی ہوئی اور لودھی موت کے گھاٹ اتر گیا۔ بابر دہلی اور آگرہ کی سلطنت کا مالک بن گیا۔ بابر کے حملے کے وقت ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان ریاستوں کے والی ایک دوسرے کے خلاف جنگ میں مصروف رہتے تھے یعنی اس وقت ملک میں کوئی طاقت ور حکومت نہ تھی جو سارے ملک کو ایک قانون یا ایک جھنڈے کے تحت سنبھالتی۔ ہر حکمران کی کوشش ہوتی کہ میری سلطنت کی حدیں کشادہ ہو جائیں اور میں مستحکم حکومت کروں۔ آپس کی ناچاکی، اختلاف اور حدود مملکت کی وسعت کے خیال نے انہیں اس قابل نہ رکھا تھا کہ وہ بیرونی دشمن کیساتھ نبرد آزمائی کر سکیں یا کوئی متحدہ محاذ بنا سکیں۔ بابر ایک جاذب نظر شخص تھا، وہ جنگجو بھی تھا اور بہادر بھی، وہ عالم بھی تھا اور شاعر بھی، وہ عقیل بھی تھا اور فہیم بھی، اس کی

ساری عمر ترقی اور استبنا میں گزری۔ وہ بڑی سے بڑی مشکل میں گھبراتا نہ تھا، راست گو بھی تھا اور خوش مذاق بھی، وہ صحیح العقیدہ سنی مسلمان بھی تھا اور حنفی بھی۔ وہ قدرتی مناظر کا دلدادہ بھی تھا اور میانہ روی کا متوالہ بھی۔ وہ ایشیا کا پہلا جرنیل بھی تھا اور تجربہ کار سپہ سالار بھی۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ اس کا بیٹا ہمایوں بیمار ہوا اور اس کے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی، بیٹے کی حالتِ زار کو بابر برداشت نہ کر سکا۔ ہمایوں کے بستر مرگ کے ارد گرد اس نے تین چکر لگائے اور دعا مانگی: یا اللہ! میرے بیٹے کی بیماری اور تکلیف مجھے لگ جائے۔ اس نے یہ دعا بار بار مانگی اور کہنے لگا میں نے اپنے بیٹے کی بیماری لے لی ہے۔ اس کے بعد ہمایوں کی صحت بحال ہونے لگی اور بابر کی حالت تشویش ناک ہوتی چلی گئی۔ جب وہ مرنے کے قریب پہنچا تو ہمایوں کو اپنے پاس بلا کر فرمایا: جانِ پدر! تیری جان وحیات پر میں اپنی جان وزندگی کو وار کر اس جہان سے جا رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں اور تمہارے بھائیوں اور میرے تمام قبیلہ کے تمام لوگوں اور تمہارے اور میرے عوام کو زندہ و سلامت رکھے۔ اب میں ان سب کو تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اس وقت بابر کی عمر 48 سال کی تھی اور اس نے 36 سال حکومت کی اور تمام مشکلوں پر غالب آ گیا۔ ہر مصیبت کا بڑی کامیابی سے مقابلہ کرتا رہا، جب وہ فوت ہو گیا اس کی لاش کابل لے جائی گئی، وہ پہاڑ کے دامن میں دفن کر دیا گیا۔ اس کے مقبرے کے ساتھ ایک خوبصورت مسجد بھی مغلیہ سلطنت کے بانی کی یادگار میں تعمیر کی گئی۔ (408)

مولوی حفیظ الرحمان نے لکھا ہے کہ 936ھ مطابق 1530ء میں بابر بادشاہ کا انتقال ہوا۔ (409) حالانکہ اس کا انتقال 937ھ میں ہوا تھا۔ (تاریخ فرشتہ ج 2، ص 445)

ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی کے بیٹے ہمایوں کی ولادت 4 ذیقعد منگل کی رات 913ھ ارک کابل کے قلعے میں ہوئی۔ اس وقت ہندوستان کی حالت بگڑ چکی تھی۔ سلطان سکندر لودھی کا انتقال ہو چکا تھا، اس کا فرزند ابراہیم لودھی ہندوستان کی سلطنت پر حکومت کر رہا تھا۔ لودھی کے افغانی امیروں کے اقتدار کی قوت بڑھ گئی تھی، وہ بادشاہ سے منحرف رہتے

تھے اور حسد کرتے تھے۔ بادشاہ کی اطاعت نہ کرتے تھے، ہر طرف بدنظمی اور ابتری پھیل چکی تھی، فردوس مکانی نے ان حالات کے پیش نظر مسلسل چار مرتبہ ہندوستان پر دھاوا بولا۔ پانچویں مرتبہ اسے کامیابی نصیب ہوئی اور وہ دارالملک دہلی کا شہنشاہ کہلایا۔(410)

سندھ کا گورنر محمد علی خنگ

بابر نے بھی ہندوستان پر حملے کئے۔ پہلا حملہ 925ھ میں کیا بابر نے دریائے سندھ کے کنارے تک جو تہلاب کے نام سے مشہور ہے، اس کی فاتح کی طرح سیر کی اور مخالفوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اس فتح سے بادشاہ کو بہت فائدہ پہنچا۔ اس نے اپنے خزانے میں چار لاکھ شاہ رخی جمع کیں۔ ان فتوحات کے زمانے میں بابر کے گھر بیٹا پیدا ہوا، بادشاہ نے ہندوستانی فتوحات کی رعایت سے بیٹے کا نام ہندال مرزا رکھا۔ جن علاقوں پر قبضہ کیا تھا ان کی باگ ڈور حسین بیگ انگہ کے ہاتھ میں دے دی۔ بابر نے سندھ اور پرہ کے درمیان کے ممالک کی فرماں روائی محمد علی خنگ کے سپرد کی اور خود کابل واپس چلا گیا۔(411)

دوسرا، تیسرا اور چوتھا حملہ

بابر نے لاہور کو فتح کرنے کے لیے 925ھ میں دوسرے حملے کی تیاری کی لیکن وہ سلطان سعید سے مقابلہ کرنے کی وجہ سے نہ آسکا۔ تیسرا حملہ 926 میں کیا سیالکوٹ کے لوگوں نے جان کی امان مانگ لی۔ چوتھا حملہ 930ھ میں کیا کھکھروں، پنجابیوں اور لاہوریوں کو تاخت وتاراج کرتا ہوا دیپال پور گیا۔ اسے سر کیا، دولت خاں لودھی جو بلوچوں کی پناہ میں تھا اور ابراہیم لودھی سے باغی ہو گیا تھا وہ اپنے بیٹوں، علی خان، غازی خان اور دلاور خان کے ساتھ فردوس مکانی کے حضور حاضر ہوا۔ دولت خاں، سلطان پور اور جالندھر کے علاقوں کا صوبے دار بنا دیا گیا اور حلقۂ بابری میں شامل ہوا۔(412)

پانچواں حملہ

پانچواں حملہ یکم ربیع الاول 930ھ میں کیا۔ لاہور کے پاس دریائے راوی کے

کنارے پر فوجوں کا آمنا سامنا ہوا لیکن نبرد آزمائی کی نوبت نہ آئی، بابر آگے بڑھتا چلا گیا...... 29 رجب کو بابر نے شاہانِ ہند کے دفینوں کا معائنہ کیا۔ بادشاہ نے ساڑھے تین لاکھ روپیہ نقد اور ایک سر بمہر خزانہ ہمایوں کو عنایت کیا۔ محمد سلطان مرزا کو ایک کمر بند اور مرصع شمشیر اور ایک لاکھ روپے نقد دیئے۔ اسی طرح دوسرے امیروں، امیرزادوں اور لشکریوں کو بلکہ طالب علموں اور سوداگروں کو انعام واکرام سے نوازا۔ اس کے علاوہ بابر نے اپنے دوستوں اور عزیزوں کو جو سمرقند و خراسان و کاشغر اور عراق میں تھے تحفے اور ہدیئے روانہ کئے۔ مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ، کربلا معلیٰ، نجف اشرف، مشہد مقدس اور دوسری متبرک جگہوں و مزاروں پر نذریں چڑھائیں۔ فقیر اور حاجت مندوں کے لیے روپے تقسیم کرنے کیلئے بھیجے۔ کابل کے تمام باشندوں کو شاہی انعام سے نوازا، ہر شخص کے لیے ایک شاہ رخی جس کا وزن ایک مثقال چاندی کے برابر تھا فی کس کے حساب سے روانہ کیا۔ المختصر پرانے بادشاہوں کی برسوں کی جمع شدہ دولت اس فقیر منش بادشاہ نے ایک ہی محفل میں لٹادی اور اپنی سخاوت کا سکہ دلوں پر بٹھادیا۔(413)

بابر کی شفایابی

واقعاتِ بابری میں خود بابر نے تحریر کیا ہے کہ 23 صفر 937ھ کو مجھے اپنے بدن میں ایسی حرارت محسوس ہوئی کہ میں نے نمازِ جمعہ مسجد میں بڑی مشکل سے ادا کی اس کے تیسرے روز یعنی اتوار کو مجھے سردی لگی اور بخار آگیا۔ اس زمانے میں میں حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کے رسالے ''دلویہ'' کو نظم کا لباس پہنا رہا تھا۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ اگر میری یہ خدمت حضرت شیخ کی بارگاہ میں سرفراز ہوئی تو مجھے اپنے موجودہ مرض سے ضرور نجات مل جائے گی۔ بالکل اسی طرح جس طرح ''قصیدہ بردہ'' کے مصنف نے اپنی طویل نظم کی مقبولیت سے اپنے مرض سے شفا پائی۔ میں نے اس رسالے کو اس وزن میں نظم کیا کہ جس میں مولانا جامی کا سبحہ ہے یعنی بحر رمل مسدس مجنون میں (بحر رمل مسدس مجنون کا وزن یہ ہے'' فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلات'') بابر شاہ فرماتے ہیں کہ میری فطرت ہی کچھ ایسی

ہے کہ جب بھی کوئی مرض لاحق ہوتا ہے تو وہ تیس چالیس روز سے پہلے میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ لیکن اس بار ایسا نہ ہوا اور میں آٹھویں ربیع الاول کو صحت یاب ہو گیا اور اللہ پاک کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کیا اس خوشی میں مَیں نے باغ ہشت بہشت میں ایک جشنِ مسرت منایا۔ اس جشن میں آس پاس کے تمام ایلچی، قزلباش اور ازبک اور ہندو شریک ہوئے۔ میں نے کشتی بھر کر سونا اور چاندی ان لوگوں میں تقسیم کیا۔ ان کے علاوہ دیگر حقداروں کو بھی اسی طرح فیض یاب کیا۔ مشہور کتاب ''حبیب السیر'' کے مصنف اخوند میر مولانا شہاب الدین معمائی اور مرزا ابراہیم قانونی جو اپنے فن میں بے نظیر تھے وہ لوگ ہرات سے نئے نئے ہندوستان آئے تھے انہوں نے جشنِ مسرت میں شرکت کی، بابر نے ان پر نوازشات کی بارش کر کے انہیں مالا مال کر دیا اور اپنے مقربین میں شامل کر لیا۔ بادشاہ کے علاوہ امیروں اور سرداروں نے بھی خوب جی کھول کر خوشیوں کی مجلسیں منعقد کیں۔ اسی سال ملتان سے شہزادہ عسکری بابر کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ ملک نصرت پر حملے کی تیاری کر رہا تھا۔ ملک نصرت نے اپنا قاصد بھیج کر بادشاہ کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کر لی...... بادشاہ کو یہ اطلاع بھی ملی کہ ملتان میں بلوچوں نے آپس میں اتحاد کر کے بغاوت و سرکشی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ (414)

بابر کا انتقال

رجب المرجب 936ھ میں بابر بیمار ہو گیا، علاج کا اثر نہ ہوا اور بیماری بڑھتی چلی گئی اور بابر اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ ان دنوں شہزادہ ہمایوں کالنجر کے قلعے کی تسخیر کے لیے گیا ہوا تھا۔ بادشاہ نے اسے واپس دار السلطنت بلایا اور اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ 5 جمادیٰ الاولیٰ 937ھ کو بابر نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کی لاش کو کابل لے جایا گیا۔ جہاں اسے شفیع المذنبین حضرت محمد ﷺ کی قدم گاہ میں دفن کیا گیا۔ (415)

ہمایوں

محمد ظہیر الدین بابر کا بڑا بیٹا ہمایوں تھا۔ اس کے تین اور بھائی تھے کامران، عسکری، اور

ہندال۔ ہمایوں مارچ 1508ء میں افغانستان کے شہر کابل میں پیدا ہوا۔ ہمایوں نے ترکی، فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی تھی لیکن اپنی عدم دلچسپی اور بے پرواہی کی وجہ سے بڑا عالم نہ بن سکا لیکن وہ حساب، فلسفہ، علم نجوم اور علمِ فلکیات میں خاصی دسترس رکھتا تھا۔ وہ لڑکپن سے اپنے والد بابر کے ساتھ ملکی امور ومعاملات میں اس کا ہاتھ بٹایا کرتا تھا۔ وہ جب بیس سال کا ہوا تو اسے بدخشاں کے صوبے کا گورنر بنا دیا گیا۔ 1526ء میں پانی پت میں پہلی لڑائی ہوئی تو اسے حامد خان والیٔ پانی پت کے خلاف لڑنے کیلئے روانہ کیا گیا۔ اس نے حامد خان کو حصارِ فیروز کے مقام پر شکست دی تھی۔ ہمایوں صحیح العقیدہ سنی حنفی مسلمان تھا اور تعصب سے پاک تھا وہ بہادر اور جنگجو جرنیل تھا۔ اس نے اپنی بہادری کے کارنامے ہر جنگ میں دکھائے۔ نظام الدین احمد نے ہمایوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ہمایوں کی اعلیٰ سیرت بہت سی مردانہ خصوصیات کی حامل تھی، بہادری اور جرأت میں وہ اپنے زمانے کے شہزادوں پر فوقیت رکھتا تھا۔ ہندوستان کی تمام دولت اس کی فیاضی وسخاوت اور دریادلی کے مقابلے میں ہیچ تھی۔ علمِ نجوم اور علمِ ریاضی میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، اس نے اعلیٰ شعر بھی کہے ہیں، اس کے درباریوں میں زمانے کے بہترین اشخاص، مدبر، عالم اور فاضل داخل تھے۔ یہ لوگ تمام رات بادشاہ کی صحبت میں گزارتے اور رات بھر عالمانہ مباحثے ہوتے رہتے تھے۔ اس کے عہدِ حکومت میں لائق اور فاضل تر لوگوں کو مناسب انعام واکرام سے نوازا جاتا۔ وہ اتنا نرم دل تھا کہ اس نے (اپنے بھائی) مرزا کامران کو جو متعدد بار اس کے دربار میں قیدی بنا کر لایا گیا بارہا معاف کیا۔ (416)

اوچ پر شیر شاہ سوری کا قبضہ

شیر شاہ سوری کا اصل نام فرید تھا۔ اس کے باپ کا نام حسین تھا، ابرہیم سوری اس کا دادا تھا، فرید 1472ء میں پنجاب کے علاقے میں پیدا ہوا تھا۔ جون پور میں اس نے گلستان وبوستان اور سکندر نامہ پڑھا، اس نے تعلیم حاصل کرنے کیلئے سخت محنت کی اور عربی وفارسی کے علم میں مہارت حاصل کرلی۔ 1527ء میں اس نے مغل حکومت میں ملازمت کرلی۔

جب بابر نے بہار پر حملہ کیا تو شیر شاہ نے بہت دلیرانہ خدمات سرانجام دیں۔1528ء میں اس نے ملازمت ترک کر دی اور جنوبی بہار کی طرف چلا گیا، وہاں اسے جلال خان کا اتالیق مقرر کیا گیا۔1528ء میں جنوبی بہار کا حکمران فوت ہو گیا تو شیر شاہ کو ڈپٹی گورنر بنا دیا گیا۔ اس نے اپنے صوبے کو ترقی کے راستہ پر ڈال دیا اور اپنے حامیوں کی کثیر تعداد اپنے اردگرد جمع کر لی جو ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار رہتی تھی۔اس کے بارے میں بابر پہلے کہہ چکا تھا کہ اس افغان کو معمولی آدمی نہ سمجھنا چاہیے وہ ایک بڑا آدمی بھی بن سکتا ہے۔شیر خان ایک چالاک آدمی ہے اس سے ہوشیار رہنا ضروری ہے کیونکہ اس کی پیشانی سے شاہانہ آثار نظر آتے ہیں۔1529ء میں شیر خان کو ایک مشکل کا سامنا کرنا پڑا، چند افغان سرداروں کی دعوت پر محمود لودھی بہار آیا تو تمام افغان اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔لودھی نے بہار کی حکومت اپنے قبضے میں لے لی۔شیر شاہ نے محمود لودھی کیلئے کسی خاص جوش وخروش کا مظاہرہ نہ کیا کیونکہ وہ بابر کو ناراض نہ کرنا چاہتا تھا۔محمود لودھی کی پرزور التماس وتاکید پر شیر شاہ اس کے حلقہ بگیروں میں شامل ہو گیا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں لڑائی چھڑ گئی اور اس نے طول پکڑ لیا۔افغان کمزور ہوتے چلے گئے، محمود لودھی بھاگ گیا اور جنوبی بہار کا علاقہ جلال خان کو دوبارہ سونپ دیا گیا۔طے یہ پایا کہ جلال خان سالانہ خراج مغل حکومت کو دیا کرے گا شیر شاہ کو دوبارہ دعوت دی گئی اور اسے بہار کا گورنر جلال خان کی طرف سے بنا دیا گیا اس طرح جنوبی بہار کی تمام طاقت شیر خان کے قبضے میں آ گئی ادھر ہمایوں نے چنال کے قلعے کا محاصرہ کر لیا یہ قلعہ شیر شاہ کی ملکیت تھا محاصرہ چار ماہ تک جاری رہا اس عرصہ میں شیر شاہ نے ہمایوں کی طاقت کو بہت نقصان پہنچایا اور اسے کافی کمزور کر دیا یونہی لڑتے لڑتے شیر شاہ نے ملتان اور سندھ پر حملے کر کے دونوں علاقوں کو فتح کر لیا تو پنجاب سے ہمایوں کا بھائی کامران مرزا چلا گیا۔شیر شاہ نے بلا کسی مزاحمت کے پنجاب پر حملہ کر لیا اوچشریف بھی اس کے قبضہ میں آ گیا۔(417)

شیر شاہ سوری نے ان تمام ٹیکسوں کو منسوخ کر دیا جو تمام صوبوں کی سرحد پر وصول کئے

جاتے تھے۔اس نے چار بڑی سڑکیں تعمیر کروائیں، پہلی سڑک بنگال میں سنار گاؤں سے لے کر سندھ تک۔اس سڑک کو شاہراہِ اعظم سے پکارا جاتا تھا۔اس کی لمبائی ڈیڑھ ہزار کوس تھی۔دوسری سڑک آگرہ سے لے کر بنارس تک تھی، تیسری سڑک آگرہ سے لے کر جودھ پور چتور تک تعمیر کرائی اور چوتھی سڑک سے لاہور اور ملتان کو ملا دیا۔سڑک کے کناروں پر درخت لگوائے اور ہر کوس کے خاتمے پر سرائیں تعمیر کرائیں۔سراؤں میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے قیام وطعام کا الگ الگ بندوبست کیا۔ہر سرائے میں ایک مسجد اور ایک کنواں بنوایا۔چند افسران امام ومؤذن اور ملازم مقرر، کئے اس انتظام کی وجہ سے ان سراؤں کے ساتھ تجارتی شہر آباد ہونے لگے اور تجارت ترقی پکڑنے لگی۔شیر شاہ سوری پنج گانہ نماز کا پابند تھا، سخاوت اور ناداروں کی امداد واعانت میں مشہور تھا، وہ خطیبوں، اماموں، مؤذنوں اور علمائے دین کو وظیفے دیتا تھا۔علم وادب کی بڑھ چڑھ کر سرپرستی کرتا تھا۔پرانے وظیفہ خواروں کے وظیفے بحال رکھے۔مسجد اور دینی مدارس کیلئے مخصوص کوٹے مقرر کئے، اساتذہ کیلئے تنخواہیں بنائیں۔طالب علموں کیلئے وظیفے مقرر کئے، حکومت کی طرف سے باورچی خانے بنائے گئے جہاں پر غریبوں اور مسافروں کو کھانا فراہم کیا جاتا تھا۔(418)

اکبر بادشاہ

اکبر بادشاہ کو اکبرِاعظم بھی کہا جاتا ہے۔ہندوستان کی تاریخ کا یہ مطلق العنان بادشاہ تھا۔اس کی اداکاری نے مسلمانوں کے سوا باقی سب لوگوں کے دل موہ لیے تھے۔ اپنے والد ہمایوں کی وفات کے بعد 1556ء میں تخت نشین ہوا، اس وقت اس کی عمر تقریباً چودہ برس تھی۔تاجِ سلطنت اسے ورثہ میں ملا تھا، جب اس کے والد نے وفات پائی تو وہ ضلع گورداس پور میں تھا۔اکبر کی رسم تاج پوشی وہاں ہوگئی۔بیرم خان نے اینٹوں کا چبوترہ بنوایا، اس پر اکبر کو بٹھا کر اس کے سر پر تاج رکھا اور اس کی سرپرستی کا دم بھر لیا۔بیرم خان بدخشاں کا رہنے والا تھا۔اس نے ہمایوں اور اکبر کی خدمت وفاداری سے کی۔بابر نے پہلی لڑائی 1526ء میں لڑی اور ابرہیم لودھی کو شکست دی۔اس طرح اس نے ہندوستان میں

مغل خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھ دی بابر اپنے دشمنوں کو شکست پر شکست دیتا رہا اور اپنے ملک کی حدوں کو بڑھاتا رہا، اس کی ساری زندگی جنگ و جہاد کرتے گزر گئی۔ ہمایوں 1530ء میں تخت نشین ہوا لیکن 1540ء میں شیر شاہ سوری نے اسے قنوج میں نقصان دیا اور اسے آگرہ و دہلی سے نکال دیا اس طرح بابر کی مرتب کردہ حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔ ہمایوں نے قندھار، کابل، پنجاب، دہلی اور آگرہ پر دوبارہ قبضہ کرلیا مگر وہ جلد فوت ہو گیا اپنی حکومت کو مستحکم نہ کرسکا ان متزلزل حالات میں اکبر تخت نشین ہوا TODD (ٹوڈ) کا بیان ہے کہ اکبر سلطنت مغلیہ کا اصل بانی ہے، وہ راجپوت ریاستوں کا پہلا فاتح ہے، اس نے معاملہ فہمی سے صحیح اقدام اٹھا کر اعلیٰ قابلیت وصلاحیت کا ثبوت دیا۔ اکبر نے لاکھوں انسانوں کی ہمدردی اور تعاون حاصل کیا، اس کی قوم میں کوئی شخص اس مرتبہ کو نہ پہنچ سکا۔ 1562ء میں اکبر نے جئے پور کے راجے ''بہارمل'' کی بڑی لڑکی سے شادی کرلی۔ اس شادی کی وجہ سے راجہ بھگوان داس اور مان سنگھ کو حکومت میں ملازمت کا موقع مل گیا۔ اکبر نے شاہزادہ سلیم کی شادی راجہ بھگوان داس کی بیٹی سے کی۔ 1570ء میں اکبر نے بیکانیر اور جیسلمیر کی شہزادیوں سے شادی کی، اس طرح اس نے راجپوتانے کی تمام ریاستوں کو اپنے تحت کرلیا (مؤلفِ کتاب ہٰذا کی دادی بھی بیکانیر و جیسلمیر کے راجہ کی شہزادی تھی، دادی صاحبہ مسلمان ہوئیں اور میرے دادا سردار الٰہی بخش خاں چانڈیؒو سے شادی کی۔ یہ شادی پیر طریقت شاہ فضل علی قریشی مسکین پوری نے کرائی تھی۔ مؤلف نے اپنی دادی کی زیارت کی تھی، بڑھاپے کی حالت میں ان کے چہرے کا رنگ سونے کو شرماتا تھا۔ دادی صاحبہ نے قرآن مجید پڑھا اور صوم وصلوٰۃ کی پابندی کرتی تھیں بہت سخی تھیں اور صبر وشکر کی پیکر تھیں) ہندوؤں کو جب پورے ہندوستان میں نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اس وقت اکبر نے ان کے ساتھ رواداری کا ہاتھ بڑھایا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس کے حرم میں بہت سی ہندو عورتیں شامل تھیں۔ اکبر نے ہر جائز وناجائز طریقے سے ہندوؤں کو خوش کرنے کی کوشش کی، اس نے ہندومت کا احترام کرتے ہوئے گائے اور بھینس کا ذبح کرنا ممنوع

قرار دے دیا، اس کا یہ فعل اسلام کے بالکل خلاف تھا۔ اکبر بذاتِ خود اسلام پر کاربند نہیں تھا۔ اس کے مذہبی نظریات وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے گئے، وجہ یہ تھی کہ اس کی ہندو بیویوں اور دیگر غیر اسلامی رشتہ داروں نے اس پر کافی اثر ڈالا۔ علامہ شیخ عبدالمالک اور علامہ شیخ عبدالنبی جو پکے سنی حنفی عالم دین تھے عام طور پر اکبر کی آزاد خیالی پر سخت تنقید کرتے تھے۔ ان کے مقابل مولوی مبارک اور اس کے دو بیٹے مولوی فضل اور مولوی فیضی بادشاہ کی آشیر باد حاصل کرنے اور انعام کی لالچ میں اس کی آزاد خیالی کو نہ صرف پسند کرتے بلکہ اسے مذہبی رنگ دے کر ابھارتے تھے اور درباری مولوی ہونے کا ثبوت دیتے تھے۔ مسلم علماء کی طاقت کو کم کرنے کے لیے اکبر ہر قسم کے جتن کرتا تھا اور ان کے درپے آزار رہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ عوام کی نگاہیں علمائے کرام کی بجائے بادشاہ کی طرف لگی رہیں اور وہ ان کے دین، مذہب، سیاست اور ملک کا مطلق مختار و مالک ہو چنانچہ اس نے فتح پور کی جامع مسجد میں اپنے نام کا خطبہ پڑھایا تا کہ عوام میں علماء کی بجائے اسے مقام حاصل ہو جائے مگر اس کا یہ خواب غلط ثابت ہوا۔ یہ خطبہ اس کے درباری مولوی فیضی نے تیار کیا تھا۔ 1579ء میں مولوی مبارک درباری کی تجویز پر اکبر نے مجتہد بننے کا فیصلہ کیا اور مذہبی معاملات میں حاکمِ اعلیٰ بننا چاہا۔ اس کے لیے مولوی مبارک نے مسودہ تیار کیا جس میں اکبر کو دیوانی اور مذہبی معاملات میں حاکمِ اعلیٰ ظاہر کیا گیا اور اسے امامِ عادل کا درجہ دیا گیا۔ صحیح العقیدہ اور سچے مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی، اکبر نے اسلام، قرآن اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کی حدود سے ہٹ کر نئے نئے احکام جاری کئے جو مسلمانوں کو قبول نہ تھے۔ درباری مولوی ابوالفضل نے نہ صرف انہیں سراہا بلکہ ہر طرح سے اعانت کی، اس کے باوجود اکبر مسلمانوں میں مذہبی خلوص حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ (419)

دینِ الٰہی

اکبر کے مذہبی خیالات میں اہم تبدیلی 1581ء میں آئی جب اس نے دینِ الٰہی یا توحیدِ الٰہی کے نام سے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالی۔ دینِ الٰہی کا مقصد ملک میں

ایک نئے مذہب کا آغاز تھا جو مسلمانوں اور ہندوؤں کا مشترکہ مذہب ہو اور سب کو یکساں طور پر قبول ہو۔ چنانچہ ابوالفضل لکھتا ہے کہ اکبر قوم کا مذہبی پیشوا بن گیا اور اس نے اس کی بجا آوری میں خدائے برتر کی خوشنودی و رضا حاصل کی۔ اس نے لوگوں کی تلاشِ حقیقت کی پیاس کو بجھایا۔ اکبر نے نئے مذہب کے افتتاح کیلئے بہت بڑا جلسہ منعقد کیا جس کا خاکہ ابوالفضل نے درجِ ذیل الفاظ میں پیش کیا: جب کوئی شخص حقیقت کا تاج پہننے کیلئے اس مذہب کو اپناتا ہے اس کے متعلق اس کا علم روز بروز بڑھتا جاتا ہے تو عالم پناہ (اکبر) اسے قبول کرتے ہیں اور کسی اتوار کو جب آفتاب پورے شباب پر ہوتا ہے اسے اپنے مذہب میں شامل فرمالیتے ہیں۔ بادشاہِ وقت کی سختی اور بے اعتدالی کے باوجود ہر فرقے کے ہزاروں لوگ اپنے عقیدے کے پرانے لبادے کو پھینک کر نئے مذہب میں داخل ہوجاتے ہیں تاکہ ابدی راحت اور سکون حاصل کر سکیں، اس مقررہ وقت پر اپنا دین چھوڑنے والا شخص اپنی پگڑی ہاتھ میں پکڑ کر عالم پناہ اکبر کے قدموں میں رکھتا ہے۔ یہ طریقہ اس کی خوش بختی اور خوش نصیبی کا اظہار ہے اور اس کا کہ اس نے چالاکی، خودغرضی اور دیگر برائیوں کو چھوڑ کر تہہ دل سے اس مذہب کی پیروی اختیار کی تاکہ اسے ابدی سکون اور راحت کا ذریعہ مل جائے۔ اس پر بادشاہ وقت جو خدا کا برگزیدہ ہے سر اوپر اٹھاتا ہے اور اس کی پگڑی اس کے سر پر رکھتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا کہ اس نے نیک نیت آدمی کا خیر مقدم کیا ہے جو بظاہر ابدی زندگی میں داخل ہوا ہے اس کے بعد بادشاہ اسے SHAST (شست) دیتا ہے جس پر خدا کا نام اور بادشاہ کا نام کندہ ہوتا ہے یعنی۔ اللہ و اکبر۔

ابوالفضل نے اکبر کے دینِ الٰہی کی نقضِ رسومات کا آئینِ اکبری میں ذکر کیا ہے۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ جب دینِ الٰہی کے پیروکار آپس میں ملتے تو ایک کہتا اللہ اکبر اور دوسرا جواب دیتا جل جلالہ اس کا مقصد یہ تھا کہ انسان اپنی حقیقت اور اصلیت کو نہ بھولے اکبر نے یہ حکم بھی دیا کہ اس کے پیروکار کے مرنے کے بعد ''قل'' نہ کئے جائیں۔ (قلخوانی والی خیرات پر اس نے پابندی لگائی) اس کے پیروکار پر ضروری تھا کہ اپنی سالگرہ منائے اور یہ بھی

ضروری تھا کہ وہ گوشت نہ کھائے۔ اس نے حکم دیا کہ مُردوں کو دفن کرتے ہوئے ان کا سر مشرق کی طرف اور پیر مغرب کی طرف کردیے جائیں۔ اکبر نے اسلام کے خلاف احکامات جاری کئے، اس نے نماز و روزہ اور دیگر اسلامی فرائض پر پابندی لگا دی، سجدہ صرف بادشاہ کے لیے مخصوص تھا، داڑھی رکھنا خلافِ قانون قرار دے دیا، حجِ بیت اللہ ممنوع کر دیا، مسجدوں کو برباد کر دیا بلکہ ان کو اصطبلوں میں منتقل کر دیا، جابجا گرجے بننے لگے اور عیسائی اپنے مذہب کا پرچار کرنے لگے، علمائے اسلام کی توہین کی گئی، انہیں ملک سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا، عربی تعلیم پر پابندی لگا دی گئی، اس کے یہ احکامات اسلام کے منافی تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اکبر کے خلاف غم و غصہ اور نفرت کا جذبہ پروان چڑھا۔ ان وجوہات کے سبب سلطنتِ مغلیہ زوال کی طرف بڑھنے لگی۔ ٹوڈر مل کو وزیرِ مال پھر وزیراعظم مقرر کیا گیا۔ بھگوان داس و مان سنگھ اور رائے سنگھ کو مختلف صوبوں کا گورنر بنادیا گیا۔ فوج کے سالار بھی ہندو تھے پھر زوال نہ آتا تو کیا آتا۔ ڈاکٹر سمتھ لکھتے ہیں کہ دینِ الٰہی کو مذہب کا درجہ نہیں دیا جاسکتا بلکہ اس کی اہمیت تو ایک حکم نامہ کی تھی، یہ تمام سکیم (دینِ الٰہی) احمقانہ کوشش کا نتیجہ تھی اور مطلق العنانی کا بھیانک منظر اس کی بدترین ناکامی کا ثبوت تو کوتوال کی اس اپیل سے ملتا ہے جو اس نے سلطان سے کی اور اس بات کو اس نے بادشاہوں کی بیوقوفی بتایا جو پیغمبروں کا لبادہ اوڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سمتھ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اکبر نے اسلام کو بالکل ترک کر دیا تھا۔(420)

اوچ بہادر خان کے سپرد

اکبر کا بیٹا جہانگیر کہتا ہے کہ میرے باپ کی خصوصیات مدح کی حدوں اور تعریف کی وسعتوں سے کہیں زیادہ تھیں۔ مکتوباتِ امام ربانی جلد اول کے دوسرے جوہر میں ہے کہ ابو الفضل نے ایک کتاب (اکبر) بادشاہ کو لا کر دی اور کہا کہ آسمان سے آپ کیلئے فرشتہ لایا ہے تاکہ آپ اس پر عمل کریں۔ چنانچہ اس کتاب میں ایک آیت یہ بھی تھی۔ یاایھا البشر لا تذبح البقر۔ ترجمہ:۔ اے بشر تو گائے کو ذبح مت کر اگر تو کر لے گا تو تیرا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

اکبر بادشاہ نے 1574ء میں بھکر کا علاقہ فتح کیا مگر جنوبی سندھ کا علاقہ ابھی فتح کرنا باقی تھا۔ اکبر سندھ کی فتح کو بہت اہمیت دے رہا تھا، اس کا خیال تھا کہ سندھ کی فتح سے قندھار پر قبضہ جمانا آسان ہو جائے گا۔ اس نے 1590ء میں مرزا عبدالرحیم کو ملتان کا گورنر مقرر کیا اور اسے سندھ کی فتح کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا حکم دیا۔ اس وقت مرزا جانی بیگ سندھ کا حکمران تھا، دو جنگوں کے بعد اس نے اطاعت قبول کر لی، عبدالرحیم کی سفارش پر جانی بیگ سے مہربانی کا سلوک کیا گیا۔ اوچشریف کا علاقہ بہادر خان کے سپرد کیا گیا، بہادر خان ایک مہم کے دوران شکست خوردہ ہو گیا تھا اور کمزوری نے اسے بے بس کر دیا تھا اس علاقے کو سنبھالنے سے اس کی کمر مضبوط ہو گئی۔ (421)

اوچ پر بیرم خان کا قبضہ

کچھ عرصہ بعد بیرم خان نے سر اٹھایا اور اوچشریف پر قبضہ کر لیا (تاریخ اوچ ص 88)۔ اکبر نے شمس الدین محمد انگہ کو بیرم خان کا سر نیچا کرنے کیلئے مقرر کیا، اس نے اوچشریف میں آ کر بیرم خان کو زیر و زبر کر دیا۔ بیرم خان کا اقتدار زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا وہ اکبر کی نظروں سے گر گیا، جب وہ اکبر کے پاس دہلی گیا تو اکبر نے حکم دیا کہ وہ عرب چلا جائے، وہ روانہ ہوا لیکن بدقسمتی سے وہ گجرات کے ایک افغان کے ہاتھ سے شہید ہو گیا، اس کا سارا سامان لوٹ لیا گیا مگر اس کا نوجوان لڑکا عبدالرحیم بچ گیا جو ترقی کر کے اکبر کا محبوب بن گیا۔ اکبر نے اسے خانِ خاناں کا خطاب دیا اور اس کی شادی شہزادہ دانیال کی لڑکی سے کر دی۔ بیرم خان درخشاں کا رہنے والا تھا اس نے ہمایوں اور اکبر کی وفادارانہ خدمت کی وہ قِنّوج کی لڑائی میں شریک ہوا لیکن گرفتار کر لیا گیا، اپنی ہوشیاری اور چالاکی سے بیرم خان گرفتار ہونے کے بعد فرار ہو گیا اور ہمایوں کے ساتھ جا ملا۔ اس وقت ہمایوں خانہ بدوشی کی زندگی گزار رہا تھا پھر وہ ہمایوں کے ساتھ ایران آیا اور ہمایوں کیلئے فوجی امداد حاصل کرنے لگا۔ کابل، قندھار، پنجاب، دہلی اور آگرہ کی فتوحات میں وہ ہمایوں کے ساتھ رہا اس کی والہانہ عقیدت کے بنا پر ہمایوں نے اسے خان بابا کا خطاب دیا۔ (422)

اوچ کا حاکم انگہ

اکبر نے بیرم خان کی سرکوبی کے لیے شمس الدین انگہ کو مقرر کیا۔ انگہ نے اوچ کو بیرم کے قبضے سے آزاد کرا لیا۔ شمس الدین انگہ 970ھ میں اس دار فانی سے کوچ کر گیا تو اکبر نے اوچشریف وملتان قلی خان کو دے دیا اس کا اصل نام خان زمان تھا اس نے پانی پت کی لڑائی میں شاندار کارنامے انجام دیئے تھے اکبر نے 996ھ میں محمد صادق خان بروہی کے علاقے سیوہان (سیون) کو فتح کیا تو اس نے اوچشریف، ملتان شریف اور سکھر کو الگ الگ صوبوں میں تقسیم کر کے ہر صوبے میں علیحدہ گورنر مقرر کر دیا۔(423)

جاگیر اوچ اور ملتان بطور تحفہ

کہا جاتا ہے کہ 1002ھ میں قندھار کے قلعے کو مرزا رستم بن بہرام بن شاہ اسمٰعیل علوی نے خود بخود اکبر کے حوالے کر دیا اکبر نے اسے تحفہ تصور کیا اور بہت خوش ہوا اس کے بدلے میں اکبر نے مرزا رستم کو اوچشریف اور ملتان جاگیر کے طور پر عطا کر دیئے تو رستم نے یہاں اپنی حکومت قائم کر دی۔(424)

اکبر کی اولاد

اکبر کے عقد میں سکھ اور ہندو عورتیں تھیں مگر وہ اولاد کے لئے ترستا رہا اس کے گھر شہزادہ سلیم مَنّتوں، دعاؤں اور التجاؤں کے بعد پیدا ہوا اکبر چاہتا تھا کہ اسے ایک بیٹا ملے جو اس کے بعد تخت نشین بنے وہ اجمیر کے بزرگ خواجہ خواجگان شیخ المشائخ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا اور اپنے مقصد کیلئے دعا مانگی اس کی مراد پوری ہو گئی اور اسے اگست 1569ء میں لڑکا ملا جس کا نام محمد سلیم رکھا گیا جو بڑا ہو کر جہانگیر کے لقب سے مشہور ہوا۔(425)

شاہ جہاں کے دور میں اوچ کا حاکم

اس کا اصل نام خرم تھا خرم جہانگیر کے چار بیٹوں میں سے ایک تھا خرم جنوری 1592ء

میں لاہور کے شہر میں پیدا ہوا اس کی ماں ہندو تھی بچپن ہی میں شاہ جہان ایسے خصائل کا علم بردار تھا جن کو دیکھ کر بآسانی کہا جاسکتا تھا کہ وہ جہانگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کا وارث بنے گا جہانگیر اکتوبر 1627ء میں فوت ہوا تو نور جہاں نے شہر یار کو آگرہ سے لاہور بلایا تا کہ اس کی رسم تاج پوشی کر دی جائے شہر یار نور جہاں کا داماد تھا آصف خان شاہ جہاں کا سسر تھا وہ شاہ جہاں کے حق شہنشاہت کو تسلیم کر کے اس کی امداد کا داعی تھا اس طرح بہن و بھائی اپنے اپنے داماووں کو تخت پر بٹھانے کی تگ و دو میں تھے اس وقت شاہ جہان دکن کے مسائل حل کرنے میں مصروف تھا اسے جلدی بلانا ممکن نہ تھا اس لئے آصف خان نے خسرو کے بیٹے داور بخش کو عبوری دور کا عارضی بادشاہ بنا کر تخت پر بٹھا دیا نور جہان اور شہر یار آصف خان سے مقابلے کی حیثیت نہ رکھتے تھے وہ دونوں شکست کھا گئے نور جہان سیاسی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی شہر یار کو محبوس کر دیا گیا شاہ جہان 1628ء میں واپس لوٹا تو داور بخش کو ہٹا کر شاہ جہان کو تاج پہنا دیا گیا اور داور بخش کو ایران چلتا کیا شاہجہان نے اپنے رقیبوں و حریفوں کو قتل کرا کے زمین بوس کر دیا نور جہاں بھی 1645ء میں فوت ہوگئی شاہ جہان کے دور میں دکن گجرات اور خان دیش میں خوف ناک قحط آیا لاکھوں لوگ بھوک سے مر گئے قحط سے بھاری نقصان ہوا تاجروں اور دوکان داروں نے ہڈیوں کا سفوف آٹے میں ملا کر اور کتے کے گوشت کو بکری کا گوشت ظاہر کر کے فروخت کیا اس قحط کے فوراً بعد وبا پھیل گئی اس کا اثر یہ ہوا کہ بے شمار بستیاں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں گلی و کوچے انسانوں کی لاشوں سے بھر گئے عبدالحامد لوہاری نے لکھا ہے کہ لوگوں نے ایک دوسرے کا گوشت کھانا شروع کر دیا بچے کا گوشت اس کے والد کیلئے اس کی محبت سے کہیں زیادہ قیمتی تھا مرنے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ سڑکوں پر مردہ لاشوں کی وجہ سے گزرنا مشکل تھا شاہ جہان عادل تھا اور انصاف کو پسند کرتا تھا اس نے اپنی سلطنت میں ایمان دار اور لائق آدمیوں کو جج مقرر کیا تھا تا کہ ملک بھر میں لوگوں کے ساتھ انصاف کیا جاسکے اس کے عہد کو حکومت مغلیہ کا سنہری زمانہ کہنا درست ہے شاہ جہان محنتی بادشاہ تھا اور مذہبی معاملات میں

اسلامی اصولوں کا پابند تھا فنون تعمیرات کا گرویدہ تھا مساجد و مدارس کے علاوہ حضرت خواجہ نظام الدین کا مقبرہ سفید پتھر سے بنوایا اجمیر شریف میں بھی کچھ عمارتیں بنوائیں۔(426)

اوچ کے حکمران

شاہجہان کے زمانے میں قلیج خان اوچشریف اور ملتان کا حاکم بنا اس کے بعد نواب محمد خان بن قطب الاقطاب حضرت موسیٰ پاک شہید اور اس کے بعد سید محمد موسیٰ بن نواب خان محمد، ملتان اور اوچشریف کے والی بنے شاہ جہان عدل و انصاف کا دلدادہ تھا اس نے اپنی مملکت کے صوبوں میں گورنر اور نائب گورنر مقرر کردیئے تھے حسب دستور اس نے ملتان کو گورنر کے حوالے کردیا اور اوچشریف کو نائب گورنر کے سپرد کیا۔(427)

اورنگ زیب عالمگیر

اس کا اصل نام محی الدین تھا۔ عالمگیر، اورنگ زیب اس کے لقب تھے اورنگ زیب کا معنی ہے "تخت کو زینت بخشنے والا" عالمگیر کا معنی ہے "جہان کو زیر کرنے والا"۔ محی الدین کا معنی ہے "دین کو زندہ کرنے والا"۔ عالمگیر اپنے لقبوں سمیت اسم بمسمیٰ تھا اس کی ولادت 1618ء میں ہوئی وہ اپنے بھائیوں سے فارغ ہونے کے بعد جولائی 1658ء میں تخت نشین ہوا لیکن اس کی پوری رسم 1659ء میں منائی گئی۔ 1661ء میں ایران اور بخارا کے سفیروں نے اسے تخت نشینی کی مبارک بادپیش کی عالمگیر نے تقریباً ساٹھ (60) سال حکومت کی اس کا اقبال بلند تھا اس کی ذاتی قابلیت اور دماغی صلاحیت عروج پر تھی وہ اپنے دور کا عظیم جرنیل تھا۔ صاحبِ تدبر و تفکر سیاست دان تھا، امورِ سلطنت انجام دینے میں اپنی مثال آپ تھا، ملی و ملکی نگاہ داشت میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا وہ ایک صحیح العقیدہ سنی حنفی مسلمان بادشاہ تھا مسلمانوں نے اسے اپنی خصوصی دعاؤں سے نوازا اور اس کے ساتھ مکمل تعاون کیا بلکہ اس پر اپنی جانیں بھی واردیں مسلمان اسے ایک سچا رہبر و رہنما اور اپنا باوفا بادشاہ تصور کرتے تھے اورنگزیب نے اسلامی اصولوں کو نافذ کیا۔ سرور، رقص اور شراب پر پابندی لگا دی۔ بے حیائی، فحاشی، عریانی اور فیشن پرستی کو ختم کیا۔ پرندوں، جانوروں، عورتوں اور

مردوں کے وہ مجسمے جو تہواروں میں بطور نمائش پیش کئے جاتے تھے ان کا بنانا اور ان کی نمائش کرنا ممنوع قرار دے دیا یعنی اس نے ملک میں پھیلائی ہوئی برائی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور سید عالم نور مجسم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی وغلام ہونے کے حوالے سے اپنی محبت بھری دینی وروحانی خدمات کا فریضہ انجام دیا اور شرک، ضلالت وبدعت کی بیخ کنی کی۔ اس کے عہد میں ایک شخص نے خدائی کا دعویٰ کر دیا، عالم گیر کو جب علم ہوا تو اس نے اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا اور ملک میں اعلان کرا دیا: اللہ ایک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ 1694ء میں حسین ملک نے اصحابِ کرام علیہم الرضوان کی شانِ اقدس میں نازیبا کلمے استعمال کئے، بادشاہ نے اسے پھانسی دینے کا حکم دیا۔ اس کے اس عمل سے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی شان میں بدزبانی کرنے والوں کا منہ بند ہو گیا۔ اورنگ زیب کو اولیاء اللہ، علمائے کرام اور درویشوں سے بے حد محبت تھی، وہ اپنے زمانے کا مثالی انسان تھا، اس کی یادداشت کا یہ عالم تھا کہ جسے ایک بار دیکھ لیتا اسے کبھی نہ بھولتا اور جو بات سن لیتا اسے یاد رکھتا۔ اس کے سیاسی تدبر اور فکری بصیرت کی یہ حالت تھی کہ اس نے کسی سازش اور پوشیدہ راز سے شکست نہ کھائی، وہ کم خوراک تھا اس کی نیند صرف تین گھنٹے تھی، اس نے اپنے ملک میں فقہ حنفی کو بطور قانون لاگو کیا جس کی وجہ سے ملک امن وامان کا گہوارہ بن گیا۔ اس نے پانچ سو علما وشیوخ سے قرآن وحدیث اور فقہ کی معتبر کتابوں سے فتاویٰ عالمگیری مرتب کرایا۔ آج بھی یہ فتاویٰ عربی، فارسی اور اردو زبان میں موجود ہے اور مسلمانوں کے مسائل میں رہنمائی ورہبری کا کام سر انجام دے رہا ہے۔ بادشاہ کے دورِ حکومت میں اس فتاوی کو قانونی حیثیت حاصل تھی، ہر قاضی اور جج اس کے مطابق فیصلہ کرتا تھا اور لوگوں کو انصاف مہیا کیا جاتا تھا۔ اس فتاوی کے قوانین کے نفاذ کی وجہ سے ملک امن وامان کا گہوارہ بن گیا اور معاشرتی جھگڑوں کا خاتمہ ہو گیا۔ آج کل کے اسلامی ملکوں کے سربراہان اسلامی اصولوں کو اپنے ملکوں میں نافذ کر دیں تو یقیناً برائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

عالم گیر کے عہد میں اوچشریف کے حاکم

عالم گیر کے عہدِ مبارک میں اوچشریف کا علاقہ تربت خان کے سپرد تھا، پھر بادشاہ نے اسے اپنا سفیر بنا کر ایران بھیجا تو اوچشریف کو ملتان کے صوبے میں شامل کر دیا گیا۔ پھر اسے نجابت خان نے سنبھالا 1068ھ میں اوچشریف لاہور سے ملحق ہوگیا اس وقت لاہور میں عزت خان صوبے دار تھا اسی سال داراشکوہ بھی اوچشریف آیا۔ 1119ھ میں محمد معزالدین ملتان اور اوچشریف کا صوبے دار تھا، معزالدین کچھ عرصہ بعد جہاندار شاہ کے لقب سے ملقب ہوکر دہلی کا تاجدار بنا، اس وقت اوچ اپنی مقامی اور تمدنی خوبیوں سے خالی ہو چکا تھا، ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے پرامن فیوض کے باعث اس مقام کو کوئی خطرہ تو نہ تھا لیکن اوچ علمی مرکز رہا نہ سیاسی اہمیت کا حامل۔ دریا بھی اس سے دور چلا گیا تھا، تجارتی اغراض کے حوالے سے اس کی پہلی وقعت نہ رہی البتہ حسنی و حسینی سادات اور گاذرونی و جمالی حضرات کی برکات اسے حاصل رہیں۔ اب اس شہر میں گورنر کی ضرورت تھی نہ حاکم کی، بس اس کا تعلق ملتان سے جڑا رہا۔ ملتان کا رخ دہلی کو ہوتا تو اوچ بھی دہلی کے ساتھ لگ جاتا اگر ملتان کا منہ کابل کی طرف ہوتا تو اوچ بھی اس سے وابستہ ہوجاتا ان چکروں سے گزر کر اوچشریف ایک معمولی قصبہ کی حیثیت سے برقرار رہا۔ 1140ھ میں نواب صادق محمد خان عباسی اول نے نور محمد کلہوڑا سے تنگ آ کر شکارپور (سندھ) کو ترک کر دیا اور خان پور کے قلعے میں رہائش اختیار کی۔ اس وقت اوچشریف میں مخدوم سید حامد نوبہار بخاری اور مخدوم سید عبدالقادر جیلانی کی سیادت و قیادت کا دور دورہ تھا، اوچشریف ملتان کی صوبے داری کے ذریعہ سے کابل حکمران کے تحت تھا۔ مخدوم صاحبان کی تحریک وجدوجہد سے نواب صادق محمد عباسی اول نے ملتان اور اوچ کے صوبہ دار نواب حیات اللہ خان سے چوہدری (لیاقت پور) کا علاقہ جاگیر کے طور پر حاصل کیا اور ریاست بہاولپور کی بنیاد رکھی۔ فرمارروایان بہاولپور نے شائستگی سے ریاست کو ترقی کے مراحل طے کرائے۔ مشکلات ومسائل اور پریشانیوں کا جواں مردی، حوصلے اور استقلال سے مقابلہ کیا تو وہ

کامیابیوں سے ہمکنار ہوتے چلے گئے۔ ریاست بہاولپور کے والیان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اوچشریف ریاست بہاول پور کا بہت پرانا شہر ہے جس میں پولیس اسٹیشن، سب تحصیل، پوسٹ آفس، گرلز و بوائز ہائی سکولز وڈگری کالجز نیز دینی مدارس اور کافی تعداد میں سکولز اور اکیڈمیاں موجود ہیں۔ ڈیرھ سو کے قریب مساجد ہیں۔ (428)

اوچشریف کے محلے و کالونیاں

(1) محلہ بخاری (اس محلے میں سید جلال الدین بخاری، سید مخدوم جہانیاں، مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کا نقشِ پا، بی بی جیوندی اور بہاول حلیم وغیرہ کے مزارات اور سادات بخاری کی رہائش گاہیں ہیں، دوسری قوموں کے لوگ بھی رہتے ہیں)

(2) محلہ پیر مناں (اس محلے میں حضرت پیر مناں کا مزار ہے اور مہاجرین کے مکانات ہیں۔)

(3) محلہ سودھگان (یہ محلہ حضرت پیر مناں کے مزار کی جنوب میں واقع ہے۔ اس محلہ میں متعدد اولیاء اللہ کے مزارات کچھ لوگوں کے گھروں میں بھی ہیں۔)

(4) محلہ خواجگان (اس محلہ میں سید صفی الدین گاذرونی اور سید کبیر الدین بخاری کا مزار ہے اور خواجگان آباد ہیں۔)

(5) محلہ نوازا آباد (اس محلے میں خواجگان سمیت بہت سی قومیں آباد ہیں)

(6) محلہ شمیم آباد (یہ محلہ شیخ شمیم احمد کے نام سے منسوب ہے۔ اس میں بھی مختلف قومیں آباد ہیں۔ اس محلے کی گلیاں تنگ ہیں۔ اس محلے میں کو چابلو چاں مشہور ہے)

(7) محلہ گیلانی (اس محلے میں حضرت سید محمد غوث بندگی اور ان کی اولاد کے مزارات ہیں، ان کی اولاد کی رہائش گاہیں ہیں، شمس محل اور ہاتھی گیٹ بھی اس میں ہیں پوسٹ آفس بھی ہے)

(8) محلہ شمس کالونی (الشمس چوک سے لے کر حسینی چوک تک خیر پور ڈاہا کی طرف جانے والی سڑک کے شرقی کنارے پر واقع ہے)

(9) عمر ٹاؤن (جو اوچ، احمد پور شرقیہ روڈ کے جنوب میں واقع ہے۔)

(10) اکبر ٹاؤن (اوچ گورنمنٹ ہائی سکول کے مغرب میں واقع ہے۔)

(11) محلہ امیر آباد (اکبر ٹاؤن کے جنوب میں واقع ہے۔)

(12) محلہ عیدگاہ (اوچشریف کی مرکزی عیدگاہ کے اردگرد واقع ہے۔)

(13) غوث اعظم سٹی (اوچ شریف کی صدر سے عیدگاہ کی طرف جانے والی سڑک کے مغرب میں واقع ہے۔)

(14) اختر کالونی (یہ کالونی اوچ سے للو والی پل کی طرف جانے والی سڑک کے جنوب میں واقع ہے۔)

(15) سمیع ٹاؤن (16) سہیل ٹاؤن

(17) جمالی ٹاؤن

چودھواں باب

تحریک آزادی اور مجاہدین

پاکستان کا مطلب کیا......؟ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پاکستان کی تحریک آزادی میں اکابرینِ اہلسنت کی جدوجہد اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ ہندوؤں کے تعصب وتنگ نظری اور اسلام دشمنی کے باعث مسلمانوں کا ایک علیحدہ اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ ایک فطری تقاضہ تھا۔ علامہ محمد اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح جیسے لیڈر ورہنما جو پہلے ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے ایک علیحدہ اسلامی مملکت کے قیام کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ علماء ومشائخ اہلسنت شروع سے دوقومی نظریہ کے حامی تھے اور غیر مسلموں بالخصوص ہندو وانگریز سے اتحاد کے زبردست مخالف تھے۔ سالارِ قافلۂ حریت علامہ فضل حق خیر آبادی اور امام اہلسنت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی نے ماحول کی ہولناک تاریکیوں میں حق گوئی اور بے باکی کے وہ چراغ جلائے جو باطل پرستوں کی تندوتیز آندھیوں سے گُل نہ ہو سکے۔ جب مسلم لیگ نے تحریک پاکستان کا آغاز کیا تو علما ومشائخ نے اس میں شرکت کی اور بھرپور تعاون سے اسے مضبوط بنا دیا۔ چنانچہ مشہور انگریز مؤرخ ولفرڈ کانٹ وی سمتھ نے اپنی کتاب ''ماڈرن اسلام ان انڈیا اینڈ پاکستان'' میں تحریکِ پاکستان میں مختلف مکاتبِ فکر کی جدوجہد پر روشنی ڈالی ہے۔ مؤرخ سمتھ لکھتا ہے: کچھ ماہر علوم اسلامیہ خاص کر بریلوی مکتب فکر نے اپنی وفاداریاں مسلم لیگ کے ساتھ منسلک کر دی تھیں۔ دیوبند خاص طور پر مخالفت پر آمادہ تھا۔ جمعیت علماء ہند جو تحریک خلافت کے دنوں میں قائم کی گئی۔ مسلم لیگ کے جسم میں کانٹے کی حیثیت رکھتی تھی۔(429)

پاکستان ٹائمز میں برصغیر پاک وہند کے نامور مؤرخ محمد ابراہیم، ورلڈ آف اسلام کے تحت دوقومی نظریہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مولانا دیدار علی شاہ (1855/1935ء) اور

ان کے صاحبزادے مولانا ابوالحسنات محمد احمد (1898ھ/ 1961ء) جنگ عظیم میں اول ہی سے کانگریس اور اس کے ایک قومی نظریے کی مخالفت میں بریلوی مکتب فکر کے نمائندے تھے۔ یہ وہ دور تھا جبکہ ابھی مولانا محمد علی جوہر، قائداعظم مرحوم اور مولانا ظفر علی خان دوسرے مسالک کے حضرات بھی کانگریس اور خلافت تحریک کی پوری شد و مد کے ساتھ حمایت کر رہے تھے۔ (430)

1921ء تک مسلمانوں کی کوئی خاص علیحدہ سیاسی تنظیم نہ تھی۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈر اور رہنما جن میں ممتاز علماء اسلام کے علاوہ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی، مولانا شوکت علی اور ایسے ہی اکثر جلیل القدر اکابر اسلام، خلافت اور اسی قسم کی دوسری تحریکوں میں برادرانِ وطن کیساتھ مل کر انگریز سے جہاد کر رہے تھے۔ حضرت مولانا شاہ احمد رضا قدس سرہٗ نے اعلان کیا کہ مشرکین سے معاہدہ، موالات اور ان کی استعانت یہ سب باتیں شریعت کے خلاف ہیں یعنی ہندوؤں سے سیاسی اتحاد مسلمانوں کیلئے ضرر رساں ہے۔ بہر حال جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ حقیقت عیاں ہوتی چلی گئی کہ بھارتی ہندو ہرگز اشتراک کے مستحق نہ تھے اور روزِ روشن کی طرح نمایاں حقیقت کو انہوں نے تسلیم کر لیا۔ جن کے اشتراک سے ہندوؤں کی آواز موثر ہوئی، مثال کے طور پر قائداعظم محمد علی جناح کو ہندو مسلم اتحاد کا پیامبر کہا جاتا تھا۔ بمبئی میں جناح حال ان کی خدمات کے صلہ میں تعمیر کرایا گیا۔ حکیم الامت علامہ اقبال جنہوں نے ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا'' کہہ کر حب وطن کی ایک انوکھی مثال قائم کی تھی۔ بعد میں قائداعظم نے یہ مطالبہ تسلیم کرایا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں اور پاکستان کے بانی کا اعزاز حاصل کیا اور علامہ اقبال مفکرِ پاکستان ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب قادری بھی انہی بزرگوں میں سرِ فہرست ہیں جنہوں نے ہندو سے اشتراک کو مسلمانوں کیلئے مہلک قرار دیا اور ان لوگوں کی مکمل مخالفت کی جو ہندو مسلم بھائی بھائی کے نعرے لگاتے تھے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ یہ اختلاف ہرگز ذاتی نہ تھا بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کے مطابق

تھا (ترجمہ) جس نے اللہ کیلئے دوستی کی اور اللہ کیلئے دشمنی کی اور اللہ کیلئے دیا اور اللہ کیلئے روک رکھا اس نے اپنے ایمان کو مکمل کیا۔(431)

جن فرقوں کے رہنماؤں نے عمومی طور پر تحریکِ پاکستان، مسلم لیگ اور بانی پاکستان محمد علی جناح کی مخالفت کی اور کانگریس کی حمایت کی۔ان میں علامہ آزاد، مولوی حسین احمد مدنی صدر مدرسہ دیو بند، مولوی عطاء اللہ احراری، مودودی اور حبیب الرحمان لدھیانوی قابل ذکر ہیں۔تحریک خاکسار، مجلس احرار اور جمعیت علماء ہند نے تحریکِ پاکستان کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ (شوکت علی، محمد علی، ابو الکلام آزاد دیو بند کے مولانا عبد الباری، مولانا نثار احمد کانپوری، مفتی کفایت اللہ دیو بندی، مولوی احمد سعید دہلوی دیو بندی وغیرہ نہ صرف شامل تھے بلکہ قائد بن کر عام مسلمانوں کو شمولیت کی دعوت دینے لگے۔)(432)

اس کے برعکس اہلسنت حنفی بریلوی علماو مشائخ نے تحریک پاکستان کی بھرپور تائید کی اور ہر قسم کی حمایت و امداد سے تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہم کنار کیا۔(433)

آل انڈیا سنی کانفرنس

باغِ فاطمہ 27 تا 30 اپریل 1946ء کو چار روزہ آٹھویں آل انڈیا سنی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔اس کانفرنس کی صدارت امیر ملت پیر طریقت حضرت قبلہ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری متوفی 1370ھ/ 1965ء نے کی تھی۔صدر مجلسِ استقبالیہ، محدثِ اعظم ہند، حضرت علامہ سید شاہ محمد محدث کچھوچھوی متوفی 1381ھ/1961ء تھے۔اس کانفرنس میں مشاہیر علماء و مشائخ اور سجادہ نشینوں کی تعداد پانچ ہزار تھی۔اس میں لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں نے شرکت فرمائی۔اس کانفرنس میں قراردادِ پاکستان منظور کی گئی جس کا متن حسب ذیل ہے۔

قرارداد پاکستان

29 اپریل 1946ء کو اس کانفرنس کے تیسرے اجلاس میں یہ قرارداد منظور کی گئی۔

(1) آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور

اعلان کرتا ہے کہ علماء ومشائخ اہلسنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔

(2) یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اسلامی حکومت کیلئے مکمل لائحہ عمل مرتب کرنے کیلئے حسب ذیل علماء کی ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے۔

1) مفتی اعظم ہند، تاجدارِ اہلسنت حضرت علامہ محمد مصطفیٰ رضا خان ابن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری

2) صدر الافاضل استاذ العلماء، حضرت مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی خلیفہ امام احمد رضا خان قادری

3) حضرت مولانا ابو المحامد سید محمد صاحب محدث اعظم ہند کچھوچھوی شاگرد امام احمد رضا خان قادری

4) صدر الشریعہ، بدر الطریقہ حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی تلمیذِ رشید وخلیفہ امام احمد رضا خان قادری

5) مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد العلیم صاحب صدیقی میرٹھی مرید وخلیفہ وتلمیذ رشید امام احمد رضا خان قادری (والد قائد ملت اسلامیہ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی)

6) حضرت مولانا عبد الحامد قادری بدایونی

7) حضرت مولانا سید دیوان آل رسول علی سجادہ نشین اجمیر شریف۔

8) حضرت مولانا ابو البرکات سید احمد (لاہور)

9) حضرت مولانا شاہ محمد الدین سجادہ نشین سیال شریف

10) حضرت مولانا پیر سید محمد عبد الرحمٰن بھرچونڈی شریف (سندھ)

11) حضرت مولانا سید امین الحسنات مانکی شریف

12) حضرت بہادر حاجی بخشی مصطفیٰ علی (مدراس)

13) حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد (لاہور)

یہ اجلاس کمیٹی کو اختیار دیتا ہے کہ مزید نمائندوں کا حسبِ ضرورت و مصلحت اضافہ کرلے یہ لازم ہوگا کہ اضافہ میں تمام صوبہ جات کے نمائندے لئے جائیں۔

(مختصر رپورٹ خطبہ صدارت جمہوریہ اسلامیہ ص29 مطبوعہ مرادآباد 1946ء)

صدر مجلس استقبالیہ محدث اعظم کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے اپنے خطاب میں یہاں تک فرمایا کہ تحریکِ پاکستان کے معاملہ میں محمد علی جناح دستبردار بھی ہو جائیں تو ہم پاکستان بنا کر دم لیں گے۔ اس عظیم الشان آل انڈیا کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں حضرت پیر سید امین الحسنات مانکی شریف نے واشگاف الفاظ میں کہا: میں نے محمد علی جناح سے وعدہ لیا ہے کہ (وہ مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دیں گے اور اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا نظام جاری نہیں کریں گے) اگر انہوں نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا یا اسلام کے خلاف کوئی نظام جاری کرنے کی کوشش کی تو آج جس طرح ہم آپ کو (ان کے ساتھ رہنے کی) دعوت دے رہے ہیں اور آپ (کے لیے اس) کی قیادت کو مان رہے ہیں۔ کل اسی طرح اس کے برعکس ہوگا۔ جناح صاحب! (سن لو) اگر ہم اہلسنت و جماعت اور ہمارے مریدین آپ سے الگ ہو جائیں تو مسلم لیگ کا پرچم اٹھانے والا بھی آپ کے ساتھ نہیں ہوگا یہ لیگ کے سب جلسے اہلسنت کے دم (قدم سے پررونق) ہیں۔ (434)

اولیاء کا فیضان۔ پاکستان پاکستان

مؤرخ و کالم نگار میاں عبدالرشید مرحوم انگریزی زبان میں کتاب ''اسلام برصغیر پاک وہند میں'' تحریک پاکستان میں علماء و مشائخ اہلسنت کے کردار کے بارے میں لکھتے ہیں: جب قرارداد 1946ء میں منظور ہوئی تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی کوششیں ثمر بار ہوئیں اور ان کے تمام عقیدت مند، تمام پیروکار جسدِ واحد کی مانند تحریکِ پاکستان کی حمایت کیلئے کمربستہ ہوگئے۔ پاکستان کے قیام کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت بریلوی کی خدمات علامہ اقبال اور قائد اعظم سے کمتر نہیں۔ جب مسلمانوں کی تمام سیاسی اور مذہبی پارٹیاں جیسے

احرار، خاکسار، جمعیت علماء ہند، نیشنلسٹ مسلمان، دیوبندی مکتب فکر (ماسوائے چند شخصیات کے) اور اہلحدیث، تحریکِ پاکستان کی مخالفت کرر ہے تھے اور پاکستان دشمن کوششوں میں ہندوؤں اور انگریزوں کی حمایت کرر ہے تھے، حضرت بریلوی کے عقیدت مند ہی تھے جو آگے آئے اور تحریکِ پاکستان کی کھلے دل سے مؤثر انداز میں معاونت کی۔ یہی لوگ ہیں جو پاکستان کے لیے کارگر ثابت ہوئے اور اب پاکستان کو مضبوط اور نا قابل تسخیر بنانے کی ذمہ داری بھی انہی پر عائد ہوتی ہے۔ سید انور علی ایڈووکیٹ، پاکستانی مؤرخ اپنی انگریزی کتاب میں رقم طراز ہیں (ترجمہ) عظیم مسلمان روحانی شخصیت احمد رضا خان بریلوی منظر عام پر آئے اور انہوں نے ترکِ موالات کے خلاف فتویٰ صادر فرمایا جب کہ مسلمانوں کی اکثریت ماسوائے مولانا شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع کے انڈین نیشنل کانگریس کی طرف دار بنی رہی اور ایک قومی نظریہ کی بنیاد پر متحدہ ہندوستان کیلئے ملک کے طول وعرض میں کام کیا۔ پاکستان کے حامیوں کے خلاف متشددانہ رویہ اختیار کیا۔(435)

قائداعظم کے بارے میں ہرزہ سرائی

بھارت میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن نے بانیٔ پاکستان، بابائے قوم، قائداعظم محمد علی جناح کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہوئے ان کے سیکولر ہونے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں کہا کہ ''ہماری نظر میں وہ مسلمان بھی نہیں تھے'' وہ نہ تو نماز پڑھتے نہ ہی روزہ رکھتے تھے۔ انہوں نے ہندوستان کو تقسیم کرا دیا۔ جبکہ دارالعلوم دیوبند نے ہمیشہ ملک کی تقسیم کی مخالفت کی۔ کانگریسی ہندوؤں کی جوتیوں میں بیٹھنے والے اور ان کے دسترخوان کا پس خوردہ کھانے والے دیوبندی مہتمم نے بانیٔ پاکستان کی خلاف جو ہرزہ سرائی کی ہے اس سے قبل دارالعلوم کے دیگر سرکردہ علما جن میں مولانا حسین احمد مدنی شامل ہیں ان کا بھی یہی وطیرہ رہا ہے یہ لوگ قائداعظم کا ساتھ دینے کی بجائے گاندھی نہرو، سردار پٹیل اور ماسٹر تارا سنگھ کے ساتھ کانگریس میں شامل ہندوؤں اور سکھوں کے ممدو مددگار رہے۔ شاید یہ علما انتہا پسند ہندو قائدین کو قائداعظم سے بہتر مسلمان سمجھتے ہوں گے۔

قائداعظم نے دس کروڑ مسلمانوں کو انگریز کی غلامی کے بعد ہندو کی غلامی میں جانے سے بچایا اور مسلمانوں کو ایک علیحدہ وطن پاکستان بنا کر دنیا کا نقشہ تبدیل کر دیا اور تاریخ میں مسلمانوں کی جدوجہد کا ایک نیا باب تشکیل دیا۔ علمائے دیوبند نے مولانا شبیر احمد عثمانی اور ان کے دیگر ساتھیوں کو پاکستان کی حمایت کی وجہ سے نہایت حقارت سے اپنی صفوں سے نکال دیا۔ مولانا فضل الرحمٰن کے والد مولانا مفتی محمود بھی ایک بار فرما چکے ہیں کہ وہ خود اور ان کے اکابر پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھے۔ اہلِ پاکستان کی اس فراخ دلی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کانگریس کے وظیفہ خوار مولوی جب جی چاہے مسلمانوں کے ایک ایسے عظیم المرتبت رہنما جس نے کروڑوں مسلمانوں کو آزادی اور خودمختاری کے اعزاز سے سرفراز کیا اس کی عزت آبرو اور کردار پر حملہ آور ہو جائیں، مسلمانوں کی آزادی کی مخالفت کرنے اور کانگریس کے ان وظیفہ خوروں کو اب تک 1946ء کی شکست نہیں بھولی اور جب بھی موقع ملتا ہے یہ قائداعظم اور تحریکِ پاکستان کے مقاصد پر حملہ آور ہو جاتے ہیں مگر پاکستان، بنگلہ دیش اور بھارت میں رہنے والے مسلمان اس بات پر حیران ہیں کہ بھارت میں احمد آباد، گجرات اور ممبئی میں جب بھی مسلمانوں کے گھر جلائے جاتے ہیں اور انہیں زندہ آگ میں پھینکا جاتا ہے یا مقبوضہ کشمیر میں نہتے مظلوم کشمیریوں کو شہید کیا جاتا ہے تو ہندو کے تنخواہ دار یہ مولوی مجرمانہ خاموشی اختیار کر لیتے ہیں اور کبھی صدائے احتجاج بلند نہیں کرتے جو علمائے حق کا شیوہ نہیں۔ انہوں نے کبھی مسلمانوں کی حمایت اور مسلمانوں پر ظلم کرتے ہندوؤں اور سکھوں کی مخالفت نہیں کی۔ یہ لوگ محض مسلمانوں کو کمزور کرنے کیلئے انہیں مزید فرقوں اور سیاسی گروہوں میں تقسیم کرنے پر لگے ہوئے ہیں تاکہ مسلمان ہندوؤں کے مقابلہ میں کمزور ہو جائیں۔ پاکستان میں علمائے کرام بالخصوص دیوبندی مکتب فکر پاکستان اور بانی پاکستان سے واقعی بغض رکھتے ہیں۔(436)

احرار کے رہبر مولانا عطاء اللہ بخاری نے امروہہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سؤر ہیں اور سؤر کھانے والے ہیں پھر میرٹھ میں مولوی حبیب

الرحمٰن لدھیانوی صدر مجلس احرار اس قدر جوش میں آئے کہ دانت پیستے جاتے تھے، غصہ میں آ کر ہونٹ چباتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ دس ہزار جینا اور شوکت اور ظفر۔ جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جا سکتے ہیں۔ مولانا ظفر علی خان کہتے ہیں: اس پر میں نے یاروں کی فرمائش پوری کی!

کیا کہوں آپ سے ہیں کیا احرار
کوئی لچا ہے اور کوئی لقہ (437)

کانگریسی مولوی قائداعظم کو کافر اعظم کہتے تھے۔ان کے جواب میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے فرمایا کہ یہ پرلے درجے کی شقاوت وحماقت ہے کہ قائداعظم کو کافر اعظم کہا جائے۔(438)

ماہنامہ رضائے مصطفیٰ میں لکھا ہے کہ دیوبندی مکتبِ فکر کے ماہنامے ''نصرۃ العلوم'' گوجرانوالے نے ماہِ جولائی کی اشاعت میں بانی پاکستان کا نام بگاڑ کر آپ کو کائداعظم کے نام سے گالی دی ہے۔یعنی قائداعظم (مکاراعظم)

مولانا شبیر احمد عثمانی کا مکالمہ

عثمانی صاحب فرماتے ہیں دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کئے جن میں ہم کو ابوجہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا۔آپ حضرات (کانگریسی علما) نے اس کا بھی کوئی تدراک کیا تھا؟ آپ کو معلوم ہے؟ کہ اس وقت دارالعلوم دیوبند کے تمام مدرسین مہتمم اور مفتی سمیت (باستثنیٰ ایک دو) بالواسطہ یا بلاواسطہ مجھ سے نسبتِ تلمذ رکھتے تھے۔دارالعلوم کے طلباء نے میرے قتل کے حلف اٹھائے اور وہ فحش اور گندے مضامین میرے دروازہ میں پھینکے کہ اگر ہماری بہنوں کی نظر پڑ جائے تو ہماری آنکھیں شرم سے جھک جائیں کیا آپ میں سے کسی (مولوی) نے اس پر ملامت کا کوئی جملہ کہا؟ بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ بہت سے لوگ ان کمینہ حرکات پر خوش ہوتے تھے۔''حریت'' اخبار دہلی آج کل جو ذاتیات پر نہایت رکیک مضامین لکھ رہا ہے کیا

آپ حضرات میں سے کسی نے اس پر بیزاری کا اظہار کیا ہے؟ اس پر سب (حضرت مولانا حسین احمد صاحب صدر جمعیت علمائے ہند، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سابق صدر جمعیۃ علمائے ہند۔ حضرت مولانا احمد سعید سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے ہند، مولانا حفظ الرحمٰن حال ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے ہند، مولانا عبدالحکیم صدیقی، مولانا عبدالحنان، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن) کی آنکھیں شرم سے جھکی ہوئی تھیں۔(439)

مولانا حفظ الرحمٰن کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ کلکتہ میں جمعیۃ العلما اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایماء سے قائم ہوئی ہے۔اور مولانا آزاد نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہم جمعیۃ العلمأ ہند کے اقتدار کو توڑنے کیلئے ایک علماء کی جمعیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ گفتگو کے بعد طے ہوا کہ گورنمنٹ (انگریز) ان کو کافی امداد اس مقصد کیلئے دے گی۔ چنانچہ ایک بیش قرار رقم اس کیلئے منظور کر لی گئی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی کے حوالہ بھی کر دی گئی اس روپیہ سے کلکتہ میں کام شروع کیا گیا۔ مولانا حفظ الرحمٰن نے کہا یہ یقینی روایت ہے۔(440)

مولانا حفظ الرحمٰن دیو بندی نے کہا کہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتدأ حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد کچھ روپیہ ملتا تھا۔(441)

مولانا اشرف علی تھانوی کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ ماہوار حکومت (انگریز) کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔(442)

مولانا شبیر احمد عثمانی نے (پاکستان کے مخالف مولویوں کو فرمایا) آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کانگریس کی ابتدا کس نے کی تھی اور کس طرح ہوئی تھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ ابتدأ اس کا قیام ایک وائسرائے کے اشارہ پر ہوا تھا اور وہ برسوں گورنمنٹ کی وفاداری کے راگ الاپتی رہی ہے۔(443)

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ حضرات کے متعلق بھی عام طور پر مشہور کیا جاتا ہے کہ آپ ہندوؤں سے روپیہ لے کر کمار ہے ہیں۔ کیا یہ صحیح چیزیں ہیں۔(444)

کانگریسی مولویوں کا قول یہ کہ پاکستان ہماری لاشوں پر ہی بن سکتا ہے۔(445)

عثمانی صاحب نے فرمایا لیکن مسٹر جناح کے متعلق کبھی میرا یہ گمان نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ سرکاری آدمی ہیں یا وہ کسی دباؤ یا لالچ میں آسکتے ہیں یا کسی قیمت پر خریدے جاسکتے ہیں۔(446)

عثمانی کی مسلم لیگ میں شامل ہونے کی وجہ

علامہ عثمانی نے ان مولویوں کو فرمایا: آپ سب حضرات مل کر مسلم لیگ میں داخل ہو جائیں اور داخل ہوکر اس پر قبضہ کریں اور ایک دو مہینے دورہ کر کے تین چار لاکھ دو آنے والے ممبر مسلم لیگ کے بھرتی کرائیں جب ہمارے ہم خیال ممبران کی اتنی بھاری تعداد مسلم لیگ میں داخل ہوجائے گی تو پھر ہم عوام کے ذریعہ سے جو مفید صورت مسلمانوں کیلئے ہوگی۔ بہ آسانی بروئے کار لاسکیں گے۔ کیا ہمارا عوام سے اتنا بھی رابطہ نہیں ہم دو چار لاکھ ممبران بھرتی کرا سکیں۔ میں اس کیلئے تیار ہوں۔ اس پر مولانا احمد سعید نے کہا کہ یہ تو صحیح ہے لیکن جب ہم لوگ ایسا کریں گے تو یہ راجے، مہاراجے، نواب مسلم لیگ سے علیحدہ ہوکر دوسری مسلم لیگ بنالیں گے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا اگر وہ نئی مسلم لیگ بنالیں گے تو اس سے کیا ہوگا عوام کی طاقت تو ہمارے ساتھ رہے گی۔ سر شفیع مرحوم نے بھی شفیع لیگ بنائی تھی لیکن اس کا حشر کیا ہوا جب شفیع رحلت کر گئے اس کے ساتھ ان کی لیگ بھی ختم ہوگئی۔(447)

مکافات عمل

مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال مرحوم نے فرمایا۔

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

بمصطفٰی برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر بہ او نر سیدی تمام بولہبی است (448)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

در معنی ایں معنی کہ وطن اساس ملت نیست
آں چناں قطع کردہ اند
بر وطن تعمیر ملت کردہ اند
تا وطن را شمع محفل ساختند
نوع انساں را قبائل ساختند
جنتے جستند در بئس القرار
تا احلوا قومہم دار البوار (449)

مولانا ظفر علی خان نے لکھا ہے کہ۔ ہندو، دلہا اور مسلمان دلہن۔

مسلمان کا پھٹا تہبند نہ کچھ بھی اس کے کام آیا
نچھاور ہوگئی شرع نبی، زرتار دھوتی پر
حسین احمد سے کہتے ہیں خزف ریزے مدینے کے
کہ آپ بھی ایک ہوگئے سنگم کے موتی پر (450)

اُدھر آریہ سماجی اِدھر اتحاد ملت
ہے اِدھر خدا کی عزت، ہے اُدھر بتوں کی طاقت
یہ شغال پست فطرت نہ سنا ہو گر تو سن لیں
کہ محال ہے بدلنی اسد الٰہی جبلت
بڑے اچھے ہیں مشائخ جو ملے ہیں کانگریس میں
گلہ ان سے ہے تو یہ ہی کہ ہے گاندھی ان کی علت

یہ وہ عالمانِ دین ہیں جو ہمیں بتا رہے ہیں
کہ سماجیوں کی حریت ہے حجازوں کی حلت (451)

گاندھی کفر کی آندھی

وطن جس کی رو سے ہے بنیاد ملت
میں اسی شرع کی کر رہا پیروی ہوں
سکھاتا ہے جو ناچنا اور گانا
میں اس مدرسہ کا بڑا مولوی ہوں
کبھی میں تھا عازم کوئے مدینہ
اب اس عزم کو کر چکا ملتوی ہوں
کوئی قادری ہے کوئی سہروردی
مرا فخر یہ ہے کہ میں گاندھوی ہوں
مجھے لیگ سے اس لیے ہے دشمنی
وہ عبد النصاریٰ میں عبد القوی ہوں
برستی ہے جس سے ترنگی بلائیں
میں اس عرش پر آج کل مستوی ہوں
سمجھ لوں میں جینا کو کیونکر مسلمان
کوئی میں بھی اشرف علی تھانوی ہوں (452)

دیتے ہیں مساجد پہ جو بتخانہ کو ترجیح
میں ان کو سکھاؤں گا شریعت کے سب آداب
احرار کو چندہ کے سوا کچھ بھی نہ سوجھا
بلی کو نظر آئے فقط چھیچھڑوں کے خواب (453)

بت خانہ احرار

احرار کے بت خانہ سے مظہر کو بلالا
منظور بنانا ہو جو مسجد کو شوالا
ملتی ہیں بیچارے کو شکستوں پہ شکستیں
اسلام سے پڑتا ہے جہاں کفر کو پالا
سرکار مدینہ سے ملا مجھ کو بھی کمبل
سکھوں نے بخاری کو جو بخشا ہے دوشالہ
زندہ رہے پائندہ رہے نور محمد
اسلام کا نام اس نے بٹالہ میں اچھالا (454)

(گاندھی کی لنگوٹی)

احرار کے حصہ میں گاندھی کی لنگوٹی
اور خواجہ بطحا کی ردا میرے لیے ہے (455)

جواہر لال نہرو کان دل کھول کر سن لیں
کہ مسلم لیگ کے حامی ہیں شہری اور دیہاتی
یہی دو چار دن ٹرائیں گے پھر آپ چپ ہو جائیں گے
کہ یہ سب کانگریس کے مولوی مینڈک ہیں برساتی (456)

ایک تھالی کے بینگن اتنا الجھے کہ ایک دوسرے کو اسلام سے خارج کرنے لگے انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ جب پاکستان بن جائے گا تو ہماری داڑھیاں پیشاب سے مونڈ دینا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کا جرم یہی تھی کہ وہ اہلسنت مسلمانوں کی طرح اسلام کو ایک الگ ملت اور کفر کو ایک الگ ملت جانتے تھے۔ اور وہ مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی، مفکر پاکستان علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اور حضرت قائداعظم کے دو نظریہ کے زبردست حامی تھے۔

اس لیے انہوں نے جمعیت علمائے ہند کو چھوڑا کہ وہ نہرو اور گاندھی کی آلہ کار بن جانے کے ساتھ انگریز کے ابرو کے اشارے سے جڑی ہوئی تھی۔

عثمانی صاحب کی وفات

علامہ شبیر احمد عثمانی 13 دسمبر 1949ء کو بارہ بجے بغداد الجدید بہاولپور میں حرکت قلب بند ہوجانے سے مر گئے۔ وہ 10 محرم 1307ھ مطابق 1885ء کو بنجور میں پیدا ہوئے ان کے والد کا نام فضل الرحمان تھا۔ علامہ صاحب ذہین تھے، طالب علمی کے دوران طلبا کو مختلف علوم کی کتابیں پڑھاتے تھے۔ آخری دور میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم رہے اور قائداعظم کا بڑی بے جگری سے ساتھ دیا۔ اپنوں کو چھوڑا۔ تکالیف اٹھائیں لیکن ملتِ اسلامیہ کے چراغ کو گل نہ ہونے دیا۔ 14 اگست 1947ء کو قائداعظم نے کراچی میں پاکستان کا پرچم لہرایا۔ تو وہ بھی ساتھ تھے۔ 14 دسمبر 1949ء کو ان کی نماز جنازہ مفتی محمد شفیع نے پڑھائی، انہیں اسلامیہ کالج کراچی کے احاطے میں دفن کیا گیا۔ (457)

(فصل اول)

مسلم لیگ کا قیام

30 دسمبر 1906ء کو ڈھاکہ میں مسلم اکابرین کا ایک اجلاس منعقد ہوا اور ڈھاکہ کے نواب سلیم اللہ خان کی تحریک پر آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ مسلم لیگ کے قیام کی غرض و غایت یہ تھی۔ (1) ہندوستان میں برطانوی حکومت کے بارے میں وفادارانہ جذبات کو فروغ دینا۔ (2) مسلمانوں کے سیاسی مفادات کی حفاظت کرنا اور ان کے مسائل اور جذبات کو حکومت تک پہنچانا۔ (3) مسلمانوں اور دوسری قوتوں کے مابین دوستانہ تعلقات قائم کرنا اور ان میں اتحاد کی فضا پیدا کرنے کیلئے راہیں ہموار کرنا چنانچہ جلد ہی مسلم لیگ سیاسی جنگ میں مسلمانوں کیلئے ڈھال ثابت ہوئی۔ (458)

قائداعظم کی مسلم لیگ میں شمولیت

مارچ 1912ء میں مولانا محمد علی جوہر کی دعوت پر قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرلی۔اسی مسلم لیگ نے اپنے آئین میں ترمیم کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ مسلمان حکومت خوداختیاری حاصل کرسکے۔جس کے نتیجے میں سرآغاخان اورامیر علی نے مسلم لیگ سے استعفیٰ دیدیا۔ان کی جگہ مسلم لیگ نے حضرت قائداعظم کی خدمات حاصل کرلیں۔

تصور پاکستان

دسمبر 1930ء میں شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے آل انڈیا مسلم لیگ کے الہ آباد کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس دور میں اسلام بحیثیت ایک عرفی قوت کے ساتھ زندہ رہے تواس کیلئے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقہ میں اپنی مرکزیت قائم کرے۔میں اسلام کی فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کررہا ہوں۔انہوں نے پاکستان کی جغرافیائی حدود کی نشاندہی بھی کردی اورفرمایا: میری خواہش ہے کہ پنجاب شمال مغرب سرحدی صوبہ سندھ اور بلوچستان باہم ایک علیحدہ ریاست کی صورت میں مدغم کردیئے جائیں۔(459)

نئی مملکت کا نام

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے خطبہ الہ آباد میں نئی مملکت کیلئے جو جغرافیائی حدیں متعین کی تھیں ان کیلئے کیمبرج یونیورسٹی کے ایک طالب علم چودھری رحمت علی نے 1933ء میں اپنے پمفلٹ میں ایک مخصوص لفظ پاکستان استعمال کیا۔انہوں نے یہ لفظ پنجاب، افغان (شمال مغربی سرحدی صوبہ کے پٹھان پختون خواہ) کشمیر، سندھ کے ابتدائی حروف اورتان کیلئے بلوچستان کے آخری تین حروف استعمال کئے۔جس کا مطلب ہے۔ پاک لوگوں کی سرزمین۔یاپاک سرزمین۔(460)

چوہدری رحمت علی کا تعارف

چوہدری رحمت علی ہوشیار پور کے ایک گوجر گھرانے میں چوہدری شاہ محمد کے ہاں 16 نومبر 1897ء کو پیدا ہوئے۔33 سال کی عمر میں انگلستان چلے گئے۔ 1914ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے کیا۔ 1919ء میں لاء کالج میں داخلہ لیا۔ 1920ء سے 1923ء تک ایل ایل بی کا امتحان دیتے رہے مگر پاس نہ ہوئے۔1929ء میں انگلستان کا قصد کیا۔ جنوری 1931ء میں کالج کیمبرج میں داخلہ لیا اور 1933ء میں بی اے پھر 1940ء میں ایم اے پاس کیا 1943ء میں بارایٹ لا کیا۔ 12 فروری 1951ء کو ایک بجے کے قریب چوہدری رحمت علی انتقال کر گئے انہیں نیو مارکیٹ روڈ کیمبرج کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔(461)

قائداعظم کا تعارف

محمد علی جناح 25 دسمبر 1876ء کو کراچی میں ایک ممتاز تاجر پونجا جناح کے گھر پیدا ہوئے۔ انہوں نے سندھ مدرسۃ السلام اور کرسچن سن سکول کراچی میں تعلیم پائی۔ برطانیہ میں واقع لنکن ان نامی ادارے میں 1893ء کو داخلہ لیا اور تین سال کے بعد اسی درسگاہ سے 1896ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے بعد بمبئی آ گئے اور وکالت شروع کر دی۔ 1900ء میں انہوں نے مجسٹریٹ کی حیثیت سے چھ ماہ تک کام کیا۔ 1905ء میں انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہو کر سیاسی زندگی کا آغاز کیا اسی سال گوپال کرشنا گوکھلے (1866ء 1915ء) کے ہمراہ کانگریس کے وفد میں لندن گئے تاکہ برصغیر کی آزادی کیلئے راہ ہموار کی جا سکے۔ ایک سال بعد انہوں نے آل انڈیا نیشنل کانگریس کے صدر دادا بھائی نوروجی (1865ء/ 1917ء) کے سیکرٹری کی حیثیت سے کام کیا جو ان کیلئے حکومت کے سلسلے میں تھا۔ جنوری 1906ء میں وہ اپیریل لیجسلیٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ قائداعظم نے ہندو مسلم اتحاد کی بڑی کوششیں کیں۔ وہ 1913ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ 1912ء میں میثاق لکھنؤ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ یہ پہلا

معاہدہ تھا جو آل انڈیا نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین طے پایا تھا۔ 1920ء میں ان کا شمار ہندوؤں اور مسلمانوں کے بہت بڑے رہنماؤں میں ہونے لگا۔ وہ نہ صرف کانگریس اور امپیریل لیجسلیسٹو کونسل میں مقبول تھے بلکہ مسلم لیگ اور ہوم رول لیگ بمبئی شاخ کے صدر بھی تھے۔ اکتوبر 1920ء میں جب گاندھی ہوم رول لیگ کے صدر بنے تو انہوں نے اس کے آئین میں تبدیلی کرنا چاہی تو قائداعظم نے استعفیٰ دے دیا اور کہا کہ آپ کا یہ انتہا پسندانہ وقتی قدم ناتجربہ کار جوانوں اور لاعلم اور ناخواندہ لوگوں کے خیالات کو جھٹک کر رکھ دے گا۔ اس کا مطلب بدانتظامی ہے۔ 28 مارچ 1919ء کو رولٹ ایکٹ کے خلاف احتجاج کے طور پر امپیریل کونسل کی رکنیت سے مستعفی ہو گئے۔ نومبر 1923ء میں دوبارہ مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 23 دسمبر 1928ء کو کلکتہ میں منعقد آل پارٹیز نیشنل کنونشن میں مسلمانوں کا نقطۂ نظر پیش کیا۔ اور 28 مارچ 1929ء کو اپنے مشہور چودہ نکات پیش کیے۔ 12 نومبر 1930ء کو ہندوستان میں مسلمانوں کے موقف کی وضاحت کیلئے گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔ 4 مارچ 1934ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں ان کی صدارت میں قراردادِ لاہور منظور ہوئی جسے قراردادِ پاکستان کا نام دیا گیا۔ 3 جون 1947ء کو آل انڈیا ریڈیو سے برصغیر کی تقسیم کے منصوبے پر تقریر کی۔ 14 اگست 1947ء کو انہیں پاکستان کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا اور اس سے قبل اگست میں دستور ساز اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے۔ 15 اگست کو پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ بالآخر 11 ستمبر 1948ء کو وہ اس دنیائے فانی سے ایک طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ ان کا مزار کراچی میں ہے جسے صدر محمد ایوب خان نے تعمیر کرایا تھا۔ (462)

قائداعظم کی نمازِ جنازہ

16 ستمبر 1948ء کو قائداعظم محمد علی کا جنازہ 3 بجے گورنر ہاؤس (کراچی) سے اٹھایا گیا۔ جس گاڑی پر بابائے ملت کا جنازہ اٹھایا گیا تھا اس کے دونوں طرف پاکستان کے

وزیراعظم لیاقت علی خان، سر ظفر اللہ، سردار عبدالرب نشتر، پیرزادہ عبدالستار، مسٹر جوگندر ناتھ منڈل، پیر الٰہی بخش اور میراں محمد شاہ شامل تھے۔ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کی کار بھی جلوسوں کے ساتھ تھی۔ جنازہ وکٹوریہ روڈ الفنسن سٹریٹ سے ہوتا ہوا بندر روڈ پہنچا، ساڑھے چار بجے جلوس جنازہ گاہ کے میدان میں پہنچا۔ جہاں لاکھوں افراد نے ان کی نماز جنازہ ادا کی۔ 6 بجکر 24 منٹ پر انہیں قبر میں اتارا گیا۔ اسی روز سرکاری اعلان کیا گیا کہ چالیس روز تک قائداعظم کا سوگ منایا جائے گا۔ (463)

نماز جنازہ میں شریک نہ ہونے والا وزیر

12 ستمبر 1948ء کو کراچی میں جب بانئ پاکستان کی نماز جنازہ ادا کی گئی تو وزیر خارجہ پاکستان سر ظفر اللہ نے شمولیت کی اور نہ ہی انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ (ظفر اللہ خان غیر مسلم ریاست کا مسلمان وزیر خارجہ یا مسلم ریاست کا غیر مسلم وزیر خارجہ سمجھ لیا جائے۔ سر ظفر اللہ کے قائداعظم کے جنازے میں شرکت نہ کرنے کی بڑی وجہ ان کا قادیانی ہونا تھا۔)(464)

قائداعظم کا چہلم

20 اکتوبر 1948ء کو قائد کی ہمشیرہ مس فاطمہ جناح کی رہائش گاہ پر قائداعظم محمد علی جناح کی رسم چہلم ادا کی گئی جس میں گورنر جنرل پاکستان، گورنر سندھ اور سندھ حکومت کے وزراء اور غیر ملکی سفیروں نے شرکت کی۔ 22 اکتوبر 1948ء کو سرکاری طور پر کراچی میں بابائے قوم کا چہلم منایا گیا۔ ملک بھر میں سرکاری دفاتر میں تعطیل رہی۔ کراچی میں ہزاروں مسلمانوں، مرکزی اور صوبائی وزراء، غیر ملکی سفیروں نے قائداعظم کی آخری آرام گاہ پر حاضری دی اور انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ (قائداعظم محمد علی جناح کے وصال کے بعد ان کے ایصالِ ثواب کیلئے چہلم کا منایا جانا اور اسمیں علمائے کرام کے علاوہ ہر مکتبِ فکر کے دانشوروں کا تشریف لانا اس بات کی دلیل ہے کہ ثواب پہنچانے کی غرض سے قل خوانی جمعرات چہلم اور سالیانہ جائز ہیں۔ ایسی خیراتوں سے مرنے والے اور خیرات کرنے والے

دونوں کو فائدہ ہوتا ہے اس کی شرعی حیثیت راقم الحروف کے رسالے ''قل خوانی'' میں موجود ہے اس کا مطالعہ کیا جائے اس رسالے کو ''ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور'' نے شائع کیا ہے)۔

قائداعظم کا مرشد

مولانا محمد صادق قصوری لکھتے ہیں 1944ء میں جب قائداعظم کشمیر کے دورہ پر تشریف لائے تو انہی دنوں حضرت امیر ملت قدس سرہ بھی سری نگر میں تھے۔(چوہدری غلام عباس کشمیری) قائداعظم کو ساتھ لے کر حضرت پیر سید جماعت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے قائداعظم کی شاہانہ دعوت کی اور پھر مسلم لیگ اور قائداعظم کی کامیابی کیلئے دعا کی۔ دعوت کے بعد شام کو قائداعظم نے حضرت امیر ملت قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت کی سعادت حاصل کر لی۔ یہی وجہ ہے کہ قائداعظم شریعت کے احکام کے پابند ہو گئے تھے اب آہ سحر گاہی اور دعائے نیم شبی ان کا وظیفہ بن چکا تھا۔(465)

قائداعظم کا امام

قائداعظم محمد علی جناح جس بزرگ ہستی کی اقتدا میں نماز ادا کرتے تھے ان کا نام مولانا ظہور الحسن درس ہے۔ وہ اہلسنت حنفی بریلوی تھے ان کی ولادت 9 فروری 1905ء کو مولانا عبدالکریم درس کے ہاں کراچی میں ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے والد بزرگوار سے معقولات اور مولانا صفی عبداللہ درس سے منقولات کی تعلیم حاصل کی تھی۔ انہوں نے تحریک پاکستان میں دوسرے سنی علما کی طرح بھرپور حصہ لیا۔ 1940ء سے 1947ء تک آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رکن اور پروشنل مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے رکن اور اہم عہدوں پر فائز رہے۔ صوبہ سندھ میں مسلم لیگ کو مضبوط اور فعال بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ قائداعظم کراچی میں ہمیشہ ان کی اقتدا میں نماز ادا کرتے تھے۔ کراچی میں شاید ہی کوئی جلسہ ایسا ہو جس میں انہوں نے قائداعظم کے ساتھ تقریر نہ کی ہو۔ قیامِ پاکستان کے بعد حسب دستور قائداعظم نے ان سے نمازِ عید کے اوقات منگوائے مگر ''قائد'' وقت پر نہ پہنچے نواب زادہ لیاقت علی خاں نے ان سے نماز میں تعطیل کیلئے کہا تو انہوں نے گرج کر

فرمایا میں ان علمائے کرام یا حفاظ عظام کے علم کا احترام کروں یا جناح صاحب کا۔ میں نے جناح صاحب کو اوقات سے مطلع کر دیا تھا، میں اپنے وقت کا پابند ہوں اور دوسرے یہ کہ میں جناح صاحب کی نماز پڑھانے نہیں آیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھانے آیا ہوں۔ قائد اعظم بھی پچھلی صفوں میں پہنچ چکے تھے اور فرمایا کہ ہمارے علماء کو ایسے ہی کردار کا حامل ہونا چاہیے۔ علامہ درس نے متعدد کتابیں لکھیں۔ جمعیت علماء پاکستان کے رکن تھے۔ (466)

قائد اعظم محمد علی جناح اور لیاقت علی خان مرحوم کا اہلسنت سنی صوفی بریلوی کے پیچھے نماز ادا کرنا ان کے مسلک کی نشاندہی کیلئے کافی ہے۔ اولیاء کا فیضان☆ پاکستان پاکستان (467)

مزار قائد اعظم کا سنگ بنیاد

31 جولائی 1960ء بمطابق 2 صفر المظفر 1370ھ بروز اتوار صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے مزارِ قائد اعظم کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اس روز ساون کی 17 تاریخ اور بکرمی سال 2017 تھا اسی روز یعنی 31 جولائی 1960ء کو حکومت پاکستان نے ایک سب کمیٹی وزیر داخلہ مسٹر شعیب کی نگرانی میں قائم کی۔ اس کے تین ارکان مقرر کئے گئے۔

15 اگست 1960ء کو آزاد کشمیر کی حکومت نے مرکزی حکومت کو قائد اعظم کے مقبرہ کیلئے عمارتی لکڑی مہیا کرنے کی پیشکش کی۔ عمدہ قسم کی عمارتی لکڑی آزاد کشمیر کے جنگلات میں بکثرت ملتی ہے یہ پیش کش قائد اعظم سے اظہار عقیدت کے طور پر کی گئی۔ (468)

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال قادری

علامہ صاحب 9 نومبر 1977ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کی وفات 21 اپریل 1937ء کو لاہور میں ہوئی۔ ان کا مزار بادشاہی مسجد کے گیٹ کے بائیں جانب ہے۔ علامہ اقبال نے تصورِ پاکستان پیش کر کے مفکرِ پاکستان کی سعادت حاصل کی۔ ڈاکٹر صاحب نے پاکستان کی حدود کا جو نقشہ کھینچا تھا وہ پہلے گزر چکا ہے۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی شہرۂ آفاق شخصیت کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن غلبۂ شہرت کے باعث بہت کم کسی کو ان

کے مسلک و مشرب کا علم ہے اور حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے سلسلہ عالیہ قادریہ میں منسلک ہونے کے انکشاف کی طرف توجہ ہوئی ہے۔ ماشاء اللہ اہلسنت کے بین الاقوامی ممتاز و مشہور ماہنامہ ''رضائے مصطفیٰ'' (گوجرانوالہ) کو واشگاف انداز میں اس انکشاف کی توفیق ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: علامہ اقبال ''بے پیرو بے مرشد نہیں'' تھے بلکہ اہلسنت و جماعت کے سلاسلِ اربعہ میں سے سلسلہ عالیہ قادریہ غوثیہ میں بیعت و مرید ہونے کے شرف سے مشرف تھے۔ مگر افسوس کہ کسی ہستی نے انہیں اتباعِ سنت کے لیے داڑھی مبارک سے چہرہ مزین کرنے کیلئے قائل و عامل نہیں بنایا وہ علامہ اور عاشق رسول ہونے کے باوجود آخری وقت تک اتباعِ سنت کی اس سعادت سے محروم رہے۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال حضرت غوث اعظم شہنشاہ بغداد کے سلسلہ عالیہ قادریہ میں منسلک تھے۔ محکمہ اوقاف پنجاب کی طرف سے شائع شدہ ''معارف اولیا'' کے ''اقبال نمبر'' میں ص 7 پر مذکور ہے کہ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو سلسلہ قادریہ سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی۔ جس کا اظہار انہوں نے کئی مرتبہ فرمایا۔ فرماتے ہیں ''سلسلہ عالیہ قادریہ میں'' میں خود بیعت رکھتا ہوں۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود اسلامی تصوف کو اعجمیت سے پاک کرنا تھا۔'' حضرت پیر جماعت علی شاہ نقشبندی علی پوری نے مئی 1925ء میں فرمایا ''اقبال نے رازداری کے طور پر مجھے کہا تھا کہ میں اپنے والد مرحوم سے بیعت ہوں۔ اقبال کے والد کے پاس ایک مجذوب صفت درویش آیا کرتے تھے وہ انہی کی تربیت میں تھے۔ ان کا سلسلہ قادریہ تھا۔ (469)

چونکہ علامہ محمد اقبال سلسلہ قادریہ میں مرید تھے اس لیے بے پیرو بے مرشد لوگوں سے بہت نفرت فرماتے تھے۔ چنانچہ جناب محمد فاضل صاحب رقمطراز ہیں کہ ''علامہ محمد اقبال مرحوم نے اپنی بیکراں محبت اور شفقت کے باعث مجھے بھی ان لوگوں کے زمرے میں شامل کر لیا تھا جنہیں ان کی خدمت میں ہر وقت حاضر ہونے کی اجازت تھی۔ ایک روز میں علامہ اقبال مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا اس روز میرے ایک ''اہلحدیث'' دوست حفیظ صوفی میرے ساتھ تھے۔ حفیظ صوفی نے کچھ ایسی باتیں کیں جن سے ان کے زاہد خشک

ہونے کی نشاندہی ہوتی تھی۔ چونکہ وہ پہلی دفعہ مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اس لیے علامہ مرحوم نے ان سے تو کچھ نہیں کہا لیکن مجھ سے فرمایا کہ ''آپ منہم تو نہیں؟'' میں نے گزارش کی ''نہیں'' لیکن ساتھ ہی پوچھا کہ ''اگر میں منہم ہوتا تو آپ کیا کرتے؟'' علامہ صاحب نے ذرا خفگی کے انداز میں فرمایا (اگر آپ ''منہم'' ہوتے) تو ''میں آپ کو گھر سے نکال دیتا'' یہ جواب کافی تلخ اور علامہ جیسی شخصیت سے غیر متوقع تھا لیکن اس میں حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جو خوشبو تھی اس نے اس تلخی کو بھی شیرینی میں بدل دیا تھا''۔(470)

علامہ اقبال کے ان الفاظ پر کہ اگر (آپ ''منہم'' ہوتے) تو ''میں آپ کو گھر سے نکال دیتا'' ماہنامہ ''عارف'' لاہور کا یہ تبصرہ کہ ''یہ جواب علامہ جیسی شخصیت سے غیر متوقع تھا لیکن اس میں حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جو خوشبو تھی اس نے اس کی تلخی کو بھی شیرینی میں بدل دیا۔'' کتنا معنی خیز ہے کہ ''منہم'' چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بے ادب ہیں اس لیے ان کے خلاف علامہ صاحب کی تلخی، حبِ رسول و عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کے باعث تھی۔ اس لیے کہ محبوب کریم کے بے ادب پر لطف و عنایات اور خاطر مدارت نہیں ہوسکتیں۔ فافہم وتدبر۔

حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کی آمد پر 1934ء میں مسجد وزیر خاں لاہور میں فیصلہ کن مناظرہ کے موقع پر ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم سے ملاقات ہوئی تو حضرت موصوف نے اقبال کے سامنے گستاخانہ عبارتیں پڑھیں تو اقبال نے بے ساختہ کہا کہ ''مولانا! یہ عبارات ایسی گستاخانہ ہیں کہ ان لوگوں پر آسمان کیوں نہیں ٹوٹ پڑتا؟ ان پر تو آسمان ٹوٹ پڑنا چاہیے۔'' (471)

اقبال کا یہ کہنا کہ ''یہ ایسی عبارات گستاخانہ ہیں کہ ان لوگوں پر آسمان کیوں نہیں ٹوٹ پڑتا؟ ان پر تو آسمان ٹوٹ پڑنا چاہیے''۔ ''منہم'' کے عقائد سے ان کی نفرت و بیزاری کا اظہار ہے اور اس بات کا غماز ہے کہ وہ گستاخانِ رسول سے متنفر تھے اور رسول پاک علیہ السلام کے عاشق تھے۔ اقبال کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا (نور اللہ مرقدہ) کے صاحبزادۂ اصغر مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمۃ کا فرمان ملاحظہ ہو۔ ایک

بار کسی شخص نے سرکار مفتی اعظم سے اقبال کے کفر کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ
''جس نے یہ شعر:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ھمہ اوست
اگر با او نرسیدی تمام بولہبی است

کہا ہو اسے کافر کیسے کہا جائے؟''

ڈاکٹر اقبال نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا پر تأثرات بھی پیش کیے ہیں۔ایک تأثر ملاحظہ کیجئے۔''وہ (امام احمد رضا) بے حد ذہین اور باریک بین عالمِ دین تھے۔فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور پاک و ہند کے نابغۂ روزگار فقیہ تھے۔ہندوستان کے اس دور کے متأخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا۔(472)

ڈاکٹر اقبال نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے اس مصرع پر کہ'' خدا چاہتا ہے رضائے محمد'' (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی بحر پر یہ دو شعر بھی کہے:

تماشا تو دیکھو کہ دوزخ کی آتش
لگائے خدا اور بجھائے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)
تعجب کی جا ہے کہ فردوسِ اعلیٰ
بنائے خدا اور بسائے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) (473)

14 اگست کا ایک بھولا ہوا سبق

عیش وعشرت میں مشغول احسان فراموش پاکستان کے باشندوں کی توجہ کیلئے درج ذیل مضمون کا مطالعہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ہندو کے ظلم کی داستان ہے اسے بار بار پڑھیں۔(14 اگست 1947ء)......حصار میں' میں (راوی) نے دیکھا کہ انتظار حسین بے حس وحرکت چاروں شانے چت پڑا ہے' صبح کو جب دشمن اس کی لاش کو آگ لگانے لگے تو ان میں سے کسی نے کہا:'' ارے یہ لڑکا تو زندہ ہے، اس کی سانس بھی چل رہی ہے

لیکن یہ ٹکٹکی باندھ کر اوپر کی طرف کیا دیکھ رہا ہے۔؟ غالباً کہتا ہے میرے منہ پر پانی کا چھینٹا مارو۔ آواز آئی۔ اس کے منہ پر پٹرول ڈالو۔ ابھی اس کی ساری تمنا پوری ہو جائے گی۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی بھک سے آگ کے شعلے بلند ہو گئے۔ میں نے انتظار حسین کی بہن کی آواز سنی جس کی عمر اس وقت چار سال سے زیادہ نہ تھی۔ معلوم نہیں یہ بچی کہاں چھپی ہوئی تھی' انتظار کی زندہ لاش کو آگ لگی تو وہ پکار پکار کہہ رہی تھی۔ بھیا جی! اٹھو تمہیں آگ لگ رہی ہے۔ ایک بوڑھی عورت گھر بار لٹانے کے بعد ہمارے گاؤں پہنچی تھی' ظالموں نے اس کے مکان پر حملہ کر کے پہلے تو اس کے نوجوان بیٹوں کو بے تحاشا پیٹا۔ پھر انہیں ایک کمرے میں بند کر کے گندھک کا دھواں دیا تا کہ وہ سسک سسک کر مر جائیں۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ)

بھروکی ضلع امرتسر سے لٹے پٹے مسلمانوں کا ایک قافلہ پاکستان کیلئے روانہ ہوا۔ اس قافلے میں اٹھارہ ہزار کے لگ بھگ افراد ہوں گے۔ ہندو فوج حفاظت کے بہانے اس قافلے کے ساتھ تھی، اس نے قافلے کو قصداً امرتسر کے بیچوں بیچ سے گزارا جب یہ قافلہ شہر کے عین وسط میں پہنچا' ہندو فوج پیچھے کی طرف چلی گئی۔ اب مسلمان عجیب کشمکش میں گرفتار تھے' پیچھے ہندو فوج' سامنے ہندو مسلح پولیس' چھتوں پر بپھرے ہوئے سکھوں نے ان پر جلتا ہوا تیل، اینٹیں اور پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ یہ جان بچانے کیلئے آگے بڑھتے تو مسلح پولیس فائرنگ شروع کر دیتی پیچھے ہٹتے تو فوج۔ یہ وحشت ناک ڈرامہ اس وقت تک کھیلا جاتا رہا، جب تک اس قافلے میں ایک مسلمان بھی زندہ نظر آتا رہا۔ کئی نہتے مسلمانوں نے لاشوں کے انبار تلے چھپ کر جان بچائی' صاحب مضمون کے دو ماموں بھی زندہ بچ نکلنے والے گنتی کے چند افراد میں شامل تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ولیا شدید زخمی حالت میں تڑپ رہا ہے۔ اس وقت اس کا پیٹ چرا ہوا تھا۔ آنتیں باہر نکل آئی تھیں اور جسم گولیوں سے چھلنی تھا۔ ماموں کو دیکھا تو بولا شاہ جی۔ ''میرا ایہہ کھونڈا ای پاکستان لے جاؤ' ایہہ ای پاکستان ویکھ لے۔'' (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ) پٹیالہ میں منظور الحسن نامی ایک وکیل تھا۔ ایک سکھ منظور الحسن کا بہت قریبی دوست تھا۔ جب فسادات شروع ہوئے تو وہی سکھ

اسے ملنے آیا۔ آواز دی۔ منظور الحسن باہر نکلا۔ ابھی دروازے کا ایک پٹ کھولا تھا کہ سکھ نے آگے بڑھ کر کرپان اس کے پیٹ میں گھونپ دی۔ منظور زخموں سے چور فرش پر پڑا کراہ رہا تھا کہ اس کے سکھ دوست نے اس کی لڑکی کو پکڑ لیا اور گھسیٹتا ہوا زبردستی اٹھا لے گیا۔ وہ بیچاری چیختی چلاتی رہی، کوئی اس کی مدد کو نہ گیا۔ آج تک اس کے بارے میں پتہ نہیں چل سکا کہ بیچاری زندہ ہے یا مرکھپ گئی۔ (474)

فصل دوئم

امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

پیر جماعت علی شاہ صاحب 1830ء میں علی پور سیداں میں پیدا ہوئے۔ یہ جگہ پسرور سے نو میل کے فاصلے پر ضلع سیالکوٹ میں واقع ہے۔ آپ کی پیدائش سے ایک ماہ پہلے آپ کے گاؤں میں ایک مجذوب خاک کی مٹھیاں بھر بھر کر تقسیم کر رہا تھا اور ساتھ صدا بھی لگا رہا تھا۔ ''خوشیاں مناؤ'' ''اس صدی کا مسیحائے طریقت اس سرزمین پر آنے والا ہے'' جس شخص کے ہاتھ میں مجذوب کی دی ہوئی مٹی جاتی اس کے ہاتھ ایک مسحور کن خوشبو سے مہک اٹھتے۔ پیر جماعت علی شاہ کی ولادت کے چند روز بعد ان کے والد گرامی نے ان کا نام جماعت علی رکھا۔ اس علاقے میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا نام تھا۔ سید کریم شاہ نے وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: تم لوگوں نے کبھی کسی فرد کو جماعت بنتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا۔ یہ بچہ بڑا ہو کر اتنی بڑی جماعت کا رہبر و رہنما ہوگا جس کی تعداد کا کوئی شمار نہ ہوگا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد پیر جماعت علی شاہ نے حصول علم کیلئے بڑے دشوار گزار سفر کئے۔ جب آپ تعلیم حاصل کر چکے تو آپ کو اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر کی ملازمت کی پیش کش ہوئی مگر آپ کے والد صاحب نے اجازت نہ دی اور کہا خلق اللہ کی خدمت کر کے علم کی روشنی کو عام کیا جائے۔ آپ اپنے والد صاحب کے حکم کے مطابق رمضان المبارک میں مسجدوں میں قرآن حکیم سناتے اور باقی گیارہ مہینے لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے۔ مرشدِ کامل کی تلاش میں پھرتے پھراتے قبلۂ عالم، قطبِ زماں بابا فقیر محمد (چورہ شریف والے) سے ملے۔ ان کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ سے تھا ان سے ملنے کی دیر تھی کہ منزل سامنے نظر آ گئی۔ بابا فقیر محمد قبلہ عالم نے آپ کو بڑی محبت سے دیکھا اور چورہ شریف آنے کی دعوت دی آپ کو ہر وقت قبلہ عالم بابا فقیر محمد کی یاد ستانے لگی۔ بابا فقیر محمد نے جماعت علی کو بیعت کر لیا اور اپنی دستار ان کے سر پر

رکھ کر انہیں اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔ حکم دیا کہ اللہ اللہ کرو اور لوگوں کو ذکر کرنے کی تلقین کرو۔ آپ کو بابا فقیر محمد نے جب خرقۂ خلافت عطا کیا تو ان کے دوسرے مریدوں کو شکایت پیدا ہوئی کہ ہم ایک مدت سے بابا فقیر محمد کی خدمت میں حاضر ہیں لیکن ہم لطف و کرم سے محروم ہیں جبکہ پیر جماعت علی شاہ علی پور سے آ کر ولایت کے خزانے سمیٹ کر چلے گئے۔ ان باتوں پر بابا فقیر محمد نے فرمایا: لوگو! تمہیں کیا معلوم کہ جماعت علی کیا شے ہے، وہ تو چراغ، بتی اور تیل اپنے ساتھ لایا تھا، میں نے صرف چراغ روشن کیا ہے تم بھی اس مرتبے کے اہل ہوتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بھی بہت کچھ عطا کر دیتا' حسد سے وہ بھی چھن جائے گا جو تمہارے پاس ہے"۔

امیر ملت کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی محبت تھی، آپ نے متعدد حج کیے۔ ہر سال حج کرنے کے آرزومند رہتے تاکہ حج کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در پاک پر حاضری بھی ہو جائے۔ ایک دفعہ آپ تبلیغ دین کیلئے مصر گئے ہوئے تھے کہ حج کے دن آ گئے۔ آپ نے حج کا ارادہ کیا اور حرم پاک کی طرف چل پڑے۔ راستے میں بحر احمر آتا تھا۔ آپ نے اس کے مضر صحت پانی سے طہارت کی تو آپ کو الرجی ہو گئی۔ رفتہ رفتہ صورتحال بگڑتی گئی اور جسم کے متاثرہ حصوں سے خون رسنے لگا۔ اسی حالت میں مدینہ منورہ پہنچے اور روضۂ اطہر کے باہر کھڑے ہو کر عرض کیا: میرا جسم پاک نہیں، اس لیے روضے کے قریب نہیں آ سکتا، میرے حال پر نظر کرم فرمائیے۔ آپ مسجد نبوی کے باہر لیٹ گئے اور آنکھ لگ گئی۔ خواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جماعت علی۔ وضو خانے کی فلاں جگہ پانی کا لوٹا بھرا پڑا ہے۔ اسے پیو اور اس سے وضو کرو۔ آپ اٹھے اور اس حکم پر عمل کیا۔ چند گھنٹوں میں جسم ایسے ہو گیا جیسے کبھی کوئی بیماری تھی ہی نہیں۔ پھر روضۂ اقدس و اطہر پر جا کر درود و سلام کا ہدیہ پیش کیا۔ 1916ء میں امیر ملت لاہور میں مقیم تھے۔ حج کے دن آنے والے تھے مگر آپ کو سردی سے اتنا سخت بخار آ گیا کہ لوگ حیران رہ گئے کہ آپ زندہ کیسے ہیں۔ ایک دن آپ کے جسم میں ایسی کپکپی طاری تھی کہ کئی لحافوں سے بھی سردی دور نہ ہوئی۔ اسی وقت ایک نعت گو شاعر حافظ پیلی بھیت والے آ گئے۔ آپ نے انہیں دیکھ کر

فرمایا۔ حافظ صاحب میں اتنا علیل ہوں کہ مجھ سے اٹھا بھی نہیں جاتا' ورنہ آپ کے استقبال کیلئے اُٹھ کر آتا۔ آپ آقائے دوعالم ﷺ کی نعت لکھتے ہیں اس بیماری کے عالم میں کوئی تازہ نعت مجھے سنائیں۔ آقا ﷺ کا ذکر سن کر میری طبیعت سنبھل جائے گی۔

حافظ پیلی بھیت والے دوزانو ہوکر آپ کے پاس بیٹھ گئے اور درد بھرے لہجے میں ایک نعت سنائی۔ جس کا مطلع تھا۔

ع..... زائروں کی بھیڑ ہو روضہ تیرا ہو میں نہ ہوں

ساری محفل پر بے خودی طاری ہوگئی۔ نعت سننے کی دیر تھی کہ حضرت لحاف پھینک کر اُٹھے، جوتے پہنے اور خادم کو حکم دیا کہ ''ابھی اسٹیشن چلو' میں نے حج پر جانے کا ارادہ کرلیا ہے اور فرمایا۔ لوگو! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ یہ میرے آقا ﷺ کے ذکر کا اعجاز ہے جس نے سب تکلیفیں دور کردی ہیں اور مجھے اپنے در کی حاضری کیلئے بلا لیا ہے آپ اسی روز حج کیلئے روانہ ہوگئے۔

امیر ملت نے کئی حج کئے پہلا حج آپ نے 1310ھ میں کیا تھا۔ آپ ہر سال اپنے آپ کو حج کیلئے تیار رکھتے تھے اور فرماتے ''کیا خبر کب حج کیلئے بلاوا آجائے۔'' ایک بار آپ نے حج پر جانے کا ارادہ کیا تو خدام نے عرض کیا کہ پہلے علی پور چلتے ہیں وہاں سے سفر کے اخراجات کا انتظام کر کے چلیں گے۔ آپ نے فرمایا: بڑے احمق ہو، علی پور پر اعتبار کرتے ہو اور جہاں دونوں جہانوں کا والی رہتا ہے اس پر بھروسہ نہیں ہے'' یہ کہہ کر وہیں سے حج کیلئے روانہ ہوگئے۔ اسٹیشن پر پہنچتے پہنچتے اللہ تعالیٰ نے وافر مقدار میں زادِ راہ کا انتظام فرمادیا۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا۔ دیکھا میرا اللہ کتنا بڑا کریم ہے۔

آپ کی عظیم المرتبت شخصیت میں دیگر اوصاف کے علاوہ حق گوئی وغیرت ایمانی کا جذبہ بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا بلکہ آپ فرماتے تھے کہ ''جو سید ہے وہ ڈرتا نہیں' جو ڈرتا ہے وہ سید نہیں۔''

آدھی آستین والی قمیص سے نفرت

ایک مرتبہ شاہی محل کی ایک خاتون آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، وہ آدھی آستین کی قمیص پہنے ہوئے تھی، آپ اس پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تمہیں ایک بالشت کپڑا اور نہ مل سکا کہ آستین پوری کر لیتی۔ یاد رکھو! عورتوں کیلئے اپنے بازوؤں کو ننگا رکھنا حرام ہے' آدھی آستین سے نماز ادا نہیں ہوتی۔ خاتون نے اسی وقت توبہ کر لی۔ (یاد رہے کہ ننگی آستین والی قمیص مردوں کیلئے بھی خلاف سنت ہے اور اس سے نماز مکروہ ہوتی ہے) حضرت امیر ملت لڑکیوں کو آزاد و مغرب زدہ ماحول کی وجہ سے سکول و کالج بھیجنے کے سخت مخالف تھے۔

13 مئی 1951ء کو جب آپ کی عمر 121 برس ہو چکی تھی۔ آپ کو عربی زبان میں لکھا ہوا ایک خط موصول ہوا۔ خط کا متن تھا: جماعت علی! تمہاری تھوڑی سی عمر باقی ہے اس لیے زیادہ سے زیادہ عبادت کیا کرو۔ ایک صدی سے زائد اسلام کی خدمت کرنے والے مجاہد جنہیں قبلۂ عالم، امیر ملت جیسے خطابات ملے۔ 30/31 اگست 1951ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزار علی پور سیداں میں آن بان کے ساتھ ایستادہ ہے۔ یہ مقبرہ سنگِ مرمر سے تعمیر شدہ اور مرجع خلائق ہے۔ (475)

جمعیت علمائے پاکستان

جمعیت علماء پاکستان نے پاکستان کی سیاسی تاریخ میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کا قیام اگرچہ قیام پاکستان کے فوراً بعد عمل میں آیا تاہم اگر اس کے پس منظر کو دیکھا جائے تو اس کے ڈانڈے جنگ آزادی سے جا ملتے ہیں۔ جنگ آزادی میں علامہ فضل حق خیر آبادی' احمد اللہ شاہ مدراسی اور جنرل بخت خاں جیسے شمعِ رسالت کے پروانوں نے باطل قوتوں کا مقابلہ کیا۔ اس کے بعد علامہ فضل حق خیر آبادی کے جانشینوں نے فرنگی استعمار کو ختم کرنے کیلئے جہدِ مسلسل سے مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ اہلِ صداقت کی یہ جدو جہد قیامِ پاکستان تک جاری رہی، حتیٰ کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی، ان کے رفقاء اور خلفاء نے اسے سنی کانفرنس کے نام سے آگے بڑھایا۔ مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال اور قائداعظم نے

مسلمانوں کے جداگانہ وجود اور امتیازی تشخص کیلئے استخلاص وطن اور خود ارادیت کے نام سے تحریک کا آغاز کیا جو قیام پاکستان پر منتج ہوئی۔

علماء اہلسنت نے اجمیر شریف، مراد آباد، لکھنؤ اور بالآخر 26 اور 27 اپریل 1946ء کو بنارس میں سنی کانفرنس منعقد کر کے امتِ محمدیہ کو خیر الامم کا مصداق بنانے کیلئے اپنی مساعی جاری رکھیں۔ کانفرنس میں محدث علی پور پیر سید جماعت علی شاہ، شیخ الاسلام پیر قمر الدین سیالوی، پیر آف گولڑہ شریف، شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، سید قمر الدین سیالوی، مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری، مولانا عبدالحامد بدایوانی اور مولانا سید احمد قادری جیسے علمائے کرام نے حصہ لیا اور ان حضرات نے برصغیر میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے احیاء کیلئے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ: ''خدانخواستہ' اگر قائداعظم محمد علی جناح بھی مطالبہ پاکستان سے ہٹ جائیں تو بھی ہم اس مطالبہ سے دست بردار نہیں ہوں گے۔ بنارس کانفرنس کے بعد اس کی تائید میں کراچی کانفرنس ہوئی۔ قیام پاکستان کے بعد سنی کانفرنس کو جمعیت علمائے پاکستان میں بدل دیا گیا۔ اور مارچ 1948ء میں ایک عظیم الشان کنونشن میں جماعت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے صدر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری بنے اور جمعیت کے بانی غزالئ زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ جبکہ علامہ عبدالغفور ہزاروی اور مولانا عبدالحامد بدایونی کو نائب صدر منتخب کیا گیا۔ جمعیت علماء پاکستان کا قیام جامعہ انوار العلوم میں ہوا۔ اور غزالِ زماں کی جدوجہد سے سب کچھ ہوا۔ جمعیت نے 7 مئی 1948ء کو بروز جمعہ پاکستان میں یومِ شریعت منایا۔ جلسے منعقد ہوئے۔ قائداعظم اور دیگر حکام کو تاریں دی گئیں اور حکومت پر زور دیا گیا کہ ملک میں اسلامی قوانین کو جاری و ساری رکھے۔

نومبر دسمبر 1948ء میں جنگ آزادی کشمیر میں جمعیت نے مجاہدینِ آزادی کی بھرپور حمایت کی اور 80 ہزار روپے سے زائد کا امدادی سامان محاذوں پر بھیجا۔ صدر جمعیت نے بنفس نفیس محاذ کشمیر کے کئی دورے کئے۔ اور غازیِ کشمیر کا لقب حاصل کیا۔ 1953ء میں

جب احمدیوں کے خلاف تحریک چلی تو ہر مکتبۂ فکر کے علما نے مجلس عمل کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ جس کے صدر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری منتخب ہوئے۔ مولانا کی قیادت میں مجلس عمل نے خواجہ ناظم الدین کی حکومت سے مطالبہ کیا کہ چودھری ظفر اللہ کو وزارت خارجہ کے منصب سے برطرف کیا جائے اور قادیانیوں کو قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ حکومت نے مطالبات تو تسلیم نہ کیے البتہ دوسرے علماء کے ساتھ جمعیت کے رہنماؤں کو بھی جیلوں میں بھیج دیا۔ علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری کو سکھر جیل میں یہ اطلاع ملی کہ ان کے اکلوتے فرزند مولانا خلیل احمد قادری کو تحریک ختم نبوت میں حصہ لینے کی پاداش میں پھانسی کی سزا سنائی گئی ہے تو انہوں نے بے ساختہ کہا۔ الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے میرا یہ معمولی سا ہدیہ قبول کر لیا ہے ان کے ساتھ ہی مولانا عبدالستار خاں نیازی کو بھی پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ 1956ء میں تدوین دستور پاکستان کیلئے جمعیت نے عظیم الشان قربانیاں پیش کیں۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور دار و رسن تک پہنچے اس کے بعد ملک کے اندر شہری آزادیوں کی بحالی اور شریعت محمدی کی بالادستی کیلئے سارے ملک میں کانفرنسیں منعقد کیں۔ مارشل لاء 1958ء کے نفاذ سے جماعت کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں تاہم سیاسی جماعتوں کی بحالی جولائی 1963ء کے بعد ستمبر 1968ء میں علماء کے ایک گروہ نے لاہور میں ایک کنونشن منعقد کر کے جمعیت علماء پاکستان کو پھر سے زندہ کر دیا۔ علامہ عبدالغفور ہزاروی اس کے صدر منتخب ہوئے دیگر اہم شخصیتوں میں علامہ مفتی محمد حسین نعیمی، علامہ قاضی عبدالنبی کوکب، صاحبزادہ پیر محمد ایوب شاہ، صاحبزادہ محمد شاہ گجراتی اور صاحبزادہ قاضی فضل رسول حیدر شامل تھے یہ جمعیت تحریک جمہوریت کے قافلے میں باقی جماعتوں کے ساتھ مل گئی۔

1970ء میں جب سرخ استعمار کی شہ پر کیمونسٹوں نے اودھم مچایا اور ایشاء سرخ کے نعرے لگانے شروع کر دیئے تو جون 1970ء میں دارالسلام (ٹوبہ ٹیک میں ایک آل پاکستان سنی کانفرنس منعقد کر کے اشتراکی فتنے کی تہ بہ تہ سازشوں کو بے نقاب کر کے انہیں فنا

کے گھاٹ اتارا اسی سال جماعت کو وسیع پیمانے پر منظم کیا گیا حضرت خواجہ پیر قمر الدین سیالوی جماعت کے صدر، مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا سید محمود احمد رضوی اس کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ جمعیت نے تھوڑے عرصے میں اتنی اہمیت حاصل کر لی کہ وزارت عظمیٰ کے انتخابات میں متحدہ جمہوری محاذ نے علامہ شاہ احمد نورانی کو اپنا متفقہ امیدوار منتخب کیا۔

1974ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوبارہ شروع ہونے پر علامہ شاہ احمد نورانی، مولانا محمود احمد رضوی، مولانا عبدالستار خاں نیازی اور ان کے رفقاء کار نے شاندار خدمات سرانجام دیں۔ بالآخر مولانا شاہ احمد نورانی کی مساعیِ جمیلہ سے قادیانیوں سے متعلق قومی اسمبلی میں قرارداد منظور ہوئی جس نے بالآخر آئینی ترمیم کی شکل اختیار کر لی اور مسلمانوں کی تعریف میں عقیدہ خاتم نبوت کو جزو لازم قرار دیا گیا۔

1977ء میں یہ جماعت قومی اتحاد میں شامل ہوگئی اور تحریک نظام مصطفیٰ میں بڑھ چڑھ کر نہ صرف حصہ لیا بلکہ عظیم قربانیاں بھی دیں۔

8 اگست 1977ء کو مولانا شاہ احمد نورانی پر پیپلز پارٹی کے حامیوں نے حملہ کیا لیکن وہ بال بال بچ گئے۔ 1978ء میں جمعیت قومی اتحاد سے علیحدہ ہوگئی۔

1981ء میں مجلس شوریٰ قائم کی گئی تو جمعیت نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ 21 اگست 1982ء کو اسلام آباد میں علماء کنونشن منعقد ہوا تو اس میں جمعیت نے حصہ لیا اور اس کے ارکان کو جن میں مولانا محمود احمد رضوی اور علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری شامل تھے انہیں کنوینگ کمیٹی کا رکن بنا لیا گیا۔ ان کمیٹیوں کی سفارشات کا جائزہ لینے کیلئے جو بورڈ قائم کیا گیا اس میں بھی جمعیت کے ارکان کو شامل کیا گیا۔

1984ء میں صدارتی ریفرنڈم ہوا تو دوسری جماعتوں کے ساتھ جمعیت نے بھی اس میں کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔ 1985ء میں ملک میں عام انتخابات ہوئے تو جمعیت نے ان کا بائیکاٹ کیا۔

22-23 جولائی 1986ء کو لاہور میں جمعیت کا مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا

اس اجلاس میں نئے منشور کی منظوری دی گئی۔

29 مئی 1988ء کو صدر مملکت نے وزیر اعظم محمد خان جونیجو کی حکومت کو برطرف کر دیا اور نئے انتخابات کا اعلان کیا تو جمعیت نے انتخابات میں حصہ لینے کیلئے تیاریاں شروع کر دیں۔ جون 1988ء میں مولانا عبدالستار خاں نیازی جمعیت ناظم اعلیٰ نے اعلان کیا کہ جولائی 1986ء میں منظور کردہ منشور ہی انتخابات کے تقاضے پورا کرتا ہے۔ نومبر 1988ء میں جمعیت نے پاکستان عوامی اتحاد کے ٹکٹ پر انتخابات میں حصہ لیا اور تین نشستیں حاصل کیں۔ (476)

مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری لاہوری

مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری بن سید دیدار علی شاہ الوری (1896ء 1961ء) کی ولادت 1314ھ/ 1896ء میں محلہ نواب پورہ، الور (بھارت) میں ہوئی۔ بارہ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ اردو اور فارسی میں کافی حد تک مہارت حاصل کر لی پھر تمام علوم وفنون اپنے والد ماجد سے حاصل کئے۔ مراد آباد جا کر حکیم نواب حامی الدین سے طب سیکھی۔ صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (1883ء 1948ء) اور اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں (1856ء 1921ء) سے علمی استفادہ کیا۔ حضرت شاہ علی حسین کچھوچھوی (1850ء 1936) کے دستِ اقدس پر بیعت کر کے خلافت واجازت کی دولت لازوال سے مشرف ہوئے۔ والدِ ماجد سے بھی خلافت کی نعمت حاصل تھی۔

1926ء میں آپ اہلیانِ لاہور کی پرزور درخواست پر مسجد وزیر خاں میں بحیثیت خطیب تشریف لائے۔ مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ لاہور کے علاوہ دیگر شہروں میں بھی تبلیغی دورے فرماتے تھے، عوام وخواص آپ کی تقاریر کو بہت ذوق وشوق سے سنا کرتے تھے۔

تحریک پاکستان میں آپ نے شاندار خدمات سرانجام دیں۔ 1936ء میں مسلم لیگ

کی حمایت کا اعلان فرمایا اور اس کے پروگرام کو عوام تک پہنچانے کیلئے شب و روز مصروف رہے۔ علمائے پنجاب میں سب سے پہلے آپ ہی نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا۔

1940ء میں جب منٹو پارک (اقبال پارک) لاہور میں ''قرارداد پاکستان'' منظور ہوئی تو آپ اس جلسہ کے سرگرم کارکنوں میں سے تھے۔ 1945ء میں حج کیلئے تشریف لے گئے تو علماء کے عظیم اجتماع میں تحریک پاکستان پر روشنی ڈالی اور علما کو اپنا ہمنوا بنایا۔ بعد میں قائداعظم سے ملاقات کر کے نظریۂ پاکستان کی حمایت میں قلمی محاذ سنبھالا۔ روزنامہ ''احسان'' لاہور میں ''نظریۂ پاکستان'' کی حمایت میں ایک طویل مضمون پانچ قسطوں میں شائع کرایا۔ قائداعظم (1876ء 1948ء) امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (1841ء 1951ء) اور پیر صاحب مانکی شریف (1922ء 1960ء) کے ساتھ مل کر ملک گیر دورے کر کے عوام کو ''نظریۂ پاکستان'' سے روشناس کیا اور عوام میں تحریر و تقریر سے پاکستان کی حمایت کا جذبہ پیدا کیا۔

5 اگست 1945ء کے روزنامہ ''احسان'' لاہور میں مسلم لیگ کے حامی علماء کی تنظیم کی ضرورت کے عنوان سے آپ کا ایک بیان چھپا۔ جس سے مسلم لیگ کو زبردست تقویت ملی۔ بیان کچھ یوں ہے: میں عنقریب تنظیم علماء و مشائخ کی صوبائی کانفرنس کرنا چاہتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ مسلم نما ہندو پرور دشمنان ملک کی بدخواہی و دین فروشی جو ظاہر ہو چکی ہے وہ بیش از بیش واضح ہو جائے گی اور برادران اسلام کی خدمت میں خاص طور پر گزارش ہے کہ صوبے کے علماء و مشائخ کی خدمت تک میرا یہ مضمون پہنچائیں اور انہیں تنظیم کیلئے آمادہ کریں۔ میں صوبہ پنجاب کے علماء و مشائخ کی خدمت میں علیحدہ علیحدہ عریضہ بھیجنے والا ہوں۔ وہ یکجہتی کے ساتھ تیار ہو کر مسلم حقوق کی نگرانی میں سرگرم عمل ہو جائیں تا کہ پاکستان کی پوری حمایت ہو اور آئندہ انتخاب جو آنے والا ہے اس میں علماء و مشائخ کے ارادے کے خلاف ووٹ نہ دیا جائے۔

14 تا 16 ستمبر 1945ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار دارالعلوم مرکزی انجمن حزب الاحناف

لاہور کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ہندوستان و پنجاب کے اکابر علمائے اہلسنت کا اجتماع ہوا۔ اجلاس کی صدارت حضرت امیر ملت محدث علی پوری قدس سرہ نے فرمائی۔اس موقع پر ''صوبائی سنی کانفرنس'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔جس کا صدر مولانا ابوالحسنات کو چنا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ کانگریس، احرار، خاکسار اور یونی نسٹ ہرگز ہرگز مسلمانوں کی نمائندہ جماعتیں نہیں ہیں۔ان سے یہ ہرگز توقع نہیں کہ یہ مسلمانوں کے حقوق کی نمائندگی کر سکیں لہٰذا مسلمانوں کو اپنا قیمتی ووٹ کانگریس کو دینا حرام ہے اور احرار، خاکسار اور یونی نسٹ وغیرہ نہرو کے زرخرید غلام ہیں۔ انہیں مسلمانوں کی نمائندگی کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس اجلاس کے بعد مولانا ابوالحسنات نے مسلم لیگ کا پیغام قریہ قریہ پہنچانے کے لیے بے شمار دورے کیے اور جلسوں کے ذریعے مسلم لیگ کے پیغام کو ہر دل کی دھڑکن بنا دیا۔ 9-10-11 جنوری 1946ء کو جمعیت علماء پنجاب کی طرف سے اسلامیہ کالج لاہور کے گراؤنڈ میں معروف مسلم لیگی رہنما چوہدری عبدالکریم (م 1981ء) نے ایک علماء و مشائخ کانفرنس بلائی۔جس کی صدارت حضرت امیر ملت قدس سرہ نے فرمائی۔اس کانفرنس میں گورنر کے نافذ کردہ قانون کہ مذہب اور اللہ کے نام پر ووٹ مانگنا جرم ہے کی خلاف ورزی کا فیصلہ کیا گیا۔ چوہدری عبدالکریم (قلعہ گوجر سنگھ کے رہائشی تھے لاہور میں ''عبدالکریم روڈ'' انہی کے نام سے موسوم ہے) مائیک پر آئے اور عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''اسلام کے نام پر مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔اگر آپ نے مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیا تو حضور اکرم ﷺ بھی ناراض ہوں گے اور اللہ کا غضب بھی نازل ہوگا۔''

اس اجلاس میں مولانا عبدالحامد بدایونی (1898ء۔1970ء)، مولانا عبدالغفور ہزاروی (1910ء۔1970ء)، خواجہ محمد قمرالدین سیالوی (1906ء۔1981ء) سید محمد رضا شاہ گیلانی ملتانی (1896ء۔1949ء) خواجہ غلام محی الدین گولڑوی (1891ء۔1974ء)، پیر صاحب مانکی شریف، مولانا عبدالستار نیازی، مولانا جمال میاں فرنگی محلی وغیرہم کے علاوہ مولانا ابوالحسنات نے بھی شرکت کی اور اپنے ولولہ انگیز خطاب سے خرمنِ

باطل کو جلا کر رکھ دیا۔

اسی سال ہی ہندوؤں نے ایک عظیم سازش کے تحت ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' کا نعرہ لگایا تو آپ نے اس سازش کو بھانپ لیا اور فرمایا: ''مسلمانوں کی تہذیب وتمدن، ریاست وثقافت علیحدہ ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے امتیازی نظریۂ حیات اور ہندوؤں کے علیحدہ اصول حیات کی بنا پر ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' کا نعرہ ہی غلط اور باطل ہے۔'' اپریل 1946ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ بحیثیت صدر پنجاب سنی کانفرنس اپنی ذمہ داریوں کو کماحقہ پورا کیا اور واپس آ کر پنجاب کے کونے کونے میں مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ خضر وزارت نے پابندیاں لگا کر روکنا چاہا مگر بے سود۔ جنوری 1947ء میں خضر وزارت کے خلاف تحریک سول نافرمانی چلی تو آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتوں سے نبرد آزما ہوئے۔ پاکستان بننے کے بعد 1948ء میں مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان میں پاکستان بھر کے علما و مشائخ کا ایک نمائندہ اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں ''جمعیت علما پاکستان'' کا قیام عمل میں آیا، آپ کو اس کا پہلا صدر اور غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ آپ نے جہاد کشمیر میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پبلک جلسوں میں مجاہدین کیلئے سامان جمع کرنے کی مہم چلائی۔ موچی دروازہ لاہور میں ایک عظیم الشان ''کشمیر کانفرنس'' منعقد کی۔ جس میں صدر آزاد کشمیر بھی شریک ہوئے اور لاکھوں روپیہ کا سامان جمع ہو گیا۔ علاوہ ازیں خود بھی محاذ پر تشریف لے گئے اور جمعیت کی طرف سے سرفروشی کا مظاہرہ کیا۔ انہی خدمات کی بدولت آپ کو ''غازی کشمیر'' کا خطاب دیا گیا۔ 9 مارچ 1949ء کو پہلی دستور ساز اسمبلی میں جو ''قرارداد مقاصد'' پیش کی گئی تھی۔ اس میں آپ کی مساعی کا بڑا دخل تھا۔ آپ نے عوام وخواص کے دلوں پر یہ بات نقش کر دی تھی کہ ہم نے پاکستان کا مطالبہ اسلام اور صرف اسلام کے نام پر کیا ہے لہٰذا پاکستان کا دستور بھی اسلامی بنیاد پر مرتب ہونا چاہیے۔

1953ء کی ''تحریک ختم نبوت'' میں متحدہ مجلس عمل کے چیئرمین چنے گئے اور گرفتار

ہوئے۔ کراچی، سکھر، حیدر آباد کی جیلوں میں ایک سال تک نظر بند رہے۔ سکھر جیل میں درجہ حرارت بہت زیادہ تھا۔ آپ چار علماء کے ساتھ صرف آٹھ مربع فٹ کوٹھری میں بند رہے پھر سکھر سے لاہور منتقل کر دیئے گئے۔

تصانیف

آپ نے تفسیر الحسنات، اوراقِ غم، ترجمہ کشف المحجوب، فرشتۂ رحمت، شمیم رسالت، اظہار الاسقام، طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ، مظہر الاسرار، التبیان، صبح نور، مونس الاطبا، قراطیس المواعظ، رجوم المؤمنین علی مانع الجماعۃ للمجتہدین الناصح، رفیق سفر، مسدس حافظ اور دیوان حافظ وغیرہ کتابیں یادگار چھوڑیں۔

وصال

2 شعبان المعظم 1380ھ مطابق 20 جنوری 1961ء بروز جمعۃ المبارک آپ نے رحلت فرمائی اور مزار پُرانوار حضور علی بن عثمان الہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے احاطہ میں آخری آرامگاہ بنی۔

حضرت صابر براری ثم کراچی نے مندرجہ ذیل تاریخ وفات کہی۔

وہ لختِ جاں دیدار علی تھے
خطیب اہل سنت حق کے پیکر
چلی ختم نبوت کی جو تحریک
تھے اس تحریک کے سالار لشکر
کہو تاریخ رحلت ان کی صابر
"ابو الحسنات غازی قلندر"

(تحریک پاکستان اور علماء کرام)

غزالئ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ

غزالئ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی بن سید محمد مختار کاظمی کی ولادت 13 مارچ 1913ء کو امروہہ ضلع مراد آباد (یوپی، بھارت) میں ہوئی۔ سلسلۂ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ ایامِ طفولیت میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ آپ کی پرورش برادر اکبر سید محمد خلیل کاظمی (1896ء۔1970ء) نے فرمائی اور سولہ سال کی عمر میں سندِ فراغت حاصل کر کے انہی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ دستار بندی حضرت شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی (1850ء1936ء) نے فرمائی اور تقریب میں مولانا معوان حسین رامپوری (1889ء1933ء) صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (1883ء 1948ء) مولانا نثار احمد کانپوری (1880ء 1934ء) ودیگر اکابر علما ومشائخ جلوہ افروز تھے۔

فراغت کے بعد کچھ عرصہ جامعہ نعمانیہ لاہور میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ 1931ء میں امروہہ واپس چلے گئے اور چار سال تک امروہہ کے مدرسہ محمدیہ حنفیہ میں تدریس فرماتے رہے۔ 1935ء میں ملتان تشریف لے آئے اور مدرسہ انوار العلوم کی بنیاد رکھی۔ علم وعرفان کی ندیاں بہائیں، طالبانِ حق آکر شرابِ توحید و رسالت کے جام لنڈھانے لگے۔ آپ نے تحریکِ پاکستان میں بھی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ 1935ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور پھر مسلم لیگ کے سٹیج سے قیام پاکستان کیلئے جلسے کرتے رہے۔ ملتان ڈویژن میں مسلم لیگ کو فعال بنانے کیلئے طوفانی دورے کئے۔ برکت علی اسلامیہ ہال بیرون موچی دروازہ لاہور میں ہونے والے مسلم لیگ کی جلسوں کو رونق بخشی اور اپنی جادو بیانی سے اہلیانِ لاہور کو نظریۂ پاکستان کا متوالا و شیدا بنا دیا۔ 1946ء میں قرارداد پاکستان کی توثیق کیلئے بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس میں شرکت کی۔ جس زمانہ میں کانگریسی اور احراری علماء سر دھڑ کی بازی لگا کر پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے۔ اس وقت آپ حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری

(1841ء۔1951ء) کی زیر قیادت الگ قومیت اور آزاد پاکستان کیلئے سعیٔ مسلسل اور جہد پیہم کررہے تھے۔ کانگریسی اور احراری مقررین کے لچر اعتراضات کے جوابات دینے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

1948ء میں آپ نے جمعیت علما پاکستان کی بنیاد رکھنے کیلئے ملتان میں علمائے اہلسنت کا کنونشن بلایا۔ جس میں مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری (1896ء 1961ء) کو صدر اور آپ کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ اہلسنت کو منظم کرنے میں فعال کردار ادا کیا۔ 1953ء کی تحریکِ ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 1963ء تا 1974ء ''جامعہ اسلامیہ بہاولپور'' میں شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ اکتوبر 1978ء میں ملتان میں ''کل پاکستان سنی کانفرنس'' کا انعقاد کرکے سوئے ہوئے سنیوں کو بیدار کیا۔ ملک کے طول وعرض میں دورے کرکے مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحفظ اور نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفاذ کیلئے سرگرمِ عمل رہے۔ بالآخر علم وعمل اور شریعت وطریقت کا یہ آفتاب 25 رمضان المبارک 1406ھ مطابق 4 جون 1986ء بروز بدھ ملتان کی زمین میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غروب ہوگیا۔ (477)

ابوالطاہر فدا حسین فدا مدیر ''مہر و ماہ'' لاہور نے یہ قطعۂ تاریخ وفات کہا۔

کس نے جانا کون تھا کیا تھا وہ مرد حق نیوش
کیا سمجھ پائے گا کوئی حال و قالِ کاظمی
ان کے اٹھ جانے سے علم و فضل ہیں وقفِ فغاں
اب کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں مثالِ کاظمی
عاملِ قرآں تھے وہ اور عالمِ فقہ و حدیث
مشعلِ راہِ ہدیٰ فضل و کمالِ کاظمی
قدسیانِ حق بھی حاضر تھے ہنگامِ نزع
اللہ اللہ کیا ہوا روشن مآلِ کاظمی

آپ تھے مہر و مودت کا سراپائے حسیں
پیکرِ اخلاص و خلق و صدق آلِ کاظمی
اے فدؔا ہاتف نے مجھ سے کہہ دیا ہے بے ساختہ
تربتِ شاہِ زماں سالِ وصالِ کاظمی

خان شاہد اکبر آبادی ثم کراچی (م 1994ء) نے بھی یہ تاریخ کہی ہے۔

جب سے گئے وہ خلد کو شاہد یہ فکر تھی
دیکھا جو مضطرب مجھے تاریخ بول اٹھی
کوئی ملے تو پوچھوں وہ کیسے ہیں خلد میں
احمد سعید کاظمی اچھے ہیں خلد میں

مولانا محمد عبدالستار خان نیازی

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پر سوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

ضیغم اسلام، فاتح تختۂ دار، غازیِ تحریکِ ختمِ نبوت، بطلِ حریت، مجاہدِ ملت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی بن ذوالفقار خان کی ولادتِ باسعادت یکم اکتوبر 1915ء مطابق 22 ذیقعد 1333ھ بروز جمعۃ المبارک بمقام اٹک پنیالہ تحصیل عیسیٰ خیل ضلع میانوالی کے ممتاز نیازی خاندان میں ہوئی۔ شجرۂ نسب شیر شاہ سوری کی افواج کے کمانڈر انچیف عیسیٰ خاں نیازی سے جا ملتا ہے۔

1933ء میں گورنمنٹ ہائی سکول عیسیٰ خیل سے میٹرک کرنے کے بعد اسی سال لاہور تشریف لے آئے اور حکیم الامت علامہ اقبال کے قائم کردہ ''اشاعت اسلام کالج'' میں داخلہ لے کر دو سالہ ''ماہر تبلیغ'' کا کورس مکمل کر کے 1935ء میں کالج میں ٹاپ کیا اور حکیم الامت کے دستخطوں سے مزین سند حاصل کی۔ 1935ء ہی میں ''منشی فاضل'' کا امتحان اول پوزیشن میں پاس کر لیا۔ 1936ء میں ایف اے اور 1938ء میں بی اے کا امتحان

امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ 1940ء میں ایم اے (عربی) اور 1941ء میں ایم اے (فارسی) کے امتحانات میں شاندار کامیابی حاصل کی۔ دورانِ تعلیم اسلامیہ کالج لاہور کے نمایاں طالب علموں میں شمار ہوتے تھے اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت پیر قادر بخش آستانہ عالیہ میبل شریف ضلع بھکر کے دستِ اقدس پر سعادتِ بیعت حاصل کی تھی۔

مولانا نیازی ابتدا سے اسلامی انقلابی ذہن رکھتے تھے۔ انہوں نے 1936ء میں ''مجلس اصلاح قوم میانوالی'' کی بناڈالی۔ اسی سال لاہور میں ''دی پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن'' کی بنیاد رکھی۔ 1937ء میں قائداعظم کی حمایت کا برملا اعلان کیا۔ 1938ء میں مسلم لیگ ضلع میانوالی کے کنوینر اور صدر منتخب ہوئے۔ 1939ء میں ''پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن'' کے نصب العین خلافت پاکستان'' کو کتابی شکل میں مرتب کیا۔ ان دنوں دہلی میں ''آل انڈیا مسلم کانسٹی ٹیوشن کمیٹی'' کے اجلاس ہورہے تھے۔ اکتوبر 1939ء میں مولانا نیازی کو ''آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کونسل'' اور ورکنگ کمیٹی'' کے اجلاس منعقدہ عربک کالج دہلی میں بحیثیت صدر ''پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن'' شرکت کا موقعہ ملا تو وہاں نوابزادہ لیاقت علی خاں سے ملاقات ہوئی جو ''دہلی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن'' کے صدر کی حیثیت سے شریکِ اجلاس تھے۔ شام کو عربک کالج ہال میں ایک جلسۂ عام منعقد ہوا۔ جس میں مولانا نیازی نے ''خلافت پاکستان سکیم'' کے اہم نکات کی وضاحت کی۔ جلسہ کے بعد نوابزادہ لیاقت علی خاں کی زبانی معلوم ہوا کہ کل ان کی کوٹھی ''گل رعنا'' ہارڈنگ روڈ نئی دہلی میں ''کانسٹی ٹیوشن کمیٹی'' کا اجلاس ہورہا ہے اگر آپ اس کمیٹی میں پیش ہو کر اپنے یہ خیالات ارکانِ کمیٹی کے گوش گزار کریں تو بہتر ہوگا۔ مولانا نیازی اس سے قبل سکیم کا ایک نسخہ قائداعظم کے نام رجسٹری ارسال کر چکے تھے۔ چنانچہ دوسرے روز نیازی صاحب دس بجے ''گل رعنا'' میں پہنچے اور پہلی بار حضرت قائداعظم سے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ جب قائداعظم کی خدمت میں سکیم کا ایک نسخہ پیش کیا تو قائداعظم نے ارشاد کیا کہ ''تمہاری سکیم ہمارے زیر غور ہے'' پھر فرمایا۔ "Your

"Scheme is Very Hot" تمہاری سکیم بہت گرم ہے اس پر مولانا نے برجستہ جواب دیا کہ: "My Scheme is hot because it has come out from a boiling heart" (میری اسکیم اس لیے گرم ہے کہ یہ خوفناک طوفان خیز قلب سے نکلی ہے) اس پر قائداعظم ہنس دیئے اور مولانا نیازی سے فرمایا کہ ''تم نے مسلمان کو سپرمین بنا دیا ہے۔'' قائداعظم کا اشارہ غالباً اس اسکیم میں ''انصاف کا تصور'' کے عنوان سے لکھے گئے کلمات کی طرف تھا۔ ان تمام کلمات کو یہاں نقل کرنا ممکن نہیں ہے البتہ اختصار کے طور پر ان میں سے چند جملے پیش کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہوں وہ جملے: ایک ناکارہ مسلمان، ایک جاہل اور بیوقوف مسلمان، حتیٰ کہ ہندوستان کا موجودہ نالائق مسلمان بھی ہماری نگاہوں میں واردھا اور لندن کے بہترین غیر مسلموں پر ترجیح رکھتا ہے کیونکہ مسلمان کی فطرت کو صرف تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے لیکن غیر مسلم ابھی حیوانیت کے اس درجہ میں ہے جہاں انسانیت کا مرتبہ حاصل کرنے کیلئے قبول اسلام کی کسر باقی رہتی ہے۔

امت مسلمہ کا خیر الامم ہونا ہمارے عقیدے کی وہ آخری بنیاد ہے جہاں تسلسلِ دلائل ختم ہو جاتا ہے۔ اسلام کا مذہب ہونا اور مکمل انسان بننے کیلئے قبولِ اسلام کا لازمی ہونا ہمارے استدلال کی وہ ابتدا ہے جسے منطق سے نہیں بلکہ عمل کی قوت سے منوایا جاتا ہے۔ خود منطق کو اپنی اس کمزوری کا اقرار ہے کہ آخری دلیل کسی دلیل سے نہیں منوائی جاسکتی۔ اگر کوئی سوال کرے کہ نیکی کیوں اچھی ہے اور برائی کیوں بری۔ تو اس کا جواب منطق سے نہیں بلکہ عمل سے دیا جائے گا۔ علیٰ ہذاالقیاس مسلمان کی کافر پر فضیلت کسی لیجسلیٹو ہال میں یا کسی گول میز کانفرنس پر ثابت نہیں کی جاسکتی بلکہ اس قسم کے مناظرے پانی پت کے وسیع میدان میں طے ہو چکے ہیں اور اب بھی بالآخر کسی ایسی ہی جگہ طے پائیں گے۔

مومنے بالائے ہر بالا ترے

غیرتے او بر نتابد ہمسرے

الغرض قائداعظم نے اس تجویز کو مسلم لیگ کی متعلقہ کمیٹی کے سپرد کرنے کا وعدہ فرمایا

اور اس کے بعض اہم نکات کو تسلیم کیا چنانچہ حاجی عبداللہ ہارون کی سربراہی میں قائم شدہ مسلم لیگ کی سفارشات کمیٹی میں اس سکیم کو پیش کیا گیا۔ یہ سب سے پہلی سکیم تھی جس میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان کاری ڈور کیلئے علاقے کا مطالبہ شامل تھا۔ مولانا نیازی نے خوب خوب زور دیا تھا کہ اگر ''کاری ڈور'' کے حصول کی کوئی صورت نہ نکالی گئی تو ایک وقت آئے گا کہ بھارت، مشرقی اور مغربی حصوں کو الگ الگ کر دے گا۔ قائداعظم نے ''قرارداد لاہور'' کے موقع پر 1940ء میں پہلی بار ''کاری ڈور'' کا ذکر بھی فرمایا۔ (بدقسمتی کہ 1971ء میں بھارت نے جنگ کر کے مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بنا دیا)۔

مارچ 1940ء میں اقبال پارک لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا چھبیسواں سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ جہاں ۲۳ مارچ کو ''قرارداد پاکستان'' منظور کی گئی تو اس وقت مولانا نیازی ایم فائنل ائیر میں تھے۔ مولانا نیازی اور ان کے ساتھیوں نے اسلامیہ کالج لاہور کے حبیبیہ ہال میں ''دی پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن'' کے زیر اہتمام ''پاکستان کانفرنس'' منعقد کی۔ مولانا نیازی اس وقت ''پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن'' کے صدر اور مولانا محمد ابراہیم علی چشتی سیکرٹری جنرل تھے۔ سردار اورنگ زیب خاں آف صوبہ سرحد، چوہدری خلیق الزماں اور راجہ امیر احمد خاں آف محمود آباد نے کانفرنس میں شرکت کی۔

پاکستان زندہ باد کا پہلا نعرہ

مولانا نیازی کی عقابی نگاہ اور انقلابی پروگرام کا اندازہ کیجئے کہ جب اکابر مسلم لیگ، پاکستان کا نام لیے بغیر ''لاہور ریزولیشن'' پیش کر رہے تھے تو وہ ''خلافت پاکستان کانفرنس'' منعقد کر رہے تھے اور یہ سعادت بھی مولانا نیازی ہی کو نصیب ہوئی کہ اس کانفرنس میں ڈیڑھ لاکھ نفوس کی موجودگی میں ''لاہور ریزولیشن'' پیش ہونے پر انہوں نے اس قرارداد کو پاکستان کی تعبیر سمجھ کر پوری طاقت کے ساتھ ''پاکستان زندہ باد'' کا نعرہ لگایا۔ اگرچہ اس جلسہ سے خطاب کرنے والے تمام مقررین کا مدعا قیام پاکستان ہی تھا مگر کسی نے بھی پاکستان کا نام نہیں لیا۔ قراردادِ لاہور میں حصول پاکستان، ملت کا نصب العین قرار پایا تو

مولانا نیازی ایم اے کرنے کے بعد گویا اسی کام کیلئے وقف ہو گئے۔ آپ قریہ قریہ، بستی بستی، نگر نگر اور شہر شہر گھومے اور پاکستان کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔

اجلاس لاہور کے فوراً بعد اکناف و اطرافِ ہند میں مسلم لیگ کے زیرِ اہتمام جلسوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا تا کہ عوام کو حصولِ پاکستان کی منزل کو حاصل کرنے کیلئے کمر بستہ کیا جائے۔ ایک ایسا ہی جلسہ شہری مسلم لیگ سیالکوٹ کے زیر اہتمام پرانی سبزی منڈی میں انعقاد پذیر ہوا۔ جس میں مولانا نیازی نے ولولہ انگیز خطاب کر کے نہ صرف مسلم لیگ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا بلکہ عوام و خواص کے قلب و جگر کو اک ولولہ تازہ بخشا۔

28 فروری تا یکم مارچ 1941ء کو ''پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن'' کے زیر اہتمام ''اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور'' کے گراؤنڈ میں ''پاکستان کانفرنس'' منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت قائداعظم نے فرمائی۔ مولانا نیازی نے پاکستان کی حمایت میں تقریر کرنے کے بعد مرکزی ریزولیشن پیش کیا۔ اس اجلاس کے ساتھ ایک دلچسپ بلکہ روح پرور یاد وابستہ ہے کہ چند روز قبل سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب نے اسلامیہ کالج گراؤنڈ میں تقسیم انعامات کے سالانہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کی مخالفت کی تھی اور پنجابیوں کی حکومت کا نعرہ لگایا تھا۔ سر سکندر نے اعلان کیا تھا: ہم ہندوستان کی تقسیم کی مخالفت کرتے ہیں، پنجاب اپنا مستقل وجود رکھتا ہے وہ کسی سکیم میں شامل نہ ہو گا اور پنجاب میں صرف پنجابیوں کی حکومت ہو گی یہ افواہ سوائے پر جوش نعروں کے کچھ نہیں۔''

سکندر حیات خان کے ان الفاظ سے فضا میں ایک زبردست تلخی موجود تھی یہ جملے نوجوان نسل کیلئے تیر و نشتر کا کام کر گئے اور وہ سخت برافروختہ تھے۔ مولانا نیازی نے حضرت قائداعظم کی صدارت اور موجودگی میں اس سے اختلاف کرتے ہوئے اور قرارداد پیش کرتے وقت فرمایا تھا: ''ہم پاکستان کے اندر ایک ایسی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جو رنگ، نسل، قومیت، علاقائیت اور دیگر تعصّبات سے پاک ہو۔ اس میں حاکمیتِ اعلیٰ کا حق ہم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا نہیں مانتے کیونکہ۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتان آذری

حاکمیتِ مطلقہ اور ملکیتِ مطلقہ میں ہم دیانت و امانت کے اصول کو تسلیم کر کے "خلافت علیٰ منہاج نبوت" کا نقشہ دماغ میں رکھتے ہیں۔ ہمارا، اللہ، رَبُّ النَّاسِ ہے۔ مَلِكُ النَّاسِ ہے، اِلٰهُ النَّاسِ ہے۔ اس لیے پنجاب میں پنجابی کی حکومت، ہندوستان میں ہندوستانی کی حکومت اور بلوچستان میں بلوچی کی حکوت کے تصور کو مسترد کر کے ربانی خلافت کے اصول کو اپنے مجوزہ خطۂ پاکستان میں نافذ العمل کرنا چاہتے ہیں۔ سر سکندر کی یہ بھول ہے کہ پنجاب میں پنجابیوں کی حکومت ہوگی۔ خوشامدیوں نے اس کا دماغ خراب کر رکھا ہے ورنہ جہاں تک ملتِ اسلامیہ ہند کا تعلق ہے ہم انگریز کے اس کاسہ لیس وزیر اعظم کی حیثیت ایک ٹکے سے زیادہ نہیں سمجھتے اور وہ وقت بالکل قریب ہے کہ سوائے قائد اعظم کی جوتیوں میں بیٹھنے کے اسے کسی دوسری جگہ پناہ نہیں ملے گی۔ اس کے بعد مولانا نیازی نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ قرارداد پاکستان کی منظوری ہماری زندگی میں ایک زبردست انقلابی موڑ ہے، تم لوگ پاکستان کی تائید کرنے سے پہلے ان خطرات اور محرکات کا بھی اندازہ کرلو جو تمہارے راستے میں سنگِ گراں بن کر رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ میں اس موقع پر بیعتِ عقبیٰ اولیٰ کے ان گیارہ مجاہدین کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جب مدینہ طیبہ سے آنے والے گیارہ عشاقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیعت کر لی تو ان کے قائد حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اپنے رفقا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "جانتے ہو کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا مطلب کیا ہے؟" یہ (کافر) جن وانس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ تمام دنیا سے لڑائی ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ تمہاری مخالفت پر کمربستہ ہو جائے گا۔ اگر تم ان سب مشکلات کا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتے ہو تو پھر ضرور بیعت کرو ورنہ اپنے آپ کو فریب نہ دو"۔ سب نے جواب دیا کہ "ہم خوب سوچ سمجھ کر بیعت کر رہے ہیں اور بیعت کے بعد سب کچھ قربان کر دیں گے۔"

بعینہ آپ لوگ بھی نظریۂ پاکستان سے متفق ہونے کے بعد ان تمام قربانیوں کیلئے تیار ہو تو بے شک اس قرارداد کی تائید کرو بصورتِ دیگر نہ اپنے آپ کو دھوکہ دو اور نہ قائداعظم کو دھوکہ دو۔ ہمیں ادھورے مقلدین کی ضرورت نہیں۔ بے عمل لوگوں کی پاکستان کو ضرورت نہیں، منافقین کی ضرورت نہیں کیونکہ۔

یہ عشق نہیں آساں، بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور تیر کے جانا ہے

جہاں تک ہمارے رفقاء کا تعلق ہے، ہم اس بھرے مجمع میں ببانگِ دہل اعلان کرتے ہیں کہ ہم قیام پاکستان کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔ جب تک پاکستان نہیں بن جاتا۔ زندگی کی تمام لذتیں، راحتیں اور آسائشیں تیاگ کر ہم سربکف میدان میں سرگرم عمل رہیں گے۔ اے حاضرین! آپ اسی جذبے کے تحت قرارداد پاس کریں۔ اس پر کم وبیش ایک لاکھ کے مجمع نے ہاتھ لہرا لہرا کر تائید کی اور نعرہ ہائے تکبیر ورسالت بلند کئے۔

جب مولانا نیازی تقریر کر رہے تھے تو قائداعظم ہمہ وقت ان کی طرف متوجہ رہے۔ تحریک پاکستان کے نامور کارکن، مصنف اور صحافی چوہدری حبیب احمد کے الفاظ ہیں۔

نیازی صاحب خطبۂ استقبالیہ کیلئے سٹیج پر جلوہ نما ہوئے، بھرپور شباب، سرخ وسفید چہرہ، سفید لٹھے کی شلوار، سیاہ اچکن، دبدبہ وطنطنہ اور تمکنت سے مالا مال آواز، تلوار مارکہ، باریک موچھیں، یہ پیکر جمال وجلال، حسن ورعنائی کا مجسمہ جب اپنے خلوص وایثار، جان رفتگی اور جان سپردگی کے بیتاب جذبوں کو نمایاں کر رہا تھا اور جوانوں کو نئی زندگی کی تلقین وہدایت کے ساتھ ساتھ اپنا عشق اور اپنی نظر بخش رہا تھا۔ اور بزرگوں کے دلوں کو احساسِ ملی سے گرما اور ان کی ذمہ داریوں سے ان کو باخبر کر رہا تھا تو قائداعظم کی نگاہیں بار بار اس پرشکوہ چہرے اور پیکر عزم واستقلال کی طرف اٹھتی رہیں۔ بالآخر جوشِ ایمان ومسرت سے قائداعظم کے شگفتہ اور متین ومدبر رخِ زیبا پر اظہارِ خوشی ومسرت کی حسین لہریں ابھریں اور انہوں نے متبسم انداز اور پروقار لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ جس قوم کے پاس عبدالستار خاں

نیازی جیسے پیکرانِ یقین وصداقت ہوں۔اس کے پاکستان کوکون روک سکتا ہے۔یہ ایک عظیم المرتبت شخصیت کی طرف سے عظیم اعتراف وخراج تھا۔

اس موقعہ پر مولانا نیازی نے مسلم لیگ کا پیغام دیہات اور دورافتادہ مقامات تک پہنچانے کیلئے ''پاکستان رورل پراپیگنڈا کمیٹی'' کے قیام کی تجویز پیش کی۔مولانا نیازی کواس کمیٹی کا سیکرٹری بنایا گیا۔قائداعظم کی زیرِ صدارت میں اس کمیٹی کے قیام کا ریزولیشن پاس ہوا۔یہ اجلاس 28فروری 1941ء کو منعقد ہوا۔یکم مارچ 1941ء کو قائداعظم نے نوجوانوں کو پیغام دیا۔" March On "(آگے بڑھو)۔

جولائی 1941ء میں دوسری عالمگیر جنگ کے دوران ہندوستان کے لیڈروں اورعوام کا تعاون حاصل کرنے کیلئے وائسرائے نے ایک ''نیشنل ڈیفینس کونسل'' تشکیل دی۔یہ امرقابل ذکر ہے کہ دورانِ جنگ تعاون کیلئے ہندوکانگریس کا یہ نعرہ تھا کہ ''ہندوستان چھوڑو'' جب کہ قائداعظم کا نعرہ یہ تھا کہ ''سارا ملک ہندوکانگریس کے سپرد کر کے ملک چھوڑنے کے بجائے آپ دس کروڑ مسلمانوں کے حق خودارادیت کوتسلیم کرتے ہوئے پہلے ملک کوتقسیم کرو،پھر چھوڑ دو''(First devide and then quit)انگریز حکومت نے ہندوستانی عالمی رائے عامہ کی تائید وحمایت حاصل کرنے کیلئے ''نیشنل ڈیفنس کونسل'' قائم کر کے سرسکندر حیات خاں وزیراعظم پنجاب،مولوی اے کے فضل الحق وزیراعظم بنگال، سرسعداللہ خاں وزیراعظم آسام،سرسلطان احمد ممبرورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ اور بیگم جہاں آراشاہنواز کوممبرنامزد کیا۔نیشنل ڈیفنس کونسل کا قیام براہِ راست قائداعظم کے موقف سے انحراف تھا،بغاوت تھی،غداری تھی،اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ قائداعظم کی پرواہ کئے بغیر غالب مسلم اکثریت کے صوبوں سے حکومت نے سربرآوردہ لوگوں کواپنے گردجمع کرلیا ہے۔اوردوسری تنظیمیں جاگیرداراورسرمایہ دار،ان کے زیراثر تھے۔بدیں وجہ سے کسی طرف بھی حضرت قائداعظم کی تائید وحمایت میں آواز بلند نہ ہوئی۔حالانکہ یہ صرف قائداعظم کی ذات کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ دس کروڑ مسلمانوں کی عزت ووقاراورغیرت کوچیلنج

کیا گیا تھا۔ جب ہر طرف سے خاموشی کی فضا قائم ہوگئی تو ''آل پاکستان پروپیگنڈہ کمیٹی'' کے نوجوان جو بقول حکیم الامت

دیوانہ باگفتارم فرزانہ با کردارم
از بادۂ شوق تو ہشیارم و مستم من

مولانا نیازی کی قیادت میں آگے بڑھے اور حضرت قائداعظم کے موقف کی تائید وحمایت میں سارے صوبے میں جلسوں اور کانفرنسوں کی بھرمار کر دی۔ لاہور میں سکندر حیات کا جنازہ نکال دیا گیا۔ لطف کی بات ہے کہ جو نوجوان دن کو تانگے میں بیٹھ کر جلسے کی منادی کرتے تھے وہی رات کے جلسے میں اسٹیج کے منتظم ہوتے تھے۔ مولانا نیازی بتاتے ہیں کہ میں نے خود ایک ٹیکسی پر لاؤڈ سپیکر فٹ کر کے جلسہ کی منادی کی اور رات کو تیس ہزار کے جلسہ کی صدارت بھی کی۔ مولانا نیازی نے اس سلسلہ میں لائل پور (حال فیصل آباد) میں ایک کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر سکندر حیات نے ''آل پاکستان رورل پروپیگنڈہ کمیٹی کے بعض کارکنوں کو لالچ دے کر اغوا کر لیا اور ان کے زیر اہتمام 5 جولائی 1941ء کو دھوبی گھاٹ گراؤنڈ فیصل آباد میں طلبا کی ایک ''سپانسرڈ کانفرنس'' منعقد کی۔ جس میں پاکستان کی مخالفت کرتے ہوئے سر سکندر حیات نے کہا: پاکستان لغوستان ہے۔ ہم اسے نہیں بننے دیں گے۔ ایک ضدی اور خودسر پٹھان (مولانا نیازی) نے ہمارے نوجوانوں کو تباہ کر دیا ہے اور اس کے اکسانے پر میرے خلاف مظاہرے کیے جا رہے ہیں۔ نوجوانو! تم اپنے مستقبل کی سوچو، تم اس کے پیچھے کیوں لگ گئے ہو۔ آج جو تم نعرے لگاتے پھر رہے ہو، جلسے کرتے پھرتے ہو، کل تعلیم سے فارغ ہو کر پچاس روپے کی نوکری کیلئے ہمارے دفتروں میں جوتیاں چٹخاتے پھرو گے۔ پاکستان ایک دیوانے کا خواب ہے، مجذوب کی بڑ ہے، اس لیے اے نوجوانو! میں تمہیں بروقت انتباہ کرتا ہوں کہ وقتی اور ہنگامی نعروں سے گمراہ نہ ہو جانا۔ اپنے مستقبل کی فکر کرو۔

سر سکندر حیات خاں کی تقریر کے دوران پنڈال سے ''مسلم لیگ زندہ باد'' ''پاکستان

زندہ باد'' اور ''قائداعظم زندہ باد'' کے فلک شگاف نعرے لگے تو سر سکندر غصے سے لال پیلا ہو گیا اور کہا کہ ہم تمہارے قائداعظم سے نپٹ لیں گے۔''

مولانا نیازی نے سکندر حیات کی لائل پور کی تقریر کے اخباری تراشے قائداعظم کو بھیجے اور ساتھ ہی خط لکھا کہ ہم سر سکندر حیات کی کانفرنس کے جواب میں لائل پور میں طلباء کی کانفرنس کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ملک برأت علی ایڈووکیٹ کو اس کانفرنس سے خطاب کرنے کیلئے آمادہ کیا گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ اسی 18-19 جولائی 1941ء کو جوابی کانفرنس ہو گی۔ مولانا نیازی کی ایجی ٹیشن کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ سر سکندر حیات نے قائداعظم کی قیادت سے بغاوت کی ہے، اس کا واحد حل یہ ہے کہ وہ ''نیشنل ڈیفینس کونسل'' سے فی الفور استعفیٰ دے اور قائداعظم سے معافی مانگے۔ اس کانفرنس کی صدارت ملک برکت علی ممبر ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ جیسے مشہور قانون دان اور ہر دلعزیز مسلم لیگی رہنما کر رہے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں بھی اس میں خطاب کر رہے تھے۔ اس دوران سر سکندر حیات نے مولوی غلام محی الدین قصوری ایڈووکیٹ اور مقبول محمود امرتسری چیف پارلیمانی سیکرٹری حکومت پنجاب (سر سکندر حیات کے بیٹے سردار شوکت حیات خاں کے ماموں وخسر) کے ذریعے مولانا نیازی اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ مذاکرات شروع کئے۔ ہر قسم کے لالچ دیئے، اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں مثلاً ڈپٹی کمشنر وغیرہ کی پیشکش کی گئی اور ڈیڑھ دو لاکھ روپیہ نقد پیش کرنے پر آمادہ تھے مگر مولانا نیازی جیسے اقبال کے مرد مومن کا جواب یہ تھا کہ ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے نہ عہدے کی اور نہ سیم وزر کی۔ ہمارا مطالبہ صرف اور صرف یہ ہے کہ سر سکندر ''نیشنل ڈیفنس کونسل'' سے استعفیٰ دے کر قائداعظم سے معافی مانگے، ہم تمہاری پیشکش پر تھوکتے بھی نہیں

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے!

مذاکرات ناکام ہو گئے۔ مولانا نیازی نے اپنی مہم جاری رکھی، 18-19 جولائی کو

کانفرنس کے انعقاد کے مصمم ارادے کو عملی جامہ پہنانے پر تل گئے۔ ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ مسلمان دکان داروں نے جلسے کیلئے میز، کرسیاں، شامیانے اور لاؤڈ سپیکر کرایہ پر دینے سے انکار کر دیا۔ لائل پور کے ڈپٹی کمشنر شیخ نور محمد نے سر سکندر حیات کے حکم پر گراؤنڈ میں پانی چھوڑ دیا۔ ایک سکھ دکاندار کو ڈبل کرایہ دے کر سارا سامان حاصل کیا گیا۔ میاں نور اللہ ایم ایل اے کی کوٹھی پر جا کر ان کی کار حاصل کر کے اس پر لاؤڈ سپیکر فٹ کر کے منادی شروع کر دی۔ سوئے اتفاق کہ زبردست بارش شروع ہوگئی اور دیر تک جاری رہی جس سے رات کی نشست نہ ہو سکی۔ دوسرے دن بروز اتوار ۱۹ جولائی کو پھر منادی شروع کر دی گئی۔ نو بجے کا جلسہ بارہ بجے دن شروع ہوا۔ ساری انتظامیہ مخالف تھی، مگر مولانا نیازی اور ان جیالے ساتھی مردانہ وار اپنے نصب العین کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ 12:30 بجے دن جلسہ شروع ہوا۔ صدر مجلسِ استقبالیہ چوہدری مختار احمد المعروف پر ٹمر کو سر سکندر نے اغوا کر لیا تھا اس کی عدم موجودگی کی مولانا نیازی نے یہ توجیہہ کی کہ ''صورت مبیں حالش مپرس'' کے مصداق در و دیوار خطبہ استقبالیہ پڑھ رہے ہیں۔ ہم خود اس کانفرنس کی اہمیت کو جانتے ہیں۔ ہماری ٹکر وزیر اعظم سے ہے، ظاہر ہے کہ سوائے عوام کے کسی کی تائید کی توقع نہیں ہے۔ اس لیے خطبۂ صدارت ہوگا جو ملک برکت علی پیش کریں گے۔ رات کی نشست بعد نماز عشا شروع ہوگی۔ جس میں ہم عصرِ حاضر کے میر جعفر سر سکندر حیات خاں کی غداریوں کو بے نقاب کریں گے۔ رات کو جلسہ ہوا اور خوب ہوا۔ مسٹر ابو سعید انور، مولانا ظفر علی خاں مولانا نیازی نے خطاب کیا اور ملک برکت علی نے خطبۂ صدارت دیا۔ مولانا نیازی کی تقریر بڑی شعلہ بار تھی۔ انہوں نے جب برسرِ عام اور ڈنکے کی چوٹ پر کہا کہ ''مسمی سکندر حیات ولد محمد حیات ذات کھٹڑ ساکن موضع واہ (واہ کینٹ) ضلع کیمبل پور (حال اٹک) جو نکلسن کے اردلی کا بیٹا ہے اس کو میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ غیر پاکستان جو سر سکندر حیات بزعم خویش اپنی خود غرضیوں، مکاریوں، عیاریوں اور ستم رانیوں کی خاطر بنائے گا یقیناً وہ ''لغوستان'' ہوگا۔ لیکن جو پاکستان کتاب و سنت کی بالادستی اور شریعت

کی سیادت وقیادت قائم کرنے کیلئے وجود میں آئے گا وہ بن کر رہے گا۔ کتے بھونکتے رہتے ہیں اور کارواں چلا جاتا ہے۔ سر سکندر کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلم نوجوان آگ کے شعلے ہیں ان سے ٹکرانے والا جل کر راکھ ہو جائے گا اور پاکستان بن کر رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

تیس ہزار کا مجمع جھوم جھوم اٹھا اور فضا چھٹ گئی۔ اس جلسے کا اہتمام کرنے والوں میں مولانا محمد ابراہیم علی چشتی، حکیم محمد انور بابری، مولوی عبدالقدیر نعمانی، ابوسعید انور، ڈاکٹر محمد الیاس مسعود، ظہور عالم شہید، حمید نظامی اور شیخ محمد اقبال احمد نے بڑی ہمت، جرأت، جوانمردی اور استقامت سے کانفرنس کو کامیاب کیا۔ جلسہ بے حد کامیاب ہوا۔ حضرت قائداعظم کو اس کی روئیداد بھیجی گئی۔ وہ بہت خوش ہوئے اور مولانا نیازی کے نام جو خط لکھا خاص طور پر اس کا یہ فقرہ قابل توجہ تھا:

You Young men are doing a great work, I am with you will succeed ultimately. Ansha,Allah

اس کانفرنس کا زبردست اثر ہوا۔ سر سکندر بوکھلا گیا۔ اسی دوران لاہور کے دو اخبارات (روزنامہ ''انقلاب'' اور ''شہید'') نے سر سکندر کی حمایت اور قائداعظم کے خلاف بڑی شد و مد کے ساتھ پروپیگنڈہ شروع کر رکھا تھا۔ ان میں سے ایک نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ مسٹر جناح محض ایک سیاسی جماعت کے سربراہ ہیں اور سر سکندر حیات پنجاب کے منتخب وزیراعظم ہیں۔ اس سے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ سر سکندر کی حیثیت زیادہ مضبوط ہے۔ ''پاکستان رورل پروپیگنڈا کمیٹی'' نے ان اخبارات کے خلاف احتجاج کا پروگرام بنایا۔ ان اخبارات کی بہت سے پرچے خریدے گئے اور 30 جولائی 1941ء کو دو بجے دن سے شام کے ساڑھے سات بجے تک لاہور کے ہر قابل ذکر چوک میں کھڑے ہو کر ان اخبارات کو نذر آتش کیا گیا۔ اخبار سوزی کی یہ رسم پورے لوازم کے ساتھ ادا کی جاتی۔ چوک میں پہنچ کر تانگے والے کھڑے کر لیے جاتے، ''پاکستان زندہ باد'' اور ''قائداعظم زندہ باد'' کے نعروں کے بعد ڈاکٹر محمد الیاس مسعود ترنم کے ساتھ ترانہ ملی پڑھتے،

اتنے میں دو چار سو راہ گیر اور دکاندار جمع ہو جاتے۔ اخبار جلانے کے بعد شام کے جلسے کا اعلان کیا جاتا۔ رات کو دہلی دروازہ کے باہر جلسہ ہوا۔ تلاوت کے بعد ڈاکٹر محمد الیاس مسعود نے ترانہ ملی سنایا۔ پھر چوہدری نصر اللہ خاں ایڈووکیٹ، پروفیسر چوہدری محمد صادق، پروفیسر منظور الحق صدیقی اور ظفر اللہ خاں ملک نے تقریریں کیں۔ آخر میں مولانا نیازی نے اپنی شعلہ نوائی سے حاضرین کے قلب وجگر کو گرمایا۔ مولانا نیازی کے اس خطاب کے بارے میں پروفیسر منظور الحق صدیقی لکھتے ہیں۔

''نیازی صاحب، عوامی نفسیات کو خوب سمجھتے ہیں، خود طویل القامت اور اوپر طرے دار پگڑی، پھر آواز میں گھن گرج، الفاظ پر شکوہ۔ ہر خوف کو پاؤں کے نیچے رگیدتے اور ہر مصلحت کو ٹھوکر مارتے ہوئے بیباکانہ تقریر کی۔ ازلی کاسہ لیس، غدار ابن غدار مسمی سکندر حیات ولد محمد حیات قوم کھٹڑ ساکن واہ'' ایسے بیباکانہ الفاظ کسی پبلک جلسے میں ہم نے ان کی زبان سے سنے۔(478)

مجلس احرار کے گڑھ میں پاکستان کے حق میں یہ پہلا جلسہ تھا جسے منعقد کرنیکی جرأت اور کوئی نہ کرسکتا تھا۔ اس مظاہرے سے دونوں اخبارات کی فروخت پر خاصا اثر پڑا۔ اور قائداعظم کو بیسیوں انجمنوں کی طرف سے اس مضمون کے تار دیئے گئے۔

Expel sakandar. Finish tha Tri-tor. Kill the weather cock. Do away the judas. Bury the mir Jaf-far of the Punjab.

''سکندر کو نکال دو، غدار کو نیست ونابود کرو۔ اس مرغ بادنما کو ختم کرو۔ اس یہود اسکر یوطیوں کو نکال پھینکو۔ پنجاب کے اس میر جعفر کو بزور نکال کر دفن کر دو۔

مولانا نیازی کی ان سرفروشانہ سرگرمیوں سے سرسکندر کی نیند حرام ہوگئی۔ اور اس نے ایک دفعہ پھر نیازی صاحب کو رام کرنے کی کوشش کی۔ ان کو فوری طور پر ''محکمہ دیہات سدھار'' کا ڈویژنل ڈائریکٹر مقرر کرنے اور بعد میں باقاعدہ سول سروس میں لینے کی پیشکش

کی اور میر مقبول محمود نے دولاکھ روپے بھی پیش کرنے چاہے مگر آپ نے دونوں پیشکشوں کو پائے اسحقار سے ٹھکرا کر سر سکندر کے طلسم وفریب کو توڑ دیا۔

برو ایں دام بہ مرغ و گرنہ

کہ عنقا را بلند است آشیانہ

اسی دوران 1941ء میں بعض قانونی وجوہ کی بنا پر حلقہ اندرون لاہور (مسلم سیٹ) کے خالد لطیف گابا المعروف کے ایل گابا کے دیوالیہ قرار پانے کی وجہ سے ضمنی انتخابات کا اعلان ہوا تو سوال پیدا ہوا کہ پنجاب کے دارالسلطنت سے جو صوبے کا سب سے بڑا مرکز تھا کس کو کھڑا کیا جائے۔ سر سکندر حیات خاں اور نواب شاہنواز خاں ممدوٹ کی خواہش تھی کہ یہ ٹکٹ میاں امیر الدین کو دیا جائے لہٰذا پنجاب مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ نے اسے ٹکٹ دیا۔ نوجوان سر سکندر کے اس خاص الخاص گماشتے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ قائداعظم کا جاںنثار اور مخلص کارکن میدان میں آئے اور قائداعظم اس کی مدد کریں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں قائداعظم کو متوجہ کیا گیا تاکہ برٹش گورنمنٹ پر واضح ہو جائے کہ قوم کس کے ساتھ ہے۔ بہرحال نوجوان مسلم لیگی کارکنوں کی خواہش تھی کہ یہ ٹکٹ مولانا نیازی کو دیا جائے کیونکہ ان کی خدماتِ جلیلہ سے پنجاب مسلم لیگ کو بہت تقویت حاصل ہوئی تھی اور اس کا احساس حضرت قائداعظم کو بھی تھا۔ چنانچہ مولانا نیازی اور ان کے ساتھیوں نے حضرت قائداعظم کو اس ضمنی انتخابات کی طرف متوجہ کیا۔ کہ یہاں پر آپ اپنا نمائندہ کھڑا کریں اور دورانِ الیکشن تشریف بھی لائیں، لاہور کے غیور مسلمان آپ کے ساتھ ہیں۔ اسی موقع پر سر سکندر حیات کی اوقات کھل کر سامنے آجائیگی۔ آپ کا نمائندہ لازمی کامیاب ہوگا اور اس کا بالواسطہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ ''نیشنل ڈیفنس کونسل'' کے رکنِ رکین سر سکندر حیات کے اثر ورسوخ، مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا بھرم بھی کھل جائے گا۔ القصہ مولانا نیازی کو ٹکٹ دیا گیا اور انہوں نے کاغذاتِ نامزدگی داخل کروا دیئے۔ سر سکندر حیات کے امیدوار میاں امیر الدین تھے۔ مولانا نیازی کے پیچھے ملک برکت علی ایڈووکیٹ جیسے ہر دلعزیز مسلم

لیگیوں اور ''پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن'' کی طاقت تھی۔ سر سکندر گھبرا گیا اور سردار اورنگزیب خاں سابق وزیر اعظم صوبہ سرحد اور ابوسعید انور کو میاں امیر الدین کی طرف سے نیازی صاحب کے پاس بھیجا کہ جو چاہو لے لو، ہم دینے کو تیار ہیں اور ہمارے مقابلہ سے دستبردار ہو جاؤ۔ بیس ہزار روپیہ نقد و دیگر مراعات کی پیشکش کی مگر مولانا نیازی نے یہ پیشکش ٹھکرا دی اور کہا کہ بکنے اور جھکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قائداعظم کے حکم پر میدان میں اترا ہوں۔ جب تک سر سکندر حیات، قائداعظم سے معافی نہیں مانگے گا اور ''نیشنل ڈیفنس کونسل'' سے استعفیٰ نہیں دے گا، ہماری جنگ جاری رہے گی۔

مولانا نیازی نے اپنی انتخابی مہم شروع کر دی اور ہر جلسے کی کاروائی قائداعظم تک جانے لگی۔ چنانچہ سر سکندر گھبرا گیا اور پھر گورنر بمبئی کے ذریعے اس کا یہ موقف بھی مسترد ہو گیا کہ اسے بحیثیت ''چیف مسلم'' نہیں بلکہ بحیثیت وزیر اعظم ''ڈیفنس کونسل'' میں لیا گیا ہے کیونکہ وائسرائے کے خط نے اس حقیقت کو واشگاف کر دیا کہ اس کو بحیثیت وزیر اعظم نہیں بلکہ بحیثیت ''چیف مسلم'' لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا نیازی اور ان کے ساتھیوں کی لاج رکھ لی۔ سکندر حیات نے 24 اگست 1941ء کو ''آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی'' کے اجلاس منعقدہ بمبئی میں ''نیشنل ڈیفنس کونسل'' سے استعفیٰ دے دیا اور قائداعظم سے معافی مانگ لی۔

اس کے بعد مولانا نیازی نے اپنی دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ دستبرداری کے بعد میاں امیر الدین نے دوبارہ ابوسعید انور کو مولانا نیازی کے پاس بھیجا اور پیشکش کی کہ ضمنی انتخابات کے سلسلے میں آپ کا جو خرچ ہوا ہے وہ ہم دینے کو تیار ہیں۔ مولانا نیازی نے اس کے جواب میں کہا:

''ہمارا انتخاب کیلئے کھڑا ہونا کسی ذاتی غرض، مفاد یا لالچ کے لیے نہیں تھا بلکہ ہم یہ چاہتے تھے کہ سکندر، قائداعظم کا وفادار بن جائے اور دس کروڑ مسلمانوں کے موقف سے آگاہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ ہم نے

جو خرچ کیا ہے۔ ملی غیرت اور ذاتی کردار کی استقامت کی خاطر کیا ہے۔ ہم اس کا اجر کسی سے نہیں لیتے۔ فرض کی ادائیگی اور ولولہ تھا جو ہم نے پورا کر دکھایا۔'' اس ضمنی انتخاب میں سر سکندر حیات خاں کو قائداعظم کی قیادت وسیادت تسلیم کرنے پر مجبور کرنے کے بعد مولانا نیازی اور ان کے ساتھی حضرت قائداعظم سے رہنمائی حاصل کرنا چاہتے تھے کہ اب ہمارا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے۔ چند خطوط کے تبادلہ کے بعد حضرت قائداعظم نے مولانا نیازی کو لکھا کہ یہ بات خطوط کے ذریعے نہیں ہو سکتی۔ آپ لوگ میرے پاس آئیں، بالمشافہ گفتگو ہوگی۔ چنانچہ ستمبر، اکتوبر 1941ء میں مولانا نیازی اور مولانا محمد ابراہیم علی چشتی، دہلی میں ان کی رہائش گاہ 10 اورنگ زیب روڈ پر حاضر ہوئے۔ انہوں نے لاہور کے ضمنی انتخاب کے سلسلہ میں دونوں کو مبارکباد دی اور فرمایا:

''نوجوانو! تم بہت بڑی قوت ہو۔ یہ تمہاری کامیابی ہے۔ میری کامیابی تمہاری وجہ سے ہے۔ مجھے تم پر فخر ہے۔ دونوں حضرات نے ان کا شکریہ ادا کیا اور آئندہ پروگرام کا پوچھا تو انہوں نے کہا!'' آپ لوگ مسلم لیگ کو مقبول بنائیں'' 1942ء میں مولانا نیازی، ضلعی مسلم لیگ میانوالی کے دوبارہ صدر منتخب ہو گئے اور ساتھ ہی ساتھ انہیں ''صوبائی کونسل'' اور'' آل انڈیا مسلم لیگ'' کا رکن بھی چن لیا گیا۔ اب آپ نے اپنا تمام وقت مسلم لیگ کیلئے وقف کر دیا۔ اسی سال مولانا نیازی بحیثیت سیکرٹری ''اقبال ڈے کمیٹی'' حضرت قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ''یوم اقبال'' کی صدارت کیلئے دعوت دی۔ قائداعظم پہلے سے بعض مقامات پر اپنے دورے کا پروگرام طے کر چکے تھے۔ اس لیے معذرت کی۔ البتہ ''اقبال ڈے'' کیلئے ایک مفصل پیغام ارسال کرنے کا وعدہ فرمایا جو بعد میں انہوں نے پورا بھی کیا۔ اس پیغام کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

''علامہ اقبال برصغیر میں مسلمانوں کے استقلال اور عروج کیلئے علیحدہ ہوم لینڈ کا مطالبہ اپنے ''خطبہ الہ آباد'' میں فرما چکے ہیں۔ ہم نے ''اقبال ڈے'' کے موقع پر فیصلہ کرنا ہے کہ اسلامی نظامِ حیات کو برپا کرنے کیلئے قوت عمل سے جلد از جلد وہ خطۂ ارضی حاصل کر

لیں۔ اقبال ملت کے عزائم کا ترجمان ہے اور نوجوانوں کو سرگرمِ عمل دیکھنا چاہتا ہے۔ میں اس کے خواب کی تعبیر کیلئے مصروفِ کار ہوں اور ہر مسلمان کو اس پاکیزہ مقصد کے حصول کیلئے ہر ممکن ایثاروقربانی کی دعوت دیتا ہوں۔ نومبر 1942ء کو قائداعظم لاہور سے عازمِ لائل پور (فیصل آباد) ہوئے تو ٹرین کے انجن کے ساتھ دو سبز پرچم آخری بوگی پر لہرا رہے تھے۔ جس میں حضرت قائداعظم سوار تھے، باقی ٹرین میں اکابرینِ مسلم لیگ مولانا عبدالحامد بدایونی، خواجہ ناظم الدین، نواب افتخار حسین ممدوٹ، سید بہاء الدین گیلانی بٹالوی، آغا محمد جان بیرسٹر راولپنڈی، مولانا جمال میاں فرنگی محل وغیرہم کے ساتھ مولانا نیازی بھی سوار تھے۔

1943ء میں مولانا نیازی کو پنجاب مسلم لیگ کا پروپیگنڈہ سیکرٹری بنا دیا گیا۔ اسی سال پنجاب مسلم لیگ کے تحت ایک کانفرنس ہوئی۔ اس طرح کی ایک اور کانفرنس جو آل انڈیا مسلم لیگ سطح کی تھی، دہلی میں منعقد ہوئی۔ مولانا نیازی نے ان دونوں کانفرنسوں میں شرکت کی اور ریزولیشن بھی پیش کئے۔ یہ ریزولیشن ''پاکستان جنرل سٹاف ریزولیشن'' کے نام سے پیش کیا گیا تاکہ جب پاکستان قائم ہوجائے تو اس کا تنظیمی ڈھانچہ کیا ہو؟ یہ ریزولیشن مسلم لیگ کے ایجنڈے پر آیا اور اس پر تقریریں وغیرہ ہوئیں۔ 28 تا 30 اپریل 1944ء کو سیالکوٹ میں پنجاب مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں حضرت قائداعظم، نوابزادہ لیاقت علی خاں، سردار عبدالرب نشتر، مولانا عبدالحامد بدایونی، راجہ غضنفر علی خاں، ملک برکت علی، شیخ صادق حسن امرتسری، سردار محمد حسین گنجیانوالہ، رانا نصراللہ خاں، نواب افتخار حسین ممدوٹ صدر پنجاب مسلم لیگ، میر غلام بھیک نیرنگ، سید قاسم رضوی، قاضی محمد عیسیٰ، حکیم آفتاب احمد قریشی، سعید انور، مولانا بشیر احمد اخگر، میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ، سید غلام مصطفیٰ شاہ خالد گیلانی، سردار شوکت حیات خاں، مولانا عبدالستار خاں نیازی ودیگر بہت سے مذہبی وسیاسی رہنماؤں نے شرکت کی اور اپنے خطابات سے سیالکوٹ کی فضاؤں کو گرما دیا اور پنجاب مسلم لیگ کو اِک ولولۂ تازہ بخشا۔ افتتاحی

نشست 28 اپریل 1944ء کو بعدِ نمازِ عشا سردار عبدالرب نشتر کی صدارت میں ہوئی۔ مولانا نیازی نے خطاب کرتے ہوئے دلائل و براہین سے مطالبۂ پاکستان کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے مسلمانوں سے دردمندانہ اپیل کی کہ عصرِ حاضر کے تقاضوں کا بنظرِ عمیق اندازہ کریں اور اس حقیقت کو سمجھیں کہ قومی تشخص کو اجاگر کر کے کامل اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت درپیش ہے۔ اس لیے مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور باہمی اختلافات کو ختم کر دیں۔ اپنی اجتماعی کاوشوں سے پاکستان دشمن طاقتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ یہ جنگ اسلامیانِ ہند کی دینی و سیاسی جنگ ہے۔ آزاد اور خودمختار اسلامی مملکت کے قیام کی جنگ ہے۔ جس کی کامیابی سے مسلمانوں کو ایک ایسا خطہ زمین ہاتھ آئے گا جہاں وہ آزاد فضا میں اپنے دینی شعائر سے عہدہ برآ ہونے کیلئے شریعت اسلامیہ کو جاری وساری کرنے کے مکمل طور پر مختار و مجاز ہوں گے۔ 17 تا 19 جون 1944ء کو ''مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن راولپنڈی'' کے زیرِ اہتمام اسلامیہ ہائی سکول مری روڈ راولپنڈی میں سردار شوکت حیات خان کی زیرِ صدارت ایک شاندار کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس سے نوابزادہ لیاقت علی خاں سیکرٹری جنرل آل انڈیا مسلم لیگ، نواب صدیق علی خاں سالارِ اعلیٰ آل انڈیا مسلم لیگ، قاضی محمد عیسیٰ صدر بلوچستان مسلم لیگ، مسٹر جی ایم سید صدر سندھ مسلم لیگ، سردار اورنگ زیب خاں وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد، سردار عبدالرب نشتر وزیر مال صوبہ سرحد، مولانا ظفر علی خاں ایم ایل اے سنٹرل، راجہ غضنفر علی خاں ایم ایل اے، نواب افتخار حسین ممدوٹ صدر پنجاب مسلم لیگ، ممتاز محمد خاں دولتانہ ایم ایل اے، خان بہادر محمد اسمٰعیل، مولانا محمد اسحاق مانسہروی، سید غلام مصطفیٰ شاہ خالد گیلانی اور مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی آرگنائزنگ سیکرٹری پنجاب مسلم لیگ نے شرکت کی۔ مولانا نیازی نے اپنے حقائق افروز اور باطل سوز خطاب میں مخالفینِ پاکستان کی دھجیاں بکھیر دیں۔ آپ نے نظریۂ پاکستان کے موضوع پر اپنی ولولہ انگیز اور فکر خیز تقریر میں سامعین کے قلب و جگر میں آگ لگا دی اور تمام پنڈال ''نعرہ تکبیر و رسالت'' اور ''قائداعظم زندہ باد'' ''پاکستان

زندہ باد'' کے نعروں سے گونج اٹھا۔ 14-15 اپریل 1944ء کو امرتسر میں ''مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن پنجاب'' کی دوروزہ ڈویژنل کانفرنس انعقاد پذیر ہوئی۔ پہلا اجلاس 14 اکتوبر 1944ء کو بعد نماز عشاء راجہ امیر احمد خاں آف محمود آباد کی زیر صدارت ہوا۔ جس میں مولانا نیازی نے اسلامی نظامِ حیات کی خصوصیات پر روشنی ڈالی۔ حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے کہا: ''دورِ ماضی میں کفر کئی رنگ بدل کر آیا مگر اسلام کو سرنگوں نہ کر سکا۔ اب پھر مسلمان کو ''ہم رنگ زمین'' دام فریب میں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن مردِ مومن قائداعظم کی فراست نے اس جال میں بھی پھنسنا پسند نہ کیا۔ مسلمان نوجوانوں کے ولولے بڑھ چکے ہیں، وہ ہندو پر اعتماد کرتے ہیں نہ انگریز پر۔ اس لیے کہ اللہ والوں کو ہمیشہ اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے''۔ مولانا نیازی نے واضح کہا کہ مسلمان اس امر کے خلاف نہیں کہ ہندو اپنی اکثریت والے علاقوں میں اپنی آزاد ریاست قائم نہ کریں۔ انہوں نے مذہب اور سیاست کو دو مختلف چیزیں ثابت کرنے والوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ: ''اسلام کسی حالت میں یہ اجازت نہیں دیتا کہ مسلمان کسی ''غیر اسلامی آئین'' کے سامنے سر جھکائے۔ مسلمان کے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہی مشعلِ راہ ہے۔ ہمارے سامنے دین کی مکمل تشریح اور پورا سوشل آرڈر موجود ہے۔ اسلام نے نسل، رنگ اور وطنیت کے تمام بتوں کو مٹا دیا ہے۔ مسلمانوں کی سیاست مذہب ہے اور مذہب سیاست ہے۔ سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے مولانا نیازی نے گاندھی پر کڑی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ: ''وہ مکار ہندوستان کی آزادی کے بارے میں مخلص نہیں ورنہ وہ قائداعظم سے ضرور معاہدہ طے کر لیتا۔''

1944ء میں جب مولانا نیازی مسلم لیگ پنجاب کے سیکرٹری اور اسلامیہ کالج لاہور میں صدر شعبہ علوم اسلامیہ تھے تو قائداعظم تقسیم انعامات کی تقریب کے موقع پر لاہور تشریف لائے۔ رات کو جلسۂ عام منعقد ہوا۔ ''مسلم لیگ سٹوڈنٹس فیڈریشن'' کے کارکنوں نے مولانا نیازی کو بھی تقریر کیلئے مدعو کیا۔ نیازی صاحب نے نہایت ہی تند و تیز لہجہ میں

حکومت وقتِ پر تنقید کی اور حصولِ پاکستان کیلئے سردھڑ کی بازی لگانے کیلئے سامعین کو ابھارا۔ جلسہ کے بعد جب حضرت قائداعظم سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ: "You are still very Hot" ''تم تا حال بہت گرم ہو'' مولانا نیازی نے جواب دیا: اس لیے کہ ماحول کو پگھلانا ہے۔ اس پر قائداعظم نے قہقہہ لگایا اور فرمایا: "Go Ahead Cautiously" ''محتاط انداز میں بڑھے چلو۔'' اس سال یعنی 1944ء میں مولانا نیازی نے پنجاب مسلم لیگ کونسل سے یہ تجویز پاس کرائی: ''پاکستان کا آئین شریعتِ اسلام پر مبنی ہوگا۔'' صوبائی کونسل کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ نے بھی یہ تجویز منظور کر لی۔ 1945ء میں مولانا نیازی نے معروف صحافی اور نامور مسلم لیگی کارکن میاں محمد شفیع المعروف م ش کے ساتھ مل کر'' پاکستان کیا ہے اور کیسے بنے گا۔؟ کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں زندگی کے ہر مسئلہ پر نظریۂ خلافت کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قیام پاکستان کی منزل قریب آ رہی تھی اور مسلم لیگ میں ابن الوقت قسم کے سیاستدان مختلف حربوں سے شامل ہو رہے تھے۔ کمیونسٹ بھی ایک سازش کے تحت اس میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ مولانا نیازی نے اپنے احباب کے تعاون سے پنجاب مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں کمیونسٹوں کو مسلم لیگ سے نکالنے کی قرارداد پیش کی جو منظور کر لی گئی اور مسلم لیگ سے دانیال لطیفی، ڈاکٹر ذاکر مشہدی، شیر محمد بھٹی اور دیگر کمیونسٹوں کو نکال دیا گیا۔ 1945ء میں'' کیبنٹ کمیشن'' کی ناکامی کے بعد جب قائداعظم نے مجموعی انتخابات کے ذریعے مسلمانوں کی نمائندگی کا فیصلہ کرنا چاہا تو اسلامیانِ ہند بالخصوص مسلم طلبا سے امداد طلب کی کہ وہ مسلم لیگ کو کامیاب بنائیں تاکہ پاکستان کا حصول یقینی بن جائے۔ مولانا نیازی اس وقت اسلامیہ کالج لاہور میں صدر'' شعبہ علوم اسلامیہ'' تھے۔ انہوں نے طلباء کو اکٹھا کر کے اس پیغام کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ مسلمان نوجوانوں نے دیوانہ وار کام کیا اور سارے صوبے میں پھیل گئے بلکہ علی گڑھ کے طلبا تو سرحد کے پہاڑوں اور جنگلوں میں دورے کرتے نظر آتے تھے۔ اس مہم میں مولانا نیازی کے شاگردوں میں سے جن

نوجوانوں نے صفِ اول میں کام کیا۔ان میں سید قاسم رضوی سی ایس پی، حکیم آفتاب احمد قریشی اور اقبال سنبل وغیرہم نے نمایاں کردار ادا کیا۔اس سے قبل ''پاکستان رورل پروپیگنڈہ کمیٹی'' کی تحریک میں مولانا محمد ابراہیم علی چشتی، چوہدری نصراللہ خاں ایڈووکیٹ، مولوی عبدالقدیر نعمانی، حکیم محمد انور بابری، حمید نظامی، ابوسعید انور، پروفیسر چوہدری محمد صادق، ظفراللہ خاں ملک محمد شفیع المعروف م ش ظہور عالم شہید، میاں کفایت علی، پروفیسر منظور الحق صدیقی، شیخ محمد اقبال اور ڈاکٹر ضیاء الاسلام نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ 9-10-11 جنوری 1946ء کو اسلامیہ کالج لاہور کے گراؤنڈ میں جمعیت علمائے پنجاب کی ایک شاندار کانفرنس امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کی زیرِ صدارت منعقد ہوئی۔جس کا مقصد پنجاب میں مسلم لیگ کے کام کو تیز کرنا تھا تاکہ دو تین ماہ بعد آنے والے الیکشن میں مسلم لیگ بھاری اکثریت سے کامیاب و کامران ہو۔اس کانفرنس سے اکابرِ اہلسنت مولانا سید ابوالحسنات قادری، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا عبدالغفور ہزاروی ثم وزیرآبادی، خواجہ محمد قمرالدین سیالوی، مخدوم سید محمد رضا شاہ گیلانی ملتانی، خواجہ غلام محی الدین گولڑوی، پیر صاحب مانکی شریف، مولانا جمال میاں فرنگی محلی وغیرہم کے علاوہ مولانا نیازی نے بھی خطاب فرمایا۔فروری 1946ء کے عام انتخابات میں مسلم لیگ نے آپ کو ضلع میانوالی سے صوبائی سیٹ کا ٹکٹ جاری کیا۔اس نشست پر مولانا نیازی کے مقابلہ میں ایک ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر خالقداد میدان میں آیا۔اسے اپنے مال و دولت، شان و شوکت اور یونینسٹ پارٹی پر بڑا ناز تھا۔مگر مولانا کے پاس نظریۂ پاکستان کا لازوال جذبہ تھا۔چنانچہ اس حلقہ (میانوالی شمالی) کے عوام و خواص نے ان کیلئے دیدہ دل فرشِ راہ کیے اور ہر سو اس نغمے کی گونج سنائی دی۔

دھر رگڑے تے رگڑا مستانہ

ایہہ ووٹاں دا جھگڑا مستانہ

جیہڑا لیگ نوں کنڈ کریسی
اوہ ہرگز جنت نہ ویسی
او لبھیندا ہوسی جہنم ٹھکانہ
دھر رگڑے تے رگڑا مستانہ

الیکشن کا نتیجہ سامنے آیا تو مولانا نیازی 8310 ووٹ لے کر کامیاب ٹھہرے جبکہ یونینسٹ امیدوار کو 4081 ووٹ ملے اور اس کا غرور و تکبر خاک میں مل گیا۔

غرور و تکبر مٹ جاتا ہے سب مال والوں کا
خدا ساتھی ہوا کرتا ہے استقلال والوں کا

اس الیکشن میں مسلم لیگ کو عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی۔ کانگریس کو یہ کامیابی ناقابل برداشت تھی۔ امام الہنود ابوالکلام آزادؔ پر مسلم لیگ کی یہ سربلندی برق بن کر گری۔ وہ لاہور آئے، فیلیٹی ہوٹل میں قیام کے دوران سر خضر حیات ٹوانہ سے ملاقاتیں کر کے مسلم لیگ کی اکثریت ہوتے ہوئے کانگریس، یونینسٹ اور اکالی دل کے اتحاد سے ان کی وزارت بنوا دی، خضر حیات ٹوانہ جیسے ملت فروش کو پنجاب کا وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ پنجاب کے اکثریتی صوبہ میں چند مسلمان غداروں کے تعاون سے کانگریس اور اکالی دل نے اپنی وزارت قائم کر لی اور مسلم لیگ کو حزبِ مخالف کا رول ادا کرنا پڑا۔ ہندوؤں اور سکھوں کو بے دریغ مسلح کیا گیا۔ جس کے نتیجے میں بعد میں مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتلِ عام ہوا۔ اگر مسلمان زعماء کے ہاتھوں یہ غیر مسلم وزارت نہ بنتی تو پنجاب اس بے دردی سے تقسیم نہ ہوتا۔ یہ مولوی آزاد کا کارنامہ ہے کہ مسلم کاز کو یہ ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔

نواب افتخار حسین ممدوٹ نے گورنر پنجاب کے اس غیر آئینی اقدام کو چیلنج بھی کیا مگر بے سود۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی اس عظیم الشان کامیابی (پنجاب میں غیر مسلم وزارت کی تشکیل) پر بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ اور اپنی کتاب ''انڈیا ونز م فریڈم'' میں لکھا کہ ''ملک کے اطراف و جوانب سے مبارکبادی کے تاروں کی مجھ پر بھرمار ہوگئی۔ یو پی کانگریس کے

ترجمان اخبار ''نیشنل ہیرالڈ'' نے مجھے مبارکباد دی ہے۔ مولانا آزاد کے اس کارنامے پر جناب رئیس احمد جعفری نے اپنی کتاب ''آزادی ہند'' میں کیا شاندار تبصرہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''مولانا کو اپنے جس کارنامہ پر فخر ہے، جس کی داد ''نیشنل ہیرالڈ'' اور دوسرے کانگریسی اخبارات نے دی۔ اس طرح کا فخر ''نظام حیدرآباد'' کو بھی تھا۔ جب اس نے انگریزوں کا ساتھ دیکر ''ٹیپو سلطان'' کی حکومت ختم کرائی تھی۔ ''حکیم احسن اللہ خاں'' کو اور میر رجب علی اور مرزا الٰہی بخش کو بھی تھا۔ جنہوں نے بہادر شاہ ظفر کی حکومت ختم کرائی۔ علی نقی کو بھی تھا جس نے واجد علی شاہ کا تختہ ڈبویا۔ حیرت ہے کہ قائداعظم اور مسلم لیگ کے خلاف مولانا آزاد اتنے آگے جا پہنچے کہ وہ سب کچھ کرنے پر تیار ہو گئے۔۔؟ انہوں نے ذرا نہ سوچا کہ ملتِ اسلامیہ تو ممکن ہے انہیں معاف کر دے لیکن تاریخ جس سے ہمیشہ سہمے رہتے تھے کبھی معاف نہیں کرے گے۔ انہی دنوں بعض لوگوں نے نعرہ مارا کہ پنجاب میں مسلم لیگ اور کانگریس کو ایک ہو جانا چاہیے۔ اس پر مولانا نے ایک بیان میں کہا کہ: اس مرحلہ پر پنجاب میں ''لیگ کانگریس ایک ہو'' کا نعرہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ مسلم لیگ، کانگریس سے باعزت سمجھوتہ کیلئے ماضی میں ہمیشہ آمادہ رہی اور اب بھی آمادہ ہے مگر سمجھوتہ کیلئے ایک خاص فضا کی ضرورت ہوتی ہے اور اس وقت پنجاب میں یہ فضا قطعاً مفقود ہے۔ ہندو کانگریس کے مسلمان راشٹر پتی جناب ابوالکلام آزاد اس صوبہ میں دھرنا مار کر بیٹھے رہے اور اس وقت یہاں سے روانہ ہوئے جب ان کی کوششوں سے مسلمانانِ پنجاب میں انتشار پیدا ہو گیا۔

مسلم لیگ کی اس حق تلفی اور بے مثال زیادتی کے خلاف ''تحریک سول نافرمانی'' چلی تو مولانا نیازی نے پنجاب میں طوفانی دورے کر کے مسلمانوں کو منظم کیا۔ خضر حیات جہاں جاتا آپ اس کا تعاقب کرتے، میاں چنوں ضلع ملتان میں تو تصادم ہوتے ہوتے بچا۔ خضر حیات نے تنگ آکر آپ کو لالچ دینا چاہا اور منہ مانگی مراد پانے کی پیشکش کی تو مولانا نے فرمایا: ''میرے لیے دولتِ ایمان ہی کافی ہے۔'' زمین دینا چاہی تو فرمایا: ''تم چند سو ایکڑ

کی بات کرتے ہو ہم چھ صوبوں کا پاکستان مانگتے ہیں" شریکِ اقتدار ہونے کا لالچ دیا تو آپ نے فرمایا: "اسلام کی دی ہوئی عزت ہی کافی ہے۔"

جب خدا کا یہ شیر طرح طرح کے دام ہائے فریب میں نہ پھنسا تو خضر حیات مجبوراً خاموش ہو گیا۔ اور آپ پاکستان کا پرچم بلند فرماتے ہوئے دورے کرتے رہے۔

اسی سال 1946ء میں جب عمومی انتخابات کے بعد "مسلم لیگ اسمبلی پارٹی" کا پہلا اجلاس ہوا تو اس کے چند دنوں بعد حضرت قائداعظم لاہور تشریف لائے اور حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج میں ایک لنچ کا اہتمام کیا گیا۔ اتفاقاً مولانا نیازی کی نشست ایک ہی میز پر قائداعظم کے مدِ مقابل آ گئی۔ کھانا کھاتے وقت وہ گفتگو کرتے رہے۔ راجہ غضنفر علی خاں، نیازی صاحب کے بائیں طرف موجود تھے۔ مولانا نیازی فرماتے ہیں کہ اس گفتگو کا صرف ایک تاریخی جملہ یاد رہ گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا:

"قیامِ پاکستان سے قبل وزارت سے کچھ فائدہ ضرور پہنچ سکتا ہے مگر ناکام رہ جانے کی صورت میں ہماری جدوجہد میں کمی نہیں آنی چاہیے۔ اس صورت میں تصادم کیلئے ہمت بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، وزارت بنانے میں مسلم لیگ ناکام رہی مگر ملی وحدت واستحکام کے جوش وخروش نے بالآخر سول نافرمانی کی شکل اختیار کر لی اور خضر وزارت کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔ 10 اپریل 1946ء کو قائداعظم نے عربک کالج دہلی میں "مسلم لیجسلرز کنونشن" طلب کیا۔ جس میں سارے ہندوستان سے صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں کے ارکان کے علاوہ "آل انڈیا مسلم لیگ" کے ممبر بھی شامل تھے۔ قائداعظم نے اپنے دولت کدہ 10 اورنگ زیب روڈ نیو دہلی میں تمام ممبران کو پارٹی دی اور تمام ارکان سے ایک "میثاق" پر دستخط کروائے گئے۔ ہر رکن کے سامنے ایک پرچہ لایا جاتا تھا۔ جس پر "میثاق" کی عبارت درج تھی۔ مولانا نیازی کو بھی یہ حلف نامہ پیش کیا گیا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

مورخہ 7 اپریل 1946ء

حلف نامہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (الآیہ)

(اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو)

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ (الآیہ)

"(اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) آپ فرما دیجئے کہ بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا یہاں سے چلا جانا سب اللہ کیلئے ہے جو دونوں جہان کا رب ہے۔ اسکا کوئی شریک نہیں، مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔"

میں ______________ رکن مسلم لیگ اسمبلی پارٹی صوبائی لیجسلیٹو اسمبلی کونسل ______________ صوبہ ______________ اپنے اس پختہ عقیدے کا اعلان کرتا ہوں کہ برِّ کوچک ہند میں بسنے والی مسلم قوم کی نجات، اس کی سلامتی، اسکا تحفظ اور اس کا مستقبل، حصول پاکستان میں مضمر ہے اور پاکستان ہی اس وسیع تر برکوچک کے پیچیدہ دستوری مسائل کا باوقار اور معقول حل ہے اور اسی کے ذریعے یہاں بسنے والی تمام قوموں اور فرقوں کو امن، آزادی اور خوشحالی نصیب ہو سکتی ہے۔

میں بصمیمِ قلب سے اقرار کرتا ہوں کہ اس مقصدِ عظیم یعنی پاکستان کو حاصل کرنے کیلئے "آل انڈیا مسلم لیگ" کی طرف سے جو تحریک بھی روبہ عمل لائی جائے گی اور اس سلسلہ میں جو ہدایات اور احکامات جاری کئے جائیں گے، میں بلا پس و پیش اس امر کا کامل یقین رکھتے ہوئے کہ میرا مقصد و مدعا حق و انصاف پر مبنی ہے، عہد کرتا ہوں کہ اس راہ میں جو خطرات اور آزمائشیں پیش آئیں گی اور جن قربانیوں کا مطالبہ ہوگا، انہیں برداشت کروں گا۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ (الآیہ)

''اے ہمارے رب ہم پر صبر کے دھانے کھول دے اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتح یاب کر۔''

دستخط

مورخہ:

مولانا نیازی یہ فارم پُر کر کے سیدھے قائداعظم کے قریب چلے گئے اور دریافت کیا، کیا آپ نے بھی یہ فارم پُر کیا ہے۔ قائداعظم نے جواب دیا کہ!

میں کسی ایسے کام کیلئے اپنے ارکان سے مطالبہ نہیں کرتا جس پر خود عمل نہ کرلوں۔ اس لیے میں نے سب سے پہلے اس فارم پر دستخط کئے ہیں۔

یہ بڑا روح پرور منظر تھا۔ کچھ آیتِ کریمہ کا تاثر، پھر ماحول کی کیفیت اور آخر میں دعا نے ایک وجد آفرین سماں باندھ دیا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس اجتماع کی دعاؤں کو ضرور شرف قبولیت بخشے گا۔ اس اجتماع کی تعداد ساڑھے چھ سو سے زیادہ تھی۔

1946ء میں کیبنٹ مشن پلان کے تحت ہندوستان کیلئے ایک گروپنگ سکیم سامنے آئی۔ اس میں کہا گیا کہ ہندوستان میں تین گروپ بنائے جائیں گے۔

اے گروپ

اس میں ہندو اکثریت والے صوبے شامل ہوں گے۔

بی گروپ

اس میں مسلم اکثریت والے صوبے شامل ہوں (اس میں وہ علاقے تھے جو بعد میں مشرقی پاکستان میں شامل ہوئے)

سی گروپ

اس میں آسام اور بنگال وغیرہ کو شامل کیا جانا تھا۔

سکیم یہ تھی کہ ان تینوں گروپوں کی الگ الگ حکومتیں قائم کی جائیں اور ان تینوں کو ملاکر ایک یونین گورنمنٹ بنائی جائے گی۔ اور خارجہ، فنانس اور دفاع و مواصلات کے سوا

باقی تمام تر اختیارات ان گروپوں کو دیئے جائیں گے۔ سکیم میں یہ بات بھی شامل تھی کہ یہ گروپ دس سال تک برقرار رہیں گے دس سال تک کوئی صوبہ اس یونین سے الگ نہیں ہو سکتا۔ یونین گورنمنٹ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے علاوہ اقلیتوں کی بھی نمائندگی ہوگی۔ پروگرام یہ تھا کہ کوئی ایسا مسئلہ جس کا تعلق خاص طور پر مسلمانوں سے ہو یا انہیں متاثر کر رہا ہو وہ مسلم اکثریت طے کرے گی۔ اس کو ہندوؤں نے سمجھا کہ یہ ایک لحاظ سے ویٹو ہے۔ اس سکیم کے ساتھ انگریزوں نے شرط رکھی کہ جو فریق اس اسکیم کو قبول کرے گا، حکومت اسے منتقل کر دی جائے گی۔ اس پر غور کرنے کیلئے امپریل ہوٹل دہلی میں 9 جون 1946ء کو قائداعظم نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس طلب کیا۔ مولانا نیازی دیر سے پہنچے تھے لہٰذا سیدھے جلسہ گاہ میں چلے گئے اور ایک چٹ کے ذریعے حضرت قائداعظم (جو صدر جلسہ تھے) سے تقریر کرنے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے فوراً بلا لیا۔ آپ نے سکیم کی پُرزور مخالفت کی اور کہا:

اگر کیبنٹ مشن پلان منظور کر لیا جائے اور تین گروپوں کی تجویز کو قبول کر لیا جائے تو پاکستان کے قیام کا مطالبہ دس سال کے لیے ملتوی ہو جائے گا۔ دوسرے اگر گروپنگ کو مان لیا جائے تو جداگانہ قومیت کا تصور جو ہم لے کر اٹھے ہیں دس سال کے اندر اسے بری طرح نقصان پہنچے گا۔ تیسرے پنجاب، سندھ، سرحد اور بنگال میں کسی جگہ بھی ہماری مضبوط وزارت نہیں بن سکے گی کیونکہ مسلمان ان علاقوں میں زیادہ سے زیادہ 28% بنتے ہیں۔ پنجاب میں ہم 56% ہیں اور سندھ میں اس سے ذرا زیادہ ہیں۔

جب ہم اس گروپنگ میں آئیں گے تو بی اور سی گروپوں میں بھی ہماری حکومت کے قیام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس میں ہندو واضح اکثریت رکھتے ہیں۔ پھر یہ دفاع، مواصلات اور خزانہ کے امور یونین گورنمنٹ کے پاس رہیں گے اسطرح وہ ہم پر حاوی ہو جائیں گے، جس سے آہستہ آہستہ پاکستان کا تصور غارت ہو جائے گا۔

ستم ظریفی دیکھئے کہ ووٹنگ میں ساڑھے چار سو کے ہاؤس میں بمشکل سولہ، سترہ آدمی

مولانا نیازی کے ہمنوا بن سکے۔ مولانا نیازی کے بعد سید الاحرار حسرت موہانی نے تقریر کی اور انہوں نے بھی اس سکیم کی مخالفت کی مگر ہاؤس کو وہ بھی قائل نہ کر سکے۔ سکیم کے خلاف بدستور وہی سولہ سترہ اراکین رہے۔ چنانچہ یہ سکیم مسلم لیگ کی جانب سے بھاری اکثریت سے منظور کر لی گئی۔

یہ سکیم صرف اس لیے قبول کی گئی تھی کہ اکثریت کے خیال میں بی اور سی گروپ عملاً پاکستان بن گئے تھے اور دس سال کے اندر پاکستان کو قبول کر سکتے تھے چنانچہ ان کے دلائل کے حق میں فضا سازگار ہوئی اور کیبنٹ مشن پلان قبول کر لیا گیا۔

اجلاس کے بعد کچھ لوگ قائداعظم سے ملے اور استفسار کیا کہ آپ کے پاس مولانا نیازی کی ان دلیلوں کا کوئی جواب ہے۔ جو انہوں نے مخالفت میں دی ہیں؟ قائداعظم نے فرمایا! کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہر بات میں ہی مسترد کروں گا؟ کانگرس خود اسے مسترد کر دے گی۔

چنانچہ واقعی کانگرس نے اس پلان کو مسترد کر دیا اور اس طرح قائداعظم کی بصیرت کی دھاک بیٹھ گئی۔ انگریزوں نے اس سکیم کو پیش کرتے ہوئے شرط رکھی تھی کہ جو فریق (کانگرس اور مسلم لیگ میں سے) اسے تسلیم کرے گا۔؟ اسے اقتدار منتقل کر دیا جائے گا۔ عبوری حکومت بھی وہی فریق بنائے گا مگر جب مسلم لیگ نے اس سکیم کو مان لیا تو کانگریس نے سکیم کے دوسرے حصے یعنی یونین میں اختیارات کی تقسیم (اس طرح ہوگی کہ مسلمان کی اکثریت ان سے خصوصی تعلق کے معاملات میں فیصلہ کن حیثیت رکھے گی)، کو ایک طرح کا ویٹو قرار دیا اور اسے مسترد کر دیا۔ اور انگریز باوجود پیش کش کے بدعہدی پر اتر آیا اور قائداعظم سے کہنا شروع کر دیا کہ آپ نہرو سے ملیں۔ اس پر قائداعظم نے کہا کہ ہم نہرو سے کیوں ملیں؟ نہرو کون ہے؟ تم اپنا وعدہ پورا کرو، تم لوگوں نے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ چنانچہ قائداعظم نے ساری سکیم مسترد کرتے ہوئے 29 جولائی 1946ء کو راست اقدام (Direct Action) کا فیصلہ کیا اور قومی خدام سے فعال جدوجہد کا مطالبہ کیا۔

مولانا نیازی نے اس فیصلہ کی اہمیت کے پیش نظر اسلامیہ کالج لاہور میں بحیثیت صدر شعبہ اسلامیات اپنی مصروفیات کو خیر باد کہہ دیا اور ہمہ تن راست اقدام کی سرگرمیوں کیلئے وقف ہو گئے۔ پروگرام تیار کیا اور فضا سازگار کی۔ 1946ء اسی کش مکش میں گزرا۔ اسی زمانے میں پنجاب میں سول نافرمانی کی تحریک چل رہی تھی جس سے پریشان ہو کر خضر حکومت نے جنوری 1947ء میں مسلم لیگ نیشنل گارڈز پر پابندی لگا دی اور پبلک سیفٹی ایکٹ نافذ کر دیا اور پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے دفتر (رائل پارک) کی تلاشی لی گئی۔

24-25 جنوری 1947ء کی درمیانی شب جب پولیس مسلم لیگ کے دفتر کی تلاشی کیلئے رائل پارک میکلوڈ روڈ لاہور میں آئی تو مولانا نیازی ایم ایل اے ہونے کی حیثیت سے اس وقت پیپلز ہاؤس میں قیام پذیر تھے۔ جب پولیس نے تلاشی کی غرض سے دفتر پر چھاپہ مارا تو میاں افتخار چوہدری دفتر کے آگے کھڑے ہو گئے اور کہا کہ میں تلاشی نہیں لینے دوں گا۔ انہیں پولیس نے گرفتار کر لیا اسی طرح نواب افتخار حسین ممدوٹ، بیگم شاہنواز، میاں ممتاز خاں دولتانہ اور سردار شوکت حیات خاں نے مزاحمت کی اور ان سب کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

ان گرفتاریوں پر 25 جنوری 1947ء کو لاہور میں تحریک سول نافرمانی شروع ہو گئی۔ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کا اجلاس ہوا۔ مولانا نیازی نے اس سے خطاب کیا۔ شیخ صادق حسن امرتسری ایم ایل اے نائب صدر پنجاب مسلم لیگ نے تجویز پیش کی کہ ہر روز پانچ ایم ایل اے دفعہ 144 اور سیفٹی ایکٹ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گرفتاری پیش کریں گے۔ کل 85 ایم ایل اے ہیں۔ لہٰذا سترہ دن اس طرح کام چل سکتا ہے۔ مولانا نیازی نے اس تجویز سے اختلاف کیا کہ روزانہ پانچ گرفتاریاں دینے سے بھی کبھی تحریکیں چلی ہیں۔۔؟ یہ تو پچاس ہزار کا جلوس ہو تب تحریک چلے گی ورنہ سب کے سب پکڑے جائیں گے اور جماعت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ شیخ صادق حسین نے بحیثیت قائم مقام صوبائی صدر ڈکٹیٹر تحریک کی قیادت کی اور گرفتار ہوئے۔ ان کی جگہ میاں عبدالباری نے قیادت سنبھالی اور برکت علی اسلامیہ ہال لاہور میں جلسہ کیا جہاں پولیس نے آنسو گیس پھینک کر لوگوں کو منتشر

کردیا۔ میاں عبدالباری نے مولانا نیازی سے کہا کہ آج رات میں تو گرفتار ہو جاؤں گا۔ میرے بعد تم پارٹی ڈکٹیٹر (احکام جاری کرنے والا) ہو گے۔ انہوں نے باقاعدہ تحریری طور پر مولانا نیازی کی نامزدگی کی۔ ڈکٹیٹر خود بخود صدر کے فرائض بھی ادا کرتا تھا۔ اس طرح میاں عبدالباری کے بعد مولانا نیازی نے کام سنبھالا اور آرگنائز کیا۔ پنجاب مسلم لیگ کے پاس اس وقت کل سات سو روپیہ تھا۔ مولانا نیازی نے وہ بنک سے نکلوالیا۔ کالج کے طلبا کو بلا کر انہیں اپنے ساتھ شامل کر لیا اور سارے صوبے میں ان سے کام لینے کا پروگرام مرتب کیا۔ مولانا نیازی سے پہلے سول نافرمانی کا طریق کار یہ تھا کہ ڈکٹیٹر پانچ ممبران اسمبلی کو لے کر سڑک پر باہر آتا تھا اور سیفٹی ایکٹ کے خلاف نعرے لگا کر اپنے آپ کو مع رفقاء گرفتاری کیلئے پیش کر دیتا تھا۔ مولانا نیازی نے اس طریقِ کار کو بدل دیا۔ انہوں نے طلبا کو سمجھایا کہ! آپ نے تحریک چلانی ہے، جلوس نکالنے ہیں، گرفتاریاں پیش کرنی ہیں، ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا ورد کرتے جائیں سلوگن منفی نہیں مثبت ہونے چاہئیں۔ اس طرح آپ نے گورنمنٹ کے دفاتر کا کام معطل کرنا ہے۔ ڈپٹی کمشنر ہو یا سیکرٹری، کسی بھی سرکاری دفتر میں کام نہیں ہونا چاہیے۔ ایڈمنسٹریشن کو جام کر کے رکھ دو۔ مقصد یہ تھا کہ جب تک حکومت کے کاروبار کو معطل نہ کر دیا جائے اور ساری قوم پرامن طریق پر جلوس کی شکل میں مظاہرہ نہ کرے، ہماری تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ متحدہ پنجاب کے انتیس اضلاع تھے۔ مولانا نیازی نے اسلامیہ کالج لاہور کے طلباء (جو ان کے شاگرد تھے) کو ہدایات دے کر تمام ضلعی مراکز میں بھیجا کہ ہر ضلع میں جلسے کئے جائیں، جلوس نکالے جائیں۔ سیفٹی ایکٹ کے خلاف قرار دادیں پاس کی جائیں اور خضر وزارت کی برطرفی کا مطالبہ کیا جائے۔ اس طرح یہ تحریک سارے پنجاب میں بیک وقت پھیل گئی اور پورے صوبے میں حکومت کا کاروبار روک دیا گیا۔ مولانا کی گرفتاری کسی وقت بھی عمل میں آسکتی تھی چنانچہ انہوں نے اپنے بعد مولانا محمد ابراہیم علی چشتی ممبر پرونشل مسلم لیگ کونسل و سیکرٹری مشائخ کمیٹی کو اپنی جگہ ڈکٹیٹر پریذیڈنٹ نامزد کر دیا۔ مولانا نیازی پیپلز ہاؤس کے اے بلاک کے کمرہ نمبر 8 میں مقیم

تھے۔ 28 جنوری 1947ء کو رات دو بجے ان کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی تو انہوں نے جواب دیا۔ میں جاگ گیا ہوں۔ تم جاؤ۔ کیونکہ ان کا خادم ان کو تہجد کی نماز کیلئے جگایا کرتا تھا۔ پھر دستک ہوئی۔ تو مولانا نے کہا۔ جاؤ جاؤ۔ کہہ تو دیا میں جاگ گیا ہوں۔ تیسری بار پھر دستک ہوئی تو مولانا نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ دیکھا تو باہر ایک ایڈیشنل ایس پی بھاری فورس ہمراہ لئے کھڑا تھا۔ مولانا کو دیکھتے ہی بولا: معاف کیجئے۔ آپ کی گرفتاری کا ناخوش گوار فرض مجھے انجام دینا ہے۔

مولانا نے کہا: ٹھیک ہے۔ میں اپنا بستر وغیرہ باندھ لوں۔ اس پر اس نے کہا: بستر میں آپ کا باندھتا ہوں۔ وہ بستر باندھنے لگ گیا اور مولانا کتابیں وغیرہ سمیٹنے لگ گئے۔ مولانا نے اپنے خادم کو بلایا اور اسے ضروری ہدایات دیں۔ اس طرح رات اڑھائی بجے مولانا کو گرفتار کر کے پولیس گاڑی میں بٹھا کر تھانہ سول لائنز میں لے گئے۔ گرفتاری سے قبل پولیس نے ٹیلی فون تار کاٹ دیئے۔

مولانا بستر بچھانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ پولیس والے نے کہا: یہاں بستر مت بچھاؤ۔ ہم آپ لوگوں کو یہاں سے منتقل کرنے والے ہیں۔ مولانا اپنا سامان لے کر سول لائنز تھانے سے باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جس پولیس ویگن میں انہیں بٹھایا جا رہا ہے۔ اس میں ملک فیروز خاں نون، نواب افتخار حسین ممدوٹ، ڈاکٹر عمر حیات ملک پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور اور ڈاکٹر عبدالوحید آف فیروز سنز وغیرہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ پولیس سب کو فیروز پور جیل میں لے گئی۔ وہاں سب کو جیل کی انیکسی میں رکھا۔ سب لوگ نظر بند تھے اس لیے سب کو جیل میں اے کلاس مل گئی۔ نواب افتخار حسین ممدوٹ چونکہ وہاں ''جلال آباد ممدوٹ'' ریاست تھی لہٰذا کھانا وغیرہ باہر ہی سے آتا تھا۔ جیل کے اندر درسِ قرآن و دوسری بحث و مباحثہ کی سرگرمیاں بھی ہوا کرتی تھیں۔ بعد میں علامہ علاؤالدین صدیقی اور ملک لال خاں بھی وہاں لائے گئے تحریک ایک ماہ تک جاری رہی اور مولانا نیازی اور ان کے ساتھی فیروز پور جیل میں نظر بند رہے۔ 28 فروری کو مولانا اور دوسرے لیڈروں کی رہائی ہوئی۔ یکم

مارچ 1947ء کو گورنمنٹ نے نیشنل گارڈ سے پابندی واپس لے لی۔ 3 مارچ کو خضر وزارت مستعفی ہوگئی۔ پنجاب میں فرقہ وارانہ فسادات کا آغاز ہوگیا۔

یہ حالات تھے جب مولانا نیازی نے 20 مارچ 1947ء کو قائداعظم کے نام ایک مفصل مکتوب ارسال کیا۔ جس میں ''آل انڈیا مسلم لیگ لیجسلرز کنونشن'' کے موقع پر پیش کردہ ''پاکستان جنرل سٹاف'' کی تجاویز کی روشنی میں انقلابی پروگرام مرتب کرنے کی درخواست کی۔ سنگین خطرات ظاہر کر کے انہیں متوجہ کیا کہ پنجاب کی موجودہ قیادت کی بے عملی اور کوتاہ اندیشی سے مہلک ترین نتائج سامنے آرہے ہیں۔ آپ فوری توجہ مبذول فرمائیں۔ 30 مارچ 1947ء کو ''صوبہ مسلم لیگ کونسل'' کے اجلاس میں مولانا نے اپنی تجاویز کو دہرایا مگر اس وقت صوبائی قیادت کی آنکھوں پر غفلت کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ پس جو کچھ ہوا، اس کے ذکر سے روح لرز جاتی ہے اور دماغ پھٹنے لگتا ہے۔ حضرت قائداعظم کی صحت پر ان فسادات کا بہت برا اثر ہوا۔ (تحریک پاکستان اور علماء کرام از ص 457)

فصل سوم

قیام پاکستان

خضر حیات ٹوانہ کے استعفیٰ کے بعد آئین کی دفعہ 93 کے تحت پنجاب میں گورنر راج نافذ ہوگیا۔ 3 جون 1947ء کو قیامِ پاکستان کا حتمی فیصلہ ہوگیا بالآخر 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ اس روز رمضان المبارک کی 27 تاریخ تھی۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا نیازی کی خدماتِ جلیلہ کی تفصیلات جاننے کیلئے مولانا محمد صادق قصوری کی کتاب ''مجاہد ملت'' (سوانح و خدمات مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی) جلد اول و دوم کا مطالعہ مفید رہے گا ویسے یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ قیام پاکستان کے بعد تحریکِ نفاذ شریعت، تحریک ختم نبوت، تحریک بحالیٔ جمہوریت، تحریک نفاذ نظام مصطفیٰ، میں مولانا نیازی نے جو خدمات انجام دیں ہیں اور جس طرح قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا ہے وہ تاریخ کا

ایک نا قابل فراموش باب ہے۔ گورنر جنرل غلام محمد، صدر سکندر مرزا، صدر ایوب خاں، وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو، صدر جنرل محمد ضیاء الحق اور وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کے دور میں ڈنکے کی چوٹ پر کلمۂ حق بلند کیا۔ دار ورسن تک بھی پہنچے مگر دنیا کی کوئی طاقت انہیں احقاق حق اور ابطال باطل سے باز نہ رکھ سکی۔ انکی زندگی ایک مرد مؤمن کی زندگی ہے بلکہ قرون اولیٰ کی یاد دلاتی ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان (479)

ریاست بہاولپور کا نیا آئین

8 مارچ 1949ء کو نواب آف بہاولپور نے نئے آئین کے نفاذ کا اعلان کیا اس اعلان سے قبل انہوں نے حکومتِ پاکستان سے آئین کی منظوری لے لی۔ نئے آئین کے مطابق ریاست میں ایک مجلس قائم کی گئی تھی جس کے ارکان کی تعداد 25 تھی ان میں سے 16 ارکان منتخب کئے گئے تھے جبکہ باقی ارکان کو نامزد کیا گیا تھا۔ وزارت میں وزیر اعظم کے علاوہ دو وزیر اور دو ایگزیکٹو کونسلر شامل تھے جو مجلس کے منتخب شدہ اور نامزد کردہ ارکان کی نمائندگی کرتے تھے۔ وزراء کے ہاتھ میں مستقلہ محکمے تھے اور کونسلر مخصوص محکموں کا انتظام کرتے تھے۔ وزیر اعظم کا انتخاب نواب صاحب نے حکومتِ پاکستان کے مشورہ سے کیا اور جو محکمے حکومت پاکستان کو دیے گئے تھے ان میں محکمہ اوقاف رسل و سائل اور خارجہ تعلقات کے محکمے شامل تھے ان کی ذمہ داری وزیر اعظم کو سونپی گئی تھی۔ (480)

ریاست بہاولپور کا پاکستان میں ادغام

17 دسمبر 1953ء کو گورنر جنرل پاکستان اور ہز ہائی نس امیر بہاولپور کے مابین ریاستِ بہاولپور نے پاکستان میں ادغام کا معاہدہ طے ہوا۔ ہرگاہ ریاست بہاولپور اور قلمروئے پاکستان کے بہترین مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ ریاست کے علاقے پاکستان میں شامل ہو جائیں اور اس طرح سے ریاست کا ادغام مجوزہ یونٹ (ون یونٹ) میں کر دیا جائے جس

کا نام وحدتِ پاکستان تجویز کیا گیا ہے۔

آرٹیکل نمبر 1

ہز ہائی نس امیر بہاولپور اس دستاویز کے ذریعہ اپنی خودمختاری اپنے تمام حقوق اور اختیارات بحیثیت حکمران ریاست بہاولپور اور ریاست کے تمام علاقے ان پر تمام اختیارات اور ریاست پر حکمران کے حقوق قلم روئے پاکستان کو منتقل کرتے ہیں۔ ریاست اور اس کے تمام علاقوں پر آئندہ ہر طرح کے اختیارات اس تاریخ قلمروئے پاکستان کو حاصل ہوں گے۔ جس کا تعین گورنر جنرل کریں گے اور اسے مخصوص دن کہا جائے گا۔

آرٹیکل نمبر 2

ہز ہائی نس امیر بہاولپور اپنی جیب خاصِ کیلئے حکومتِ پاکستان سے سالانہ 22 لاکھ روپے وصول کرنے کے حقدار ہوں گے اور اس وظیفے پر ہر طرح کے ٹیکس معاف ہوں گے۔ یہ وظیفہ ہر طرح کے اخراجات کیلئے ہے۔ دستخط۔ ایس ایم عباسی (خامس)

ریاست بہاولپور کا پاکستان کے ساتھ الحاق

پاکستان بننے کے بعد اس کے ساتھ بہاولپور کے الحاق کے وقت بہت خوشی تھی جذبات کچھ بھی ہوں اس موقع پر ایک مضبوط قوتِ عمل کی ضرورت تھی۔ ایک صاحبِ عزیمت مسلمان اور جہاندیدہ فرمانروا کی حیثیت سے نواب سر صادق محمد عباسی تمام مشکلات کو سمجھتے تھے، انہوں نے ان لوگوں سے جو قوم کے رہنما تھے فراخدلی سے تعاون کیا۔ پاکستان سے الحاق کے بارے میں کسی عوامی تحریک یا کسی جماعت سے زیادہ خود نواب صادق محمد عباسی کے اپنے ایثار اور سیاسی بصیرت کو دخل تھا۔ پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو اس نوزائیدہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں شمولیت کے لیے ریاست بہاولپور کے حکمران اور باشندوں نے بالاتفاق سبقت حاصل کی۔ ریاست کے الحاق کے سلسلے میں نواب بہاول پور کا ذہن شیشے کی طرح صاف تھا وہ جانتے تھے کہ پاکستان برصغیر میں مسلمانوں کا آخری مرکز ہے، انہوں نے اس معاملہ کی بالکل پروانہ کی اور یہ نہ دیکھا کہ بھارت آپ کو سبز باغ

دکھا رہا ہے حالانکہ قانونِ ہند کی رو سے آپ کو مکمل سیاہ وسپید کا مالک بنا دیا گیا تھا کہ ریاست کے حکمران آزاد ہیں، پاکستان میں شامل ہوں یا بھارت میں شامل ہوں۔ امیر بہاولپور نے خالص اسلامی جذبہ سے کام لیا اور سوچا کہ بہاولپور پاکستان کا دل ہے اور پاکستان کا مغربی حصہ بہاولپور کی شمولیت کے بغیر ممکن نہیں۔ نواب بہاولپور جو پہلے ہی سے پاکستان کے قیام کے حق میں تھے۔ وائسرائے ہند کے مشیر امور خارجہ سر ایف کیرو نے ایک ملاقات کے دوران نواب آف بہاولپور سے پوچھا کہ اگر پاکستان بن گیا تو آپ کا مستقبل کیا ہوگا؟ کانگریس انگریزوں کے خلاف تحریک چلا رہی ہے اگر ہم نے انڈیا کو خیر آباد کہہ دیا تو ہمارے آپ کے معاہدے ختم ہو جائیں گے۔ اس صورت میں آپ کی کیا پوزیشن ہوگی؟ نواب آف بہاولپور نے جواب دیا۔ جب آزادی کا مرحلہ آئے گا تو ظاہر ہے حالات کے مطابق فیصلہ کرنا ہوگا مگر میں ایک بات واضح کر دوں کہ میرا سامنے کا دروازہ پاکستان میں کھلتا ہے اور پچھلا دروازہ راجپوتانہ میں۔ ریلوے لائن جو ریاست بہاولپور سے گزرتی ہے وہ پاکستان کی شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے اس سے قطعِ نظر ایک شریف آدمی اپنے سامنے کے دروازے سے آنا جانا پسند کرے گا۔ میرے ہاں اسی فیصد (80%) آبادی مسلمانوں کی ہے، قدرتی طور پر مجھے ان کا احترام بھی کرنا ہوگا۔ ایک دن نواب صاحب اپنے مشیروں اور وزراء کے درمیان حسبِ معمول تشریف رکھتے تھے۔ اچانک انہوں نے کہا! ''میرے عوام سوچ رہے ہوں گے کہ میں کس طرف شامل ہوں گا'' کسی جواب کا انتظار کئے بغیر خود ہی کہا کہ ''میں اس طرف شامل ہوں گا جس طرف میرے عوام جائیں گے اور یہ جاننا مشکل نہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ میں پاکستان میں شامل ہو جاؤں۔''
1947ء کو پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد مسلمانوں اور ہندوؤں کا انخلا شروع ہو چکا تھا۔ ریاست بہاولپور میں سمہ سٹہ جنکشن ٹرینوں کا مرکز تھا۔ یہاں سے ہندو وسکھ فوج دہلی جا رہی تھی اور انڈیا سے مسلم فوج اور مہاجرین مسلمان پاکستان آ رہے تھے تو خطرہ تھا کہ ریلوے اسٹیشن سمہ سٹہ پر ان کا آپس میں جھگڑا نہ ہو جائے، بہاولپور فسٹ انفنٹری کو سمہ

سٹہ جنکشن پر تعینات کر دیا گیا جس کی قیادت میجر ملک محمد خاں صاحب کر رہے تھے۔ میجر ملک محمد خاں صاحب کہتے ہیں جب دہلی سے لوگوں کا سامان بذریعہ ٹرین آرہا تھا تو اس میں کافی سامان کو آگ لگادی گئی تھی میں نے ایک بکس دیکھا جو ایک طرف سے کافی جلا ہوا تھا اور دوسری طرف اس کا کچھ حصہ بچ گیا تھا جس پر ''محمد علی جناح'' لکھا ہوا تھا میں نے اسے غور سے دیکھا تو پتہ چلا یہ قائداعظم محمد علی جناح کا سامان آرہا تھا جو کہ جلا دیا گیا تھا۔ میں نے اس کی رپورٹ نواب سر صادق محمد عباسی امیر بہاولپور کو کر دی اس حرکت پر ان کو بہت غصہ آیا اور انہوں نے فوری حکم دیا کہ جتنی بھی پٹرول کی ٹرینیں کراچی سے پٹرول لے کر دہلی جارہی ہیں سب کو روک لو۔ چنانچہ پٹرول کی تمام ٹرینیں سمہ سٹہ جنکشن پر روک دی گئیں اس طرح انڈیا کو پٹرول کی سپلائی بند ہوگئی جب انڈیا کی طرف سے حالات درست ہوئے تب کہیں جا کر پٹرول کی سپلائی بحال ہوئی۔ نواب آف بہاولپور نے اپنے عملے کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ بہاولپور ریاست جو کہ صدیوں سے امن کا گہوارہ رہی ہے تمام لوگ جن میں مسلمان مہاجرین، ہندو اور سکھوں کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کیا جائے۔ ہنگاموں کے دوران بہاولپور کا علاقہ برصغیر کے ہر علاقے سے زیادہ پرامن رہا تھا۔ امیر اور اس کی پرامن رعایا نے غیر مسلم اقلیت کے حقوق کی قابل تعریف حد تک حفاظت کی تھی۔ (481)

ریاست کا انضمام

جنگ عظیم دوئم کے اختتام تک ریاست کی آبادی اپنی خوشحالی کی منزلیں طے کر چکی تھی اب وہ مرحلہ آگیا تھا جب ریاست کا انضمام عمل میں لایا جائے۔

3 اکتوبر 1947ء کو نواب صادق محمد عباسی مرحوم امیر بہاولپور نے پاکستان کے ساتھ الحاق کے معاہدے پر دستخط کر دیئے اور حکومت پاکستان کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح نے دستخط کئے اور اسی دن پاکستان اور بہاولپور کے الحاق کا ایک یادگاری ٹکٹ جاری کیا گیا۔ بہاولپور وہ واحد ریاست تھی جس نے اس وقت پاکستان کے خالی خزانہ میں سات کروڑ روپے نقد دیئے اور کروڑوں روپے کا سامان اسپیشل ٹرین کے ذریعے حکومتِ پاکستان

کے حوالے کیا۔(482)

نواب سر صادق محمد عباسی خامس کا آخری پیغام

وحدتِ پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو اعلیٰ حضرت جنرل سر صادق محمد خاں عباسی خامس نے باشندگانِ بہاولپور کے نام پیغام ارسال فرمایا: ''میرے خاندان اور آپ کے مابین جو تعلقات پچھلی صدیوں سے چلے آرہے ہیں اب ان کے ختم ہونے کا وقت آگیا ہے، میں اس وقت محبت اور استحسان کے پرخلوص جذبات کے ساتھ آپ کی محبت، تعظیم و وفاداری اور تعاون کا جو آپ کم وبیش پچاس سال تک میرے ساتھ روا رکھے رہے ہیں دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے کہ اپنے محبوب وطن پاکستان کے ساتھ اپنی دوستی اور وفاداری میں آپ کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ میری دعا ہے کہ رحمٰن ورحیم آپ پر ہمیشہ اپنا فضل وکرم فرمائے آپ کا حامی وناصر ہو اور آپکو ہمیشہ سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین'' معاہدۂ الحاق میں ریاست بہاولپور کو بطور ایک آزاد یونٹ تسلیم کیا گیا اور ساتھ ہی ریاست کی سالمیت اور سربراہی نواب صاحب اور اس کے جانشینان کی سربراہی قائم رکھی۔ صرف امور خارجہ دفاع اور کرنسی میں نواب بہاولپور نے حکومت پاکستان کی سربراہی منظور کی۔ اور امور داخلہ میں نواب بہاولپور کو پورے اختیارات حاصل ہوئے۔ چنانچہ بہاولپور میں اپنے آزاد ہائی کورٹ، کابینہ وزارت، سیکرٹریٹ اور تمام ریاست کے محکمہ جات نئے دستور ریاست کے مطابق قائم ہوئے۔ اور افواجِ ریاست بہاولپور کے کمانڈر انچیف بھی نواب صاحب بہاولپور رہے اور بہاولپور سول سروسز کا ضابطۂ ملازمت بھی ریاست کا علیحدہ رہا۔ حتیٰ کہ 14 اکتوبر 1955ء کو پاکستان کے نئے دستور کے مطابق تمام صوبہ جات پنجاب، سندھ، بلوچستان اور سرحد، صوبہ مغربی پاکستان میں ضم ہوئے تو اس وقت ریاست بہاولپور کا بطور ایک یونٹ یا صوبہ کے وحدت مغربی پاکستان میں شامل ہوا۔ 1970ء میں جب صدر جنرل یحییٰ خاں نے وحدت مغربی پاکستان کو توڑ دیا اور چاروں صوبے آزاد ہوئے اور ریاست بہاولپور جو بطور ایک آزاد یونٹ یا صوبہ کے اس میں شامل

ہوا۔ اس کو صوبہ پنجاب میں شامل کر دیا گیا اور اس طرح بہاولپور کا تاریخی تشخص ختم ہوا اور وہ تمام قوانین جو ریاست میں بطور ایک آزاد صوبہ کے رائج تھے ختم ہوئے اور اس علاقہ میں صوبہ پنجاب کے قوانین نافذ ہو گئے۔ (483)

ریاست کی دستور ساز اسمبلی تحلیل

24 اکتوبر 1954ء کو جنرل غلام محمد نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی توڑ دی تو اس ہنگامی اعلان کے ساتھ ریاست بہاولپور کی عوامی وزارت اور مجلس قانون ساز بھی توڑ دی گئی اور اعلیٰ حضرت نے اپنے تمام اختیارات اپنے مشیر اعلیٰ کو تفویض کر دیئے۔ اس سلسلے میں جو فرمان جاری ہوا اس کا متن یہ ہے ''اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور کو کسی ایسی صورت حال رونما ہو جانے کا یقین ہو گیا ہے جس میں حکومت بہاولپور عبوری دستور ایکٹ 1956ء کی دفعات کے تحت ریاست کی حکومت نہیں چلائی جا سکتی، لہٰذا اعلیٰ حضرت نے استعمال اختیارات زیر دفعہ 47 حکومت بہاولپور (عبوری دستور) ایکٹ 1956ء کے تمام اختیارات خود سنبھال لیے ہیں۔'' (484)

فصل چہارم

قادیانی سٹیٹ کا منصوبہ

قیام پاکستان کے بعد قادیانیوں کی سب سے گھناؤنی سازش یہ تھی کہ اس نئی اسلامی مملکت کو ایک قادیانی حکومت میں تبدیل کر دیا جائے۔ جس کے کرتا دھرتا قادیانی ہوں۔ یا مملکتِ پاکستان میں سے ایک حصہ کاٹ کر ایک قادیانی ریاست قائم کی جائے۔ قیامِ پاکستان کے ایک سال کے اندر قادیانیوں کے سربراہ نے 23 جولائی 1948ء کو کوئٹہ میں ایک تقریر کی جو 13 اگست 1948ء کے قادیانیوں کے ترجمان اخبار روزنامہ ''الفضل'' میں شائع ہوئی۔ امیر جماعت احمدیہ نے اپنے پیروؤں کو مندرجہ نصائح دیں برطانوی بلوچستان جسے اب پاک بلوچستان کا نام دیا گیا ہے اس کی کل آبادی پانچ لاکھ ہے اگرچہ

اس صوبہ کی آبادی دوسرے صوبوں کی آبادی سے کم ہے لیکن ایک اکائی کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ایک مملکت میں اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے ایک معاشرے میں ایک فرد کی، اس کی مثال کے لیے آدمی امریکا کے دستور کا حوالہ دے سکتا ہے۔ ہر ریاست کو سینٹ میں برابر نمائندگی ملتی ہے چاہے کسی ریاست کی آبادی دس ملین ہو یا ایک سوملین، مختصر یہ کہ اگرچہ پاک بلوچستان کی آبادی صرف پانچ لاکھ ہے قادیانیوں کی آبادی ملکر دس لاکھ سے زیادہ ہے۔ایک یونٹ کے لحاظ سے اس کی اپنی اہمیت ہے، ایک بڑی آبادی کو احمدی بنانا مشکل ہے لیکن ایک چھوٹی آبادی کو احمدی بنانا آسان ہے اس لیے اگر قوم پوری طرح توجہ دے تو اس صوبے کو تھوڑے عرصے میں احمدیت کی طرف لایا جاسکتا ہے۔ یادرہے ہمارا تبلیغی مشن کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک ہمارا ایک مضبوط اڈہ نہ ہو تبلیغ کیلئے ایک مضبوط اڈہ ابتدائی ضرورت ہے، لہٰذا آپ کو سب سے پہلے اپنے اڈے کو مضبوط بنانا چاہیے۔ کسی مقام پر نیا اڈہ بنائیے یہ اڈہ کہیں بھی ہوجائے اگر ہم اس سارے صوبے کو احمدی بنالیں تو ہم کم از کم ایک صوبے کو تو اپنا صوبہ کہہ سکتے ہیں اور یہ کام بآسانی کیا جاسکتا ہے۔(485)

ممتاز عالم دین مولانا سید احمد سعید کاظمی پاکستان کے پہلے عالمِ دین تھے جنہوں نے 1948ء میں پنجاب مسلم لیگ کے اجلاس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تجویز پیش کی جسٹس محمد منیر نے اپنی رپورٹ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔(486)

قادیانیوں کو اقلیت قرار دے دیا گیا

قیام پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ 17 ستمبر 1974ء کو لاہوری احمدیوں اور قادیانی احمدیوں کو اقلیت قرار دیا گیا۔ 90سالہ پرانا پیچیدہ مسئلہ پاکستانیوں کے لیے پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا۔اس ضمن میں 1953ء میں ملک بھر میں ہنگامے ہوئے اور لاہوریوں میں مارشل لاء کا نفاذ بھی عمل میں آیا۔22 مئی 1974ء کو ربوہ اسٹیشن پر نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلباء نے حضور خاتم الانبیاء والمرسلین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے تحفظ کا نعرہ بلند کیا جو قادیانیوں کو ناگوار گزرا 29 مئی کو جب یہ طلباء واپس آرہے تھے تو ربوہ ریلوے

اسٹیشن پر طلبا پر حملہ کر کے زدوکوب کیا گیا۔ پنجاب بھر میں اس واقعہ کی مذمت کی گئی اور حالات بے قابو ہو گئے چنانچہ وزیر اعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ربوہ کے واقعہ کی عدالتی تحقیقات کرانے کی غرض سے ٹربیونل قائم کیا جس نے 5 جون کو اپنی کارروائی کا آغاز کیا۔ 7 جون کو لاہور ہائی کورٹ میں مرزا ناصر احمد کی درخواستِ ضمانت قبل از گرفتاری چیف جسٹس کے سامنے پیش کی گئی 13 جون کو وزیر اعظم نے کہا کہ جو ختمِ نبوت کو نہیں مانتا وہ مسلمان نہیں۔ قوم اگر چاہے تو یہ مسئلہ اسلامی مشاورتی کونسل کو سپرد کیا جا سکتا ہے۔ 19 جون کو صوبہ سرحد میں خیبر پختون خواہ اسمبلی نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی قرارداد متفقہ طور پر منظور کر لی۔ 21 جون کو عینی گواہ نے خصوصی عدالت کو بتایا کہ ربوہ اسٹیشن پر طلباء کو چن چن کر ٹرین سے نکال کر مارا گیا۔ حملہ آور کہہ رہے تھے توبہ کرو اور غلام احمد کو نبی مان لو۔ دریں اثنا وزیر اعلیٰ پنجاب نے ایک بیان میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی نہ ماننے والے ہمارے نزدیک مسلمان نہیں ہیں۔ 30 جون 1974ء کو دو قراردادوں کی صورت میں قومی اسمبلی میں ایک بل پیش ہوا ایک قرارداد عبدالحفیظ پیرزادہ نے پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت پر جو یقین نہیں رکھتا اور ان کے بعد کسی دوسرے کو نبی یا مصلح تصور کرتا ہے ان کی حیثیت کا تعین کیا جائے۔ دوسری قرارداد مولانا شاہ احمد نورانی رکن قومی اسمبلی نے 22 افراد کے دستخط سے جو بعد میں 37 ہو گئے پیش کی اس قرارداد پر نیشنل عوامی پارٹی کے افراد نے بھی دستخط کئے۔ تاہم مولانا غلام غوث ہزاروی دیوبندی اور مولانا عبدالحکیم دیوبندی نے اس پر دستخط نہ کئے بعد ازاں پوری اسمبلی کو ایک خصوصی کمیٹی میں تبدیل کر دیا گیا۔ نیز چند رہنماؤں پر مشتمل ایک رہبر کمیٹی بنائی گئی جس میں مولانا شاہ احمد نورانی، مفتی محمود، پروفیسر غفور احمد، عبدالحفیظ پیرزادہ، مولانا کوثر نیازی، مولا بخش سومرو، فاروق احمد اور چوہدری ظہور الٰہی شامل تھے۔ 30 جون 1974ء کے بعد کمیٹی کے مسلسل اجلاس ہوئے اور رہبر کمیٹی نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا فیصلہ کیا۔(487)

23 مارچ 1989ء کو دفعہ 144 ضابطہ فوجداری کے تحت ایک حکم نافذ کر دیا جس کی

رو سے صوبہ پنجاب میں قادیانیوں کے جشن منانے پر پابندی لگادی گئی۔ 21 مارچ کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ نے بھی ایک حکم کے ذریعے ضلع بھر کے قادیانیوں کو سرگرم ہونے سے باز رہنے کی ہدایت کی۔(488)

3 جولائی 1993ء کو پاکستان کی عدالتِ عظمیٰ نے ایک فیصلہ صادر کیا جو قادیانیت کے تعاقب کے سلسلہ میں تاریخ ساز حیثیت رکھتا ہے اس فیصلہ کی رو سے قادیانیوں کیلئے اسلامی القاب واصطلاحات کے استعمال پر جو مسلمانوں کی مقدس ہستیوں کیلئے مخصوص ہیں پابندی لگادی گئی انہیں اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کہنے اوراذان دینے سے روک دیا گیا۔ فیصلہ عبداللہ چوہدری نے لکھا، جسٹس ولی محمد خان اور جسٹس محمد افضل لون نے اتفاق کیا جسٹس سلیم اختر نے اپنے فیصلہ میں جسٹس عبداللہ کی تائید کی۔(489)

مرزائیوں کے خلاف علمائے اہلسنت کا کردار

امام احمد رضا بریلوی

اعلیٰحضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''مستطاب 'حسام الحرمین'' میں علمائے عرب وعجم کی تصدیق سے نہایت عظیم الشان فتویٰ شائع فرمایا کہ ''غلام احمد قادیانی دجال ومسیلمہ کذاب کا بھائی ہے جو اس کی باطل باتوں میں سے کسی بات پر راضی ہو یا اسے اچھا جانے وہ بھی اس کی طرح کافر اور کھلا گمراہ ہے اور یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔'' علاوہ ازیں منکرینِ ختمِ نبوت کے رد میں ''جزاء اللہ عدوہ بآبائہ ختم النبوۃ'' اور ''السوٗ العقاب علی المسیح الکذاب'' وغیرہ متعدد کتب تصنیف فرمائیں اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام، مولانا شاہ حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ردِ مرزائیت میں بڑی معرکتہ الآرا کتاب ''الصارم الربانی علی اسراف القادیانی'' شائع فرمائی۔

تاجدار گولڑہ

مسیلمۂ پنجاب، دجالِ قادیان غلام احمد قادیانی نے 20 جولائی 1900ء کو بذریعہ

اشتہار فاتح مرزائیت حضرت خواجہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عربی میں تفسیر نویسی کے مقابلہ کا چیلنج کیا جس میں لکھا کہ! ''اگر ثابت ہو گیا کہ پیر مہر علی شاہ تفسیر اور عربی نویسی میں تائید یافتہ لوگوں کی طرح ہیں اور مجھ سے یہ کام نہ ہو سکا تو میں اپنے تئیں مخذول اور مردود سمجھ لوں گا۔ مقامِ بحث لاہور ہوگا۔ اگر میں حاضر نہ ہوا تو اس صورت میں بھی کاذب (جھوٹا) سمجھا جاؤں گا۔'' (ملخصاً) سرکارِ گولڑوی نے مرزا کے اس چیلنج کو قبول فرما کر لاہور میں 25 اگست تاریخ مقرر فرما کر مرزا کو اطلاع دے دی بلکہ اس کا اعلان عام فرما دیا اور پھر مقررہ تاریخ پر لاہور تشریف بھی لے آئے مگر مرزا خود چیلنج کے باوجود مقابلہ پر نہ آیا اور اپنے ہی اعلان و اقرار کے مطابق مخذول و مردود اور کاذب و جھوٹا قرار پایا'' بعض قادیانیوں نے حضرت گولڑوی سے کہا کہ آپ مرزا صاحب سے کسی اپاہج و اندھے کی صحت یابی کیلئے مباہلہ کیوں نہیں کر لیتے۔ آپ نے جواب دیا کہ مرزا سے کہہ دیں کہ اگر مردے بھی زندہ کرنے ہوں تو آ جائے (کسی طرح آئے تو سہی) نیز آپ نے تفسیر نویسی کے چیلنج پر فرمایا کہ (خود لکھنا تو در کنار) ''امتِ محمدیہ میں اس وقت بھی ایسے خادمِ دین موجود ہیں کہ اگر قلم پر توجہ ڈالیں تو وہ خود بخود کاغذ پر تفسیر قرآن لکھ جائے۔'' (490)

چونکہ حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دجالِ قادیان پر 25 اگست 1900ء کو واضح فتح یابی ہوئی تھی اور مرزا قادیانی کو بوجہ مفرور ہونے کے شدید ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ گزشتہ سال 25 اگست 2000ء کو پورا سو سال گزر گیا اس لیے 24 جمادی الاولیٰ بمطابق 25 اگست 2000ء کو صد سالہ جشن فتح منایا گیا۔

امیر ملت

مولانا حافظ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ و دعا اور پیشنگوئی سے فی الواقع مرزائیت کا جنازہ نکل گیا ماہ مئی 1908ء میں مرزا غلام احمد قادیانی مع اپنے گروپ کے لاہور آیا۔ احمدیہ بلڈنگس کے سفید میدان میں ڈیرہ جمایا، مرزا کا خیال تھا کہ تبلیغی دورہ سیالکوٹ تک کیا جائے گا۔ دوسری طرف کچھ فاصلہ پر پیر صاحب کا تردیدی خیمہ لگا ہوا تھا

اور حضرت صاحب کی سر پرستی میں علمائے اہلسنت مرزائیت کے بخیے ادھیڑتے چلے جاتے۔ 22 مئی کو شاہی مسجد میں دورانِ وعظ حضرت صاحب نے فرمایا "اگر مرزا کو سیالکوٹ جانے کی طاقت ہے تو وہاں جا کر دکھلائے، میں کہتا ہوں کہ وہ وہاں کبھی نہیں جا سکتا، سب لوگ گواہ رہو کہ مرزا بہت جلد ذلت اور عذاب کی موت مارا جائے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ مرزا کو لاہور سے نکال کر جاؤں گا کیونکہ یہ محمدیوں کے ایمان کا ڈاکو ہے۔ پھر 25 مئی شب کو نہایت جوش سے کھڑے ہو کر فرمایا کہ "ہم کئی روز سے مرزا کے مقابلہ میں آئے ہوئے ہیں۔ پانچ ہزار روپے کا انعام بھی مقرر کیا ہوا ہے کہ جس طرح چاہے وہ ہم سے مناظرہ کرے یا مباہلہ کرے لیکن وہ مقابلہ میں نہیں آتا۔ آج میں اعلان کرتا ہوں کہ آپ صاحبان سب دیکھ لیں گے کہ 24 گھنٹے میں کیا ہوتا ہے؟" آپ اتنے الفاظ کہہ کر بیٹھ گئے ادھر اسی رات مرزا ہیضہ سے بیمار ہو گیا اور 26 مئی 1908ء کو دوپہر تک مر گیا۔ مرزا کی تاریخ موت لَقَدْ دَخَلَ فِیْ قَعْرِ جَهَنَّمْ (1326ھ) ہے۔(491)

غزالیٔ زماں

امامِ اہلسنت غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی پاکستان کے پہلے عالم دین تھے جنہوں نے 1948ء میں پنجاب مسلم لیگ کے اجلاس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تجویز پیش کی۔(492)

علامہ ابوالحسنات

علامہ سید محمد احمد صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ نے 1953ء میں ختم نبوت کی عظیم تحریک کی قیادت فرمائی آپ مجلسِ عمل کے صدر منتخب ہوئے اس سلسلہ میں پیرانہ سالی کے باوجود دو سال جیل میں رہے اور آپ کے لختِ جگر مولانا خلیل احمد قادری اور فدائے ختم نبوت مولانا عبدالستار خاں نیازی کو اسی سلسلہ میں پھانسی کی سزا سنائی گئی لیکن بعد میں بتقدیرِ خداوندی یہ سزا منسوخ ہو گئی۔

مولانا شاہ احمد نورانی

قومی اسمبلی میں سب سے پہلے ختمِ نبوت کی حمایت ومرزائیت کی مخالفت میں آپ نے آواز بلند فرمائی۔آپ ہی کی شروع کردہ جدوجہد کے نتیجہ میں آئین پاکستان میں ''مسلمان کی تعریف'' شامل ہوئی اور اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔آپ نے مرزائیت کی تردید میں ''حیاتِ مسیح علیہ السلام'' اور انگریزی زبان میں ختمِ نبوت کے موضوع پر ایک ضخیم کتاب تصنیف فرمائی۔آپ کے والدِ ماجد، عالمی مبلغِ اسلام، مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی علیہ الرحمہ نے بھی عربی میں کتاب ''المرآۃ'' انگریزی میں ''Theminror'' اور اردو میں ''مرزائی حقیقت کا اظہار'' تصنیف فرمائی۔انڈونیشی زبان میں ''مرزائی حقیقت کا اظہار'' کا ترجمہ ہوا جس کے نتیجہ میں ملائیشیا میں مرزائیوں کا داخلہ ممنوع ہوگیا۔

مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ

متحدہ مجلس جمعیت علمائے پاکستان اور ورلڈ اسلامک مشن کے سربراہ ممتاز روحانی ودینی رہنما، عالمی مبلغِ اسلام مولانا شاہ احمد نورانی جمعرات 11 دسمبر کو اسلام آباد میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ان کا جسدِ خاکی اسلام آباد سے طیارے کے ذریعے کراچی پہنچایا گیا جہاں جمعہ کو لاکھوں سوگوار افراد کے اجتماع میں تدفین ہوئی۔

مولانا شاہ احمد نورانی 17 رمضان المبارک 1346ھ بمطابق اپریل 1926 کو میرٹھ میں پیدا ہوئے اور صرف آٹھ سال کی عمر میں قرآنِ پاک مع تجوید حفظ کیا بعدازاں انٹرنیشنل عربک کالج میرٹھ اور الہ آباد یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی۔آپ نے دینی علوم کی تکمیل مدرسہ اسلامیہ قومیہ میرٹھ سے کی۔آپ عربی، فارسی، اردو، انگریزی، افریقی اور فرانسیسی نہایت روانی سے بولتے تھے۔سترہ زبانوں پر مکمل عبور حاصل تھا۔آپ نے روس، چین، امریکا، افریقہ، کینیڈا، برطانیہ، فرانس، جرمنی، کینیا، تنزانیہ، یوگنڈا، ملاگاسی، ماریشس، نائیجیریا، صومالیہ، اور دیگر ممالک میں سینکڑوں تبلیغی دورے کئے اور ہزاروں غیر

مسلم آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔

ان کے والد گرامی محترم علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی بھی بہت بڑے عالم اور مبلغِ اسلام تھے۔ وہ نہایت ذہین وفطین تھے اور غضب کا حافظہ رکھتے تھے۔ ان کے والد مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی نے ان کو تین سال کی عمر ہی میں حصولِ تعلیم کے لیے مسجد میں بٹھا دیا تھا۔ انہوں نے درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد انگریزی زبان کی بھی تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے تبلیغ کی خاطر دنیا کے کئی ممالک کا سفر بھی اختیار کیا۔ اس سلسلے میں شمالی افریقہ قابل ذکر ہے۔ 1948ء تا 1951ء کے یورپ کے تبلیغی دوروں نے ان کو بین الاقوامی شہرت دی۔ 45 ہزار سے زیادہ غیر مسلموں کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا اور مشہور عیسائی مفکر ڈاکٹر برنارڈ شا سے مباحثہ کیا جس پر وہ ساکت وصامت ہو گیا اور آپ کا معتقد ہو گیا۔ قائداعظم نے آپ کو ''سفیر پاکستان'' کا لقب دیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی کے تایا مولانا نذیر احمد صدیقی بھی عالم دین تھے اور بمبئی کی جامع مسجد کے خطیب تھے۔ قائداعظم کے ان سے ذاتی تعلقات تھے اور ان سے مذہبی معاملات میں رہنمائی حاصل کرتے تھے اور انہی کے پیچھے عیدین کی نماز ادا کرتے تھے اور رتن بائی کو بھی قائداعظم نے انہی کے ہاتھ پر اسلام قبول کروایا۔ قیام پاکستان کے بعد قائداعظم نے پہلی نمازِ عید مولانا عبدالعلیم صدیقی کی امامت میں ادا کی۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے تحریکِ ختم نبوت میں بھر پور حصہ لیا اور 1946ء میں نیشنل گارڈز تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ قیام پاکستان کے بعد آئین سازی کی جدوجہد میں کوششیں کرتے رہے۔ 1953ء کی تحریک ختمِ نبوت اور 1956ء میں آئین کی تدوین کے سلسلے میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ 1954ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد تبلیغ کے فرائض سنبھال لیے۔ 1962 میں آپ کی شادی مدینہ منورہ میں علامہ فضل الرحمن مدنی کی صاحبزادی سے ہوئی۔ 1948ء میں جمعیت علمائے پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ 1968ء میں اسلامک ریویو، لندن کے قادیانی ایڈیٹر سے ٹرینیڈاد میں ساڑھے پانچ گھنٹے کا طویل مناظرہ کیا اور کامیاب ہوئے۔ 1970ء میں قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا اور کراچی سے منتخب

ہوئے۔ 1973ء میں تحریکِ نظام مصطفیٰ اور متحدہ جمہوری محاذ کی سیاسی تحریک میں فعال کردار ادا کیا۔ 1974ء میں ''ورلڈ اسلامک مشن'' کے چیئرمین منتخب ہوئے۔ 1977ء میں تحریک نظام مصطفیٰ میں صفِ اول کے راہنما کی حیثیت سے گرفتار ہوئے۔ مولانا صاحب پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ 15 اپریل 1972ء کو قومی اسمبلی سے پہلی مرتبہ خطاب کیا اور پہلے اجلاس ہی میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ 1973ء کے آئین کے لیے 200 ترامیم پیش کیں۔ مولانا صاحب کی قرارداد ہی کے تحت ملک کا نام ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' تجویز کیا گیا، جس کے تحت پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام قرار پایا اور مسلمان کی تعریف متعین ہوئی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری پیغمبر ہونا باضابطہ طور پر تحریر ہوا۔ 1977ء میں بھٹو اور ان کی سیاسی جماعت پیپلز پارٹی کے خلاف چلنے والی ملک گیر تحریک کو ''نظام مصطفیٰ تحریک'' کا نام دیا اور اسے کامیاب بنایا۔ بعد ازاں جنرل ضیاء الحق کے مارشل لا اور آمریت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ 1985ء میں سندھ میں لسانی فسادات کی سازش کو ناکام بنایا۔ ''سندھ یونٹی بورڈ'' کے زیر اہتمام پورے سندھ کے دورے کئے گئے۔

مولانا شاہ احمد نورانی رمضان المبارک میں ہر سال نماز تراویح میں قرآن پاک سناتے تھے اور تراویح میں سنایا گیا پارہ بعد میں دوسری مسجد میں نوافل کے دوران میں، جبکہ تیسری مسجد میں نمازِ تہجد کے دوران تلاوت کرتے تھے، جب کہ ختمِ قرآن کے بعد دو محافلِ شبینہ میں بھی قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ مولانا شاہ احمد نورانی صاحب کی اچانک وفات سے ایک تو قوم جید عالم دین، ممتاز آئین دوست اور جمہوریت پسند سیاسی رہنما سے محروم ہو گئی ہے، دوسرے یہ غم انگیز سانحہ اس وقت پیش آیا ہے جب ان کی رہنمائی میں ملک کا ایک بہت بڑا اور اہم سیاسی اتحاد ''اے آر ڈی'' حکومتِ وقت کے ساتھ بنیادی آئینی امور پر ایسا معاملہ طے کرنے والا تھا جس کے قوم و ملک کے مستقبل پر گہرے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کی وفاتِ حسرتِ آیات دوہرے نقصان کا باعث بنی ہے جس کی تلافی مشکل نظر آتی ہے۔

ادارہ ''ندائے خلافت'' ان کے بھائیوں، بہنوں، فرزندوں اور صاحبزادیوں کے غم و اندوہ میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل کی توفیق ارزانی کرے۔(493)

پچاس لاکھ جوتے کی نوک پر

تحریک ختم نبوت 1974ء کے دوران مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلانے کیلئے مولانا نورانی نے ملک بھر میں اپنے رفقاء علمائے اہلسنت کے ساتھ زبردست جدوجہد کی اور تبلیغی دورے فرمائے۔ پھر اس سلسلہ میں 30 جون 1974ء کو قومی اسمبلی میں قرارداد پیش کرنے کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا چنانچہ 7 ستمبر 1974ء کو قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ ''مرزا غلام احمد کے پیروکار خواہ انہیں لاہوری قادیانی یا کسی نام سے پکارا جاتا ہو مسلمان نہیں ہیں۔'' قرارداد پیش کرنے سے قبل لاہوری مرزائیوں نے آپ کو پچاس لاکھ روپے کی پیش کش کی کہ قرارداد میں ہمارا ذکر نہ لایا جائے۔ مولانا نورانی نے فرمایا ''آپ کی پیش کش ہمارے جوتے کی نوک پر ہے قرارداد سے کوئی لفظ حذف نہ ہوگا۔''

مناظر اسلام علامہ اچھروی

مناظر اسلام مولانا محمد عمر اچھروی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفظِ ختم نبوت و ردِ مرزائیت میں کتاب ''مقیاسِ نبوت'' تین ضخیم جلدوں میں 1458 صفحات پر مشتمل شائع فرمائی، جس میں ختمِ نبوت کے دلائل، جھوٹی قادیانی نبوت کی فریب کاریوں کا مکمل جواب اور قادیانی مذہب کے عقائد باطلہ اور اخلاق رذیلہ کی نقاب کشائی میں حوالہ جات کا انبار لگا دیا۔

پروفیسر برنی

پروفیسر محمد الیاس برنی نے بھی قادیانی مذہب کا رد بلیغ کیا اور 946 صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب ''قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ'' اور 272 صفحات پر مشتمل ''مقدمہ قادیانی

مذہب'' شائع کیا اور مرزائیت کا ناطقہ بند کر دیا۔ علاوہ ازیں بے شمار کتب و رسائل اور مضامین میں سنی بریلوی علما نے مرزائیت کا تعاقب جاری رکھا اور مسلسل تحفظ ختم نبوت کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ۔ (494)

بچو بچو قادیانی جال سے بچو!

وہ چوبیس برس کا جوان رعنا تھا نام محمد جمیل جو اس کے حسن صورت کا عکاس تھا وہ باغوں اور کالجوں کے شہر لاہور میں پلا بڑھا تھا اس نے بی اے تک تعلیم پائی تھی۔ تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا وہ درخواستیں اور انٹرویوز دے دے کر تھک گیا لیکن اس کو نوکری نہ ملی کیونکہ اس کے پاس کسی ایم پی اے یا ایم این اے کی سفارش وغیرہ نہ تھی ایک دن اسے ایک بوڑھا شخص ملا جس کا انداز تکلم بڑا دھیما، میٹھا، چہرے پر فرنچ کٹ داڑھی اور ہاتھ میں ایک مخصوص انگوٹھی تھی۔ وہ اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اسے کنٹین میں لے گیا، بڑی پر تکلف چائے پلائی اور ساتھ ہی ساتھ پیار بھرے لہجے میں میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا۔ چائے سے فراغت کے بعد بوڑھے نے جمیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! تمہاری ملازمت کا کام تو پکا ہو گیا اور نوکری بھی معمولی نہیں بلکہ بہت اعلیٰ ہو گی اور چند ہی مہینوں میں تمہارے حالات یکسر بدل جائیں گے۔ وہ بڑے جذباتی انداز میں بوڑھے کا شکریہ ادا کرنے لگا۔ بوڑھے نے کہا، بیٹا! شکریہ کی کیا ضرورت! دکھی لوگوں کے کام آنا میری زندگی کا نصب العین ہے اس کے بعد بوڑھے نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکالا اور اس کی پشت پر ایک شخص کے نام رقعہ لکھ دیا۔ بوڑھے نے جمیل سے کہا کہ اب تم یہ خط لے کر ربوہ چلے جاؤ میرا یہ کارڈ فلاں شخص کو دینا وہ فوراً تمہاری ملازمت کا بندوبست کر دے گا جمیل ربوہ جا کر جب اس شخص سے ملا تو اس نے کہا کہ آپ کی آمد کی اطلاع مجھے کل ہی مل گئی تھی اور میں آج آپ کا منتظر تھا آپ کی ملازمت کا بندوبست ہو چکا ہے۔ ہم آپ کو اپنے خرچے پر جاپان بھیجیں گے جہاں آپ کی تنخواہ پچیس ہزار پاکستانی روپے ہو گی۔ ''مجھے کب جانا ہو گا؟'' جمیل نے پوچھا ''جب آپ کی مرضی۔'' کرسی پہ بیٹھے شخص نے جواب دیا۔ لیکن اس کام کیلئے ہماری

بھی کچھ شرائط ہیں، جنہیں آپ کو پورا کرنا ہوگا" آپ کو مجھے لکھ کر دینا ہوگا کہ آپ قادیانی ہیں"۔ "وہ کیوں" "اسی بنیاد پر تو آپ باہر جائیں گے۔" "وہ کیسے؟" "آپ کو درخواست میں لکھنا ہوگا کہ میں ایک قادیانی ہوں۔ آپ صرف قادیانی ہونے کا اقرار کرلیں اور کمرے میں لگی ہوئی یہ تصویر ہمارے مرزا قادیانی صاحب کی ہے انہیں نبی تسلیم کرلیں، ہم آپ کی درخواست کی تصدیق کردیں گے۔ جب آپ جاپان پہنچیں گے وہاں ائیر پورٹ پر ہمارا آدمی آپ کے استقبال کیلئے موجود ہوگا۔ وہ جاپانی انتظامیہ کو تصدیق کردے گا کہ آپ واقعتاً قادیانی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ شخص آپ کی رہائش اور ملازمت کا بندوبست بھی کردے گا۔ اس سے بڑھ کر ہم آپ کیلئے کیا کرسکتے ہیں؟

حق کی انگڑائی

جمیل اس تہہ در تہہ گھناؤنی سازش کو سمجھ چکا تھا اس کے دل میں جذبات کا ایک سمندر موجزن ہو رہا تھا وہ کرسی پر بیٹھے شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گرجدار آواز میں کہنے لگا۔ "میں اسلام فروش نہیں ہوں، میں ملت فروش نہیں ہوں، میں وطن فروش نہیں ہوں، میں اسلام سے دغا نہیں کرسکتا، میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو خفا نہیں کرسکتا۔ میں عقیدہ ختم نبوت سے بغاوت نہیں کرسکتا۔ میں غریب ضرور ہوں لیکن باکردار ہوں، باوقار ہوں، میری حب النبی زندہ ہے، میری حب الوطنی تابندہ ہے میں تمہارے انگریزی نبی پر لعنت بھیجتا ہوں میں تمہارے جاپانی ویزے کو پائے حقارت سے ٹھکراتا ہوں، میں اس لمبی چوڑی تنخواہ پر تھوکتا ہوں۔ تمہارا یہ جال کتنے لوگوں کے ایمانوں کا مقتل بنا؟ تمہارے اس جال کی رسیوں کے پھندے سے کتنے لوگوں کے ایمانوں کو پھانسی دی گئی؟ ان شاءاللہ وہ وقت دور نہیں جب تمہیں نیست ونابود کردیا جائے گا۔ جمیل شدید غصہ میں کمرے سے اٹھا اور زور زور سے پاؤں مارتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ سڑک پر آکر وہ ویگن میں سوار ہوکر عازم لاہور ہوا۔

جب گھر پہنچا تو سورج ڈوبنے میں چند منٹ باقی تھے۔ وہ دروازہ کھٹکھٹانے لگا تو اسے

گھر سے زوردار قہقہوں کی آواز سنائی دی۔اس نے دروازہ کھٹکھٹایا دروازہ کھلا تو جمیل نے دیکھا کہ اس کی ہمشیرہ کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ ہے اور وہ انتہائی خوشی میں مبارک باد کے ساتھ اپنے بھائی کو مٹھائی پیش کر رہی ہے۔جمیل سخت پریشان ہو جاتا ہے۔کیسی مبارک باد؟ کیسی میٹائی؟ جمیل نے پوچھا ''آج صبح تمہارے جانے کے دو تین گھنٹے بعد ابا جی کے دوست آئے اور ان کے ہاتھوں میں تمہارا ''اپوائنٹ منٹ لیٹر'' (تقرری نامہ) تھا اور تمہیں سترہویں سکیل میں نوکری مل چکی ہے'' اس کی ہمشیرہ نے بتایا۔یہ حیران کن خبر سن کر جمیل کی آنکھوں میں خوشی وتشکر سے آنسو آ گئے جو اس کی پلکوں میں موتی بن کر جھلملانے لگے اور اس کی زبان پر قرآن مجید کی یہ آیت جاری ہوگئی (وَاللّٰهُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ) اور اللہ رزق دینے والوں میں بہتر ہے۔

قادیانیت سے توبہ

علماء اہلسنت ہمیشہ قادیانیوں سے برسرپیکار رہے اور انہیں ہر میدان میں چنے چبواتے رہے ہیں۔غزالیٔ زماں، امام اہلسنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی، قائد اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی، مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی، حضرت علامہ سید فیض الحسن آلو مہار شریف، علامہ سید محمود احمد رضوی، حضرت علامہ مولانا محمد شریف نوری قصوری، مجاہد ملت مولانا خدا بخش اظہر شجاع آبادی، خورشید ملت مولانا خورشید احمد فیضی، مناظر اسلام علامہ منظور احمد فیضی، فیض ملت حضرت مولانا فیض احمد صاحب اویسی جیسے بزرگوں اور ان کے رفیقوں، مریدوں وشاگردوں نے تحریک ختم نبوت کیلئے جو قربانیاں دی ہیں وہ قابل ستائش ہیں آج بھی ماہنامہ السعید ملتان کے صفحات گواہ ہیں کہ غزالیٔ زماں کے غلاموں نے قادیانیوں سے مناظرے کرکے ان کے منہ میں ایسے پتھر ڈالے ہیں کہ وہ بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔مولانا رشید احمد عباسی ریٹائرڈ زونل خطیب محکمہ اوقاف پنجاب نے کچھ عرصہ قبل مڈل سکول موضع رسول پور میں ختم نبوت کانفرنس کا انعقاد کیا، اہلسنت میں سے فقیر کو مدعو کیا اور مولانا اللہ وسایا صاحب ملتانی جسے شاہینِ ختمِ نبوت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اس کے

بعد فقیر کا بیان ہوا۔ فقیر نے دورانِ گفتگو یہ نقطہ اٹھایا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کسی نبی کا اس دنیا میں کوئی استاد نہیں ہے یعنی اللہ کے نبی اللہ تعالیٰ کے درس میں پڑھ کر آئے ہیں اور دنیا والوں کو پڑھاتے رہے ہیں۔ مگر ایک قادیانی ہے جو الف، با، تا، سے لے کر اپنے آخری علم تک سب کچھ اپنے استادوں سے پڑھتا ہے۔ ان کے جوتے سیدھے کرتا ہے اور ان سے مار کھاتا ہے، مرغا بنتا ہے اور ان سے ایسا علم حاصل کیا ہے کہ نہ صرف گمراہ ہوا ہے بلکہ کافروں کے زمرے میں خود بخود شامل ہوگیا ہے۔ اگر بالفرض یہ سچا نبی ہوتا تو یہاں نہ پڑھتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پڑھ کر آتا۔ فقیر کے پاس یہ کتاب موجود ہے جس میں لکھا ہوا ہے کہ وہ فلاں فلاں استاد کے پاس پڑھتا رہا ہے لہٰذا وہ اپنے اس دعویٰ میں سچا نہیں، کسی مرزائی میں ہمت ہو تو وہ اس بات کا جواب دے یہ دلیل سن کر ایک درجن سے زیادہ مرزائیوں نے توبہ کر لی اور مسلمان بن گئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد ہمارے شاگرد رشید قاری رجب حسین سعیدی اور عبدالرحیم خان شکرانی نے حاجی رسول بخش خان شکرانی مرحوم کے قائم کردہ مدرسہ محمودیہ سعیدیہ میں ایک عظیم الشان جلسہ کرایا اس جلسہ میں خطاب کیلئے شیخ الحدیث حضرت علامہ پیر سید ارشد سعید کاظمی کو بلایا گیا آپ نے مرزائیت کے رد میں پُرمغز تقریر فرمائی آپ کی تقریر سن کر بہت سے مرزائی تائب ہوئے اور دامنِ اسلام سے وابستہ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی ایمان کی حفاظت فرمائے! آمین۔

فصل پنجم

1965 کی جنگ میں غیبی امداد

مولانا محمد صادق رضوی لکھتے ہیں 6 ستمبر 1965ء کی جنگ میں ظاہری برتری پاکستان کی فوجی قوت کی عظیم الشان مظاہرہ کے پس پردہ تھی بفضلہٖ تعالیٰ محبوبان خدا و بزرگان دین کی روحانی امداد و باطنی فیوضات بدستور پاکستان و افواج پاکستان کی پشت پناہی فرما رہے تھے اور اس روحانی و باطنی امداد و اعانت کی خبریں تواتر و تسلسل کے ساتھ پاکستانی اخبارات و جرائد میں چھپ رہی تھیں، جن کی کثرت تعداد و مجموعی صورتحال کے بعد کسی دانشمند وانصاف پسند کیلئے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

شورش کاشمیری

مشہور مؤرخ وصحافی شورش کاشمیری نے بھی اپنے ہفت روزہ ''چٹان'' میں بدیں عنوان بعض واقعات کو اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔

''سنتے تھے معجزوں کے زمانے گزر گئے''

یعنی سنتے تو تھے کہ معجزوں کے زمانے گزر گئے ہیں لیکن مشاہدہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ خاتم النّبیین اور، زندہ جاوید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آپ کی سچی غلامی کی بدولت اولیائے کرام کی کرامات کا سلسلہ جاری ہے:

آنکھ والا تیرے جلووں کا نظارہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

الغرض بعنوان بالا شورش کاشمیری نے ''چٹان'' میں لکھا کہ ''یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اس جنگ (ستمبر 1965ء) میں تائیدِ ایزدی سرکارِ دوعالم کی پشت پناہی اور بزرگانِ دین کی دعائیں شامل حال نہ ہوتیں تو شاید پاکستان کو فتحِ مبین کی بجائے ناقابل رشک

حالات سے دو چار ہونا پڑتا۔ حق و باطل کی اس آویزش میں اکثر و بیشتر ایسی باتیں مشاہدے میں آئی ہیں جن پر بظاہر یقین نہیں آتا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا ہوا ہے۔ باور کیجئے کہ اسلام اور صرف اسلام ہی ایک دفعہ پھر پاکستان کے مسلمانوں کی حفاظت اور عظمت وسطوت کیلئے ناقابل تسخیر قلعہ بن گیا اور یہ جنگ بھی اسلام کی روحانی قوت کا کرشمہ ثابت ہوئی۔ ان بے شمار مافوق الفطرت واقعات میں نہ تو مبالغہ آرائی کو کوئی دخل ہے اور نہ ہی زیب داستان کیلئے یہ قلمکاری کی گئی ہے۔

پر اسرار بزرگ کی مدد

ایک محاذ پر توپوں کے دھانے کھلے ہوئے تھے بھارتی بھیڑیئے گولہ باری کر رہے تھے۔ پاکستانی مجاہد جوابی کاروائی میں مصروف تھے کہ ایک سفید ریش بزرگ سادہ دیہاتی لباس میں عین مورچہ پر تشریف لے آئے اور توپچی کو گولہ پھینکنے کیلئے نشاندھی کرنے لگے آپ انگشت شہادت سے اشارہ کرتے کہ "اس طرف گولہ پھینکا جائے۔" چنانچہ ان کے کہنے کے مطابق توپ کا زاویہ بدل دیا جاتا اور عجب بات یہ ہے کہ گولہ ٹھیک نشانہ پر لگتا جس کی وجہ سے دشمن کی صفوں میں نہ صرف ابتری پھیل جاتی بلکہ اس کے ٹینک اور توپیں بھی برباد اور ناکارہ ہو جاتیں اور آخر کار بھارتی ٹینک پسپائی پر مجبور ہو جاتے۔ ایک دن پاکستانی میجر کو خیال آیا کہ یہ درویش کون ہیں جو روزانہ محاذ پر رہنمائی کرتے ہیں دوسرے دن صبح بزرگ کو بلایا گیا۔ اردلی افسر کا اشارہ پاتے ہی ایستادہ ہو گیا اور سفید ریش بزرگ سے استفسار کیا گیا "آپ کون ہیں؟ اور کہاں سے تشریف لاتے ہیں؟" درویش بزرگ نے کوئی جواب نہ دیا اور بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پانی طلب کیا۔ اردلی پانی لینے گیا تو میجر کرسی پر بیٹھنے کیلئے بڑھا۔ جونہی توجہ دوسری طرف مبذول ہوئی تو میجر نے دیکھا وہ کرسی خالی پڑی ہوئی ہے، جس پر بزرگ تشریف فرما تھے۔ میجر اور تمام لوگ حیران تھے کہ یہ کیا کرشمہ ہے۔ تلاشِ بسیار کے بعد بھی وہ بزرگ پھر اس محاذ پر نظر نہ آسکے۔

شیرِ خدا کی مدد

حکیم واسطی لاہور جنگ کے دنوں وطنِ عزیز سے باہر تھے ان کا بیان ہے کہ عمرہ کرنے کے بعد جب زیارت روضۂ اطہر کیلئے مدینہ منورہ پہنچا تو وہاں مولانا عبدالغفور مہاجر مدنی (خلیفہ پیر فضل علی قریشی مسکین پوری) نے دوران ملاقات فرمایا کہ ایک رات حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے خواب میں ملاقات ہوئی میں نے عرض کیا "آپ نجفِ اشرف سے کیسے تشریف لے آئے" تو فرمایا "پاکستان پر کفار حملہ آور ہیں اس لیے وہاں جہاد میں شرکت کیلئے جا رہا ہوں"

میاں شیر محمد کی مدد

ایک عزیز دوست شرقپور سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ کے دنوں ایک رات مجھے حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خواب میں زیارت ہوئی تو آپ کا لباس گرد آلود اور ہاتھ قدرے میلے تھے۔ میں نے پوچھا "حضرت! اس وقت کون سی مصروفیت ہے" تو آپ نے اشارتاً فرمایا کہ "محاذ پر جہاد جاری ہے اور مجاہدین کی اعانت فرض ہے"

حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش کی مدد

ایک صاحب قصور کے رہنے والے ہیں اور ہر ہفتہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضری دیا کرتے ہیں۔ وہ ایک دن حسب معمول مزار پر حاضر ہوئے تو کوششِ بسیار کے باوجود صاحب مزار سے کوئی توجہ نہ مل سکی، اس پس وپیش کے عالم میں انہوں نے تین دن تک یہیں قیام کیا۔ آخری رات چند لمحات کیلئے زیارت ہوئی تو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "محاذ پر مصروف تھا، سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق تمام بزرگانِ دین پاکستان کی سرحدوں پر متعین کئے گئے ہیں اور پاکستان کی حفاظت کیلئے جہاد کا حکم دے دیا گیا ہے"۔

سبز پوش کی مدد

لاہور کی ایک جامع مسجد کے خطیب نے منبرِ رسول پر کھڑے ہو کر حلفیہ بیان کیا بھارتی فوجیوں اور ہوابازوں کو جب پاکستان کی بہادر فوجوں نے گرفتار کیا تو وہ حیران ہو کر پوچھتے کہ ''پاکستان کا وہ سبز پوش مجاہد کہاں ہے کہ ہم سخت سے سخت حملہ کرتے تھے لیکن وہ سبز پوش بڑے اطمینان سے ہمارے حملے ناکارہ بنا دیتا اور ہمیں پسپائی پر مجبور کر دیتا'' اور انتہا یہ کہ بھارتی ہواباز پاکستان کے ایک معروف شہر پر تقریباً اڑھائی سو بم گراتے رہے ہیں لیکن اللہ کے فضل سے اس شہر کے ہوائی اڈے کا بال بھی بیکا نہیں ہوا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کرشمہ نہیں تو اور کیا ہے؟ الغرض ایسے لاتعداد واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ اللہ تعالیٰ کے فضل سے لڑی گئی ہے اور خالقِ کون ومکاں کے محبوب، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے پایاں فیض وبرکت سے فتح یاب ہوئی ہے۔ بلا شبہ ایسے خرق عادات واقعات ہوئے ہیں جن کی چشم دید گواہ ابھی تک موجود ہیں اور ان کی صداقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا''۔(495)

رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد

مدینہ منورہ سے نور محمد بٹ (کراچی) کے نام مولوی محمد انعام صاحب کا جو مکتوب موصول ہوا ہے اس میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ ''یہاں جس روز لاہور پر حملہ ہوا''، اسی شب میں ایک دو حضرات نے خواب میں دیکھا کہ حرم شریف میں مجمع کثیر ہے اور روضۂ اقدس سے جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت عجلت میں تشریف فرما ہوئے اور ایک بہت خوبصورت تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر باب السلام تشریف لے گئے۔ بعض حضرات نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس قدر جلدی گھوڑے پر کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟'' فرمایا ''پاکستان میں جہاد کیلئے۔'' ایک دم برق کی مانند بلکہ اس سے بھی کہیں تیز روانہ ہو گئے۔ ان کے پیچھے مواجہہ شریف سے پانچ حضرات ایک موٹر میں سوار ہو کر ہوائی جہاز کی طرح پرواز کر گئے اور بہت سے خواب اس اثناء میں اللہ کے نیک بندوں نے دیکھے

ہیں۔ دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ثابت قدم رکھے اور بطفیل جناب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فتح اور عزت عطا فرمائے۔ آمین۔ (496)

مدنیہ منورہ سے سجادہ نشین درگاہ تونسہ شریف حضرت خواجہ خان محمد صاحب کو ایک عقیدت مند نے خط لکھا ہے کہ حرم پاک سے ایک غلام دستگیر نامی بزرگ نے خواب دیکھا ہے کہ روضۂ مبارک حضور ﷺ کے اندر سے پانچ افراد جو فوجی لباس میں ملبوس تھے برآمد ہوئے اور باب السلام سے نکل کر اونٹوں پر سوار ہو گئے۔ ان کے سر پر لا تعداد پرندے سایہ کئے ہوئے تھے میں نے جب پوچھا کہ "کہاں جا رہے ہو" تو ان پانچوں فوجی لباس والے بزرگوں نے کہا کہ "وہ پاکستان کی مدد کیلئے جا رہے ہیں" یہ خط 17 ستمبر کو لکھا گیا تھا جب پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ جاری تھی۔ خط میں جس بزرگ کے خواب کا حوالہ دیا گیا ہے وہ حرم نبی کے خادم ہیں اور قندھار (افغانستان) کے رہنے والے ہیں انہوں نے 12 ستمبر کی رات کو یہ خواب حرم شریف میں دیکھا تھا۔" (497)

تقسیم اسلحہ

"ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجاہدین میں اسلحہ تقسیم کر رہے ہیں۔" (498)

مزار بلال سے آواز

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ایک مجاور نے دیکھا کہ جس دن رات کو پاکستان پر حملہ ہوا ہے۔ گنبد کے اندر سے حی علی الجہاد کی آواز سنائی دے رہی تھی۔" (499)

اصحابِ بدر کی مدد

ایک آدمی نے کہا میں مدینے سے ایک شام جب احرام باندھ کر مکہ معظّمہ جانے لگا تو راستے میں بدر کا میدان اور مغرب کی نماز کا وقت آ گیا تھا ایک بدو امامت کر رہا تھا۔ نماز پڑھ کر وہ پوچھنے لگا کہ "تم پاکستان سے آئے ہو؟" میں نے کہا "ہاں" اس پر وہ مجھ سے

پوچھنے لگا کہ "ارے! ابھی تمہیں فتح نہیں ہوئی۔" میں نے کہا "ابھی پوری فتح نہیں ہوئی" اس پر وہ جھڑک کر بولا کہ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بدر کے سپاہی یہاں سے اٹھ کر تمہاری مدد کیلئے پاکستان جائیں اور تمہیں فتح نہ ہو۔" واپسی پر جب پاکستان آیا تو معلوم ہوا کہ ان بزرگوں نے جو بشارتیں دی تھیں وہ حرف بہ حرف صحیح تھیں اور یہاں جو کچھ ہوا اس میں بلاشبہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بزرگان ملت بیضا کی تائید غیبی کو بہت بڑا دخل ہے۔(500)

ناقابل تردید حقیقت

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ (1965ء کی جنگ میں) ہندوستان سے ہماری کامیابی کا اصل راز تائید ایزدی ہے۔ بعض بھارتی قیدیوں نے ہماری فوج کے شانہ بشانہ سبز لباس بزرگوں کو لڑتے دیکھا ہے یا کسی سفید پوش بزرگ کو دشمن کے بم اٹھا کر پانی میں پھینکتے دیکھا ہے۔(501)

حضرت علی اور حسنین کریمین کی مدد

ایک نہایت معتبر شخص نے بیان کیا کہ "5 ستمبر (1965ء) کو ایک شخص ایبٹ آباد میں گھاس کاٹ رہا تھا کہ اس نے دو، نوجوانوں کو گھوڑوں پر سوار بڑی تیزی سے گزرتے دیکھا۔ تھوڑی دیر بعد جب گھاس کاٹ چکا تھا تو اس نے ایک معمر ہستی کو گھوڑے پر تیزی سے گزرتے دیکھا۔ اس نے ان کو رُکنے کا اشارہ کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ گھاس کا گٹھڑا اس کے سر پر رکھوا دیں۔ انہوں نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے اپنی چھڑی سے اشارہ کیا تو گٹھڑا اپنے آپ اس کے سر پر رکھا گیا۔ اس کو ڈر معلوم ہوا لیکن اس نے فوراً اپنا گٹھڑا پھینک کر گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور پوچھا "آپ کون ہیں؟" انہوں نے جواب میں فرمایا "میں علی ہوں" سیالکوٹ پر ہندوستان حملہ کرنے والا ہے اور میں وہاں جا رہا ہوں" پھر اس نے دریافت کیا کہ "آپ سے پہلے جو دو، نوجوان گئے تھے وہ کون تھے؟" انہوں نے جواب دیا کہ "وہ حسنؓ اور حسینؓ تھے" گھسیارے نے جس کسی سے بھی یہ واقعہ دہرایا اس کا مذاق اڑایا گیا بالآخر 7 ستمبر کو سیالکوٹ پر بھارت نے حملہ کر دیا۔

غوثِ اعظم کی مدد

دو فوجیوں کا بیان ہے کہ انہیں بزرگوں پر اعتقاد نہیں تھا لیکن انہوں نے اپنی آنکھوں سے سیالکوٹ کے محاذ پر ایک بزرگ کو گھوڑے پر سوار ہو کر لڑتے دیکھا اور ان کے صافے پر لکھا تھا ''شیخ عبدالقادر جیلانی'' اس قسم کے متعدد واقعات مشہور ہیں۔(502)

افواج پاکستان کے نعرے، اللہ والوں کی مدد

پاکستانی افواج نے اللہ اکبر، یا رسول اللہ، اور یا علی کے نعرے لگاتے ہوئے بھارتی ٹڈی دل فوج کو بری طرح شکست دی ہے۔ اس معرکہ میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی شیر خدا رضی اللہ عنہ (مع اولیائے کرام) اپنے مجاہدوں کے سروں پر موجود تھے۔ 12 سو میل لمبے محاذ پر کپڑوں والے مجاہد اور سفید لباس میں ایک بزرگ اور دوسرے بزرگ گھوڑے پر سوار دیکھے گئے۔ چونڈہ (نہایت معرکۃ الآرا محاذ) کے نزدیک ایک نورانی گروہ کو مہاجرین کی امداد کرتے ہوئے مجاہدین کے ساتھ یا رسول اللہ مدد کے نعرے لگاتے ہوتے ہوئے دیکھا گیا۔ سرگودھا کے ہوائی اڈے پر ایک بزرگ اپنی جھولی میں بم لیتے ہوئے دیکھے گئے۔ بعض مقامات پر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یا علی کے نعرے سنے گئے، ان معجزات اور محیر العقول واقعات کا اعتراف مسلمان جوانوں مجاہدوں شہریوں کے علاوہ بھارت کے جنگی قیدیوں نے بھی کیا ہے۔(503)

رام چرن کا خاتمہ

''راولپنڈی 24 اگست (1965ء) مظفر آباد سے اطلاع ملی ہے کہ کل رات بھارتی فوج نے چناری سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو مجاہدین نے اس کوشش کو ناکام بنا دیا۔ بتایا گیا ہے کہ مجاہدین ''یا علی'' کا نعرہ لگا کر آگے بڑھے تو ایک بھارتی سپاہی رام چرن دہشت سے وہیں گر کر ہلاک ہو گیا''(504)

فصل ششم

تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

7 مارچ 1977ء کو قومی اسمبلی کے انتخابات ہوئے عوام نے والہانہ جوش وخروش سے اپنے ووٹ کا حق استعمال کیا اور بڑی بے صبری سے نتیجے کا انتظار کرنے لگے۔ 8 مارچ کو نتیجہ آیا تو پتا چلا کہ ان کا ووٹ دھاندلی کا شکار ہوگیا ہے۔ 9 مارچ 1977ء کو پاکستان قومی اتحاد نے انتخابی دھاندلی کا الزام لگایا لیکن حکومت نے اسے مسترد کر دیا وزیر اعظم بھٹو نے کہا: انتخابات کے سوا اپوزیشن سے دوسرے تمام امور پر بات چیت ہوسکتی ہے، 14 مارچ کو پاکستان قومی اتحاد کے فیصلے کے مطابق ملک کے مختلف حصوں میں احتجاجی مظاہرے شروع ہوگئے لاہور میں بڑا جلوس ایئر مارشل اصغر خان، میاں طفیل محمد، ملک محمد قاسم، میاں خورشید محمود قصوری اور قاری عبدالحمید نے دفعہ 144 کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نکالا اسی روز (جمعیت العلماء پاکستان کی جانب سے) پاکستان قومی اتحاد کے سیکرٹری جنرل رفیق احمد باجوہ نے وزیر اعظم بھٹو سے ملاقات کی جس کی پاداش میں قومی اتحاد نے ان سے استعفیٰ طلب کرلیا اور پروفیسر غفور کو نیا سیکرٹری جنرل بنا دیا۔ اگلے روز مسجد شہداء کے باہر پولیس اور مظاہرین میں تصادم ہوا، پولیس نے مسجد کے اندر جا کر تشدد کا مظاہرہ کیا۔ تیسرے دن بھی مظاہرے ہوئے حیدآباد میں پولیس کی فائرنگ سے ایک شخص ہلاک ہوگیا۔ 17 مارچ کو پولیس نے لاہور میں ایئر مارشل اصغر خاں کو گرفتار کرلیا۔ پورے ملک میں مظاہروں کی آگ لگی ہوئی تھی۔ پانچویں روز مولانا شاہ احمد نورانی، شیر باز مزاری، محمود علی قصوری بیگم نسیم ولی خاں کو گرفتار کرلیا گیا۔ مفتی محمود کے مطالبے پر دو روز بعد اصغر خان غفور احمد، شاہ احمد نورانی اور شیر باز مزاری کو رہا کر دیا گیا۔ 24 مارچ کو ہڑتال کے سلسلے میں پاکستان قومی اتحاد کے رہنماؤں مفتی محمود، پروفیسر غفور احمد، میاں طفیل، ملک قاسم، مولانا شاہ احمد نورانی، شیر باز مزاری، شاہ فرید الحق، ظہور الحسن بھوپالی، مولانا حامد علی خاں خضر حیات اور خواجہ صفدر کو تین

سال کے لیے جیل میں اور بیگم نسیم ولی کو ان کے گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔ قومی اتحاد کے قائم مقام صدر نواب زادہ نصر اللہ خان نے گرفتایوں کے باوجود تحریک جاری رکھی۔ 29 مارچ کو ذوالفقار علی بھٹو کو پانچ سال کیلئے وزیر اعظم منتخب کرلیا گیا۔ 30 مارچ کو لاہور کی مسلم مسجد میں نمازیوں پر پولیس کی فائرنگ اور بوٹوں سمیت مسجد میں گھس کر نمازیوں پر تشدد کا واقعہ پیش آیا۔ پنجاب صوبائی اسمبلی کے ارکان کی حلف برداری کے وقت عوامی احتجاج کے خلاف پولیس کی فائرنگ سے 18 افراد ہلاک ہوئے۔ لاہور ہائی کورٹ میں پناہ لینے والے سیاسی کارکنوں پر تشدد اور سینکڑوں افراد کی ہلاکت اہم واقعات میں شامل ہے، وسیع پیمانے پر گرفتاریوں کے باوجود تحریک پر قابو نہ پایا جاسکا، کرفیو کے باوجود بھٹو حکومت نے اپنے آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے، کراچی، حیدآباد، ملتان اور لاہور میں مارشل لا نافذ کر دیا۔ مارشل لا کے باوجود عوام کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آیا۔ حکومتی ذرائع کے مطابق 250 افراد اور قومی اتحاد کے مطابق 900 افراد لقمۂ اجل بنے۔ ان حالات میں سعودی عرب کے سفیر ریاض الخطیب نے مصالحتی کردار ادا کیا۔ آزاد کشمیر کے سابق صدر سردار عبد القیوم بھی شریک تھے۔ قومی اتحاد کے رہنماؤں نے مذاکرات کئے۔ حکومت کے طرف سے مسٹر بھٹو، مولانا کوثر نیازی اور عبد الحفیظ پیرزادہ اور طاہر محمد خان، قومی اتحاد سے مولانا مفتی محمود نوابزادہ نصر اللہ خان، پروفیسر عبد الغفور اور ایئر مارشل اصغر خان شامل تھے۔(505)

ایٹم بم

18 مئی 1974ء کو جب بھارت نے پاکستان کی سرحد کے قریب ایٹمی دھماکہ کیا تو ڈاکٹر عبد القدیر خان نے ہالینڈ سے وزیر اعظم پاکستان کو خط لکھ کر ملک وقوم کی خدمت کرنے کا اظہار کیا۔ وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں حساس اداروں سے معلومات حاصل کیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر صاحب ملک کو ایٹمی قوت بنانے کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر خان کو ملاقات کیلئے بلا لیا ڈاکٹر صاحب نے مسٹر بھٹو کو مطمئن کیا تو انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو ایٹمی توانائی کمیشن کے اعلیٰ

افسروں سے ملنے کی ہدایت کی۔ڈاکٹر صاحب نے ان کو ایٹمی طاقت بننے کے بارے میں بتایا تو ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ڈاکٹر صاحب کی شکایت پر یہ پراجیکٹ ایٹمی توانائی کمیشن سے علیحدہ کر دیا گیا اور مسٹر غلام اسحاق خاں کو اس پراجیکٹ کا انچارج بنا دیا گیا۔اس کیلئے کہوٹہ کو چن لیا گیا، مسٹر بھٹو کے ایما پر ڈاکٹر صاحب نے اپنا استعفیٰ ہالینڈ بھیج دیا۔جولائی 1976ء کو کہوٹہ پلانٹ کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔کہوٹہ پلانٹ کی تکمیل 1980ء میں ہوئی پلانٹ کی تعمیر کے دوران 1978ء میں سینٹری فیوج مشین چلائی، جس میں یورینیم کی افزودگی شروع کی گئی، پلانٹ کی تیاری میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو فری ہینڈ دے دیا گیا تھا۔1981ء میں صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے نیوکلر ریسرچ لیبارٹریز کو ڈاکٹر A.Q خان ریسرچ لیبارٹریز کا نام دیا۔ 14 اگست 1989ء کو صدر پاکستان نے انہیں ہلالِ امتیاز سے نوازا۔ 9 ستمبر 1990ء کو ادارہ امورِ پاکستان نے مین آف دی ایئر کے اعزاز سے نوازا اور طلائی تمغہ بھی دیا۔ڈاکٹر صاحب برطانیہ، امریکہ، کنیڈا اور جاپان میں ایک درجن کے لگ بھگ وسیع سائنسی اور انجینئرنگ کے اداروں کے رکن ہیں۔(506)

ایٹم بم کی تصدیق

24 اگست 1994ء کو نیلا بٹ آزاد کشمیر کے جلسہ عام میں وزیر اعظم پاکستان جناب محمد نواز شریف نے بھارتی وزیر اعظم مسٹر نرسیما راؤ کو متنبہ کیا کہ وہ آزاد کشمیر پر حملے کے بارے میں نہ سوچیں ورنہ انہیں پاکستان کے ایٹم بم کا سامنا کرنا پڑے گا۔سردار عبدالقیوم خاں نے بھی پاکستان کے پاس ایٹم بم کی موجودگی کا تذکرہ کیا۔دونوں نے ہندو رہنماؤں سے کہا کہ اگر بھارت نے حملہ کیا تو ہم پوری قوت سے اس جارحیت کا جواب دیں گے۔ اس بیان نے تمام کشمیریوں اور پوری قوم کا ولولہ تازہ کر دیا اور حوصلوں کو نئی بلندی عطا کی۔(507)

بھٹو کا تختہ دھڑام

5 جولائی 1977ء کو بری فوج کے چیف آف سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق نے مسٹر

ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹ کر چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھالا۔ کاتب الحروف اس وقت ملتان شریف اپنے مرشد حضور قبلہ امام اہلسنت غزالئ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز کی خدمتِ اقدس میں موجود تھا اور ملک کی بگڑی ہوئی حالت پر گفتگو چلتی رہی۔ رات 11 بجے کے بولیٹن کا وقت ہونے لگا تو حضرت صاحب ریڈیو لے آئے سب سے پہلی خبر یہ آئی کہ بھٹو حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا ہے اور ملک کی باگ ڈور جنرل محمد ضیاء الحق نے سنبھال لی ہے اس وقت پورے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ غالباً تختہ الٹنے سے کچھ دیر پہلے بھٹو صاحب نے قوم سے خطاب کیا اور کہا میری کرسی بہت مضبوط ہے علماء کے خلاف بھی نازیبا الفاظ استعمال کئے تو اللہ پاک نے اسے مہلت نہ دی اور اس کی کرسی کو توڑ کر رکھ دیا اور اس کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ بے شک اللہ ہر شئے پر قادر ہے۔

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی نوجواں کیسے کیسے

جنرل محمد ضیاء الحق کا مختصر تعارف

ضیاء الحق 1924ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے، ہائی سکول شملہ سے میٹرک اور ثمن کالج سے بی اے کیا۔ مختلف تقرریوں کے بعد 1964ء میں لیفٹیننٹ کرنل بنے۔ مئی 1968ء میں ترقی دے کر ایک آرمرڈ ڈویژن میں بطور کرنل سٹاف تعیناتی ہوئی۔ مختلف ترقیوں کے بعد یکم مارچ 1976ء کو چیف آف آرمی سٹاف مقرر ہوئے۔ 5 جولائی 1977ء کو بھٹو حکومت کا خاتمہ کیا اور ملک کی زمام پکڑ لی۔ چوہدری فضل الٰہی کے عہدۂ صدارت کی مدت ختم ہونے پر 16 ستمبر 1978ء کو صدرِ پاکستان کا عہدہ سنبھالا اور نظامِ اسلام کے نفاذ کی کوششیں شروع کر دیں۔ زکوٰۃ وعشر، حدود آرڈیننس، شرعی عدالتوں کا قیام، بلاسود بنکاری کا نظام، قاضی عدالتوں کا قیام، اسلامی قانون شہادت اور نظامِ صلوٰۃ قائم کیا۔ (508)

فضائی حادثہ

17 اگست 1988ء کو صدر ضیاء الحق علی الصبح اسلام آباد سے پی اے ایف کے طیارے C.130 کے ذریعے ساڑھے نو بجے بہاولپور پہنچے۔ ان کے ہمراہ بری فوج کے اعلیٰ افسروں کے علاوہ پاکستان میں امریکی سفیر مسٹر آرنلڈ رافائیل اور ایک امریکی جنرل بھی تھے۔ صدرِ پاکستان نے بہاولپور میں اپنے ہمراہ جانے والی ٹیم کے ساتھ (امریکہ سے خریدے ہوئے) نئے ٹینکوں کی مشقیں دیکھیں۔

تقریباً اڑھائی گھنٹے اس میں مصروف رہے، مظاہرے کے بعد واپسی پر تمام متعلقہ حکام صدر کو الوداع کہنے کیلئے آئے۔ پونے چار بجے صدر مملکت جب اسلام آباد کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ پانچ دیگر جنرل بھی تھے اور ماہر بریگیڈیوں کے علاوہ ٹیکنیشن بھی تھے۔ جونہی جہاز دریائے ستلج کے پاس بستی لال کمال پہنچا تو جہاز دھماکے سے نیچے آگرا اور اس کو آگ لگ گئی۔ جہاز میں سوار سبھی افراد لقمۂ اجل بن گئے۔ (509)

توہین رسالت کی سزا

عبوری ''وزیراعظم پاکستان'' غلام مصطفےٰ جتوئی کے دور میں 30 اکتوبر 1990ء کو وفاقی شرعی عدالت نے محمد اسماعیل قریشی ایڈوکیٹ کی درخواست پر توہینِ رسالت کے مرتکب کو سزائے موت دینے کا فیصلہ کیا۔ قریشی صاحب نے دفعہ 259 سی کو فیڈرل کورٹ میں چیلنج کیا تھا۔ مقدمہ کی سماعت یکم اپریل 98ء کو شروع ہوئی جسٹس گل محمد، چیف جسٹس جسٹس عبدالکریم خان کندی جسٹس عبادت یار خان، جسٹس عبدالکریم تھیم، جسٹس ذاکر فدا محمد خان پر مشتمل بینچ لاہور کے علاوہ اسلام آباد اور کراچی میں اس کی سماعت ہوتی رہی، ہر مکتبِ فکر کے علمائے کرام نے اپنا اپنا موقف قلمبند کرایا۔ حافظ صلاح الدین اہلحدیث نے کہا: اہانتِ رسول کے مرتکب مجرم کا جرم ناقابل معافی ہے۔ جماعتِ اہلسنت کے رہنما مولانا مفتی غلام سرور قادری نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے مرتکب کو ارتداد کی بنیاد پر قتل کر دینا چاہیے۔ ممتاز سکالر سید متین ہاشمی اور جناب ریاض الحسن نوری

مشیر وفاقی شرعی عدالت نے سزائے عمر قید کے اسلامی احکام کے منافی ہونے کے متعلق دلائل دیئے۔ حکومتِ سندھ نے شاتم رسول کی سزا، سزائے موت تسلیم کی، تاہم عمر قید کی سزا کی بھی مخالفت نہیں کی۔ وفاقی شرعی عدالت نے حکم دیا کہ عمر قید کی سزا کو دفعہ 295 سی سے حذف کر دیا جائے۔ جس کے لیے 30 اپریل 1991ء تک مہلت دی گئی، اس کے خلاف حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی لیکن اسماعیل قریشی کے بقول ان کے انتباہ پر حکومت نے اپیل واپس لے لی اور اس طرح توہینِ رسالت کی سزا ''سزا'' کی حد کے طور پر نافذ العمل ہوگئی۔ محمد اسماعیل قریشی بہت خوش قسمت انسان ہیں کہ انہوں نے پاکستان میں گستاخِ رسول کی سزا کا قانون منظور کرالیا اور دنیا میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادنیٰ غلام کی حیثیت سے اپنا نام رقم کرالیا۔ (510)

بابری مسجد کا انہدام

میاں نواز شریف کے دور اقتدار میں 6 ستمبر 1992ء کو ہندوؤں نے اجودھیا میں بابری مسجد پر حملہ کر کے اس کے تینوں گنبد گرا دیئے اور اس پر کیسری جھنڈے لہرا دئے۔ مسلمانوں کی اس تاریخی مسجد کے شہید کرنے پر پاکستانی عوام نے زبردست احتجاجی مظاہرے کئے۔ یہ مسجد مغل شہنشاہ نے بنوائی تھی۔ وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف نے مسجد کی شہادت پر گہرے دکھ اور رنج کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ واقعہ وحشت ناک صدمے سے کم نہیں ہے انہوں نے اس سانحہ کو انتہا پسندی اور فاشزم کی بدترین مثال قرار دیا۔ مذہبی، سیاسی اور سماجی جماعتوں نے شدید مذمت کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا کہ بھارت کے ساتھ سفارتی وتجارتی تعلقات منقطع کر دیئے جائیں۔ ردعمل کے طور پر 7 دسمبر 1992ء کو لاتعداد مندر مسمار کر دیئے تھے، وفاقی کابینہ کی اپیل پر ملک بھر میں احتجاج ہوا۔ 8 ستمبر 1992ء کو سرکاری دفاتر اور تعلیمی ادارے بند رہے۔ (511)

عالمی سرائیکی کانفرنس

4 دسمبر 1992 کو ملتان میں عالمی سرائیکی کانفرنس منعقد ہوئی، افتتاحی اجلاس کی

صدارت پاکستان سرائیکی پارٹی کے سربراہ بیرسٹر تاج محمد خان لنگاہ نے کی۔ اجلاس کے اختتام پر متعدد قراردادیں پیش کی گئیں۔(512) لیکن سرائیکی صوبہ بنانہ ریاست بہاول پور کو اپنا مقام وحق ملا۔

فصل ہفتم

قبر جنہاں دی جیوے ہُو

اکتوبر کا پہلا ہفتہ کشمیر اور پاکستان کے عوام کیلئے کرب کیساتھ شروع ہوا۔ 8 اکتوبر 2005ء میں صبح 08:52 پر اس صدی کا سب سے بڑا زلزلہ آیا، جس نے لمحہ بھر میں آبادیوں کو ویرانوں میں بدل دیا زندگی کو موت کی وادی میں دھکیل دیا، ہستی بستی زندگی آہ! کرب اور موت کا شکار ہوگئی۔ اس حادثے نے خصوصی طور پر صوبہ سرحد کے علاقے بالاکوٹ، مانسہرہ، ایبٹ آباد اور اس کے متصل علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور آزاد کشمیر کے چار اضلاع نیلم، مظفر آباد، باغ اور راولاکوٹ میں تباہی مچادی۔ یہاں کئی علاقے اور ان کی ہزاروں انسانی آبادیاں صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہیں، بڑے بڑے پلازے زمین بوس ہو چکے ہیں اور آرسی سی عمارات منہدم ہو چکی ہیں۔ مساجد و مدارس، تعلیمی ادارے زمین بوس ہو چکے ہیں۔ ایسے میں کچھ عمارتیں اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں اور انہیں دراڑ تک نہیں پڑی اور نہ ہی ان کا ایک پتھر یا اینٹ اپنی جگہ سے الگ ہوئی ہے۔ اوچشریف کی دھرتی بھی اس سے ملنے لگی۔

زلزلے کے باوجود کمال بلخی کی زیارت محفوظ رہی

''لائن آف کنٹرول پر زیارت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا' معروف صوفی بزرگ بلبل شاہ کے ہم عصر تھے'' سرینگر (کے پی آئی) لائن آف کنٹرول پر اوڑی اور کمان پل کے قریب آٹھ اکتوبر کے قیامت خیز زلزلے میں محفوظ رہنے والی کمال الدین بلخی نامی روحانی بزرگ کی زیارت لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئی ہر روز سینکڑوں لوگ اس زیارت کی حاضری دیتے

ہیں۔ گزشتہ سال کے قیامت خیز زلزلے نے اوڑی کے آر پار بے پناہ تباہی مچادی۔ دوسری طرف اوڑی اور کمان پل کے درمیان کنٹرول لائن کے قریب واقع کمال الدین بلخی کی زیارت کو معجزاتی طور پر کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ کمال الدین بلخی 1324ء میں کشمیر آئے وہ وادی کے معروف صوفی بزرگ بلبل شاہ کے ساتھیوں میں شمار کئے جاتے تھے فوجی اہلکار نہ صرف باقاعدگی سے زیارت پر حاضری دیتے ہیں بلکہ زیارت کی دیکھ بھال اور صفائی کا کام بھی فوج ہی انجام دیتی ہے۔ (513)

یہ عمارات اللہ تعالیٰ کے ان مقدس اطاعت شعار اور فرمانبردار بندوں کے مزارات اور خانقاہیں ہیں، جو اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں اور جو انسانی آبادی کا پتہ دیتی ہیں۔ یہاں انہی چند خانقاہوں کے نشاندہی کی جارہی ہے۔

راولاکوٹ

قصائی گلی میں مجذوب صوفی بزرگ سائیں محمد حسین کا مزار اپنی اصل حالت میں موجود ہے جبکہ بازار کی دکانیں تباہ ہوچکی ہیں اور عثمانی گروپ کی توحید مسجد بھی زلزلہ کا شکار ہوچکی ہے۔ مرکزی جامع مسجد بھی زلزلہ میں متاثر ہوئی ہے۔ اللہ والی مسجد، مسجد سرور اعظم، مسجد محمدیہ غوثیہ بھی متاثر ہوئی ہیں۔ جبکہ پاک گلی سائیں کالا خان کا مزار محفوظ رہا ہے۔ ہانیوالہ پیر جنید شاہ کا مزارِ پیر فضل شاہ کا مزار بھی مکمل طور پر زلزلے سے محفوظ رہا ہے جبکہ متصل مسجد کو نقصان پہنچا ہے۔ پیر نور شاہ کوئیر سیداں کا مزار بھی محفوظ رہا ہے۔ پیر رستم علی شاہ سرچھ شریف کا مزار بھی مکمل طور پر محفوظ رہا ہے۔ جب کہ ان کے متصل مقامات تباہ ہوچکے ہیں۔ سائیں سید میر بادشاہ، دڑیالی شریف کا مزار زلزلہ سے مکمل طور پر محفوظ رہا ہے جبکہ یہاں مکانات زمین بوس ہوچکے ہیں۔ ہاڑی گہل پیر صبح خان اور سائیں نور احمد خان اور پیر بخاری شاہ رحمۃ اللہ علیہم کے مزارات مکمل طور پر محفوظ ہیں جبکہ دائیں بائیں مکانات اور ساتھ ہی فوجی چھاؤنی زمین بوس ہوچکے ہیں۔ ہدر سیداں، سرسیداں پیر نیاز علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مکمل طور پر محفوظ رہا ہے جبکہ یہاں گاؤں کے جملہ مکانات زمین بوس ہوچکے ہیں اور کافی اموات بھی

ہوئی ہیں عباس پور میں پیر قمر علی بادشاہ کا مزار مکمل طور پر محفوظ رہا ہے جبکہ یہاں آبادی زمین بوس ہو چکی ہے باغ ہڈی باڑی مرد کامل حافظ شریف کا مزار اپنی اصلی حالت میں موجود ہے پیر سیداں پیر سید یٰسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک زلزلہ سے محفوظ رہا ہے جبکہ یہاں مکانات گر چکے ہیں ساہلیال باغ میں سائیں گلاب خان رحمۃ اللہ علیہ کا مزار محفوظ رہا جبکہ یہاں کی آبادی تباہ ہو چکی ہے اور جانی نقصان بھی ہوا ہے۔ دھڑے حضرت راہولی خان رحمۃ اللہ علیہ کا مزار زلزلہ سے محفوظ رہا ہے جبکہ آبادی تباہ ہو چکی ہے۔ ڈھلی سائیں ہنسو خان رحمۃ اللہ علیہ کا مزار محفوظ ہے اسی طرح مشہور مجذوبہ مائی شیدی رحمۃ اللہ علیہا کا مزار زلزلہ سے مکمل طور پر محفوظ رہا ہے جبکہ مضافات کی آبادی زمین بوس ہو چکی ہے۔ کھرل ملایا لال حضرت پیر سخی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار محفوظ ہے جبکہ یہاں کی آبادی تباہ ہو چکی ہے کھرل عباسیاں حضرت سائیں نواب خان اور ان کے فرزندوں کے مزارات مکمل طور پر محفوظ ہیں جبکہ جامع مسجد مع مدرسہ زمین بوس ہو چکے ہیں اور ان کے خاندان کے تمام گھر اور گاؤں کی آبادی تباہ ہو چکی ہے۔ چناٹ کی آبادی بھی تباہ ہو چکی ہے جانی و مالی نقصان ہوا ہے لیکن پیر بڈھا شاہ کا مزار باقی رہا ہے۔ بنگوئیں آر نیلہ ارجہ کے بالمقابل آبادی تباہ ہو چکی ہے۔ گھر زمین بوس ہو چکے ہیں۔ جبکہ پیر بحولہ بادشاہ کا مزار اصل حالت میں موجود ہے نمروٹہ جنڈالہ گاؤں بھی تباہ ہو چکا ہے۔ بے شمار اموات واقع ہوئی ہیں لیکن پیر جیون شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک اصل حالت میں موجود ہے۔ دھیر کوٹ مرکزی جامع مسجد و مدرسہ کو نقصان پہنچا ہے مسجد تقریباً شہید ہو چکی ہے لیکن سائیں علی بہادر خان رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک بالکل محفوظ ہے چیڑالہ بابا عالم خان کا مزار بالکل محفوظ ہے جبکہ بازار اور متصل آبادی تباہ ہو چکی ہے۔ سوباوہ شریف پیر سید شاہ، پیر یعقوب شاہ، پیر محبوب علی شاہ، پیر مخدوم شاہ، پیر شمشاد شاہ، کبیر شاہ رحمۃ اللہ علیہم کے مزارات اصل حالت میں موجود ہیں جبکہ متصل آبادی برباد ہو چکی ہے ضلع مظفر آباد میں حضرت سائیں سہیلی سرکار رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بالکل محفوظ ہے۔ سہیلی سرکار کے مزار پر موجود ایک عینی شاہد کہتا ہے کہ ''میں مزار شریف پر تلاوت قرآن حکیم میں مصروف تھا جب تلاوت ختم کر کے باہر آیا تو مجھے ہر

طرف تباہی ہی تباہی نظر آئی اور میں حیران ہو گیا کہ یہ آن واحد میں کیا سے کیا ہو گیا اور مجھے مزار کے اندر اندازہ تک نہ ہوا" پرانے سیکرٹریٹ کی عمارت پوری تباہ ہو چکی ہے جبکہ ان کے متصل ایک مرد کامل کا مزار اصل حالت میں موجود ہے۔ قبرستان شاہ سلطان میں مزار شاہ سلطان بھی محفوظ ہے۔ عیدگاہ روڈ پر پیر عنایت شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اصل حالت میں موجود ہے جبکہ متصل آبادی مٹ چکی ہے۔ ساتھ ہی اسی روڈ پر پیر سید علاؤالدین گیلانی اور وہاب الدین گیلانی کے مزار بھی اصل حالت میں موجود ہیں۔ برہال شریف حویلی، قادر آباد باغ، چھتروٹہ باغ جبی سیداں کے اولیاء کاملین کے مزارات بھی اصل حالت میں موجود ہیں۔ (ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ)

روزنامہ جنگ

روزنامہ جنگ کے کالم نویس حامد میر نے اپنے 24 اکتوبر کے مضمون بعنوان "پہاڑ، زلزلہ اور مزار" میں لکھا ہے کہ حضرت سائیں سہیلی سرکار رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ عنایت ولی رحمۃ اللہ علیہ مظفر آباد کے مزارات اس شدید زلزلے میں تباہ ہونے سے محفوظ رہے ہیں۔ انہوں نے بالاکوٹ کے دو مزارات کا بھی ذکر کیا ہے۔ جہاں پورا بالاکوٹ صفحہ ہستی سے مٹ چکا ہے۔ یہ دعوتِ فکر ہے کہ اس زلزلے میں اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے مزارات محفوظ رہے ہیں۔ اس کو کیا کہا جائے؟ ہر آدمی حیرت سے اس سارے معاملے کو دیکھ رہا ہے۔

2005ء کے زلزلہ میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب زلزلہ آیا، لوگوں نے اپنے گھر چھوڑ دیئے اور مزاراتِ اولیا میں پناہ لے لی، یوں وہ بھی زلزلے کی تباہ کاری سے محفوظ رہے۔ اسی طرح کئی لوگوں نے مظفر آباد باغ سے ہجرت فرما کر گولڑہ شریف خانقاہِ حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور بری امام سرکار شاہ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ (اسلام آباد) میں پناہ لے لی ہے جہاں ان کو کھانا اور رہائش مہیا کئے گئے ہیں۔ زلزلے کے بعد پاکستان کے عوام نے جہاں ایثار و قربانی کی اعلیٰ مثال قائم کی وہاں پاکستان کے روحانی مراکز خانقاہوں سے بے شمار سامان امدادی ٹرک لے کر باغ راولاکوٹ اور مظفر آباد لایا گیا۔ اس لحاظ سے ان

مزارات میں آسودہ خاک کاملین کے گدی نشین حضرات نے خدمتِ خلق کا حق ادا کر دیا ہے۔ حضرت پیر صادق صاحب مدظلہ العالی، گلہار شریف کوٹلی کے قافلوں، مریدین اور ٹرسٹ، صادق فاؤنڈیشن، سلطانیہ ٹرسٹ، خدمتِ خلق فاؤنڈیشن نے بھرپور مالی امداد اور متاثرین کی بحالی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ پیر علاؤالدین صدیقی نیریاں شریف، پیر فضل ربانی نیریاں شریف، پیر امین الحسنات بھیرہ شریف، پیر عتیق الرحمٰن فیض پوری، خانقاہِ سیال شریف، خانقاہِ حضرت شاہ سچیار سمیت سب ہی مشائخ اور پیرانِ عظام نے اہم کردار ادا کیا اور ادا کر رہے ہیں جو یقیناً دیگر لوگوں کے لیے تقلید کا باعث اور باعثِ حوصلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان روحانی مراکز کو تا قیامت قائم رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (514)

پندرھواں باب

غزالیٔ زماں دوراں رازیٔ دوراں زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ سید احمد سعید کاظمی کا سلسلہ نسب چالیس واسطوں سے سید الشہداء، نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول حضرت امام حسین علیہ السلام تک پہنچتا ہے جس کی تفصیل شجرہ عالیہ و دیگر کتب میں موجود ہے۔

کاظمی کہلانے کی وجہ

آپ کا خاندانی سلسلہ قطب الواصلین غوث العالمین سیدنا امام موسیٰ کاظم کے فرزند ارجمند سیدنا امام عبید اللہ کی لڑی سے ہوتا ہوا آپ سے منسلک ہے اس لئے کاظمی سید کہلاتے ہیں۔

مقام ولادت و تعلیم و تربیت

امام اہلسنت علامہ کاظمی قدس سرہ العزیز کی ولادت قطب الاقطاب حضرت علامہ سید مختار احمد کاظمی کے گھر 1913ء میں امروہہ کے شہر ضلع مراد آباد میں ہوئی تھی۔ ایام طفولیت میں والد ماجد کا سایہ اٹھ گیا آپ نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ کی آغوش رحمت وشفقت میں حاصل کی اور انتہائی تعلیم، اپنے برادر اکبر، امام المحدثین، زبدۃ المفسرین حضرت علامہ سید محمد خلیل کاظمی نور اللہ مرقدہ سے حاصل کر کے دستار فضیلت اور سند فراغ حاصل کی۔ آپ کے استاذ محترم دنیا اسلام میں ایک جید عالم دین، عظیم المرتبت محدث بے مثال مفسر صاحب نظر درویش اور ولی اللہ تھے۔ غزالیٔ زماں فرماتے تھے کہ مجھے مادرِ مُشفقہ اور استاذِ محترم کے علوم کے سمندر سے صرف ایک قطرہ ملا ہے۔ جنہیں ان بزرگوں کے بحرِ بے کراں علوم سے ایک قطرہ ملا وہ تو دنیائے اسلام میں غزالیِ عصر، رازیِ وقت اور امامِ اہلسنت بن کر ابھرے

ان بزرگوں کے مقام کا عالم کیا ہوگا؟

بیعت وخلافت

امامِ اہلسنت نے اپنے برادرِاکبر اور استاذ محترم امام المحدثین، سند الصالحین، حضرت علامہ سید محمد خلیل کاظمی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ انہوں نے آپ کو سلسلہ عالیہ، چشتیہ، صابریہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کی خلافت سے نوازا اور چاروں سلسلوں میں بیعت لینے کی اجازت بخشی۔ مندرجہ بالا سلسلوں کے اوراد و اشغال بھی عنایت فرمائے۔ اس کے بعد شہزادۂ اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا خان) قدوۃ المفسرین، زبدۃ المحدثین، حضور مفتیِ اعظم ہند، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان نے اور نور العالمین، قدوۃ السالکین، مولانا سید ابو الحسین نوری مارہروی اور کنز الکرامۃ علامہ سید ابو الحسین المرزوقی المکی نے بھی آپ کو خلافت وسندِ حدیث سے سرفراز کیا۔ آپ کا سلسلۂ بیعت وسند حدیث متصل ہے۔

تعلیمی خصوصیت

تمام تذکرہ نویسوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ آپ نے تیرہ سال کی عمر میں تمام علوم میں دسترس حاصل کر لی یعنی آپ کی ولادت 13 مارچ 1913ء کو ہوئی تھی اور آپ نے 1925ء میں دستار فضیلت حاصل فرمائی۔ کم عمری کے اس عالم میں علومِ عقلیہ ونقلیہ، متداولہ وغیر متداولہ کی تکمیل آپ کی بہت بڑی کرامت ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

ملتان میں درس قرآن

ایک درویش صفت بزرگ حضرت سید نفیر عالم، حضرت خواجہ غریب نواز کا عرس مبارک ہر سال ملتان میں منعقد کرتے تھے۔ انہوں نے غزالیٔ زماں کو عرس پر دعوت خطاب دی۔ آپ نے ایمان افروز بیانِ ذیشان فرما کر اہلِ ملتان کے دل جیت لیے۔ سید صاحب نے اپنے جذبات اور لوگوں کے خیالات کا اظہار آپ کے سامنے رکھا۔ اور

آپ کو ملتان میں قیام کرنے پر مجبور کر دیا چنانچہ آپ 1935ء میں جب آپ 22 سال کے تھے تو ملتان شریف میں مستقل قیام کیلئے رونق افروز ہوئے اور حافظ فتح شیر کی مسجد میں لوہاری دروازہ کے باہر درس قرآن دینا شروع کر دیا اور مسلسل اٹھارہ سال تک درس دیتے رہے۔ اتنے طویل عرصے میں قرآن مجید کا درس مکمل ہوا۔

مسلم لیگ و مرزائی

1953ء میں مسلم لیگ صوبائی کونسل میں رکن کی حیثیت سے آپ نے اہم کردار ادا کیا اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے سب سے پہلے قادیانیوں کو کافر قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ آپ کا یہ مطالبہ زور پکڑتا رہا بالآخر 1974ء میں مرزائیوں کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے علامہ شاہ احمد نورانی کی تحریک پر کافر قرار دیا۔ یہ کارنامہ دراصل آپ کی تحریک کا ثمرہ تھا جو اتفاق واتحاد سے قانونی شکل اختیار کر گیا۔ اور علی الاتفاق مرزائیوں پر کفر کی مہر لگا دی گئی۔

سیفٹی ایکٹ

سکندر مرزا کے دور میں حکومت کی طرف سے سیفٹی ایکٹ کا نفاذ ہوا یہ ایکٹ شریعت سے متصادم تھا اس ایکٹ کے خلاف سب سے پہلے آپ نے نہ صرف آواز اٹھائی بلکہ اس پر شدید گرفت بھی فرمائی۔

قیام پاکستان

تحریک آزادی اور قیام پاکستان کی جدوجہد کیلئے آپ کی خدمات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ 1946ء میں مجلس قانون ساز کے انتخابات، پاکستان کے مطالبے کے حق میں قطعی اور فیصلہ کن مرحلہ اختیار کر گئے اس موقع پر آپ نے مسلم لیگ کی کامیابی کیلئے انتھک محنت کی، شبانہ روز کام کیا اور جمعیت علمائے ہند، مجلس احرار، تحریک خاکسار، جمعیت اہلحدیث، یونینسٹ پارٹی، جماعت اسلامی اور پاکستان کے قیام کی مخالف قوتوں کو منہ توڑ جواب دے کر اپنی علمی وسیاسی بصیرت کا لوہا منوایا۔

جمعیت علماء پاکستان

بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح جو مرتے دم تک سنی رہے۔(515)ان کے وصال کے بعد مسلم لیگ کے حکومتی ارکان اپنے وعدوں سے انحراف کرنے لگے تو غزالئ زماں نے ملک بھر کے علماء کرام ومشائخ عظام کو 1948ء میں مدرسہ انوار العلوم ملتان میں مدعو کیا اور دردِ دل سے ان کو سابقہ سرگزشت سنائی اور حکومتی ارکان کی بے اعتنائی ولاپرواہی سامنے رکھی تمام علمائے کرام ومشائخ عظام وسجادہ نشینان نے نئی سیاسی جماعت کے قیام پر اتفاق کرلیا۔ چنانچہ آپ کی کاوش سے جمعت علمائے پاکستان کا وجود عمل میں آیا اور آپ ہی کو اس کا ناظم اعلیٰ منتخب کرلیا گیا۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں شیخ الحدیث اور شعبہ حدیث کے سربراہ مقرر ہونے تک آپ جمعیت میں بطور ناظم اعلیٰ اپنے فرائض بحسن وبخوبی انجام دیتے رہے۔ پاکستان کی سیاسی جماعتوں پر انگریز مبصرین نے جو تبصرہ لکھا ہے اس میں سب سے زیادہ جگہ جمعیت علمائے پاکستان کو دی ہے اور اس کی سیاسی بصیرت، امانت ودیانت اور خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ غزالئ زماں سیاست سے الگ ہوجانے کے باوجود اس کے لیے اہم کردار انجام دیتے رہے اور اس کی ترقی وکامیابی کے ہمیشہ خواہش مند رہے اور فرماتے تھے میں اپنے اس لگائے ہوئے پودے کو تناور اور ہرا بھرا دیکھنا چاہتا ہوں۔ اہلِ سنت کو الگ سیاسی میدان عطا کرنا اور انہیں دوسروں کی دریوزہ وگری سے بچانا ان کا ایک اہم کارنامہ ہے (اللہ پاک جمعیت علمائے پاکستان کو صحیح ومثبت فکر کے حامل رہبر عطا فرمائے تاکہ یہ سیاسی جماعت ایک بار پھر فعال ہوکر میدان سیاست میں اتر کر اپنا کردار ادا کرے اس سے غزالئ زماں کی روح کو یقیناً خوشی ہوگی۔)

نفاذ اسلام

1956ء میں پاکستان میں اسلام کا آئین نافذ کرنے کے لیے مسودہ تیار کیا گیا۔ جس کی بعض شقیں اسلام سے متصادم تھیں آپ نے ان میں ترمیم کا فریضہ انجام دے کر انہیں درست بنانے کی حکمت عملی پیش فرمائی۔

قرارداد مقاصد

تمام مکاتبِ فکر کے علماء کی متحدہ مجلس عمل (جس کے سر براہ حضرت علامہ ابوالحسنات قادری رضوی تھے) نے حکومت کے سامنے اسلامی ایجنڈا پیش کرنا ضروری جانا۔ 22 نکات پر اتفاق ہوا، اس قرارداد کی تکمیل میں غزالیٔ زماں کی مساعی کا حصہ گراں قدر تھا جسے تمام علما نے سراہا اور آپ کو اس محنت پر خراجِ تحسین پیش کیا۔

سر براہ مملکت

محترمہ فاطمہ جناح اور فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے مابین صدارت کے انتخاب کے موقع پر عورت کے صدر بننے کیلئے شرعی مسئلہ سے باشندگان پاکستان کو روشناس کرایا اور مفتی اعظم پاکستان علامہ سید ابوالبرکات قادری کے ساتھ مل کر کام کیا۔ علاوہ ازیں سوشلزم کے خلاف سب سے پہلے آپ کا قلم جنبش میں آیا اور آپ نے ایک زوردار علمی مضمون لکھ کر علمائے وقت کی آنکھیں کھول دیں۔ ''فتنۂ عیسائیت'' مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بہت زور شور سے پنپنے لگا۔ اسے تمام طاغوتی طاقتوں کی پشت پناہی حاصل تھی لیکن غزالیٔ زماں نے اس کے آگے ایسا بند باندھا کہ اسے دوبارہ سر اٹھانے کی طاقت نصیب نہ ہوئی اس سلسلہ میں آپ کا رسالہ ''اسلام اور عیسائیت'' موجود ہے۔ اسی طرح فتنۂ مودودیت نے اپنے پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے اور پاکستان کی سرزمین اس کی آماجگاہ بن گئی۔ غزالیٔ زماں نے اس کا محاسبہ ایسے خوبصورت علمی انداز میں کیا کہ مودودیوں سے آج تک اس کا جواب نہیں بن سکا اور ملتان شریف کی مسجد پھول ہٹ میں مودودی صاحب کو فقہ حنفی کا پبلک لاء کے طور پر ماننے کے لیے مجبور کر دیا۔ احراریوں کے خطیب اور پاکستان کے مخالف مولوی عطاء اللہ بخاری نے علی الاعلان کہا علامہ کاظمی علم کے سمندر ہیں مدرسۂ دیوبند کے مفتی اور پاکستانی دیوبندیوں کے مفتی اعظم مولانا محمد شفیع (کراچی) نے آپ کی تقریر سننے کے بعد اعتراف کیا کہ میں نے آپ کی تقریر پہلی بار سنی ہے، بہت اچھی تقریر تھی۔

جماعت اہلسنت کی تشکیل

علماء اہلسنت وعوام اہلسنت کے خلاف ملک میں سازشوں کا جال بچھا دیا گیا اور باطل طاقتیں ان کے مٹانے کے درپے ہوگئیں۔غزالی زماں نے دفاع کیلئے جماعت اہلسنت کی داغ بیل ڈالی۔علمائے کرام کو جمع کیا۔انہیں وقت کے تقاضوں سے روشناس کرایا اور ایک مذہبی پلیٹ فارم پر انہیں جمع کر کے اعداء کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بنا دیا۔آپ تاحیات جماعت اہلسنت کے صدر رہے۔کاتب الحروف آپ کے دور میں تحصیل ملتان کا ناظم اعلیٰ رہا ہے۔آپ کی ہدایات آج تک رہبرو رہنما کی حیثیت سے کام آرہی ہیں۔جانشینِ امام اہلسنت پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی اب اس کے مرکزی امیر ہیں۔امامِ اہلسنت،حضور غزالیٔ زماں، علامہ سید احمد سعید کاظمی کی ذاتِ ستودہ صفات مجمع البحرین تھی۔ آپ شریعت وطریقت کے جامع تھے۔ بیک وقت مفسر،محدث، مفتی، شیخ طریقت اور رہبر شریعت تھے۔جب بخاری شریف پڑھاتے تھے تو ان کے چہرے سے نور کی چمک نظر آتی تھی ایک بار پرانے انوار العلوم کے دار الحدیث میں حدیث شریف کا درس دے رہے تھے۔دورۂ حدیث پڑھنے والے علماء میں سے کسی نے بلا تامل کہہ دیا کہ دیوبندی کافر ہیں۔آپ نے اس کی یہ بات سن کر غصے کا اظہار کیا اور فرمایا: کیا سارے دیوبندی کافر ہیں؟ تو وہ خاموش ہوگیا آپ نے فرمایا: مولانا! ہم تمام دیوبندیوں کو کافر نہیں کہتے،کافر تو وہ ہیں جنہوں نے اپنی کتابوں میں کفریہ عبارات لکھی ہیں اور ان سے توبہ نہیں کی ہے یا وہ جو ان کفریہ عبارات کو صحیح گردانتے ہیں، جس طرح علمائے عرب نے فرمایا ہے کہ مَنْ شَكَّ فِيْ كُفْرِهِمْ فَقَدْ كَفَرَ۔جو ان کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہے (مومن وکافر کی پہچان کے لیے ''الحق المبین'' کا مطالعہ کریں)۔آپ فرماتے تھے بعض علمائے کرام نے چار مسئلوں میں شدت کا راستہ اپنایا ہے حالانکہ ان مسئلوں میں شریعت کی رو سے بہت گنجائش ہے (۱) ایمان حضرت ابوطالب (۲) سماع قوالی (۳) خضاب (۴) گھڑی کی چین۔گنجائش کے باوجود آپ نے کبھی بھی چین والی گھڑی استعمال نہیں کی اور نہ ہی کبھی خضاب لگایا۔آپ دورانِ

سفر، درود شریف اور دیگر اوراد میں مصروف رہتے تھے لیکن انہیں دانوں والی تسبیح کی بجائے انگلیوں کے پوروں پر شمار فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار کاتب الحروف کو احمد پور شرقیہ سے بہاولپور تک آپ کے ساتھ سفر کرنے کا موقع ملا اور بس کی سواری میسر ہوئی۔ آپ کے چہرے کے نور کو دیکھ کر ہر سواری محو حیرت تھی اور آپ کے ہاتھوں کو چوم کر برکت حاصل کرنے لگی۔ مغرب کے وقت بہاولپور لاری اڈے پر اترے تو نمازِ مغرب کا وقت ہو گیا آپ نے نماز پڑھائی پہلی رکعت میں الحمد للہ کے بعد سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ اور دوسری رکعت میں اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ تلاوت فرمائی۔ سلام کے بعد فرمایا: آج رات کو میں نے لودھراں میں جا کر بیان کرنا ہے اگر وہ لوگ مجھے لینے کیلئے آجاتے ہیں تو آپ کی چھٹی ہے ورنہ آپ میرے ساتھ چلیں گے۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو وہ لوگ آ گئے۔ کئی بار آپ کے ساتھ سفر کرنے کا موقع ملا۔ کاموںکے میں مولانا امجد علی چشتی سعیدی کی دعوت پر تھے عشاء کی نماز کے بعد مسجد شریف میں آپ کا بیان ہوا۔ مسجد لوگوں سے بھر گئی، فراغت کے بعد جب آرام کرنے کیلئے کمرے میں گئے تو آپ کا دہنِ اقدس خشک ہو گیا اور نیند بھی اڑ گئی آپ نے کاتب الحروف کی شہادت والی انگلی پکڑ کر اپنی زبان مبارک پر لگائی اور فرمایا مولانا خشکی کا یہ عالم ہے نیند بھی نہیں آرہی۔ فقیر نے عرض کیا: حضور آپ غسل کر لیں۔ فقیر آپ کو دباتا ہے انشاء اللہ نیند بھی آجائے گی اور خشکی بھی دور ہو جائے گی۔ آپ نے غسل کیا اور سو گئے، پھر تہجد کے وقت بیدار ہوئے۔ ایک بار پچیس آدمیوں پر مشتمل قافلہ محترم جناب موسیٰ بھائی کراچی والوں کی وساطت سے حج کیلئے تیار کیا اس میں کاتب الحروف کا نام بھی تھا لیکن عمر کے کم ہونے کی وجہ سے فقیر اس سفر کی سعادت سے آپ کی معیت میں بہرہ ور نہ ہو سکا۔ پھر کچھ عرصہ بعد فقیر نے آپ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس میں حج کی سعادت حاصل کرنے اور تعویذ لکھنے کی التجا تھی۔ آپ نے میرے عریضے کا جواب شہنشاہِ خطابت، ادیب ملت حضرت علامہ سید حامد سعید کاظمی سے لکھوایا اس کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کی دعا سے فقیر پر تقصیر کو 1992ء

میں والدہ کے ساتھ حج بیت اللہ اور روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ مظہر غزالیٔ زماں، جانشین امام اہلسنت، پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی بھی حج کیلئے تشریف لائے۔ اس کے بعد متعدد عمروں کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ ہمارے گھر نرینہ اولاد نہ تھی۔ ایک بھائی کے گھر پانچ بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں، میں نے آپ کی خدمت میں گزارش کی تو آپ نے ایک وظیفہ بتایا: ہم نے اس پر عمل کیا۔ الحمدللہ ہم سب بھائیوں کے گھر فرزند پیدا ہوئے ہیں جو آج جوان ہیں۔ پھر فقیر نے یہ وظیفہ جسے بھی دیا ان کے گھر بھی اولادِ نرینہ ہوئی ہے۔ حضور غزالیٔ زماں، صاحبِ کرامت بزرگ تھے لیکن آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ سنتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پابند تھے، محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مگن رہتے تھے۔

حاجی عبدالرحیم (بستی حافظاں والے) نے بتایا کہ میں مکہ پہنچا، ان لوگوں کے طریقۂ صلوٰۃ کو دیکھا تو میرا دماغ گھوم گیا دوسرے دن اس میں اضافہ ہوا۔ تیسرے دن پکا ارادہ کرلیا کہ کل امامِ کعبہ کے ہاتھ پر تجدیدِ ایمان کرونگا۔ عشاء کی نماز کے بعد سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ کعبہ کے اوپر نور ہے اور لوگ امام کے انتظار میں ہیں میں بھی ان میں شامل ہو گیا کچھ دیر بعد نورانی لوگوں کے جھرمٹ میں قبلہ کاظمی کریم آئے مصلے پر بیٹھ گئے اور نماز پڑھائی۔ تو مجھ پر حق واضح ہو گیا کہ ہم سچے اور سیدھے راستے پر ہیں۔

غزالیٔ زماں، امامِ اہلسنت شیخ المشائخ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور بہت ساری کتابیں ان کی سوانح و سیرت میں دستیاب ہیں لیکن فی الحال چند اقتباسات۔ مفکر اسلام حضرت علامہ سید حامد سعید کاظمی کے مضمون ''ماضی کے جھروکوں سے'' پیشِ خدمت ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: غزالیٔ زماں کی علومِ دینیہ میں باریک بینی اور نکتہ سنجی ضرب المثل تھی۔ آپ کی ذہانت و حاضر جوابی، خوش طبعی اور حسنِ ظرافت جو رنگ جماتی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے تحصیل خانپور کے مشہور قصبہ ''نواں کوٹ'' میں ایک جلسے کے بعد احباب اور علماء کے ساتھ ایک نشست جمی ہے،

دورانِ گفتگو سلسلۂ بیعت وارادت کا ذکر نکل آیا۔ ہر شخص بتانے لگا کہ وہ کس کا مرید ہے۔
مولانا جان محمد بہت ظریف الطبع تھے، ان سے پوچھا گیا: مولانا! آپ کس کے مرید ہیں؟
تو وہ بولے میں اپنے مرشد کا نام بغیر وضو کے لینا بے ادبی سمجھتا ہوں جب وضو کر کے آ گئے
تو دوزانوں ہو کر بیٹھ گئے۔ محفل کا ذوق بڑھانے کے لیے تین بار کلمہ طیبہ پڑھا پھر سر جھکا
کر خشوع وخضوع سے رقت آمیز آواز میں بولے۔ حضور میں اپنی اہلیہ محترمہ کا مریدِ باصفا
ہوں۔ ساری محفل کشتِ زعفران بن گئی اور انہیں اپنے اس مظاہرے پر دادِ تحسین ملنے لگی۔
حضور غزالیٔ زماں نے بڑی سنجیدگی سے فرمایا: ارے مولانا! سبحان اللہ! آپ کے اور پیر
بھائی تو ہوں گے اور یہ سلسلۂ پیری مریدی خوب پھیل رہا ہوگا؟ مولانا کی خوش طبعی ہوا ہو گئی
اور مولانا کافور ہو گئے۔ 1977ء پاکستان عوامی اتحاد کے پلیٹ فارم پر پاکستان
پیپلز پارٹی کے مقابلے میں نوستاروں کا اجتماع تھا۔ جمعیت علمائے پاکستان بھی اس میں
شامل تھی بلکہ تحریک نظام مصطفیٰ کا نعرہ اسی کا دیا ہوا تھا۔ اس وقت جے یو پی ایک فعال
جماعت تھی، خانپور ضلع رحیم یار خان سے مولانا عبداللہ درخواستی کے صاحبزادے مولانا مطیع
الرحمان درخواستی P-N-A کے امیدوار تھے، انہیں جماعتِ اہلسنت کے لوگوں کے ووٹوں
کی اشد ضرورت تھی۔ اس لیے انہیں حضور غزالیٔ زماں سے مدد ونصرت کی ضرورت پیش آئی
تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ موسم کچھ گرم تھا، عشاء کے بعد آپ لان میں
چارپائی پر آرام فرما رہے تھے۔ ایک خدمتگار آپ کے پاؤں دبا رہا تھا کچھ اندازہ نہ تھا کہ
آپ سو رہے ہیں یا نہیں۔ مولانا مطیع الرحمان درخواستی نے آپ کو جگانے کیلئے اپنے ہاتھوں
کو ان کے قدموں پر رکھ کر دبانا شروع کر دیا۔ آپ نے اجنبی ہاتھوں کی وجہ سے دریافت
فرمایا: کون صاحب ہیں؟ انہوں نے بتایا: حضرت! میں ہوں۔ مولانا عبداللہ درخواستی کا بیٹا
مطیع الرحمان درخواستی۔ آپ نے مولانا عبداللہ درخواستی کے انداز میں فرمایا: اللہ اکبر! بھائی
سب کہو سبحان اللہ! مولانا درخواستی اپنی تقریروں میں یہ کلمہ زیادہ کہلوایا کرتے تھے۔
محترم ڈاکٹر ساجد الرحمان صاحب سجادہ نشین آستانہ بگھیار شریف آف کہوٹہ، اسلامیہ

یونیورسٹی بہاولپور میں حضور غزالیٔ زماں کے پاس پڑھتے تھے۔ مولانا شمس الحق افغانی دیوبندی جامعہ میں شیخ التفسیر تھے اور غزالی زماں شیخ الحدیث تھے، افغانی صاحب اپنے ہم خیال طلباء کو اعتراضات تیار کر دیتے اور ان کی ڈیوٹی لگا دیتے کہ پہلے فلاں طالب علم نے کاظمی صاحب سے یہ سوال کرنا ہے پھر دوسرے نے یہ اعتراض کرنا ہے۔ گیارہ برس کے دورانیہ میں یہ سلسلہ چلتا رہا اور غزالیٔ زماں نے کبھی کسی سوال کے جواب دینے میں تأمل نہ فرمایا اور ہر سوال کا مسکت جواب دے کر طلباء کی تشفی و تسلی فرماتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں ایک بار حضرت کاظمی صاحب نے مجھے دو ساتھیوں سمیت بلایا اور فرمایا: ادھر سے روزانہ سوالات کی بارش ہوتی ہے کبھی آپ بھی افغانی صاحب سے اپنے سبق کے متعلق سوال کریں، پھر آپ نے ایک سوال لکھوا دیا۔ اگلے روز سبق کے دوران ڈاکٹر صاحب نے ہاتھ کھڑا کیا: افغانی صاحب نے پوچھا! کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اس کا جواب عنایت فرمائیں۔ یہ سوال سن کر افغانی صاحب پر سکوت چھا گیا۔ کچھ دیر اسی کیفیت میں رہ کر اٹھے اور سیدھا شیخ الجامعہ ڈاکٹر حامد حسن بالگرامی کے دفتر میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ کو طلب کر لیا آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے شیخ الجامعہ کو کہہ دیا ہے بس ایک سوال کرنے پر معاملہ شکوے شکایت تک پہنچ گیا ہے۔ اب ہماری طرف سے سوالات نہ ہوں گے۔ وہ سوالات کرتے رہیں گے اور ہم جوابات دیتے رہیں گے۔ طالب علم اپنے اساتذہ کے علمی مقام اور سوالوں کے جوابات دینے والے سے بخوبی واقف ہو گئے۔ افغانی صاحب نے بھی جان لیا کہ یہ سوال طالب علموں کا نہیں سائل کوئی اور ہے۔ بنگلہ دیش سے ایک نوجوان حصولِ علم کی خاطر ملتان آئے اور جامعہ انوار العلوم میں داخلہ لے لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ غزالیٔ زماں کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے ان کی رہائش حضرت کے مکان پر تھی، یہ نوجوان اپنے کام سے کام رکھنے والے خاموش طبع انسان تھے۔ حضرت صاحب قبلہ اکثر و بیشتر راتوں کو تحقیقی مشاغل میں مصروف رہتے تھے اور عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرماتے تھے۔ بنگالی صاحب بھی گیٹ پر بیٹھے رہتے تھے اور نیند کے

غلبے سے ہچکولے کھاتے تھے اور جھوم جھوم کر اپنی نیند پوری کرتے تھے مگر بستر پر سوتے نہیں تھے۔ ان کا نام نور محمد تھا اور سادات کے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، صاحبزادہ سید ارشد سعید کاظمی (اور ہمارے شاگردِ رشید سید اشفاق احمد شاہ بخاری دربار پیر سید محمد اکبر شاہ بند بوسن روڈ ملتان) کے ہم سبق تھے۔ صاحبزادہ سید ارشد سعید کاظمی بتاتے ہیں کہ ان کی موجودگی میں حضور غزالیٔ زماں نے فرمایا: میرے خیال میں مولانا بنگالی قطب بن گئے ہیں۔ آپ نے یہ کلمے تین بار ارشاد فرمائے اور تین بار مولانا بنگالی کے سر پر ہاتھ بھی پھیرا۔(516)

غزالیٔ زماں کا عطیہ ہر مشکل کی کنجی

ختم خواجگان شریف

درود شریف:۔

1) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ (500 مرتبہ)

2) بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (1900 مرتبہ)

3) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ﴿۳﴾ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ؕ﴿۴﴾ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ﴿۷﴾ (75 مرتبہ)

4) اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿۱﴾ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ﴿۳﴾ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؕ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ﴿۷﴾ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾ (75 مرتبہ)

5) اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ؕ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ ؕ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾ (75 مرتبہ)

6) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (75 مرتبہ)

7) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ
وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ (111 مرتبہ)

8) يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ۔ (111 مرتبہ)

9) نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ۔ (111 مرتبہ)

10) حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔
(111 مرتبہ)

11) يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ۔ (111 مرتبہ)

12) يَا حَلَّالَ الْمُشْكِلَاتِ۔ (111 مرتبہ)

13) يَا شَافِعَ الْاَمْرَاضِ۔ (111 مرتبہ)

14) يَا دَافِعَ الْبَلِيَّاتِ۔ (111 مرتبہ)

15) يَا كَافِيَ الْمُهِمَّاتِ۔ (111 مرتبہ)

16) يَا قَاضِيْ اَنْتَ الْقَاضِيْ۔ (75 مرتبہ)

17) يَا شَافِيْ اَنْتَ الشَّافِيْ۔ (75 مرتبہ)

18) يَا كَافِيْ اَنْتَ الْكَافِيْ۔ (75 مرتبہ)

19) يَا شَيْخ عَبْدُ الْقَادِرِ جِيْلَانِيْ شَيْئًا لِلّٰهِ۔ (75 مرتبہ)

20) درود شریف
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ
كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ۔ (500 مرتبہ)

ختم خواجگان کی یہ ترتیب اور طریقہ امام اہلسنت، غزالی زماں، رازیٔ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے اپنے دستِ مبارک سے لکھ کر سید ممتاز حسین شاہ

صاحب کو دے کر حکم فرمایا کہ ہر قمری ماہ کی گیارہ تاریخ کو ایک متعین مقام پر اہلِ ذوق احباب مجتمع ہوں، نمازِ مغرب یا نمازِ عشا کے بعد ختمِ خواجگان مع درود شریف اس کے بعد ذکر اسم ذات دوضربی ''اللہ اللہ'' مناسب وقت تک جاری رکھیں پھر ایک دو نعت شریف کے بعد صلوٰۃ وسلام بصورت قیام پڑھا جائے اور ماحضر پر فاتحہ کے بعد دعا پر محفل ذکر کا اختتام ہو۔

عارف باللہ حضرت علامہ پیر محمد ظریف فیضی رحمۃ اللہ علیہ

وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے ابتدائی تعلیم قرآن شریف، نماز اور کچھ کتب فارسی اپنے والد کریم مولانا الٰہی بخش صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ واستاذی مولانا غلام حسن صاحب تلمیذ خواجہ مولانا نورالدین صاحب والد حضرت شاہجمالی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ اس کے بعد حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت حافظ فتح محمد صاحب قادری جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مریدِ خاص اور عالم باعمل ولی کامل تھے کی خدمت میں چلا گیا۔ گلستان و بوستان وہاں پڑھی۔ پھر واپس آ کر گھر میں زلیخا اپنے پہلے استاذ حضرت مولانا غلام حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھی اور آٹھ جماعتیں اردو کی مڈل سکول اوچ شریف میں پڑھ کر اس کے بعد سکندر تقریباً پچیس دن میں حضرت مولانا غلام محمد صاحب ڈیرہ غازیخاں والے (شاگرد حضرت قبلہ شاہجمالی رحمۃ اللہ علیہ) کے پاس پڑھی۔ مولانا غلام محمد صاحب سکنہ بستی فوجی ڈیرہ غازیخاں والے بصورتِ ملازمت دربارِ جلالیہ عالیہ پڑھانے کیلئے مقرر ہوئے تھے۔ مولانا سید حضور بخش صاحب قادری گیلانی بھی ان کے پاس ''جلالین'' وغیرہ پڑھتے رہے۔ فقیر ان کے پاس سکندر پڑھتا رہا۔ بہت سیدھی سادھی طبیعت کے مالک تھے، پھر دربار جلالیہ عالیہ سے ان کو لعل خان مستوئی (مرید خواجہ عبدالرحمٰن ملتانی قدس سرہ النورانی) لے گیا۔ اور بستی مستوئیاں میں بچوں کی تعلیم کیلئے مقرر کیا، بعدہ وہ اپنے وطنِ مالوف ڈیرہ غازیخاں بستی فوجی میں چلے گئے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ (مولوی حبیب اللہ) گمانوی اور مولانا غلام محمد مذکور کے درمیان گفتگو ہوگئی۔ مولانا غلام محمد صاحب نے اپنی تائید کیلئے مولانا عارف جامی کا قول پیش کیا تو حبیب اللہ نے کہا: اُس کا قول معتمد نہیں، مولانا غلام محمد نے کہا کہ

مولانا جامی تو اتنے بڑے عالم ہیں کہ ان کی شرح جامی بغیر شروح کے آپ کو سمجھ نہ آسکے گی۔ توحبیب اللہ بولے: وہ تو سارق ہے، دوسروں کی کتابوں سے چوری کر کے اپنی شرح جامی بنادی۔ اس پر ہمیں غصہ آیا کہ حبیب اللہ نے عارف جامی کے حق میں گستاخی کی۔ اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے۔ اس کے بعد میں نے تحفۃ الاحرار مولانا غلام محمد پچی لعل والے (جو فریدی سلسلہ میں نازک کریم کے مرید تھے) اور مولانا جندوڈہ جو صاحبِ وجد وحال تھے اور خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، اور قانونچہ شاہجمالی مؤلفہ احمد دین اعوان المعروف صرفی پیرجی (جن کی قبر شریف آستانہ عالیہ شاہجمالیہ میں ہے۔ تلمیذ شاہجمالی رحمۃ اللہ علیہ) استاذیم مولانا غلام محمد پچی لعل والے کے پاس پڑھا۔ اس کے بعد ابتدائی نحوی کتابیں بھی استاذیم مولانا غلام محمد کے پاس پڑھیں، چونکہ استاذیم مولانا غلام محمد کی تعلیم کافیہ تک تھی، اس پر انہوں نے فرمایا ''کہ آپ کو رخصت ہے'' وہاں سے بندہ مولانا فقیر اللہ (جو کہ دربار جلالیہ اوچشریف کے خطیب ومعلم تھے) کے پاس کئی دن میں ہدایۃ النحو اور منیۃ المصلی ختم کر کے مولانا قطب الدین چشتی فریدی کے پاس دربار قادریہ عالیہ کے درس میں داخل ہوا۔ کافیہ، قدوری، شرح جامی اور اصول کی ابتدائی کتابیں وغیرہ استاذیم مولانا قطب الدین کے پاس پڑھتا رہا، جہاں سید حضور بخش گیلانی قادری اور مولانا رحیم بخش چاچڑ وغیرہ بھی ہم درس تھے۔ اور فقیر یہاں اکثر وقت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ ایک جگہ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ کامل مرشد وہ ہے جو مرید کو بیعت کرتے ہی فنا کا مقام طے کرادے یا فرش سے عرش اس کو دکھادے، اگر وہ ایسا نہیں کرسکتا تو مرشد نہیں حجام ہے جو مریدوں کے بالوں کو کاٹتا ہے، خواہ مخواہ لوگوں کو مرید بنا رکھا ہے۔ جب میں نے یہ دعویٰ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا پڑھا تو دل میں کہا: ہم تو ایسے پیر کو تلاش کریں گے اور اس کے مرید ہونگے جو ابتدا میں مقام فنا طے کرادے۔ دل میں ایسے مرد مجاہد کامل اکمل کے دیدار کی تڑپ رہتی تھی۔ آخر الامر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ملا ہی دیا۔

مرشد کامل کی ملاقات

آپ فرماتے ہیں جب میں مولانا غلام محمد صاحب فریدی کے پاس فارسی پڑھتا تھا تو استاذیم موصوف پیر صرفی قبلہ مرشدی شاہجمالی رحمۃ اللہ علیہما کی بڑی تعریف فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ "استاذیم مولانا فیض محمد شاہجمالی جیسا عالم باعمل، کامل، سخی، خوش خلق، خوب صورت و نیک سیرت، متوکل علی اللہ، بے سوال، صاحبِ کمال، مستغنی عن الخلق و مشغول بحق، صاحبِ وجد وحال، مرأۃِ اوصاف، محبوب خدا و مطلعِ انوارِ رسولِ الٰہ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے ایک متعلم کی عجیب بات سنائی، فرمایا" کہ ہم قصبہ شاہجمال میں پڑھتے تھے تو ایک طالب علم نے اپنا حال سنایا کہ میں نے تمام ہندوستان چھان مارا کہ کوئی کامل ملے جس کی میں بیعت ہو جاؤں، آخر الامر ایک رات رو رو کر اللہ تعالیٰ کی دربار میں عرض کی: الٰہی! مجھے کاملوں کی زیارت کرادو تا کہ میں ان سے مستفیض ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا مجھے نیند آئی تو مجھ سے کہا گیا دیکھو کامل آرہے ہیں، زیارت کرلو، تو کیا دیکھتا ہوں کہ پہلے پہلے حضرت پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سواری پر سوار ہیں ان کے متصل دوسری گھوڑی پر مرشدی شاہجمالی رحمۃ اللہ علیہ سوار ہیں اسی طرح ان کے بعد یکے بعد دیگرے اولیا آرہے ہیں حتیٰ کہ میں نیند سے بیدار ہوا تو الحمد للہ پڑھا۔ جس پر میں پہلے پہلے مولانا فیض محمد شاہجمالی کی زیارت سے مشرف ہوا جیسے دیکھا ویسے پایا، اس کے بعد پیر مہر علی شاہ کے پاس چلا گیا وہاں جا کر مرید ہوا (راقم چونکہ مصنوعی پیروں سے پہلے متنفر تھا، البتہ حقیقی ولیوں کی زیارت کیلئے بہت ترستا تھا) فلہٰذا ایک دن اپنے استاد مولانا قطب الدین سے اجازت لے کر اسی ارادہ سے گھر سے نکلا اور ظاہری طالب علم بن کر سفر طے کرنے کا ارادہ کر کے ہیڈ پنجند سے گزرتے ہوئے علی پور اور جتوئی و کانڈہ کے قریب سے ہوتا ہوا ہزاری سے شیر و والا پتن کی راہ پر گامزن ہوا، راستہ خطرناک تھا، بہت گھنے جنگلات تھے، آخر چلتے چلتے راستہ بھٹک گیا، بہت بھوک و پیاس لگی، ایک بڑے درخت پر چڑھ کر اذان کہی اور بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا: الٰہی! تو کرم فرما اور عرض کی اے مولانا فیض محمد شاہجمالی اگر تو واقعی کامل ہے تو

کرم فرما کہ یہ مشکل حل ہو جائے ، درخت سے اترتے ہی ایک آدمی مل گیا، انہوں نے مجھے کھانا کھلایا اور کشتی پر سوار کیا۔ جمعہ کا دن تھا، شام تک شہر شیرو میں پہنچا جہاں مولوی احمد یار جمعہ پڑھاتے تھے ان سے ملاقات ہوئی، تھکا ماندہ تھا کیونکہ پیدل کا سفر طے کیا، بعد نمازِ عشا روٹی کھا کر وہاں مسجد میں سو گیا، خواب دیکھتا ہوں کہ ایک مسجد ہے اس کے شمال میں تین کمرے ہیں، مشرقی کمرہ کے دروازے میں کھڑے ہو کر کسی بزرگ سے کچھ مانگتا ہوں، اتنے میں مسجد کے مشرقی وشمالی کونہ میں بیٹھ کر مجھے بیعت فرماتے ہیں، بیدار ہوتا ہوں، اور اس خواب کو خیال تصور کر کے دل سے نکال دیتا ہوں اور کوئی توجہ نہیں کرتا، آخر الامر صبح کو نماز پڑھ کر مقام شیرو سے بستی سندیلہ شریف (جہاں مسکن ومدفن قبلہ فیض عالم شاہجمالی کا ہے) کو روانہ ہوتا ہوں پہنچتے ہی صوفی محمود خاں چوٹی والے سے ملاقات ہوتی ہے، حضرت کے متعلق پوچھا کہا کہ حضرت اپنے خالہ زاد بھائی مولوی محمد عبداللہ جکھڑوی کی طبع پرسی کیلئے جکھڑ امام روانہ ہو گئے ہیں، لنگر سے روٹی آئی، کھا کر مسجد میں بیٹھ گیا، شام کو مولانا عطا محمد حضرت کے چھوٹے بھائی تشریف لائے، پوچھا: تو کون ہے؟ عرض کی متعلم ہوں، بعد از مغرب کھانا لایا گیا، عشاء کی نماز ادا کرنے سے پہلے حضرت مع الٰہی بخش قصائی تشریف لائے۔ سب سے پہلے فقیر نے قدموں پر ہاتھ رکھ کر سلام عرض کیا، حضرت نے فرمایا: ''مریدا خیریت ہے'' عرض کی جی حضور! دل میں خیال آیا کہ بعض پیر اپنے ملنے والے کو کہہ دیتے ہیں: مریدا خیر ہے؟ یہ بھی آپ کا کہنا ''مریدا خیریت ہے'' ایسا ہی ہوگا، اس کے بعد آپ نے پوچھا، کہاں سے آیا ہے؟ عرض کی اوچشریف سے، فرمایا! ''تو بھی اونچا ہے'' فرمایا ''روٹی کھائی ہے۔'' جی حضور کھائی ہے۔ فرمایا: ''بسترہ لے آؤں'' عرض کی: جی حضور، حضور کریم سیدی ومرشدی بذات خود میرا بسترہ اٹھا کر لے آئے اور چارپائی پہ سلایا۔ صبح کو بعد نماز ایک متعلم نے مشکوٰۃ شریف کا سبق شروع کیا، پڑھتے پڑھتے حدیث اِنَّ اللہَ خلق اٰدَمَ علیٰ صُورتہٖ آئی تو راقم نے عرض کی حضور ''صُورَتِہٖ'' کی ضمیر کس طرف لوٹتی ہے؟ فرمایا ''اللہ تعالیٰ کی طرف بھی اور آدم علیہ السلام کی طرف بھی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف

لوٹائی جائے تو یہ معنی ہوگا عَلٰی صِفَتِهٖ تَعَالٰی اگر آدم علیہ السلام کی طرف لوٹائی جائے تو معنیٰ ہوگا:
اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، آدم کی صورت پہ جو ممتاز تھی دوسری صورتوں سے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کے متعلق عرض کیا تو فرمایا ''تمام علوم اللہ تعالیٰ نے حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائے ہیں، حتیٰ کہ علومِ خمسہ بھی۔ میں نے عرض کی کہ حضور آیہ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ الخ کیا مطلب ہے؟ فرمایا: فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن) سے ثابت ہے۔ ''فَلَا مُنَافَاةَ بَیْنَهُمَا'' اور بعدہٗ وقتاً فوقتاً تعلیم و تعلم کے بارے میں بڑی شدومد سے تحقیق فرماتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر و ناظر سمجھتے۔ اور معاون و مددگار و معین ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حسبِ منشا خود دور سے مسائل بالمشافہ پوچھتے تھے۔ جب مولانا غلام محمود پپلی والے جو آپ کا شاگرد رشید تھا، کتاب نجم الرحمٰن تالیف کر کے قبلہ شاہجمالی کی خدمت میں بھیجی تو حضور کتاب موصوف کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور تصدیقاً فرمایا کہ بہت اچھی کتاب ہے۔ ''اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّ حَبِیْبِكَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' راقم الحروف دو دن سیدنا و مرشدنا شاہجمالی کی خدمت میں رہا اور آپ کی نشست و برخاست، زہد و تقویٰ، سخاوت و خوش خلقی و علم بے پایاں و عرفان بے گمان و محبت اللہ تعالیٰ و رسولہ و صداقت و خلوص و سادگی طبیعت و شفقت علی الخلق و محبت تعلیم و تعلم و تواضع و انکساری اور سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دینا، حتیٰ کہ رات کو کھایا و کھلایا صبح کیلئے کچھ نہ چھوڑا۔ اور ساری زندگی آپ کا یہی دستور رہا، دن کو کھایا، کھلایا تو رات کے لیے کچھ نہ رکھا۔ بغیر سوال کیے کسی سے جتنا آتا سب خرچ کر دیتے اور فرماتے ''شب درمیان تے رب مہربان'' اکثر مقروض رہتے تھے پھر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے قرض بھی اتر جاتا تھا جبکہ فقیر نے مرشد شاہجمالی کو مظہرِ صفات و مطلعِ حسنات سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام پایا تو دل مجبور ہو گیا کہ بے ساختہ دوپہر کے وقت والہانہ صورت میں مشرقی کمرہ کے دروازے سے باہر نکلا اور دل سے ارادۂ مصمم کر کے اسی انتظار میں کہ حضور پرنور سیدی و مرشدی کی خدمت میں عرض کروں، اتنے میں حضور اچانک میرے سامنے آئے اور فرمایا: ''بتاؤ کیا کہتے ہو'' عرض کی

کہ حضور! اپنے سلسلہ عالیہ میں مشرف ہونے کا شرف بخشیں، فرمایا ''بعد نماز ظہر'' جب ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد کے شمال مشرقی کونے میں تشریف فرما ہوئے تو اشارہ فرمایا فقیر دو زانوں ہو کر دست بستہ اپنے مرشد کریم کے حضور میں خشوع و خضوع کیساتھ سر جھکا کے بیٹھا تو حضور نے اپنے دونوں ہاتھوں سے میرے دونوں ہاتھوں کو پکڑا اور بیعت فرمائی، ایسا معلوم ہوا کہ فقیر مثل کپاس کے ڈھیر کے دباؤ میں آتا جا رہا ہے اور کچھ پڑھ کر ہاتھوں پہ پھونکا، تو پھر مجھے اپنے ہونے نہ ہونے کی خبر نہ رہی یہ کیفیت و حالت مجھ پہ ایک منٹ تک یا کچھ زیادہ رہی۔ ''واللہ اعلم ورسولہ''

جہاں رہتے ہیں بیدم نہ ویرانہ ہے نہ بستی ہے
نہ پابندی، نہ آزادی، نہ ہوشیاری نہ مستی ہے
نہ ویرانہ میں رہتے ہیں نہ ہیں آباد بستی میں
نگاہ یار کے صدقے، بسر ہوتی ہے مستی میں

کیا بتاؤں کیا تھا، نہ کہاں تھا، نہ وہاں تھا، نہ چنیں تھا، نہ چناں تھا۔ الحمدللہ علی ذالک

افتم بہ پائے خود کہ بکویت رسیدہ ام
نازم بازماں کہ بہ بلطفم خریدۂ

نفی اثبات کے ذکر کی اسی طرح سے تعلیم فرمائی، کہو لا الہ کچھ نہیں الا اللہ، اللہ ہے، ماسوی ''اللہ'' کے کچھ نہیں، ایک تسبیح کبھی کبھی محمد رسول اللہ بھی کہہ دیا کرو، ''الا اللہ'' کی دو تسبیح اور ''اللہ'' کی چار تسبیح۔ سارا دن ذکر و سرور و مستی میں گذرا، مغرب کے بعد دل میں خیال کیا کہ دوسرا وظیفہ بتائیں تو بغیر بیان کئے بلا کر فرمایا ''کہ اوابین کی چھ رکعتیں تین دوگانوں سے پڑھیں، ہر رکعت میں تین بار اخلاص بعد فاتحہ، اور دوگانہ حفظ الایمان بعد فاتحہ سات بار اخلاص اور ایک بار فلق پہلی رکعت میں اور دوسری رکعت میں بعد فاتحہ سات بار اخلاص اور ایک بار الناس، بعد سلام سر بسجود ہو کر یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ ثَبِّتْنِیْ عَلَی الْاِیْمَانِ کئی مرتبہ پڑھ کر دعا مانگیں۔ رات کو سو گیا صبح کو نماز کے بعد لوگوں نے تعویذات لکھانے شروع کیے۔

موسم فصل ربیع کا تھا، فقیر کے دل میں خیال آیا کہ میں بھی برکت والا تعویذ لکھا کر گھر لے جاؤں، حاضر ہوا، تعویذ کے متعلق عرض کی اور دل میں خیال کیا کہ تعویذ لکھانے کے بعد تہجد کا طریقہ پوچھوں گا تو مرشد کریم نے مجھ سے کاغذ لے کر پہلے تہجد کا طریقہ بغیر عرض کرنے کے لکھ دیا کہ بارہ رکعتیں، اور ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد تین بار اخلاص پڑھتے رہنا۔ بعدہٗ تعویذ مربع اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النور: 25) لکھ کر، تعویذ مذکور کے لکھنے کی اجازت مع ترکیب عطا فرمائی، اور فرمایا: ''ہر کام کے لیے یہی تعویذ کافی ہے۔'' اس کے بعد مجھے پتہ چلا کہ حضرت صاحب، صاحبِ کشف بھی ہیں کہ میرے بغیر کہے دل میں پوشیدہ ہر سوال کا جواب فرماتے ہیں۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

پھر مجھے وہ خواب یاد آیا جو میں نے حضرت صاحب کی خدمت میں آتے ہوئے دیکھا تھا ہو بہو ویسا پایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ۔ گھر آکر والدین کو سارا حال من وعن سنایا، بڑے خوش ہوئے اور خوشی سے حضرت صاحب کی خدمت میں پڑھنے کی اجازت فرمائی، میرے والدین میرے اہل وعیال کے خرچہ کے کفیل رہے، بعدِ فراغتِ تعلیم بھی ہر قسم کا تعاون فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ پہلا سفر حجاز مقدس بھی ان کے تعاون سے سر انجام پایا۔ جزا اللہ تعالیٰ هما ووافی اللہ تعالیٰ عنهما واپس اپنے وطن بستی مستوئیاں جواب فیض آباد کے نام سے مشہور ہے میں آتے ہی اپنے والدین اور استاذ یم استاذ العلما مولانا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت سیدی قبلہ شاہجمالی کی خدمت میں جانے کیلئے اجازت طلب کی۔ (517)

واقعہ دوران تعلیم

آپ فرماتے ہیں جسوقت بعد اجازت والدین واستاذیم صاحب بستی سندیلہ شریف میں پہنچا، اس وقت تقریباً پچاس طالب علم مسافر پڑھتے تھے اور استاذیم مولانا عطا محمد (جو حضرت کے چھوٹے بھائی اور شاگرد تھے) بھی پڑھاتے تھے اور حضرت فیض عالم شاہجمالی بھی

باوجود بڑھاپے کے خود پڑھاتے تھے۔ مولانا غلام حسن شاہ، مولانا عبدالغفور، مولانا نبی بخش، مولانا سید عبدالرحمٰن، مولانا پیر بخش وسید محمد شاہ ولد سید کمال وغیرہ پڑھتے تھے۔ فقیر کی ابتدائی حاضری میں حضرت قبلہ سیدی فیض عالم مرشدی نے میرے اسباق مولانا عطامحمد کے پاس رکھادیئے، کئی دن تک استاذیم مولانا عطامحمد کے پاس جلالین، ابوداؤد و مسلم وغیرہ پڑھتا رہا۔ ایک دن جلالین پڑھتے وقت میرا استاذیم مولانا عطاء محمد صاحب کے درمیان مطلب بیان کرنے میں اختلاف ہوگیا۔ فقیر نے عرض کیا: اس عبارت کا مطلب اس طرح ہے، لیکن استاذیم صاحب نے فرمایا: ''نہیں اس طرح ہے جیسے میں نے بیان کیا ہے'' راقم نہ مانا حتیٰ کہ استاذ العلما، سید الاولیا، فیض عالم سیدی شاہجمالی کی خدمت میں ہم دونوں حاضر ہوکر اپنے اپنے فہم کے مطابق تقریر سنائی۔ حضرت نے فرمایا ''محمد ظریف کی تقریر درست ہے'' مولانا عطامحمد نے خوش ہوکر مجھے گلے لگالیا اور شاباش فرمائی۔ دوسری مرتبہ یہ ہوا کہ استاذیم مولانا عطامحمد مجھے ابوداؤد شریف پڑھا رہے تھے ایک حدیث کا مطلب سمجھ میں نہ آیا، ''بذل المجہود شرح ابوداؤد'' کا مطالعہ بھی فرمایا، لیکن مفہومِ حدیث سمجھ نہ آیا اور نہ ہی ''بذل المجہود'' کے مصنف نے اس کا مطلب بیان کیا۔ حتیٰ کہ ہم دونوں (راقم الحروف واستاذیم صاحب) حضرت فیض عالم سیدی ومرشدی کی خدمت میں برائے مفہوم حدیث حاضر ہوئے تو حضرت صاحب نے فرمایا: ''کیا بذل المجہود والے نے اس حدیث کا حل نہیں لکھا؟ ہم نے عرض کی: حضور نہیں! تو حضور نے فرمایا: ''بذل المجہود دکھاؤ'' جب قبلہ شاہجمالی نے شرح بذل المجہود کو دیکھا تو مطلب لکھا نہ پایا، فرمایا: ''ان لوگوں کے پاس قلم وکاغذ تو بہت ہیں مگر حدیث کا مفہوم بیان نہ کرسکے، پھر حضرت نے حدیث کی شرح بیان فرمائی، تو ہم دونوں کو تسلی ہوئی۔ آخر الامر ایک دن میں نے اپنے پیر بھائی مولانا غلام حسن شاہ کی خدمت میں عرض کی کہ ایسے کالے حرف پڑھانے والے عالم تو ہماری ریاست بہاولپور میں بہت ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ حضرت کی خدمت میں سبق پڑھتا رہوں اور سفر وحضر میں حضرت مجھے اپنے ساتھ رکھیں تو زہے قسمت! میری یہ

درخواست حضرت کی خدمت میں منظور ہوئی، باقی کتب، ہدایہ، توضیح، احادیث، علم معقول ومنطق وغیرہ حضرت کی خدمت میں پڑھیں اور وہ بھی اس طرح کہ کبھی تانگہ میں، کبھی چلتی بس میں، کبھی دریائے سندھ میں چلتے ہوئے بحری جہاز میں اور پیدل چلتے ہوئے اور حضرت سواری پہ ہوتے تھے۔ آخرالامر بارہ ربیع الاول شریف 1356ھ کی رات بوقتِ صبحِ صادق بعدِ اختتام تقریر میلاد شریف منبر پہ بیٹھے ہوئے مرشد کریم نے اپنے ہاتھ مبارک سے فقیر کی دستار بندی فرمائی اور اس کے بعد سند بھی تحریر فرمادی۔ صبح کو مرشدِ کریم نے حکم فرمایا کہ اپنے گھر جاؤ اور علمِ دین پڑھاؤ! عرض کی: حضور! میرا دل چاہتا ہے کہ ہمیشہ آپ کی خدمت میں رہوں آپ سے دور نہ ہوں اور ظاہری، باطنی فیوضات سے بہرہ یاب ہوتا رہوں لیکن ماتحت نے حکم شاہجمالی کریم سے گھر آنے کا ارادہ کرلیا، روتے ہوئے عرض کی: غریب نواز پھر کب ملیں گے؟ فرمایا "فکر نہ کرو جلدی ملیں گے۔" (518)

فیض آباد واپسی

حضور قبلہ غریب نواز سیدی ومرشدی فیض عالم شاہجمالی کے قدمبوس ہوکر اپنے گھر کو روانہ ہوا۔ جام پور سے ہوتا ہوا لنڈا پتن دریائے سندھ کی طرف جارہا تھا کہ شتربان نے ایک شعر پڑھا

اوچ دیاں کھجیاں نندے لعل دیاں جالیں
قسمت دے میلے تے نصیبے دیاں گالھیں

(آپ فرماتے ہیں)، میں ہجر مرشد میں مغموم تھا، سنتے ہی بیہوش ہوگیا کافی وقت تک روتا رہا، جب ہوش میں آیا تو پتن پر گیا، گرمی کا موسم تھا، ہوا نہیں تھی ایک ہفتہ تک کیلئے کشتی کا آنا جانا بند تھا لہٰذا واپس جام پور آکر بس پہ سوار ہوا۔ ایک نوجوان پیر بھائی ڈیرہ غازیخان میں اپنے گھر لے گیا (جو بس میں میرا ہم نشین تھا) وہ پیر بھائی قسم وقسم کے کھانے اور دودھ لے آیا لیکن بوجہ سوز وگدازِ وہجرِ مرشد بغیر دودھ کے کچھ نہ کھایا۔ صبح کو بعد نماز اشراق مظفر گڑھ کے راستہ سے گھر جانے کا ارادہ کیا جب مسجد سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مرشدِ

کریم عالمِ بیداری میں میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر سامنے سے نکل گئے۔ فقیر پیچھے دوڑا گلی کی موڑ آئی تو حضرت گم ہو گئے بہت تلاش کیا لیکن کہیں نشان نہ ملا، غمِ ہجر سے نکل کر عالم حیرت میں آ گیا، کیونکہ حضور تو اپنے گھر مقیم ہیں، یہاں بیداری میں دیدار سے مشرف فرما کر کیسے گم ہو گئے۔ گھر آتے ہی اپنے والدِ کریم کو حال سنایا، والد صاحب نے فرمایا عزیزا! بزرگوں کو بڑی طاقت ہوتی ہے، جہاں چاہیں ایک آن میں آ جا سکتے ہیں۔ ''میرے والد مولانا الٰہی بخش ولد حاجی پیر بخش سلسلہ قادریہ میں حضرت صالح محمد سوئی شریف والے کے مرید تھے۔ انہوں نے اپنی حلال کمائی سے مجھے پڑھایا اور وہ میرے پہلے استاد ہیں۔ بوقت آخر 8 ذوالحجہ کو زباں پہ ذکر اللہ جاری تھا اور جان بجانِ آفریں سپرد کر دی۔ جب فقیر گھر سے حضرت صاحب کی زیارت کیلئے حاضر ہوا تو سارا واقعہ سابقہ کرامت والا علیحدگی میں حضور کو بیان کیا۔ فرمایا ''ایسی باتوں کا اظہار نہ کیا کرو۔'' 1934ء تک آپ کی خدمت میں حاضری ہوتی رہی اور ہر بار اپنے فیض سے مستفیض فرماتے رہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْد۔ (519)

دوسرا واقعہ

جب حضرت صاحب ہمارے ہاں دعوت قبول فرماتے ہوئے اوچشریف تشریف لائے تو مولوی غلام رسول صاحب بہاولپوری اتالیق مخدوم شمس الدین گیلانی نے بعض مولویوں کی گستاخانہ عبارات دکھائیں جن کے خلاف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ وعلمائے حرمین شریفین کے علاوہ بہت سے علمائے کرام نے کفر کا فتویٰ دیا، حضور قبلہ شاہجمالی اس وقت جامع مسجد محبوب سبحانی کے درمیانی قبہ والے حصے میں تشریف فرما تھے، آپ نے ان عبارات کو پڑھ کر فرمایا: بے شک ان عبارات میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گستاخی ہے اور توہین کنندہ کافر ہے۔ فقیر اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر کر کے لکھ رہا ہے کہ حضرت نے میری موجودگی میں ان کو بوجہ گستاخی رسول کافر کہا۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت قبلہ سیدی ومرشدی کی اولاد، مریدین، معتقدین و متعلمین کو بدمذہبی کے فتنہ

سے بچائے۔(520)

تحقیق اور مناظرے

مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا منظور احمد فیضی فرماتے ہیں کہ میرے والد کریم کی دعا بعدِ نماز جنازہ کے موضوع پر احمد پور شرقیہ کے ایک مولوی سے بحث ہوئی، شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی نے آپ کے حق میں تحریری فیصلہ دیا۔ مولانا حبیب اللہ گمانوی سے علم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ اس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے "لَا اَعْلَمُ مَاوَرَاءَ الْجِدَارِ" قبلہ والد صاحب نے کہا کہ یہ حدیث رسول نہیں، یہ حضور پر کذب وافترا ہے۔ گمانوی نے کہا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس حدیث کو صحیح ثابت مانا ہے۔ اس پر دونوں نے تحریر کر کے دستخط کر دیئے، بایں طور کہ اگر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس حدیث کو صحیح نہ مانا ہو اور بے اصل لکھا ہو، تو بندہ (حبیب اللہ گمانوی) اپنے مذہب سے بری ہو جائے گا، اس تحریر پر اس نے اپنے دستخط ثبت کئے۔ حبیب اللہ عفا عنہ۔ والد صاحب کی طرف سے یہ تحریر تھی "اگر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس حدیث کو صحیح لکھا ہو تو بندہ اپنے مذہب سے بری ہو جائے گا، محمد ظریف" قبلہ والد صاحب نے گمانوی کے مدرسہ سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مدارج النبوۃ منگوائی، مذکورہ حدیث تلاش کر کے حبیب اللہ کو دکھا دی، اس میں یہ الفاظ درج تھے "ایں سخن اصلے ندارد و ہیچ روایت بداں صحیح ثابت نہ شدہ" اس پر قبلہ والد صاحب نے فرمایا کہ اب اپنی تحریر کے مطابق اپنے نظریات سے توبہ کرو، بجائے توبہ کرنے کے مولوی حبیب اللہ اپنی تحریر زبردستی غصب کرانے لگا۔ اس مناظرہ کی تحریر بحیثیت فوٹو اسٹیٹ شائع ہو چکی ہے ایک اور موقع پر اسی مولوی سے بحث ہوئی آپ نے فرمایا کہ مولوی محمد قاسم نانوتوی نے آیت "النبی اولیٰ" کا ترجمہ لکھا ہے کہ نبی مومنوں کی جانوں سے زیادہ قریب ہے اس پر بھی گمانوی سے تحریر لے لی۔ پھر آپ نے یہی ترجمہ "آبِ حیات" میں دکھایا، مگر پھر بھی گمانوی اپنی ضد پر رہا اور اپنی تحریر پر عمل نہ کیا۔(521)

عشق خدا اجل جلالہ اور قرب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ خوفِ خدا اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں چشمِ تر رہتے تھے اور اکثر آنکھیں اشکبار رہتیں۔ تہجد کبھی قضا نہ کی، حتیٰ کہ مرض الوصال میں بھی تہجد باقاعدہ پڑھتے رہے اور ذکر بالجہر کرتے رہے۔ پاسِ انفاس تو دمِ واپسیں تک جاری رہا۔(522)

سادگی

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اتنے علمی و عملی کمالات اور اعلیٰ ارفع باطنی مقام اور استاذ العلما اور استاذ مخدومان بخاری وگیلانی ہونے کے باوجود نہایت سادہ لباس اور سادہ زندگی گزاری۔ تواضع، وانکساری کے پیکر تھے۔ تکبر وغرور کی بیخ کنی کی۔ ہاں البتہ متکبرین سے تکبر کرتے اور فرماتے ''التکبر مع المتکبرین صدقۃ'' یعنی تکبر کرنے والوں کے آگے تکبر کرنا صدقہ ہے۔ نمائش، نمود اور ریاکاری سے کوسوں دور تھے، اہلِ محلہ اور جماعتی آپ کو دادا کہہ کر پکارتے تھے۔(523)

سخاوت

آپ نہایت سخی تھے۔ ہر آنے والے واقف اور غیر واقف سے پہلے کھانے کا پوچھتے۔ بلکہ ناواقف کی طرف زیادہ توجہ فرماتے اور بلا تکلف جو کچھ موجود ہوتا پیش کر دیتے۔

حق کی راہ دکھاتے رہے

بڑی شفقت سے کئی افراد کو علمِ دین اور عرفان، اور مزاراتِ مقدسہ کی زیارات اور اعراسِ بزرگان کے شرف سے نواز کر ان کو صراطِ مستقیم پر لائے اور علم و عرفان، خوفِ خدا اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مالا مال کیا آپ کے شاگرد اور مرید ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔(524)

تحریک پاکستان ونظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تحریکِ پاکستان میں آپ نے مجاہدانہ کردار ادا فرما کر مسلم لیگ کو ووٹ دلایا اور اس کو

کامیاب کرا کر آزادی حاصل کرائی۔ تحریکِ نظام مصطفیٰ ﷺ میں بھی سرپرستی فرما کر اپنے عزیز واقارب کے خون کا نذرانہ پیش کرایا۔ (525)

مرض الموت

آپ شب بیدار تھے، ساری ساری رات اللہ کی یاد میں روتے رہتے تھے اور رات کو کم سوتے تھے۔ تمام عمر تقریباً صحت مند رہے۔ حیاتِ مبارکہ کے آخری دو سالوں میں اتنے کمزور ہو گئے کہ سفرِ حرمین کے قابل نہ رہے۔ لیکن مدینہ منورہ کیلئے ترستے رہتے تھے۔ مرشد کے سجادہ نے فرمایا کہ حج اور عمرے بہت ہو چکے ہیں اب یہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی حاضری سے مشرف ہوتے رہو۔ رمضان شریف کے اوائل میں نمازِ تراویح تک باجماعت ادا کرتے رہے، پھر گھر میں بھی نماز باجماعت ادا کرتے رہے، یہاں تک کہ سخت بیماری کے باوجود تہجد اور ذکر بالجہر سے مشرف رہے، پاسِ انفاس (یعنی سانس باہر آئے تو اللہ اور سانس اندر جائے تو ہو۔ اگر چہ زبان ولب بند ہوں) تو ہر وقت اور ہر لمحہ دم واپسیں تک جاری رہا۔ اور کبھی کبھی ضعف اور کمزوری کے باوجود جہراً پڑھ لیتے تھے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْہُ اِلَّا اِلَیْہِ، رَضِیْتُ بِاللہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّنَا، رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔ 21 اپریل 1995ء بمطابق 19 شوال 1415ھ بروز منگل بوقتِ اشراق صبح ساڑھے سات بجے روح نے پاسِ انفاس پر قفس عنصری سے پرواز کی۔ (آپ کی نماز جنازہ حسبِ وصیت آپ کے اکلوتے بیٹے استاذ العلما شیخ القرآن والحدیث بیہقیِ وقت مناظر اسلام علامہ مولانا منظور احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔ آپ کی نمازِ جنازہ پر عیدگاہ محمود پارک احمد پور شرقیہ میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی دوسری نماز جنازہ پیر طریقت شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد اکرم شاہجمالی نے پڑھائی آپ کو مدرسہ فیض الاسلام (نزد ریلوے اسٹیشن ڈیرہ نواب صاحب محلہ قریش آباد) کے احاطہ میں دفن کیا گیا۔ عرس مبارک 20-21 مارچ کو ہوتا ہے)۔

قطب زمانہ خواجہ فیض محمد شاہجمالی قدس سرہ العزیز

مولانا محمد ظریف نے لکھا ہے کہ ابتدائے جوانی میں مرشدنا شاہجمالی اپنے والد کریم و مولانا نصیر بخش صاحب سے تمام علوم عقلی ونقلی مع احادیث وتفاسیر وغیرہ پڑھ کر مسند تعلیم و تعلم پر جلوہ افروز ہوئے تو اس وقت مدرسہ میں تقریباً تین سو طلبا زیر تعلیم تھے۔ اور مدرسین میں مولانا نصیر بخش صاحب، مولانا نورالدین صاحب، پیر صرفی صاحب (جو مرشد شاہجمالی کے شاگرد تھے) ودیگر حفاظ کرام موجود تھے حضرت محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ کے مرید مولانا غلام مصطفیٰ کوئٹہ والے (جو کہ فقیر کو تھلہ شریف میں ملے تھے) نے فرمایا کہ شاہجمالی کے مدرسہ میں سبق پڑھنے کی تیسرے دن ہماری باری آتی اور معاشی حالات اسطرح تھے کہ تیسرے دن تہائی یا چوتھائی حصہ روٹی کا کھانے کو ملتا، کمزوری اور بھوک سے نڈھال ہوجانے سے دیواروں کے سہارے سے اٹھتے تھے، مگر استاد صاحب کی قابلیت وحسن خلق کیوجہ سے ہم دوسرے کسی مدرسہ میں جانا نہیں چاہتے تھے۔ حافظ محمد عارف صاحب احمد پوری نے شیخ الجامعہ مولانا غلام گھوٹوی سے پوچھا ''کیا آپ حضرت شاہجمالی کی خدمت میں پڑھنے کیلئے گئے تھے؟'' فرمایا'' کچھ دن کیلئے گیا تھا لیکن وہاں طلباء کا بہت ہجوم تھا کئی دن کے بعد سبق حاصل ہوتا تھا اس لئے فقیر وہاں سے چلا آیا'' اور فرمایا ''شاہجمالی میرے استاد ہیں'' راقم الحروف حضور قبلہ شاہجمالی کی ہمراہی میں ایک مرتبہ قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پہ گیا حضرت سید غلام محی الدین المعروف بابو جی بھی عرس پہ تشریف لائے۔ جب ہم نے سنا کہ گولڑہ شریف والے پیر صاحب تشریف لے آئے ہیں تو مرشدی شاہجمالی ومولانا احمد علی صاحب نائب شیخ الجامعہ عباسیہ کے ساتھ زیارت کیلئے گئے، اور سلام کیا اس وقت سید غلام محی الدین صاحب سید نجیب علی شاہ صاحب کے ساتھ محو گفتگو تھے، جب مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی نے سیدی شاہجمالی کو دیکھا تو فوراً پاؤں میں گرے دست بوسی کی راقم نے شیخ الجامعہ کے آگے جھک کر قدموں پہ ہاتھ رکھنے کی کوشش کی مگر آپ نے میرے ہاتھوں کو پکڑ لیا اور فرمایا آپ تو اتنے بڑے بزرگ کے خلیفہ وشاگرد ہیں۔ کچھ دیر حضرت

صاحب کی خدمت میں بیٹھنے کے بعد واپس چلے آئے۔ لیکن بابو جی محو گفتگو رہے، اور قبلہ شاہجمالی کے ساتھ کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ میں نے جب دیکھا کہ آپ نے کوئی توجہ نہیں کی تو کہنا پڑا کہ سید صاحب کو اتنی بے توجہی نہیں کرنی چاہئے تھی مولانا احمد علی صاحب بولے یہی اچھا ہے کہ کوئی نہ جانے حضور قبلہ شاہجمالی کریم نے فرمایا وہ غوث پاک کی اولاد ہیں اور بزرگ ہیں اُن کے شایان شان یہی ہے، ہم غلام لوگ ہیں۔ حضور قبلہ شاہجمالی کی عادت مبارکہ تھی کہ ہر سید اور ہر بزرگ کی اولاد کے قدموں پر ہاتھ رکھ کر ملتے تھے۔ ایک دن آپ مسجد سندیلہ شریف میں قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک سید صاحب جنکی بڑی بڑی موچھیں تھیں مسجد میں آئے، تو حضرت صاحب بحالت تلاوت قرآن مجید اس کے آگے کھڑے ہو گئے اور ادب سے پیش آئے، میرے دل میں یہ چیز ناگوار گذری کہ اتنے بڑے بزرگ ہو کر قرآن شریف کی تلاوت چھوڑ کر سید کے آگے کھڑے ہو گئے ہیں۔ اتفاقاً اسی وقت طلباء کے ساتھ گفتگو ہو گئی، تو حضرت صاحب سے عرض کی کہ حضور مونچھوں کو کیسے رکھنا چاہئے؟ حضرت صاحب نے فرمایا ''شامی اٹھاؤ اور خود دیکھ لو'' فقیر نے جب فقہ کی کتاب شامی اٹھا کر کھولی پہلی نظر راقم کی اس جگہ پہ پڑی جہاں یہ عبارت تھی کہ اگر سید واستاد قرآن شریف پڑھنے والے کے پاس آئے تو فوراً ان کی تعظیم کیلئے اٹھنا جائز ہے، راقم شرمندہ ہوا اور وہیں کہا کہ حضرت کا کوئی فعل خلاف شریعت نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ ایک شخص کسی افسر کے پاس سفارشی خط کیلئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ہدیہ بھی ساتھ لایا آپ نے اسے خط لکھ دیا اور ہدیہ واپس کر دیا۔ استاذیم مولانا غلام محمد کچی لعل والے فرماتے ہیں کہ جب ہم پیر صرفی کے پاس بہ رفاقت احمد دین صرف پڑھنے کیلئے شاہجمال گئے تو اس وقت ایک طالب علم کو روزانہ ایک تہائی یا چوتھائی حصہ روٹی کا ملتا تھا، جب پہلی بار دریائے سندھ میں طغیانی آئی تو حضرت نے طلباء کے ساتھ جام پور کے قریب چاہ صوم والا میں سکونت اختیار کی بعدہٗ واپس شاہجمال آگئے پھر دریا کو طغیانی آئی تو سندیلہ والے ملک صاحبان حضرت کو سندیلہ شریف میں لے آئے، آپ وہیں سکونت پذیر ہو گئے، پیر صرفی

بھی آپ کے ساتھ رہے اور بعد از وصال سندیلہ شریف میں مدفون ہوئے۔ میرے پیر بھائی محمد رمضان عطائی فرماتے تھے "پولی دی دھرک پند یلے تونڑیں تے اساڈی دھڑک سندیلے تونڑیں" "نیز یہ بھی فرماتے" یَا فَیْضَ مُحَمَّدِ شَاھُجَمَالِیْ اِرْحَمْ عَلٰی خَسْتَہٗ حَالِیْ" عطائی صاحب اگرچہ انسپکٹر، مدرس اور انگلش دان تھے مگر عربی فارسی میں بھی خاصا عبور رکھتے تھے۔ میں نے عطائی صاحب سے پوچھا کہ آپ نے عربی فارسی کہاں پڑھی ہے، فرمایا تمہیں حضرت صاحب یہاں پڑھاتے ہیں، میں اپنے گھر پہ ان کے پاس پڑھ لیتا ہوں، مجھ سے حضرت صاحب دور نہیں عطائی صاحب کی رباعی:

بیند ہمہ جا عارف آگاہ ہو اللہ

در مہر ہو اللہ، در ماہ ہو اللہ

از درد کشاں پرس کہ در درد چہ یابند

در درد ہو اللہ، در آہ ھو اللہ

قاضی فیض محمد گرداور جھگی والے نے فقیر کو بتایا کہ ہم شاہجمال میں پڑھتے تھے، ہر جمعرات کو طلباء اکٹھے ہو کر نعت خوانی وقوالی کرتے تھے، ایک جمعرات کا واقعہ ہے کہ ہم میں سے ایک شہزادہ بن گیا اور سوال کیا۔ "کس لیے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں؟"

دوسرے متعلّم نے جواب دیا۔ "مصور مانگتا ہے درہم ہاتھ میں پائی نہیں ☆ اس لیے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں"

پھر سوال کیا "کس لیے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں؟"

تیسرے طالب علم نے جواب دیا "بت پرستی کی رسم اسلام میں آئی نہیں ☆ اس لیے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں"

پھر سوال کیا "کس لیے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں؟"

ایک اور طالب علم نے جواب دیا "ایک سے جب دو ہوئے وہ خط یکتائی نہیں ☆ اس لیے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں"

طلباء کے ان سوالات وجوابات کو حضرت صاحب چھپ کر سن رہے تھے۔

اس سوال کے جواب میں ایک طالب علم نے جواب دیا "بے مثل کی مثل لانا، اسمیں دانائی نہیں ☆ اس لیے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں"

بس یہی کہنا تھا کہ حضرت صاحب وجد میں آ گئے، خود بھی روتے رہے اور دوسروں کو بھی رلاتے رہے اور طالب علم سے بار بار یہی شعر سنتے رہے۔

شاہ جمالی کریم کے وجد کی کیفیات

سیدنا و مرشدنا حضور قبلہ شاہجمالی کے حال و وجد کی کئی صورتیں تھیں کبھی روتے ہوئے نعت خوانوں وقوالوں کے بغل گیر ہوتے ہوئے چلتے، ذکر پاس انفاس جاری ہوتا اور زمین پہ لیٹے ہوئے نظر آتے تھے۔

وجد کی ایک اور کیفیت

مولانا دین محمد صاحب اللہ آباد والے کہتے ہیں کہ میں حافظ جمال اللہ ملتانی کے عرس پر گیا۔ وہاں سازوغیرہ کے ساتھ محفل سماع کا اہتمام تھا، جس میں حضرت قبلہ شاہجمالی بھی موجود تھے قوالی کے دوران حضرت صاحب کو ایسا وجد آیا آپ زمین سے اوپر اُٹھ گئے، زمین پہ آپ کے جسم کا کوئی حصہ نہیں لگ رہا تھا، نصف گھنٹہ تک آپ فضا میں وجد کرتے رہے۔ میں نے جب یہ حالت دیکھی تو میرا دل آپ کا معتقد ہو گیا اور میں آپ کا مرید ہو گیا۔ ایک سال آپ نے سندیلہ شریف میں حسب معمول حضرت جمال الدین کا عرس کرایا، جس میں محمد شفیع قوال کوٹ مٹھن والے نے قوالی کی، قوالی میں اس نے بیدم وارثی کی غزل شروع کی جب اس نے یہ شعر پڑھا

مجھے خاک میں ملا کر میری خاک بھی اڑا دے
تیرے نام پر مٹا ہوں مجھے کیا غرض نشان سے

حضور شاہجمالی کو ایسا وجد ہوا کہ جان قفس عنصری سے چلی گئی۔ لوگ رونے لگے، یہی حالت تقریباً گھنٹہ کے قریب تک رہی محمد رمضان عطائی نے فرمایا کہ قوالی جاری رکھو محمد شفیع

قوالی کرتا رہا، جب قوالی کا آخری شعر پڑھا

اسی خاک آستان میں کسی دن فنا بھی ہوگا

کہ بنا ہوا ہے بیدم اسی خاکِ آستاں سے

اس شعر کے کہنے پر مرشد شاہجمالی پھر زندہ ہو گئے۔ سید الطائفہ حضرت خواجہ قطب الدین اوشی کاکی کا بھی اس طرح کا واقعہ ہے کہ ان کا بھی ''کشتگان خنجر تسلیم را'' پہ وصال ہو گیا تھا اور ''ہر زماں از غیب جان دیگر است'' پہ پھر زندہ ہو گئے۔

عاشقان خواجگان چشت را

از قدم تا سر نشاں دیگر است

قاضی فیض محمد جھگی والے نے سنایا کہ ایک مرتبہ 15 شعبان کی رات قبلہ استاذیم صاحب کے ہمراہ ایک دعوت پہ گیا، رات کو حضرت صاحب تہجد کیلئے اٹھے۔ میں نے آپ کو وضو کرایا، آپ نماز تہجد میں مشغول ہو گئے اور میں سو گیا، میری آنکھ لگ گئی، پھر کچھ دیر بعد آنکھ کھلی تو دیکھا کہ حضرت صاحب کا سر کہیں ہے، پاؤں کہیں، ٹانگیں کہیں، ہاتھ کہیں اور بازو کہیں ہیں۔ سارا جسم ٹکرے ٹکرے ہو کر بکھرا پڑا ہے۔ میری چیخ نکل گئی اور زور سے کہا کہ میرے استاد صاحب کو کوئی شخص قتل کر گیا ہے فوراً تمام ٹکرے اکھٹے ہو گئے اور حضرت صاحب اٹھ بیٹھے، منہ پہ ہاتھ رکھ کر فرمایا خیر ہے؟ میں حیران ہو گیا، فرمایا ''خاموش خاموش۔'' صوفی کریم بخش صاحب بلوچ جو کہ خواجہ غلام یٰسین سجادہ نشین کے صاحبزادے خواجہ عبدالحی کے خلیفہ ہیں، فرماتے ہیں کہ میں حضور قبلہ شاہجمالی کے ساتھ ہمسفر تھا، 15 شعبان کی رات تھی حضور تہجد کے بعد ذکر فرما رہے تھے کہ کمرہ روشن ہو گیا۔ صبح کو لوگوں نے پوچھا کہ کمرہ کی چھت سے آسمان تک روشنی تھی، کیا وجہ تھی؟ ہم نے جواب دیا کہ حضرت صاحب ذکر کر رہے تھے، حالانکہ آپ خاموشی سے ذکر کر رہے تھے۔ (526)

ایک عجیب واقعہ

حضرت مولانا احمد بخش اولاً بچپن میں خواجہ جمال الدین مہاروی کے مرید تھے، جب

مکمل تعلیم حاصل کر چکے تو ان کے دل میں تڑپ تھی کسی بزرگ کا مرید ہونا چاہئے اسی ارادہ سے ملتان سے گولڑہ شریف گئے۔ دل میں ارادہ کیا کہ اگر پیر مہر علی شاہ نے ازخود مجھے بلا کر فلاں وظیفہ عطا فرمایا تو مرید ہو جاؤں گا، جب حضرت کی مجلس میں پہنچا تو چھپ کر بیٹھ گیا، لوگوں کا ہجوم تھا۔ حضرت صاحب نے فرمایا! عبدالجبار! میرے پیارے شہر سے میرے پیارے مولانا احمد بخش آئے ہیں ان کو میرے پاس لے آؤ۔ عبدالجبار نے میرا نام لے کر پکارا کہ احمد بخش ملتان والے کو حضرت صاحب بلا رہے ہیں۔ مولانا احمد بخش فرماتے ہیں کہ میں خاموش بیٹھا رہا حتیٰ کہ حضرت صاحب نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا وہ بیٹھے ہیں۔ عبدالجبار صاحب مجھے حضرت صاحب کی خدمت میں لے گئے، جس وظیفہ کیلئے میرے دل میں خیال تھا، بغیر اظہار کرنے کے اس کی اجازت بخشی میں نے عرض کی حضور! مجھے بیعت فرمالیں، فرمایا ''تیرا حصہ مولانا فیض محمد صاحب شاہجمالی کے پاس ہے۔'' گھر واپس آیا تو خواجہ جمال الدین کی زیارت ہوئی، فرمایا یہ ہیں مولانا فیض محمد شاہجمالی۔ میں نے شکل وصورت ذہن نشین کر لی پھر پوچھتا ہوا بستی سندیلہ شریف حاضر ہوا، تو دیکھتے ہی دل نے گواہی دی کہ یہ وہی ذات ہے جن کی صورت پہلے سے دیکھ لی ہے، آ کر مرید ہو گیا۔ وظائف کرتا رہا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا ہجوم ہے، بہت سے لوگ میری بیوی کے چہرہ سے پردہ ہٹا دیتے ہیں، میں ڈھانپتا ہوں پھر کھول دیتے ہیں، اسی ڈر میں بیدار ہوا، حضرت صاحب سے ملاقات ہوئی، تو میں نے خواب ابھی سنایا ہی نہیں تھا کہ حضرت صاحب نے فرمایا ''مولوی صاحب اب بتاؤ خواب اچھا ہے'' میں نے خواب سنایا تو فرمایا تم اپنی بیوی کے ساتھ حج پہ جاؤ گے (وہاں احرام کی حالت میں عورت کے چہرہ پر کپڑہ لگنا ممنوع ہے۔) حضرت صاحب کے فرمان کی مطابق مجھے بیوی سمیت حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ مولانا احمد بخش صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی، حضور! کیا مزار والوں سے بھی فیض ملتا ہے؟ فرمایا ''جی ہاں'' عرض کی حضور! خواب میں یا بیداری میں؟ فرمایا ''دونوں طرح سے'' پھر عرض کی حضور!

بیداری میں کیسے؟ فرمایا ''چلو تمہیں دکھاتے ہیں، مجھے ایک قبر پہ سوار ہونے کو فرمایا، میں قبر پہ سوار ہوگیا آپ نے فرمایا يَآيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ تین بار یہی کہا تو قبر کھل گئی ایک بزرگ باہر نکلے اور سلام وکلام کیا پھر اندر چلے گئے اور قبر بند ہوگئی۔ فرمایا یہ وظیفہ ہے فقیر کو اس وظیفہ کی زکوٰۃ نکالنے کی اجازت بخشی۔ فقیر حکیم تھا کچھ دن بعد میرے قلب کی روشنی ختم ہوگئی۔ حسب ارشاد حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی کے مزار پہ فقیر سوار ہوگیا، تین بار يَآيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ کہا تو قبر کھل گئی اور حضرت جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ مزار سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا بچہ کیا کہتا ہے؟ عرض کی حضور! قلب سیاہ ہوگیا ہے، فرمایا تو حکیم ہے نبض دیکھنے کیلئے عورت کو ہاتھ لگاتا ہے، اس وجہ سے دل کی روشنی ختم ہوگئی ہے، لہٰذا احتیاط کیا کرو۔ پھر قبر بند ہوگئی اسی دن کے بعد فقیر بغیر ہاتھ لگائے، خواتین سے صرف بیماری کی حقیقت پوچھ لیتا۔

حضرت صاحب کا بتایا ہوا وظیفہ یہ ہے۔

زکوٰۃ تصور شیخ باسم شیخ

''اول برزانو راست وچپ ایمن وایسر راس وپیشانی براست کلمہ شہادت بنویسد وکڑا اسم شیخ دہد'' پہلے دائیں اور بائیں زانو پر پھر سر کے دائیں اور بائیں طرف پھر پیشانی پہ کلمہ شہادت لکھے پھر شیخ کے نام کا کڑا دے۔ وتروں سے پہلے سات سو مرتبہ ''یا فیض محمد شاہجمالی'' اکیس رات تک پڑھتا رہے پھر نماز عشاء يَآيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ تا وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ تین بار پڑھے اسی طرح ہر روز سات رات تک یہی وظیفہ پڑھے، آخری رات کامل کی مزار پہ پاؤں کی طرف سے سوار ہوجائے، شیخ کا تصور کرے اور آنکھیں بند کر کے ستر مرتبہ يَآيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ پڑھے۔ مولانا احمد بخش صاحب مونڈ کے والے جواب ریلوے اسٹیشن مڑیالہ کے مشرقی جانب رہتے ہیں، حافظ محمود صاحب سندیلہ مع حافظ اللہ ڈتہ، سندیلہ شریف کی مسجد (جسکو ملک درویش سندیلہ نے تعمیر کیا) میں مصلی پڑھاتے تھے۔ حافظ محمود صاحب کے معاشی حالات بگڑ گئے، اتنی حد تک کہ صبح وشام کی روٹی بھی مشکل سے میسر تھی، جمعہ کے دن حضرت کی اقتداء میں جمعہ ادا

کیا، دل بہت غمگین تھا، دل میں سوچ رہا تھا کہ ہزاروں لوگ اس در سے فیض یاب ہو رہے ہیں، ہم حضرت کے پرانے غلام ہیں، نا معلوم کب کرم ہوگا۔ میں نے اسی خیال کا اظہار بھی نہیں کیا تھا کہ حضرت صاحب نے مجھے بلایا اور فرمایا ''جمعہ کے فرضوں کے بعد سورت اخلاص، فلق اور والناس اور فاتحہ سات بار پڑھتے رہنا، تنگدستی ختم ہو جائے گی حافظ محمود صاحب فرماتے ہیں کہ جب سے مرشد شاہجمال کا بتایا ہوا وظیفہ شروع کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے غنی کر دیا، اب حافظ صاحب کے لڑکے حضرت صاحب کی نظر عنایت کے طفیل اچھے خاصے دولت مند ہیں۔ مرشد شاہجمالی فقیر ولی تھے، ظاہر میں روزگار کے کوئی اسباب نہ تھے، ہر صبح وشام تازہ رزق آتا اور لنگر کا کام چلتا کبھی دو وقت کا خرچہ ایک وقت میں جمع نہ ہوتا تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے روٹی پکانے والی نوکرانی نے عصر کے وقت آ کے عرض کیا حضور! لنگر کے لئے کچھ عطا فرمائیں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دے گا تو دیں گے اسی طرح کئی بار اس نے آ کر یہی کہا، آپ فرماتے رہے کہ اللہ تعالیٰ دے گا تو ہم دیں گے، حتیٰ کہ عشاء کا وقت ہو گیا، لیکن آپ قطعاً پریشان نہ ہوئے کہ اتنے سارے افراد کے کھانے کا بندوبست کہاں سے ہوگا، آپ بالکل خوش اور ہشاش بشاش تھے طلباء کو نماز کیلئے اذان کا حکم دیا، طلباء نے عرض کی حضور! روٹی، فرمایا نماز پڑھ کر مل جائے گی، حالانکہ گھر میں کچھ بھی نہیں تھا۔ حافظ محمود صاحب کا ہاتھ پکڑا اور قضائے حاجت کی ضرورت کے لیے جنگل کی طرف چلے گئے۔ حافظ محمود صاحب کو کچی سڑک پر ٹھہرا دیا اور فرمایا انتظار کرو کہ کون آ رہا ہے۔ جب آپ آئے تو کسی شخص کے آنے کی آہٹ محسوس ہوئی، فرمایا کون ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ صوفی خدا بخش ہوں۔ فرمایا اس گدھا پہ کیا لدا ہے؟ عرض کیا لنگر کے لیے چاول ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا یہ گھی ہے فلاں شخص نے بھیجا ہے اور یہ چینی عطاء اللہ خواجہ نے بھیجی ہے۔ حافظ محمود صاحب کو فرمایا جلدی سے محمد میاں گاذر (جو آپ کا شاگرد ہے) کو بلاؤ اور زردہ پکوالو۔ ساتھ ہی فرمایا کہ خدا کیسا کریم ہے۔ پکانے والے کو بلایا گیا اور اسی وقت زردہ تیار ہو گیا جیسے آپ نے فرمایا تھا بعد از نماز کھانا مل جائے گا، عشاء کی نماز کے بعد ہر ایک نے سیر

ہو کر کھایا۔ ایک صبح کو راقم کتاب ''ہدایہ'' اٹھا کر حضور کی خدمت میں سبق پڑھنے کے لئے حاضر ہوا تو آپ کسی کی انتظار میں کھڑے تھے، عرض کی حضور! کس کی انتظار ہے؟ فرمایا کل شتربان سے لکڑی خریدی تھی، رقم کا آج کا وعدہ تھا اور وہ آ گیا ہے راقم نے عرض کی حضور! مجھے سبق پڑھائیں پیسے آجائیں گے میں نے سبق شروع کیا ابھی ایک ہی سطر پڑھی تھی کہ پیسے آ گئے، شتربان کو بلا کر پیسے دے دیئے، حتیٰ کہ ابھی سبق کا متن ختم نہیں ہوا تھا کہ لنگر کا تمام انتظام ہو گیا، عرض کیا حضور! پیسے آ گئے ہیں فرمایا تو فقیر ہے!'' مولوی گانمن نعت خواں حضرت صاحب کے خلیفہ خاص تھے سفر اور حضر میں حضرت صاحب کے خدمت گزار تھے۔ تقریر کے بعد اپنے لیے اولاد نرینہ کی دعا کی درخواست کرتے رہتے تھے لیکن بیٹا نہ ہوا۔ ملتان سے (جو آپ کا آخری سفر تھا) واپسی ہوئی۔ آپ بوجہ بیماری کمزور ہو چکے تھے، غازی گھاٹ پر مسجد میں نماز پڑھی، اس وقت حضور کو بہت گریہ ہوا، فرمایا محمد اکرم، محمد اعظم کو پڑھا کر جاتے، مگر رحلت کا وقت آ چکا ہے، اچھا، اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں، کرم ہوگا، مولوی گانمن بہت رویا، عرض کی حضور! میں بہت گنہگار ہوں میری بخشش کی دعا فرمائیں اور حج کی منظوری بھی دلا دیں۔ فرمایا'' گانمن! اولاد نرینہ ہوگی، لڑکے کا نام گل محمد رکھنا اور جب تک حج وزیارت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف نہ ہوگا دنیا سے نہیں جائے گا، نیز فرمایا اللہ تعالیٰ کا کرم ہے اے گانمن جہاں فقیر ہوگا تم بھی میرے ساتھ ہو گے۔ پیدا ہونے والا بچہ گل محمد جب شکم مادر میں آیا تو حضور نے (حالانکہ آپ کا وصال ہو چکا تھا) خواب میں فرمایا '' گانمن! گل محمد ماں کے پیٹ میں آ گیا ہے۔ جب گل محمد کی ولادت کا وقت قریب آیا تو مولوی گانمن کو خواب میں زیارت کرائی اور فرمایا '' اٹھو گل محمد پیدا ہو چکا ہے'' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مولوی گانمن کو دوسرا لڑکا عطا فرمایا، حضرت صاحب کی دعا کے نتیجے میں مولوی گانمن صاحب کو 1979ء میں حج وزیارت محبوب عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرف بھی حاصل ہوا۔ حضرت قبلہ مولانا محمد اکرم کے متعلق مجھے خواب میں فرمایا کہ ابھی چھوٹا ہے جب بڑا ہوگا تو میری طرح ہوگا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جیسے فرمایا ویسا ہوا۔ مولانا محمد اعظم صاحب بھی

صاحب کرامات ہیں۔ اور سجادہ نشین سیدی غلام یٰسین صاحب تو ان دونوں بھائیوں کے استاد و مربی ہیں اور جو کچھ فرماتے ہیں وہی ہو جاتا ہے۔ مولانا محمد اعظم کا 27/12/2016 کو انتقال ہو گیا ہے۔ (527)

مولانا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ محمد ظریف فرماتے ہیں استاذیم مولانا قطب الدین دربار قادریہ عالیہ میں معلم و خطیب تھے اور مخدوم شمس الدین صاحب گیلانی کے بھی استاد تھے وہ خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے متقی، حنفی المذہب، صحیح العقیدہ اور صوفی مشرب تھے، بعض کم عقل لوگ ان کو ''منہم'' کہتے تھے، لیکن حقیقت میں ایسے نہیں تھے، کیونکہ فقیر نے ایک مرتبہ اُن سے پوچھا'' کیا اولیاء اللہ بعد از وصال مزاروں سے باہر آ کر زیارت کراتے ہیں؟'' اور سائلین کے حصول مرادات میں امداد فرماتے ہیں! جیسا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے متعلق اکثر لوگوں میں مشہور ہے جواباً استاذ صاحب نے فرمایا'' کہ بزرگوں کو اس سے بھی زیادہ طاقت ہے اور یہ بات صحیح ہے'' دوسری مرتبہ جبکہ فقیر حزب اللہ وحزب الرسول کے مدرسہ احمد پور شرقیہ میں معلم تھا تو وہاں استاذ صاحب موصوف میرے پاس تشریف لائے اور خواجہ گل محمد صاحب چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک پہ حاضری نصیب ہوئی تو استاذ صاحب جھک کر اپنا ہاتھ استانہ عالیہ خانقاہ مقدسہ کے چوکھٹ پہ رکھتے ہوئے باادب اندر داخل ہوئے اور ختم شریف پڑھا، ہاں جہلاء و متصوفہ سے خوش نہ رہتے تھے، نیز فقیر جب بھر اہی مرشد کریم شاہجمالی در موسم میلہ اوچشریف زیارت کیلئے حاضر ہوتے تو حسب عادت چوکھٹ کو چومتے درباروں میں داخل ہوتے تھے۔ جب استاذ مولانا قطب الدین صاحب کو معلوم ہوا تو باادب واحترام بجناب مرشدی شاہجمالی حاضر ہو کر شرف زیارت سے مستفیض ہوئے اور شاگردوں کی طرح لوگوں کو ایک طرف کرتے ہوئے حضور کو اپنے مصلی تک لے گئے اور عرض کی حضور جمعہ پڑھائیں لیکن مرشد کریم نے فرمایا'' مولانا خود پڑھائیں'' استاذ صاحب نے جمعہ پڑھایا، بعدہ حضرت صاحب بہ التجاء مخدوم شمس الدین

صاحب گیلانی واستاذ صاحب باہر والے منبر کے ساتھ کھڑے ہو کر وعظ فرمایا، تمام سامعین محبت، اللہ ورسول میں مست ہو گئے۔ (528)

ولیوں کی نگاہوں میں بڑی مستی نظر آئی
بلندی آسمانوں کی انہیں پستی نظر آئی
کبھی بہلول نے بیچی کبھی حُر نے خریدی
خداوندہ تیری جنت بڑی سستی نظر آئی

مناظر اسلام علامہ منظور احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ نسب

علامہ مولانا منظور احمد فیضی بن عارف باللہ حضرت مولانا محمد ظریف بن مولانا الٰہی بخش بن حضرت پیر بخش علیہم الرحمۃ۔ آپ بلوچ قوم کے مستوئی قبیلہ سے تھے۔ بعض محققین کے نزدیک یہ قوم حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شرعی لونڈی کے بطن سے ہے یعنی قریشی ہاشمی علوی نسبتوں سے معمور ہے لیکن زبان زدِ عام یہ ہے کہ بلوچ قوم کی نسبت سید الشھدا، حضرت امیر حمزہ عمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے چنانچہ مولوی محمد افضل چیلہ سیال رئیس داسو آستانہ جھنگ۔ اپنی کتاب تاریخِ اقوامِ بلوچاں ص20و21 پر لکھتے ہیں: حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ عالمِ طفولیت ہی سے سیاحی کے مشتاق تھے۔ آپ غیر ممالک کے حالات قافلہ والوں سے سنتے اور پوچھتے تو درجہ اشتیاق اور بھی بڑھ جاتا یہاں تک کہ جب سنِ بلوغت میں حضرت ممدوح نے قدم رکھا، سفری مصائب جھیلنے کی طاقت بدن میں پیدا ہوئی۔ اقربا کو الوداع کہہ کر بھاری منزلیں طے کرتے ہوئے حلب پہنچے وہ جگہ آپ کو حسب الحال پسند آئی۔ وہیں رہنا شروع کیا، حلب کے نزدیک ایک پہاڑی پر رہائش رکھی، جو جبل البردہ کہلاتی ہے۔ وہاں پہلی شادی آپ نے زہرہ بانو بنت سلطان ناصر والی حلب سے کی اور اس کے بطن سے ایک فرزندار جمند عمار پیدا ہوئے جن کا ذکر روضۃ الشھدا کے حوالہ میں آیا ہے۔ مولوی محمد افضل نے اپنی کتاب کے ص26 پر جو شجرہ نسب لکھا ہے اس میں

انہوں نے بلوچ کو حضرت امیر حمزہ کے ساتھ پانچویں پشت میں پوتا بنایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں بلوچ بن عبدالرشید بن دولت محمد بن شرف محمد بن عمار بن حمزہ رضی اللہ عنہم۔

پیدائش

آپ کی ولادتِ باسعادت اوچشریف کے جنوب مغرب میں بستی فیض آباد میں ہوئی تھی۔ پیر کے دن صبح کے وقت 2 رمضان المبارک 1358ھ مطابق 16 اکتوبر 1939ء کو آپ نے زمین پر قدم رکھے۔ آپ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے اور آپ کی ولادت کی بشارت پہلے مل چکی تھی۔ غوثِ وقت، حضرت خواجہ فیض محمد شاہجمالی قدس سرہ العزیز نے آپ کے والد ماجد کو مدینۃ المنورہ سے واپس لوٹنے کے بعد عجوہ کھجور کا ایک دانہ دیا اور فرمایا کہ یہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے بیٹے کے لیے تحفہ ارسال فرمایا ہے۔ اس وقت آپ شکم مادر میں بھی نہ تھے۔ آپ کے والد ماجد حیران ہو گئے۔ مرشد کریم نے فرمایا: یہ کھجور آپ کے فرزند کیلئے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا تو کوئی فرزند نہیں ہے۔ مرشد کریم نے جواب دیا کہ مجھے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مولوی محمد ظریف کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا نام محمد شریف رکھنا ہے یہ کھجور اس کی گھٹی کیلئے ہے۔ جب آپ کی ولادت ہوئی تو اس کھجور کی گھٹی آپ کی پہلی خوراک بنی۔ راقم الحروف کو عاشقِ رسول اللہ، عارف باللہ حضرت مولانا محمد ظریف علیہ الرحمۃ نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ قطبِ زمانہ حضرت قبلہ پیر سید محمد عالم شاہ گولڑوی (میر آباد) کے ہاں جلسہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عرس پاک کی محفل منعقد تھی۔ میں نے شام کو حضرت سے اجازت مانگی کہ میں گھر جانا چاہتا ہوں؟ فرمایا: رات کو آپ کا بیان ہوگا گھر نہ جائیں۔ میں نے معذرت کی مگر حضرت نہ مانے میں نے کہا: ایک شرط پر رات آپ کے پاس رہتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا: بتاؤ وہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا: میرے ہاں اولاد نہیں ہے۔ مجھے فرزندِ ارجمند دلا دیں تو میں رات آپ کے پاس رہتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: آپ یہاں رات گزاریں، ہم آپ کی درخواست بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پیش کریں گے۔ امید ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درخواست قبول فرمالیں گے

اور نمازِ فجر کے بعد آپ کو صورت حال سے آگاہ کروں گا۔ آپ کے والد فرماتے تھے کہ میں نے اس امید پر رات وہاں بسر کی صبح کی نماز کے بعد حضرت نے اونچی آواز سے مجھے پکارا، جب میں حاضر ہوا تو فرمایا: مولانا محمد ظریف صاحب تمہاری درخواست منظور ہو گئی ہے ان شاء اللہ تمہیں منظور احمد عطا ہو گا یعنی دونوں بزرگوں نے بارگاہ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے آپ کو طلب کیا اور آپ کے والد ماجد کو آپ کی ولادت کی بشارت سنائی۔

راقم کی پھوپھی عائشہ بی بی کے ہاں ایک بچہ بنام منظور احمد آپ کی ولادت والی رات کو پیدا ہوا۔ کہا جاتا ہے وہ آپ کی ہم شکل تھا جو چند دنوں کے بعد فوت ہو گیا اور پھوپھی صاحبہ کے دامنِ صبر کو چاک کر کے شکیبائی میں ڈال گیا۔ آپ کی دادی عظمت بی بی اور راقم کی دادی جنت بی بی کے درمیان گہری محبت ورشتہ اخوت کا انسلاک تھا۔ استاذ کریم جب چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو آپ کی دادی صاحبہ آپ کو ہماری دادی صاحبہ کے پاس لے آتی اور وہ دونوں آپ کے ساتھ ہماری پھوپھی کے گھر جاتیں تھیں پھوپھی صاحبہ آپ کو دیکھ کر اپنے دل کو بہلاتی اور تسکین حاصل کرتی تھیں۔

تعلیم وتربیت

علامہ فیضی نے علمی وروحانی اور پاکیزہ ماحول میں پرورش پاتے ہوئے جب چار سال چار ماہ چار دن بسر کئے تو انہیں صاحبِ ذوق بلالی، وارث علوم نسفی وخیالی حضرت خواجہ فیض محمد شاہجمالی قدس سرہ العالی کی خدمتِ اقدس میں لے جایا گیا، انہوں نے بسم اللہ شروع کرائی، سورۂ فاتحہ بھی پڑھادی۔ اس کے بعد فرمایا: یہ بچہ بہت بڑا عالم اور ولی اللہ بنے گا۔ خواجہ صاحب نے آپ کو اپنا مرید بنالیا اور ڈھیروں دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔ آپ نے اپنے والدِ ماجد سے تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی اور چند ماہ کے قلیل عرصے میں قرآن پاک ختم کر کے فارسی کی تعلیم میں منزلیں طے کرنے لگے اور فارسی خوانی وفارسی دانی میں معراجِ کمال کو پہنچ گئے۔ آپ نے فارسی قوانین کا مجموعہ بنام فیضی نامہ تالیف فرمایا اور شیخ سعدی کی مشہور کتاب کریما کا حاشیہ لکھ کر علماء وفضلاء سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ نظم پڑھ لینے کے

بعد آپ نے صرف، نحو، منطق، بدیع، فلسفہ، بیان اور دیگر علوم وفنون پڑھنے شروع کئے۔ اسی دوران آپ کو غزالیٔ زماں، رازیٔ دوراں، امام اہلسنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، انہوں نے آپ سے ''عدل'' کی تعریف پوچھی آپ نے فوراً بتادی۔ غزالیٔ زماں آپ کی حاضر جوابی پر بہت خوش ہوئے۔ دعاؤں سے نوازا اور فرمایا کہ اب تم میرے پاس پڑھو، آپ کے والدِ گرامی نے کہا: حضور! جب منظور احمد آپ کی بات سمجھنے کی صلاحیت حاصل کرلے گا تو میں اسے آپ کی خدمت میں پیش کردوں گا۔ بالآخر وہ دن آ گئے جب آپ امام اہلسنت کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوئے اور دورۂ حدیث پڑھ کر دستارِ فضیلت حاصل کرلی۔ حالانکہ ابھی آپ کی ریش بھی نہیں اتری تھی۔

بیعت واجازت

سلسلہ عالیہ چشتیہ شاہجمالیہ سندیلہ شریف سے آپ وابستہ ہیں، شیخ المشائخ قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، غبیط المحققین، سند الصالحین حضرت خواجہ فیض محمد شاہجمالی نے آپ کو اپنی آغوش رحمت میں لیکر اپنا مرید بنالیا ان کے جگر گوشے شہنشاہِ طریقت، قلندرِ وقت حضرت خواجہ غلام یسین شاہجمالی اور آپ کے والد ماجد استاذ العلما، صاحب الوجد والبکاء حضرت مولانا محمد ظریف فیضی اور غزالیٔ زماں، امام اہلسنت علامہ سید احمد سعید کاظمی رضی اللہ عنہم نے آپ کی روحانی تربیت فرمائی اور آپ کو گوہرِ نایاب بنادیا۔ جذب وکیفت کی انتہائی منزلیں عبور کرنے کے باوجود آپ ہمیشہ حزم واحتیاط میں رہے اور ہوش وحواس کا دامن کبھی نہ چھوڑا، مندرجہ بالا بزرگوں نے آپ کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل فرما کر سندِ خلافت واجازتِ بیعت عطا فرمائی، پہلی بار جب آپ حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول اللہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام وزادھما اللہ شرفاوتعظیماً) کی سعادت کے شرف سے باریاب ہوئے تو آپ نے بارگاہ رسالت مآب میں حاضری دیتے ہوئے عرض کی۔ اَنَاضَیْفُكَ یَارَسُوْلَ اللہِ عَلَیْكَ اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ۔ آپ کی یہ عرض قبول ہوگئی اور آپ کو حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی رحمہ اللہ کے آستانہ پر لے جایا گیا، وہاں آپ نے محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے خطاب کیا۔ اس محفل کی صدارت مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی مصطفیٰ رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ حاضرینِ محفل کے علاوہ قطبِ مدینہ اور مفتی اعظم ہند بہت محظوظ ومسرور ہوئے اور آپ کو محدثِ پاکستان کا لقب عطا کرتے ہوئے سندِ خلافت واجازت بیعت عطا فرمائی۔

اکابر کا احترام

آپ اکابر علماء ومشائخ کا بے حد احترام کرتے تھے اور کسی کو ان کے خلاف زبانِ طعن دراز نہ کرنے دیتے تھے، سادات پر دل وجان نثار کرتے تھے، ان کی تقبیلِ ید میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ اہلِ علم حضرات کو پسند فرماتے تھے، ان کے سامنے علمی نکات پیش کر کے انہیں علم کے سمندر سے موتی تلاش کرنے کے گر بتاتے تھے کیونکہ وہ خود علومِ اسلامیہ کے بحرِ بیکراں تھے اور فنونِ دینیہ ورموزِ روحانیہ میں یگانۂ روزگار تھے، آپ کی محفل میں علماء وفضلا طفلِ مکتب لگتے تھے، مشکل ترین سوالوں کا جواب آسان لفظوں میں دیکر آپ سائل کو مبہوت کر دیتے تھے۔ آپ کی علمی وجاہت کا ڈنکا عجم وعرب میں بجتا تھا۔ ہر طبقہ کے افراد آپ سے یکساں مستفید ومستفیض ہوتے تھے، آپ کی گفتگو درِعدن کے موتیوں کی لڑی ہوتی تھی، ان اوصافِ حمیدہ کے باوجود آپ منکسر المزاج ومتواضع تھے، جسے آپ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا وہ آپ کا گرویدہ ہو کر رہ گیا۔ وہ محبت، اخوت اور شفقت کا پیکر تھے۔ ان کی علمی وروحانی رفعتوں اور عارفانہ برکتوں وعظمتوں کو زمانہ سلام کرتا ہے۔ وہ اپنے دور کے شیخ القرآن، شیخ الحدیث بلکہ حافظ الحدیث اور شیخ التفسیر تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھ ہونے والے تمام مناظروں میں کامیابی حاصل کی اور پرچمِ اہلسنت بلند رکھا، اہلِ وطن نے انہیں امام المناظرین کے لقب سے نوازا، وہ مدمقابل پر جب گرفت کرتے تو اس کے چھکے چھوٹ جاتے اور اس کا اگلا پچھلا علم ھباء منثورا ہو جاتا تھا۔

تصنیفات

انوار القرآن، مقام والدین، اسلام اور داڑھی، تعارف، سلم المناہج، ذمائمِ یزید ومحاسنِ شہید وغیرہ ان کے علاوہ بہت ساری کتابیں ان کے قلم کا شاہکار ہیں لیکن ان کی تصنیفِ لطیف ''مقامِ رسول'' آج کل کی ہزاروں کتابوں پر بھاری ہے۔ یہ کتاب عجم وعرب میں مقبول ہے جو مقام رسول وخصائصِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سمجھنے کیلئے انمول تحفہ ہے۔اس کتاب کی شرح میں کئی مجلدات تیار کی جاسکتی ہیں۔

اولاد امجاد

آپ کے تین فرزندار جمند ہیں، بڑے بیٹے مفتیٔ اعظم، خطیبِ ملت، حضرت علامہ مفتی محمد محسن صاحب فیضی دوسرے بیٹے حضرت علامہ مولانا قاری حافظ محمد حسن صاحب فیضی اور تیسرے بیٹے حضرت علامہ مولانا محمد حسین صاحب فیضی ہیں۔آپ کی چار دختران نیک اختران ہیں سب شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔

وصال ومزار پاک

یکم جمادی الاخری 1427ھ مطابق 28 جون 2006 شب بدھ بوقتِ اذانِ نماز عشا بمقام المصطفیٰ ہسپتال کراچی میں آپ کا وصال ہوا۔آپ کی نماز جنازہ میں ایک لاکھ سے زائد مسلمان شریک ہوئے۔آپ کا مزار جامعہ فیض الاسلام محلہ قریش آباد احمد پور شرقیہ میں آپ کے والد کریم کے روضہ میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی سجادہ نشین غزالیٔ زماں نے علامہ فیضی کے چہلم شریف کے موقع پر فرمایا کہ ان کی تین عادتیں قابل تحسین ہیں جو علماء میں بہت کم واقع ہوئی ہیں۔(1) چشم تر رہنا (2) سادگی اپنانا (3) سادات کا ادب کرنا۔علامہ فیضی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ اقدس پناہ میں کثرت سے درود شریف پڑھتے رہتے تھے اور چشم تر ہوتے تھے۔جوانی میں زرق برق لباس پہنتے تھے لیکن 40 سال کے بعد سادگی کو اپنا شعار بنالیا اور آلِ رسول واصحابِ رسول

سے محبت کرتے تھے۔ جب کوئی سید مل جاتا تو اس کے ادب و احترام کو بجالاتے تھے۔

حضرت خواجہ محمد فضل علی شاہ قریشی عباسی نقشبندی

حضرت غریب نواز خواجہ فضل علی قریشی قدس سرہ کے آباؤ اجداد عباسی یلغار کے ساتھ عرب سے سندھ میں آئے اور وہاں سے میانوالی کے ضلع میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ اس بستی کا نام داؤد خیل مشہور ہو گیا۔ ہاشمی عباسی ہونے کی وجہ سے آپ کا خاندان عوام میں قریشی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کی ولادتِ باسعادت داؤد خیل میں 1270ھ میں ہوئی۔ آپ کا ابتدائی زمانہ کالا باغ میں گزرا اور اسی علاقہ میں تعلیم حاصل کی جو شرحِ وقایہ اور شرح جامی تک تھی۔ اساتذہ میں حضرت مولانا قمر الدین اور مولانا احمد علی سہارنپوری تھے جن سے آپ نے درسِ کتب اور دورۂ حدیث کیا۔ ابتدا میں حضرت کے دل میں خیال آیا کہ ایک طوطا پالوں اور اس کو اچھی باتیں پڑھاؤں لیکن غیب سے القا ہوا کہ طوطے کو پڑھانے سے اتنا فائدہ نہ ہوگا جتنا مخلوقِ خدا کو پڑھانے سے فائدہ ہوگا۔ انسان کا قلب اللہ تعالیٰ کی طرف سے طوطا ہے اس کو کیوں نہ ذکر کی طرف لگایا جائے۔ چنانچہ آپ کے دل میں شیخِ کامل کی جستجو پیدا ہوئی اور عالم شباب میں حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری شروع ہو گئی تھی۔ آپ نے حضرت سید لعل شاہ جو حضرت دامانی کے خلیفۂ اول تھے کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ کی اول بیعت حضرت سید لعل شاہ سے ہوئی۔ ابھی سلوک ناتمام تھا کہ حضرت شاہ صاحب وصال فرما گئے۔ آپ نے موسیٰ زئی شریف حضرت خواجہ سراج الدین کی خدمت میں حاضری دی حضرت سراج الدین نے آپ کو ازسرِ نو ذکر کی تلقین کی اور غلامی میں داخل کر کے سلوک کے تمام اسباق پورے کرائے۔ حضرت خواجہ سراج الدین دہلی بغرضِ علاج تشریف لے گئے تو آپ کو خط کے ذریعہ دہلی بلایا اور محلہ چتلی کے قریب جہاں حضرت مرزا مظہر جان جاناں، حضرت شاہ غلام علی اور حضرت شاہ ابو سعید کے مزارات ہیں اس متبرک مقام پر آپ کو خلافت سے سرفراز

فرمایا۔مخلوقِ خدا بکثرت سلسلہ میں داخل ہونے لگی، آپ کے مریدوں میں بے حد جوش وجذبہ ہونے لگا، لوگوں نے مشہور کردیا آپ تسبیح کھٹکھٹاتے ہیں اس میں جادو ہے۔لیکن آہستہ آہستہ جولوگ بدظنی کرتے تھے وہ بھی آپ کی غلامی میں آگئے اور تمام ماحول ذکر حق سے منور ہوگیا۔یہ اثرات بہت جلد تمام ہندوستان بلکہ بیرونِ ہند تمام ممالک اسلامیہ میں اس کثرت اور تیزی سے پھیلے کہ کوئی گوشہ آپ کے فیض سے خالی نہ رہا۔(529)

آپ نے فرمایا: میری عادت تھی لنگر کے لیے لکڑیاں اکھٹی کر کے سر پر لاتا تھا کہ ان سے آگ جلا کر درویشوں کے لیے کھانا تیار کیا جائے۔ایک دن ایک چھوٹی لکڑی پر نظر پڑی، جس کو چھوٹی ہونے کی وجہ سے نہ اٹھایا۔اللہ تعالیٰ نے اس لکڑی کو بولنے کی طاقت دی وہ لکڑی کہنے لگی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میں ذرہ برابر نیکی بھی شمار کروں گا لیکن تو نے مجھے ذرے کے برابر بھی نہ سمجھا، لکڑی کا یہ کلام سن کر مجھے بہت شرم آئی اور اسے اٹھالیا۔فرمایا: ختم کے لیے کھجوروں کی گٹھلیاں جمع کر رہا تھا۔ایک گٹھلی صاف نہ تھی اور کچھ پیچدار تھی اس کو چھوڑ دیا۔ گٹھلی بولی: اے خوبصورت! اگر میں بدصورت ہوں تو میرے خالق نے مجھے ایسا بنایا ہے تُو اس میں عیب نکالتا ہے اگر کرسکتا ہے تو مجھے خوبصورت بنادے فرمایا گٹھلی کا یہ کلام سن کر مجھ پہ گریہ طاری ہوگیا اور اسے بوسہ دے کر ختم کی گٹھلیوں میں شامل کرلیا اور جب کبھی ختم کے وقت وہ میرے سامنے آجاتی تو اس کو چومتا اور بوسہ دیتا۔فرمایا ایک روز بہت لوگوں کو ذکر بتایا اور توبہ کرائی تو رات کو شیطان خواب میں کہنے لگا" تجھے مجھ سے ایسی کیا دشمنی ہے تو نے میرے برسوں کے مرید چھین لیے، میں نے جواب دیا انشاء اللہ تیرے پھندے سے اور بہت سے آدمی نکالوں گا۔فرمایا ایک روز قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا اور ہاتھ پاؤں پر رکھے ہوئے تھا خیال آیا کہ تلاوت کے وقت ایسی جگہ ہاتھ نہ رکھو اس روز سے جب تلاوت کرتا ہوں تو پاؤں پر کپڑا ڈال لیتا ہوں۔فرمایا ایک روز دوپہر کے وقت خواب میں یہ کلام ہو رہا تھا مَنْ يُّطِعَ الشَّيْخَ فَقَدْ اَطَاعَ الرَّسُوْلَ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهِ جس نے پیر کی اطاعت کی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی اور

جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانا اس نے اللہ تعالیٰ کی تابعداری کی۔ آپ جس سخت زمین میں کاشت کیلئے ہل چلاتے اس پر جب جماعت کے ساتھ ذکر فرماتے تو اس کی سختی ختم ہو جاتی حضرت مسکرا کر فرماتے اللہ تعالیٰ نے مجھ بوڑھے کو زیادہ ہل چلانے سے بچالیا اور میرا کام آسان فرمادیا۔ آپ کا ارشاد ہے عروج چار چیزوں سے حاصل ہوتا ہے۔ (1) کثرت ذکر (2) اتباع سنت (3) ترک معاصی اور (4) رابطہ شیخ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جب مجھے پیر پکڑنے کا خیال آیا تو ایک شخص 15 روز تک خواب میں آتا رہا میں سمجھ گیا کہ یہ شیطان ہے خبردار پیر پکڑو تو صاحب شریعت کو پکڑو ورنہ وہ شیطان سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں ذکر اللہ کے واسطے اس لئے زور لگاتے ہیں اس میں دوام اور بقا ہے۔ ارشاد فرمایا اگر قرآن سمجھنا چاہتے ہو تو تقویٰ حاصل کرو۔ (530)

راقم کے نانا سردار اللہ ڈیوایا خان نے فرمایا آپ ایک بار اجمیر شریف حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن رضی اللہ عنہ کی زیارت کیلئے گئے جب وہاں پہنچے تو قوالی ہو رہی تھی آپ مع اہل قافلہ قوالی سننے کیلئے باادب بیٹھ گئے جب قوالی ختم ہوئی مزار پاک پر حاضری دی کسی نے عرض کیا حضور آپ تو قوالی سننے سے منع کرتے ہیں آج خود قوالی میں بڑے ادب سے شریک ہوئے فرمایا۔ صاحب مزار کی اطاعت کی ہے کیونکہ آپ بھی قوالی میں تشریف فرما تھے۔ مجھے میرے بھائی اسحاق احمد خان اور خالہ زاد بھائی غلام یٰسین خان نے بتایا انہوں نے اپنے والد سردار غلام حسین خان سے سنا کہ ایک بار حضرت صاحب جلال پور پیر والا میں مقیم تھے اور وہاں سے اوچشریف کیلئے روانہ ہوئے جب دریا کے کنارے پر پہنچے تو دریا میں طغیانی تھی اس وقت ہیڈ کا نام نشان نہ تھا۔ غلاموں نے عرض کیا حضور دریا عبور کرنا مشکل ہے آپ نے فرمایا۔ بسم اللہ پڑھ کر سواریوں کو دریا میں ڈال دو ان شاء اللہ پار اتر جائیں گے سارا قافلہ بخیر و عافیت دریا پار کر آیا جب آپ اوچشریف وارد ہوئے تو سیدھا حضرت شیر شاہ سید جلال الدین سرخپوش کے مزار پرانوار پر حاضر ہوئے اور تمام رفیقوں کو باہر ٹھہرنے کا حکم دیا کافی دیر کے بعد تشریف لائے اور کاتب الحروف کے دادا مولانا

الٰہی بخش صاحب کی قبر پر تشریف لائے اور مراقبہ فرمایا جب مراقبہ سے باہر آئے تو فرمایا
خان صاحب اپنی قبر میں خوشحال ہیں دل چاہتا ہے کہ ان کی قبر پر روضہ بنایا جائے جوان
کے مقام کی نشاندہی کرے فقیر کے دادا جان کی قبر کے ساتھ مورے کا درخت ہے جواب
بھی موجود ہے کسی نے اس سے لکڑی کاٹنے کا ارادہ کیا تو دادا جان نے اسے ایک تھپڑ رسید
کیا وہ توبہ کر کے واپس چلا گیا کسی نے قریشی صاحب سے پوچھا آپ حضرت جلال الدین
کی بارگاہ میں کافی دیر بیٹھے رہے اس کی وجہ کیا تھی؟ فرمایا! صاحب مزار یہاں نہیں تھے بلکہ
وہ مدینے منورہ گئے ہوئے تھے ہم نے آپ کی طرف اپنی توجہ مبذول کی تو وہ تشریف لے
گئے اور اپنے دیدار پرانوار سے سرفراز کیا اور فرمایا لوگوں کے غیر شرعی حرکات کی وجہ سے ہم
اکثر و بیشتر نانا کریم کی بارگاہ میں حاضر رہتے ہیں۔ اس کے بعد قریشی صاحب سردار غلام
حسین خان کے گھر تشریف لے گئے جب وہاں پہنچے تو پورے سات دن بارش ہوتی رہی
خان صاحب روزانہ ایک جانور ذبح کرتے اور فقیروں کیلئے کھانا بنواتے ساتویں دن
حضرت صاحب خان صاحب کی حویلی کے اندر تشریف لائے مکان کے دروازے پر
کھڑے ہو کر فرمایا سردار بی بی اب تو آٹا ختم ہو گیا ہو گا پھر خالی مٹکوں کی طرف انگلی کا اشارہ
کیا اور فرمایا یہ آٹے سے بھرے ہوئے ہیں سردار بی بی جس مٹکے کا ڈھکنا اٹھاتی تو وہ آٹے
سے لبریز ہوتا۔ ہیڈ پنجند بننے سے پہلے کی بات ہے کہ حضرت قریشی صاحب عرس کرتے
تھے مریدین عرس پر حاضر ہوتے تو آپ ان کی دینی و روحانی تربیت فرماتے تھے ایک
بار سردار غلام حسین خان سیت پور کے راستہ سے عرس پر جا رہے تھے بھوک نے ستایا تو بہادر
خان کا باغ آ گیا ایک آم نیچے پڑا ہوا ملا خان صاحب نے آم اٹھا لیا اور کھانے کا ارادہ کیا تو
انہیں یہ بات یاد آئی کہ بہادر خان بغیر اجازت کے آم کھانے والے کو قید کی سزا دیتا ہے اس
خوف سے سردار صاحب نے آم رکھ دیا اور ظہر کے وقت حضرت قریشی صاحب کے
آستانے پر پہنچ گئے کنواں چل رہا تھا لوگ وضو کر رہے تھے کنویں کے کنارے پر لبھوڑے
کا درخت تھا بلبل نے ایک پھل کو آدھا کھا کر نیچے گرا دیا سردار صاحب نے اسے اٹھایا اور

کھا گئے نماز ظہر کے بعد حضرت صاحب نے فرمایا فقیر ولھسوڑے کا پھل کس نے کھایا ہے سب خاموش رہے آپ نے تیسری بار پوچھا تو خان صاحب کھڑے ہو گئے اور عرض کی آدھا پھل نیچے گرا تھا فقیر نے بھوک کی وجہ سے اسے کھالیا ہے حضرت قریشی نے فرمایا کہ اس میں تمام فقیروں کا حصہ ہے بہادر خان کے ڈر سے آم نہیں کھایا اور یہاں بغیر کسی ڈر کے لھسوڑے کا پھل کھا گئے ہو حضرت قریشی صاحب کا کھانا آپ کے خلیفے پیر کریم بخش چنڑ (جانو والا) تیار کرتے تھے اور لکڑی چولہے میں خان غلام حسین ڈالتے تھے الٰہی بخش، عبد الرحمان اور محمد بخش کلھے آف موضع بختیاری والوں کی دعوت تھی حسب دستور کھانا تیار ہوا اور حضرت کی بارگاہ میں پیش کیا گیا آپ نے کھانے کو دیکھ کر فرمایا۔ اس روٹی کے آٹے کو ناپاکی کی حالت میں تیار کیا گیا ہے لہٰذا فقیر نہیں کھاتا۔ جب کلھے نے اپنی بیوی سے پوچھا تو اس نے بتایا میں نے غسل واجب سے پہلے چکی پر آٹا پیس لیا تھا اور بعد میں غسل کیا ہے۔ خان پور کا ایک گانگا جو ڈاکوں پارٹی کا سرغنہ تھا آپ کے مرید کا مرید ہوا اس نے اس کی مونچھیں مونڈ لیں سر کے بال کاٹ لئے اور اپنے مریدوں میں شامل کر لیا جب وہ گھر گیا تو اس کے دوست آ گئے اسے اپنے ساتھ لے گئے بھٹی جل رہی تھی اسے باندھ کر اس میں ڈال دیا جب وہ بھٹی میں گیا تو ایک سبز پوش بزرگ نے اس کی رسیاں کھول کر اسے بھٹی سے باہر نکالا وہ صحیح سالم چلا آیا۔

دہلی کے تبلیغی سفر میں بیماری نے فالج کی صورت اختیار کر لی بیماری کی حالت میں حضرت کو مسکین پور شریف لایا گیا 84 سال کی عمر میں جمعرات کے دن رمضان المبارک کی چاندرات 1354ھ (28 نومبر 1935ء) کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔ حضرت کا مزار شریف مسکین پور شریف ضلع مظفر گڑھ میں ہے آپ کے خلفاء کرام کی تعداد 22 ہے جن سے ساری دنیا میں اللہ کے ذکر کا نور پھیل رہا ہے ہر سال مسکین پور شریف میں سالانہ اجتماع (عرس) مارچ کے مہینے میں ہوتا ہے جس میں ہزاروں کے حساب سے لوگ شریک ہو کر حضرت کا روحانی فیض حاصل کرتے ہیں۔

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا (531)

فقیر کے دادا مولانا الٰہی بخش خان رحمۃ اللہ علیہ کو آپ سے فیض ملا تھا استاذ العلماء عارف باللہ حضرت علامہ مولانا پیر محمد ظریف فیضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب مولانا الٰہی بخش خان کا انتقال ہوا رمضان المبارک کی 9 تھی بعد از وصال ان کا قلب جاری تھا اور کفن کا کپڑا ضرب کی وجہ سے ہلتا ہوا نظر آتا تھا۔ مجھے اپنے بزرگوں میں سے میرے خالو صوفی غلام حسین خان اور بھائی صوفی غلام حسن خان میرے چچے حاجی امیر محمد خان میرے نانے اللہ ڈیوایا خان اور والد کریم حضرت مولانا نور محمد خان علیہم الرحمہ نے بتایا تھا کہ پیر قریشی کے جملہ معمولات صوفیاء کرام اور اہلسنت و جماعت والے تھے مثلاً ختم شریف سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات کے ساتھ دیگر آیتیں پڑھنا تقبیل ابہام، دعا بعد نماز جنازہ، گیارھویں شریف اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب ہوتے تھے اس لئے ان کی تربیت یافتہ خلیفے حضرت قبلہ پیر عبدالغفار لاڑکانہ والے اور ان کے سجادگان و مریدین انہیں معمولات پر عمل فرماتے ہیں پیر قریشی نے اپنے شجرہ شریفہ میں جہاں اولیاء نقشبند کا واسطہ و وسیلہ بارگاہ رب العزت میں پیش کیا ہے وہاں اپنے بارے میں یہ بھی لکھا ہے!

جو پڑھے اہیہ شجرہ پاکاں، ویلے شام سحر دے
روا حاجات مطالب ہوون پیر توجہ کردے

پیر عبدالغفار (لاڑکانے والے) نے اپنے پیر کے بارے میں مدحت لکھی تھی اس کا پہلا شعر یہ ہے:

طبیب آئے ملک ساڈے وچہ جو دل مردے جیوا ڈیوے
توڑیں ہوون مہلک مرضاں پل وچہ کر شفا ڈیوے

حضرت قبلہ محمد شاہ صاحب نے فرمایا یہ شعر اس حقیقت کا ترجمان ہے کہ اللہ والوں کے وسیلہ سے مشکلیں حل ہو جاتیں ہیں اور شیخ کامل اپنے مریدوں پر نظر رکھتا ہے اور انہیں

توجہ سے سرفراز فرماتا ہے۔ بلکہ سلسلہ نقشبندیہ کی بنیاد ہی تصور شیخ، توجہ اور اتباع شریعت پر ہے۔ حضرت پیر قریشی تبلیغی مشن پر جب روانہ ہوتے تو اپنے مریدین کو اپنے روحانی فیض سے سرفراز فرماتے اور شریعت پر عمل کرنے کی ہدایت کرتے درود تاج شریف اور شجرہ شریف پڑھنے کی تلقین کرتے تھے، نماز کی پابندی کا حکم دیا کرتے تھے۔ میرے پھوپھا حاجی غلام فرید خان، پیر قریشی کے پروانے تھے میرے چچا لعل خان اور میرے والد کریم ان کی محفلوں میں نعت خوانی کیا کرتے تھے میرے والد کریم کا نام محمد نواز تھا پیر قریشی نے فرمایا آج کے بعد تمہارا نام نور محمد ہے۔ آپ جب توجہ فرماتے تو لوگوں میں وجد کی کیفیت پیدا ہو جاتی اور وہ عالم سکر میں چلے جاتے ان کی زبان سے اللہ، اللہ کی آواز نکلتی فقیر نے آپ کے خلیفے کے ایک خلیفے کی محفل میں یہ حال کئی بار اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ فقیر کی پہلی بیعت پیر پریشی کے خلیفے حضرت مولانا عبد الغفور عباسی مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی تھی فقیر کے بڑے بھائی محمد رمضان مرحوم اور چچازاد بھائی محمد ابراہیم خان بھی بیعت ہوئے حضرت پیر محمد شاہ قریشی نے بتایا کہ میں بھی حضرت مدنی کا مرید اسی سال ہوا تھا جب آپ مدینۃ المنورہ سے پاکستان تشریف لائے تھے مدنی صاحب بہت خوبصورت تھے۔ میرے والد کریم مولانا نور محمد خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت پیر قریشی کے بارے میں آپ کے خلیفے حضرت پیر عبد الغفار لاڑ کانے والے نے بہت سارے اشعار لکھے تھے آپ نے ایک رباعی مجھے لکھوائی جو یہ ہے

پیر پرستی حق جتو سے تے باقی نفل نمازاں
تیکوں ملاں رکبر سلامت اساکوں عجز نیازاں
عشق دے کٹھیاں دا حال جیویں چیڑی چنگل بازاں
عبد الغفارا پیر فضل دے کٹھیا مٹھیاں نازاں

حضرت پیر سید محمد عالم شاہ بخاری گولڑوی

آپ کا نام نامی اسم گرامی حضرت علامہ الحاج پیر سید محمد عالم شاہ بخاری ہے لیکن آپ

سید صابر کے نام سے مشہور ہوئے آپ شاعر ہفت زبان شیخ کامل واکمل عالم باعمل عاشق باللہ وعاشق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جیسا کہ آپ کے کلام مبارک سے ظاہر ہوتا ہے آپ کا کلام مبارک تبحر علمی کی عکاسی کرتا ہے آپ نے توحید ورسالت حب آل نبی وصحابہ کرام مناقب اولیا اور اپنے شیخ کامل واکمل کی ذات والا صفات کے موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے آپؒ کے کلام سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی مربی ومبلغ منظوم کلام کے ذریعے سے تبلیغ کر رہا ہے جس کا مقصد ہر طرح سے اصلاح نفس وروح ہے۔

خاندان

آپ کا تعلق حسینی سادات کے گھرانے سے ہے جو بخاری سادات کے ایک اعلیٰ متشرع گھرانے سے پہچانے جاتے ہیں۔

پیدائش

سید محمد عالم شاہ بستی مسوشاہ ضلع مظفرگڑھ میں تقریباً 1886 میں حضرت قبلہ پیر سید محمد میراں امام شاہ بخاری کے گھر پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد بہت بڑے عابد زاہد عالم باعمل اور ولئ کامل تھے روایات کے مطابق خضری علم بھی آپ کو حاصل تھا۔

تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مکرم کے درس میں حاصل کی آپ کو علم لدنی بھی عطا ہوا تھا تصوف میں بھی ید طولیٰ حاصل کیا۔

جود وسخا ولنگر

سخاوت کا یہ عالم تھا کہ دور دراز سے لوگ ہجرت کر کے لنگر خانے میں مہمان ہوتے جن کو تین وقت کھانا بلاتفریق رنگ ونسل اور ملت ومذہب ملتا تھا آپ ہمہ وقت خدمت خلق کیلئے تیار رہتے اور خود کھانا و پانی اٹھا کر مہمانوں کے آگے رکھتے تھے۔

حق گوئی

حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص نے آپ کے بھائی پر مقدمہ کر دیا اور گواہی میں آپ کا نام لکھوا دیا۔ آپ نے اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے برادرِ حقیقی کے خلاف شریعت کے مطابق گواہی دے دی۔ فریقِ مخالف نے آپ کی گواہی سے متاثر ہو کر آپ کے بھائی کو معاف کر دیا۔

ہجرت

آپ نے پیدائش کے تقریباً 35,30 سال بعد بستی موسوشاہ سے ہجرت کر کے مدینۃ السادات اوچشریف کے قریب موضع محمد پور میں قیام کیا۔ کہتے ہیں یہاں پر گھنا جنگل تھا اور یہ جنگل جنات کا مسکن تھا۔ آپ نے یہاں قیام فرما کر اس جگہ کا نام مہر آباد شریف تجویز فرمایا۔ آپ نے یہ نام اپنے مرشدِ کریم اعلیٰ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے رکھا تھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت غوثِ زماں، قطبِ دوراں، محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی سیدنا محمد محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی نے خود قدم رنجا فرما کر اپنے دستِ مبارک سے بستی مہر آباد شریف کا نقشہ و احاطہ مقرر فرمایا ہے۔ پھر جنات کا اثر زائل ہو گیا۔

اثر دعا و کرامات

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں آپ مادر زاد ولیِ کامل اور مستجاب الدعوات تھے۔ آپ کی حیاتِ طیبہ ہزاروں کرامتوں سے لبریز ہے۔ طوالت کے خوف سے بطور تبرک ایک کرامت پیش کرتے ہیں: آپ نمازِ عیدین آستانۂ عالیہ محمد میراں امام شاہ بستی موسوشاہ ضلع مظفر گڑھ میں پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے نمازِ عید کے بعد لوگوں نے عرض کی کہ گرمی بہت ہے اور چند ماہ سے بارش بھی نہیں ہوئی۔ آپ دعا فرمائیں! آپ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے ابھی دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ رحمتِ ایزدی بارش کی صورت میں آن پہنچی اور خوب برسی پورے علاقے میں جل تھل ہو گئی۔

صبر واستقامت

آپ نے تمام زندگی صبر واستقامت سے گزاری۔آپ صبر واستقامت کا حسین مرقع تھے۔آپ کے صبر کے اور استقامت کے ہزاروں واقعات ہیں لیکن بطور تبرک ایک واقعہ دیکھیں: آپ کی پشت پر گہرا زخم ہوا۔جس کو سرائیکی زبان میں ''موندھی ڈمنبڑی'' کہتے ہیں۔آپ بغرضِ آپریشن ڈیرہ نواب صاحب احمد پور شرقیہ کے ڈاکٹر کے پاس تشریف لے گئے جو غیر مسلم تھا۔بوقتِ آپریشن ڈاکٹر نے نشہ کیلئے ٹیکہ لگانے کی اجازت چاہی۔آپ نے مسکرا کر فرمایا ڈاکٹر تو اپنا کام کر میں اپنا کام کرتا ہوں۔ڈاکٹر نے بغیر ٹیکہ لگائے آپریشن شروع کر دیا آپ تبسم فرماتے رہے اور درود شریف پڑھتے رہے۔سبحان اللہ۔

سلسلہ بیعت

آپ کا اپنا سارا گھرانہ مرکزِ روحانیت تھا۔لیکن آپ نے سلسلہ قادریہ میں سند الکاملین اعلیٰ حضرت پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ گولڑہ شریف کے دستِ حق پر بیعت کی کیونکہ ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ آپ کے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی پر قدرتی طور پر اعلیٰ حضرت کا نام تحریر تھا جو آپ کے مادرزاد ولی ہونے کا ثبوت ہے (جس کا حوالہ ضیاء مہر سوانح حیات حضرت پیر سید محی الدین گیلانی المعروف بابو جی رحمۃ اللہ علیہ ابن سیدنا مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صفحہ نمبر 180 پر موجود ہے)

اجازت بیعت وخلافت

آپ کے مرشد کریم نے اپنی نگرانی میں سلوک کی روحانی منازل طے کرائیں اور خرقۂ خلافت اور اجازتِ بیعت عطا فرمائی۔

وصال وحج

آپ اپنی حیاتِ طیبہ میں آخری سال تمام عقیدت مندوں سے اعلانیہ فرماتے رہے کہ میرا آخری پھیرا (چکر) ہے۔بقول ملک حضور بخش ولد ملک حاجی اللہ بخش بوکھیہ ساکن

چک احمد یار نزد چاچڑاں شریف کہ آپ ایک بار ہمارے گھر تشریف فرما تھے۔ مریدوں اور عقیدت مندوں کے سامنے اظہار کیا کہ ہمارا آخری پھیرا ہے، میری عمر لگ بھگ تریسٹھ 63 برس ہونے والی ہے۔ عمرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تقابل بھی درست نہیں اور تجاوز بھی خلافِ ادب ہے۔ آپ نے 13 حج کئے، چودہویں حج کیلئے روانہ ہوئے۔ رات کو ملک منظور احمد ولد ملک امام بخش چاچڑاں والا درہ موضع ٹڈرشید تحصیل احمد پور شرقیہ کے گھر قیام پذیر ہوئے کیونکہ صبح ڈیرہ نواب صاحب سے بذریعہ ٹرین کراچی کیلئے روانہ ہونا تھا۔ رات کو آپ نے علاقہ کے عقیدت مندوں کو جو آپ کی زیارت کیلئے حاضر ہوئے تھے قرآن خوانی کی خاص تلقین فرمائی۔ اسی رات 29 جمادی الثانی 1369ھ شب منگل کلمہ شریف پڑھتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔ حضرت پیر سید محمد عالم سید صابر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ حضرت حاجی شمس الدین میتلہ نعت خواں نے سنایا کہ جب آپ پہلی مرتبہ حج پر جانے لگے تو اپنے مرشدِ کریم قطب گولڑہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ادب والی حاضری کی التجا کی۔ مرشد کریم نے دعاؤں سے نوازا اور فرمایا: عالم شاہ مدینے پاک کے کتوں کا خیال رکھنا۔ آپ مدینہ منورہ پہنچ گئے اور بارگاہِ رسالت مآب میں اپنی حاضری پیش کرتے رہے۔ ایک دن جب حاضری کیلئے روانہ ہوئے تو آپ کی نگاہ گنبدِ خضریٰ کے جلوؤں میں گم ہوگئی اور نیچے کی کوئی خبر نہ رہی، آہستہ آہستہ چلتے رہے اور اپنی وارفتگی میں اضافہ کرتے رہے، اسی دوران آپ کا قدم کسی چیز پر پڑ گیا نیچے دیکھا تو بظاہر ایک کتا نظر آیا آپ نے پاؤں اٹھایا تو وہ چپ چاپ اٹھا اور ایک طرف بھاگ گیا آپ بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑے اور ایک غار کے دھانے پر پہنچ گئے جب غار کے اندر گئے تو ایک سفید ریش بزرگ نظر آیا۔ وہ آپ کو دیکھ کر مسکرایا اور فرمایا اپنے مرشدِ کریم کی بات کو بھول گئے ہو؟ آپ نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا: حضور! غلطی ہوگئی ہے معافی چاہتا ہوں۔ وہ اٹھے اور اپنے گلے سے لگا کر فرمایا یہ راز یہاں کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ جاؤ! تمہیں معافی ہے۔
خورشیدِ ملت، حضرت علامہ مولانا خورشید احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ کا نعت خواں عابد فقیر کہتا تھا۔

قسمت والے پئے ونجن مدینے تے ونج کرن مدینے عیدے
اساں کنوں تاں اوہے کتے وی چنگے جیڑے پئے در عربی دے
حاجی آہدن کتے طعام نی کھاندے ہے روضے پاک تے دیدے
عابدآ کامل ویس وٹائی پن اساکوں قسم قرآن مجیدے

اولاد

آپ کے تین صاحبزادے (اور تین صاحبزادیاں تھیں) جو اپنے وقت کے ولی کامل تھے حضرت سید خادم میراں شاہ، حضرت سید عبدالمجید شاہ، حضرت سید عبدالحمید شاہ عرف بگوسائیں۔

مزار پرانوار

آپ کا مزارِ پرانوار مہر آباد شریف نزد K.L.P روڈ کھوکھراں والی پل موضع محمد پور مدینۃ السادات اوچشریف ضلع بہاولپور میں مرجعِ خلائق ہے۔ جہاں ہزاروں مریدین وزائرین حاضری دیتے ہیں۔

عرس مبارک

یہاں سال میں پانچ عالی شان عرس منائے جاتے ہیں۔ صاحبِ اعراس بزرگان درج ذیل ہیں۔

(1) حضرت قبلہ الحاج پیر سید محمد عالم شاہ المعروف سید صابر 29.28 جمادی الاخریٰ
(2) حضرت قبلہ پیر سید خادم میراں شاہ 25-26 ربیع الثانی
(3) حضرت قبلہ پیر سید عبدالمجید شاہ 25 محرم الحرام
(4) حضرت قبلہ پیر سید عبد الحمید المعروف بگن سئیں وقبلہ پیر سید مختار حسین 15-16 ذیقعدہ
(5) حضرت قبلہ پیر سید خالد محمود شاہ 11-12 شعبان المعظم (رحمۃ اللہ علیم) (532)

حضرت سید محمد عالم کے وصال کے بعد ان کے بڑے بیٹے پیر سید خادم میراں شاہ

سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد ان کے بیٹے پیر سید فیاض عالم مہروی عرف رانجھو سائیں سجادہ نشین ہوئے۔ رانجھو سائیں اپنے والد ماجد کے وصال کے وقت بہت چھوٹے تھے۔ کاتب الحروف ان کے والد کی نمازِ جنازہ میں حضرت قبلہ مخدوم الملک سید حامد محمد شمس الدین گیلانی (اوچشریف) کے ساتھ حاضر ہوا۔ پیر سید عبدالمجید شاہ، پیر سید عبدالحمید شاہ اور پیر سید مختار حسین شاہ ہر شخص پر بہت شفقت فرماتے تھے اور اپنے پروگراموں میں علمائے کرام کی تقریریں کرواتے تھے۔ فقیر بھی ان کی نیازمندی کا شرف حاصل کرتا تھا، ان بزرگوں کی آخری رسومات میں فقیر کی حاضری رہی، حضرت قبلہ پیر رانجھوں سئیں بھی بہت محبت کرتے ہیں، عزیزم سید طارق حسین ابن حضرت سید مختار حسین رحمۃ اللہ علیہ فقیر سے نسبتِ تلمذ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کا فیض عام فرمائے۔ اور ان کے آستانے کو آباد رکھے۔ آمین۔ حضرت پیر سید محمد عالم شاہ سید صابر کے تخلص سے مشہور ہیں ان کے کلام میں محبت بھری چاشنی ہے جو دلوں کو موہ لیتی ہے۔ چند بند ملاحظہ ہوں۔

اکھیاں جسم بنڑاواں سارا میں تاں ڈیکھ تیکوں مول نہ رجاں
پیٹ پلانے سر دے بھرنے میں تاں شہر مدینے بھجاں
اساں بے عملیاں بے سملیاں دیاں ہن گل عربی دے لجاں
سید صابر زیارت سبز محل دی سانوں لکھ کروڑاں حجاں

حضرت سید صابر رحمۃ اللہ علیہ اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات النبی سڈ مومن قلب کوں ٹھاریں
مدنی سائیں نیڑے سمجھیں ہر دم رو رو عرض گزاریں
دنیا دین تے مال سبھو سوہنڑیں سائیں توں واریں
سید صابر .... منکر ہرگز یار نہ دھاریں
شرع شریف توں باہر ہووے تے شیخ سڈاوَن کجھ نی
خود عالم نہ عامل ہووے تے دل وعظ سنانون کجھ نی

طبع سلیم خشوع نہ ورتے اے متھا گھساون کجھ نی
سید صابرؔ جے تیئں میں نہ مرے مکے جاؤن کجھ نی
نفس شریر ہے زراق براتے چندرا چوک دا بھاڑی
آڑا پاڑا چھوڑ کراہیں رہے ہر دم اساکوں تاڑی
ہئی ہک فصلی او برباد تھئی اُتے نیک عمل دی ہاڑی
سید صابرؔ بیج مبارک ہا پر قلب زمین ہے باڑی

حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ

قطبِ دائرۂ زمان، مرکزِ فلکِ ولایت، مظہر الہدیٰ فی الزمان والمکان حضرت خواجۂ خواجگان، حاجی الحرمین الشریفین حضرت حافظ شاہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ مشہور صوفی صافی اور بزرگ شاعرِ ہفت زبان کا سلسلۂ نسب ان کی اپنی زیر نظر کتاب مناقبِ محبوبیہ کے مطابق قریشی الاصل صدیقی خانوادے سے جا ملتا ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے فاروقی مشہور کر دیا ہے لیکن ''صَاحِبُ الْبَیْتِ اَدْرٰی بِمَا فِیْہِ'' گھر کی خبر گھر والے سے زیادہ کس کو ہو سکتی ہے؟ مزید برآں حضرت خواجہ عالم و عارف مشہور و معروف ہیں۔ بالخصوص فنِ شجرہ و نسب دانی میں سارے خاندان سے نسبتاً مہارت تامہ رکھتے تھے۔ (مقابیس المجالس اردو میں جو شجرہ نسب درج ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ سعیدی) آپ کے والدِ ماجد کا اسم گرامی خدا بخش کوریجہ اور لقب محبوبِ الٰہی ہے۔ ابن حضرت خواجہ احمد علی جو خلف الصدق والرشید حضرت صاحب الروضہ غوث الغیوث خواجہ قاضی عاقل محمد جو قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی سے سلسلۂ چشتیہ میں فیض پا کر عامۃ الخلق میں اپنے خاندان کی شہرت کا باعث بنے۔ اس خاندان کے لوگ عرب سے ہجرت کر کے سندھ میں وارد ہوئے۔ ان کی اولادِ امجاد میں شیخ حسین نامی شخصیت نے اپنی ہم قوم کوریجہ برادری کی حمایت سے مغل بادشاہ ہمایوں کی شہر ٹھٹھہ سندھ میں مدد کی اور ملکِ ایران میں چودہ سال تک رفاقت کا حق ادا کیا۔ اسی وجہ سے رکنِ سلطنتِ مغلیہ کے اعزاز سے سرفراز رہے لیکن بیرم خانِ خانان سے چشمک کے

باعث اکبری عہد میں دل برداشتہ ہو کر امارت ترک کر کے فقر ولایت اور اپنے آبائی کار درویشی کی جانب رجوع ہوئے اور سلسلۂ سہروردیہ میں بیعت ہو کر راہ سلوک میں اس درجہ کمال تک پہنچے کہ امیری کی بجائے مخدومیت کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ ان کے فرزند مخدوم محمد زکریا، جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں منگلوٹ علاقہ لودھراں وملتان میں آ کر مقیم ہو گئے اور تین پشتوں تک وہیں قیام رہا۔ مخدوم محمد شریف نے سیت پور موضع ''یارے والی'' لب دریائے سندھ سکونت اختیار کر لی۔ دریائے سندھ کے مغربی کنارے ایک مرید باصفا مٹھن خاں نے جب کوٹ مٹھن کو آباد کیا تو مخدوم صاحب نے اس کی دعوت پر کوٹ مٹھن شریف میں رہائش اختیار فرمائی۔ تب سے یہ خانوادہ مستقل طور پر کوٹ مٹھن شریف کا سکونتی ہو گیا لیکن سکھوں کے پر آشوب دور میں حضرت خواجہ غریب نواز کے والد ماجد مولانا خدا بخش جب ان سکھوں کے مظالم سے بے سکون رہنے لگے تو نواب صادق محمد خان دوئم والیِ ریاست بہاول پور نے اپنی ریاست میں درویشوں کی ہم نشینی کے پیشِ نظر قیام کی درخواست کی تو آپ نے دریائے سندھ کے مشرقی کنارے مقام چاچڑاں تحصیل خانپور میں سکونت تبدیل کر لی مگر کوٹ مٹھن شریف سے بھی تعلقات منقطع نہ فرمائے اور مدفن بدستور کوٹ مٹھن شریف میں رہنے دیا اور بزرگوں کی یاد کا جلسہ اور سالانہ اعراس کی تقریبات یہیں پر ادا ہوتی رہیں۔ حضرت خدا بخش محبوب الٰہی کی تین اولادیں ہوئیں، پہلے فرزند خواجہ غلام فخر الدین اوحدی جو خواجہ صاحب کے برادرِ کلاں مرشد اور مربی ہوئے، جنہوں نے غلام فرید کو خواجہ فرید کی معروف شخصیت میں تعمیر فرمایا۔ دوسرے فرزند خود حضرت خواجہ غلام فرید موصوف ہیں۔ ایک دختر بی بی حافظہ صاحبہ جو حافظ القرآن تھیں پیدا ہوئی۔ اسی طرح خواجہ صاحب کی دو اولادیں تولد ہوئیں، ایک فرزند شہنشاہ محمد بخش نازک کریم ہوئے جو آپ کے بعد گدی نشین ہوئے۔ ایک دختر پیدا ہوئی۔ خواجہ محمد بخش کی بھی بعینیہ دو اولادیں ہیں، ایک فرزند حضرت خواجہ معین الدین جو والد کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئی۔ حضرت معین الدین کے ہاں تین اولادیں پیدا ہوئیں، پہلے

ایک صاحبزادی، ایک فرزند قطب الدین غلام فرید پھر ایک اور دختر پیدا ہوئی۔ 1924ء میں یہی قطب الدین غلام فرید ثانی آخری صلبی سجادہ نشین انتقال فرما گئے۔ تو فریدی سلسلۂ صلبی ختم ہو گیا۔ حضرت حافظ حاجی خواجہ شاہ غلام فرید علیہ الرحمت والرضوان 1261ھ ماہ ذوالحجہ بروز منگل پانچ دریاؤں کے سنگم پر چاچڑاں شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تاریخی نام خورشید عالم تھا۔ منگل کو حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر کی ولادت ہوئی تھی، اس مطابقت کو مبارک گھڑی قرار دے کر والد ماجد نے میاں جندو خادم کے صلاح مشورے پر غلام فرید نام تجویز کیا۔ اس خورشید جہاں نے اپنی ذات کے فیض سے سارے عالم کو مثل خورشید فیض رسانی فرمائی، بچپن میں مادرزاد ولی کی مانند پیشانی سے آثارِ بزرگی ہویدا تھے۔ چار سال چار ماہ چار دن کی عمر کو پہنچے تو رسم بسم اللہ خوانی ادا کی گئی اور لفظ اللہ کہا۔ مشہور معروف قصہ ہے ساڑھے چار برس کے ہوئے تو مادر مہربان چل بسی۔ بالکل سنت رسول اللہ کی پیروی بچپن ہی سے محبوب و عزیز تھی۔ اب یتیمی کا دور شروع ہوا۔ سات سال کی عمر میں حفظِ کلام اللہ سے فراغت پائی۔ آٹھویں برس کے بعد والد ماجد حضرت خواجہ خدا بخش محبوب الٰہی کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا۔ اب یتیم بن کر کامل اکمل درِ یتیم کی سنت سے مزین ہو کر اپنے بڑے بھائی مرشد فخر جہاں کے زیر سایہ پروان چڑھنے لگے۔ نواب فتح یار خاں خلف الرشید نواب صادق محمد کی استدعا پر قلعہ ڈیراور میں اقامت رکھی اور تعلیم و تربیت کے مراحل طے ہونے لگے۔ نواب فتح یار خاں نے اپنی ریاست خواجگان محبوبی فریدی کے نام اور زیر سایہ خواجہ خواجگان مِلک کر دی۔ بعد میں والیانِ ریاست بہاولپور سے یہ رویہ برقرار نہ رہ سکا ورنہ ایک معاہدہ اور میثاق طے ہوا تھا کہ فرید کے گھر فقیری اور صادق کے گھر امیری ساتھ ساتھ نبھائیں گے۔ قلعہ ڈیراور کے دوران قیام قحط و خشک سالی کی وجہ سے حیوانات و باغات کا نقصان ہونے لگا تو نواب فتح یار خان نے استدعا کی کہ صاحبزادہ میاں غلام فرید آپ اللہ والوں کا اور کیا فائدہ ہے؟ آپ کے ہوتے ہوئے خشک سالی دور نہ ہو؟ تبسم زیر لب بارگاہ رب العالمین میں دعا کے لیے دست بدعا ہوئے۔ ابھی دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ اسی

دم بادل برسات لے کر آئے کہ ماضی میں نہ دیکھے تھے۔ایسی متعدد کراماتِ خوارق انتہائی خوردسالی اور بچپن میں ظہور پذیر ہوئے۔ جب سولہ برس کی عمر شریف ہوئی تو علوم عقلی و نقلی مثلاً صرف ونحو، منطق وفلسفہ، کلام، فقہ تفسیر اور حدیث سے فارغ التحصیل ہو گئے۔ 1281ھ میں آستانِ خواجگان پر عین شب چراغاں اپنے مربی و برادر کلاں حضرت فخر الدین اوحدی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ 1288 میں خلافت کی نعمت و دولت سے سرفراز ہوئے، آپ کی جبینِ یمین میں اسم اعظم کا نور روشن مستقبل کی شہادت دیتا نظر آتا تھا۔ سندھ کے ایک پیر سال بزرگ خواجہ محمد اشرف کوٹ کارہ نے دیکھ کر پیشن گوئی فرمائی کہ خوش نصیب آنکھیں میاں غلام فرید کو عظمت و قبولیت کی معراج پر دیکھیں گی۔ حضرت خواجہ صاحب حلیم متواضع اور بردباری کا مجسم پیکر تھے۔شب و روز مجاہدۂ نفس اور اوراد و وظائف میں مستغرق رہتے تھے۔ اسوۂ حسنہ اور سیرت رسول کا بیش بہا نمونہ بن گئے۔ حبِ رسول اور محبت خلق خدا آپ کا خاص شعار تھا سیر و سیاحت بالخصوص آثارِ اسلام اور سلف صالحین اور متبرک مقامات کی زیارت کا شوق دل میں موجزن تھا۔ سارے براعظم کی سیر فرمائی۔ یہاں تک کہ برما تک سفر کیا۔ دورانِ سفر مسلمانوں کی زبوں حالی پر کڑھتے۔ جہاں جاتے یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کی خدمت و مدد کر کے راحت پاتے۔ یتیم و بیسر شادی کے قابل لڑکیوں کے جہیز کا بار اپنی جیبِ خاص سے ادا کیا۔ تبلیغِ دین اور سلسلۂ فقر و تصوف کی اشاعت فرمائی۔ بے دین ملحدوں اکھڑ، اجڈ لوگوں کو اپنی سیرت و عمل سے خوابِ غفلت سے بیدار کیا اور یادِ خدا میں ایسا مست فرمایا کہ دلوں کے اندھیرے چھٹ گئے۔ عین کمال و شباب میں سفر حج فرمایا اپنی جگہ فرزندِ دلبند خواجہ محمد بخش کوریجہ کو چاچڑاں شریف میں بٹھایا اور ایک سو آدمیوں نے عوام و خواص علماء و فضلاء کی جماعت کے ساتھ حج و عمرہ کی سعادت حاصل کی اور زیارتِ حرمین شریفین سے باریاب ہوئے۔ دورانِ سفرِ حجاز ایسے دل گداز اور پرسوز مناظر و جلوے دیکھنے میں آئے جو تاریخ کی زینت ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

ونج ڈھم مدینہ عالی
جتھاں وسدے کون، مکان دا والی
ہے دھرتی عیبوں خالی
پیا نور رسالت جھلکے

1288ھ میں حضرت فخر جہاں کی جگہ گدی نشین ہو کر پینتیس برس خلقِ خدا کی۔ حاجت براری فرما کر مرجعِ خلائق قرار پائے۔ بادشاہانِ وقت کے تاج قدموں میں سرنگوں رہے مگر انکساری و فروتنی کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی کو حکمیہ لہجہ میں خطاب نہ کیا۔ ساری زندگی اپنے آباواجداد کی طرح درس و تدریس کا سلسلہ قائم رکھا۔ علماء کی سرپرستی بہت مرغوبِ خاطر تھی۔ علمی مناظروں و محاکموں میں فیصل قرار پاتے۔ شاعری اور فنونِ لطیفہ اور موسیقی میں کمال مہارت تھی۔ اہل علم، اہلِ ادب اور اہلِ ثقافت کی سرپرستی فرمائی۔ حاجتمندوں، فقیروں اور نادار لوگوں کی امداد فرما کر راحت محسوس فرماتے۔ آپ خود صاحبِ کمال شاعر تھے۔ پُر معنیٰ با مقصد شعر گوئی پسندیدہ مشغلہ تھا۔ درد، ہجر، سوز و گداز آپ کی شاعری کی خاص خوبیاں ہیں۔ میر تقی و غالب کی طرح کافیوں کی صورت میں غزل گوئی میں کمال اور مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ وہ اردو زبان کے شاعر تھے مگر آپ نے سرائیکی و ملتانی میں ختم الشعراء کا مرتبہ حاصل کیا۔ فارسی زبان میں حافظ علیہ الرحمۃ کو جو درجہ حاصل ہے حضرت خواجہ غلام فرید نے سرائیکی شاعری میں وہی مرتبہ حاصل فرمایا۔ اکثر شاعروں کی شاعری کسی پیغام کی حامل نہیں مگر حضرت خواجہ صاحب کی شاعری درد، ہجر، سوز و گداز انسانیت اور تعمیرِ انسانی کا پیغام دیتی نظر آتی ہے اس لیے آپ فطرت نگاری کے ساتھ ساتھ اقبال علیہ الرحمۃ سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔

وصال

تریسٹھ برس کی مسنون عمر شریف کو پہنچے تو گھٹنے پر دنبل کے عارضہ سے 6 ربیع الثانی 1319ھ کو یہ آفتابِ فقر و غنا اپنا سفرِ زندگی تمام کر کے اللہ اللہ کا ورد کرتا ہوا بوقتِ غروبِ

آفتاب ظاہری آنکھوں سے چھپ گیا اور چاچڑاں شریف سے تجہیز و تکفین کے بعد سات ربیع الثانی 1319ھ مطابق 1901ء شہر کوٹ مٹھن شریف میں پہلوئے مرشد فخر جہاں میں دفن ہوئے۔ خورشیدِ عالم کیا غروب ہوا کہ اطراف و اکنافِ عالم میں ہر طرف آہ و فریاد بلند ہوئی۔ آپ کی یادگارِ زمانہ ہفت زبان شاعری اور دیگر علمی شاہکار تصانیف اور آپ کی مرقدِ اطہر آج تک بلکہ تا روزِ حشر مرجعِ خلائق ہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز کی زندگی جادوانی کا ثبوت ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

1۔ ماسٹر رحیم بخش خان کے والد ماجد حاجی جندوڈہ خان کی نماز جنازہ کے بعد حضرت پیر سید دیوان امیر حیدر نے خواجہ صاحب کی ایک کرامت اس طرح بیان فرمائی کہ آپ حج سے فراغت پا کر جب مدینہ منورہ پہنچے تو آپ کے دسترخوان پر ایک آدمی (533) حاضر ہوا۔ آپ نے اسے کھانا کھلایا۔ اس نے عرض کیا: میں گھر جانا چاہتا ہوں اور میرے پاس زادِ سفر نہیں؟ آپ نے فرمایا: اچھا بیٹھو تمہارا انتظام کرتے ہیں۔ شام کو جب کھانا تناول کرنے لگے تو آپ نے اس آدمی کو فرمایا: وہ دیکھو آگ جل رہی ہے۔ وہاں سے انگارہ لاؤ، وہ آگ کے قریب پہنچا تو اسے اپنا گھر نظر آیا، اس کی بیٹی گھر سے نکلی اپنے باپ کو آتے ہوئے دیکھ کر شور مچا دیا۔ لوگ اکھٹے ہو گئے اور حاجی صاحب کو احترام کے ساتھ گھر لے گئے۔

2۔ حضور قبلہ خواجہ غلام فرید صاحب کے والدِ گرامی کے عرس کے بعد شام کے وقت، والیِ مسندِ سرکار نازک کریم بیعت کیلئے بیٹھ گئے۔ لوگوں کی قطار لگ گئی۔ یہ قطار گشکوریوں کے مکانات تک پہنچ گئی۔ کسی نے آ کر کہا: حضرت قطار بہت لمبی ہو گئی ہے۔ آپ نے ایک چادر پر تین بار پھونک لگائی اور اس کو سمیٹ کر خلیفہ کو کہا: اس چادر کو ہاتھ لگواتا جا اور بیعت کا اعلان کرتا جا۔ قطار کے آخر میں جو آدمی کھڑا تھا اس کے دل میں شک پیدا ہوا کہ اس طرح

بیعت ہوگی یا نہیں مگر اس نے پانچ روپے خلیفہ کی جھولی میں ڈال دیئے۔ خلیفہ نے مریدوں کو سرکار کی زیارت کا حکم دیا۔ سارے لوگ باری باری زیارت کرتے جارہے تھے آپ نے خلیفہ کو بلایا، اس کی جھولی سے پانچ روپے نکالے اور باقی رقم لنگر میں داخل کرنے کا حکم دے دیا۔ جب وہ آخری شخص زیارت کیلئے حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: میاں! تیرے دل میں شک تھا کہ اس طرح بیعت ہو جائے گی یا نہیں؟ تمہاری بیعت تو ہو گئی ہے اور وہ بارگاہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچ گئی ہے جسے میں واپس نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ تمہاری رقم ہے، یہ واپس لے لو! اس نے معذرت کی مگر آپ نے اس کے پانچ روپے واپس لوٹا دیئے۔

3۔ حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ قاضی عاقل محمد کے پاس تشریف لائے۔ زمانہ عسرت و غربت کا تھا۔ قبلۂ عالم نے واپس جانے کا ارادہ فرمایا۔ قاضی صاحب کے پاس لنگر میں دینے کیلئے کچھ نہ تھا، اپنی گھر والی اور بچیوں کو باپردہ باہر لائے جب قبلہ عالم جانے لگے تو قاضی صاحب نے رو کر عرض کیا: حضور! انہیں لنگر کی خدمت گزاری کیلئے ساتھ لے جائیں۔ یہ سن کر قبلۂ عالم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا: قاضی صاحب! تم نے ہمارے چولہے کی خاکستر بھی باقی نہ چھوڑی وہ بھی لے لی۔ ان کو اپنے گھر بٹھاؤ ان شاء اللہ تعالیٰ اب تمہارے ہاں لنگر چلے گا اور یہ بیبیاں اس کی خدمت کرتی رہیں گی۔ چنانچہ عسرت غائب ہوگئی اور فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ قاضی صاحب لنگر چلانے لگے۔

4۔ خواجہ فخر جہاں جب علم سے فارغ ہو گئے بظاہر محنت نہ کی تھی اس لیے پڑھانے سے کتراتے تھے اور فرماتے تھے کتابیں تو آتی نہیں پھر کیسے پڑھاؤں؟ حضرت قبلۂ عالم کے استاد مولانا فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں فرمایا: تم پڑھاؤ جو نہیں آئے گا ہم تمہاری مدد کریں گے۔ جب آپ نے پڑھانا شروع کیا تو تدریس میں استاد المدرسین نکلے یہ جملہ کرامات کو مڈل سکول اوچ بخاری میں دوران ملازمت حضرت قبلہ دیوان سید امیر حیدر نے سنائی تھیں۔ راقم نے لکھ کر لیں۔

غواصِ بحر توحید، حضرت خواجہ غلام فرید ادامہ المجید فی لقاء الحمید اُس مناظرہ کے حکم

تھے جو مولانا غلام دستگیر قصوری اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے مابین ہوا تھا۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ ''علامہ قصوری کے مدمقابل برصغیر پاک وہند میں کوئی مناظر میسر نہ تھا۔ مناظرۂ بہاولپور وہ یادگار مناظرہ ہے جس میں آپ کو مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے مقابلہ میں زبردست کامیابی ہوئی۔ یہ تاریخی مناظرہ ماہ شوال 1306ھ میں براہینِ قاطعہ (مؤلفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی) کی گستاخانہ عبارات پر ہوا تھا جس کے حَکم نواب محمد صادق عباسی والی بہاولپور کے پیر ومرشد شیخ المشائخ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ چاچڑاں شریف تھے۔ حَکمِ مناظرہ نے لکھ دیا کہ دیوبندی علما کے عقائد ان علماء سے ملتے ہیں جو برصغیر میں خلفشار کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ اس فیصلے کے بعد نواب صاحب مرحوم نے مولوی خلیل احمد کو ریاست سے نکل جانے کا حکم صادر فرمادیا۔ اس مناظرہ کی روئیداد ''تقدیس الوکیل'' کے نام سے چھپ چکی ہے۔ جس کے آخر میں علمائے حرمین طیبین کی تصدیقات ثبت ہیں۔ شیخ الدلائل حضرت مولانا عبدالحق مہاجر مکی اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہما نے بھی حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری کی تائید فرمائی۔ حضرت مولانا رحمت اللہ (کیرانوی) مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ صولتیہ نے بھی تقدیس الوکیل پر شاندار تقریظ لکھی اور تقریظ میں فرمایا'' میں جناب مولوی رشید احمد کو رشید سمجھتا تھا مگر میرے گمان کے خلاف کچھ اور ہی نکلے۔''(536)

مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے شاگرد رشید مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے ساتھ مل کر ''براھینِ قاطعہ'' لکھوائی تھی اور یہ کتاب اپنے پیر بھائی مولانا عبدالسمیع رام پوری اور عارف باللہ عاشق رسول اللہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہا اللہ تعالیٰ کے عقائد و نظریات کے رد میں تھی۔ گنگوہی صاحب، مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب۔ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور مولانا اشرفعلی تھانوی حضرت حاجی امداد اللہ کے مرید وخلیفۂ مجاز ہیں اور سلسلہ چشتیہ میں یہ لوگ حضور خواجہ خواجگان معین الدین چشتی اجمیری کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوجاتے ہیں۔

لالاں کے اونٹ کا عشق

حضرت خواجہ غلام فرید نے فرمایا کہ علاقہ جیکب آباد سندھ میں گھنیہ قوم سے ایک عورت تھی جس کا نام لالاں تھا۔اس لالاں پرایک اونٹ عاشق ہوگیا تھااور عشق میں اس قدر مست ہوگیا تھا کہ بیس بیس من وزن اٹھاتا تھا۔وہ جس جگہ چاہتے تھے لے جاتا تھااور ہرگزنہیں تھکتا تھا۔لیکن جب اس کا بوجھ اتاردیتے تو جس قدر دور ہوتا بھاگ کراپنی معشوقہ کے پاس پہنچ جاتا اوراس کے سامنے بیٹھ کراُسے دیکھتا رہتا تھا۔کافی عرصہ تک یہ معاملہ جاری رہا جب اس بات کی شہرت ہوئی تو لالاں کے شوہر کوغیرت آئی اوراس نے اونٹ کو ذبح کر کے پھینک دیا لیکن اس کا ڈھانچہ جسے پنجابی زبان میں کرنگ کہتے ہیں چلنے لگا اور جہاں لالاں ہوتی تھی وہاں پہنچ جاتا تھا۔حضرتِ اقدس نے فرمایا کہ یہ واقعہ حاجی نصرت کے زمانے میں ہوا۔جو حضرت سلطان الاولیاء کے مرید تھے اور حاجی نصرت نے حج پر جاتے وقت اپنی آنکھوں سے مسماۃ لالاں کواور اونٹ کے کرنگ کو دیکھا ہے فرمایا کہ یہ قدرتِ الٰہی کا ظہور ہے۔(537)

خواجہ محمد یار فریدی رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ محمد یار فریدی رحمۃ اللہ علیہ گڑھی اختیار خان ضلع رحیم یار خان میں حضرت خواجہ عبد الکریم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پیدا ہوئے۔نسبی طور پر قطب ماہی اعوان ہیں۔سلسلۂ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ملتا ہے۔ابتدائی تعلیم گڑھی اختیار خان میں حاصل کی اور علوم اسلامی وتصوف کی تکمیل دار العلوم چاچڑاں شریف میں ہوئی۔عارف باللہ مولانا محمد ظریف فیضی فرماتے تھے کہ خواجہ صاحب نے مولانا محمد یار کو گلستانِ سعدی سات بار پڑھائی تھی۔چھ بار جلوت میں اور ساتویں بار خلوت میں۔خواجہ صاحب نے فرمایا: ساتویں بار گلستان کے جو اسرار ورموز کھلیں گے وہ عوام کی برداشت سے باہر ہوں گے لہٰذا تخلیے میں پڑھنا بہتر ہے۔حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور ان سے روحانی تعلیم وتربیت حاصل کرتے رہے۔مرشدِ کامل کے وصال کے بعد شیخ زادہ حضرت خواجہ محمد

بخش عرف نازک کریم رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت عطا ہوئی۔ اس طرح عشق ان کے ہاں دوآتشہ ہو گیا جس کو سلسلہ عالیہ چشتیہ کی جذب وسرور سے معمور آب و ہوا میسر آئی تو یہ ایک دل آویز خوشبو بن کر پھیلنے لگا۔

اس وابستگانِ درد و گداز کے فردِ فرید کا وصال 14 رجب المرجب 1397 ھ 1948ء کو ہوا۔ تدفینِ اول قبرستان حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں ہوئی اور تدفینِ دوم گڑھی اختیار خاں (رحیم یار خان) میں ہوئی جہاں "آستانہ عالیہ محمدیہ" مرجع خلائق ہے وہ اپنے اس شعر کا مصداق بنے۔

وہ خاکسار ہوں کہ برہم میرا مزار رہا
کہ خاک ہو کے بھی ہر ذرہ اشکبار رہا

خواجہ محمد یار رحمۃ اللہ علیہ محمد و محمد یار کے ساتھ بلبل اور فرد بھی تخلص فرماتے رہتے۔ آپ مولانا روم کے عاشق اور خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے دیوان کے پہلے شارح تھے اور ان کی لکھی ہوئی خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کی کافیوں کی شرح کتابی صورت میں بھی چھپی تھی۔ آپ مواعظِ دلِ نشین سے ایک مدت تک سینوں میں عشق و محبت کی قندیلیں روشن کرتے رہے یوں ان کا یہ کہنا بالکل بجا ہے

ہم محمدی ہیں درس دیتے ہیں
عشق احمد کی درس گاہ میں ہم

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ہر دور کے مسلم مفکرین نے مسلمان قوم کی زبوں حالی انحطاط اور زوال کے علاج کے لیے فکر و سوچ کی ہمیشہ ایک ہی راہ اختیار کی ہے اور وہ ہے محبوبِ لم یزل، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت اور آپ کی ذاتِ اقدس سے رشتۂ غلامی کی از سرِ نو تجدید یعنی "بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست" حضرت خواجہ محمد یار فریدی نے ملتِ اسلامیہ کو عشق و محبت کا درس دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ نے عشق و محبتِ نبوی کا عملی نمونہ پیش کیا۔ آپ حبِ نبوی کا ایسا پیکر تھے جس کی ہر تار ذاتِ نبوی کے

کسی نہ کسی وصف و جمال سے جڑی ہوئی تھی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامِ نامی، اسمِ گرامی آتا تو آپ یوں تڑپ اٹھتے جیسے بے خبری میں کسی نے ہتھیلی پر انگارہ رکھ دیا ہو۔ آپ کی اس دعوت اور آواز میں آپ کا خونِ جگر شامل تھا۔ یہ آواز سراسر حال ہونے کی بنا پر اپنی دلکشی، رعنائی، انفرادیت اور نرالی ادا کی ایک ایسی الستی پکار تھی جس نے اہلِ دل کے ساتھ ساتھ سخت سے سخت دلوں کے بھی تار ہلا دیئے۔ یہ آواز غافل روحوں اور بے چین دلوں کے درد کا درماں ثابت ہوئی۔ ماضی قریب میں برصغیر میں بڑے بڑے نامور اور جادو بیاں خطیب ہو گزرے ہیں مثلاً مولانا عطا اللہ شاہ بخاری بلاشبہ اردو زبان کے بہت بڑے خطیب تھے، عرصۂ دراز تک متحدہ ہندوستان کا کونہ کونہ ان کے سحر انگیز خطبات سے گونجتا رہا۔ مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ انہیں خواجہ محمد یار ایسے متبعِ سنت، شب بیدار اور پیکرِ محبت کے نالوں سے قطعاً کوئی نسبت نہیں ہے، وہ الفاظ کی جادوگری اور آواز کی سحر انگیزی تھی جبکہ خواجہ محمد یار نے نصف صدی تک منبرِ رسول پر دروسِ فراق کے ایسے نغمات چھیڑے جن سے انسان تو انسان چرند پرند اور در و دیوار بھی وجد میں آ کر موم کی طرح پگھل اٹھے۔ خواجہ محمد یار کی آواز وہ الستی آواز تھی جو ابن الفارض سے لے کر بلّے شاہ، شاہ حسین، سلطان باہو، عبداللطیف بھٹائی اور خواجہ غلام فرید کا مشترک سرمایہ ہے یہی وہ آواز ہے جس نے بلا امتیازِ مذہب و ملت تمام انسانوں کے دل کے تار چھیڑے۔ اس آواز میں ذاتِ حقیقی سے انسان کے تعلق اور نفس شناسی کے علاوہ انسانی دکھ درد، غم اور خوشی کے علاوہ دوسری واردات کو اس انداز میں سمویا گیا ہے کہ جسے ہر انسان نے اسے اپنی ترجمانی سمجھا ہے ان کی بات ''از دل خیز دو بر دل ریزد'' کی طرح تھی۔

حضرت خواجہ محمد یار نے عشقِ رسول کی تحریک و تبلیغ کیلئے تین راستے اختیار کئے۔ وعظ و تقاریر، شعر و شاعری اور عملی نمونہ پیش کرنا۔ آپ کے وعظ و تقاریر روایتی انداز کے برعکس اپنے اندر جذب و مستی، حدتِ عشق، رموزِ عشق اور ہر بات کے واقعاتی منظر کا ایک ایسا منفرد انداز رکھتے تھے جس کی نظیر دور دور تک نہیں ملتی۔ پچاس پچاس ہزار کا مجمع ہے مگر

رات کے سماں میں جونہی محمد عربی کا یہ سچا عاشق

سید و سرور محمد نور جاں ☆ مہتر و بہتر شفیع مجرماں

کی دلکش صدا بلند کرتا تو واقعہ یہ ہے کہ کسی کو تن من کی خبر نہ رہتی۔ بعض اوقات چشمِ زدن میں رات کے چار پہر گزر جاتے اور اچانک اس محفل میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کیلئے سحر آن دھمکتی۔ راس الاصفیاء حضرت سید مغفور القادری فرماتے ہیں کہ ''ایک ایسی محفل میں جب مقامِ محمدیت پر خواجہ محمد یار نے علم وفن کا ترانہ چھیڑا تو میں نے دیکھا کہ سامنے بیٹھے ہوئے شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی جیسے جید عالم دین کی روتے روتے داڑھی آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی۔'' علم و عقل و خرد کو تو لاجواب یا مسحور کیا جا سکتا ہے مگر بے چین روحوں، مضطرب قلوب اور شکوک و شبہات میں گرفتار سینوں کو یقین و معرفت کا نور عطا نہیں کیا جا سکتا اس کے لیے اس نگاہ کی ضرورت ہے جس کے بارے میں حضرت اقبال نے فرمایا

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا

بلاشبہ خواجہ محمد یار کو قدرت نے فیاضی سے یہ نگاہ عطا کی تھی۔ آپ نے آبائی علاقے کے علاوہ لاہور، امرتسر، جالندھر، فیروز پور، پٹیالہ اور لدھیانہ کے علاقوں کو اپنی تبلیغ اور رسد کا مرکز بنایا۔ ان علاقوں میں ہزاروں لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ایک محفل میں آپ کو فاضلِ بریلوی، امام اہلسنت، اعلیٰ حضرت، مجدد دین و ملت، الشاہ الامام الحافظ القاری المفتی احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں منبرِ رسول پر بٹھایا گیا۔ ایک عاشق رسول کی اس سے بڑی خواہش اور کیا ہو سکتی ہے کہ سامنے بھی اپنے وقت کا نامور عالم، شیخِ طریقت اور بلند مرتبہ عاشقِ رسول ہو جو علم و معرفت کی تمام لطافتوں اور باریکیوں کو نہ صرف سمجھتا ہو بلکہ خود اس راہ کا راہی ہو۔ خواجہ محمد یار نے اپنا مخصوص خطبہ شروع کیا تو اعلیٰ حضرت نے اٹھ کر آپ کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا اور فرمایا ''سر آمد واعظینِ پنجاب'' حضرت شاہ مغفور القادری نے ایک دفعہ فرمایا کہ خواجہ محمد یار کی کوئی بات ایسی نہ ہوتی جس کے لیے کتاب و سنت میں مضبوط دلیل موجود نہ ہو۔ ان کے مطابق دورانِ وعظ آپ پر علم و معرفت

کی ایسی پلٹ ہوتی جسے آمد کی بجائے وارداتِ غیبی یا فیضانِ الٰہی کہنا زیادہ صحیح ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر محبتِ رسول ہے کیا؟ میرے ناقص خیال میں بہترین انسانی اخلاق ومکارم، محاسن وفضائل اور اعلیٰ اوصاف واطوار ہی وہ چیزیں ہیں جنہیں ہر دور میں پوجا گیا ہے، ان کی نشرواشاعت کی گئی ہے اور کی جانی چاہیے۔شہادت گہہِ عالم میں سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اعلیٰ انسانی اوصاف ومکارم اور محامد ومحاسن کا ایک ایسا کامل نمونہ ہیں جن کی نظیر تاریخ آج تک پیش نہیں کرسکی۔آپ کی ذاتِ گرامی سے محبت دراصل ان اوصافِ جمیلہ اور اخلاقِ عالیہ سے محبت ہے جس کی دانشورانِ عالم ابتدائے آفرینش سے آرزو کرتے آئے ہیں۔میرے نزدیک محبتِ رسول کی نعمتِ عظمٰی عطا ہی اسے کی جاتی ہے جو عام انسانوں سے اپنے ذوق وفکر اور کردار وعمل سے بدرجہا ممتاز اور بلند ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جنہیں یہ نعمت عطا ہوتی ہے وہ اتباعِ نبوی میں فکر وعمل کا ایسا مینارۂ نور ہوتے ہیں جن سے ہر دور کے انسان روشنی حاصل کرتے رہتے ہیں۔حضرت خواجہ محمد یار انتہائی متواضع، منکسر المزاج، دردمند دل اور گداز قلب کے مالک تھے۔زندگی میں شاید ہی کوئی شخص ان سے رنجیدہ خاطر ہوا ہو وہ دوسروں کو رنج پہنچانے یا کسی کا دل دکھانے کے مفہوم ہی سے ناآشنا تھے۔وہ فرماتے تھے!

ماراں کھاویں مار نہ آویں
بن کھلیں دا کھوڑ تاں توں ہک تھیویں
ہک دے سانگے ہک دے کیتے
ہر دی جتی جوڑ تاں توں ہک تھیویں

شیخ المشائخ سید سردار احمد قادری تین سال سے مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے آپ مولانا عبدالباقی لکھنوی ثم المدنی سے دورۂ حدیث اور فصوص الحکم کی تکمیل کررہے تھے کہ اس دوران ایک دفعہ آپ نے خواب میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت فرمائی، آپ نے دیکھا کہ ایک انتہائی باوقار محفل میں ہزاروں لوگ حسب مراتب دم بخود بیٹھے ہیں اتنے میں

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارے سے خواجہ محمد یار اٹھے اور آپ نے مولانا جامی کی نعت کے یہ مصرعے انتہائی پرسوز آواز میں پڑھے۔

وصلی اللہ علی نور کزو شد نورہا پیدا
زمیں از حب او ساکن فلک در عشق او شیدا

جب آپ اس مصرعے پر پہنچے۔

محمد احمد و محمود وے را خالقش بستود
ازو شد بود ہر موجود ازو شد دیدہا بینا

تو وجد میں آ کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ مدینہ منورہ سے اپنے فرزندِ ارجمند کو لکھا کہ خواجہ محمد یار کی خدمت میں جا کر انہیں مبارک باد پیش کریں اور میرا سلام پہنچائیں۔ والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جونہی سلام پہنچایا خواجہ محمد یار ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتے ہوئے مدینہ منورہ کی طرف سر کے بل رینگنے لگے، آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو گئیں۔ اور زبان پر یہ الفاظ تھے ''وعلیکم السلام میرے حضور وعلیکم السلام میرے حضور۔'' خواجہ محمد یار کی گفتگو، خامشی، اوڑھنا، بچھونا، نشست، برخاست، نظم، نثر، رات، دن، صبح، شام اور خواب وخیال سب کا مرکز ومحور موضوع اور عنوان صرف اور صرف ذاتِ رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھی۔ انہوں نے اس عنوان میں اپنے آپ کو اس طرح مٹایا اور جذب کیا کہ عنوان اور معنوں میں دوئی کا فرق مٹ گیا۔ بعض نیم خواندہ دنیائے انسانیت کے مفکرین تلاشِ حقیقت کی داستان سے بے خبر وحدۃ الوجود پر برس پڑتے ہیں۔ حیرت ہے کہ اگر وجود ایک نہیں ہے تو کیا وجود دو ہیں؟ اگر خدانخواستہ دو ہیں تو یہ شرک نہیں تو اور کیا ہے۔ خیال رہے کہ وحدۃ الوجود کا تصور ہی وہ محفوظ راستہ ہے جس پر حقیقتِ کبریٰ کی معرفت کے سلسلے میں عقلی اور فکری طور پر کم سے کم اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ انسان اپنی محدود فکر میں سوچ کی جو بھی راہ اختیار کرے گا اس پر اتنے شدید اعتراض وارد ہوتے ہیں کہ کسی طرح بات بنتی نظر نہیں آتی۔ پھر یہی وحدت کا وہ

تصور ہے جو اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللهِ (مخلوق اللہ کا کنبہ ہے) کا نظریہ پیش کر کے انسانوں میں نسلی وطنی اور دوسری تمام تفریقیں مٹاتا ہے اور یہاں پہنچ کر انسان اپنے بھائی بند (انسان) تو درکنار جانوروں، پرندوں بلکہ نباتات اور جمادات سے بھی محبت کرنے لگتا ہے۔ خواجہ محمد یارا اپنے تمام پیشرو صوفیا کی تقلید میں اسی مسلک، محبت اور مشرب عشق کے علمبردار ہیں۔ خود فرماتے ہیں:

مذاہب دے جھگڑے اساں چھوڑ بیٹھے
محبت دا جھگڑا چھڑا کوئی نئیں سگدا

اس حقیقت کا زیادہ واضح اظہار اس طرح فرماتے ہیں۔

زمانہ چھان مارا نیک وبد کو غور سے دیکھا
ہر اک شے میں حقیقت کا پتہ معلوم ہوتا ہے (538)

حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی شہید رحمۃ اللہ علیہ

نام ولقب

آپ کا اصل نام عبداللہ تھا۔ اور دوسرے بھائیوں کے نام ہدایت اللہ، امان اللہ، حیات اللہ تھے۔ طریقت کا نام محکم الدین سیرانی ہے اور عوام الناس میں سیرانی مشہور ہوئے۔

شجرہ نسب

آپ کا شجرہ نسب ''چندہنسی'' خاندان کے راجہ ہنساپور سے ملتا ہے۔ خاندان میں گڈن جن کا اسلامی نام مہر بخش ہے۔ مسلمان ہوئے گڈن کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (متوفی 633ھ) نے مسلمان کیا اور وہ ان کے مرید ہو گئے۔ جن کا مزار بگھیا بکوانی تحصیل اوکاڑہ ضلع ساہیوال میں ہے۔ حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی کی ''گوت کھرل'' ہے اور کھرل راجپوت گوگیرہ شاخ کہلاتی ہے۔

ولادت

کتاب ذکر خیر مصنفہ دبیر الملک مولانا عزیز الرحمٰن عزیز میں آپ کی ولادت کا قیاسی سال 1137ھ/1725ء درج ہے۔

تعلیم

چھوٹی عمر میں آپ کے خیالات مذہب کی طرف مبذول تھے۔ بارہ سال کی عمر میں ابتدائی عربی تعلیم مکمل کرلی۔ اپنے چچازاد بھائی حضرت خواجہ عبدالخالق اویسی (متوفی 26ذوالحجہ 1180ھ) جو آپ کے مرشدِ گرامی بھی تھے ان سے تعلیم وتربیت حاصل کرتے رہے۔ خواجہ عبدالخالق اویسی آپ کے ماموں بھی تھے اور انہیں کے ہمراہ جاکر دہلی میں حضرت خواجہ فخر جہاں دہلوی (متوفی 1199ھ/ 1784ء) کے درس میں باقاعدہ تعلیم حاصل کی خواجہ نور محمد مہاروی (متوفی 1205ھ/ 1790ء) بھی آپ کے ہمراہ تعلیم حاصل کرتے رہے، اپنے وطن میں جب تک رہے اپنے بھائیوں کے ساتھ کاشتکاری کا کام کرتے رہے۔ اور حصولِ رزقِ حلال میں مصروف رہے۔

حلیہ ولباس

سرو قد بلند و بالا تھے، رنگ گندم گوں، سر کے بال نہ گھنے نہ چھدرے، پیشانی درمیانی پلکیں نوکدار تھیں۔ آنکھ کی سفیدی زیادہ سفید اور سیاہی زیادہ سیاہ، دانت باریک، آواز لطیف، کان گوشت دار، آبرو غیر پیوستہ۔ تمام اعضا سڈول، خوشنما کانوں میں سوراخ تھا۔ دائیں آنکھ کے اوپر تل تھا، سینہ کشادہ، پیٹ اور سینہ برابر تھے۔ انگلیاں نازک، ناخن سرخ، ایک انگلی (بند) کا ناخن ٹوٹ کر دوبارہ اگا ہوا تھا اس لیے واضح تھا۔ پیر میں جوتا (تقریباً 11 نمبر) پہنتے تھے، سر پر پگڑی باندھتے تھے، کبھی قادری ٹوپی بھی پہنا کرتے تھے، کبھی کبھی شلوار بھی زیبِ تن کرتے تھے، موسمِ سرما میں ایک کمبل شانوں پر رہتا تھا، اسے عوامی زبان میں ''لوئی'' بھی کہتے ہیں۔

بیعت

آپ کی بیعت آپ کے چچا زاد بھائی و ماموں حضرت خواجہ عبد الخالق اویسی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی، جن سے بچپن ہی سے دینی معاملات میں ہدایت حاصل کرتے رہے۔ مرشد نے جب بیعت فرمایا تو دعا دی کہ میری اولاد بھی تیرے ہی نام سے پہچانی جائے گی۔ مرشد نے چلہ کے لیے حضرت چاولیہ مشائخ کے مزار واقع تحصیل و ضلع وہاڑی پر بھیجا۔ دورانِ ریاضت ہمیشہ یہی آواز آئی: زمین کی سیر کرو! آپ کو ریاضت و عبادت میں کبھی رکاوٹ نہیں ہوئی جو چلہ بھی کیا اللہ کے فضل و مرشد کی مہربانی سے کامیابی ملی۔ جب چلہ سے فارغ ہو کر مرشد کی خدمت میں آئے تو بیعت کے بعد مرشد نے بھی یہی حکم فرمایا کہ دنیا کی سیر کرو! آپ نے کئی حج پاپیادہ کئے۔ فرمانِ مرشد اور رضائے الٰہی کے طور پر سفر اسی طرح کیا کہ ایک رات سے زیادہ کہیں نہیں ٹھہرتے تھے۔ اگر کسی کے مجبور کرنے پر دوسری رات کسی کے ہاں رہنا پڑتا تو دوسرے مکان میں قیام فرماتے۔

خلفاء

یوں تو آپ کے فیض سے ہر آدمی مفاد حاصل کرتا تھا۔ جہاں بھی گئے اپنے فیض سے ہر آدمی کو سرفراز فرمایا۔ آپ نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا نہ ہی کسی مانگنے والے کو مایوس کیا۔ بطریقِ اولیائے کرام جو خلیفہ کہلائے ان میں حسبِ ذیل نام آتے ہیں۔

(1) سرفراز خان صاحب حاکم ملتان کے پیر
(2) شیخ محمد سلیم صاحب سامانی
(3) حضرت ابوالفتح شاہ صاحب۔ (متو مبارک ضلع رحیم یار خان میں مزار ہے)
(4) حضرت عثمان نوری صاحب (جن کا مزار آپ کے مزار سے متصل ہے۔)
(5) شیخ محمد انور صاحب ملتانی (شیخ کے مزار کے قریب دفن ہیں۔)
(6) میاں اللہ داد گرمانی متوفی 1265ھ (دربار چوک شہیداں ملتان میں ہے۔)
(7) دیوان محمد غوث صاحب جلال پوری (اولاد پیر لعل قتال صاحب ضلع ملتان)

(8) شیخ دوست محمد صاحب (جھانگڑہ میں مزار ہے۔)
(9) عبدالکریم قادری (مزار اوکاڑہ ضلع ساہیوال بمقام لشاری شریف واقع ہے۔)
(10) شیخ عبدالسلام جوگی (آپ کے دست حق پرست ہندو سے مسلمان ہوئے۔)
(11) مولوی غلام محمد صاحب (یہ نواب صاحبان کے اتالیق خاندان سے تھے کہروڑپکا ضلع لودھراں میں مزار ہے۔)
(12) میاں محمد صدیق صاحب داجلی
(13) میاں محمد وارث صاحب
(14) میاں محمد اعظم صاحب اٹھوال
(15) میاں مقبول محمد صاحب کھوکھر
(16) مہر وخاں پرجانی
(17) اس کے علاوہ شیخ نھو جو آخری وقت تک خواجہ محکم الدین سیرانی کی خدمت میں رہے۔

شیخ کے ہمعصر بزرگ

آپ کے اس عالم فنا میں قیام کے دوران حسب ذیل بزرگان آپ کے ہم عصر تھے۔
(1) حضرت خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلوی المتوفی 1199ھ/ 1784ء
(2) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی 1176ھ/ 1762ء
(3) حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی 1239ھ/ 1824ء
(4) قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی المتوفی 1205ھ/ 1790ء
(5) حضرت خواجہ سلیمان تونسوی المتوفی 1267ھ/ 1850ء
(6) خواجہ قاضی عاقل محمد کوٹ مٹھن شریف المتوفی 1229ھ
(7) حضرت ملوک شاہ غازی قادری بہاولپوری المتوفی 1174ھ/ 17 رجب 1761ء
(8) حضرت بابا بلّے شاہ قصوری المتوفی 1199ھ/ 1785ء۔

خوراک وسواری

آپ کی غذا بہت سادہ تھی۔ مسور کی دال بہت رغبت سے کھاتے تھے، تکلف کو بالکل ناپسند فرماتے تھے۔ پانی ٹھنڈا پسند فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ٹھنڈا پانی پینے سے خدا کا شکر ادا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ عرصہ کے بعد گھر آئے، گھر والوں نے بوجہِ محبت دال کو گھی کا تڑکا دے کر پیش کیا۔ آپ نے فرمایا اسی طرح تکلف برتا گیا تو فقیر آئندہ گھر نہیں آئے گا۔ ایک دفعہ ایک کسان کنویں سے گاجریں صاف کرر ہا تھا، جب وہ گاجریں دھو کر چلا گیا تو باقی ماندہ گلی سڑی یا چھوٹی گاجریں دائم نے چن کر پیش کیں۔ آپ نے بہت رغبت سے کھائیں اور فرمایا: اس طرح بھی وقت گزر سکتا ہے تو تکلف کیوں کیا جائے۔ سواری میں ایک گھوڑا جس کا نام ''توکل'' تھا وہ رہتا تھا۔ ایک اونٹ بھی سواری کیلئے آپ کے پاس رہتا تھا جس کا نام ''درگاہی'' تھا۔ درگاہی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک عجیب سی کیفیت میں رہتا تھا۔ جب درگاہی وجد میں ہوتا تو محمد اعظم صاحب اُٹھوال گردن پکڑ کر استغراق میں چلے جاتے اس لیے ان کو درگاہی کا خلیفہ کہا جاتا تھا۔

وصال مبارک

آپ کا وصال زہر خورانی سے ہوا۔ علاقہ دھوراجی (کاٹھیاواڑ بھارت) میں آپ تشریف فرما تھے اور اپنے ایک مرید حافظ کے پاس مہمان تھے اور حافظ مذکور کی خواہش تھی کہ دھوراجی میں آپ کا روضہ بنے۔ چنانچہ اس نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا جس کو آپ نے تناول فرمایا اور حالت بگڑ گئی، آپ نے حافظ مذکور سے پانی طلب فرمایا، پانی پیتے ہی قے ہوگئی۔ قے میں گوشت کے لوتھڑے نکلے، اس کے بعد آپ نے ذکر اللہ شروع کیا اور تھوڑی دیر میں آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ 5 ربیع الثانی 1197ھ (بمطابق دس مارچ 1784ء بروز پیر) آپ کی تاریخ وصال ہے۔ دھوراجی مندر میں رات کے وقت آپ آسودۂ خاک ہوئے۔ بعد میں آپ کے ورثا نے آپ کے جسدِ اطہر کو دھوراجی مندر سے لاکر گوٹھ بخشا موجودہ نام خانقاہ شریف (سمہ سٹہ تحصیل بہاولپور)

میں دفن کیا۔ تاریخ منظوم یہ ہے۔

عظیم المرتبت ہیں آپ دنیائے تصوف میں
رموز معرفت میں آپ کا کوئی نہیں ثانی
حسن فرط عقیدت سے لبوں پر یہ کلام آیا
سلام اے قبلہ ارباب دیں اے شاہ سیرانی

1197ھ

عیسوی مادہ ہائے تاریخ وصال یہ ہیں

''صوفی کامل سلطان التارکین بادشاہ سیرانی'' 1783ء

''قطب کامل سلطان التارکین محکم الدین اویسی قدس سرہ'' 1783ء

کرامات

1۔ میاں صالح محمد طالب علم (اوچشریف کے رہنے والے حضرت قاضی عاقل محمد علیہ الرحمۃ کے خادم تھے، کچھی میں ایک رئیس داد پوترہ کے باغیچہ میں صبح کے وقت گئے۔ درختوں کے پتوں اور ٹہنیوں سے اسم ذات (اللہ، اللہ) کی آواز سنی لذت حاصل کی اور متحیر ہو کر تمام باغیچہ میں پھرے۔ ایک گوشہ میں دیکھا کہ ایک شخص مراقبہ میں بیٹھا ہے۔ یقین کر لیا کہ یہ معاملہ اس مردِ کامل کی برکت سے ہے۔ واپس ہوا اور سردار کے پاس گیا، اسے اس معاملہ سے آگاہ کیا، رئیس سن کر حیران ہوا، اور شہر کے قاضی کے پاس گیا اسے حالات سے آگاہ کیا تو وہ دونوں زیارت کیلئے روانہ ہوئے اور آپ کے سامنے دست بستہ کھڑے رہے، آپ نے مراقبہ سے سر اٹھایا: دونوں نے قدم بوسی کا شرف حاصل کیا اور دونوں نے اپنے اپنے دل میں خیال کیا کہ اپنی بہنوں کا نکاح اس بابرکت شخص سے کر دیں۔ آپ نے ان کے دل کے خیالات سے مطلع ہو کر فرمایا: فقیر تمہارے دامِ تذویر میں پھنسنے والا نہیں ہے، رئیس نے عرض کیا: اجازت ہو تو آپ کو طعام کھلا دوں؟ فرمایا: کچھ مضائقہ نہیں۔ جب آپ نے ماحضر تناول کر لیا اٹھ کھڑے ہوئے اور شفقت کرتے ہوئے فرمایا: فقیر کا نام محکم

الدین ہے، اگر کوئی مشکل پیش آئے تو یاد کرنا۔ انشاء اللہ فقیر حاضر ہو جائے گا۔ آپ چل پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گئے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک تقریباً 16 سال تھی۔ چند سال کے بعد، رئیس کی ہمشیرہ فوت ہو گئی اور چہرہ بدل گیا اس حالت سے رئیس کے گھر والے بہت پریشان ہوئے، میت کو چھپا دیا، رئیس کو سیرانی بادشاہ کا وعدہ یاد آیا۔ وضو کر کے مسجد مبارک میں گیا اور صدقِ دل سے سر بسجود ہو کر اللہ کو یاد کیا اور دردناک دل سے حضرت سلطان محکم الدین سیرانی قدس سرہ کو یاد کیا۔ آپ مسجد کے محراب سے ظاہر ہوئے اور فرمایا: رئیس صاحب دل کو سنبھالو، خیر ہے جاؤ! تجہیز و تکفین میں جلدی کرو۔ یہ فرما کر آپ غائب ہو گئے۔ رئیس گھر آیا اور میت کا منہ کھولا تو چاند کی مثل روشن تھا۔ تغسیل، تجہیز و تکفین کے بعد نمازِ جنازہ ادا کی۔

بندگان حق رحیم و بردبار
خوئے حق دارند در اصلاح کار (539)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کے بندے رحیم اور بردبار ہوتے ہیں۔ اصلاح کار میں خوئے حق سے متصف ہوتے ہیں۔

2۔ ایک آدمی کا بیٹا خراسان گیا اور واپس نہ آیا۔ وہ آدمی حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کی خدمت میں عرض کرتا رہا۔ آپ فرماتے رہے کہ یہ معاملہ میرے بس سے باھر ہے اگر تیرا نصیب بیدار ہوا اور وقت کا شہباز آ گیا تو تیرا کام بن جائے گا۔ اتفاقاً حضرت سلطان محکم الدین کا وہاں سے گذر ہوا اور آپ مسجد میں فروکش ہوئے تو حضرت خواجہ مہاروی نے اسے بتایا کہ مسجد شریف میں شہباز جلوہ نما ہے جا اور اپنا مطلب پیش کر۔ وہ آدمی گیا اور عرض کیا: حضور! اجازت ہو تو سرکار کی حجامت درست کر دوں۔ آپ نے اجازت مرحمت فرمائی وہ حجامت بھی کر رہا تھا اور آنسوں بھی گرا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: تو روتا کیوں ہے؟ کہا: میرا بیٹا خراسان گیا تھا، واپس نہیں لوٹا۔ اس کیلئے روتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: سر مونڈنا چھوڑ دے آپ کمرے میں گئے اور فوراً واپس نکل آئے۔ اس نے سر مونڈنا شروع کیا ہی تھا

کہ ایک آدمی آیا اور اس نے اسے مبارک دی اور کہا کہ تیرا بیٹا آ گیا ہے۔ یہ شخص فارغ ہونے کے بعد گھر گیا بیٹے کو ملا، حال پوچھا تو اس نے بتایا ایک بزرگ تھا اس کا آدھا سر مونڈا ہوا تھا۔ میں اس وقت اپنے سردار کا سودا لینے کیلئے بازار میں تھا۔ اس آدمی نے میرا ہاتھ پکڑا اور اسے جنبش دی تو میں اپنے گھر میں تھا یہ سودا لینے والے پیسے بھی میرے ہاتھ میں ہیں۔(540)

آپ کی بے شمار کرامتیں ہیں جو کتاب لطائفِ سیرانی (فارسی) میں درج ہیں۔ اب اس کتاب کا اردو ترجمہ جناب مسعود حسن شہاب دہلوی نے کر کے طبع فرما دیا ہے قارئین اس کتاب کو پڑھ کر ایمان کو تازہ فرمائیں۔(541)

حضرت پیر سید محمد اکبر شاہ اول رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر سید محمد اکبر شاہ اول بستی جمرانی شریف مسافر خانہ ضلع بہاولپور میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والدِ گرامی کا نام سید امام دین تھا۔ سید امام دین شاہ کا مزار، پالکہ شریف والے قبرستان میں ہے، یہ قبرستان اشرف شوگر مل کے قریب ہے۔ حضرت پیر سید محمد اکبر شاہ کی بیعت شہنشاہِ ولایت، مرکزِ حسنات حضرت پیر سید شمس الدین گیلانی سے تھی۔ پیر سید شمس الدین گیلانی کا مزار پرانی سبزی منڈی کے نزدیک بہاولپور شہر میں واقع ہے اور مسلمانوں کے لیے امن وسکون کا گہوارہ ہے۔ پیر سید محمد اکبر شاہ، شیخ المشائخ حضرت پیر محکم دین سیرانی کے ہم عصر تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے نواب آف بہاولپور ثالث کی فوج میں ملازمت حاصل کر لی اور کمانڈر انچیف کے عہدے پر پہنچے۔ وہاں سے فراغت کے بعد آپ نے راہِ سلوک کی منزلیں طے کرنا شروع کر دیں اور بہت جلدی مقامِ ولایت پر فائز المرام ہوئے، شیخ کریم کے حکم پر آپ ضلع ملتان کے موضع گھ برابر میں چلے گئے اور مخلوقِ خدا کو ہدایت کے راستے پر گامزن کرنے میں اپنی مساعی کو بروئے کار لائے۔ آپ کی ولایت، پارسائی، تقویٰ وطہارت کی خوشبو کستوری کی خوشبو کی طرح پھیلتی گئی اور لوگوں کے مسامِ عقل وقلب کو معطر ومعنبر کرتی گئی۔ ایک بار آپ اپنے مریدوں کی دعوت

پر دریائے چناب کے کنارے پر چلے گئے۔ وہاں کا ایک زمیندار ملک سکندر راں سکنہ موضع راں لب دریا نزد بستی بوسن رہتا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کی شادی کی اور اس میں تجاوزات کی بھر مار کر دی۔ جب آپ اپنے مریدوں سے واپس آنے لگے تو کسی نے کہا: آپ سکندر راں کے پاس اس کے بیٹے کی شادی کی مبارکبادی کے لیے تشریف لے چلیں، وہ خوش ہو جائے گا کہ میری رعایا کے پیر صاحب مجھے مبارکباد دینے کے لیے آئے تھے۔ آپ اپنے مریدوں کی دلجوئی کرتے ہوئے اس کے پاس تشریف لے گئے، مگر وہ اپنے غرور، تکبر اور دنیاداری کی وجہ سے پیر صاحب اور آپ کے مریدوں کے استہزا میں لگ گیا۔ آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی گھوڑی پر سوار ہو کر شباب کی گرمی میں چل پڑے، اچانک ایک اجنبی شخص نے آپ کو رکنے کا اشارہ کیا تو آپ رک گئے۔ جب وہ آپ کے قریب پہنچا تو گھوڑی کے آگے کھڑا ہو گیا اور دست بستہ عرض کرنے لگا۔ آپ گرمی میں سفر نہ کریں بلکہ میرے غریب خانہ میں چلیں آرام کریں اور لنگر تناول فرمائیں۔ آپ نے اس کا نام پوچھا تو اس نے عرض کیا میرا نام سکندر بوسن ہے۔ آپؒ نے جوش میں آکر فرمایا سکندر راں نہ سہی سکندر بوسن ہی سہی پھر خوش ہو کر اس کے منہ پر ایک تھپڑ مارا۔ سکندر بوسن، سکندر راں کا نوکر تھا۔ لیکن آپ کی عزت و احترام کرنے کے سبب آپ نے اس کی کایا پلٹ دی۔ سکندر راں اپنا رقبہ بیچنے پر مجبور ہو گیا اور سکندر بوسن نے اس کا رقبہ خریدنا شروع کر دیا۔ چند مہینوں کے بعد سکندر راں کنگال ہو گیا اور سکندر بوسن کو چار چاند لگ گئے۔ امام جلال الدین رومی نے کیا خوب فرمایا ہے

چو خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں مے زند

جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ چاک کر کے اسے ذلیل کرنا چاہتا ہے تو اس کا رجحان صالحین پر زیادتی کرنے میں ہو جاتا ہے۔ سکندر راں کی بے پرواہی نے اسے ذلت کے غار میں ڈال دیا اور اس کے نوکر نے ولی اللہ کی قدر کی تو اس کو آقا بنا دیا۔

حضرت پیر سید محمد اکبر شاہ کی زبانِ پاک سے نکلنے والے کلمے کا اندازہ لوگوں نے اس وقت لگایا جب راں کی سکندری کو ڈوبتا دیکھا۔ اور غلام کو سچ مچ سکندر بنتے دیکھا۔ امام رومی نے سچ فرمایا ہے!

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اللہ کے ولیوں کا بول درحقیقت اللہ تعالیٰ کا بول ہے۔ اگرچہ وہ بول اللہ کے بندے کے حلق سے نکلتا ہے۔ سکندر بوسن کی اولاد آج ایم پی اے اور ایم این اے بنتی ہے اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہے اور بڑے بڑے باغات کی مالک ہے۔ آپ نے سکندر بوسن کے منہ پر خوشی سے جو تھپڑ مارا تھا اس کی اولاد میں بھی اس کے آثار پائے جاتے ہیں۔

حضرت قبلہ سید محمد اکبر شاہ کو ملنے کے لیے ان کے مرشدِ پاک، پیرِ طریقت قبلہ سید شمس الدین گیلانی بہاولپور سے موضع گھڑ برابر (ملتان) تشریف لائے۔ آپ نے حسبِ توفیق اپنے مرشدِ کریم کی خدمت سرانجام دی۔ عشا کی نماز کے بعد جب مرشدِ کریم سونے لگے تو آپ ان کے پاؤں دبانے کے لیے بیٹھ گئے۔ جب آپ کو یقین ہو گیا کہ مرشدِ کریم سو گئے ہیں تو آپ اٹھے اور حضرت شیخ محمد کے عرس کی حاضری دینے کیلئے ان کے آستانہ کی طرف چل پڑے۔ وہاں قوالی ہو رہی تھی آپ بھی قوالی سننے کے لیے بیٹھ گئے، کچھ دیر کے بعد آپ پر قوالی کا ایسا اثر ہوا کہ آپ وجد میں چلے گئے۔ آپ عالمِ بے خودی میں وجد کر رہے تھے تو اچانک مرشد کریم بھی تشریف لائے اور آپ کی وجدانی کیفیت کو دیکھ کر واپس چلے گئے اور اپنے اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ صبح کی نماز کا وقت ہوا تو آپ بھی وضو بنا کر مسجد میں آ گئے۔ نماز ادا کرنے اور اشغال و اذکار سے فارغ ہونے کے بعد مرشد کریم نے فرمایا: اکبر! تو رات کہاں چلا گیا تھا۔ ندامت سے آپ کا سر جھک گیا تو مرشد کریم نے فرمایا: سلسلہ عالیہ قادریہ میں سازوں والی قوالی سننا منع ہے لیکن تم اس کے سننے کے اہل ہو لہٰذا تمہیں اجازت ہے قوالی سنا کرو کیونکہ میں نے رات کو تمہاری حالت و کیفت

کو دیکھ لیا تھا۔ مرشدِ کریم کی اجازت سے پیر سید محمد اکبر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر عرس میں تقاریر و نعت خوانی کے بعد قوالی ہوتی ہے۔ حالانکہ آپ کا اور آپ کی اولاد کا تعلق سلسلہ عالیہ قادریہ سے ہے۔

ایک بار آپ ملتان شہر کی بازار میں جلوہ گر تھے تو سبزی فروش نے آواز لگائی ''سوئے پالک چوکا'' اس کی یہ آواز جب آپ نے سنی تو وجد میں آ گئے۔ جب عالمِ وجد کی کیفیت ختم ہوئی تو غلاموں نے عرض کیا: حضور! وہ ایک سبزی فروش تھا اور اپنی سبزی بیچنے کی آواز لگا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: وہ سچ کہہ رہا تھا کہ جو سو گیا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے چُوک گیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت محکم الدین سیرانی بادشاہ کے ساتھ بھی اس طرح کا واقعہ پیش آیا۔ آپ کسی بستی سے گذر رہے تھے کہ آواز آئی۔ ''اچھے سنگ تَرے'' یہ سن کر آپ وجد کے عالم میں چلے گئے۔ اس دوران لوگ اکٹھے ہو گئے، جب آپ پر وجدانی کیفیت ختم ہو گئی تو لوگوں نے کہا سرکار وہ ایک ''سنگترے'' بیچنے والے کی آواز تھی، آپ نے فرمایا: وہ سچ تو کہہ رہا تھا کہ ''اچھے سنگ ترے یعنی اچھے اور نیک لوگوں سے صحبت رکھنے والے تر گئے۔''

وصال

پیر سید محمد اکبر شاہ اول کا وصال 1275ھ میں ہوا، آپ کا مزار پر انوار موضع گھ برابر ضلع ملتان بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی سے شمال میں بوسن روڈ پر واقع ہے، اور شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بستی سید محمد اکبر شاہ سے جنوب کی طرف تین چار مربع کے فاصلے پر ہے، شیخ صاحب کے آستانے پر دعوتِ اسلامی کا عظیم الشان مدرسہ ہے جس میں بچوں کو دینی تعلیم دی جاتی ہے۔

تصنیفات

(1) جنگ نامہ کربلا (2) قصہ مصری (3) قصہ سسی پنوں (4) قصہ مرزا صاحباں (6) ہفت روز (7) ڈیہاڑی اکبر شاہ (8) سی حرفی (9) مدح نامے (10) قصیدہ نواب بہاولپور (11) میلادنامہ بازبان ملتانی

سید محمد موسیٰ المعروف موسأ شاہ رحمۃ اللہ علیہ

پیر سید محمد اکبر شاہ اول کے وصال کے بعد ان کے اکلوتے بیٹے سید محمد موسأ شاہ ان کے جانشین ہوئے اور اپنے والدِ ماجد کے سلسلہ سے لوگوں کی روحانی واخلاقی تربیت فرمائی اور اپنے اسلاف کے فیض کو لوگوں تک پہنچانے کی کوشش فرمائی۔ آپ نے اپنے والدِ گرامی کے روضے کے ساتھ ایک مسجد تعمیر کروائی، اس مسجد کے بیرونی دروازے پر لکھا ہے کہ یہ مسجد 1288ھ کو تعمیر کے مراحل طے کر کے تکمیل کو پہنچی۔

حضرت قبلہ پیر سید محمد اکبر شاہ اول موضع گٹھ برابر میں صرف آٹھ سال رہے، پھر ان کا وصال ہو گیا۔ ممکن ہے کہ اس مسجد کا سنگِ بنیاد انہوں نے رکھا ہو اور تعمیر کے بعد تکمیل آپ کے جانشین سید محمد موسأ کے دور میں ہوئی ہو۔ عموماً یہ دیکھا کہ جہاں اللہ والوں نے ڈیرہ لگایا وہاں مسجد ضرور بنوائی۔ اصحابِ کہف کے غار پر مسجد کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

پیر سید محمد موسأ کا وصال 17 رجب المرجب 1292ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار آپ کے والد ماجد کے پہلو میں ہے۔

سید محمد روشن شاہ رحمۃ اللہ علیہ

سید محمد روشن شاہ اپنے والدِ بزرگوار پیر سید محمد موسأ شاہ کے وصال کے بعد ان کی مسند پر رونق افروز ہو کر ان کے سجادہ نشین بنے۔ وہ اپنے وقت کے نابغۂ روزگار ولی تھے، حلم وحوصلہ کے پیکر تھے، مہمان نوازی میں بے مثال تھے۔ آپ نے بھی سلسلہ عالیہ قادریہ کے چراغ کو روشن رکھا اور لوگوں کی دینی وروحانی اور اخلاقی تربیت کا فریضہ انجام دیا۔ آپ نے کسی کی دل آزاری نہیں کی بلکہ ہر خورد وکلاں کی دلجوئی فرمائی۔ آپ کے ایک مرید کا نام لہنڑا اں تھا اور وہ لوگوں کی حجامت کرتا تھا۔ اس کی بیوی فوت ہوگئی تو اس کے گھر کا نظام بگڑ گیا۔ ایک عورت اللہ وسائی بیوہ تھی، لہنڑے حجام نے اس کی منت وسماجت کی کہ میرے ساتھ شادی کر لے اس نے ایک نہ سنی، لہنڑا اں مجبور تھا مگر اس کی دال نہ گلی۔ بالآخر لہنڑا اں حجام اپنے مرشد کریم سید محمد روشن کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا ماجرا سنایا۔ آپ کی زبان

پر فوراً کچھ شعر موزون ہو گئے اور ایک دوہڑا بن گیا۔ وہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

وسی وس کولوں بے آس کیتا تن درد برہوں دیاں دھانڑاں آکھے لہنڑاں

پچھوں یار تیڈے پریشان تھیم چھوڑ گیم عقل ٹکانڑاں آکھے لہنڑاں

وڑی زہر شہر دی دل اندر نہ بھانوے خویش بانڑاں آکھے لہنڑاں

روشن شاہ شالا اُس وسی دے گل دا تھیواں گہنڑاں آکھے لہنڑاں

آپ نے لہنڑے حجام کو فرمایا: اس کو پڑھتا رہ اللہ وسائی عرف وسی خود بخود آ کر کہے گی کہ میں تیرے ساتھ شادی کرتی ہوں، لنہڑے نے آپ کے حکم پر عمل کیا، کچھ دنوں کے بعد وسی لہنڑے یں کے پاس چل کر آئی کہ اب میں مجبور ہوں۔ قاضی کو بلاؤ اور میرے ساتھ نکاح پڑھواؤ۔ چنانچہ آپ کی دعا سے ان دونوں کی شادی ہو گئی۔ لہنڑاں اپنی بیگم کو ساتھ لے کر اپنے مرشدِ کریم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، نذر و نیاز پیش کی اور دعا کا خواستگار رہوا۔

سلاروا ہن کے علاقے میں ایک طاقتور سکھ رہتا تھا اس نے ایک موٹے درخت کے تنے (منڈھی) کو اٹھانے کی ورزش کر رکھی تھی وہ مسلمانوں کو للکارتا تھا کہ تم میں جو کوئی اس منڈھی کو اٹھا لے میں اسے اپنی لڑکی دوں گا، منڈھی بہت وزنی تھی، لوگ پریشان تھے۔ جب آپ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے سکھ کے پاس پیغام بھیج دیا کہ دن اور وقت مقرر کر لے، اس دن اور اس وقت روشن شاہ منڈھی اٹھائے گا۔ سکھ نے اعلان کرا دیا آپ وقتِ مقرر پر تشریف لے گئے، وہاں لوگوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔ آپ نے سکھ کو فرمایا: کہاں ہے تیری منڈھی جس کے اٹھانے پر تو ناز کرتا ہے۔ اس نے منڈھی آپ کو دکھائی، آپ نے بسم اللہ شریف پڑھ کر اس کو اٹھایا، اور اسے رکھ دیا، اس طرح آپ نے بار بار کیا سکھ کے پاؤں سے زمین نکل گئی وہ آپ کے قدموں پر گر پڑا اور معافی کا طلب گار رہوا۔ آپ نے مسلمانوں کی لاج رکھ لی اور سکھ کا ناطقہ بند کر دیا۔ پیر سید محمد روشن شاہ اپنے دور کے بہترین عالم، صوفی منش بزرگ اور زبردست شاعر تھے۔ آپ کا کلام ہجر، درد، فراق اور محبوبِ حقیقی کی محبت کا پر اسرار خزانہ ہے۔ اگر وہ منظرِ عام پر آ جاتا تو لوگوں کی منفعت کا باعث

بنا۔ اللہ تعالیٰ کی یاد میں لکھا ہوا آپ کا ایک بند ملاحظہ ہو

بٹھ وچھوڑا شالا تھیویں تھوڑا اساڈی جان لباں تے آئی
وِدرد کنوں رنگ زرد ہویا اس دے برہوں سانگ وگائی
جوش کنوں بھج ہوش گیم سُرت نہ رہیم کائی
روشن شاہ کر یاد اللہ نوں نہ گزرے عمر اجائی

عرس مبارک

14 جمادی الاولی کو آپ کا عرس مبارک آستانہ پیر سید محمد اکبر شاہ پر منایا جاتا ہے۔

پیر سید محمد اکبر شاہ ثانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر سید محمد روشن شاہ کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے ودیعت فرمائے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام سید محمد اکبر شاہ ثانی اور چھوٹے بیٹے کا نام سید غلام حیدر شاہ تھا۔ سید محمد روشن شاہ کے وصال کے بعد ان کے بڑے بیٹے سید محمد اکبر شاہ ثانی ان کی مسند پر رونق افروز ہوئے، سجادگی کی دستار ان کے سر پر سجی، وہ درویش صفت انسان تھے، مریدوں کی طرف زیادہ توجہ نہ فرماتے تھے بلکہ زیادہ تر قرآنِ مجید کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے اور مریدوں کو اپنے بھائی سید غلام حیدر کے پاس بھیج دیتے تھے، خلوت پسند تھے اور اکثر وقت مسجد میں گزارتے تھے۔ مال ومتاع سے رغبت نہ تھی اور لوگوں سے اختلاط بھی بہت کم تھا، ایک بار کسی زمیندار نے کہا: آپ لوگوں کے دکھ سکھ میں شریک نہیں ہوتے، جب آپ اس دنیا سے جائیں گے تو آپ کی نمازِ جنازہ پر کوئی نہیں آئے گا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا: دیکھ لینا جب میں دنیا سے جاؤں گا تو یہاں تل دھرنے کی جگہ نہ ہوگی۔ جب آپ کا وصال ہوا تو لوگوں کا اتنا اژدھام تھا کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا گیا۔ رسول پور جٹاں ضلع شیخوپورہ کا ایک شخص محمد یعقوب جس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کا بہت شوق تھا اور وہ ذکر کرانے والے کی تلاش میں تھا، پھرتا پھراتا وہ آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے سورۃ اخلاص کا چلہ کرایا۔ ''اَللّٰهُ الصَّمَدُ'' کا جملہ اس کی زبان پر ایسا چڑھا کہ مرتے وقت بھی یہ

جملہ اس کی زبان پر جاری تھا، اس ورد کی وجہ سے بعد از وصال بھی اس کے جسم کی حرارت کم نہ ہوئی۔ غسال نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا تو اس میں ایسی حرارت پیدا ہوئی جو لمحہ بہ لمحہ بڑھتی گئی۔ اس نے پیر سید محمد اکبر شاہ کی خدمت میں اپنے ہاتھ کی حرارت کا ذکر کیا آپ نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر دم کیا تو وہ حرارت ختم ہوگئی۔ آپ نے فرمایا: اگر تو مجھے نہ بتاتا تو یہ حرارت تیرے پورے جسم میں پھیل جاتی۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ کے چلے کا طریقہ یہ ہے: تسبیح کے پہلے دانے پر قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ پڑھیں پھر ہر دانے پر اَللّٰهُ الصَّمَدُ پڑھیں جب آخری دانہ آئے تو اس پر لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ پڑھیں 25 ہزار مرتبہ روزانہ پڑھنا ہے، ایک لاکھ پچیس ہزار بار پڑھ لینے سے چلہ مکمل ہو جائے گا۔ آپ کا ایک مرید محمد علی گھلیجہ مدینہ منورہ میں رہتا تھا، عسرت کی وجہ سے پریشان ہوا اور رو رو کر اپنے مرشد کی بارگاہ استغاثہ کیا تو آپ نے رات کو خواب میں محمد علی کو حکم دیا کہ تم نماز پڑھاؤ۔ صبح کی نماز پڑھنے کے لیے جب مسجد میں گیا تو لوگوں نے کہا: حاجی محمد علی صاحب نماز پڑھائیں گے پھر انہوں نے آپ کو مصلے پر کھڑا کر دیا۔ آپ نماز پڑھاتے رہے اور اس طرح ان کی خدمت ہونے لگی اور غربت کی حالت دور ہوگئی۔ ایک بار حاجی محمد علی صاحب فجر کی سنتیں ادا کرنے لگے تو سجدے میں ان کی روح پرواز کر گئی، لوگ انتظار کر رہے تھے کہ آپ نماز پڑھائیں مگر آپ سجدے سے نہ اٹھے۔ لوگوں نے آپ کو ہلایا تو آپ وصال پا چکے تھے، آپ کی تجہیز و تکفین کے بعد نمازِ جنازہ حرمِ نبوی میں ہوئی اور جنۃ البقیع میں مدفن ہوا۔

سید محمد اکبر ثانی کا عرس مبارک 13 شعبان المعظم کو ہوتا ہے۔ آپ کا وصال 1963ء میں ہوا۔

آپ کی نمازِ جنازہ غزالیٔ زماں، رازیٔ دوراں امام اہلسنت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ نے پڑھائی۔ علامہ کاظمی اس وقت بہاولپور میں تھے اور نماز جنازہ کی اطلاع ان کے پاس نہ پہنچ سکی تھی لیکن آپ نے نماز جنازہ سے قبل فرمایا کہ رات کو پیر سید محمد اکبر شاہ نے

خواب میں فرمایا: حضرت میں اس دنیا سے روانہ ہو گیا ہوں صبح نماز جنازہ کی امامت آپ نے انجام دینی ہے اسی لیے میں یہاں حاضر ہوا ہوں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کر کے اس سعادت سے بہرہ ور ہوا ہوں۔

اولاد

پیر سید محمد اکبر شاہ کے تین بیٹے ہوئے۔

1) سید عبدالعزیز شاہ 2) سید عبدالمجید شاہ 3) سید عبدالحمید شاہ

سید عبدالعزیز شاہ کا ایک بیٹا ہوا، سید حکیم الدین شاہ۔ یہ دونوں باپ و بیٹا وصال فرما چکے ہیں۔ سید حکیم الدین کا ایک بیٹا ہے سید محمد حسن شاہ ہے ان کا بھی ایک بیٹا ہے۔

سید عبدالمجید شاہ لاولد وصال فرما گئے۔

سید عبدالحمید شاہ کو اپنے والد کی سجادگی کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ خوش اسلوبی اور حسنِ سلوک سے مریدوں کی اصلاح کی کوشش فرما رہے ہیں۔ مسلکِ اہلسنت و جماعت کی خدمت کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، ہمیشہ علماء وفقراء کی سرپرستی فرمائی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے عطا فرمائے ہیں۔ 1) سید طیب سلطان احمد شاہ 2) سید محمد اشفاق احمد شاہ

یہ دونوں بیٹے اپنے والدِ ماجد کی نیابت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اپنے بزرگوں کے فیض کو لوگوں تک پہنچانے میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔

پیر سید غلام حیدر شاہ رحمۃ اللہ علیہ

پیر سید محمد روشن شاہ کے دوسرے فرزند کا نام سید غلام حیدر شاہ تھا۔ آپ دنیائے فقر کے امیر تھے۔ صوفیائے کرام کے مشن کے امین تھے، غزالیٔ زماں امام اہلسنت نے ان بزرگوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ دونوں بھائی میرے پیارے دوست تھے۔ صاحبِ کرامت تھے، بزرگوں کی اولاد تھے اور دوسرے بزرگوں کا بہت احترام کیا کرتے تھے، آپ نے فرمایا کہ مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم کی سرپرستی فرمائی اور ہر مشکل وقت میں اپنی امداد و اعانت سے سرفراز کیا۔ پیر سید غلام حیدر نے اپنے مریدوں کی اصلاح میں مشغول

زندگی گزاری اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور آپ کی شریعت پر چلنے کا سبق دیا۔ ملک ولایت کے اس تاجدار کی کرامتیں بہت زیادہ ہیں جو کرامات اکبریہ میں موجود ہیں ان میں سے چند کرامتیں بطور تبرک پیش خدمت ہیں۔

1۔ جب آپ مریدوں کے پاس جاتے تو وہاں بھی قبل از طعام یا بعد از طعام محفل موسیقی منعقد ہوتی تھی۔ ظاہر پیر تحصیل خانپور کے نواح میں بستی الانی گھلیجہ میں صوفی عبدالکریم کی دعوت تھی جب لنگر تیار ہو گیا تو صاحب دعوت نے کہا حضور! دعا فرمائیں اور لنگر تناول کریں۔ آپ نے فرمایا میاں الٰہی بخش قوال کو بلاؤ پہلے قوالی سنیں گے پھر لنگر تقسیم ہوگا۔ بستی الانی کا امام مسجد قوالی کو حرام کہتا تھا اس نے کتابوں کی گٹھری اٹھائی اور قوالی کو حرام ثابت کرنے کے لئے محفل موسیقی میں آ گیا۔ قوال، حضرت امیر خسرو کا کلام سنا رہے تھے اور حضرت پر وجدانی کیفیت طاری تھی مجمع میں بھی ذوق افزوں تر تھا جب قوالی ختم ہو گئی تو مولوی صاحب نے کہا پیر سائیں آپ نے قوالی کو جائز سمجھ رکھا ہے آپ اس کا ثبوت دیں ورنہ میں اس کا ثبوت دکھاتا ہوں قوالی حرام ہے۔ آپ نے فرمایا ہم فقیر لوگ ہیں۔ آپ تو بڑے عالم ہیں۔ آپ اس کا ثبوت دکھا دیں ہم مان لیں گے۔ ایک کتاب کھولی حوالہ نہ ملا۔ دوسری کھولی حوالہ نہ ملا حتیٰ کہ سب کتابیں کھول کر ثبوت پیش کرنے میں لگا رہا مگر کسی ایک کتاب سے ثبوت نہ دکھا سکا۔ مولوی صاحب نے کتابیں رکھ کر کہا۔ آپ دعا فرمائیں ہم سے جو حق پر ہے وہ زندہ رہے اور جو غلط ہے وہ تباہ و برباد ہو جائے۔ آپ نے فرمایا ایسی دعا میں تو نہیں مانگتا اگر تمہارا شوق ہے تو یہ شوق بھی پورا کر لو۔ اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا اے اللہ! اگر پیر سائیں حق پر نہیں تو تباہ و برباد ہو جائیں اگر میں حق پر نہیں ہوں تو مجھے خوار کر ذلیل کر اور برباد کر دے۔ جب اس نے یہ کلمے کہے تو آپ نے بلند آواز سے آمین کہی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مولوی جی کے پیٹ میں درد کی ضرب لگی بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا، تڑپتا پھڑکتا ہوا جانوروں کے گوبر میں جا گرا اس کے منہ سے آواز نکلتی "ہائے میں مر گیا" بالآخر دو ماہ کے عرصے میں ذلت کی موت مر گیا۔

2۔ موضع گھانگلہ میں حاجی واہ کے کنارے پر آپ کے مرید رہتے تھے جو کھیری بلوچوں کے خاندان سے تھے۔ ان کے گھروں کی چھت چھپر کی تھی، اچانک اس کو آگ لگ گئی، جب آگ کے بجھنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو انہوں نے اپنے مرشد سید غلام حیدر شاہ کو پکارنا شروع کر دیا اور ان سے مدد مانگنے لگے۔ آپ نے اس وقت وضو کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ خلیفہ جب لوٹا بھر کر پانی لے آیا تو آپ نے اس لوٹے کو زمین پر گرا دیا دوسرے کو بھی گرا دیا تیسرے کو بھی گرا دیا چوتھے لوٹے سے وضو کیا آپ کی اس ادا کو دیکھ کر لوگ حیران تھے، کچھ دیر کے بعد تین آدمی حاضر ہوئے قدمبوس ہو کر عرض کرنے لگے حضور! اگر آپ آگ نہ بجھاتے تو ہمارے مکان جل جاتے ہم نے جب آپ کو پکارا تو آپ نے تین لوٹوں سے آگ کو ختم کر دیا۔ یہ بات سن کر لوگوں کو پانی کے لوٹے زمین پر گرانے کی وجہ سمجھ میں آئی۔ حضرت پیر سید غلام حیدر شاہ کا ایک فرزند ارجمند ہے سید محمد دین شاہ۔ سید محمد دین شاہ صاحبِ اولاد ہیں ان کے بڑے بیٹے کا نام سید غلام حیدر شاہ ہے۔

وصال

بروز اتوار 30 جمادی الاولیٰ 1367ھ/ 11 اپریل 1948ء کو آپ کا وصال ہوا۔ جب آپ کو لحد میں اتارا گیا تو قبر میں انوار رحمت کی بارش ہوتی نظر آ رہی تھی۔ (542)

علامہ سراج احمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سراج احمد بن مولانا احمد یار بن مولانا محمد عالم قصبہ مکھن بیلہ تحصیل خانپور ضلع رحیم یار خان میں 14 ذوالحجہ 1203ھ/ 13 ستمبر 1886 کو پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان علم و فضل کے اعتبار سے خاصا معروف تھا۔ ان کے والدِ محترم مولانا احمد یار اور دادا مولانا محمد عالم جید علماء میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے گاؤں میں تعلیم کا آغاز کیا پھر چاچڑاں کے مشہور مدرسہ جامعہ فریدیہ میں مطول تک درسیات مولانا تاج محمود اور مولانا غلام رسول سے پڑھیں۔ باقی کتابیں قصبہ مہند ضلع بہاولپور میں علامہ امام بخش سے پڑھیں، ان ہی سے دورہ حدیث پڑھ کر 1317ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ نہایت ذہین اور مطالعہ کے

شائق طالب علم تھے۔ اکثر کتابیں ذاتی مطالعہ سے پڑھ لیں تھیں، یہی وجہ ہے کہ چودہ سال کی عمر میں درس نظامی کی تکمیل کر لی۔ دس سال کی عمر میں خواجہ غلام فرید سے بیعت ہوئے تھے اور ان کے خلفائے مجاز میں سے تھے۔ فارغ التحصیل ہوئے تو تدریس شروع کی جامعہ فریدیہ میں ایک عرصہ تک پڑھاتے رہے۔ ڈیرہ گبولاں ضلع رحیم یار خان اور اپنے گاؤں مکھن بیلہ میں تشنگانِ علم کی پیاس بجھائی۔ خانقاہِ فریدیہ کے سجادہ نشین حضرت فیض فرید کی تعلیم وتربیت کے لیے چاچڑاں میں قیام پذیر ہوئے اس کے علاوہ کچھ عرصہ بھر چونڈی شریف ضلع سکھر (سندھ) اور مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ آخر میں مدتِ دراز تک مدرسہ عربیہ سراج العلوم خانپوران کے فیض کا گہوارہ بنا رہا۔ مولانا خانپوری نے نمود ونمائش سے دور رہتے ہوئے خدمت دین میں زندگی گزاری۔ تقریباً ستر سال درس نظامی پڑھایا، وہ فتوٰی دیتے تھے اور فقہ حنفی پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کے کئی فتوے سابق ریاست بہاولپور کی عدالتوں میں فیصلوں کی بنیاد بنے۔ 5 ذی قعدہ 1392ھ/12 دسمبر 1972ء کو فوت ہوئے ان کی علمی یادگاروں میں ''سراج الفتاوٰی'' (غیر مطبوعہ) اور ''الزبدۃ السراجیہ فی علم المیقات والمیراث والوصیہ'' ہیں۔ (مطبوعہ) آپ سے ہزاروں لوگوں نے استفادہ کیا ہے۔ چند معروف تلامذہ یہ ہیں۔ (1) خواجہ حافظ عبدالرحمان بھر چونڈی شریف (م 1380ھ) (2) پیر سید مغفور القادری (3) خواجہ فیض فرید سجادہ نشین چاچڑاں شریف (4) مولانا عبدالسبحان (خلف الرشید) (5) مولانا حافظ سراج احمد مہتمم مدرسہ عربیہ سراج العلوم خانپور (6) مولانا ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی (بہاولپور) (7) مولانا حسن الدین ہاشمی۔ (543)

راقم سراج احمد سعیدی قادری نے 1388ھ میں دورہ تفسیر القرآن کے دوران چند ساتھیوں سمیت آپ کے پاس میراث کے کچھ اسباق پڑھے اور آپ کے پاس تبرکاً اسباق میں شمولیت کی، انہوں نے بندۂ ناچیز کی سند دورۂ تفسیر القرآن مدرسہ سراج العلوم پر دستخط ثبت فرمائے۔

حضرت مولانا غوث بخش اوچی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا غوث بخش بن محمد خدا بخش کی ولادت اوچشریف میں ہوئی۔ وہ نسباً حضرت معروف کرخی (م200ھ) کی اولاد میں سے تھے۔ان کے باپ دادا سلسلۂ نظامیہ چشتیہ سے منسلک تھے۔ان کے دادا خدا بخش، خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی (م1142ھ) کے مرید تھے اوران کے والد ماجد خواجہ فخر الدین دہلوی(1199ھ) سے تعلق ارادت رکھتے تھے۔خاندان کے اکثر افراد پیشۂ طب سے منسلک تھے چنانچہ انہوں نے بھی فنِ طب میں مہارت حاصل کی۔دینیات،فلسفہ اورطب میں ان کی خاصی شہرت تھی۔مولانا گل محمد احمد پوری ان کے بھانجے تھے۔اوچ کے گیلانی اور بخاری خانوادے ان کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔نواب بہاول خان ثالث ان کے مرتبہ شناس تھے۔مولانا غوث بخش اوچشریف میں فوت ہوئے اور خانقاہِ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے احاطے میں ہمیشہ کی نیند سو رہے ہیں۔ان کی تالیفات میں سے ''تحفہ غوثیہ'' دوجلدوں میں ملتی ہے جو دواؤں اوران کے خواص پر ایک عمدۃ تالیف ہے۔اس کتاب کا ایک خطی نسخہ نواب آف بہاولپور کے کتب خانے کی زینت ہے۔(544)

خواجہ گل محمد احمد پوری رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ گل محمد بن حکیم اللہ رکھا بن مولوی محمد بخش 1169ھ/56-1755ء میں اوچ میں پیدا ہوئے۔ان کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ معروف کرخی (م200ھ) سے جاملتا ہے۔ان کے اجداد میں سے شیخ ظہیر الدین عہد شاہجہان میں ملتان آئے تھے اور شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوئے تھے۔مولوی محمد بخش اوچی خواجہ فخر الدین دہلوی سے نسبتِ بیعت رکھتے تھے۔خواجہ گل محمد کے والد حکیم اللہ رکھا۔بلند پایہ عالم اور حاذق طبیب تھے۔نواب صادق محمد خان ثالث نے جوان کے قدردان اور مداح تھے،انہیں اوچ سے بلا کر احمد پور شرقیہ میں قیام کی پیش کش کی۔اس طرح خواجہ گل محمد کا خاندان اوچ سے احمد پور

شرقیہ منتقل ہو گیا۔ خواجہ گل محمد نے طب کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ دینی تعلیم صاحب ''تحفہ غوثیہ'' مولانا غوث بخش اور دوسرے علما سے پائی قاضی عاقل محمد کے مدرسہ کوٹ مٹھن میں بھی زیر تعلیم رہے۔ ایک روایت کے مطابق حافظ محمد جمال اللہ ملتانی کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ خواجہ گل محمد، قاضی عاقل محمد کے مریدِ باصفا اور خلیفہ تھے۔ احمد پور شرقیہ میں ایک خانقاہ اور دینی درس گاہ کے بانی تھے۔ تلقین وارشاد کے ساتھ فنِ طب کے ذریعے بھی عوام کی خدمت کرتے تھے۔ 1243ھ/ 28-1827ء میں احمد پور شرقیہ میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ ان کے دو صاحبزادے خواجہ محمود بخش اور خواجہ محمد بخش تھے۔ اول الذکر سجادہ نشین ہوئے۔ خواجہ گل محمد کے علمی آثار میں سید محمد المعروف میر خورد بن سید کمال الدین کی تالیف ''سیر الاولیا'' کا تکملہ ہے۔ جس میں دیگر سلاسل کے مشائخِ عظام کے علاوہ سلسلہ نظامیہ فخریہ کے بزرگانِ کرام، خصوصاً اپنے مرشدِ گرامی قاضی عاقل محمد کے خانوادے کے حالات اور ان کے ملفوظات یکجا کیے ہیں، خواجہ گل محمد احمد پوری کے ایک خلیفہ میاں محمد شریف تھے جو قصبہ خان بیلہ (بہاولپور) میں مدفون ہیں۔ (545)

خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ محمد سلیمان تونسوی بن زکریا بن عبدالوہاب بن عمر خان 1184ھ مطابق 71-1770ء میں گڑگوجی ضلع لورالائی (بلوچستان) میں پیدا ہوئے۔ افغانوں کے جعفر خانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے والدِ بزرگوار کا انتقال ان کی شیر خوارگی کے زمانے میں ہو گیا تھا۔ انہوں نے والدۂ مکرمہ کی نگرانی میں تربیت پائی۔ چار سال کی عمر میں اپنے ہم قبیلہ ملا یوسف سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ ان سے پندرہ پارے پڑھے بعد میں ایک دوسرے عالم دین کی نگرانی میں قرآن مجید کی تکمیل کی۔ قرآنِ مجید حفظ کرنے کے بعد میاں حسن علی سے استفادہ کے لیے تونسہ (ضلع ڈیرہ غازی خان) آئے اور ان سے فارسی زبان وادب کے نصاب میں سے پند نامۂ عطار، گلستان سعدی، بوستانِ سعدی وغیرہ چند کتابیں پڑھیں۔ تونسہ سے موضع لانگھ (تونسہ سے پانچ کوس جانب

مشرق ایک قصبہ) میں چلے گئے۔ یہاں کے مولوی ولی محمد سے فارسی درسیات کی تکمیل کی فارسی زبان وادب کا مروجہ نصاب پڑھ کر کوٹ مٹھن تشریف لے گئے۔ جہاں قاضی عاقل محمد (1229ھ) نے علم ونظر کی بزم سجا رکھی تھی۔ انہوں نے قاضی عاقل محمد سے علمی ودینی استفادہ کیا منطق میں ''قطبی'' تک درس نظامی کی کتابیں پڑھیں۔ کوٹ مٹھن میں مقیم تھے کہ انہیں خواجہ نور محمد مہاروی (م 1205ھ) کے اوچ میں تشریف لانے کی خبر ملی۔ فوراً ان کے حضور میں پہنچے اور بیعت ہوئے۔ نافع السالکین ص 13 پر ہے کہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی 15-16 سال کی عمر میں کوٹ مٹھن میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ انہیں معلوم ہوا کہ اوچ کے مقام پر قبلۂ عالم حضرت مہاروی تشریف لائے ہیں۔ اس زمانہ میں آپ کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ سماع قوالی کے مسئلہ پر بحث کرنے کیلئے اوچ روانہ ہوئے، حضرت قبلۂ عالم کی خدمت میں پہنچے، تو دنیا ہی بدل گئی، تین روز وہاں رہے لیکن حضرت سے بات کرنے کی ہمت نہ پڑی، قبلۂ عالم بھی سمجھ گئے۔ قاضی صاحب سے آپ کے متعلق پوچھا۔ قاضی صاحب نے بتایا یہ فقیر امر بالمعروف کے ارادہ سے یہاں آیا ہے تو فرمایا یہ لڑکا بہت بلند ہمت اور وسیع القوۃ نظر آتا ہے۔ آخری روز جب رخصتی کا سلام کرنے قبلۂ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو قبلۂ عالم نے آگے بڑھ کر ہاتھ پکڑ لیا حضرت سید جلال الدین بخاری کے مزار کے سرہانے لے جا کر آپ کو بیعت کر لیا۔ پندرہ سولہ سال کی عمر میں وادیٔ تصوف میں گامزن ہوئے انہوں نے اپنے پیر طریقت سے آداب الطالبین، فقرات، لوائح، عشرہ کاملہ اور فصوص الحکم کا درس لیا۔ 1199ھ/1784-85ء میں خواجہ مہاروی کے حکم پر دہلی کا سفر کیا سفر کے مقاصد میں اہم ترین مقصد شاہ فخر الدین دہلوی (م 1199ھ) سے استفادہ تھا مگر ان کے دہلی پہنچنے سے پہلے شاہ صاحب وصال پا چکے تھے۔ خواجہ محمد سلیمان نے اکیس سال کی عمر میں خلافت حاصل کی اور تونسہ میں ڈیرے ڈال دیئے، یہیں ساٹھ سال تبلیغ واشاعتِ دین میں مصروف رہے، انہوں نے تونسہ اور اس کے گردونواح میں کئی مدارس قائم کیے جن کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔

تونسہ ان کے دم قدم سے ایک عظیم دارالعلوم بن گیا تھا۔ خواجہ تونسوی خود درس دیتے تھے۔ اپنے ارادت مندوں کو تصوف کی معروف کتابوں میں سے احیاء العلوم (امام غزالی) اور فتوحاتِ مکیہ (ابن عربی) پڑھاتے تھے۔ موصوف قرآن وسنت پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کے ملفوظات میں اکثر قرآن وسنت کے حوالے ملتے ہیں۔ فقہ حنفی پر عبور رکھتے تھے اور ضرورت مندوں کی راہنمائی کرتے تھے۔ خواجہ محمد سلیمان تونسوی نے ابتدائی زندگی غریب الوطنی میں بسر کی۔ حصولِ خلافت کے بعد تونسہ کو مستقل مستقر بنایا جو غربت و عسرت کا دور تھا۔ مگر جلد ہی دنیا بدل گئی ان کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ دہلی سے مولوی حیات علی اور صاحبزادہ نظام الدین پسر کالے صاحب اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لیے ان کے درِ دولت پر حاضر ہوئے۔ بلند پایہ اہلِ علم کے ساتھ ساتھ اہلِ جاہ وحشم بھی ان کے آستانے پر حاضری دیتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے۔ شاہ شجاع (افغانستان) ان کی خانقاہ میں عقیدت واحترام کے ساتھ حاضر ہوا۔ نوابانِ بہاولپور کو ان سے ارادت مندانہ تعلق تھا۔ اہلِ دولت کے رجوع کے باوجود خواجہ تونسوی کے استغنا کا وہی عالم رہا اور کبھی فارغ البالی کی زندگی گزارنے پر رضامند نہ ہوئے۔ ان کے مزاج میں قناعت اور توکل کی صفات بدرجۂ اتم تھیں۔ جب انگریز نے ملتان کو فتح کیا۔ اولیاء اللہ کی قبور کی انہوں نے بہت بے ادبی کی حضرت خواجہ صاحب نے سنا تو فرمایا

چو خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکان زند

اللہ تعالیٰ جب کسی کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو اس کو پاک لوگوں پر طعنہ کرنے پر لگا دیتا ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا: جب کوئی کسی بزرگ کی زیارت کیلئے جاتا ہے تو وہ بزرگ اس کی مصیبت وبلا کے لیے اس کا نگہبان بن جاتا ہے، اس لیے ایسے شخص کو چاہیے کہ بے فکر ہو کر سفر کرے، وہ ہر آفت سے امان یافتہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ایک دفعہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کی خدمت میں مہار شریف مقیم تھا، ایک روز قضائے حاجت کیلئے شہر سے

باھر نکل گیا، میرا پاؤں ایک خشک ہڈی پر پڑا جب شہر میں واپس آیا رات کو خواب میں دیکھا یہ وہی خشک ہڈی مجھ سے کہہ رہی ہے:

دور داراز من قدم ائے خام پوست
گرچہ خاکم بوئے عشق آید ز دوست

اے کچے چمڑے والے! اپنا پاؤں مجھ سے دور کر اگرچہ میں خاک ہوں دوست کے عشق کی خوشبو آرہی ہے۔ خورشیدِ ملت، حضرت مولانا خورشید احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی سرکارِ مخدوم جہانیاں کے آستانے پر حاضری کے لیے وارفتگی کے عالم میں آرہے تھے جب محل کے قریب پہنچے تو ایک ہڈی پر آپ کا قدم آ گیا اس نے مندرجہ بالا شعر پڑھا، آپ نے قدم اٹھالیا اور حیران ہوئے کہ مخدوم جہانیاں کے آستانے کی ہڈیوں کا یہ مقام ہے! ایک شخص نے عرض کیا: میں دشمنوں کے خوف سے بہت پریشان ہوں۔ فرمایا: ہر نماز کے بعد "یا ناصر یا نصیر" سات سو بار پڑھا کرو! ایک شخص نے کہا: میری روزی تنگ ہے۔ فرمایا "یا کریم" ہر نماز کے بعد سو بار پڑھا کرو۔ ایک شخص نے کہا: میں خطرات میں گھرا رہتا ہوں فرمایا ہر نماز کے بعد سو بار "یا غفور" پڑھ لیا کرو۔ (546)

خواجہ تونسوی 7 صفر 1267ھ/12 دسمبر 1850ء کو فوت ہوئے۔ نواب بہاولپور نے ستر ہزار روپے کی خطیر رقم خرچ کر کے اُن کا مقبرہ بنوایا۔ مولوی حسین علی فتح پوری نے خواجہ تونسوی کا قطعہ وصال کہا۔

سلیمان زماں رحلت چو فرسودہ
یکا یک در جہاں ظلمت بیفزود
پئے سال وفاتش ہاتف غیب
بگفت او آفتابِ چشتیاں بود
(1267ھ)

خواجہ تونسوی کی اولاد میں دو صاحبزادے: خواجہ گل محمد اور خواجہ درویش محمد تھے۔

دونوں خواجہ صاحب کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے، اس لیے ان کے پوتے خواجہ اللہ بخش تونسوی جانشین ہوئے۔ خواجہ تونسوی باسٹھ سال مسندِ ارشاد پر فائز رہے۔ ایک لاکھ سے زائد افراد نے اکتساب فیض کیا۔ انہوں نے کثرت سے خلافت واجازت دی ان کے خلفا میں سے کم وبیش ستر کے نام ملتے ہیں۔ چند اہم نام یہ ہیں:

(1) مولانا محمد علی مکھنڈی

(2) مولانا محمد علی خیر آبادی (م 1266ھ)

(3) مولانا نور جہانیاں بہاولپوری

(4) مولانا فاضل شاہ (گڑھی افغاناں)

(5) مولانا نور محمد نارووالہ

(6) مولانا امام الدین مؤلف نافع السالکین

(7) حاجی نجم الدین مؤلف مناقب المحبوبین

(8) مولانا شمس الدین سیالوی

خواجہ تونسوی سے کوئی تصنیف یادگار نہیں ہے تاہم ان کے ملفوظات اور افادات ان کے مریدوں نے یکجا کئے ہیں چند اہم کتابیں یہ ہیں۔

(1) مناقب المحبوبین۔ حاجی نجم الدین (مطبوعہ)

(2) نافع السالکین۔ مولانا امام الدین (مطبوعہ)

(3) منتخب المناقب۔ یار محمد ذوقی (غیر مطبوعہ)

(4) راحت العاشقین۔ مولوی محمد (غیر مطبوعہ)

آخر الذکر دونوں غیر مطبوعہ کتابیں کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی کی زینت ہیں۔ (547)

خواجہ قاضی عاقل محمد رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ قاضی عاقل محمد بن مخدوم محمد شریف بن مخدوم محمد یعقوب بن مخدوم نور محمد کوریجہ ایک صاحبِ وقار صدیقی یا فاروقی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ مخدوم نور محمد (مدفون تحصیل

لودھراں) عہدِ شاہجہاں کے بلند مرتبہ صوفی تھے۔ قاضی عاقل محمد کے والد مخدوم محمد شریف قصبہ یارووالی میں آباد ہوئے تو مٹھن خان بلوچ رئیس یارووالی ان کا معتقد و مرید ہو گیا۔ اسی مٹھن خان نے مخدوم محمد شریف کے کہنے پر ''مٹھن کوٹ'' کی بنیاد رکھی اور مخدوم محمد شریف وہاں منتقل ہو گئے۔ قاضی عاقل محمد 1151ھ/39-1738ء میں پیدا ہوئے چھوٹی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور یہ یکتائے زماں ومحدثِ دوراں والد مخدوم محمد شریف سے درسیات مروجہ کی تحصیل کے بعد شاہ فخر الدین دہلوی اور خواجہ نور محمد مہاروی سے اکتساب فیض کیا تھا۔ آخر الذکر سے انہوں نے حدیث میں سند حاصل کی تھی خواجہ گل محمد احمد پوری نے ان کے تبحر علمی کے بارے میں لکھا ہے کہ:

در عصر خود شرقا غربا مماثل آنحضرت در علم ظاہری کسے نبود
خلوص علم از اصول وفروع بآں مشابہ بود کہ درجہ بدرجہ اجتہاد رسیدہ بود

فارغ التحصیل ہو کر کوٹ مٹھن میں ایک درس گاہ کی بنیاد رکھی اور درس وتدریس میں مصروف ہو گئے، بعد میں شیدانی منتقل ہوئے تو وہاں بھی مدارس قائم کئے اور علومِ دینی کی ترویج واشاعت میں مصروف رہے۔ قاضی عاقل محمد کے بڑے بھائی قاضی نور محمد ڈیرہ غازی خان میں ٹھیکیداری کرتے تھے، ایک مرتبہ ٹھیکے کی رقم ادا نہ کر سکے تو ناظمِ ڈیرہ نے قاضی عاقل محمد کو جو ضامن تھے گرفتار کر لیا۔ نو ماہ قاضی صاحب قید و بند میں رہے۔ قاضی صاحب خواجہ نور محمد مہاروی کے ممتاز ترین خلفا میں تھے۔ ریاست بہاولپور میں سلسلۂ نظامیہ کی اشاعت میں انہوں نے نمایاں خدمات انجام دیں ہیں۔ احکامِ شریعت اور سنتِ نبوی کا بطور خاص خیال رکھتے تھے اور اپنے ارادت مندوں کو اتباع نبوی کی تعلیم دیتے تھے۔ بلند اخلاق، خوش پوش، قلیل الطعام اور خندہ رو شخصیت تھے۔ اکبر شاہ ثانی ان کا قدر دان تھا۔ شہزادہ جہاں خسرو اور کاؤش شاہ ان کے مریدوں میں شامل تھے۔ بہادر شاہ ظفر نے ان کے بارے میں کہا ہے:

صحبتِ پیر مغاں ہم کو خوش آئی ہے بدل
ہم ہیں عاقل سے دلی رکھتے ہیں ہم

قاضی صاحب تقریباً 4 ماہ بیمار رہ کر 8 رجب 1229ھ/ 26 جون 1813ء کو شیدانی میں فوت ہوئے۔ میت کوٹ مٹھن لا کر سپردِ خاک کی گئی۔ قطعۂ وصال یہ ہے:

دل ز داغ درد پر سوز لب
جاں بلب شد چوں سخن گوید بلب
رفت از دار فنا سوئے بقا
رہبر دینِ ہدیٰ عالی نسب
مظہر نور محمد فخر دین
شہ محمد عاقل محبوب رب
ہادی خلق خدا رفت از جہاں
وا حسرتا وا دریغا صد عجب
آہ واویلا و صد افسوس درد
کز جہاں نور جہاں شد محتجب
خم تہی گشت و نمانده صاف درد
درد باقی بہر مست و مضطرب
چوں کہ تاریخ و مہ سال وصال
از دل پر درد و خود کردم طلب
سر ز جیب بیخودی بر کردہ گفت
روز ہشتم بود از ماہ رجب

قاضی صاحب کے صاحبزادہ میاں احمد علی (م 9 شعبان 1231ھ) سجادۂ مشیخت پر

بیٹھے۔ یہ سلسلۂ اصلاح و تلقین تا حال قائم ہے۔ قاضی صاحب کے چند اہم خلفاء کے نام یہ ہیں۔

(1) خلیفہ محمد اکبر (م 3 ربیع الاخری 1239ھ)

(2) مولوی عبد اللہ جید عالم تھے۔ شاہ کلیم اللہ دھلوی کی تالیف ''تسنیم'' کی شرح تنسیم لکھی اور منطق کے رسالہ ایساغوجی پر حاشیہ لکھا۔

(3) مولوی محمد معظم (م 20 ذوالحجہ 1240ھ)

(4) خواجہ گل محمد احمد پوری مولف ''تکملہ سیر الاولیاء''

مولانا سید مغفور القادری رحمۃ اللہ علیہ

سید مغفور القادری بن سید سردار احمد گڑھی اختیار خان ضلع رحیم یار خان کے رہنے والے تھے۔ اس مردم خیز قصبے میں 1326ھ/ 1908ء میں سادات کے ایک خانوادے میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام ''مغفور'' رکھا گیا۔ ان کا پدری سلسلۂ نسب سید عثمان مروندی المعروف بہ لعل شہباز قلندر (م 734ھ) سے ملتا ہے اور مادری سلسلہ اوچ کے معروف بخاری خاندان پر منتہی ہوتا ہے۔ سید مغفور القادری کا خاندان علم و فضل اور شریعت و طریقت کا امین تھا۔ ان کے جدِ امجد سید محمد جعفر شاہ نوابین گڑھی اختیار خان کے اصرار پر شکار پور (سندھ) سے نقل مکانی کر کے آئے تھے۔ سید سردار احمد جید عالم دین اور اعلیٰ درجہ کے خطاط اور سندھی و سرائیکی کے شاعر تھے۔ سید مغفور القادری بچپن میں ماں کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ والدِ ماجد نے ان کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انہوں نے نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ گڑھی اختیار خان کے مفتی محمد حیات اور مولانا عبد الکریم ہزاروی ثم بھر چونڈوی سے ابتدائی کتابیں پڑھیں، مدرسہ شمس العلوم بستی مولویاں ضلع رحیم یار خان میں درس نظامی کی تکمیل کی۔ مولانا سراج احمد مکھن بیلوی سے بھی استفادہ کیا تھا۔ فارغ التحصیل ہوئے تو بھر چونڈی (سندھ) چلے گئے۔ حافظ محمد عبد اللہ بھر چونڈوی م 1346ھ سے بیعت ہوئے اور دار العلوم بھر چونڈی کی مسندِ درس و افتا پر

فائز ہوئے۔ درس وتدریس کے ساتھ سندھ کے دیہی علاقوں میں وعظ وتبلیغ کرتے اور اپنے مذہبی مخالفین سے مناظرے کرتے رہتے تھے۔ بھر چونڈی میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی۔ درمیان میں ایک سال کیلئے راشدی خانوادہ سندھ کے ایک صاحبزادہ سید رحم شاہ مرحوم کی تعلیم کیلئے سکھر میں مقیم رہے۔ سید مغفور القادری تحریکِ پاکستان کے پر جوش کارکن تھے۔ انہوں نے پیر عبد الرحمان بھر چونڈوی کی قائم کردہ ''جماعت احیاء الاسلام'' کے ذریعے دوقومی نظریہ کے حق میں فضا ہموار کی، انہوں نے جماعت کا اخبار ''الجماعت'' شکار پور سے جاری کیا۔ ''جماعت احیاء الاسلام'' سے سندھ کے اکثر اہم مقامات پر کانفرنسیں منعقد کیں اور تحریک پاکستان کے مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ سید مغفور القادری نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اکتیسویں سالانہ جلسہ منعقدہ کراچی (24 - 25 - 26 نومبر 1943ء/ صفر 1362ھ) میں شرکت کی اور انہوں نے ''جماعت احیاء الاسلام'' کے نائب صدر اور نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اسے آل انڈیا مسلم لیگ میں مدغم کر دیا۔ اس کے بعد اپنی تمام صلاحیتیں مسلم لیگ کے لیے وقف کر دیں، خود بھر چونڈی سے حیدر آباد گئے۔ مشائخ کو منظم کرنے کی خاطر ''تنظیم المشائخ'' قائم کی۔ اسی دوران میں 27 تا 30 اپریل 1946ء/ جمادیٰ الاولیٰ 1365ھ کو آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس منعقد ہوئی۔ سید مغفور القادری، پیر عبد الرحمان بھر چونڈوی اور سندھ کے دوسرے ایک سو افراد کے ساتھ شریک ہوئے۔ سید مغفور القادری نے تحریک مسجد منزل گاہ سکھر (1939ء) میں بھر پور حصہ لیا تھا۔ سکھر کی یہ مسجد ہندو آبادی میں گھری ہوئی تھی، ہندو مسلمانوں کو آبادیِ مسجد سے روکنا چاہتے تھے۔ مسلمان ''کعبہ کی بیٹی'' کو ذلیل ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ حالات خراب ہو گئے۔ حکومتِ سندھ نے جانبدارانہ مداخلت کی کوشش کی تو مجلس احیاء اسلام میدان میں آ گئی۔ مقامی طور پر سید مغفور القادری اور دوسرے علماء نے مسجد آباد کرنے پر زور دیا۔ بالآخر حکومتِ سندھ نے ایک تحقیقاتی بورڈ مقرر کیا جس نے مسجد مسلمانوں کے حوالے کر دی۔ قیامِ پاکستان کے بعد سید مغفور القادری وطن مالوف میں آ گئے، یہاں بھی

دینی و علمی خدمات میں مصروف رہے، جامع مسجد میں وہی خطبہ دیتے تھے۔ جامعہ محمدیہ رضویہ رحیم یارخان میں ایک سال تدریس بھی کی، ذیابیطس میں مبتلا تھے اور اسی بیماری میں 5 صفر 1390ھ/ 12 اپریل 1970ء کو وفات پائی اگلے دن پیر عبدالرحیم بھرچونڈوی (21 ستمبر 1971ء/ 1391ھ) نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اپنے والدِ گرامی سید سردار احمد کے پہلو میں دفنائے گئے۔ سید شریف احمد شرافت نوشاہی نے قطعہ تاریخ کہا جس کا آخری شعر یہ ہے۔

شرافت چوں پرسند سال وصال
بگو، ہادی عصر مستور شد
(1390ھ)

سید مغفور القادری نے حسبِ ذیل کتابیں تالیف کی ہیں:

(1) عبادالرحمان (تذکرہ مشائخ بھرچونڈی)
(2) تنویر العینین فی تقبیل الابہامین (سندھی غیر مطبوعہ)
(3) الرسول (غیر مطبوعہ) سیرت پر ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ اسی کا ابتدائی خاکہ ہے۔
(4) کلام مغفور (غیر مطبوعہ)

سید صاحب فارسی، اردو اور سرائیکی کے کامیاب شاعر تھے۔ ابتدائی دور میں ساغر تخلص کرتے تھے بعد میں مغفورؔ، غفیرؔ اور غفورؔ تخلص کرنے لگے۔ ان پر مستزاد ''الجماعت'' (شکارپور) کے صفحات پر بکھرے ہوئے بیسیوں مضامین ہیں۔ سید مغفور القادری مرحوم نے یکے بعد دیگرے دو شادیاں کیں۔ پہلی زوجہ سے نرینہ اولاد میں صاحبزادہ سید کاظم القادری پیدا ہوئے، دوسری اہلیہ سے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی حیات ہیں۔ سید محمد فاروق القادری ان کے علمی جانشین ہیں۔ (548)

مولانا نور احمد فریدی

مولانا نور احمد موضع پائی آہنہ تحصیل خانپور ضلع رحیم یار خان کے رہنے والے تھے۔ مولانا الٰہی بخش شاگرد مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی سے علومِ متداولہ کی تحصیل کی۔ فارغ التحصیل ہوکر اپنے گھر میں درس وتدریس شروع کی۔ خواجہ محمد بخش نازک بن خواجہ غلام فرید سے بیعت تھے۔ خواجہ محمد بخش نے انہیں خلافت سے سرفراز کیا تھا، خواجہ غلام فرید سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے ان کی نسبت سے اپنے گاؤں کا نام ''فرید آباد'' رکھ دیا تھا۔ مسلکِ اہل سنت کے زبردست داعی تھے۔ جب قادیانیوں نے خواجہ غلام فرید کے جعلی خطوط سے اپنے حق میں استدلال کیا تو انہوں نے دلائل وشواہد سے حقیقت حال واضح کی۔ مولانا نور احمد فرید آبادی موضع پائی آہنہ فرید آباد میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ ان سے متعدد کتابیں یادگار ہیں مگر کوئی زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوسکی۔ مولانا نور احمد فرید آبادی سے سینکڑوں افراد نے سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی ان کے خلفا میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

(1) صاحبزادہ مولانا محمد اعظم (صاحبزادہ)

(2) مولانا عبدالرسول (صاحبزادہ)

(3) مولانا محمد یارسا کن گڑھی اختیار خان

(4) مولانا غلام رسول جتوئی

(5) سید محمد محسن شاہ بخاری کاظمی راجن پور (549)

ان کا ایک دیوان بھی ہے اس میں سے ایک بند ملاحظہ ہو

آمدنی تیکوں اللہ آنے، کئی گالہیں کروں ہا رج
نی امید حیاتی تے ڈیکھاں کل مرسوں یا اج
تیئں بن عربی ساڈی اجڑ گئی سب دھج
احمدؔ میں مسکین دی ازلوں تیئں مولیٰ دے لج

خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ نور محمد بن بندال بن تا تار بن فتح محمد۔ آپ کھرل قبیلے کے فرد تھے، دریائے راوی کے کنارے آباد گاؤں ''چوٹالہ'' میں 14 رمضان 1142ھ/ 2 اپریل 1730ء میں پیدا ہوئے۔ خاندان کی گزر بسر کھیتی باڑی اور گلہ بانی پر تھی۔ خواجہ نور محمد کے بچپن میں ان کا خاندان چوٹالہ سے ''مہار'' منتقل ہو گیا اور یہ گاؤں ان کے وجود سے چار دانگ عالم میں مشہور ہوا۔ خواجہ نور محمد نے مقامی مکتب میں حافظ محمد مسعود سے قرآن مجید حفظ کیا، اس کے بعد موضع ببلانہ کے شیخ احمد کھوکھر سے ابتدائی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد تعلیمی سفر کے لیے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ D.G.Khan میں کچھ عرصہ مقیم رہے اور شرح ملا جامی تک کتبِ متداولہ پڑھیں، وہاں سے خواجہ محکم دین سیرانی کے ہمراہ لاہور گئے۔ لاہور کا زمانۂ تعلیم ان کے لیے معاشی مشکلات کا زمانہ تھا مگر انہوں نے دل جمعی سے اساتذہ سے استفادہ کیا۔ آخر میں دہلی گئے اور مدرسہ نواب غازی الدین خان میں داخل ہوئے، یہاں میاں برخوردار ایک قابل اور محنتی استاد تھے جن سے بعض کتابیں پڑھیں، قطبی پڑھ رہے تھے کہ میاں برخوردار کو دہلی سے جانا پڑا اور وہ خواجہ فخر الدین کے ہاں پہنچ گئے۔ ان سے قطبی کا باقی حصہ مکمل کیا اور حدیث پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔ 1165ھ/ 52-1751ء میں استاذِ گرامی خواجہ فخر الدین دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی، وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے دہلی میں خواجہ موصوف کی بیعت کی تھی۔ ان کے زیر تربیت رہ کر ''مہار'' آ گئے۔ حسبِ قاعدہ خانقاہ قائم کی اور عوام کی روحانی اصلاح و تربیت میں مشغول ہو گئے۔ ان کی ذات مرجعِ عوام تھی اور زیادہ وقت اصلاح و ارشاد میں صرف کرتے تھے۔ خواجہ نور محمد کو اپنے پیر خواجہ فخر الدین دہلوی سے بے پناہ محبت تھی۔ سال میں تقریباً چھ ماہ دہلی میں گزارتے تھے۔ 27 جمادی الاخریٰ 1199ھ/ 7 مئی 1784ء کو خواجہ موصوف کا انتقال ہوا۔ خواجہ نور محمد کے لیے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ کچھ عرصہ بعد ان کے عزیز خلیفہ نور محمد ثانی فوت ہوئے تو صدمہ دو چند ہو گیا اور انہوں نے خلوت گزینی اختیار کر لی۔ اسی عالم میں 3 ذی الحجہ

1205ھ/3اگست1790ء کو جان جانِ آفریں کو سپرد کی۔ مصرعۂ تاریخ یہ ہے۔

حیف واویلا جہاں بے نور گشت

مفتی غلام سرور لاہوری نے حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات کہا ہے۔

حضرت نور محمد نور حق
جلوہ گر شد چوں بہ گلزار جناں
سال ترحیلش بقول اہل سیر
نور عرفان آفتاب دین بخواں

اگرچہ مرحوم ''مہار'' میں فوت ہوئے مگر انہیں قبرستان حضرت تاج سرور میں دفنایا گیا۔ مزار چشتیاں ریلوے سٹیشن کے شمال مغرب میں پون میل کے فاصلے پر ہے۔ نواب محمد بہاول خان ثالث نے 1266ھ میں مزار پر شاندار عمارت تعمیر کی۔ خورشیدِ ملت حضرت علامہ مولانا خورشید احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ نے دورانِ تقریر فرمایا کہ چاچڑاں شریف کے ایک مرید نے آپ سے وعدہ لیا کہ میری نمازِ جنازہ آپ پڑھائیں گے، آپ نے وعدہ فرمالیا اور چند روز کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا کچھ عرصہ بعد مرید نے بھی رحلت کر لی اور وصیت کی کہ میری نمازِ جنازہ میرے مرشد قبلہ عالم پڑھائیں گے، جب نماز جنازہ کی صفیں تیار ہوگئیں تو اچانک آپ ایک گھوڑے پر تشریف لائے نماز جنازہ پڑھائی دعا مانگی اور روانہ ہوگئے جب آپ چلے گئے تو لوگوں میں شور مچ گیا کہ آپ کا تو وصال ہو چکا ہے لیکن مرید سے جو وعدہ کیا تھا اسے بعدِ وصال بھی پورا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''لھم مَا یشاؤن عِنْدَ رَبِّھِمْ'' وہ اللہ کے دربار سے جو چاہیں انہیں حاصل ہوتا ہے:

کون کہتا ہے کہ ولی مر گئے
قید سے چھوٹے وہ اپنے گھر گئے

خواجہ نور محمد سے ایک زمانے نے روحانی فیض حاصل کیا ''مناقب المحبوبین'' کے مؤلف نے 46 خلفاء کے نام تحریر کئے ہیں چند اہم نام یہ ہیں۔

(1) خواجہ نور محمد ثانی معروف بہ حضرت نارووالہ۔

(2) قاضی عاقل محمد ساکن مٹھن کوٹ

(3) میاں محمد فاضل نیکو کارہ

(4) خواجہ محمد سلیمان تونسوی

(5) حافظ محمد جمال اللہ ملتانی

(6) صاحبزادہ نور احمد مہاروی

(7) قاضی احمد علی بن عاقل محمد ساکن مٹھن کوٹ

خواجہ نور محمد مہاروی کی اولاد میں تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں صاحبزادوں کے نام یہ ہیں

(1) شیخ نور الصمد (جانشین)

(2) شیخ نور احمد

(3) شیخ نور الحسن

خواجہ نور محمد مہاروی سے کوئی تالیف یادگار نہیں تاہم ان کے ملفوظات قاضی محمد عمر سید پوری نے ''خلاصۃ الفوائد'' کے نام سے جمع کئے ہیں۔ خواجہ موصوف کی مہر کا سجع تھا۔ زنور محمد جہاں روشن است۔(550)

سنا گیا ہے کہ حضرت خواجہ نور محمد نے اپنے خلفاء کو فرمایا کہ میری نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے جس سے سنتیں قضا نہ ہوئی ہوں۔ وصال کے بعد خلفا میں کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ آپ کی نمازِ جنازہ کی امامت کرائیں، سب نے حافظ جمال اللہ کی طرف رخ کیا اور کہا کہ آپ حافظِ قرآن ہیں اور بچپن سے دین کے ساتھ وابستہ ہیں۔ آپ سے سنت کا ترک نہ ہوا ہوگا لہٰذا امام بنیں۔ آپ نے فرمایا: میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ سے کوئی سنت قضا نہیں ہوئی ہوگی۔ آپ میرے ساتھ چلیں، پچھلی صف میں میرا ایک مرید و خلیفہ کھڑا ہے اسے کہتے ہیں کہ وہ نماز جنازہ پڑھائیں۔ سارے خلیفے جب اس کے پاس پہنچے اور امامت

کے لیے کہا تو وہ وجد میں آ گئے اور ان کی کلاہ مبارک ہوا میں اڑ گئی، حافظ جمال اللہ نے جھولی پھیلا دی۔ ٹوپی مبارک ان کی جھولی میں گری تو سارے خلیفے اس کو چومنے لگے، حافظ صاحب نے اپنے مرید کا ہاتھ پکڑا اور انہیں امامت کے لیے لے آئے، جب وہ امامت کے مقام پر جلوہ گر ہوئے تو فرمایا: لوگو! قبلۂ عالم نے فرمایا ہے کہ میری نماز جنازہ کی امامت وہ آدمی کرے جس سے سنت قضا نہ ہوئی ہو۔ الحمدللہ بالغ ہونے کے بعد اس فقیر سے مستحب بھی قضا نہیں ہوا۔ یہ بابرکت شخصیت حضرت خواجہ خدا بخش خیر پوری کی تھی۔

حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دیوان میں ان کے بارے میں فرمایا ہے

خواجہ محمد نور دا دلیں دوست اساڈا
ہندوی تیڈی تے سندھ وی تیڈی ملک پنجاب دا راجہ
قدم تیڈے وچ نومن بھاگن اگن میرے پاؤں پاجا
خواجہ محمد نور دا، دلیں دوست ساڈا

حضرت خواجہ محمد عثمان نقشبندی قدس سرہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ محمد عثمان نقشبندی قدس سرہ 1244ھ/1809ء میں بمقام لونی تحصیل کلاچی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد نہایت متقی اور پرہیزگار تھے، آپ کے والد ماجد نے آپ کو علومِ دینیہ کی تحصیل پر لگا دیا۔ تکمیلِ علوم کے بعد حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری (م 1374ھ/1867ء) موسیٰ زئی شریف (ڈیرہ اسمٰعیل خان) خلیفہ حضرت شاہ احمد سعید دہلوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور 9 جمادی الاخریٰ (1266ھ/1850ء) کو بیعت ہو کر مدارجِ سلوک طے کرنے کے علاوہ علم اخلاق، علم سیر، علم تصوف اور علم حدیث کی تحصیل کی اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ احمدیہ قادریہ چشتیہ سہروردیہ کبرویہ مداریہ قلندریہ شطاریہ میں ماذون ومجاز ہوئے۔ آپ نے جس محنت و جانگدازی سے اپنے شیخ کی خدمت کی کوئی اور مرید نہ کر سکا۔ شیخ کامل بھی آپ پر عنایت بے غایت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جب حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری قدس سرہ

کا22شوال المکرم 1284ھ کو وصال ہوا تو موسیٰ زئی شریف میں ان کے ایما اور اجازت سے آپ ہی سجادہ نشین ہوئے اور بڑی خوبی سے فرائضِ نیابت کو انجام دیا۔ پیرومرشد کے وصال سے تین سال بعد کمال اشتیاق سے زیارتِ حرمین شریفین کے لیے روانہ ہو گئے۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور گیارہ دن تک قیام کیا۔ اس دوران کھانا پینا ترک کر دیا تا کہ کہیں ایسی جگہ قضائے حاجت نہ ہو جہاں سید عالم ﷺ کا پائے اقدس آیا ہو۔ ذرا اندازہ کیجئے کہ دیارِ حبیب کا ان کے دل میں کس قدر احترام تھا۔ حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہ ہر فعل میں اتباعِ سنت کو پیش نظر رکھتے اور کسی کام میں خلافِ سنت کو روا نہ رکھتے تھے۔ خانقاہ پر حاضر درویشوں کو نمازِ تہجد کے لیے اٹھانے مراقبہ کرنے اور کثرتِ ذکر کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے ہزاروں مرید تھے لیکن کسرِ نفسی کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتے تھے مجھے پیری اور بزرگی کا دعویٰ نہیں ہے۔ میں تو حضرت پیرومرشد کے مزارِ پر ان کا جاروب کش ہوں اور درویشوں اور زائرین کا خدمت گار ہوں۔ کئی عقیدت مند پیش کش کرتے کہ ہماری زمین، جائیداد اور باغ وغیرہ قبول فرما لیجیے۔ تا کہ لنگر کا کام چلتا رہے مگر آپ فرماتے کہ لنگر کے اخراجات اللہ تعالیٰ کے توکل پر موقوف ہیں۔ ہمارے مشائخ کا یہی طریقہ تھا کہ وہ اس بارے میں کچھ تردد نہیں کرتے تھے اور پیشکش بڑی خوبصورتی سے ٹال دیتے تھے۔ آپ کے ملفوظات اور مکتوبات مواعظ وحکمت کے بہترین جوہر پارے ہوتے تھے۔ ملفوظات کرامات اور مکاتیب پر مشتمل مجموعہ فوائد عثمانی مرتبہ سید محمد اکبر علی شاہ دہلوی چھپ چکا ہے۔ آپ سے بے شمار افراد نے کسبِ فیض کیا اور درجۂ کمال کو پہنچے آپ سے بکثرت کرامات کا ظہور ہوا اور خلقِ خدا کو ظاہری و باطنی عام نفع پہنچا۔ آپ کے مرید مولوی حسین علی واں بھچروی (ضلع میانوالی) مؤلف ''بلغۃ الحیر ان'' ایک روز یہ سوچتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اولیائے کرام کو بعض چیزوں کا علم ہوتا ہے یا اکثر کا اور توجہ کے بعد حاصل ہوتا ہے یا بغیر توجہ کے؟ اس وقت آپ کسی شخص سے پشتو میں گفتگو کر رہے تھے مولوی صاحب کے آتے ہی متوجہ ہو کر فرمایا ''اولیاء ہمہ میدانند ولکن مامور

باظہار نیستند" اولیا سب کچھ جانتے ہیں لیکن اس کے ظاہر کرنے کے مامور نہیں ہوتے یہ کہہ کر پھر اسی طرح محو گفتگو ہو گئے۔ مولوی حسین علی وان بھچری بعدازاں چاہ میں ایسے ڈوبے کہ بلغتہ الحیر ان کے بعض مقامات پر معتزلہ کے اس عقیدے کی تائید کر گئے کہ اللہ تعالیٰ کو اشیا کے موجود ہونے سے پہلے علم نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کل فی کتاب مبین۔ یہ علیحدہ جملہ ہے ماقبل کے ساتھ متعلق نہیں تاکہ یہ لازم آئے کہ تمام باتیں اولاً کتاب میں لکھی ہوئی ہیں جیسا کہ اہلسنت کا مذہب ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے تمام اعمال لکھ رہے ہیں فرشتے۔ حاصل مقام یہ ہے کہ اہلسنت وجماعت قائل ہیں کہ سب کچھ پہلے لکھا ہوا ہے اور اسی کے مطابق دنیا میں امور ہو رہے ہیں لہٰذا اس مذہب پر اعتراض قویہ معتزلہ کے آتے ہیں یعنی پس لازم آ گیا کہ بندہ کو عذاب دینے کی وجہ کیا ہوئی؟ گناہوں سے اور خود مختار بھی نہ رہا۔ کیونکہ اوپر اس تقدیر کے خود مختار ہونے کا معنی نہیں معلوم ہوتا کہ کیا ہے۔ اسی واسطے مسامرے والے (سنی) نے اس کا جواب نہ دیا اور کہا کہ یہ سخت اشکال ہے اور تفسیر کبیر والے (سنی) نے کہا کہ اس کے واسطے بہت حیلے کئے ہیں لیکن کوئی معتدبہ (معقول) جواب نہ دیا جس سے تسلی اور یقین آ جائے۔

(2) دوسرا یہ کہ باری تعالیٰ اس تقدیر پر مختار نہ رہا کیونکہ اس تقدیر پر مرید ہونے کا معنی کیا ہے؟ بلکہ لازم آتا ہے کہ مختار نہ رہے جیسا کہ حکماء کہتے ہیں اور معتزلہ کہتے ہیں کہ پہلے درجہ بدرجہ لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ جو چاہا تھا لکھا تھا سب چیز موجود کا عالم ہے اور جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا بھی عالم ہے اور جس چیز کا ابھی ارادہ نہیں کیا اس کا عالم نہیں ہے کیونکہ اصل میں وہ شئی بھی نہیں ہے اور انسان خود مختار ہے اچھے کام کریں یا نہ کریں اور اللہ کو پہلے اس سے کوئی علم نہیں کہ کیا کریں گے بلکہ اللہ کو ان کے کرنے کے بعد معلوم ہوگا اور آیات قرآنیہ جیسا کہ۔ "ولیعلم الذین" وغیرہ بھی اور احادیث کے الفاظ بھی اس مذہب (معتزلہ) پر منطبق (موافق) ہیں۔ (551)

مولوی حسین علی نے معتزلہ کے اعتراض کو قویہ فرما کر اہلسنت پر جرح کا دروازہ کھول

دیا ہے۔

(2) صاحب مسامرہ اور صاحب تفسیر کبیر کو جواب دینے سے قاصر قرار دے کر علماء اہلسنت کا ناطقہ بند کرنے کی جسارت کی ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کو انسان کے عمل کرنے سے پہلے کہ وہ کیا کرے گا سے لاعلم جان کر اور اس کی لاعلمی کو قرآن وحدیث کے موافق مان کر اپنے خرمن ایمان کو جلا دیا؟ (شرح فقہ اکبر ص 210) پر ہے

مَنِ اعْتَقَدَ اِنَّ اللهَ لَا يَعْلَمُ الْاَشْيَاءَ قَبْلَ وُقُوْعِهَا فَهُوَ كَافِرٌ وَاِنْ عُدَّ قَائِلُهٗ مِنْ اَهْلِ الْبِدْعَةِ

جس شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اس کے واقع ہونے سے پہلے نہیں جانتا وہ کافر ہے اگرچہ اس کا قائل اہل بدعت سے شمار کیا گیا ہو۔(552)

مولوی حسین علی واں بھچروی مولوی رشید احمد گنگوہی کا شاگرد تھا اور مولوی غلام خاں راولپنڈی والے کا استاد تھا، اس نے حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی کی بیعت کی تھی۔ اور آپ کے ولی عہد مولانا سراج الدین کا اتالیق مقرر ہوا۔ اس کی اس عبارت کو تاریخ میں نقل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ! ایک بار مجھے میرے شاگرد مولوی محمد ایوب مانک نے موبائل فون پر بتایا کہ حضرت پیر محمد شاہ قریشی ملک منیر احمد مانک کے ڈیرے پر تشریف لا رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اختلافی عبارات سامنے آ جائیں تاکہ ان کے بارے میں سوچا جائے۔ فقیر نے کہا کہ آپ آ جائیں اور کتابیں لے کر اکھٹے ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتے ہیں، چنانچہ وہ آئے اور کتابیں اٹھا کر ہم وہاں پہنچے مولوی محمد ایوب نے کتابیں مسجد میں رکھ دیں اور ہم ان کے پاس چلے گئے، انہوں نے اپنے مریدوں سے فراغت پائی اور فرمایا آؤ ہم سب مسجد میں چلتے ہیں اور لوگوں کو انہوں نے مسجد میں آنے سے منع کر دیا، انہوں نے باقی تمام عبارتوں کو گستاخانہ قرار دیا مگر اس عبارت کے بارے میں فرمایا اس میں گستاخی نہیں ہے ان کے ساتھ جامعہ بنوریہ کے عالم تھے وہ بھی کہنے لگے کہ یہ عبارت صاف ہے حتیٰ کہ

میرے شاگرد مولوی محمد ایوب نے بھی اس عبارت کو بے غبار کر دیا، گھر آ کر اس عبارت پر میں نے مزید غور وفکر کیا تو دیئے کے نیچے اندھیرا نظر آیا اور یہ عبارت اللہ تعالیٰ کے علم کلی کے بارے میں خطرے کی گھنٹی لگی اس لئے اس عبارت کو یہاں نقل کر دیا ہے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔ حضرت پیر محمد شاہ نے امام احمد رضا خان کی ایک عبارت ''فتاویٰ رضویہ'' سے دکھائی اس وقت ان کی آنکھوں سے آنسو تیرنے لگے انہوں نے کہا یہ بات ہمیں ہرگز پسند نہیں، میں نے اس عبارت پر غور کیا تو وہ عبارت مولانا محمود حسن کی کتاب ''اَلجُهْدُ المُقِلُ'' کی ایک عبارت کا جواب تھی جس میں انہوں نے ذات باری تعالیٰ کیلئے صفات انسانی کا اطلاق کیا ہے حالانکہ اللہ عزوجل انسانوں کی صفات سے قطعاً مبرا و منزہ اور پاک ہے بلکہ وہ انسانی صفات کا خالق ہے، اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت مخلوق نہیں بلکہ ازلی اور قدیم ہے۔ خواجہ محمد عثمان دامانی نے کثیر التعداد مریدین کو خرقہ خلافت عطا فرمایا خود حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد خلفاء ان کے وصال کے بعد آپ سے مستفیض ہوئے آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا سراج الدین خلیفہ و جانشین ہوئے 22 شعبان المعظم 1314ھ، 27 جنوری 1897ء بروز منگل اشراق کے وقت آپ کا وصال ہوا، موسیٰ زئی شریف (ڈیرہ اسمٰعیل خان) میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے حافظ محمود حسین خان نازاں چشتی سلیمانی رئیس اعظم جھجر نے قطعہ تاریخ وفات کہا۔

بست و دوم ز ماہے شعبان محترم بود
رفتہ بسوئے جنت کاں ہمسر فرشتہ
سال وفات حضرت بہر صواب نازاں
عثمان نقشبندی کامل ولی نوشتہ

(1314ھ)(553)

مولانا خورشید احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ

اہلسنت و جماعت کے عظیم مبلغ حضرت مولانا خورشید احمد ولد منشی حبیب اللہ 1927

میں بمقام راجن پور کلاں ڈہریں والا تحصیل و ضلع رحیم یار خان میں پیدا ہوئے۔ آپ راجپوت خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور آپ کے اکابر میں سے حضرت منشی غلام حسن رحمہ اللہ حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ ان کا روضۂ مبارکہ ملتان شریف میں مرجع خلائق ہے۔ حضرت مولانا خورشید احمد نے درس نظامی کا مکمل نصاب فرید آباد شریف آستانہ حضرت خواجہ مولانا نور احمد صاحب اور مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان میں پڑھ کر 1948ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ کرام کے اسما یہ ہیں۔

(1) حضرت خواجہ مولانا نور احمد خلیفہ مجاز حضور خواجہ نازک کریم کوٹ مٹھن شریف

(2) حضرت مولانا محمد عبدالخالق پکالاڑاں

(3) حضرت مولانا عبدالکریم فیضی

(4) حضرت مولانا پیر فیض محمد شاہ جمالی، ڈیرہ غازی خان

(5) غزالی زماں علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی

(6) شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا سید محمد خلیل محدث امروہی قدس سرہ۔

آپ نے ایک سال مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان میں تدریسی فرائض سرانجام دیئے۔ چار سال مدرسہ مطلع العلوم پائی آہنہ، دو سال مدرسہ منبع العلوم فرید آباد اور پانچ سال مدرسہ سعیدیہ کاظمیہ ظاہر پیر میں علوم عربیہ پڑھانے کے ساتھ ساتھ مدرسہ سعیدیہ کاظمیہ کی جامع مسجد میں خطابت فرماتے رہے۔ یہ دارالعلوم 1370ھ سے آپ کی زیرنگرانی ترقی کی منازل طے کرتا رہا۔ حضرت علامہ خورشید احمد نہایت فاضل اور خوش بیان مبلغ تھے اور تبلیغِ دین کے سلسلہ میں صوبہ پنجاب اور سندھ میں اکثر دورے فرماتے تھے۔ سیاسی طور پر آپ کا تعلق جمعیت علمائے پاکستان سے رہا اور جماعت اہلسنت ضلع رحیم یار خان کے آپ صدر تھے۔ 1955ء میں آپ نے حج بیت اللہ شریف اور زیارتِ روضۂ مطہرہ کا شرف حاصل کیا۔ آپ سلسلہ چشتیہ میں حضرت خواجہ فیض محمد شاہ جمالی قدس سرہ العزیز کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے۔ کثیر تعداد میں آپ سے طلبا نے اکتساب فیض کیا تاہم چند معروف

فضلا کے اسمایہ ہیں۔

(1) حضرت مولانا فیض احمد اویسی صاحبِ تصانیفِ کثیرہ مہتمم جامعہ اویسیہ بہاولپور

(2) مولانا حافظ محمد اللہ یار فریدی پروفیسر گورنمنٹ علمدار حسین کالج ملتان

(3) مولانا مفتی غلام مصطفیٰ رضوی مفتی مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان

(4) مولانا محمد رمضان گلتر پتوکی

(5) ابوامجد مولانا فضل احمد فیضی ظاہر پیر

(6) مولانا محمد خوشدل خطیب واعظ مسجد روہڑی۔

آپ کے تین صاحبزادے ہیں جن کے اسمایہ ہیں۔ مولانا عبدالحی ابوامجد فضل احمد، حافظ غلام جیلانی، مولانا طالب رسول۔ اول الذکر مدرسہ سعیدیہ کاظمیہ کے ناظم اعلیٰ ہیں۔(554)

حضرت مولانا خورشید احمد کو دنیا خورشیدِ ملت اور بلبلِ چمنستانِ رسالت کے القاب سے یاد کرتی تھی۔ بندۂ ناچیز کی والدۂ ماجدہ فرماتی ہیں کہ فقیر کے پھوپھا حاجی غلام فرید خان نے مولانا خورشید احمد کو وعظ کرنے کی دعوت دی تو اس وقت آپ کی داڑھی نہیں اتری تھی۔ آپ کے وعظ سے لوگوں کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ پڑیں۔ فقیر نے آپ کا پہلا وعظ اپنے والد کی ہمراہی میں حاجی شمس الدین میتلہ نعت خواں کے گھر میں سنا تھا۔ تقریر کا اثر ایسا ہوا کہ لوگوں کی دھاڑیں نکل گئیں۔ آپ ایک پرتاثیر خطیب، منجھے ہوئے مدرس اور بلند پایہ ادیب تھے۔ آپ درجۂ ولایت پر بھی فائز تھے۔ ایک بار میرے پاس تشریف لائے اس وقت مخدوم شبیر حیدر بخاری بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ مجھے اپنے ساتھ لیا اور تحصیل علی پور میں پروگراموں پر روانہ ہوگئے۔ دورانِ سفر فرمایا: آج صبح کو حضور مخدوم جہانیاں کریم علیہ الرحمہ کے دربار میں حاضری کی دولت نصیب ہوئی ہے۔ میں نے آپ کی بارگاہ میں ایک درخواست گذاری تھی کہ اوچشریف میں مجھے ایک مدرسہ عنایت کرو! آپ نے فرمایا ہے تمہاری درخواست منظور ہوگئی ہے۔ فرمانے لگے جب میں اوچشریف میں مدرسہ بناؤں گا تو

وہ آپ کے سپرد کروں گا۔ آپ کو مدرسہ کی جگہ ملی، آپ نے کچھ عرصہ کے بعد اس مدرسہ کا اہتمام فقیر کے سپرد کر دیا۔ اس طرح آپ نے ملک بھر میں درجنوں مدرسے قائم کئے اور مسلکِ اہلسنت کو چار چاند لگائے۔ علماء وفضلاء اور مدرسین سے آپ بہت پیار کرتے تھے اور ان کی سرپرستی میں کوئی کمی نہ فرماتے تھے۔ آپ کی سخاوت کا عالم یہ تھا کہ ایک درجن کے قریب غریب نعت خواں ساتھ ہوتے تھے۔ آپ جب گھر لوٹتے تو فقیروں کی قطار لگ جاتی تھیں جنہیں آپ حسبِ دستور امداد سے سرفراز فرماتے۔ جب کسی کے گھر جاتے تو کچھ نہ کچھ دیکر آتے، آپ جیسا بالغ نظر مبلغ اور سخاوت کا بادشاہ فی الحال نظر نہیں آتا۔

ایک بار آپ میرے والدِ کریم، عاشقِ رسول حضرت مولانا نور محمد خان علیہ الرحمہ کے سالیانے پر تشریف لائے اس دن سخت گرمی تھی، آسمان صاف تھا، مولانا بخت علی صاحب لوٹے بھر بھر کر چھڑکاؤ لگا رہے تھے آپ نے فرمایا کہ آج پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے چھڑکاؤ ہوگا اس کے بعد وعظ کریں گے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مغرب کی جانب سے بکر وال بادل آیا اور جل تھل ہوگئی پھر مطلع صاف ہوگیا تو آپ نے لوگوں کو وعظ سے محظوظ فرمایا۔ جب آپ وعظ فرماتے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ درخت بھی رو رہے ہیں۔

خطیبِ پاکستان مولانا خدا بخش اظہر

مقرر جادو بیان حضرت علامہ مولانا خدا بخش اظہر بن رحیم بخش خان 1249ھ/ 1930ء میں بمقام کوٹلہ نواب تحصیل لیاقت پور ریاست بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ آپ بلوچوں کے مشہور قبیلے چانڈیو کے چشم چراغ تھے۔ آپ نے مڈل تک اردو تعلیم حاصل کی اور پھر علومِ عربیہ کی تمام کتبِ متداولہ اور دورۂ حدیث مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان میں پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ آپ نے جن اکابر علما سے علم حاصل کیا ان کے اسماء یہ ہیں۔

(1) حضرت علامہ خلیل احمد شاہ کاظمی محدث امروہی رحمۃ اللہ

(2) حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ

(3) حضرت مولانا محمد عبدالکریم فیضی، اعوان

(4) حضرت مولانا شیر محمد

(5) حضرت مولانا الٰہی بخش

حضرت علامہ اظہر نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد شجاع آباد میں ایک دینی ادارہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ اظہر العلوم کے نام سے قائم کیا۔ جہاں آپ مختلف فنون کی تدریس بھی فرماتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نوری جامع مسجد شجاع آباد میں فرائضِ خطابت بھی سرانجام دیتے رہے۔ تبلیغِ دین کی خاطر آپ نہ صرف ملک کے اطراف واکناف میں دورے فرماتے رہے بلکہ دو مرتبہ افغانستان، ایران، عراق، اردن، سعودی عرب، شام اور بیت المقدس بھی گئے تھے۔ آپ اہلِ سنت و جماعت کی مختلف تنظیموں سے وابستگی رکھتے ہوئے مسلکِ اہلسنت کیلئے کوشاں رہتے تھے۔ آپ جماعتِ اہلِ سنت پاکستان کے ناظمِ نشرو اشاعت تھے۔ اس سے قبل آپ سنی تنظیم کے ناظم، ادارہ اصلاح المسلمین پاکستان کے صدر اور جمعیت علمائے پاکستان کے نائب ناظم رہ چکے ہیں۔ آپ نے ملک میں چلنے والی ہر مذہبی تحریک میں حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر آپ تقریباً ڈیڑھ ماہ ملتان جیل میں پابند سلاسل رہے۔ آپ نے سینکڑوں مذہبی تبلیغی پمفلٹ اور کئی کتابیں تحریر فرمائیں ہیں آپ کی تالیفات یہ ہیں۔

(1) پنجاب کے پانچ قطب اور ایک خضر وقت کی سوانح حیات

(2) تحفۃ الاحباب فی مدح الآل والاصحاب (دو جلد)

(3) مظہر ذات حق

(4) دندان شکن جواب

(5) دیوبندی اور بریلوی میں فرق

(6) سماع موتی کی شرعی حیثیت

(7) دعا بعد جنازہ کا شرعی فیصلہ

(8) گلدستہ نور (من دیار حبیب الی وطن عزیز)۔

22 جولائی 1966 کو علمائے اہلسنت کا ایک وفد حاجی عبدالرحیم کی قیادت میں بیرون ملک گیا تھا۔ اس وفد میں مجاہدِ ملت مولانا خدابخش صاحب اظہر، مبلغ اسلام علامہ محمد شریف نوری قصوری اور فاضل اجل علامہ قاری غلام رسول شریک تھے۔ یہ چار رکنی وفد افغانستان، ایران، عراق، اردن اور شام کے ملکوں کے دورہ پر گیا تھا۔ علامہ اظہر نے ''گلدستہ نور'' میں اور علامہ نوری نے ''اسلامی ملکوں کا دورہ'' میں مندرجہ بالا ممالک کے حالات اور اپنے سفر کی تفصیلات کا ذکر کیا ہے۔ علامہ اظہر کی کتاب ''من دیار حبیب الی وطن عزیز'' کی پروف ریڈنگ بھی راقم نے کی تھی۔ مولانا خدابخش اظہر نے 1966ء میں عمرہ شریف اور 1968ء میں حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل کی۔ آپ کو حضرت خواجہ فیض محمد شاہ جمالی، چشتی نظامی سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے پانچ صاحبزادے عطا فرمائے۔ سب سے بڑے صاحبزادے مولانا محمد اقبال اظہری ایم۔ اے، انجمن طلبائے اسلام کے صدر رہ چکے ہیں۔ مارچ 1977ء کے الیکشن میں آپ نے قومی اتحاد کے ٹکٹ پر حلقہ شجاع آباد سے صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لیا۔ نہایت بے باک مقرر، فاضلِ نوجوان اور با اخلاق عالم تھے۔ دینی و دنیاوی تعلیم سے بہرہ ور تھے اور اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے تھے۔ مولانا حافظ محمد ارشاد اظہری، مدرسہ اظہر العلوم میں مدرس ہیں۔ مولانا محمد مشتاق اظہری، انجمن طلباء اسلام کے نہایت فعال رکن تھے۔ دوسرے دو صاحبزادوں کے نام صاحبزادہ محمد فیاض اور صاحبزادہ محمد بلال ہے۔ علامہ خدا بخش اظہر سے اکتسابِ فیض کرنے والے علما میں سے چند تلامذہ کے اسما یہ ہیں۔

(1) مولانا نذیر احمد قریشی روہیلانوالی
(2) مولانا شبیر احمد ہاشمی خانگڑھ
(3) مولانا محمد رمضان
(4) مولانا غلام فرید
(5) مولانا حافظ نذر محمد
(6) مولانا محمد نواز
(7) مولانا محمد رفیق (555)

علامہ اظہر صاحب کا یہ معمول تھا کہ جب بھی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں تشریف لاتے تو اپنی ایک مخصوص جائے نماز پر نماز ادا فرماتے اور فراغت کے بعد اسے لپیٹ کر وہاں رکھ دیتے، مگر جب وقتِ وصال قریب آیا تو ایک بار وہ جائے نماز لپیٹی اور اپنی بغل میں دبا کر گھر لے جانے لگے، لوگوں کے لیے یہ بات خلافِ معمول تھی، کسی نے عرض کی: حضور! آج خلافِ معمول جائے نماز سمیٹ کر گھر کو لے چلے، خیر تو ہے؟ تو آپ نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا: دراصل دوسرے گھر کی تیاری ہے اس لیے ایسا کر رہا ہوں۔ آپ اس دن انتقال فرما گئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ اعلم بالصواب۔ آپ علیہ الرحمۃ کا یومِ وصال 3 مئی 2001 میں ہے۔

مولانا محمد اقبال اظہری اپریل 2014ء میں انتقال کر گئے۔ مارچ 2014ء میں راقم مدینۃ المنورہ میں تھا وہاں ان کی علالت کا پتا چلا تو بارگاہِ رسالت مآب میں ان کی صحت یابی کی اپیل کی کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ وہ روبصحت ہیں لیکن جب ہم حرمین شریفین کی حاضری سے واپس لوٹے تو اچانک ان کی طبیعت ناساز ہوگئی اور وہ اس دارِ فانی سے چل بسے، ان کی نمازِ جنازہ میں 14 سجادگان نے شرکت فرمائی اور انہیں سپردِ خاک فرمایا۔ علامہ اظہری محبت کا پیکر تھے اور اپنے رفیقوں کے دلدار تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تربت پر بے شمار برکتیں اور رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔ علامہ مشتاق احمد اظہری کا بھی انتقال ہوگیا ہے۔

علامہ مفتی غلام سرور قادری رحمۃ اللہ علیہ

ماہرِ علومِ عقلیہ ونقلیہ حضرت علامہ مولانا ابوسعید محمد غلام سرور قادری بن خدا بخش بن محمد موسیٰ للو بن محمد جوہر 1259ھ/ 10 اکتوبر 1939ء کو موضع کچی لعل تحصیل علی پور ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد وادئ لؤلؤ مقبوضہ کشمیر کے باشندے تھے۔ جب حضرت شیر شاہ سید جلال الدین سرخ بخاری علیہ الرحمہ خلیفہ مجاز حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمہ اللہ تبلیغ کی غرض سے کشمیر تشریف لے گئے تو حضرت مفتی صاحب کے اکابرین نے ان کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ سہروردیہ میں بیعت کا شرف حاصل کیا اور پھر اپنے

مرشد کی محبت میں اپنے آبائی وطن سے ہجرت کر کے اوچشریف میں سکونت اختیار کر لی۔ آبائی وطن کی مناسبت سے آپ کے جدِ امجد لؤلوی کہلاتے تھے، بعد میں یہ لفظ غلط العوام سے للو مشہور ہو گیا۔ اپنے مرشد کی نسبت سے جلالی بھی کہلاتے تھے لیکن بعد میں اس نسبت کا استعمال تقریباً متروک ہو گیا۔ اگرچہ اس برادری کی عقیدت وارادت حضرت جلال الدین علیہ الرحمہ سے بدستور قائم ہے۔ آپ کی برادری اوچشریف سے لے کر سیت پور تک پھیلی ہوئی ہے۔ پیشہ زمینداری ہے اور نمبرداری و ذیلداری اس برادری میں عرصہ دراز سے چلی آ رہی ہے۔ برادری کا عرف ملک ہے۔ حضرت علامہ مفتی غلام سرور قادری نے بہاولپور سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور پھر علومِ عربیہ اسلامیہ کی کتبِ متداولہ، جامعہ غوثیہ جمال الدین ضلع رحیم یار خاں، جامعہ معینیہ D.G.Khan، جامعہ نعیمہ لاہور، مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان اور جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد میں جلیل القدر علمائے کرام سے پڑھ کر سندِ فراغ ودستارِ فضیلت حاصل کی۔ جن اکابر اساتذہ سے آپ نے شرفِ تلمذ حاصل کیا، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ابتدائی کتب صرف ونحو عارف باللہ مولانا محمد ظریف سے پڑھی تھیں۔

(1) شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا غلام رسول واجلی شاگردِ رشید مولانا امام بخش جام پوری (ثانی سیبویہ)

(2) فقیہ الملت حضرت مولانا مفتی امید علی خان رامپوری سابق مفتی اعظم مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان۔

(3) استاذ العلماء حضرت مولانا سید مسعود علی رحمہ اللہ سابق مفتی اعظم مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان۔

(4) استاذ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا غلام جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ D.G.Khan

(5) غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمہ اللہ (آپ سے حدیث، مناظرہ اور علم کلام خصوصیت سے پڑھا)

(6) شیخ الفقہاء حضرت مولانا جنید اللہ رحمہ اللہ شاگرد رشید حضرت علامہ مولانا معین

الدین اجمیری رحمہ اللہ شیخ الفقہ اسلامی یونیورسٹی بہاولپور (آپ سے افتاو میراث کی مہارت حاصل کی)

(7) محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ (آپ سے بخاری شریف کے آخری اسباق تبرکاً پڑھے)

(8) مفکر اسلام حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی، رکن اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان

(9) استاذ القرا، مولانا قاری ریحان الحق سہارن پوری (آپ سے قرآت و تجوید سبعہ عشرہ سیکھی)

(10) استاذ العلما مولانا سید عبد الغفور شاہ شاگرد رشید علامہ امام یوسف نبہانی رحمہ اللہ (آپ سے حدیث، فقہ، تفسیر اور سلسلہ نبھانیہ کے تمام اعمال کی اجازت پائی)

(11) عمدۃ العارفین حضرت مولانا غلام رسول ریاض آبادی خلیفہ مجاز حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ (آپ سے بھی حدیث، تفسیر، فقہ اور اد و اعمال کی اجازت پائی)

علاوہ ازیں آپ نے اسلامی یونیورسٹی بہاول پور سے فقہ و قانون اسلامی میں تخصص (ایم اے اسلامک لاء) بھی کیا۔ آپ نے تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان سے کیا، جہاں آپ فنون و حدیث کا درس دینے کے علاوہ نائب مفتی کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیتے رہے اور بعد میں آپ کو شعبۂ افتاء کا صدر بنادیا گیا۔ پھر اہلیانِ ہارون آباد کے اصرار پر جامعہ رضویہ ہارون آباد کے مہتمم مقرر ہوئے، جہاں آپ جامعہ کے جملہ انتظامات کی نگرانی کے علاوہ شیخ الحدیث اور مفتی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ رمضان المبارک 1397ھ میں آپ لاہور تشریف لاکر پیکو جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے تو جامعہ نظامیہ رضویہ کے مہتمم استاذ العلما حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی کی دعوت پر جامعہ میں استاذ الحدیث واستاذ الادب العربی کی حیثیت سے فرائض سرانجام دینے شروع کئے۔ آپ جامع مسجد غوثیہ رضویہ مین مارکیٹ گلبرگ لاہور میں خطابت وتدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ہیں۔ ملتان میں قیام کے دوران ایک دن آپ

خیر المدارس میں تعلیمی جائزہ لینے تشریف لے گئے۔ اس وقت مولوی محمد شریف کشمیری جو اپنے مکتبۂ فکر کے مشہور شیخ الحدیث والمعقولات تھے، منطق کی مشہور کتاب حمد اللہ پڑھا رہے تھے۔ آپ کا انداز تدریس معلوم کرنے بیٹھ گئے لیکن مولوی صاحب نے آپ کو بھانپتے ہوئے مسلکی گفتگو چھیڑ دی اور کہا کہ ہم اور اُن میں کلی تناقض ہے کیونکہ ہم سلبِ کلی اور وہ ایجابِ کلی کا عقیدہ رکھتے ہیں لہٰذا دونوں میں کوئی نکتۂ اتحاد نہیں ہے۔ اس پر آپ نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: مولانا! اگر آپ کی سلبِ کلی کو ذات پر اور اہلِ سنت کی ایجاب کلی کو عطا پر محمول کریں تو نقطۂ اتحاد نکل آتا ہے۔ وہ کہنے لگے: اختلاف تو عطا میں ہے حضور علیہ السلام کا ذاتی وصف تو کوئی ہے ہی نہیں۔ آپ نے اعتراض کیا کہ آپ کا قول آپ ہی کے اکابر کی تصریحات کے خلاف ہے کیونکہ آپ کے بزرگ مولوی محمد قاسم نانوتوی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصفِ نبوت کو ذاتی اور دوسرے انبیائے کرام کی وصفِ نبوت کو عرضی تصور کرتے ہیں۔ اس پر وہ لاجواب ہو گئے اور کہنے لگے: آپ فوراً یہاں سے چلے جائیں، ہمارے مدرسے میں نہ آیا کریں، اس قسم کی بحث سے ہمارے طلبا میں اضطراب وانتشار پیدا ہوتا ہے۔ یہ شیخ الحدیث والمعقولات جب حق بات کے سامنے لاجواب ہو گئے تو ان کے طلبا میں سے دو طالب علم جماعت سے اٹھ کر آپ کے پیچھے آئے اور کہا کہ ہم پر حق واضح ہو گیا، لہٰذا آپ ہمیں لے جائیں اور اپنے دار العلوم میں داخلہ دلوائیں۔ چنانچہ آپ نے ان کو مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے حضرت شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی کے پاس دار العلوم اشرف المدارس اوکاڑہ میں داخل کرا دیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے ان طلباء کی مدد فرمائی اور وہ اہلسنت وجماعت کے عالم بن گئے۔ 1973ء میں آپ نے حاصل پور کے قریب مولوی محمد امین سے وتروں کی تین رکعتوں پر مناظرہ کیا اور کامیابی حاصل کی۔ قصبہ مڑل ملتان میں مولوی عبد العزیز اور مولوی عبد الستار تونسوی سے مناظرہ طے پایا مگر وہ ابتدائی باتوں میں ہی لاجواب ہو کر مناظرے سے بھاگ گئے۔ جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے علماء کو عارف والہ دربار محمد پناہ میں مناظرہ میں شکست دی۔

عارف والہ کے قریب چک 35 میں حضرت غزالیِ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی کے حکم پر جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے علماء سے دعا بعدِ جنازہ پر تین دن مناظرہ کر کے ان کو لاجواب کر دیا، یہاں تک کہ وہ مسجد چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت علامہ مفتی غلام سرور قادری قابل مدرس اور ماہر مفتی ہونے کے علاوہ میدان تحریر وتقریر میں بھی حظِ وافر کے مالک تھے۔ آپ سو سے زائد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کے رشحاتِ قلم میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) الاجتہاد فی الاسلام (اردو) قلمی مسودہ

(2) الجہاد فی الاسلام (عربی) قلمی مسودہ

(3) الصلوٰۃ والسلام علی سید الانام (عربی) قلمی مسودہ

(4) تفویض الاحکام الی خیر الانام (قلمی مسودہ)

(5) تحفۃ الذکی فی شرح اسماء اللہ والنبی (قلمی مسودہ)

(6) ہدیۃ الخلیل فی شرح حدیث جبرائیل۔ (قلمی مسودہ)

(7) الشاہ احمد رضا خان بریلوی (مطبوعہ)

(8) تحفہ مؤمن (عالم برزخ کے حالات) (مطبوعہ)

(9) ترجمہ انیس الارواح (مطبوعہ)

(10) تنزیۃ الغفار عن تکذیب الاشرار (حضرت غزالی زماں علامہ کاظمی مدظلہ کی تصنیف تسبیح الرحمان عن الکذب والنقصان کی شرح) (مطبوعہ)

(11) معاشیات نظام مصطفیٰ (اسلام کے معاشی نظام کی بے مثال تحقیق) (مطبوعہ)

(12) رسالہ شرائط بیعت (مطبوعہ)

(13) فتاویٰ اہلسنت (زیر ترتیب)

(14) تحریر سنبٹ (زیر ترتیب)

(15) الصرح النامی ترجمہ وتوضیحات شرح جامی، 2 جلد (مطبوعہ)

(16) افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (مطبوعہ)

آپ نے تحریکِ ختمِ نبوت 1974ء میں بھرپور حصہ لیا جس کی پاداش میں ہارون آباد سے گرفتار کیے گئے اور سنٹرل جیل بہاولنگر میں ایک عرصے تک مقید رہے۔ تحریکِ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 1977ء میں بھی دیگر علمائے اہلِ سنت کے دوش بدوش میدان عمل میں رہے اور اوکاڑہ سے گرفتار ہو کر سنٹرل جیل ساہیوال بھیج دیے گئے اور پھر قومی اتحاد اور مسٹر بھٹو کے مذاکرات کے دوران رہا کیے گئے۔ تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے سالانہ اجلاس میں سند کی عبارت تجویز کرنے کا مرحلہ آیا، علامہ مولانا وقار الدین صاحب اور علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے سند کی عبارت پیش کرنی تھی لیکن کثرتِ مصروفیت کی وجہ سے وقت پر عبارت پیش نہ کی جا سکی۔ اجلاس میں اس پر تشویش ظاہر کی گئی تو آپ نے ایک گھنٹہ میں عبارت پیش کرنے کی پیشکش قبول کر لی اور اس طرح آپ نے حضرت مولانا محمد عبداللہ قصوری، حضرت مولانا حسن الدین ہاشمی اور حضرت مولانا سید شجاعت علی کی رفاقت میں مختصر سے وقت میں عبارت پیش کر دی۔ سند کی عبارت کے ایک حصہ پر علماء کا اختلاف ہو گیا۔ صوبہ سندھ اور پنجاب کے علماء اسے برقرار رکھنا چاہتے تھے اور صوبہ سرحد اور بلوچستان کے علماء اسے حذف کرنے پر مصر تھے۔ جب صورت حال نازک ہو گئی تو آپ نے ایک متبادل عبارت پیش کر دی۔ اس پر تمام علما متفق ہو گئے اور آپ کی ذہانت اور صلاحیت کی داد دی۔ آپ نے سلسلہ عالیہ قادریہ کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ عبدالرحمان بھرچونڈی شریف اور غوثِ زماں حضرت شیخ غلام رسول قادری روتوی سے اکتسابِ فیض کیا اور مفتیِ اعظم ہند حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان سے سلسلہ قادریہ نوریہ رضویہ میں بیعت کی۔ حضرت نے آپ کو تمام علوم و اوراد اور وظائف و اعمال و سلسلہ مبارکہ قادریہ نوریہ رضویہ کی اجازت وخلافت مرحمت فرمائی۔ 1969ء میں شادی کی سب سے پہلا بچہ اللہ کو پیارا ہو گیا۔ اب آپ کے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہے۔ مدرسہ انوار العلوم ملتان میں دورہ حدیث سے فارغ ہونے والے آپ کے چند مشہور تلامذہ یہ ہیں:

(1) مولانا مفتی محمد عبداللہ (مظفر گڑھ)

(2) مفتی وزیر علی (ہارون آباد)

(3) مولانا سید مسعود احمد شاہ (خان گڑھ)

(4) مولانا محمد رمضان،

(5) مولانا عبدالوحید ربانی

(6) مولانا سید غلام یٰسین شاہ (قطب پور)

(7) مولانا سید قمر الدین شاہ (قطب پور)

(8) مولانا محمد یار قادری رضوی

(9) استاذ القرا علامہ مولانا محمد غافر بخش مدنی (ملتان، کوٹھے والا)(556)

سیدنا مفتیِ اعظمِ ہند، تاجدارِ اہلسنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان کے دست مبارک پر آپ نے بیعتِ ارادت کی، عالمِ اسلام کے یہ نامور عالم 20 رمضان المبارک 1431 ہجری مطابق 31 اگست 2010 عیسوی کو دار الفنا کو چھوڑ کر دار البقا کی طرف کوچ کر گئے۔ جامعہ رضویہ ٹرسٹ ماڈل ٹاؤن کے خوبصورت باغیچے میں آپ کی آخری آرام گاہ بنائی گئی ہے۔ جامع تاریخ اوچ متبرکہ بھی ان کے پاس سنن ابوداؤد پڑھتا تھا۔

پیر محمد حاجی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

عاشقِ رسول، سلطان الواعظین حضرت پیر محمد حاجی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحصیل لیاقت پور کے نواحی قصبہ کچی محمد خان میں 9 ذوالحجہ 1304ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام سراج احمد تھا لیکن پیار سے حاجن کہلاتے تھے۔ جس کی وجہ سے اصل نام چھپ کر رہ گیا۔ آپ کے والدِ گرامی کا اسم گرامی غلام سرور شاہ تھا، آپ قریشی تھے اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم کچی محمد خان کے دینی مدرسہ سے حاصل کی، بہت تھوڑے عرصہ میں آپ نے فقہ اور حدیث پر عبور حاصل کر لیا تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے سلسلۂ تدریس شروع فرمایا۔ فنِ تقریر پر آپ کو بڑی مہارت حاصل تھی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوب کر تقریر کیا کرتے تھے۔ آپ کی تقریر کے

دوران سامعین پر وجد کی کیفیت طاری رہتی اور تقریروں کی وجہ سے آپ کی شہرت ملک کے طول وعرض میں پھیل گئی۔ایک موقعہ پر حضرت مولانا محمد یار صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی شاہ کو گڑھی شریف آنے کی دعوت دی اور تقریر میں واقعۂ معراج بیان کرنے کی فرمائش کی۔ حضرت حاجی شاہ صاحب نے ''سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ'' سے اپنی تقریر کا آغاز کیا، سامعین ہمہ تن گوش ہوئے، حضرت مولانا محمد یار بھی سامعین میں تشریف فرما ہوئے۔ دورانِ تقریر حاجی شاہ صاحب نے مولانا محمد یار صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ جب میرے محبوب معراج پر گئے تو تمام انبیائے کرام آپ کے استقبال کیلئے جمع تھے اور درود وسلام کے تحفے پیش کر رہے تھے، ان میں حضرت یوسف علیہ السلام بھی تھے، بہت ناز تھا حضرت یوسف کو اپنے حسن و جمال پر لیکن جب میرے آقا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ والضحیٰ پر نظر پڑی تو بے اختیار پکار اٹھے۔

ساریاں ساڈیاں فخر وڈایاں تیئں عربی بھن بھروڑ ڈتیاں

یہ کہنا تھا کہ مولانا محمد یار کی چیخ نکلی اور وجد میں آ گئے اور اس مصرعے کو دوبارہ پڑھنے کی فرمائش کی۔ حاجی صاحب نے مصرعے کو دوبارہ پڑھا۔ تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے دوسرا مصرعہ پڑھا اور کہا: جب واللیل والی زلفوں پر نظر پڑی تو پکار اٹھے۔

زلف زنجیر گلھانویں گل وچ تیئں عربی پھائیاں جوڑ ڈیتاں

مولانا محمد یار حالتِ وجد میں بار بار یہ شعر دہرانے لگے

ساریاں ساڈیاں فخر وڈایاں تیئں عربی بھن بھروڑ ڈتیاں

زلف زنجیر گلھانویں گل وچ تیئں عربی پھائیاں جوڑ ڈیتاں

پھر جب ہوش آیا تو اپنی دستار مبارک اتار کر حاجی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو پہنا دی۔ حضرت حاجی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اسلامیہ انوار العلوم کے سالانہ جلسوں میں خطاب فرمایا کرتے تھے۔ حضور قبلہ غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کو حاجی شاہ صاحب سے بہت پیار تھا، ایک موقع پر جلال پور پیر والا کے قریب میاں محمد علی چھجڑا کے جلسے سے حضرت حاجی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خطاب

فرمارہے تھے کہ اس دوران حضور غزالی زماں تشریف لائے۔حاجی شاہ صاحب نے دیکھا کہ حضور تشریف لائے ہیں تو قدموں پر ہاتھ رکھنے لگے اور عرض کیا کہ حضور مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ آپ تشریف لائے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ عالم دنیا میں بھی تو نہ تھے۔ حضور غزالیٔ زماں رحمۃ اللہ علیہ حاجی شاہ صاحب کی تقریر کو بہت پسند فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ اچھا ہے کہ حاجی شاہ صاحب اردو میں تقریر نہیں کرتے اگر آپ اردو میں تقریر کرتے تو لوگ ہماری تقریر کہاں سنتے۔صادق مسجد بہاولپور میں نواب صادق محمد خان عباسی نے بڑے بڑے جید علماء کو دعوت دی، تقریریں ہوئیں، صدر محفل حضرت محمد شاہ کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تقریر سے متاثر ہو کر آپ کو سلطان الواعظین کا خطاب دیا اور کہا میں سمجھتا تھا کہ ریاست بہاولپور میں کوئی بولنے والا نہیں لیکن حضرت حاجی شاہ صاحب تو سلطان الواعظین ہیں۔حاجی شاہ صاحب نے شیدانی شریف کے عظیم بزرگ حضرت قبلہ خواجہ ہوت محمد کوریجہ رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔آپ کو اپنے مرشد سے بہت محبت تھی جیسا کہ آپ نے اپنے کلام میں اظہار فرمایا ہے۔

پیران کوٹ دا صدقہ ☆ محمد ہوت دا صدقہ
بگن سائیں گھوٹ دا صدقہ ☆ گنٹر و میڈی چنگائی ہے
فائق بیمار ہے مضطر ☆ تھکا بیٹھے دوا کر کر
تیڈی وت ساقی کوثر ☆ نظر رحمت دوائی ہے

خورشیدِ ملت، بلبل چمنستان رسالت حضرت مولانا خورشید احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب آپ خواجہ ہوت محمد صاحب سے بیعت کرنے گئے تو انہوں نے پوچھا: نماز پڑھ لی ہے؟ حاجی شاہ صاحب نے عرض کیا: حضور! نماز آپ کے پیچھے پڑھوں گا۔فرمایا ''تو میرا ٹھیکیدار ہے؟ جاؤ پہلے نماز ادا کرو'' آپ اس وقت ماچہ پر بیٹھ کر نسوار دے رہے تھے۔ حاجی شاہ صاحب فرماتے تھے کہ جب میں مسجد میں گیا تو خواجہ صاحب نماز پڑھا رہے تھے میں جب مسجد سے باہر نکلا تو آپ ماچے پر جلوہ فگن تھے۔فرمایا مجھے کیا سمجھ کر مرید ہو

رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: حضور سمجھائیں؟ فرمایا: اگر پیر سمجھ کر بیعت کرو گے تو پیر جتنا کام دوں گا اگر مظہرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جان کر مرید ہو گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاؤں گا اور مظہر خدا جان کر ہاتھ دو گے تو خدا تک پہنچا دوں گا۔ آپ اپنے پیرو مرشد غوث وقت خواجہ ہوت محمد کوریجہ رحمۃ اللہ علیہ کے مظہر تھے۔ (557)

ایک موقعہ پر آپ کے مرشد حضرت خواجہ ہوت محمد کوریجہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے فرمائش کی کہ تقریر سنائیں۔ حضرت حاجی شاہ صاحب انتظار کرنے لگے کہ مجمع جمع ہو اور وعظ شروع کیا جائے۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا: حاجن آپ میرے حصے کا وعظ سناؤ۔ حضرت حاجی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اڑھائی گھنٹے وعظ کیا اور حضرت خواجہ صاحب دنیا و مافیہا سے بے خبر رہے۔ آپ کا دل عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معمور تھا۔ آپ کے پوتے حضرت علامہ قبلہ غلام غوث شاہ صاحب بیان فرماتے ہیں کہ آج بھی ایسے لوگ ڈیرہ نواب صاحب اور ٹبی عزت کے علاقوں میں موجود ہیں اور بتاتے ہیں کہ ہم نے حضرت قبلہ پیر محمد حاجی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو طوافِ کعبہ اور سرکار کی جالی مقدس کے بوسے لیتے ہوئے دیکھا تھا لیکن ملنے کی کوشش کے باوجود نہ مل سکے۔ پاکستان واپس آکر شکوہ کیا کہ حضرت حج پر تشریف لائے اور ملاقات کا شرف نہ بخشا؟ تو فرماتے تھے کہ میاں تم بھولے ہو۔ کیوں کہ آپ بظاہر حج پر نہیں گئے تھے۔ حضرت حاجی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاعر بھی تھے آپ کا کلام شائع ہو چکا ہے حضرت حاجی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عشق رسول میں ڈوبے ہوئے شعر کہتے تھے۔ آپ اشعار کے رنگ میں فرماتے تھے۔

جے توں نہ جلوہ گر ہوندا
جہاں سارا پدھر ہوندا
ہون دا بند در ہوندا
تیئں کنجی میم لائی ہے

مکاں جتھ ناں، زماں جتھ ناں
جہت کیف ونشاں جتھ ناں
چراں چوں وچناں جتھ ناں
تئیں اُتھ دربار لائی ہے

آپ کی اس نعت نے بڑی شہرت حاصل کی۔

ازل سے چل رہا ہے دور شاہانہ محمد کا
چھلکتا رہتا ہے لبریز پیمانہ محمد کا
الٰہی حشر میں فائقؔ قبر سے جھومتا نکلے
کہیں سب لوگ جی آیا مستانہ محمد کا

آپ کا تخلص فائق تھا آپ نے نعت لکھ کر اپنی عقیدت کے پھول بارگاہ رسالت مآب میں نچھاور کیے ہیں اس کے علاوہ بھی آپ شعر کہا کرتے تھے۔فرماتے ہیں۔

اساں میخانے وچ رہندوں
تے رل ساقی دے گڈ بہندوں
اینویں ڈیندے جیویں چھندوں
ڈسا دل کیوں نہ پیوں ہر دم

آپ بیمار تھے، نبض دیکھنے کیلئے علاقے کے مشہور نباض حکیم عبدالمجید صاحب غازی پور والے تشریف لائے۔نبض دیکھی اللہ اکبر کہتے ہوئے باہر آئے۔میاں خدا بخش نیکو کارہ نے پوچھا کہ حضرت حاجی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کیا حال ہے؟ کہنے لگے نبض نہیں لیکن درود پاک کا ورد جاری ہے۔آج سے میرا عقیدہ یہی ہے کہ اولیاء اللہ باکمال ہوتے ہیں۔ حضرت غزالیٔ زماں رحمۃ اللہ علیہ کو جب وفات کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ میرے اللہ کاش کہ حاجی شاہ صاحب کو کچھ مزید مہلت دیتا۔وفات کے بعد جنازہ پڑھانے کے لیے حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ (آف پراراں شریف) تشریف لائے۔حضرت مولانا خورشید احمد فیضی

بھی شریک تھے لوگوں نے مولانا خورشید احمد صاحب سے کچھ وعظ سنانے کی فرمائش کی تو قبلہ فیضی صاحب نے کہا کہ حضرت کے سامنے میں تقریر نہیں کر سکتا۔ میں آپ کا کلام سناتا ہوں تشریح مولانا خود کریں گے۔ مولانا نے پڑھا!

عشق دی منزل دور توں دورے متاں سمجھیں اوھے
نہ سرحد نہ لین سدھی نہ میل اوتھاں نہ کوہے
پُر وحشت دشت بیاباں ہے بیا انڑ کھٹ درد اندو ہے
یاد نہوی فرمان فریدی اے عشق نہیں سرروہے
سئے انڑ سونہیں رُل موئے بر وچ لاشیں دا انبوہ ہے
بن مرشد دے پندھ لاحد دا واقف بیانہ کو ہے
فائق مرشد بھال بھالے تاں اے جتن دی جو ہے

حضرت کا کھلا ہوا چہرہ فوراً مسکرانے لگا جس کا لوگوں نے نظارہ کیا لیکن فوراً حضرت مولانا خورشید احمد صاحب نے چہرہ ڈھانپ دیا تاکہ شریعت کی پاسداری رہے۔ آپ 25 اکتوبر 1964ء کو صبح چار بجے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے آپ کا سالانہ عرس شریف ہر سال بچی محمد خان نزد ترنڈہ محمد پناہ میں 23-24-25 اکتوبر کو منایا جاتا ہے۔ (558)

مولانا الٰہی بخش خان رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا الٰہی بخش رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کا نام نبی بخش المعروف بنے خان تھا آپ چانڈیہ بلوچ برادری کے سردار تھے اور بہت بہادر تھے جس جنگل میں بھی جاتے ہرن وغیرہ کا شکار کر کے اس کو بھون لیتے، خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے۔ ان کے سامنے آنے کی کسی کو مجال نہ تھی۔ جب ان کے حالات میں تبدیلی کا وقت آیا تو ایک دن وہ اپنے باغ میں ٹہل رہے تھے اچانک وہاں سے حضرت پیر فضل علی قریشی کا گزر ہوا۔ ان کے ساتھ جماعت تھی اور ان کو سردار غلام حسین خان اپنے سسر سردار اللہ ڈیوایا خان کے گھر لے کر جا رہے تھے۔ قریشی صاحب کی نگاہ جب سردار الٰہی بخش پر پڑی تو غلام حسین خان سے

پوچھا: یہ کون آدمی ہے جو باغ میں ٹہل رہا ہے؟ انہوں نے بتایا: وہ میرا بہنوئی ہے اس کا نام الٰہی بخش خان ہے۔ مولانا الٰہی بخش نے قریشی صاحب کی طرف توجہ نہ کی اور نہ ہی ملنے کیلئے آئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا: بڑا عجیب انسان ہے جو ملنے کیلئے بھی نہیں آیا؟ اچھا خیر کب تک نہ آئے گا آج آئے گا اور ضرور آئے گا۔ قریشی صاحب جب اس دعوت سے فارغ ہوئے تو سردار غلام حسین کے پاس اپنی رہائش گاہ پر واپس آ گئے۔ نمازِ ظہر کا وقت ہو گیا، اذان ہوئی، آپ نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد دعا مانگ رہے تھے کہ دور سے ایک شخص آتا ہوا دکھائی دیا۔ آپ نے غلام حسین خان کو فرمایا: دیکھو وہ الٰہی بخش خان آ رہا ہے۔ انہوں نے عرض کیا: حضور! لگتا تو وہی ہے۔۔ آپ نے وہاں سے الٰہی بخش خان پر توجہ ڈالی تو وہ نیم بسمل ہو کر تڑپنے لگے۔ خان صاحب نے اجازت مانگی کہ میں جا کر انہیں سنبھالوں، فرمایا: انہیں اسی حالت میں رہنے دو تا کہ ان کے دل سے تکبر و غرور اور آکڑ نکل جائے۔ جب نگاہِ ولایت سے ان کی طبیعت درست ہوگئی تو وہ خود بخود اٹھ کھڑے ہوئے اور قریشی صاحب کی خدمت میں پہنچ کر گناہوں سے توبہ کی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے مرید بن گئے۔ مرشد نے ان کی ایسی تربیت فرمائی کہ ان کا قلب ذکر اللہ سے زندہ ہو گیا۔ انہوں نے اپنی زندگی تقوی و طہارت سے گزاری۔ مولانا الٰہی بخش خان کی دو بیویاں تھیں، پہلی بیوی سردار غلام حسین خان کی سگی بہن تھی، اس سے دو بیٹے لعل خان اور اللہ داد خان پیدا ہوئے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں تھیں۔ لعل خان حضرت قبلہ قریشی صاحب کے ساتھ رہتے تھے اور نعت خوانی کرتے تھے۔ دوسری بیوی جیسلمیر کے راجہ کی بیٹی تھی وہ مسلمان ہوئی اور مولانا الٰہی بخش کے عقد میں آئی، اس کے بطن سے چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ بیٹے عبدالواحد خان، حاجی امیر محمد خان، مولانا نور محمد خان، اور محمد ابراہیم خان تھے۔ محمد ابراہیم جوانی کی حالت میں فوت ہو گیا تھا، مولانا نور محمد کا نام محمد نواز تھا، پیر قریشی نے محمد نواز کی بجائے نور محمد نام رکھا اور انہیں بھی اپنا نعت خوان مقرر فرما دیا۔ مولانا الٰہی بخش کی اولاد بھی قریشی صاحب کی مرید تھی۔ کاشت کاری کر کے اپنی گذر بسر کرتی تھی۔ مولانا الٰہی بخش

خان کا وصال ماہ رمضان کی 9 تاریخ کو ہوا۔ استاذ العلماء عارف باللہ حضرت مولانا محمد ظریف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولوی الٰہی بخش خان کے خاتمہ بالایمان ہونے کی علامت یہ تھی کہ بعد از وصال بھی ان کے قلب سے ذکر اللہ جاری تھا۔ اس کی حالت قابلِ دید تھی یعنی ان کا قلب چل رہا تھا اور کفن کا کپڑا اہل رہا تھا۔ ان کے وصال کے بعد پیر قریشی ان کے مزار پر تشریف لائے اور کافی دیر مراقبہ کیا جب فارغ ہوئے تو سردار غلام حسین خان نے پوچھا حضرت خان صاحب کس حالت میں ہیں؟ قریشی صاحب کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا اور فرمایا: مولانا الٰہی بخش اپنے مزار میں زندہ ہیں اور بہت خوش ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ان پر راضی ہیں۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں ان کا روضہ تیار کراتا تاکہ ان کے مقام کا پتا چلتا۔ مولانا الٰہی بخش کے مزار کیساتھ مورے کا درخت ہے جو اب بھی ہے۔ پہلے وہ تناور درخت تھا۔ کسی ہمسائے نے اس سے لکڑیاں کاٹنا شروع کر دیں ایک آدھ لکڑی کاٹی تو اسے ایک تھپڑ لگا اور وہ درخت سے گر کر نیچے آ گیا۔ آواز آئی یہاں سے بھاگ جا۔ پھر اسے نہ کاٹنا ایک بار آپ اپنے باغ میں کھڑے تھے کہ وہاں سے کوئی اجنبی آدمی گذرا اس کی نگاہ آپ کے چہرے پر پڑی تو وہ اجازت مانگ کر آپ کے پاس آ گیا سلام کرنے کے بعد اس نے کہا کہ میں لاولد ہوں کافی عرصہ ہو گیا ہے شادی کو لیکن اولاد نہیں ہے۔ آپ مجھے تعویذ دیں تاکہ میں صاحبِ اولاد ہو جاؤں؟ آپ نے فرمایا: میں تعویذ نہیں لکھتا، دعا کرتا ہوں۔ اس نے کہا کہ دعا بھی کر دیں اور تعویذ بھی دیں تاکہ میں اپنی بیوی کو تسلی دوں کہ میں تیرے لیے تعویذ لایا ہوں۔ آپ نے دعا بھی کی اور کوئلہ سے کاغذ پر تعویذ بنا دیا فرمایا اپنی بیوی کے گلے میں ڈالو اللہ تعالیٰ نے دعا اور تعویذ کی برکت سے اسے بیٹا عطا فرمایا۔ اللہ نے فرمایا ہے ''اُجِیْبُ دَعْوَةَ الداع اذا دعان'' جب کوئی دعا مانگنے والا دعا مانگتا ہے تو میں اس کی دعا قبول فرماتا ہوں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب بندہ میرے سامنے اپنے خالی ہاتھ پھیلاتا ہے تو مجھے حیا آتی ہے کہ میں انہیں خالی لوٹا دوں۔ اگر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے والا پہلے درود شریف پڑھ لے پھر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلۂ جلیلہ سے دعا

مانگے اور دعا کے آخر میں بھی دورد شریف پڑھے تو اس کی دعا قبولیت کے مقام پر فائز ہوجاتی ہے۔

مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

حضرت مولانا نور محمد خان رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ نسب

آپ علیہ الرحمہ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ حضرت مولانا نور محمد خان بن حضرت مولانا الٰہی بخش خان بن نبی بخش خان عرف بنے خان بن محراب خان بن سچے خان بن جوہر خان۔ بعض محققین بلوچوں کو حضرت امیر حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ کی اولاد شمار کرتے ہیں اور بعض حضرت امیر المومنین علی المرتضے کرم اللہ وجہہ کی اولاد شمار کرتے ہیں۔ اور بعض مندرجہ بالا دونوں باتوں کا انکار کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلی اعلم بالصواب۔

ولادت باسعادت

حضرت مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ نہایت ہی نیک اور پارسا خاتون تھیں۔ ہر وقت یادالٰہی اور درود شریف میں مصروف رہتی تھیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ کے بطن سے چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔ آپ سب سے چھوٹے تھے، آپ کیلئے آپ کی والدہ ماجدہ نے دعا مانگی ''اے رب ذوالجلال!...... مجھے ایسا فرزند عطا کر جو عارف باللہ اور تارکِ دنیا ہو، رات دن تیری یاد میں مشغول رہے'' آپ کی دعا قبول ہوئی آپ پیدا ہوئے تو والدین کو قلبی سکون محسوس ہونے لگا۔ حضرت خواجہ پیر فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اہلسنت کے معمولات، مثلاً میلاد شریف، گیارہویں شریف، تقبیلِ ابہامین، تعظیم اسمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دعا بعد نماز جنازہ، ختم شریف کے قائل تھے اور بزرگوں کے عرسوں پر محفلِ قراۃ ونعت کرانا اپنا طرۂ امتیاز سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے مرید راسخ الیقین حضرت مولانا الٰہی

بخش رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں دوسری بیوی سے ایک بیٹا عطا کرے گا جو اپنے وقت کا ولی ہوگا۔'' حضرت پیر فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے خود ان کا نام نور محمد تجویز فرمایا۔ 8 صفر المظفر 1326ھ بمطابق 24 نومبر 1917 مطابق 9 مگھر 1974 بروز ہفتہ علی الصبح مولانا الٰہی بخش رحمۃ اللہ علیہ کے گھر موضع لکس علاقہ اوچشریف ضلع بہاولپور میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت

مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ نے آغوشِ مادری کے سایۂ شفقت میں پرورش پائی، نیک بخت والدہ محترمہ نے اپنے دوسرے بیٹوں کی طرح آپ کو پالا۔ حضرت مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ بچپن سے بہت ہونہار تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ جس وقت قرآنِ پاک کی تلاوت فرماتیں تو آپ کو اپنی گود میں بٹھا لیتی تھیں۔ قرآنِ پاک کی آیات، اللہ اکبر کی تکبیر سبحان اللہ کی تسبیح اور درود شریف کی روح پرور گونج میں آپ کی پرورش ہوئی۔ جیسے جیسے آپ کی عمر بڑھتی گئی ویسے ہی آپ کا شوق اور ذوق بھی بڑھتا گیا۔ چھوٹی عمر میں آپ کے والدِ ماجد کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا۔ آپ نے قرآن مجید کی تعلیم اپنی والدہ محترمہ سے حاصل کی پھر آپ نے ٹھل حمزہ کے ایک دینی مدرسہ میں داخلہ لیا۔ غالباً یہ مدرسہ مولانا خیر محمد کا تھا، دورانِ تعلیم آپ کو شدید تکلیف ہوگئی اور آپ چلنے سے معذور ہو گئے۔ جب اس کی خبر آپ کی والدہ کو ملی تو اس نے اپنے داماد حاجی کریم بخش کو اونٹ دے کر بھیجا جو آپ کو مدرسہ سے گھر لے آیا۔ اس کے بعد آپ کی والدہ نے آپ کو گھر سے باہر جانے کی اجازت نہ دی تو آپ نے مولوی احمد دین اعوان سے پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ آپ نے حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی گزارا۔ ان کے وصال کے بعد ان کے خلیفۂ اجل حضرت پیر کریم بخش رحمۃ اللہ علیہ آف جانو والا، حضرت خواجہ عبدالغفار رحمۃ اللہ علیہ آف لاڑکانہ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ جو کہ کامل ولی اللہ اور ظاہری باطنی فضائل سے آراستہ تھے ان سے دینی و روحانی تربیت حاصل کرتے رہے۔ ان بزرگوں کی روحانی تربیت نے حضرت مولانا نور محمد

رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی محبت سے سرشار کر دیا اور آپ نے قاری عبدالکریم بغدادی سے قرأت و تجوید بھی سیکھی۔ آپ کے بڑے بھائی لعل خان صاحب حضرت قریشی صاحب کے ساتھ ان کی محفلوں میں نعت خوانی کرتے تھے۔ مولانا نور محمد نے بھی نعت خوانی شروع کر دی اور اپنے بھائی کے ساتھ پیر صاحب کی محفلوں میں نعت شریف پڑھتے تھے اور تلاوت کی سعادت بھی آپ کو حاصل ہوتی تھی۔ لعل خان کے وصال کے بعد آپ نے عبدالخالق کو اپنا ساتھی بنالیا، اس کے بعد حافظ عطاء الرحمان ولد خلیفہ کریم بخش غفاری کو نعت خوانی کی تربیت دی۔ صوفی غلام حسن خان کو نعت پڑھنا سکھایا۔ صوفی گل محمد خان اور حاجی شمس الدین میتلہ کے ساتھ بھی نعت پڑھتے تھے۔ صوفی فضل حسین کھرپے کو بھی دربارِ عالیہ جلالیہ پر نعت پڑھنے کیلئے سبق دیا اور جمعہ کے روز قبل از نمازِ جمعہ ان سے نعت پڑھوائی۔ صوفی فضل حسین کھرپے نے نعت خوانی میں خاص مقام حاصل کیا، اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے۔ آپ کی والدۂ ماجدہ میلاد شریف اور گیارہویں شریف کی محفلیں مناتی تھیں۔ حضرت مولانا منظور احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ جب فارغ التحصیل ہو کر آئے تو ان محافل میں بیان کرنے کیلئے تشریف لاتے۔ مولوی احمد دین اعوان اور حافظ محمد سعید خاں بھی موجود ہوتے تھے اور اختلاف سے بالاتر ہو کر ایسی محفلوں کی رونق دوبالا کیا کرتے تھے۔

آپ کی عادات واطوار

حضرت مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ نہایت پاکباز، رحمدل، صابر اور شاکر انسان تھے۔ کسی کی دل آزاری نہیں کرتے تھے، ہمسائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے۔ اگر کبھی کسی ہمسائے سے کوئی زیادتی ہو جاتی تو آپ درگذر فرما دیتے تھے۔ علاقے بھر کے اہلِ سنت حضرات کو آپ پر بہت ناز تھا۔ مخالفین آپ کے سامنے آنے سے ہچکچاتے تھے کیونکہ آپ حق بات منہ پر کہہ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب منبر پر بیٹھ کر تقریر کے دوران تنقیصِ رسالت کرنے لگے تو آپ نے عام مجمع میں کھڑے ہو کر اس مولوی کو ڈانٹ پلائی پھر وہ کچھ بھی نہ بول سکا، مولوی صاحب جہاں بھی آپ کو دیکھتا جھک کر ادب کے

ساتھ سلام کرتا تھا۔ آپ فرماتے تھے ''میاں! دربارِ رسالت کا ادب سیکھو'' حضرت مولانا نور محمد چشتی قادری رحمۃ اللہ علیہ اکثر اوقات یہ شعر پڑھتے رہتے تھے۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

ایک دفعہ مولوی حبیب اللہ گمانوی نے کہا: یزید بے قصور ہے۔ آپ فرمانے لگے: مولوی جی ابھی ابھی توبہ کرو۔'' اس وقت راقم الحروف بچہ تھا اور گمانوی صاحب کو پنکھا جھل رہا تھا، آپ نے مجھے ہٹا دیا اور دعوت سے اٹھ کر اپنے گھر چلے آئے۔ چنانچہ اسی قصہ کے پیش نظر فقیر نے ''القول السدید فی حکم یزید' اہل اسلام کی نظر میں یزید'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس کا تیسرا ایڈیشن آنے والا ہے۔ اس کتاب میں شیخ المشائخ، غزالیٔ زماں، رازیٔ دوراں حضرت قبلہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ بھی شامل ہے۔

ریاضت ومجاہدہ

حضرت مولانا نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابھی بچے تھے۔ نماز پڑھنی شروع کی پھر کبھی نماز قضا نہ ہوئی۔ 9 سال کی عمر میں ماہِ رمضان کا روزہ رکھا تو پھر کبھی بھی ماہِ رمضان کے روزے قضا نہ ہوئے۔ کئی پارے قرآن پاک کے اور بہت سی حدیثیں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو زبانی یاد تھیں۔ آدھی رات کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ بستر چھوڑ دیتے تھے۔ وضو بنا کر صلوٰۃ وسلام، تہجد، نوافل وغیرہ پڑھتے اور تلاوتِ کلام پاک میں مشغول ہو جاتے تھے۔ جب تلاوتِ کلامِ پاک ختم کرتے تو پھر حدیثِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنے قلب وجگر اور گھر کے درودیوار کو جلا بخشتے تھے، دلائل الخیرات شریف کو آپ کے وظائف میں اولیت حاصل تھی۔ درود شریف نہایت اہتمام اور بڑی محبت لگن اور شوق کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اسمِ ذات اللہ تعالیٰ اور سرکارِ دوجہاں، امام الانبیا، ختمِ رسل، حبیبِ کبریا حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام پاک کے بے حد شیدائی تھے۔ یہ نام آپ کو دنیا کی ہر شے سے زیادہ پسندیدہ اور عزیز تھا۔

جج کی رہنمائی

موضع گگس کے زمیندار میاں حمید اللہ شیخ نے ایک غیر مسلم عورت کو مسلمان کر کے اس سے نکاح کر لیا، جنرل یحییٰ خان کے مارشل لاء کے دور میں اس کے وارثوں نے دعویٰ دائر کر دیا کہ میاں حمید اللہ نے ہماری عورت اغوا کر لی ہے۔ میاں صاحب نے نکاح نامہ پیش کیا، جج نے نکاح خواں کو گواہوں سمیت طلب کر لیا۔ مولانا نور محمد خان بھی ایک گواہ تھے، جج کی عدالت میں وکیل نے گواہوں پر جرح کی تو دوسرے گواہ اکھڑ گئے۔ جب مولانا نور محمد صاحب کی باری آئی تو انہوں نے نہایت دلیرانہ انداز میں حق وصداقت پر مبنی بیان دیا اور کہا: جج صاحب! ذرا خیال سے فیصلہ صادر کرنا، اس عورت کے میاں صاحب کے گھر میں پانچ بچے پیدا ہو چکے ہیں اور یہ سب کے سب مسلمان ہیں، انہیں بلا کر ان سے پوچھ لو وہ خود بتائیں گے کہ ہم مسلمان ہیں۔ عورت کہتی ہے میں مسلمان ہوں اگر آپ نے فیصلہ اسلام کے خلاف کیا اور معاذ اللہ انہیں غیر مسلم بنا دیا تو اس کا جواب آپ کو اللہ تعالیٰ کی عدالت میں دینا ہوگا۔ اس دوران جج نے انگلی منہ میں ڈال رکھی تھی۔ جب آپ کا بیان ختم ہوا تو جج نے کہا: مولانا میں نے فیصلہ مخالفوں کے حق میں دینا تھا اور میاں صاحب کو سزا کا آرڈر جاری کرنا تھا مگر آپ کے بیان نے نہ صرف عدالتی فیصلہ بدلنے پر مجھے مجبور کر دیا ہے بلکہ ہمارے دل کی دنیا بھی بدل دی ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شیخ حمید اللہ مرحوم نے اپنے پیر ومرشد غزالیٔ زماں، رازیٔ دوراں، امامِ اہلسنت، قطب الاقطاب حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی صاحب قدس سرہ کو اپنے گھر میں قدم مبارک دلوانے کیلئے درخواست گزاری تو قبلہ کاظمی صاحب قدس سرہ نے قبول فرمائی۔ حسبِ وعدہ آپ قدس سرہ العزیز تشریف لے آئے اور استقبال کرنے والوں میں حضرت مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ شیخ صاحب نے اپنے مرشدِ کریم کو عرض کی: ''حضور! کیا آپ مولانا نور محمد خان صاحب کو جانتے ہیں'' تو حضرت کاظمی صاحب قدس سرہ العزیز نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''شیخ صاحب! ان کی اور ہماری ہر رات اکھٹے حاضری ہوتی ہے اور تم پوچھتے ہو کہ جانتے ہیں؟ یہ تو جانی پہچانی

شخصیت ہیں'' حضرت قبلہ کاظمی صاحب قدس سرہ العزیز نے حضرت مولانا نور محمد صاحب سے فرمایا: آپ ہمارے شاگرد و مرید مولانا محمد سراج احمد خان قادری کے والد گرامی ہیں'' آپ قدس سرہ نے حضرت مولانا نور محمد صاحب کو کافی دیر تک اپنے سینے سے لگائے رکھا حالانکہ اس سے پہلے دونوں بزرگوں کی ملاقات بالمشافہ نہ ہوئی تھی۔ حضرت قبلہ کاظمی صاحب قدس سرہ العزیز کی آپ کو صحبت میسر آئی تو آپ نے ان کا دامنِ ولایت تھاما اور ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی ہی مدت میں درجاتِ بلند اور مقاماتِ عالیہ کو پہنچے آپ رحمۃ اللہ علیہ نہایت خوش اخلاق تھے۔ سخاوت، زہد، شرافت، نجابتِ علم و دانش اور عبادت کے پیکر تھے۔ اسبابِ معیشت ناپید ہونے کے باوجود متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نعت خوانی کو اپنے لیے منتخب کر لیا۔ ساری زندگی نعت خوانی کرتے رہے۔ جب مولود شریف پڑھتے تو سامعین کو مسحور کر دیتے تھے اور جس وقت قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے تو لوگوں میں وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

آپ کی تبلیغ و تلقین

حضرت مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ رشد و ہدایت میں مصروف رہے۔ آپ نے اصلاحِ معاشرہ پر خصوصی توجہ فرمائی، لوگوں کو برائیوں سے روکتے تھے اور روزِ قیامت کی رسوائی سے ڈراتے تھے اور فرماتے تھے: اعمال صالحہ کیلئے اتباعِ سنت ضروری ہے۔ آپ نے بے راہ رو لوگوں کو راہِ راست پر چلنے کی جو سعی کی ہے اس کے جلوے آج تک ضوافشاں ہیں۔ اللہ کرے قیامت تک آپ کا فیض جاری رہے۔ سردار غلام عباس خان مستوئی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حافظِ قرآن نہ ہونے کے باوجود حفاظ کرام کی غلطیاں نکالتے تھے اور فنِ قرآت میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ حضرت مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کے اثر سے اس مقام پر پہنچے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اس نے قرآن کے بے شمار ختم آپ رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو بخشے اور تا دمِ واپسیں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اس احسان کو یاد کرتے رہے۔ حاجی غلام حسن خان صاحب جو کہ نہایت صالح انسان تھے آخری دم تک آپ کی نوازشات اور احسانات کی شکر گزاری کرتے

رہے اور کہتے تھے: ''اگر حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نصیب نہ ہوتی تو زندگی درندگی بن جاتی'' حاجی صاحب قرآن مجید کے بہترین قاری تھے۔ قرآت اور نعت گوئی کی تربیت بھی حضرت مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ مذہبی غیرت میں بے مثال تھے۔

کشف کرامات

کرامات کے بارے میں شرح عقائد نسفی میں اہلسنت و جماعت کا عقیدہ مذکور ہے کہ ''کَرَامَاتُ الْاَوْلِیَاءِ حَقٌّ'' یعنی اولیائے کرام کی کرامات برحق ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہوری اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام کی کرامات درحقیقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات ہیں جو بعد از وفات آپ کی روحانیت سے صادر ہو رہے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں ''اَلْوِلَایَۃُ تَحْتَ النُّبُوَّۃِ'' ولایتِ نبوت کے زیرِ اثر ہوتی ہے بلکہ اس کی صداقت اور اس کی حقانیت کو آدمی کی سیرت و کردار میں تلاش کرنا چاہیے مثلاً ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ اقدس دیکھتے ہی ایمان لے آیا اور ساتھ ہی اس نے کہا۔ ''ھٰذَا الْوَجْهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ'' یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں'' اس طرح اولیائے کرام سے ان کی صداقت کی اعلیٰ نشانی یہ ہے کہ وہ اسوۂ نبوی پر استقامت سے عامل ہوں۔ اُسے اللہ تعالیٰ نے عظیم معجزے کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور فرمایا! ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'' تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس اسوۂ حسنہ کا اعلیٰ معجزہ ہے۔ کرامت آیتِ ربانی ہے جو ولی کے ہاتھ پر تائیدِ دین کیلئے نمودار ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا ذکر ایمان ہے، ایک مرتبہ ایک مرد اور عورت روتے ہوئے حضرت مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور عرض کی: ''حضور!...... ہماری شادی کو دس سال ہو گئے ہیں، اولاد کی نعمت سے محروم ہیں، بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں کے پاس گئے تو وہ کہتے ہیں کہ اولاد ہونے کا امکان نہیں۔ پیروں فقیروں کے پاس گئے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ آسیب وغیرہ کا چکر ہے، ہم تو سائیں بہت پریشان ہیں اور آپ کے دروازے پر خالی جھولی بڑی امید سے لے کر آئے ہیں، حضور مہربانی فرمائیں دعا بھی کریں اور تعویذ بھی

دیں" آپ نے فرمایا: "میاں!...... میں تو ایک عاجز بندہ ہوں میری کیا اوقات کہ دم بھروں؟ اللہ تعالیٰ خالق و مالک ہے اس کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں ان شاء اللہ کارسازی ہو جائے گی۔" حضرت مولانا نور محمد نے دعا فرمائی اور تعویذ بھی لکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹا عطا فرمایا اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد عطا فرمائی ہے۔ جانوروں میں گل گھوٹو اور منہ باڑہ وغیرہ کی بیماری پھیلی تو لوگ حضرت صاحب کی طرف متوجہ ہوئے، آپ بیمار جانوروں کا علاج اس طرح کرتے رہے، یعنی پاک چادر میں قرآنِ پاک رکھ کر اس میں خشک شیرینی ڈال کر دو نمازی بندوں کو چادر کے کونے پکڑا کر اوپر اٹھواتے اور جانوروں کو اس چادر کے نیچے سے گزارنے کا حکم دیتے تھے اور لوہے کا کڑا دستے والا اوپلوں (گوہے) کی آگ میں گرم کراتے، کڑا گرم ہو کر سرخ ہو جاتا تو کڑے کو باہر نکال کر اسے پاک لکڑی پر رکھ کر اس پر اپنی ایڑی رکھ دیتے تھے جس وقت ایڑی اس سخت گرم کڑے پر رکھتے تو درود شریف 7 دفعہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی 7 دفعہ اور پھر درود شریف 7 دفعہ پڑھ لیتے تو وہ گرم سرخ کڑا آپ کی ایڑی کو جلاتا نہ تھا، اس کے بعد گرم سرخ کڑے کو جانوروں کی کوکھ پر لگاتے جس سے جانور کا چمڑا جل جاتا اور وہ جانور اچھلنے کودنے لگ جاتا پھر اس کڑے کو پانی میں ڈال دیتے جس وقت کڑا ٹھنڈا ہو جاتا تو اس پانی کے اوپر مذکورہ بالا کلام پڑھ کر دم کرتے تھے۔ پانی جانور پر ڈالتے اور خیر خیر کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جانورں کی بیماری دور ہو جاتی تھی اور جانور شفا پا جاتے تھے۔ اسی طرح کھیت کی بیماری میں بھی لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ فصلوں کی بیماری دور کرنے کیلئے پانی یا ریت پر دم کر دیتے تھے فصلوں کی بیماری دور ہو جاتی تھی۔

آپ کی سادگی

حضرت مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سادہ خوراک کھاتے، اور کم کھاتے تھے، مہمانوں کیلئے گھر سے کھانا خود اٹھا کر لاتے۔ بال بچوں کا خاص خیال رکھتے تھے، جب آپ بازار میں تشریف لے جاتے تو نگاہیں نیچی رکھتے اور

تیز قدموں سے چلتے تھے اور خریداری خود کرتے تھے۔ کھیتی باڑی آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔

وفات حسرت آیات

رمضان المبارک کی 9 تاریخ کو حضرت مولانا نور محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے والدِ ماجد کا عرس مناتے تھے۔ مرضِ وصال میں آپ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ راقم الحروف کو بلاؤ! مگر انہوں نے کہا کہ عرس قریب آ گیا ہے وہ خود آ جائیں گے۔ راقم الحروف ان ایام میں بحکمِ قبلہ حضور غزالئ زماں ملتان میں دربار پیر سید محمد اکبر شاہ صاحب علیہ الرحمۃ پر خطابت اور تدریس کی ذمہ داریاں انجام دے رہا تھا۔ جب بندہ حسبِ معمول عرس میں شرکت کے لیے روانہ ہوا تو گھر پہنچنے سے پہلے راستوں کی بے رونقی دیکھ کر پریشان ہوا اور کہنے لگا کہ "اللہ خیر کرے" جس وقت گھر پہنچا تو اپنے والدِ گرامی کو شدید تکلیف میں مبتلا دیکھ کر پریشان ہوا، والد بزرگوار کی قدم بوسی کی آپ نے اشارے سے اپنے پاس بلایا اور اپنے سینے سے لگا کر جو کچھ ارشاد فرمایا جس کے الفاظ کچھ یوں ترتیب پائے: "میرے بیٹے ...... اللہ تمہاری حیاتی دراز کرے، مجھے تمہارا ہی انتظار تھا اچھا ہوا کہ تم آ گئے ہو، میرا بلاوا آنے والا ہے جب تک بلاوا نہیں آ جاتا تم میرے پاس رہو اور میری خدمت کرتے رہو۔ یاد رکھو! زندگی کے ہر قدم پر محبت کے باغ کے پھول بکھیرنا، علم دین کا ہو یا دنیا کا قلب و روح کیلئے باعث تسکین ہوتا ہے، لہٰذا جو اچھی بات سنو اسے یاد کر لو، اور اس پر عمل کرو" راقم اپنے والد ماجد کے فرمان کے مطابق باقی وقت شب و روز اپنے والد ماجد کی خدمت میں مصروف رہا اس دوران قبلہ والدِ گرامی مجھے دینی، علمی، روحانی باتیں سناتے رہے اور آئندہ کے حالات کی نشاندہی کرتے رہے۔ 12 رمضان المبارک کو ظہر کی نماز کے بعد آپ کو نیند آ گئی نیند کی حالت میں خراٹے کی آواز نکلتی تھی، حافظ محمد سعید خاں طبع پرسی کیلئے آئے تو مولانا نور محمد خان منہ پر کپڑا ڈال کر سو رہے تھے۔ حافظ صاحب نے سمجھا کہ جانکنی کا وقت ہے اس لیے انہوں نے باآوازِ بلند سورۃ یٰسین شریف پڑھنی شروع کر دی۔ سورۃ کا کچھ حصہ پڑھ چکے تو آپ نے منہ سے کپڑا ہٹا کر فرمایا "حافظ جی تم جس نیت سے

سورۃ یٰسین پڑھ رہے ہو وہ وقت ابھی نہیں آیا، جب آئے گا تو میں خود بتا دوں گا'' حافظ صاحب بہت شرمسار ہوئے اور کہنے لگے ''حضرت صاحب ایک خدا رسیدہ بزرگ ہیں'' قبلہ والدِ گرامی نے ایک دن رحلت فرمانے سے پیشتر مجھے فرمایا ''بیٹا! جمعرات کے دن عصر کی نماز کے وقت ہم اس دنیائے فانی سے چلے جائیں گے، ہمارا انتظام ٹھنڈے وقت کر لینا'' چنانچہ حسبِ پیش گوئی فقیر اس وقت نماز عصر کی امامت کر رہا تھا اور پہلی رکعت کے پہلے سجدے میں تھے کہ حضرت مولانا نور محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی روح مبارک جسدِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ وہ دن (15 رمضان المبارک 1399ھ مطابق 9 اگست 1979ء 25 ساون 2036) جمعرات کا تھا جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کیلئے یومِ فردوس کا دن بنا، وہ وقت دن کے اوقات میں سے افضل تھا جو کہ حضرت صاحب کیلئے یوم الوصال کا وقت بنا۔ حضرت مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی خبر اسی وقت پورے علاقہ میں پھیل گئی، کشاکش لوگ دوڑ کر آ گئے، غسل ہو گیا، رات کو حضرت مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی میت مبارک پر قرآن خوانی ہوتی رہی۔ کلمہ پاک کا ورد جاری رہا، درود شریف کے دور چلتے رہے، ہر طرف خوشبوؤں کے حلے تھے جو گھر و در کو مہکا رہے تھے۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا منظر عجب تھا، سبحان اللہ ہر شخص یہی کہہ رہا تھا کہ ایک ولی اللہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ جمعہ کے دن صبح 8 بجے نماز جنازہ ادا کی گئی، نماز جنازہ میں اللہ والوں کی کثیر تعداد تھی۔ آنے والوں کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ حسبِ فرمان حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ راقم الحروف نے حضرت مولانا علامہ منظور احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے نماز جنازہ کی امامت کے فرائض انجام دیئے۔ حافظ محمد سعید نے ختم شریف پڑھا اور علامہ فیضی علیہ الرحمۃ نے دعا کرائی۔ جب آپ کا جنازہ اٹھا تو حافظ حاجی شمس الدین میتلہ اور جناب صوفی گل محمد خان نے نعت خوانی شروع کر دی اور سارا راستہ نعت خوانی کرتے گئے۔ آپ کو آبائی قبرستان بستی پیرن آرائیں نزد جامعہ السعید بستی ارائیاں میں دفن کیا گیا۔ دفن سے قبل مولانا حافظ غلام محمد صاحب ناجی فیضی نے قرآنِ مجید کے کئی ختم کر دیئے اور جب آپ کو قبر میں اتارا جا رہا تھا تو اچانک ایک بادل نے قبرستان کو

گھیر لیا اور برسنے لگا، نعت خوانی ہو رہی تھی تو بارش نے رونق کو دوبالا کر دیا اور بتا دیا کہ اللہ والوں کے انتقال پر آسمان روتا ہے، بادل روتا ہے، دنیا روتی ہے، مدینۃ المنورہ کے تبرکات ان کی قبر میں ایک طاق بنا کر اس میں رکھ دیے گئے اور قبر کو بند کر دیا گیا، ختم شریف پڑھا گیا، مولوی غلام حسن خان نے اذان دی اور دعا مانگ کر کاندھی رخصت ہوئے۔ ختم چہلم پر حضور غزالئ زماں، رازیِ دوراں، امامِ اہلسنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی، پیر طریقت حضرت قبلہ پیر سید عبدالحمید شاہ بخاری، شیخ وقت حضرت قبلہ پیر سید عبدالعزیز شاہ بخاری، حضرت علامہ مولانا پیر سید جمیل احمد شاہ کاظمی، مناظر اسلام علامہ منظور احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہم، عارف باللہ حضرت مولانا محمد ظریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ، خطیبِ اسلام علامہ نذیر احمد قریشی، خورشیدِ ملت، بلبلِ چمنستانِ رسالت حضرت مولانا خورشید احمد فیضی، مخدوم الملک حضرت قبلہ مخدوم سید شمس الدین گیلانی، شیخ حمید اللہ صاحب، ملک محمد رمضان صاحب للو اور ملک منظور احمد صاحب للو سید محمد شاہ، حکیم محمد شفیع، سید نور شاہ کے علاوہ بہت سارے علماء مشائخ اور معززین نے بھی شرکت کی۔

علامہ سید احمد سعید کاظمی کی تبع پرسی و تعزیت نامہ

حضرت مولانا نور محمد خان وصال سے پہلے مثانے میں غدود کی تکلیف میں مبتلا تھے۔ اسی دوران راقم کو بھی ذات الجنب ہو گیا تھا، ابا جان مجھے بہاولپور وکٹوریہ ہسپتال چیک کرانے کیلئے گئے وکٹوریہ کے ڈاکٹر حسن عسکری کا نام سنا تو اس کے پاس گئے انہوں نے کہا کہ علامہ صاحب کو چیسٹ چیک کرنے والے کے پاس لے جاؤ! ڈاکٹر حسن عسکری نے آپ کو آپریشن کرانے کا مشورہ دیا بلکہ داخلہ بھی بنا دیا۔ اس وقت ڈاکٹروں میں مریضوں کے ساتھ جذبۂ ہمدردی کا عنصر عروج پر تھا اور فیس لے کر مریض چیک کرنے کا رواج نہ تھا اور نہ ہی ہزاروں روپے کا نسخہ لکھ کر کمیشن وصول کرنے اور مریض کو پریشان کر دینے کا تصور تھا۔ ہم گھر آ گئے اور آپ تیاری کر کے تاریخ مقررہ پر ڈاکٹر صاحب کے پاس پہنچ گئے انہوں نے آپریشن کر دیا اور چند دنوں کے بعد چھٹی کر دی۔ آپ نے راقم الحروف کو ڈاکٹر

عبدالخالق شکرانی (احمد پور شرقیہ) سے چیک کرایا اور دوائی لی تو مجھے شفا مل گئی۔ آپ جب گھر واپس آ گئے تو راقم الحروف نے آپ کے آپریشن ہو جانے کی اطلاع اپنے مرشد کریم قدس سرہ العزیز تک بذریعہ خط پہنچائی قبلہ کاظمی کریم نے طبع پرسی کیلئے جو خط ارسال فرمایا اس کا مضمون یہ ہے۔

مکرم و محترم مولانا سراج احمد صاحب۔ القادری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا خط ملا۔ بہت خوشی ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ آپ کے والد صاحب کا آپریشن کامیاب ہو گیا ہے اور بحمدہ تعالیٰ آپ ہی روبصحت ہیں خدا کا شکر ہے پیر صاحب (حضرت پیر قبلہ سید عبدالحمید شاہ صاحب بخاری سجادہ نشین دربار پیر سید محمد اکبر شاہ بوسن روڈ ملتان) آپ کی آمد کے سخت منتظر ہیں کب تک آنے کا پرگرام ہے۔ یہاں ہر طرح خیریت ہے سب سلام عرض کرتے ہیں۔ آپ کے والد ماجد اب ٹھیک ہوں گے ان کی خدمت میں بہت بہت سلام مسنون عرض ہے سب دوستوں، پیر بھائیوں کو بہت بہت سلام کہہ دیجئے۔

والسلام

سید احمد سعید کاظمی

حضرت مولانا نور محمد اپنے پیر و مرشد حضور غزالئ زماں کی دعاؤں سے روبصحت ہو کر شفا یاب ہو گئے اور خیرات کا انتظام کیا۔ برادری اور اہلِ علاقہ تشریف لائے، طبع پرسی کی، کھانا کھایا، حسبِ دستور آپ سے حالات پوچھے، ڈاکٹر کے ایک رشتہ دار حاجی رحمت اللہ خان ولد حاجی محمد بخش خان جو عرصہ دراز سے مکۃ المکرمہ میں قیام پذیر ہیں اپنے وطن آئے ہوئے تھے وہ بھی تشریف لائے اور آپ کو اپنے گھر کھانے کی دعوت پیش کی۔ آپ نے دعوت قبول فرمائی اور دعوت والے دن راقم کے ساتھ ان کے پاس چلے گئے۔ انہوں نے بکرا ذبح کر کے پرتکلف کھانے کا انتظام کیا، وہاں بھی چند لوگ تشریف فرما تھے آپ کو ملے اور حالات سے آگاہی چاہی۔ آپ نے سب کے ساتھ خندہ پیشانی سے حالات شیئر کیے،

کھانا تناول کیا، گھر آ گئے حسبِ دستور اپنے معمولات میں مشغول ہو گئے، کچھ عرصہ بعد آپ کو بخار آیا اور ''مرض بڑھتا رہا جوں جوں دوا کی'' کا مصداق بن گیا۔ راقم مدرسہ غوثیہ سعیدیہ اکبریہ (ملتان) چلا گیا، اور مجھے اپنے والد ماجد کی بیماری کا علم نہ ہو سکا، اس وقت فون کا سلسلہ نہ ہونے کے برابر تھا، لوگ کہنے لگے کہ مولانا نور محمد خان کو کسی کی نظر بد نے یہاں تک پہنچا دیا ہے۔ بالآخر وہ ماہِ رمضان میں جنت الفردوس کی طرف سدھارے، ان کے وصال کی خبر حضور غزالیٔ زماں قدس سرہ العزیز کو ملی تو انہوں نے تعزیت نامہ ارسال فرمایا۔ تعزیت نامے کا مضمون ملاحظہ ہو۔

محترم جناب مولانا سراج احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

سلام مسنون!

مزاج شریف، ابھی ابھی آپ کے والدِ معظم کی وفات کی اطلاع ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ نہایت شدید صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ اور آپ کے سب پس ماندگان و جملہ متعلقین کو صبر جمیل اور اس پر اجر جزیل عنایت کرے۔ عزیز محترم یہ مرحلہ ہر ایک کو پیش آنا ہے، بیشک والدین جیسی کوئی نعمت نہیں لیکن قانونِ قدرت یہی ہے۔ بجز صبر و شکر کے چارہ نہیں، مشیتِ ایزدی میں کوئی دخیل نہیں ہو سکتا، صبر کیجئے اور سب کو صبر کی تلقین فرمایئے اور مرحوم کو تلاوت قرآنِ پاک کا ثواب پہنچایئے اور ان کی مغفرت کیلئے دعا فرماتے رہیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و مددگار ہو۔ آمین۔ سب کو بہت بہت سلام۔

سید احمد سعید کاظمی غفرلہ

ایسی ہستی کی جدائی میں پورا علاقہ سوگوار تھا پھر اہلِ خانہ کا کیا حال ہو گا۔ اس کے باوجود تعزیت کے لیے آنے والے جب آتے تو انہیں قرآنِ مجید کے پارے یا پھر کلمہ شریف اور درود پاک کیلئے گٹھلیاں نظر آتیں۔ باوضو حضرات انہیں پڑھنے بیٹھ جاتے۔ بغیر وضو والے وضو بناتے اور اس نیک کام میں شریک ہو کر تعزیت کرتے۔ حضور غزالیٔ زماں کے تعزیت

نامے نے سوگوران کی ہمت بڑھائی، حوصلہ دیا، شکیبائی کو دور کیا، اور تلاوت، کلمہ و درود شریف زیادہ سے زیادہ پڑھے جانے والے اعمال میں اضافہ ہو گیا۔

حضرت مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی نعت خوانی و نعت گوئی میں گزری ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت وثنا، تعریف و توصیف میں مگن ہو جانا اور اس میں وارفتگی اختیار کر لینا صرف جنون ہی نہیں بلکہ ایک عبادت ہے کیونکہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ذِکْرُ الْاَنْبِیَاءِ مِنَ الْعِبَادَۃِ وَذِکْرُ الصَّالِحِیْنَ کَفَّارَۃٌ'' انبیائے کرام کا ذکر عبادت ہے اور صالحین کا ذکر گناہوں کا کفارہ ہے۔ آپ اس عبادت میں ایسے مشغول ہوئے کہ نعت خوانی کرتے کرتے نعت گوئی کی سعادت حاصل کر لی۔ نعت کی صورت میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی والہانہ محبت ملاحظہ ہو۔

محمد مرکز جان محبت
محمد روح ایمان محبت
محمد تاجدار دو عالم
محمد شاہ سلطان محبت
محمد زینت بزم ہستی!
محمد رنگ بستان محبت
محمد دی محبت ہے پوری فضا وچ
مدینہ ڈیکھو ایوان محبت
مدینے ونج تے کھل ویندی قسمت
اُتھاں تھیندے عرفان محبت
زباں تے ہر گھڑی ہے یا محمد
ایہو پکا عنوان محبت

بے قراری سالک دی کیویں آکھاں
وڈی دولت وجدان محبت

دیگر

حق دی رحمت دعا کرو جو ملے
سئیں دی الفت دعا کرو جو ملے
عشق احمد نصیب تھیوے سب کوں
ایہ مسرت دعا کرو جو ملے
حاضری دے کیتے میں روواں ودا
باب رحمت دعا کرو جو ملے
پنجگانہ ادا ہووے اُوں در اُتے
سر کوں لذت دعا کرو جو ملے
فکر دنیا نہ ہوسی اُتھاہیں
ایہ فراغت دعا کرو جو ملے
ونج تے وَلا نہ آوُں اِڈاہیں
اَنجھی قِسمت دُعا کرو جو مِلے
سالک بے چارہ روندا تے رَڑدا
اجازت زیارت دعا کرو جو ملے

دیگر

طیبہ دی ہے خواہش ایہو ارمانے
باقی تاں ہے جو کجھ ہِک خواب پریشانے
اُوں نُور مجسّم تے قربان دِل و جانے
جیندے کیتے میں ہاں جیندے اُتے ایمانے

بطحا دا طالب شاناں والا
بطحا ساڈی زندگی دا عنوانے
جتھاں پیا ونجیں اَھدن جہان والے
بطحا دی تجلی ہے تے چمک دا نشانے
فردوس بداماں ہے ہر گلی طیبہ دی
بطحا دا ہر ذرہ رشک مہ تابانے
سالکؔ صدق توں عاشق سئیں دا
ہے دین میڈا بطحا، بطحا میڈا ایمانے

دیگر

اُوں جہان کرم اُوں گلی دی گالھ کرو
بیا کجھ نہ بولو کُوئے نبی دی گالھ کرو
میکوں سناوٗ نہ عقل وخرد دے قصے
اتھاں جو ملدی ہے اوں بیخودی دی گالھ کرو
ڈکھاوٗ میکوں ہن طیبہ دے نظارے
سکون روح سکون دلی دی گالھ کرو
ڈساوٗ میکوں سئیں دے کرم دا اشارہ
گالھ کروتاں ایں عادت بھلی دی گالھ کرو
اُتھاں جو ملدے ڈسا سگدے کوئی میکوں
سخی ڈکھاوٗ اتجھا اتجھے سخی دی گالھ کرو
مدینے دے گدا دنیا دے سکندر ڈِسدِن
سالکؔ تنگ جھولی اپنی کمی دی گالھ کرو

دیگر

دستگیر جہاں محمد ہن
شفیع عاصیاں محمد ہن
راز ایہ کھل گیا ہے سارا
منزل عارفاں محمد ہن
پچھ گھنو ہن سارے ڈسیندن
ہادی انس و جاں محمد ہن
وظیفہ ہے عشق دے شاہ دا
مقصد عاشقاں محمد ہن
جگ جتنا ہن زمانے وچ
سب دے روح رواں محمد ہن
ختم سئیں تے تھئی ہر نعمت
ختم پیغمبراں محمد ہن
سالک ہے بردا محمد دے دردا
میڈے مقصود جاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہن

دیگر

سنو شاہ بیکس نواز مدینہ
کرو میکوں سرفراز مدینہ
جبیں ہے کیا اپنا دل جھکا ڈیساں
میسر جو آوے نماز مدینہ
میڈا دل ہے زخمی طیبہ دی دوری
کرم کرو چارہ ساز مدینہ

میں شمع طیبہ دا پروانہ بناں
الٰہی ودھا ڈے گداز مدینہ
اِتھوں دی تجلی زمین وزمن وچ
جہاں ہے روشن ایہ راز مدینہ
تمنا ہے سالکؔ ایہ دنیا پکارے
غلام مدینہ ایاز مدینہ

دیگر

کیا ڈساواں کیا ہے مدینہ
ابتداء ہے مدینہ انتہا ہے مدینہ
رحمت دے کیتے نہ پریشان تھی
رحمت دو سرا ہے مدینہ
عشق دا راز کوئی راز کائے نی
عشق دا مدعا ہے مدینہ
بھر گھنو جُل تے مرادیں دی جھولی
مرکز لطف و عطا سے مدینہ
سجدہ شکر ڈیوو ہر قدم تے
جانِ شکرِ خدا ہے مدینہ
اے طبیبو خبر تساکوں وی ہے
ہر مرض دے دوا ہے مدینہ
بئی طلب نی رہی کوئی سالکؔ
مقصد مدینہ مدعا ہے مدینہ

دیگر

آمنہ دے گھر احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جایا وقت جمن دے رنگ لگ گئے
مشرق مغرب نور سوایا وقت جمن دے رنگ لگ گئے
آدم کوں جیں ڈینہ بہشتوں نکالیا
ایں لجپال اوندا غم ہا ٹالیا، غم ہا ٹالیا
بھل بخشویندے، پت رکھویندے تھورا لیندے
جد انبیاء دا بھرم رکھایا وقت جمن دے رنگ لگ گئے
حوراں پریاں رل مل آئیاں
آسیہ، مریم بن کر دائیاں، بن کر دائیاں
چم چم جاون سہرے گاون خوش تھی الاون
جبریل بنیا جیندا دایا وقت جمن دے رنگ لگ گئے
ڈیون مبارک مرسل تمامی
کعبہ وی جھک کردا سلامی، کردا سلامی
آکھن ہے آیا مطلبؒ دا جایا، بخت سوایا
واہ واہ نور ودھایا وقت جمن دے رنگ لگ گئے
طائف دیاں دائیاں مکے وچہ آیاں
چُن چُن بال امیراں دے چاون، امیراں دے چاون
حلیمہؓ پئی چیندی، ٹھر ٹھر ویندی بخت ازمیندی
دریتیم نے گل نال لایا وقت جمن دے رنگ لگ گئے

دیگر

عرشیں تے فرشیں شاہی مدنی دا راجے
گل وچ سہرے، سرتے طٰہٰ دا تاجے

خالق قسماں چیندے تیکوں میں یار ڈیساں
قاب قوسین والی کرسی توں پار نیساں
جیویں توں راضی تھیں اوہو سنگھار ڈیساں
حوراں نے جنت تیڈی امت دا ڈاجے
مرسل سلامی ڈیندے رات سونوارے
ملک پئے پیر چمدے خالق دا یارے
چن پیا ٹوٹے تھیندے کر دے اشارے
چوڈاں طبق پئے سندے رحمت دی گاجے
آدم توں عیسیٰ تائیں آہدے مرسل سارے
ایندے جو نور کنوں سورج تے چن تارے
یوسفؑ لٹا دے دلڑی ان ڈٹھے مسکارے
عاشق پھساون ایندا ازلی رواجے
آکھے بلالؓ، سوہنے عربی کوں ڈیکھا کیویں
باجوں ڈیکھن دے ساری دنیا تے جیواں کیویں
بانگا بلالؓ بن تے منبر تے تھیواں کیویں
عرشی تے فرشی سُندے بانگے دے واجے
روح الامین آکھے تیکوں میں آن ڈٹھے
مرسل نبیاں سب تو ودھ کے میں شان ڈٹھے
ہمصر نہ ثانی تیڈا کون ومکان ڈٹھے
ادنیٰ منی والا تیڈا معراجے
سالک کوں بردا جوڑی در تے سڈاؤ سوہنا
سفر مدینے والا جلدی کراؤ سوہنا

تانگھاں تگھیندی دلڑی سکاں لہاؤ سوہنا
اکھیں تسدیاں رہیاں ڈیکھن دے باجھے
عرشیں تے فرشیں شاہی مدنی دا راجے
گل وچ سہرے سر تے طٰہٰ دا تاجے

دیگر

تیڈا ناں ہے سوہنا سدا یا محمد
میکوں در اپنے تے سڈا یا محمد
تیڈیاں صفتاں سُندیں ٹھردے ایہ سینہ
بھاندی ہے تیڈی ہر ادا یا محمد
تیڈا خلق ہے اُچا سارے جہانوں
ڈتو دشمن کوں چادر وچھا یا محمد
تیں جہاں نیں آیا زمین وزمن وچ
نی جمیا ایجھا کہیں ما یا محمد
ایں سکدے تے سڑدے برباد بروچ
ہک پھینگ رحمت دی وسا یا محمد
کڈان آسے وارا چمیساں او جالی
میکوں ہن تاں روضہ ڈکھا یا محمد
ایں رڑدی تے روندی بانہی کون جانی
پکڑتے گڈ اپنے بلھا یا محمد
ایہ عاجز تے سالک دی عرضی ہے آقا
خالی نہ پندی کوں ولا یا محمد

دیگر

میڈے دل دی بگڑی بنا ڈے نبی سئیں
میکوں صورت اپنی ڈکھا ڈے نبی سئیں
توں محبوب رب دا رب تیڈا عاشق
میکوں اپنے دامن لگا ڈے نبی سئیں
تمنا ہے میڈی مدینے ڈو آواواں
میڈی آس ایہا پجا ڈے نبی سئیں
نی بھاندی اِتھوں دی ہوا میکون سوہٹا
میکوں ہن مدینہ ڈکھا ڈے نبی سئیں

دیگر

ایویں سرخرو نت مسلمان ہووے
تے دل کیوں نہ مولا مہربان ہووے
مبارک تیکوں سوہنا رمضان آگئے
تے دنیا سبھی دا ایہ مہمان آگئے
رل مل دا یارو سبق تاں پڑھا گئے
پڑھن دے کیتے اِے قرآن ہووے
جیکر شان ایندا جو تئیں خود جاتے
ایہ جنت دا رستہ تے مقصود پاتے
نبیاں دا سردار خود آپ آتے
سالکؔ دا شالا نگہبان ہووے

دیگر

جیکر شالا مدینے والا نظر کرم فرماوے چا
والی عرب عجم دا میڈا اجڑیا اگن وساوے چا

بشری ویس وٹا کر آیا مکھ پریم دا برقعہ پایا
روپ ڈکھا تے جگ برمایا
روندی خلق رہاوے چا!
برقعہ یمنی برد یمانی پا کر آیا دلبر جانی!
صل علیٰ دی کراں مہمانی
پھیرا وفا دا پاوے چا
روضے پاک تے روز ڈہاڑی
ڈیواں پلکاں نال بو ہاری
سید عربی جے ہک واری اپنے کول سڈاوے چا
جلدی شہر مدینے ویساں ونج تے سارے دردسنیساں
سارے اپنے گناہ بخشویساں سئیں منظور فرماوے چا
نام نبی توں صدقے جاواں روضے پاک توں گھول گھماواں
پراں نال میں اُڈ کے آواں رب رسول ملا وے چا
وقت نزع امداد کوں آوے کلمہ پاک یاد ڈیواوے
خاتمہ بالخیر کراوے جنت وچ پہنچاوے چا
منگے عاجز سالکؔ دعائیں یا رب سانگا جوڑ دکھائیں
حسنین دے صدقے عربی سائیں شفقت نال الاوے چا

حضرت مولانا حسام الدین اویسی رحمۃ اللہ علیہ

سلطان العاشقین شمس العارفین مفتی اعظم مولانا محمد حسام الدین اویسی المعروف مولانا محمد حکیم سونہارا اویسی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی ولادت جام پور کے مشرق میں دریائے سندھ کے کنارے موضع ہریوجواب کوٹلہ دیوان کے نام سے مشہور ہے اس میں تقریباً 1891ء میں سلطان الاولیاء حضرت حافظ عبدالواحد اویسی کے گھر میں ہوئی۔ جو صاحبِ کرامت اور

سلسلۂ اویسیہ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ ابتدائی تعلیم ناظرہ قرآن مجید ہریو میں پڑھا۔ والد صاحب کی وفات کے بعد فارسی کی ابتدائی کتابیں جھگی والا میں پڑھیں۔ کوٹ خلیفہ میں مولوی جندوڈے صاحب کے پاس بھی پڑھتے رہے، بقیہ تعلیم فارسی، عربی اپنے برادر قلندرِ وقت، پیر طریقت، حضرت مولانا عبداللہ اویسی صاحب کے پاس مکمل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد سجادہ نشین دربار عالیہ جلالیہ سرخپوش بخاری مخدوم الملک مخدوم سید ناصر الدین ثامن نے آپ کو دربارِ عالیہ جلالیہ کی مسجد و مدرسہ میں امام و مدرس بنا دیا۔ آپ مدرسہ جلالیہ میں بہت محنت کے ساتھ فقہ، حدیث قرآن شریف کی تفسیر اور حکمت کی تعلیم دیتے رہے، ہزاروں طالب علموں نے تعلیم حاصل کی۔ جن میں مخدوم ناصر الدین ثامن، مخدوم سید نو بہار سائیں، مخدوم سید غلام اصغر بخاری، مخدوم سید منظور حسین سائیں ولی عہد غلام اکبر مخدوم سید عون محمد بخاری، مخدوم سید خیرات حسین بخاری، مخدوم سید برات حسین بخاری، سید غوث محمد شاہ بخاری، سید نازک علی شاہ، علامہ دین محمد عباسی، مولانا محمد ظریف صاحب فیضی، خلیفہ منظور احمد مصنفِ گلزارِ محمدی یعنی ہزاروں لوگوں نے فیض حاصل کیا۔ سید شبیر حیدر شاہ صاحب بھی پڑھتے رہے۔ دربارِ عالیہ جلالیہ میں مولانا صاحب نے متواتر 40 سال خدمت کی، مولانا صاحب نے ساری زندگی ذکرِ خدا اور عشقِ مصطفیٰ میں گزار دی۔ ریاست بہاولپور کے نواب صادق محمد کے دورِ حکومت میں تمام شرعی مسائل عدالت میں مستند مفتیوں کے فتویٰ کی روشنی میں حل کئے جاتے تھے۔ مولانا کا فتویٰ نواب صادق محمد عباسی کی عدالت میں مستند مانا جاتا تھا۔

جب فتنۂ مرزائیت کھڑا ہوا تو مولانا صاحب نے اوچ شریف میں فتنۂ مرزائیت سے لوگوں کو آگاہ کیا اور دور دراز علاقوں میں جا کر بھی اس کی وضاحت کی۔ جب پاکستان و ہندوستان آزاد ہونے لگے تو اس وقت دو مفتی اعظم تھے ایک قلندرِ وقت، حضرت مفتی مولانا محمد عبداللہ اویسی فیض پوریؒ اور دوسرے شمس العارفین، مفتی مولانا محمد حسام الدین اویسی۔ قاضی کا عہدہ بھی تاحیات آپ کے پاس رہا ایک دفعہ محمد سلیم احمد اویسی کی حضور قبلہ

دین محمد شاہ صاحب سے مہر آباد شریف ملاقات ہوئی جو سجادہ نشین دربار حضرت مسو شاہ تھے۔قبلہ دین محمد شاہ صاحب نے بتایا ایک دفعہ میں اپنے والدِ محترم کے ساتھ دربارِ حضرت مخدوم جہانیاں پر گیا وہاں بالمشافہ سرکار مخدوم جہانیاں کی زیارت کی۔ سرکار نے داڑھی مبارک کو مہندی لگائی ہوئی تھی، زیارت کر کے واپس آنے لگے تو محترم والد صاحب نے کہا کہ مولانا حسام الدین اویسی صاحب کو مل کر جائیں۔ جب حضرت صاحب کو ملے تو والد محترم نے حضرت صاحب سے پوچھا سرکار مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ نے مہندی لگائی ہوئی تھی۔ آپ بتائیں سرکار نے کتنی مرتبہ مہندی لگائی ہے؟ میں بھی حضور کی سنت پر عمل کرلوں تو حضرت مولانا حسام الدین اویسی صاحب نے بتایا تقریباً سات دفعہ سائیں نے مہندی لگائی ہے۔ میرے والد محترم نے پوچھا: مولانا صاحب ہم تو یہاں آتے ہیں تو زیارت ہوتی ہے اور آپ کی حالت کیا ہے؟ حضرت مولانا صاحب نے جواب دیا: فقیر کو جب بھی خواہش زیارت ہوئی تو حضور مخدوم جہانیاں قدس سرہ نے اسی جگہ پر کرم فرما دیا۔ حضرت مولانا صاحب اپنے وقت کے بہت بڑے حکیم تھے کیونکہ حکمت خاندانی وراثت میں آ رہی تھی، آپ حکمت کے ماہر تھے، اوچشریف نئے نئے آئے تو ایک دن سرکار مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ کی بالمشافہ زیارت کی۔ سرکار نے کہا: مولانا حکمت کا کام کیوں نہیں کرتے؟ مولانا صاحب نے جواب دیا: حضور! مجھے یہاں کون جانتا ہے؟ سرکار مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نسخہ عطا کیا اور کہا: تمہاری حکمت چلے گی، دوا دے دیا کرو اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرمائے گا۔ مشہورِ زمانہ بات ہے کہ جسے جو مرض ہوتا ایک میاں (یعنی ایک روپیہ) کی ایک کڑوی بوتل دیتے اللہ تعالیٰ شفا فرماتا اور بغیر نبض دیکھے مرض بتا دیتے تھے۔ آخر میں مولانا صاحب کو فالج کی بیماری ہوئی، بہاولپور وکٹوریہ ہسپتال داخل رہے اور وہاں وصال ہوا اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزارِ مبارک سرکار مخدوم جہانیاں جہانگشت کے شاگرد مولانا سراج احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہے۔ آپ کی اولاد میں حکیم مولوی محمد شفیع، مولوی منظور احمد، مولوی حبیب احمد، مولانا فیض احمد اویسی، مولوی محبوب احمد، مولوی عزیز احمد،

مولوی ظہور احمد ہیں۔

شمس العلماء مناظر اسلام محقق اعظم علامہ محمد فیض احمد اویسی قادری اوچی

علامہ فیض احمد اویسی جامعہ سراج العلوم خانپور میں علامہ عبدالکریم فیضی، سراجِ اہلسنت حضرت علامہ حافظ سراج احمد درانی سے پڑھتے رہے۔اس کے بعد جامعہ نعیمیہ مفتی محمد حسین نعیمی کے پاس پڑھتے رہے، اس کے بعد محدثِ اعظم رحمہ اللہ فیصل آباد کی خدمت میں کچھ عرصہ گزارا، ان کے بعد جامعہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں حضور غزالیٔ زماں رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تکمیل کی۔ حضور غزالیٔ زماں رحمۃ اللہ علیہ اویسی صاحب کو شفقت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کیونکہ علامہ اویسی صاحب کے چچا قلندرِ وقت حضرت مولانا محمد عبداللہ اویسی فیض پوری کے ساتھ حضور قبلہ غزالیٔ زماں رحمۃ اللہ علیہ کے برادر و مرشد، زبدۃ الکاملین حضور علامہ سید خلیل احمد شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اکھٹے پڑھتے تھے۔ چوہدری محمد اقبال سعیدی بھٹی کہتے ہیں ایک دفعہ میں حضور غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا وہاں مولانا اشرف سیالوی صاحب حضور غزالیِ زماں کی خدمت میں حاضر ہوئے، گفتگو ہوتی رہی، سیالوی نے ایک مسئلہ پوچھا جو فقہ جعفریہ سے تعلق رکھتا تھا۔ حضور غزالیٔ زماں نے مسئلہ بتایا اور کہا اگر مزید وضاحت چاہیے تو اوچشریف میں ہمارے خاص شاگرد محمد فیض احمد اویسی سے رابطہ کرو۔

حضرت جلال الدین بخاری کا عرس بھی اویسی صاحب نے اپنی خطابت اور امامت کے زمانے میں شروع کرایا تھا۔ علامہ اویسی صاحب سکول میں 5ویں جماعت پڑھتے تھے کہ آپ کے دادا حضور سلطان الاولیا، قطبِ وقت حافظ عبدالواحد اویسی رحمہ اللہ جن کی مزار مبارک دہلی کے موضع جام نگر میں ہے وہ اپنے بیٹے مولانا محمد حسام الدین اویسی کو خواب کے عالم میں ملے اور فرمایا: فیض احمد کو دینی تعلیم دیں، وہ اپنے وقت کا مناظر و محقق بنے گا۔ صبح کو اٹھ کر مولانا صاحب نے اپنے بیٹے کو مدرسہ میں داخل کرایا جو بعد میں بہت بڑا مناظر اور محققِ اعظم بنا۔ ہر مکتبِ فکر والے آپ کو چلتی پھرتی لائبریری کہتے تھے۔ تعلیم مکمل ہوتے ہی آپ کی نوکری محکمہ اوقاف میں امام وخطیب دربار مخدوم جہانیاں ہوگئی، سروس

کے بعد اوچشریف کو خیر آباد کہہ کر سپاہی والی ہٹی موضع نور پور جدید اپنی اراضی پر منتقل ہو گئے۔ 1992 میں بخار کی حالت میں انتقال ہوا اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزار مبارک دربار حضرت مخدوم جہانیاں کے احاطہ میں اپنے والدِ محترم مولانا حسام الدین اویسی کے ساتھ ہے۔ وصال کے دس سال بعد آثارِ قدیمہ والوں نے مخدوم جہانیاں کی دربار کی دیواروں کی مرمت شروع کی تو علامہ اویسی کی مزار کو بہت بڑا سوراخ ہو گیا۔ دیکھا تو گلاب کے پھول ویسے پڑے ہیں، خوشبو آرہی ہے یہ بات خلیفہ خادم حسین نے مولوی منیر احمد اویسی کو بتائی تھی۔ آپ کے بعد دستارِ علمیت آپ کے بیٹے علامہ محمد حسنین اویسی پر آئی جو درویش صفت اور عاشق رسول تھے، دل کے اٹیک کی وجہ سے ان کا وصال ہو گیا اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے، ان کا مزار بھی وہاں ہے۔ آپکا عرس مبارک 8 جمادی الثانی کو سپاہی والی ہٹی پر ہوتا ہے۔ علامہ اویسی صاحب حضور قبلہ خواجہ محمد دین اویسی کے مرید ہوئے۔ آپ کے مرشد بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔

اویسی صاحب فرماتے تھے: لاہور جامعہ نعیمیہ میں پڑھتا تھا، باہر گیا تو حضرت خواجہ محمد دین اویسی اور حضرت سلطان بالا دین اویسی دونوں کھڑے تھے، میں نے دونوں کی قدم بوسی کی تو حضرت خواجہ محمد دین اویسی نے میرا ہاتھ پکڑ کر حضرت خواجہ سلطان بالا دین سئیں کو دیکر فرمایا: آج سے فیض احمد آپ کا مرید ہے اور آپ کو اس کے گھرانے کی پارت ہے۔ اتنی دیر میں خواجہ محمد دین اویسی غائب ہو گئے۔ مولانا اویسی کی اولاد علامہ منیر احمد اویسی، علامہ محمد حسنین احمد اویسی علامہ محمد حسام الدین اویسی عرف طارق محمود، علامہ محمد سلیم اویسی

حضرت دی تقریر عجب ہئی بولن وچ تاثیر عجیب ہئی
گجھڑے راز عجب سمجھا گئے حضرت علامہ فیض احمد
مسلک دا پرچار کریندے ذکر نبی مختار کریندے
گھر گھر دین دا جھنڈا چا گئے حضرت علامہ فیض احمد

مستانہ مدنی دے ناں دا منگتا سائیں مخدوم جہاں دا
جیندے در دا سگ سڈا گئے حضرت علامہ فیض احمد
ہتھ، ہتھ سائیں سلطان دے آیا، کاظمی سونہڑیں سبق پڑھایا
فیض ڈوھاں دے درتوں ہاپا حضرت علامہ فیض احمد

حافظ عبدالواحد اویسی رحمۃ اللہ علیہ

قطبِ وقت، سلطان الاولیا، حضرت حافظ عبدالواحد اویسی رحمۃ اللہ علیہ درخشندہ ستارے تھے۔ اسلام کی تاریخ علم وحکمت اور طریقت ومعرفت کے درخشندہ چہروں سے بھری پڑی ہے، اولیاء اللہ نے صحرا، جنگل بلکہ ہر جگہ دینِ حق کا پیغام پہنچایا۔ ان نیک ہستیوں میں ایک قطبِ وقت سلطان الاولیاء حضرت حافظ عبدالواحد اویسی ہیں جو موضع ہریو میں پیدا ہوئے۔ جن کا نسب نامہ زمان علی شاہ ابن عون قطب شاہ سے ہوتا ہوا حضرت غازی عباس سے جاملتا ہے۔ آپ کی پیدائش کے کچھ دن بعد آپ کے والد ماجد حضرت خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا، انتقال کے بعد حافظ صاحب کی آنکھوں کی روشنی چلی گئی آپ کی والدہ ماجدہ روتی رہیں اور ہر سوموار کے دن درود شریف پڑھاتی، ایک دن کثرت سے درود شریف پڑھتے پڑھتے نیند آ گئی تو حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی فرمایا: یہ کیا کہتی پھرتی ہو کہ میرا بیٹا یتیم ہو گیا ہے؟ خبردار آج کے بعد اسے یتیم نہ کہنا۔ عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی بینائی نہیں ہے؟ فرمایا: ساتھ والے مدرسے میں داخل کرادو آنکھوں والے ان کے جوتے اٹھانے کو ترسیں گے۔ والدہ ماجدہ نے صبح کو اٹھ کر حافظ صاحب کو ساتھ والے مدرسے میں داخل کروا دیا۔ قبلہ حافظ صاحب نے تمام علوم میں اتنی مہارت حاصل کی کہ ان کا کوئی ثانی نہ رہا۔ آپ اکثر عبادت وریاضت میں وقت گزارتے تھے، آپ نے کئی حج پیدل کئے۔ 7 سال مدینہ منورہ میں حدیث شریف کا درس دیتے رہے، وہاں آپ کو حکم ہوا ہجرت کر کے دہلی ریاست کاٹھیاواڑ میں تبلیغِ اسلام کے لیے چلے جائیں۔ آپ نے وہاں جا کر ہزاروں لوگوں کو مشرف باسلام کیا اور ہریو میں بھی بہت بڑا مدرسہ جامعہ اویسیہ

تھا، جس میں ہزاروں طالب علم فقہ، منطق، فلسفہ، حدیث، تفسیر اور معرفت وطریقت کا درس لیتے تھے۔ جنات بھی آپ کے پاس پڑھتے تھے، جب بھی خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ ہریو آتے حافظ صاحب کو ملے بغیر نہیں جاتے تھے اور جب ملتے تو ایک دوسرے کے ادب میں جھک جاتے، حافظ صاحب سلسلہ اویسیہ قادریہ سہروردیہ نقشبندیہ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ آپ نے آخری عمر میں رات کا سونا ختم کر دیا تھا۔ پوری رات عبادت میں گزارتے تھے۔ آپ اکثر چھ 6 مہینے ہریو میں اور 6 مہینے ریاست کاٹھیاواڑ جام نگر میں گزارتے تھے۔ جام نگر کے مریدوں نے سوچا کہ ہمارے مرشد کی وفات اگر ریاست بہاولپور میں ہوگئی تو ہم وہاں کیسے جائیں، گے انہوں نے اس سوچ کے تحت آپ کو زہر پلا دیا تو آپ کا وصال جام نگر دہلی میں ہوا۔ وصال کے بعد جام نگر والی ماڑی سے جنات، کبوتر اور پرندوں بلیوں کی شکل میں نکلتے رہے، آپ کا مزار دہلی کی ریاست کاٹھیاواڑ جام نگر میں ہے، آپ کی وہاں کوئی اولاد نہیں ہے۔ آپ کی اولاد اوچشریف میں ہے۔ قبلہ حافظ صاحب کی تیسری پشت میں مقبول احمد صاحب ولیِ کامل اور خواجہ محکم الدین سیرانی بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ سیرانی لنگر کے نگران بھی تھے، آپ کی تیسویں 30 پشت میں حضرت عون محمد المعروف قطب شاہ ہیں جو شیخ عبدالقادر جیلانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ انہیں شیخ عبدالقادر جیلانی نے پنجاب کا قطب بنا کر بھیجا تھا۔ مقام قطبیت کی وجہ سے آپ قطب شاہ مشہور ہوئے سیال شریف کے خواجہ شمس الدین سیالوی جو کہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی چشتی کے پیرومرشد ہیں وہ بھی قطب شاہ کی اولاد میں سے ہیں۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ اویسی رحمۃ اللہ علیہ

امام المحدثین، شمس الاولیا، قلندرِ زماں حضرت قبلہ مولانا محمد عبداللہ اویسی فیض پوری آپ قطبِ زماں حضرت حافظ عبداللہ اویسی رحمہ اللہ کے گھر ہریو میں پیدا ہوئے۔ چند سال کے بعد والد محترم کا وصال ہوگیا۔ وصال کے دس پندرہ دن بعد والد محترم نے خواب میں فرمایا: فلاں مولانا کے درس میں جاؤ اسی طرح تکمیلِ تعلیم میں والد محترم نے آپ کی

مکمل رہبری کی۔ غزالئ زماں، حضور قبلہ سید احمد سعید کاظمی کے بڑے بھائی اور مرشد سلطان التارکین قبلہ سید محمد خلیل شاہ کاظمی آپ کے جماعتی تھے۔ اسی وجہ سے جب بھی حضرت غزالئ زماں اوچشریف میں آتے تو حضرت کو ملے بغیر نہ جاتے اور جب بھی چلتے بڑے احترام وادب کے ساتھ چلتے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہریوسے اوچشریف میں حضرت گنج بخش گیلانی نے دربار پر تدریس کے لیے آپ کو بلایا۔ آپ فقہ، تفسیر، حدیث اور طریقت ومعرفت کا درس دیتے رہے، ایک بزرگ آئے اور فرمایا: حضرت آپ علیحدگی اختیار کریں، بستی موہانہ میں آپ نے رہائش رکھی، وہاں جنگل تھا اور اس جنگل میں جنات رہتے تھے۔ اس جنگل میں دن کو بھی کوئی نہ جاتا تھا۔ اس جگہ کو ایسا رنگ لگایا اور ایسا فیض بخشا کہ اسے فیض پور بنا دیا۔ وہاں آپ نے درس وتدریس کا کام شروع کیا، طلباء کے علاوہ آپ کے پاس جنات بھی پڑھتے اور اکثر کام بھی جنات کرتے تھے۔ ہزاروں طالب علموں نے حدیث، تفسیر اور معرفت وطریقت کا فیض حاصل کیا۔ آپ کے وصال کے بعد ایک آدمی آیا اور قبلہ مولانا سعید احمد اویسی سے آکر ملا اور فرمایا: میں نے مولانا محمد عبداللہ کو ملنا ہے۔ مولانا سعید احمد صاحب نے فرمایا: کیوں کیا بات ہے؟ اس شخص نے جواب دیا: ایک مہینہ پہلے ہم دونوں نے حج اکھٹے پڑھا ہے اس لیے میں آپ کو ملنے آیا ہوں۔ حضرت صاحب نے فرمایا: ان کی چھ مہینے پہلے وفات ہوگئی ہے اور یہ آپ کی مزار مبارک ہے۔ محمد عالم سائیں المعروف حاجی صابر سئیں نے قبلہ مولانا صاحب سے صرف (الحمداللہ) کی شرح تین سال پڑھی مگر شرح ختم نہ ہوئی۔ پھر آپ کے بیٹے خادم میران سائیں بھی مولانا عبداللہ سے پڑھتے رہے اور جب قبلہ محمد عالم سائیں کو دنبڑی نکلی تو انہوں نے کہا کہ مجھے اپنے استادِ محترم کے پاس لے جاؤ! جب بستی موہانہ کے قریب پہنچے تو مولانا صاحب بھی وہاں آگئے اور فرمایا: میں نے آپ کو کہا تھا صابر نا کہلائیں اب چیخ وپکار کیوں کرتے ہو؟ قبلہ محمد عالم سائیں نے چپ کی اور کہا: مجھے واپس لے جاؤ۔ ایک دفعہ آپ نے مرغی پکوائی، جب کھانا سامنے آیا، سالن دیکھ کر فرمایا: اے نفس شیطان کیا میں تیری خواہش پوری ہونے دوں گا؟ آپ

نے پانی منگوا کر سالن میں ملا دیا اور فرمایا: اے نفس شیطان مرغی کھا۔ ایک آدمی آپ کا مرید ہونے آیا اس نے کہا: تب مرید ہوں گا جب آپ کوئی کرامت دکھاؤ گے۔ مولانا نے فرمایا: بھئی میں فقیر آدمی ہوں، پھر ایک مرید کو کہا: وہ گدھا ہے جا کر اس کا دودھ پی، مرید جا کر دودھ پینے لگا تو نئے آدمی کو کہا کہ کیا تم بھی دودھ پیو گے؟ اس نے کہا ضرور پیوں گا۔ جب گدھا کے قریب گیا تو کیا دیکھتا ہے بھوری بھینس تھی فوراً آ کر مرید ہو گیا۔ جب آپ مدرسہ محبوب سبحانی میں مدرس تھے وہاں ایک مجذوب نے آپ کے مرشد کو گالی دی تو حضرت صاحب نے اس مجذوب کی خوب لترویشن کی۔ لترویشن کے بعد اس نے مخدوم گنج بخش سئیں کے پاس آ کر واقعہ سنایا اور کہا: اب شہر اوچشریف برباد ہونے والا ہے۔ گیلانی صاحب نے حضرت صاحب کے پاس جا کر فرمایا: مولانا! یہ آپ نے کیا کیا ہے؟ اب شہر برباد ہو جائے گا۔ تو حضرت صاحب نے فرمایا: گیلانی صاحب! اس نے میرے مرشد کو گالی دی ہے میں نے ٹھیک کیا ہے۔ غوث بخش چاچڑ دعا کیلئے گیا تو دیکھتا ہے کہ آپ کے جسم کا ایک ایک حصہ علیحدہ ہے اور اللہ ہو کی آواز آ رہی ہے۔ اس نے سمجھا مولانا صاحب کو کوئی قتل کر گیا ہے، وہ یہ حالت دیکھ کر واپس دوڑا، راستے میں اور مرید ملا اسکو ماجرا سنایا تو اس نے کہا: ہمارے مرشد ہیں جا کر دیکھتے ہیں۔ جب وہاں جا کر دیکھا آپ تخت پوش پر بیٹھ کر تسبیح پڑھ رہے تھے۔ غوث بخش چاچڑ نے پوچھا: حضرت پہلے تو آپ کی یہ حالت تھی ایسے لگتا تھا آپ کو کوئی قتل کر گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ راز کی بات ہے تو جا تیرا کام ہو جائے گا۔ مولوی رمضان صاحب کہروڑ پکا والے نے کہا کہ ہم فیض پور شریف میں استاد صاحب سے سبق پڑھ رہے تھے۔ استاد صاحب نے مجھے اور ایک شاگرد کو بلایا اور فرمایا: جاؤ دربار حضرت جلال الدین بخاری کے نیچے ایک آدمی میرا پتہ پوچھ رہا ہے اس آدمی کو لیکر آؤ! جب ہم وہاں پہنچے تو آدمی قبلہ استاد صاحب کے بارے میں پوچھ رہا تھا، ہم نے اس آدمی کو کہا ہم ان کے شاگرد ہیں، انہوں نے آپ کو لانے کیلئے بھیجا ہے۔ راستے میں ان سے پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ اس نے بتایا: سرکار سلطان ہند حضور معین الدین چشتی اجمیری کے دربار سے آیا ہوں۔ وہاں

فیض ومعارف کی حاجت سے گیا تھا وہاں سے اشارہ ہوا ہے ریاست بہاولپور میں اوچشریف کے قریب فیض پور شریف ہے، وہاں مولانا عبداللہ صاحب کے پاس جا! تیرا مسئلہ حل ہوجائے گا۔ اب میں تلاش کرتے کرتے یہاں پہنچا ہوں، ہم اسے لے کر فیض پور شریف پہنچ گئے۔ استاد صاحب سے ملاقات ہوئی تقریباً 2 یا 3 گھنٹے قیام کیا واپس انڈیا چلا گیا۔ ایک کیمیا گر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، سائیں کو کہا: میں آپ کو سونے کا نسخہ دیتا ہوں۔ سونا بنا کر طلبا کا لنگر چلانا۔ سائیں نے یہ سن کر شاگردوں کو فرمایا: اس کیمیا گر کو پکڑ کر یہاں سے دور چھوڑ آؤ۔ نواب صادق محمد خان عباسی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، تعویذ لیکر واپس چلا گیا۔ جب کام ہو گیا واپس آیا، صادق محمد عباسی نے آپ کو کہا: حضور! پٹواری اور تحصیلدار کو بلائیں دائی والی جاگیر آپ کے نام کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ہم فقیر ہیں ہمیں جاگیروں سے کیا کام۔

آپ کو حضرت پیر دستگیر سید عبدالقادر جیلانی نے بالمشافہ قصیدہ غوثیہ کی اجازت بخشی تھی آپ چاروں سلسلوں (اویسی، چشتی، سہروردی، قادری) کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ نے اشاعتِ اسلام کا بہت بڑا کام کیا۔ اسی وجہ سے وہاں کی اکثر قومیں جس میں موہانہ، بوبک، سنجرانی، سیال، شکرانی بلوچ آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ جب فتنۂ مرزائیت برپا ہوا تو آپ نے اس کے خلاف تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پاکستان کی آزادی کے لیے بھی جدوجہد کی۔ آپ کے اشعار کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

میں سہنڑیں سانول توں سب سانولے جگ دے گھول گھتاں
ہیں گھنڈ نقاب حجاب اُتوں سب غیر دے وہے گھول گھتاں
خویش قبیلہ اس کس سارے موہن مٹھڑے گھول گھتاں
عبدا ایمان تے دین دھرم ہیُں ڈھول توں سب کجھ گھول گھتاں

جیں ویلے رانجھن مرلی واہی سرت پئی تیئں ویلے
ہر کوئی خوابوں جاگ اٹھی اتے گزرے وقت البیلے

چنگیاں سونہڑیاں ہر ہر جا آباد تھے سب بیلے
سارے ٹر تے دلیں رجھاون اتے کئی وت کانہہ کھیلے
عبدا نہ بھلسوں راہوں بے شک ہیو کامل گردے چیلے

ازلی ابدی توں ہیں سونہڑاں بیا ہر کوئی محض حبابے
بنڑ کثرت آشور مچایو اے تیڈا گھنڈ نقابے
کرم کیتو اتے کُن فرمایو فیکون دا لب لبابے
عبدا وہم کوں وہم سجانڑیں بیا ایہو آپ دا آبے

حضرت مولانا سعید احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ

قبلہ مولانا حاجی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبداللہ کے فرزند ارجمند تھے۔ مردِ قلندر اور صاحب کرامات تھے، مستجاب الدعوات تھے، ساری تعلیم والد محترم سے مکمل کی، ایک دفعہ بستی موہانہ میں سال (چھپر) کو آگ لگ گئی، لوگوں نے بھاگ کر حاجی سعید احمد سے کہا، آپ وضو فرما رہے تھے، وضو فرماتے ہوئے ادھر پانی پھینکا اور کہا: جاؤ! آگ بجھ گئی ہے۔ موہانے نے جا کر دیکھا تو واقعی آگ بجھ گئی تھی۔ آپ نے وصال سے پہلے اپنے مرید سیال سے شیشم کی لکڑی کٹوائی، اس سے اپنی صندوق بنوائی اور فرمایا: ابا جان! میری صندوق تیار ہوگئی، آپ مجھے اجازت دیں، شام کو میری تیاری ہے۔ تو شام کو آپ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ اویسی رحمۃ اللہ علیہ کے تین بیٹے تھے، مولانا حاجی احمد اویسی، مولانا سعید احمد اویسی، نیاز احمد اویسی۔ حاجی احمد لاولد فوت ہوئے، مولانا سعید احمد کے چار بیٹے ہیں، مولانا عبدالواحد، عبداللہ، رشید احمد اور رفیق احمد۔ نیاز احمد کے چار بیٹے ہیں: ریاض احمد، فیاض احمد، ایاز احمد اور اعجاز احمد۔ مولانا عبدالواحد کے چار بیٹے ہیں: مولانا شاہد مصطفیٰ اویسی، حامد رضا، محمد ظفر اور احمد اویسی۔

مولانا حسام الدین، مولانا فیض احمد اویسی، مولانا عبداللہ، حافظ عبدالواحد اور مولانا سعید احمد کے حالات اس خاندان کے چشم و چراغ مولانا محمد سلیم اویسی خلیفہ خاص مخدوم

الملک مخدوم سید زمرد حسین سجادہ نشین دربار جلالیہ نے عطا فرمائے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

مؤلف تاریخ ھٰذا نے مولانا شاہد مصطفیٰ اویسی سے گزارش کی کہ اپنے بزرگوں کے حالات لکھ دیں تاکہ تاریخ اوچشریف کی زینت بن جائیں۔ انہوں نے فرمایا ہمارے بزرگ اسے پسند نہیں فرماتے، عرض کیا: تشہیر مقصود نہیں تحدیثِ نعمت مطلوب ہے۔ وعدہ فرمالیا تھا لیکن لکھ کر کچھ نہ دے سکے، حضرت مولانا عبدالستار سعیدی کو بھی ان سے شرفِ تلمذ حاصل ہے، انہوں نے اپنا ایک مختصر مضمون جو ماہنامہ السعید ملتان میں چھپا تھا، عطا فرما دیا۔ حضرت کے شاگرد مولانا غلام فرید بھٹو نے بھی حالات لکھ کر عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا مگر وہ بھی پورا نہ ہوا، ان کے شاگرد قمر الدین میتلہ نے دو کرامتیں بیان کی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔ ''کراچی میں ایک عورت کا بیٹا قتل کے مقدمے میں پھنس گیا اسے پھانسی کی سزا ہوگئی اس کی ماں اوچشریف میں سرکار مخدوم جہانیاں کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور اپنے بیٹے کی رہائی کی درخواست پیش کر دی۔ چند راتوں کے بعد حضور مخدوم جہانیاں نے فرمایا: تیرا مسئلہ مولوی عبداللہ اویسی حل کرے گا، اس نے آپ کا پتا پوچھا اور بستی موہانہ پہنچ گئی۔ آپ پہلے تو اس کے ساتھ ناراض ہوئے پھر فرمایا: تیرا بیٹا بری ہو جائے گا تو وہ بری ہو گیا۔ دوسری کرامت اس طرح ہے کہ جتوئی سے ایک شخص حاضر ہوا اور مچھلی آپ کی خدمت میں پیش کی، آپ نے مسکرا کر فرمایا: یہ حرام ہے اسے لے جا۔ اس نے کہا: یہ حلال ہے آپ نے فرمایا کہ یہ مچھلی دریا کے کنارے پر پڑی تھی تو نے جب اس کو اٹھایا تھا وہ مردہ تھی۔ وہ نادم ہو کر چلا گیا۔ ملک عبدالعزیز نے بتایا کہ ایک پولیس آفیسر آپ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا: حضور دعا کرانے کیلئے آیا ہوں میرے لیے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا ہزاروں لوگوں کی بددعائیں لے کر فقیر کے پاس آگیا ہے؟ فقیر عبداللہ کی دعا کیا کرے گی تو جا اور مظلوم عوام کی دعا حاصل کر تیری مشکلات حل ہو جائیں گی۔

پیر سید خیر محمد شاہ جمالی رحمۃ اللہ علیہ

حضور قبلہ سید خیر محمد شاہ جمالی کی پیدائش 1917ء میں ملتان شریف میں ہوئی۔ آپ حضرت سید جمال الدین خنداں رو (اوچ موغلہ) کے سلسلہ کے امین تھے۔ وجاہت وعظمت کے مالک تھے۔ آپ کے چہرے سے بزرگی کے آثار ہویدا تھے۔ آپ کا مزار حضرت جمال درویش کے مزار کے مشرق میں واقع ہے۔ آپ سے بہت سی کرامات رو پذیر ہوئیں۔ چند کرامتیں ملاحظہ ہوں۔

کرامت نمبر 1

حافظ اللہ وسایا آپ کے خلیفہ تھے، وہ فرماتے تھے کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری دو بہنیں فوت ہوگئیں ہیں۔ جب بیدار ہوا تو قبلہ سید خیر محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی کہ حضور! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری دو بہنیں فوت ہوگئی ہیں۔ تو آپ نے مراقبہ کر کے فرمایا کہ تمہاری بہنیں فوت نہیں ہوئی بلکہ دو گائیں حلال ہوگئی ہیں۔ یہ واقعہ بستی سہونز د علاقہ مخدوم رشید ضلع ملتان کا ہے، اس وقت آپ سفر پر تھے۔ حافظ صاحب نے عرض کیا: حضور! مجھے اجازت دیں میں اپنے گھر جاتا ہوں؟ تو آپ نے فرمایا: راستے میں ایک چرواہا نہر کے کنارے کیکر کاٹ رہا ہوگا اور اس کا کتا اس کے ریوڑ کی حفاظت کر رہا ہوگا تجھے اس چرواہے کا کتا کاٹے گا۔ جیسے آپ نے فرمایا ویسا ہی ہوا۔

کرامت نمبر 2

آپ خان بیریں ڈتہ خان کے گھر میں تھے، اس وقت آپ سے عرض کیا گیا آپ نے اگر جانا ہے تو گاڑی کا ٹائم ہوگیا ہے۔ آپ جلدی فرمائیں ورنہ گاڑی چلی جائے گی۔ آپ نے فرمایا ان شاء اللہ گاڑی مجھے لے کر جائے گی۔ آپ گاڑی کے ٹائم سے لیٹ پہنچے، گاڑی اسٹیشن پر موجود تھی، اسٹیشن کے عملہ نے زیارت بھی کی اور آپ کو گاڑی میں سوار کیا اور کہنے لگے: یہ وہ ہستی ہیں جن کی انتظار میں گاڑی رکی رہی ہے۔

کرامت نمبر 3

تحصیل کہروڑ پکا کے علاقے مسا کوٹا کے گاؤں میں حضرت خیر محمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرید کے گھر تشریف فرما تھے، مرید کے گھر میں پانی نہیں تھا وہ دوسرے گھر سے پانی بھر لایا اور سرکار کو غسل کرایا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کے گھر میں پانی کیوں نہیں ہے؟ اس نے عرض کیا: قبلہ پانی کڑوا ہے پورے گھر میں جا بجا پانی چیک کیا ہے کہیں بھی پانی میٹھا نہیں نکلا۔ آپ نے تہجد کی نماز ادا فرمائی پھر فرمایا کہ دروازے کے قریب نلکا لگائیں انشاء اللہ پانی میٹھا ہوگا۔ نلکا لگایا گیا تو پانی میٹھا نکلا۔ آپ کی دعا سے اب تک نلکا میٹھا پانی دے رہا ہے جب بور خراب ہوتا ہے تو دوبارہ بور اسی جگہ پر کرا دیتے ہیں۔

ٹھنڈا ٹھنڈا میٹھا میٹھا پیتے ہم ہیں پلاتے یہ ہیں
رب ہے معطی یہ ہیں قاسم رزق اُس کا ہے کھلاتے یہ ہیں

کرامت نمبر 4

علاقہ خان پور قاضی ضلع ملتان میں قبلہ خیر محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرید حاجی واحد بخش کے پاس تھے۔ حاجی واحد بخش نے عرض کیا: سرکار میں نے زمین لی ہے اس پر شفعہ ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا: 4 سپارے تفسیر نعیمی کے مارکیٹ میں مل جاتے ہیں وہ مجھے خرید کر دو۔ آپ نے تعویذ دیا اور دعا بھی فرمائی اور کہا: ان شاء اللہ شفعہ آپ کے حق میں ہو جائے گا۔ شفعہ کرنے والا مقدمہ جیت گیا اور اسے رقم ادا کرنے کی پیشی مل گئی، جب آپ کا مرید حاجی رقم لینے عدالت میں گیا تو جج کے پاس پیش ہوا مگر مقدمہ جیتنے والا پیشی پر نہ آیا جج نے فیصلہ حاجی واحد بخش کے حق میں کر دیا۔

کرامت نمبر 5

قبلہ سید خیر محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کے ہاں بستی ہکڑہ میں تھے تو آپ کو اللہ ڈیوایا ہکڑا نے عرض کیا: قبلہ میری بیٹی آپ کی مرید ہے۔ لہٰذا آپ بستی سندھا تشریف لے چلیں

اسے زیارت کرادیں۔آپ بستی سندھا میں تشریف لے گئے، جب آپ واپس تشریف لا رہے تھے محمد نواز بھٹی نے عرض کیا: قبلہ میرے دو بیٹے قتل کے کیس میں پھنسے ہوئے ہیں۔ براہِ کرم! آپ دعا فرمائیں۔تو آپ نے فرمایا: جلدی کرو کاغذ لے آؤ! محمد نواز بھٹی کاغذ لے آیا آپ نے دعا بھی فرمائی اور تعویذ دیا۔فرمایا اس کو وزن کے نیچے رکھ دیں۔محمد نواز بھٹی نے ایسا کیا،آپ نے فرمایا کہ مدعی خود آکر صلح کرے گا تو ایسا ہی ہوا۔

کرامت نمبر 6

آپ کے کافی مرید بکڑا بستی میں ہیں ان میں مولوی الٰہی بخش نعت خواں ہے وہ عرس پر جانے کے لئے اس وقت بتاتا تھا جب عرس پر روانگی ہوتی تھی ایک بار اس نے کہا کہ عاشق سائیں جلدی کر عرس پر چلیں عاشق نے عرض کیا میرے پاس پیسے نہیں ہیں اور دل میں تصور تھا کہ آپ مجھے ضرور بلائیں گے تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی آیا۔اس نے عاشق کو پیسے دیئے اور وہ عرس پر چلا گیا یہ عرس حضرت پیر سید خیر محمد جمالی کا تھا آپ کا مزار پرانوار اوچ موغلہ میں قطب الاقطاب حضرت جمال الدین خنداں رو المعروف حضرت جمال درویش کے روضہ کے مشرقی جانب ہے آپ کے سجادہ نشین حضرت الحاج پیر سید مٹھن شاہ صاحب بہت پیاری شخصیت ہیں سادات اوچ موغلہ میں بزرگ ہستی ہیں نماز روزے کے پابند ہیں سخاوت کا پیکر ہیں ان کے ولی عہد حضرت مولانا پیر سید محمد عالم شاہ صاحب ہیں اپنے دادے اور بابے کا نمونہ ہیں، سخی ہیں باحوصلہ ہیں جامع مسجد حضرت جمال درویش کے خطیب ہیں، مریدوں کو سنبھالے ہوئے ہیں۔اکثر سفر پر رہتے ہیں اپنے مریدوں کو شریعت پر چلانے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی خدمات بارآور فرمائے۔آمین۔ مندرجہ بالا کرامات پیر محمد عالم شاہ نے عنایت فرمائی تھیں۔آپ نے راقم کے ساتھ 1992ء میں حج کی سعادت حاصل کی۔

حضرت پیر سید محمد غوث شاہ رحمہ اللہ

آپ کے بیٹے جعفر شاہ مرحوم نے بتایا کہ آپ نے مولانا خورشید احمد کو فرمایا: خورشید تو حج پر جارہا ہے اور میرے لیے فلاں کتاب لے کر آنا۔ مولانا خورشید احمد نے فرمایا: میں وعدہ نہیں کرتا اگر پیسے بچے تو لیتا آؤں گا ورنہ نہیں۔ آپ نے فرمایا: اچھا! اگر کوئی کتاب تجھے آکر دے اور کہے کہ غوث شاہ کی امانت ہے لے کر جاؤ پھر تو لیتا آئے گا؟ مولانا صاحب نے فرمایا: ہاں۔ مولانا جب مدینہ منورہ پہنچے تو ایک سفید ریش بزرگ نے مولانا خورشید احمد کے پاس آکر سلام کیا اور فرمایا: مولانا صاحب یہ کتاب غوث شاہ کیلئے ہے، آپ لیتے جائیں۔ مولانا صاحب نے کتاب لے لی اور پاکستان چلے آئے، ظاہر پیر پہنچے تو حضرت غوث شاہ کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنی امانت لے جائیں، اگر آپ نہ آسکیں تو میں جب اوچشریف آؤں گا کتاب لے کر آؤں گا اور آپ کو دیدوں گا۔ حضرت غوث شاہ کتاب لینے کیلئے ظاہر پیر پہنچے۔ جاتے جاتے رات ہوگئی اور لوگ سوگئے، غوث شاہ نے اپنے بیٹے جعفر شاہ کو فرمایا کہ ہم مسجد میں چلتے ہیں۔ جب مسجد کے دروازے پر پہنچے تو دروازہ اندر سے بند تھا شاہ صاحب سائیڈ والی کھڑکی کی طرف گئے وہ تھوڑی سی کھلی تھی، شاہ صاحب اس سے مسجد میں جھانک کر آگئے اور ساری رات دروازے پر بیٹھ کر کاٹی، سحر کے وقت اندر سے دروازہ کھلا اور مولانا خورشید احمد باہر نکلے اور آتے ہی غوث شاہ کے قدموں میں گر پڑے اور فرمانے لگے: شاہ صاحب! تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دیتا ہوں یہ راز کسی پر فاش نہ کرنا شاہ صاحب کے بیٹے جعفر شاہ نے سوچا کہ مولانا کسی ایسے کام میں مبتلا تھے جو شریعت کے خلاف تھا۔ شاہ صاحب نے وعدہ کیا: ہاں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ اذان کے بعد نماز فجر ادا کی گئی۔ مولانا صاحب نے ناشتہ کرایا اور کتاب دی۔ شاہ صاحب اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر اوچشریف چل پڑے، راستے میں بیٹے نے شاہ صاحب کو تنگ کیا۔ ابا جان! مولانا صاحب نے جس بات کو ظاہر نہ کرنے کا کہا ہے وہ کیا بات ہے؟ فرمایا: بیٹا! راز کی بات ہے کسی کو نہیں بتانی، سنو! جب میں نے کھڑکی سے مسجد کے اندر دیکھا تو مولانا صاحب

کے جسم کے ٹکڑے ہوئے پڑے تھے اس بات کو چھپانے کا وعدہ لیا تھا۔ بیٹے نے کہا: ابا جی! مدینہ منورہ میں کتاب کس نے دی تھی؟ فرمایا: وہ خواجۂ خواجگان حضور معین الملۃ والدین خواجہ غریب نواز معین الدین تھے۔ (رضی اللہ عنہم)

مولانا فیض احمد اویسی نے محکمہ اوقاف میں امتحان دینا تھا اور ملازمت لینی تھی۔ ان کے والد نے کہا: فیض، غوث شاہ سے دعا کرالے امتحان میں کامیاب ہوجائے گا۔ آپ کے والد نے کہا: شاہ صاحب کی خدمت کر پھر بات بنے گی۔ مولانا فیض احمد اویسی نے اس طرح خدمت کی کہ شاہ کو کہا کمرے میں آپ کا مرید آپ کیلئے کھانے پینے کی چیزیں رکھ گیا ہے وہ اٹھالو۔ شاہ صاحب کمرے میں گئے تو مولانا فیض احمد نے دروازہ بند کر دیا اور کہا کہ پہلے میرے لیے دعا کرو پھر دروازہ کھولوں گا۔ گرمیوں کا زمانہ تھا شاہ صاحب کمرے کے اندر پسینے سے شرابور ہو رہے تھے دروازہ نہ کھولنے پر مولانا باضد تھے اس دوران شاہ صاحب کے بیٹے جعفر شاہ صاحب آ گئے مولانا صاحب کو دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ مولانا نے کہا کہ اپنے والد کو کہو کہ دعا مانگے انہوں نے کہا: تو شاہ صاحب نے فرمایا یہ پڑھتا نہیں ہے میں اس کے لیے دعا کیوں مانگوں؟ پھر شاہ صاحب نے اپنے بیٹے کو کہا کہ تم فیض کے والد حکیم مولوی حسام الدین کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ۔ وہ ان کے پاس گئے اور انہیں لے آئے انہوں نے فیض کو فرمایا دروازہ کھول دے تو اس نے دروازہ کھولا۔ غوث شاہ کی حالت عجیب تھی سر سے لے کر پاؤں تک پسینہ ہی پسینہ تھا۔ مولانا فیض احمد کے والد نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا مولانا فیض احمد کو پیسے دیئے فرمایا: شکر اور برف لے آ۔ شربت بنا کر شاہ صاحب کو پلا! شاہ صاحب کو شربت پلایا گیا۔ مولانا فیض احمد کے والد نے شاہ صاحب کے لیے چاول گندم یعنی کھانے پینے کی کچھ چیزیں منگوائیں اور عرض کی: سرکار مخدوم جہانیاں کے دربار میں جا کر دعا فرماؤ۔ فیض احمد کی ملازمت ہوجائے، آپ نے حضرت مخدوم جہانیاں کی مزار پر جا کر مزار کا غلاف تھام کر گڑگڑا کر دعا مانگی۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا: فیض! جا امتحان دے تو پاس ہوجائے گا اور فیض کی پیٹھ پر تھپکی بھی لگائی مولانا فیض احمد ملتان

شریف امتحان دینے کیلئے گئے تین عالم امتحان لینے کے لیے موجود تھے۔ جب سوالات کا سلسلہ شروع ہوا تو مولانا فیض احمد اویسی کی آنکھوں کے سامنے جواب لکھا ہوا آجاتا جسے پڑھ کر مولانا فیض احمد اویسی جواب دیتے اور امتحان میں کامیاب ہوئے۔

شاہ صاحب کے بیٹے جعفر شاہ نے کہا ابا حج کرنے جاؤ! فرمایا: بیٹا میں زادِ راہ نہیں رکھتا۔ حج پر کیسے جاؤں؟ بیٹے نے کچھ عرصہ کے بعد پھر کہا تو فرمایا بیٹا میں نے حج کر لیا ہے بیٹے نے کہا آپ مکہ شریف نہیں گئے پھر حج کیسے کر لیا ہے غوث شاہ نے فرمایا بیٹا ان باتوں کو چھوڑ تو اپنا کام کر کچھ عرصے کے بعد بیٹے نے کہا ابا مجھے حج پر بھیجو فرمایا میرے پاس رقم نہیں ہے بیٹے نے کہا جس طرح آپ نے حج کیا تھا اسی طرح مجھے بھی کرادیں فرمایا اچھا کرادوں گا غوث شاہ پر موت کا وقت آ گیا بیٹے نے مزار پر جا کر کہا ابا جی آپ نے وعدہ کیا تھا اب مجھے حج کرادو۔ رات کو خواب میں بیٹے نے دیکھا کہ خوبصوت سفید ٹرک ہے جو بہت وسیع وعریض ہے اور دور سے ایک ستارہ آتا ہوا دیکھائی دیا وہ ستارہ جب قریب آیا تو غوث شاہ بن گیا بیٹے نے پوچھا آپ کہاں سے آرہے تھے فرمایا حضرت خواجہ معین الدین کے پاس گیا تھا بیٹے کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا آ تجھے حج کرادوں بیٹے نے دیکھا تو سامنے بیت اللہ شریف نظر آیا فرمایا ہم یہاں نماز پڑھتے ہیں اور اللہ والے اللہ کی عطا کردہ طاقت سے ہر جگہ پر موجود ہوتے ہیں۔

مولانا خورشید احمد فیضی نے غوث شاہ کو کہا شاہ صاحب ''لُک چھُپ'' کھیلیں شاہ صاحب نے فرمایا کھیلو شاہ صاحب کھجوروں کے جھنڈ کے اولے میں چھپ گئے اور فرمایا خورشید مجھے تلاش کرو مولانا خورشید احمد نے تلاش کرنا شروع کیا مگر شاہ صاحب ایسے چھپے کہ انہیں کہیں نظر نہ آئے وہ تلاش کرتے کرتے جب تھک گئے تو مولانا حسام الدین کی طرف چل پڑے کیونکہ شاہ صاحب حکیم حسام الدین کے پاس پڑھتے تھے جب ان کے پاس پہنچے تو وہ سبق پڑھ رہے تھے مولانا صاحب نے فرمایا شاہ صاحب کیا تماشا ہے کھیل تو اس جگہ سے دو میل دور تھا اور تم ادھر آ گئے ہو فرمایا مجھے تو موقع مل گیا تھا میں نے اس سے فائدہ

اٹھایا میرے سبق کو دیر ہورہی تھی اگر میں تمہارے ساتھ چلتا تو وقت زیادہ لگ جاتا۔

کھرپہ قوم کے ایک شخص پر قتل کا کیس ہو گیا کھرپے آپ کے پاس آئے اور دعا کی التجاء کی اور کہا کہ ہمارا بندہ بری ہو جائے تو آپ کو بارہ 12 ایکڑ اراضی الاٹ کر دیں گے آپ نے فرمایا اچھا میں دعا کروں گا لیکن زمین نہیں لوں گا جو کچھ ہو سکے خدمت کر دینا اور جب پیشی ہو تو ایک دن پہلے مجھے یاد دلا دینا انہوں نے پیشی سے پہلے آپ کو دعا کیلئے کہا آپ قطب الاقطاب سرکار سید جلال الدین کے آستان پر گئے اور مزار کے غلاف کو پکڑ کر روتے ہوئے دعا مانگی دوسرے روز جج نے کھرپے کو بری کر دیا کھرپے بہت خوش ہوئے اور آپ کی خدمت میں کہا کہ زمین اپنے نام کرالو فرمایا زمین نہیں لیتا چار من گندم دے دو، انہوں نے کہا آپ ہمارے گھر آ کر گندم لے جائیں آپ یہاں سے دراز گوش پر سوار ہوئے بیٹے کو ساتھ لیا اور ان کے گھر پہنچ گئے دعا کی انہوں نے گندم دی تین من دراز گوش پر لاد کر بیٹے کو روانہ کر دیا اور ایک من خود اٹھالی بیٹا جب گھر پہنچا تو بیٹے سے پہلے آپ گھر آ چکے تھے آپ کا مزار حسینی چوک بستی غوری اوچشریف میں ہے۔

حضرت مولانا محمد بخت علی قادری چشتی

حضرت مولانا محمد بخت علی بن اللہ ڈیوایا بن عبدالحکیم بن حبیب احمد بن درویش، قوم پرھار راجپوت، آپ کا دادا درویش کالا باغ سے ہجرت کر کے اوچشریف کے علاقہ موضع قادر آباد میں آ گیا اور دربار حضرت سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مصروف ہو گیا، آپ کے والد مولوی اللہ ڈیوایا صاحب کو دین سے عشق تھا۔ 1928ء میں مولانا محمد بخت علی کی پیدائش ہوئی، ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم فقیر محمد عبداللہ بستی مستوئی سے حاصل کی، فارسی کی تعلیم مولوی محمد عبداللہ موہانہ والے اور مولوی محمد سونہارا سے حاصل کی اور ساتھ ساتھ اردو کی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ ملک حاجی محمد رمضان اور ملک بشیر احمد وارن آئی۔جی پنجاب آپ کے کلاس فیلو تھے۔ ملک بشیر احمد وارن حاجی محمد رمضان کے بہنوئی تھے۔ مولانا محمد بخت علی کو بچپن سے اللہ والوں کی صحبت اور خدمت اچھی لگتی تھی اور دلی قرار حاصل

ہوتا تھا۔ مخدوم الملک سید حامد محمد شمس الدین گیلانی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور کچھ دن مخدوم سید حامد محمد نو بہار بخاری کی خدمت میں رہے۔ انہوں نے مولانا محمد بخت علی کو رات کے وقت پہرہ پر مقرر فرمایا، تقریباً ایک بجے کے بعد کمرہ کے اندر سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی آواز آنے لگی پھر آواز بڑھتی گئی، پہلے ایک پھر دو پھر زیادہ ہو گئیں۔ مولانا صاحب نے سوچا کہ اندر تو صرف مخدوم صاحب ہیں، زیادہ آوازیں کیوں آرہی ہیں؟ ونڈو کھول کر اندر دیکھا تو مخدوم صاحب کا سر دھڑ سے الگ تھا، بازو الگ اور ٹانگیں الگ تھیں سب اعضا اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے۔ مولانا صاحب نے سوچا کہ ان کو کوئی قتل کر گیا ہے، خوف سے بھاگنے کا خیال آیا، ونڈو بند کر کے ایک قدم اٹھایا تو پیچھے سے آواز آئی بخت علی! پیچھے مڑ کر دیکھا تو مخدوم نو بہار صاحب کھڑے تھے انہوں نے شہادت کی انگلی اپنے منہ پر رکھی یعنی خاموش ہو جاؤ۔ کچھ عرصہ کے بعد مولانا کو ملک حاجی محمد رمضان للو کے والد ملک محمد بخش نے اپنے تمام رقبہ کا مختارِ اعلیٰ بنا دیا اور اپنے مواضعات کا ٹھیکہ و آبیانہ وصول کرنا سپرد کر دیا۔ ایک بار حضرت پیر سید محمد عالم شاہ گولڑوی (مہر آباد شریف) کے پاس ٹھیکہ آبیانہ کی وصولی کیلئے گئے اور رسید وصولی پر پیر عالم شاہ لکھ دیا پیر محمد عالم شاہ نے رسید پڑھ کر فرمایا کہ جس آدمی سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن چھوٹ جائے اس کا کچھ نہیں رہتا۔ مولانا صاحب نے فوراً معذرت کر لی، انہوں نے فرمایا کہ اپنی قلم سے محمد لکھو! آپ نے محمد عالم لکھا، پیر محمد عالم شاہ نے فرمایا: جو کام تم کر رہے ہو تم اس کے لائق نہیں ہو۔ تمہارے اندر جو خوبیاں ہیں ان کو باہر لاؤ اور ایک وظیفہ عنایت فرمایا، وظیفہ پڑھتے ہی مولانا تارک دنیا ہو گئے اور دوبارہ دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق بیدار ہوا۔ گھر سے سیدھا خان پور کٹورہ پہنچے مسجد میں نماز کے بعد وظائف پڑھ رہے تھے اور لوگ حضرت خواجہ درمحمد کوریجہ کو مل رہے تھے، وہ اسی مسجد میں موجود تھے مگر آپ وظائف میں مصروف رہے۔ خواجہ درمحمد اُٹھ کر مولانا بخت علی کے قریب آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تجھے وظائف پڑھنے کا بہت شوق ہے، میں بھی تم کو ایک وظیفہ دیتا ہوں، انہوں نے ایک وظیفہ بتایا، مولانا نے عرض کیا کہ میں یہاں دینی تعلیم حاصل کرنے

آیا ہوں تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تم مولانا خورشید احمد کے پاس چلے جاؤ آپ بستی پائی آہنہ آ گئے۔ مولانا خورشید احمد صاحب فیضی مولانا محمد بخت علی کو ہمراہ لیکر بستی اعوان (امین آباد) آ گئے اور مولانا محمد عبدالکریم فیضی کے پاس تعلیم کے لیے بٹھا دیا۔ ان دنوں مولانا حافظ فیض احمد اویسی (بہاولپور) مولانا خدا بخش اظہر بھی تعلیم کے لیے آ گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد مولانا بخت علی مولانا خورشید احمد کے پاس آ گئے اور بقیہ تعلیم وہاں حاصل کی۔ مولانا خورشید احمد صاحب کو سائیکل پر بٹھا کر بستی سندیلہ شریف D.G.Khan گئے۔ وہاں پر حضرت خواجہ فیض محمد شاہجمالی اور ان کے فرزندِ ارجمند حضرت خواجہ غلام یٰسین شاہجمالی سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے ان کی بیعت کی خواہش ظاہر کی اور کہا کہ میں پہلے بھی بیعت ہو چکا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ تم جاؤ پہلے اپنے مرشد سے ہماری بیعت کی اجازت لے کر آؤ، وہاں سے اوچشریف آئے اور مخدوم شمس الدین گیلانی سے اجازت طلب کر کے مولانا خورشید احمد کے ہمراہ دوبارہ سندیلہ شریف گئے۔ مولانا خورشید احمد نے اپنے مرشد حضرت خواجہ فیض محمد شاہجمالی سے عرض کی کہ مولانا محمد بخت علی کو بیعت کیجیے، انہوں نے فرمایا کہ میں اس کو بیعت نہیں کرتا کیونکہ اس کا دل میرے بیٹے غلام یٰسین کی بیعت کا خواہش مند ہے۔ انہوں نے ان کو بلوایا اور اپنے سامنے بٹھا کر حضرت خواجہ غلام یٰسین سے بیعت کرائی، مولانا محمد بخت علی آپ کے پہلے مرید تھے۔ آپ سندیلہ شریف میں رہ گئے اور تعلیم حاصل کرتے رہے، اسی دوران آپ کی شادی بھٹی خاندان کے مولوی چھتہ کے بیٹے محمد موسیٰ کی بیٹی سے ہوگئی۔ ایک سال کے بعد آپ کا پہلا بیٹا عبدالحکیم پیدا ہوا، آپ سندیلہ شریف میں تھے کہ آپ کا بیٹا عبدالحکیم فوت ہوگیا۔ اطلاع دینے کا اس وقت کوئی ذریعہ نہ تھا گھر والے پریشان تھے۔ حضرت خواجہ غلام یٰسین نے مولانا کو بلایا اور کرایہ دیا کہ تم فوراً اپنے گھر جاؤ! مولانا سمجھ گئے کہ کوئی بات ضرور ہے آپ گھر آ گئے اور اپنے بیٹے کی تعزیت میں شریک ہوئے۔ فراغت کے بعد سندیلہ شریف چلے گئے، سندیلہ شریف سے واپس آکر احمد پور شرقیہ جامع مسجد اللہ ڈیوایا داروغہ والی میں جامعہ فیض محمدیہ کے نام مدرسہ کھولا اور تعلیم

شروع کردی۔ 1945ء میں اپنے آبائی موضع قادر آباد میں ایک عظیم الشان جلسہ کرایا جس میں حضرت مولانا محمد عمر اچھروی، مولانا حاجی شاہ، مولانا عبداللہ سندھی اور دیگر جید علمائے کرام نے خطاب فرمایا۔ 1953ء میں مولانا صاحب نے اپنے مرشد حضرت خواجہ غلام یٰسین کی خدمت میں عرض کیا کہ پل للووالی چوک میں مغرب کی جانب ایک ٹکڑا اراضی پڑا ہوا ہے جس میں بڑے بڑے گڑھے ہیں۔ مالک تو اس کونہیں بنا سکیں گے لیکن اگر وہاں مدرسہ اور مسجد بن جائے تو جگہ آباد ہوسکتی ہے، دعا فرمائیں وہ جگہ مجھے مل جائے۔ آپ نے دعا فرمائی اور فرمایا کہ جاؤ جگہ تمہاری ہے۔ مولانا صاحب جب واپس آئے، مالکان اراضی پل للو پر کھڑے تھے مولانا صاحب کو ملک طوطا نے آواز دے کر بلا لیا اور کہا کہ سنا ہے تم مولوی بن گئے ہو یہ جگہ ہم سے تو آباد نہ ہو سکے گی البتہ تم یہاں پر مدرسہ اور مسجد بنالو تو آباد ہوجائی گی اور ہماری عاقبت سنور جائے گی، ہمارے ساتھ ابھی چلو اور وقف نامہ تحریر کرالو۔ وقف نامہ جو تحریر ہوا اس کا حدود اربعہ یہ ہے مشرق جانب K.L.P روڈ جنوب میں بنگلہ مستوئی سڑک شمال اراضی ملکیہ مالکان جانب مغرب اراضی مالکان، کل اراضی ایک کنال چھ مرلے اور 4 کرم وقف کردی ہے۔ پھر 1960ء میں دو کنال اراضی مولانا کو اپنا گھر بنانے کیلئے ملک مبارک عرف گملہ ارائیں نے لکھ دی، مولانا بخت علی حضرت علامہ غزالئ زماں سید احمد سعید شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو ہمراہ لے کر آئے۔ انہوں نے مدرسہ و مسجد شریف کا افتتاح کیا اور 1953ء میں حضور غزالئ زماں نے مدرسہ کا نام جامعہ اسلامیہ عربیہ غوثیہ فیض العلوم (یٰسین آباد) رکھا اور انہوں نے دفتر ملتان ریجن سے رجسٹرڈ کرا دیا۔ جس کا نمبر (5) ہے پھر 1954ء میں مدرسہ میں ورود سکول قائم کرایا۔ اس وقت آس پاس کے مواضعات میں کوئی سکول اور درس نہ تھا۔ ہزاروں لوگوں نے یہاں سے تعلیم حاصل کی، حضور غزالئ زماں رحمۃ اللہ علیہ کی مولانا صاحب سے خاص محبت تھی۔ جب بھی یہاں سے گذر ہوتا تو کچھ دیر یہاں قیام فرمایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ مولانا آپ کو اللہ تعالیٰ نے جنت کا ٹکڑا دیا ہے۔ یہاں پر غسل بھی فرمایا کرتے تھے، چادر پہن کر چارپائی پر

بیٹھ کر نہاتے۔ مولانا صاحب پانی بھر آتے۔ حاجی خادم حسین پھلیلی بھی ساتھ ہوتے۔ مولانا آپ کو صابن ملتے اور پانی ڈالتے۔ مولانا بار بار آپ کے جسم پر کلہاڑیوں کے نشانات کو چومتے رہتے اور آنسو بہاتے رہتے۔ حضور غزالئ زماں کو بلہ جھلن میں مولوی حبیب اللہ گمانوی کے شاگرد مولوی قائم دین نے کلہاڑیاں مار کر زخمی کیا تھا۔ ان کلہاڑیوں کے نشانات کو ملک تاج محمد، غلام فرید اور مولانا صاحب کے بڑے بیٹے محمد عبدالحی الطاف نے بھی چوما تھا۔ مولانا صاحب نے اپنے بڑے بیٹے محمد عبدالحی الطاف کو ایک واقعہ بتایا کہ مولانا خورشید احمد صاحب کو ایک مرتبہ ٹھل حمزہ کے علاقہ میں ایک لنگڑے شخص نے تقریر کی دعوت دی۔ میں مولانا خورشید احمد صاحب کو سائیکل پر بٹھا کر گیا، راستہ میں دیکھا کہ دعوتی آرہا ہے اس نے ہمیں رکنے کا اشارہ کیا۔ ہم سائیکل سے اتر گئے وہ نزدیک آیا اور کہا کہ "منہم" لاٹھیاں اور کلہاڑیاں لیکر آئے ہوئے ہیں، آپ واپس چلے جائیں، ایسا نہ ہو کہ تم کو ماردیں۔ اتنے میں مشرق کی جانب سے دھوڑ اڑتی دکھائی دی اور گھوڑے ہماری طرف آرہے تھے نزدیک آئے تو دیکھا کہ مخدوم سید حامد نو بہار بخاری اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تھے۔ جنہوں نے تلواریں اور بندوقیں اٹھا رکھی تھیں، نزدیک آکر مخدوم صاحب نے فرمایا کہ تمہارے مرشد حضرت خواجہ غلام یٰسین شاہجمالی نے مجھے ساری رات نیند نہیں کرنے دی، فرمایا: میرے مرید مشکل میں ہیں جاؤ ان کی مدد کرو تو میں آ گیا ہوں۔ چلو تقریر کرو۔ ہم چلے گئے جلسہ گاہ پہنچے تو وہاں "منہم" کھڑے تھے چارپائی پر مخدوم صاحب مولانا خورشید احمد کے ہمراہ بیٹھ گئے اور تقریر شروع کرائی تقریر کا انداز ایسا تھا کہ "منہم" نعرے لگا رہے تھے۔

حضرت مولانا محمد ظریف فیضی نے سندیلہ شریف جا کر حضرت خواجہ غلام یٰسین سے عرض کی کہ مولانا محمد بخت علی کو حکم دو کہ وہ احمد پور شرقیہ چھوڑ دے یا اوچشریف چھوڑ دے۔ خواجہ غلام یٰسین نے مولانا صاحب کو کہا کہ تم احمد پور شرقیہ کا مدرسہ مولانا محمد ظریف کے حوالے کر دو اور مولانا محمد ظریف صاحب بستی فیض آباد (قادر آباد) والا مدرسہ چھوڑ دیں

گے۔آپ نے اپنے مرشد کے حکم پر احمد پور شرقیہ کا مدرسہ چھوڑ دیا۔1973ء کے سیلاب میں مولانا جب ہجرت کر کے احمد پور شرقیہ گئے تو وہاں کے لوگ مولانا کو لے گئے جتنا عرصہ احمد پور شرقیہ میں رہے نماز جمعہ اللہ ڈیوایا داروغہ والی مسجد میں یا کرنل والی مسجد میں پڑھایا کرتے تھے۔حضرت خواجہ غلام یٰسین صاحب شاہجمالی نے مولانا کو عرس مبارک کا لانگری مقرر فرمایا تھا۔تاحیات مولانا پل للو والی سے شامیانے اور سپیکر لے کر جاتے رہے۔ حضرت محکم الدین سیرانی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر بھی اپنا سپیکر اور شامیانے لیکر جاتے تھے۔ہر ماہ کی گیارہویں کو دربار حضرت محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ اوچشریف گھر سے لنگر لے کر جاتے اور نعت خوانی اور تقاریر کراتے تھے پھر لنگر تقسیم ہوتا تھا۔حضرت مخدوم سید شمس الدین گیلانی اور مولانا فقیر اللہ بھی اس میں شریک ہوتے تھے۔غرضیکہ اولیاءاللہ کے عرسوں کے موقع پر اپنی خدمات پیش کرتے رہے۔خواجہ نصیر الدین صاحب جن کا تعلق خواجہ نور محمد مہاروی کے خاندان سے تھا وہ مولانا صاحب کے پاس 15,15 یوم قیام کیا کرتے تھے۔علاقہ کے کافی لوگوں کو حضور غزالیٔ زماں رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کرایا۔آپ کے پاس حاجی خادم حسین پھلیلی اور صوفی محمد یار جوڈینے والہ جتوئی کا رہائشی تھا مستقل قیام پذیر تھے۔صوفی محمد یار کا بیٹا غلام مصطفیٰ کراچی میں گورنر ہاؤس کی جامع مسجد میں مستقل طور پر خطیب/امام ہے جو مولانا کے مدرسہ فیض العلوم میں زیر تعلیم رہا تھا۔مولانا کے ویسے تو ہزاروں شاگرد ہیں مگر تابعدار اور وفادار شاگرد ملک حاجی غلام حسن مسن تھے، جن کی ملازمت بھی مولانا صاحب نے ملک بشیر احمد سے کرائی تھی۔ پہلے سکیورٹی فورس میں پولیس کے محکمہ میں D.S.P کے عہدہ پر تعینات رہے۔ان کے بڑے بیٹے ڈاکٹر عطا حسین مسن شمس محل روڈ پر کلینک لگائے ہوئے ہیں اور دعوتِ اسلامی سے وابستہ ہیں۔ماہ فروری 1984ء میں مولانا بخت علی کا ایکسیڈنٹ ہوا، دائیں ٹانگ ٹوٹ گئی، بعد میں فالج ہو گیا۔4 رمضان شریف 4 جون 1984 کو آپ کا انتقال بہاولپور وکٹوریہ ہسپتال میں شب سوموار کو ہوا۔بروز سوموار 8 بجے صبح آپ کی نماز جنازہ مولانا محمد ظریف فیضی نے پڑھائی۔دوسری نماز جنازہ مولانا خورشید احمد فیضی نے

دربار حضرت مخدوم جہانیاں پر پڑھائی۔ مخدوم شمس الدین گیلانی وہاں پر شریک ہوئے۔ نماز جنازہ میں علاقہ کی معروف شخصیات شریک ہوئیں اور آپ کا مزار مخدوم جہانیاں کے قبرستان میں اپنے والد مولوی اللہ ڈیوایا کے ساتھ بنا۔ آپ کی اولاد میں 5 بیٹیاں اور 4 بیٹے ہوئے مولانا عبدالحی الطاف، عطاء المصطفیٰ، عبدالقادر، غلام مرتضی شامل ہیں۔ مدرسہ کا نظام محمد عبدالحی الطاف نے سنبھال رکھا ہے، 1980ء میں مخدوم شمس الدین گیلانی نے عید گاہ اوچشریف میں دو کنال اراضی مولانا محمد بخت علی کو مدرسہ کیلئے دی تھی وہاں پر مدرسہ شمس العلوم قائم کیا۔ مندرجہ بالا حالات مولانا عبدالحی الطاف نے لکھ کر دیئے ہیں۔

مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالغفور ڈیرہ غازیخان شہر سے سیت پور آئے، وہاں سے بستی حجازی آرائیاں موضع اوچشریف آئے، مولانا عبدالغفور صاحب اپنے والد مولانا غلام حسن کے پاس پڑھتے تھے۔ مولانا عبدالغفور کے تعویذات میں بہت اثر تھا۔ میلاد شریف کے موقع پر ایک مرغی کے سالن کو پوری بستی والوں اور میلاد شریف پر آنے والوں نے کھایا، اس محفل میں استاد مولانا محمد ظریف فیضی بھی موجود تھے۔ سالن میں برکت کا یہ عالم تھا کہ سالن بچ گیا۔ مولانا عبدالغفور جمعہ اور عیدین کاتب الحروف کی اقتدا میں ادا کرتے تھے۔ ان کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت فقیر کے حصے میں آئی۔ اکثر فقہی مسائل پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ فقیر کی عدم موجودگی میں ایک علامہ نے نماز جمعہ کی امامت کی اور محراب کے اندر کھڑے ہو گئے، نماز کے بعد آپ نے علامہ سے پوچھا اگر پاؤں محراب کے اندر ہوں تو نماز کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ نماز ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا: مولانا اس مسئلہ پر غور کرو ممکن ہے کہ مسئلہ صحیح نہ ہو۔ دوسرے جمعہ پر کاتب الحروف کی حاضری ہوئی۔ انہوں نے مسئلہ پوچھا تو میں نے عرض کیا فقہائے کرام فرماتے ہیں نماز مکروہ ہے۔ یہ سن کر بہت خوش ہوئے آپ نے فرمایا "بزرگی بعقل است نابہ سال" ان کے وصال کے بعد ان کا بیٹا عبداللہ سعیدی لاہور گیا اور وہاں دعوت اسلامی کے ہفتہ وار تبلیغی اصلاحی اور

روحانی پروگرام میں شریک ہوا اور دل میں خیال باندھا اگر دعوت اسلامی والے سچے ہیں تو اس محفل میں مجھے کوئی نظارہ ضرور نظر آئے گا۔ اچانک انہیں نیند آ گئی اور دیکھا کہ للو والی پل اوچشریف پر لوگوں کا ہجوم ہے، مولانا نے پوچھا: خیر تو ہے جواب ملا کسی بزرگ کی تشریف آوری ہے۔ چنانچہ کچھ دیر کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو نور کا سماں بندھ گیا۔ عبداللہ نے عرض کیا: حضور! مجھے میرے والدین کی قبروں کا علم نہیں ہے مجھے ان کے بارے میں بتائیں وہ کہاں ہیں؟ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ان کے والدین کی قبروں پر آ گئے خود سرہانے کی طرف سے بیٹھ گئے اور عبداللہ پاؤں کی طرف آ گیا۔ آپ نے فرمایا: یہ تمہارے والدین کی قبریں ہیں اور یہ بھی سن لو تمہارے والدین بہشتی ہیں۔ یہ سن کر عبداللہ کی آنکھ کھل گئی دیکھا تو دعوت اسلامی کا پروگرام جاری تھا۔ مولانا عبدالغفور صاحب کی مزار جامع مسجد والے قبرستان اوچ موغلہ میں ہے۔ عبداللہ کے بیٹوں میں سے مولانا سیف اللہ سعیدی ہمارے شاگرد ہیں، وہ کراچی میں ہمارے پیر بھائی محترم جناب حاجی محمد حنیف طیب سابق وزیر پٹرولیم پاکستان کے ہاں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولوی محمد عبداللہ سیال

مولوی عبداللہ ولد غلام محمد، قوم سیال، آبائی وطن ڈیرہ غازی خان، صوفی عاشقِ رسول، بزرگان، دین کے دلدادہ، سرائیکی شاعر پیشہ کے لحاظ سے حداد، حکیم حاذق بٹالہ یونیورسٹی انڈیا سے 1944ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ پیشہ طب، نباض وجراح، خطاط تھے۔ اردو تعلیم میں اعلیٰ ذوق اور ادراک رکھنے والے تھے۔ جسکا ثبوت ان کا اپنا ایک لاثانی اردو آزاد قاعدہ (قلمی) موجود ہے۔ جس کی طباعت کا خواب پورا نہ ہو سکا۔ صنفِ شاعری میں سرائیکی زبان پر پورا عبور حاصل تھا ''عبد'' تخلص رکھتے تھے۔ ان کے دور کے اساتذہ وہمعصر شعراء نے (سعدی زماں) کا لقب دیا تھا۔ شاعری کا نمونہ آگے آ رہا ہے۔ سلسلۂ بیعت قبلۂ عالم مہار شریف سے تھی۔ اکتسابِ فیض اور گہرا تعلق حضرات پراراں شریف جن پور سے تھا۔ عالم وعامل تھے، عملیات پر خصوصی دسترس رکھتے تھے مگر بایں ہمہ گوشۂ گمنامی

میں اپنی عافیت سمجھتے تھے، حق گو اور بے باک تھے۔ خوشامد پرستی سے دور رہتے تھے۔ خدمتِ خلق نصب العین تھا۔ دنیاوی نمود و نمائش ہرگز پسند نہ تھی۔ علاقہ بھر گواہ ہے، بچوں سے لیکر بڑوں تک تعلیم بالغاں کیلئے ہر دم کوشاں رہے اور تعلیم قرآن عام کرتے رہے۔

18 سال کی عمر میں پیدل حج کی سعادت حاصل کی اور وطن واپس آکر اپنے آبائی گھر بستی ملانہ (ڈی، جی، خان) سے اوچ شریف کے نواحی علاقہ موضع کچی شکرانی بستی سیالاں میں اپنے عزیزوں (سیال قوم) میں شادی کی اور صاحب اولاد ہوئے۔ بڑے تین لڑکے اپنے باپ کے ورثہ پیشہ حداد کے وارث بنے جب کہ چھوٹے لڑکے (محمد عبدالستار سعیدی کاتب الحروف) نے دینی تعلیم سے بہرہ ور ہوکر شعبہ تدریس سنبھالا۔ (موصوف اخیری عمر میں نماز جمعہ جامع مسجد غوثیہ اوچشریف میں ادا کرتے تھے)۔

شاعری کانمونہ

حاضرین حضرات میڈا ہک سوالے
ادیباں ولی محفل الاون محالے
کمزور عبداں تقاضہ ہے سن دا
میں تھوڑاں الیساں میڈی بہوں مجالے

نعتیہ شاعری کے صنف بحر میں کمال دکھایا

اے حسن حقیقی نور ازل واہ جلوۂ حسن دکھائی اج تیئں

اس کے کم وبیش اڑھائی ہزار اشعار ہیں، یہ نعت فی البدیہ ہمعصروں کے جواب میں ہے۔

اے حسن حقیقی نور ازل تیڈا تاج شھانہ نھیں بھلڑاں

دعائیہ نظم کا آغاز کچھ اس طرح کرتے ہیں

خداوندا چا رحمت کراُوں پنجتن پاک دا صدقہ
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدنی شہ لولاک دا صدقہ

یارانِ نبی و پنجتن پاک کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں:

ہے حدیث صحیح نبی فرمائے میڈے پاکیں داجیکوں پیار نھیں
ایمان کولوں او خالی ہے جیڑھا پنجتن دا حبدار نھیں
صدیق عمر عثمان علی منیا چوں کوں جیں سردار نھیں
عبدؔا جھیڑھا دشمن میڈے یاراں دا او جنت دا حقدار نھیں

یہ تحریر مولانا عبدالستار سعیدیؔ مدرس گورنمنٹ ہائی سکول اوچشریف کی ہے۔

مولوی عبدالمجید عبیدی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ عبدالمجید عبیدی اوچشریف کے موضع اوچ بخاری میں پیدا ہوئے حضرت کے والد کا نام محمد امین تھا۔آپ کے بھائی محمد ظریف چھوٹی عمر میں وفات پا گئے۔ اور دوسرے بھائی محمد رفیق رحمانی صفر المظفر 1435ھ میں وفات پا کر اپنے بھائی کے ساتھ مدفون ہوئے۔ علامہ عبیدی نے والد کے زیر سایہ میٹرک کیا، والد محترم کے وصال کے بعد گھریلو و دیگر تمام دتر ذمہ داریاں آپ پر عائد ہو گئیں۔ دن بھر لوگوں کے مکان بناتے۔ رات کو حضرت علامہ فیض احمد اویسی کے پاس جا کر دینی علم حاصل کرتے تھے۔ دینی علم کے حصول کے بعد دربار حضرت سید سلطان بودل شاہ کے ساتھ ایک دینی درسگاہ قائم کی درس گاہ میں قرب وجوار اور دور افتادہ طلباء علمی فیض حاصل کیا کرتے تھے۔عمر کے اسی دورانیہ میں آپ نے ذکر اذکار اور وظائف کے ساتھ باقاعدہ مراقبہ کیا۔ یہ مراقبہ چھ ماہ تک جاری رہا، قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ مذکورہ مراقبہ کی مدت کے دوران آپ نے کھانا چھوڑ دیا۔صرف ایک چھٹانگ چنے اور پانی آپ کی قوت لایموت تھی۔ مراقبہ سے بالعموم اور مراقبہ کے بعد بالخصوص آپ کے روحانی فیوض وبرکات کے چشمے پھوٹ پڑے۔ طبعی، آسیبی اور ہر قسم کے مریضوں کا روحانی علاج کرتے۔ اخلاقیات کے اعتبار سے آپ عدیم النظیر انسان تھے۔ ہمسایہ کے حقوق اور انسانی خدمت انجام دینے میں آپ بے مثال تھے۔آپ کی روحانیت اور اخلاق کے باعث لوگ آپ کے عقیدت مند تھے۔آپ بہت بڑے مہمان نواز تھے، مہمان کے آنے میں تاخیر ہو جاتی تو آپ عالم بیتابی میں وقت

گزارتے۔ آپ کے روحانی ادراک کا یہ عالم تھا کہ مہمان خانے میں مہمان نہ ہونے کے باوجود کھانا تیار کرنے کا حکم صادر فرما دیتے۔ پھر واقعتاً کچھ دیر بعد مہمان آجاتے تھے۔

لاڑکانہ کے حاجی خادم حسین چلہ کشی کے سلسلہ میں دربار حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کے مزار پرانوار پر حاضر ہوئے۔ خواب کے عالم میں حاجی صاحب موصوف کو حضرت عبیدی کے پاس جانے کا حکم ہوا۔ حاجی صاحب اوچشریف آئے۔ ابھی تانگہ سے اترے تھے کہ حضرت عبیدی نے فرمایا ''حاجی خادم حسین آپ نے آنے میں بڑی دیر لگا دی ہم تو آپ کے منتظر ہیں'' حاجی صاحب مذکور یہ گفتگو سن کر متحیر ہوئے، فیض حاصل ہونے کی خواہش اور یقین میں مزید پختگی آگئی۔ حاجی صاحب یہاں قیام پذیر ہوئے اور فیض حاصل کیا۔ کبھی لاڑکانہ چلے جاتے ہیں کبھی شہر سلطان قیام کرتے ہیں اور لوگوں کو مستفید کرتے ہیں۔ اب حاجی خادم حسین مولوی عبدالرحمان سیفی کی مسجد گلزار مدینہ بدھو والی اوچشریف میں بنوا رہے ہیں۔ وصال سے چند دن قبل ایک روحانی عامل آئے، اس نے کہا کہ آپ کو دو ہستیوں کی زیارت ہو چکی ہے، تیسری عظیم ترین ہستی کی زیارت کے آپ خواہش مند ہیں۔ ان کا بھی جلد دیدار ہوگا۔ پہلی دو ہستیاں حضرت ابوبکر صدیق رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ تیسری ہستی محبوب خدا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، لہٰذا روحانی عامل کے اس بیان کے عین مطابق دو تین دن کے بعد آپ کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس کا دیدار نصیب ہوا۔ اس خوش نصیبی کے بعد آپ صرف دو دن بیمار ہوئے اور سفرِ آخرت اختیار فرمایا۔ ہزاروں لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی۔ مولانا کو حسب وصیت مدرسہ کے قریب سید سلطان بودل شاہ کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ آپ کی اولادِ نرینہ میں مولانا عبدالغفار حامی، عبدالستار، عبدالرزاق، مولوی عبدالغفور اور حافظ محمد عبیداللہ ہیں۔ حامی صاحب نعتیہ شاعری میں ترقی کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ 17 شوال کو سالانہ عرس کی تقریب منعقد کی جاتی ہے، تقریب میں تمام عقیدت مند حضرات شامل ہوتے ہیں۔

تحریر:۔ شاعر اہلسنت جناب عبدالغفار حامی صاحب

مولانا محمد عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ

سرزمینِ اولیاء اوچشریف علم وادب کی سرزمین ہے، یہاں عالم اسلام کی سب سے پہلی اسلامی یونیورسٹی سرتاجِ اولیاء، حضرت صفی الدین حقانی گاذرونی رحمۃ اللہ علیہ نے قائم کی۔ اس علمی ورثے کو وقت کے ساتھ ساتھ علم وادب سے آشنا حضرات نے آگے بڑھایا۔ان میں ایک نام مولوی محمد عبید اللہ کا ہے۔

مولوی محمد عبید اللہ ایک علمی گھرانے میں اوچشریف کی نواحی بستی ''حلیم پور'' میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد گرامی کا نام مولانا محمد حبیب اللہ تھا جو اپنے وقت کے ممتاز عالمِ دین تھے اور قابل اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ریاست بہاولپور کے نواب آپ کے شاگردوں میں سے تھے اور ریاست سے سرکاری ملازمین کی پینشن آپ کی کوششوں سے شروع ہوئی اور سب سے پہلے پنشن آپ کو ملی۔آپ صوبہ بلوچستان سے ہجرت کر کے ریاست بہاولپور میں آباد ہوئے، بقول مفتی عبدالمجید سعیدی پھل تعویذ لکھنے کی وجہ سے ''پھل'' مشہور ہوئے۔

مولوی محمد عبید اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی سے حاصل کی اور ان کی کوششوں سے اس قدر اردو کی قابلیت سے ہمکنار ہو گئے کہ اوچشریف کے اکثر خاندان (بخاری، خواجگان، سوڈھگان وغیرہ) آپ کے شاگرد ہیں۔مخدوم غلام اصغر بخاری سجادہ نشین دربار جلالیہ عالیہ اوچشریف ان کے برادر مخدوم عون محمد بخاری، خواجگان قوم کے سربراہ خواجہ مظفر حسین آپ کے مشہور شاگردوں میں ہیں۔سوڈھگان کے حاجی اللہ بچایا، حاجی عبدالرزاق آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔آپ نے جوانی میں مجاہد فورس میں شمولیت اختیار کی اور 1965ء کی جنگ میں حصہ لیا، بعد ازاں مجاہد فورس کو خیر باد کہہ کر اپنا ذاتی کاروبار زرگر کی حیثیت سے شروع کیا اور اس میدان میں بھی ایمانداری اور کامیابی سے اپنا لوہا منوایا۔آپ سارا دن سنیار کی دکان پر علم کے موتی لٹاتے تھے اور شہر کے سینکڑوں طلبہ کو اردو کی تعلیم سے آراستہ کیا جبکہ گھر پر آپ کی والدہ محترمہ اور اہلیہ محترمہ بچیوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتی تھیں۔

مذہبی غیرت کا جذبہ

آپ میں اپنے مسلک کی محبت کا جذبہ اور دینی غیرت کمال درجہ کو پہنچی ہوئی تھی۔ اوچشریف میں سالانہ جلسہ (رجبی) معراج النبی دیوبندی اور بریلوی حضرات اکھٹے کیا کرتے تھے مگر ایک موقع پر دیوبندی حضرات کے علماء عطاء اللہ شاہ بخاری، مولوی قائم دین اور مولوی عبدالستار تونسوی نے جلسہ میں مذہبی نفرت پھیلائی۔ ان میں سے ایک صاحب نے سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ مبارک کو گیس (لالٹین) سے تشبیہ دی۔ دوسرے نے سرکار کے معاذ اللہ عیوب کا ذکر کیا اور تیسرے نے بریلوی اہلسنت وجماعت کو مشرک وبدعتی کہا، جس پر آپ کی مذہبی غیرت نے گوارہ نہ کیا اور آپ نے چوہدری شرف الدین ٹھیکدار، چوہدری خورشید احمد اور مولانا فیض احمد اویسیؒ کے تعاون سے علیحدہ جلسے کا آغاز میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سے شروع کیا جو بعد میں رجبی شریف کے جلسہ میں تبدیل ہو گیا۔ جن نوجوانوں نے اس سلسلے میں تعاون کیا ان میں غلام فرید بھٹی، حق نواز قمرؔ، چوہدری مرید احمد وغیرہ شامل تھے۔ آپ کی سعی وکوششوں سے پاک وہند سے علمائے کرام ومشائخ عظام سالانہ جلسہ میں تشریف لاتے تھے۔ جن میں محدثِ اعظمِ ہند، علامہ مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی، غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی، مولانا محمد عمر اچھروی، مولانا عنایت اللہ سانگلہ ہل کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپ کا لگایا ہوا یہ شجر سدا بہار آج بھی سالانہ جلسہ عید معراج النبی کی صورت میں اہلسنت کے لیے موسمِ بہار کی حیثیت رکھتا ہے۔

سلسلہ طریقت

آپ پہلے ضلع رحیم یار خان کے علاقے آباد پور کے بخاری سادات کے مرید ہوئے بعد میں اوچشریف میں حاجی بشیر احمد بھٹہ کے سالانہ جلسہ عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جگر گوشہ غزالیٔ زماں صاحبزادہ سید حامد سعید کاظمی کے علمی دلائل اور شخصیت سے متاثر ہو کر ان کے مرید ہو گئے اور حاجی بشیر احمد بھٹہ کو بھی ان کا مرید کرایا۔

آپ کی اولاد میں چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں، آپ کی رہائش اوچشریف کے محلہ

بخاری میں تھی، آپ کے گھر کے نزدیک حضرت جلال الدین سرخپوش کے خلیفہ مجاز حضرت بابا پیر مناں کا مزار ہے، آپ نے سب سے پہلے اپنے شناختی کارڈ میں اپنا رہائشی پتہ محلہ پیر مناں کے نام سے جاری کرایا بعد میں اس نام کو اس قدر شہرت حاصل ہوئی کہ آج پیر مناں کے نام کا علیحدہ محلہ ہے۔

آپ ساری زندگی دین کی خدمت کرتے رہے، آخری ایام میں پھیپڑوں کی تکلیف کی وجہ سے بیمار ہوئے۔ چند ماہ بیمار رہنے کے بعد 3 ستمبر 2002 بروز بدھ کو نمازِ عصر کے وقت جیسے ہی موذن نے ''حی علی الصلوٰۃ'' پکارا تو اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔۔ آپ کو آبائی قبرستان میں دربار حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت بخاری کے سائے میں دفن کیا گیا۔ یہ تحریر مذکور کے پوتے موسیٰ رضا پھل نے دی ہے۔

علامہ مولانا مفتی محمد اقبال رضوی سعیدی رحمۃ اللہ علیہ

مولوی عبید اللہ کے بڑے بیٹے کا نام ''محمد اقبال'' ہے جو 1943ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اوچشریف کے سرکاری ہائی سکول میں حاصل کی، آٹھویں جماعت کے بعد دینی تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور اوچشریف کی نواحی بستی فیض آباد کے مدرسہ مدینۃ العلوم میں داخل ہوئے۔ مناظر اسلام شیخ القرآن والحدیث مولانا محمد منظور احمد فیضیؒ سے درسِ نظامی کے بعد دور حدیث کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ انوار العلوم ملتان میں بھی دورۂ حدیث شریف کیا اور غزالیٔ زماں سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ سے دستارِ فضیلت حاصل کی اور مفتی محمد اقبال رضوی کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ آپ کے شاگرد پاکستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

مفتی صاحب نے مختلف دینی مدارس میں علمی خدمات سرانجام دیں جن میں جامعہ دار القرآن جلال پور پیروالہ اور جامعہ انوار العلوم ملتان قابل ذکر ہیں۔ آپ خورشید ملت مولانا خورشید احمد فیضیؒ کے مدرسہ میں بھی پڑھاتے رہے مناظر اسلام مولانا منظور احمد فیضیؒ کے قابل فخر تلامذہ میں سے تھے تدریس کی ابتدا آپ کے مدرسہ میں آپ کے زیر سایہ کی اور

غزالیٔ زماں سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے با اعتماد مرید وشاگرد بنے۔آپ نے غزالیٔ زماں کے ساتھ شبانہ روز کام کیا اور آپ کے ترجمہ قرآن البیان اور تفسیر لکھنے میں معاونت کی آپ کی علمی خدمات کیوجہ سے غزالیٔ زماں نے آپ کو خلافت اور سند حدیث عطا فرمائی آپ جامعہ انوار العلوم ملتان میں شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز تھے اور علم کے موتی لوٹاتے رہے۔

(افسوس! صد افسوس! کہ کتاب کی پروف ریڈنگ کے دوران شیخ الحدیث والتفسیر، استاذ العلماء، زبدۃ الفقہاء، قدوۃ الصلحاء حضرت علامہ مولانا مفتی محمد اقبال سعیدی صاحب نور اللہ مرقدہ اس دارِ فانی سے راہیِ ملکِ بقا ہو گئے۔ان کے حالاتِ زندگی قبلہ والدِ گرامی، سراجِ اہلسنت، مربیِ جسم وروح حضرت علامہ مولانا سراج احمد سعیدی صاحب دامت برکاتہم القدسیہ نے محمد موسیٰ پھل سے رقم کرائے تھے، اب چونکہ مفتی صاحب قبلہ انتقال فرما چکے ہیں اس لیے قوسین میں موجود حالات کو ترتیب دینے کا شرف اس ناچیز (مولانا محمد حامد سراج خان) کو ملا ہے۔

حضرت قبلہ مفتی صاحب ایک طویل عرصے سے ملتان شریف میں تشریف فرما رہے اور وہیں جامعہ انوار العلوم میں منصبِ تدریس پر فائز رہے، محتاط اندازے کے مطابق 45 سال سے زائد عرصے تک تعلیم وتدریس کا سلسلہ قائم رکھا، ایک عرصے تک آپ جامعہ انوار العلوم ملتان میں شیخ الحدیث اور استاذ الحدیث کے منصبِ عالی پر براجمان رہے، جہاں ہزاروں تشنگانِ علم کو آپ نے احادیث مبارکہ کے آب سے سیراب کیا، آپ کے شاگردوں میں غزالیِ زماں کی علمی وراثتوں کے امین، جگر گوشۂ حضور غزالیٔ زماں، شیخ الحدیث حضرت علامہ سید ارشد سعید کاظمی، مفتیٔ اسلام، مناظرِ اہلسنت، استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی عبد المجید خان سعیدی آف رحیم یار خان اور پیر سید اشفاق احمد بخاری صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ سرِ فہرست ہیں۔مفتی صاحب قبلہ کچھ عرصہ تک داتا نگر لاہور میں بھی جلوہ فرما رہے، وہاں کے جلیل القدر علماء سے آپ کے تعلقات تھے، جن میں محدثِ پاکستان، شارحِ بخاری ومسلم، مفسرِ قرآن حضرت علامہ غلام رسول سعیدی نور اللہ مرقدہ کا نام بھی شامل ہے۔ایک بار جامعہ فیضیہ رضویہ احمد پور شرقیہ میں میلاد النبی کا جلسہ تھا، غزالیِ زماں، رازیِ دوراں اپنی تقریرِ دلپذیر سے لوگوں کے قلوب کو منور فرما رہے تھے کہ اثنائے تقریر آپ نے فرمایا کہ بروزِ

قیامت اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ کاظمی! میرے لیے دنیا سے کیا لائے ہو تو میں شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا منظور احمد فیضی صاحب کو پیش کر دوں گا کہ یہ لایا ہوں، اسی جلسہ میں حضرت قبلہ فیضی صاحب نے فرمایا کہ اگر مجھ سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ فیضی! میرے لیے دنیا سے کیا لائے ہو تو میں مفتی محمد اقبال سعیدی کو پیش کر دوں گا کہ یہ لایا ہوں۔ (یہ واقعہ ہمیں قبلہ والدِ گرامی مدظلہ وعمرہ اور برادرِ خورد جناب ساجد سراج عطاری سلمہ نے سنایا) اور انہوں نے دوسرا واقعہ حضرت قبلہ استاذِ گرامی مفتی عبدالمجید صاحب سعیدی سے سنا کہ جب وہ (مفتی عبدالمجید صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ) جلال پور پیر والا میں حضرت قبلہ مفتی صاحب کے پاس زیرِ تعلیم تھے تو ایک بار قبلہ مفتی صاحب کو ان کے کسی دوست نے فون کیا۔ کہا کہ میں ملاقات کے لیے آپ کے پاس آرہا ہوں اور کھانے میں دیسی مرغ کھاؤں گا، قبلہ مفتی صاحب نے گاؤں سے ایک دیسی مرغ پہلے منگوالیا ایسا اتفاق ہوا کہ وہ تشریف نہ لا سکے، اور دیسی مرغ ذبح ہونے سے بچ گیا، جب اسے دانہ ڈالنا ہوتا تو مفتی صاحب جامعہ کے دانے اسے ڈالنے سے روک دیتے اور فرماتے کہ وقف کی گندم میرے ذاتی مرغ کے لیے کیسے استعمال ہو سکتی ہے؟ اپنی جیب سے پیسے دے کر فرماتے کہ ان کے دانے لے کر مرغ کو ڈالو۔ مدارس و جامعات سے متعلق وہ حضرات جو وہاں کا پیسہ خود پر بغیر اجازتِ شرعی استعمال کرتے ہیں ان کے لیے اس واقعہ میں اصلاح کے کئی پہلو موجود ہیں۔

حضرت قبلہ مفتی صاحب طویل عرصے سے صاحبِ فراش تھے، اپنے والدِ گرامی کی طرح آپ کو بھی پھیپھڑوں کا عارضہ لاحق تھا، طویل علالت کے بعد ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ ہجری مطابق 5 مارچ 2016 کو رات دس بجے تقریباً نمازِ عشا کی ادائیگی کے بعد آپ کی طبیعت سخت خراب ہوئی، جب آپ کو ہسپتال لے جانے لگے تو ارشاد فرمایا کہ مجھے کہیں لے جانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میرے مرشدِ کریم مجھے لینے آگئے ہیں۔ آپ کی نمازِ جنازہ مظہرِ حضور غزالیٔ زماں صاحبزادہ سید مظہر سعید کاظمی نے پڑھائی اور جنازہ سے قبل اپنے تاثرات میں فرمایا کہ آفتابِ علم غروب ہو گیا ہے۔ یعنی مفتی صاحب کے وصال کے ساتھ ہی آفتابِ علم و ہدایت غروب ہو گیا ہے۔ جگر گوشۂ غزالیٔ زماں صاحبزادہ ارشد سعید کاظمی صاحب نے فرمایا کہ ہمارے استاذِ گرامی

(مفتی صاحب) اس حال میں دنیا سے جارہے ہیں کہ آپ کے فرائض وواجبات مکمل ہیں، ان میں کچھ کمی نہیں ہے۔) (بقول محمد حامد سراج خان عطاری حال مقیم کراچی)

مولانا محمد حق نواز قمر رحمۃ اللہ علیہ (ایڈووکیٹ)

آپ کے دوسرے صاحبزادے کا نام محمد حق نواز تھا جو 1959ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ہائی سکول اوچشریف سے حاصل کی۔ پرائیویٹ بی، اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے ایل ایل بی کیا۔تحریکِ ختمِ نبوت اور تحریکِ نظامِ مصطفیٰ کے ہراول دستے کے رکن کی حیثیت سے کام کیا۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں جب آپ نے لاء میں داخلہ لیا تو پہلی بار اسلامیہ یونیورسٹی میں انجمن طلباء اسلام (A.T.I) کا مکمل یونٹ کامیاب ہوا اور تا حال یہ کامیابی چل رہی ہے۔آپ انجمن طلباء اسلام، جمعیت علماء پاکستان اور جماعت اہلسنت کے ہراول دستے میں شمار ہوتے تھے۔ انجمن طلباء اسلام کے ناظم پنجاب کی حیثیت سے کام کیا۔ جمعیت علماء پاکستان میں قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کے قابلِ اعتماد ساتھی کی حیثیت سے کام کیا اور رکن مجلس شوریٰ رہے۔ قائد ملتِ اسلامیہ نے کمال شفقت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے آپ کو "قمر" کے تخلص سے نوازا اور آپ نام کی بجائے "قمر" کے لقب سے زیادہ مشہور ہوئے۔آپ نے زندگی کا اکثر حصہ بہاولپور میں دینی وملی اور ایڈووکیٹی خدمات میں گزارا۔

وصال

4 نومبر 2005ء مطابق یکم شوال (چاندرات) رات ایک بجے خالق حقیقی سے جا ملے۔ نماز جنازہ بہاولپور کی شاہی عید گاہ میں شیخ الحدیث مفتی اقبال رضوی صاحب نے پڑھائی۔ لوگ اشکبار تھے اور کہہ رہے تھے کہ قمر صاحب بہاولپور کے عوام کو یتیم کر گئے۔ آپ کی تدفین بہاولپور کے مشہور بزرگ سید احمد گیلانی کے مزار سے ملحق قبرستان میں کی گئی۔ یہ تحریر موسیٰ رضا بھل کی ہے۔

مولانا فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا فقیر اللہ جامع مسجد دربار حضرت محمد غوث بندگی و سید عبدالقادر ثانی رحمہم اللہ میں امام و خطیب تھے۔ بہت وجیہہ و حسین تھے۔ آپ کے والدین نے آپ کا نام اللہ ڈیوایا رکھا تھا، مولانا حسین احمد مدنی صدر مدرسہ دیوبند نے فقیر اللہ رکھا۔ آپ مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد تھے اور مدرسہ دیوبند کے فارغ التحصیل تھے لیکن ان کے معمولات جماعت اہلسنت کے مطابق تھے۔ تقبیلِ ابہامین، دعا بعد نماز جنازہ، ختم شریف مکمل برطعام، صلاۃ وسلام بحالت قیام، گیارہویں شریف اور محفل میلاد کے نہ صرف جواز کے قائل تھے بلکہ عامل تھے۔ استاذ العلماء حضرت مولانا منظور احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا فقیر اللہ نے کفریہ عبارات پر علمائے عرب وعجم کے فتویٰ کی تصدیق کی تھی۔ حافظ امان اللہ قادری مدرس مدرسہ محبوب سبحانی، حاجی قادر بخش، ملک غلام رسول بھٹی اور صوفی عبدالحکیم غازی نے بتایا ہے کہ حضرت مولانا فقیر اللہ نے اللہ بخش بیکس سوڈھے کی نماز جنازہ پڑھائی اور نماز جنازہ کے بعد دعا مانگی۔ مولوی عبدالواحد بڈانی نے اعتراض کیا، آپ نے فرمایا: مولانا میں دربار شریف پر جارہا ہوں آپ آجائیں میں آپ کو حدیثیں دکھاتا ہوں۔ دربار شریف پر پہنچ کر آپ نے غلام رسول بھٹی کو فرمایا حدیث کی تین کتابیں جو فلاں جگہ پر رکھی ہیں لے آؤ۔ بھٹی صاحب کتابیں لے کر آگئے ادھر مولوی عبدالواحد صاحب بڈانی نے حاضری کی اجازت مانگی، آپ نے اسے بلایا اور حدیثوں سے نماز جنازہ کے بعد دعا کو ثابت کیا۔ مولوی عبدالواحد بڈانی خاموش ہو کر چلے گئے۔ ایک جمعہ کے خطبے پر کسی نے سوال بھیجا کہ مزار والے اولیا سے مدد مانگنا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: فقیرو! مجھے تو سب کچھ انہیں سے ملتا ہے، جس دن شاہ فیصل پر اس کے بھتیجے نے گولی چلا کر اسے ہلاک کر دیا تھا اس رات کو جامع مسجد حضرت محمد غوث بندگی میں محفل گیارہویں شریف تھی۔ کاتب الحروف کا بیان تھا اور حضرت مولانا فقیر اللہ صدرِ محفل تھے۔ حضرت قبلہ مخدوم الملک سید شمس الدین گیلانی تشریف لائے اور مسجد کے دروازے میں بیٹھ گئے جب وعظ ختم ہوا تو انہوں نے

بتایا کہ آج شاہ فیصل کو اس کے بھتیجے نے گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے، محفل کا اختتام صلاۃ وسلام اور ختم شریف پر ہوا تھا۔ مولانا فقیر اللہ نے کھڑے ہو کر سلام پڑھا اور دعا مانگی۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومتے تھے اور درود شریف پڑھتے تھے۔ حضرت حافظ امان اللہ صاحب قادری جو پچاس سال سے دربار عالیہ گیلانیہ میں تعلیم قرآن کی خدمت انجام دے رہے ہیں ان باتوں کے گواہ ہیں۔ اس وقت گیارہویں شریف کی محفل مولوی بخت علی کراتے تھے۔

صوفی عبدالحکیم غازیؔ نے لکھا ہے کہ مولانا فقیر اللہ نے ابتدائی تعلیم مولوی محمد حیات مستوئی سکنہ چک کیہل سے حاصل کی، مولوی نبی بخش چغتائی اور مولوی امیر محمد خان بلوچ ہمہ اوستی سے بھی کسب فیض کرتے رہے پھر وہ مولانا حسین احمد مدنی کے پاس دیوبند چلے گئے تھے، وہاں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن واپس آ گئے اور دربار عالیہ حضرت محمد غوث بندگی رحمۃ اللہ علیہ کی جامع مسجد میں امامت وخطابت اور تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ ان کا یہ سلسلہ چالیس سال تک جاری رہا وہ حضرت مخدوم الملک پیر سید شمس الدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اتالیق تھے۔ مولانا فقیر اللہ کا انتقال نماز پڑھاتے ہوئے ہوا تھا، ان کا مزار مسجد کے صحن والی دیوار کے ساتھ ہے، مولانا فقیر اللہ کے وصال کے بعد راقم نے خواب دیکھا کہ وہ بہت اچھی حالت میں شیخ الاسلام والمسلمین فرید الملۃ والدین حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہٗ العزیز کے مزار پر کھڑے ہو کر دعا مانگ رہے تھے۔

اوچ کی انجمن تاجران

اوچ شریف کی سبزی منڈی میں ہر قسم کی سبزیاں اور پھل موجود ہوتے ہیں۔ دوکاندار اپنی ضرورت کے مطابق اشیا خریدتے ہیں، شہری دوکانداروں کے علاوہ دور دراز سے بھی دوکاندار آتے ہیں اور سبزیاں وپھل لے جاتے ہیں۔ تجارت پیشہ لوگوں نے کافی عرصہ پہلے ایک انجمن تشکیل دی اور اس کا نام انجمن تاجران اوچ شریف رکھا تھا۔ گزشتہ زمانے میں

اس کے صدر ملک غلام رسول بھٹی تھے، اب اس کے صدر محترم جناب حاجی رشید احمد خان لنگاہ ہیں۔ خان صاحب ہنس مکھ انسان ہیں اور معاملہ فہمی میں اچھا خاصہ ملکہ رکھتے ہیں۔ بولنے اور بات سمجھنے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ آفیسران سے ڈیل کرنے کے گُر جانتے ہیں، دوستوں کے دوست ہیں۔ مہمان نواز اور بہت سخی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی جھولی کو آباد فرمائے۔ آمین۔

ان کے چھوٹے بھائی حافظ جمیل احمد خان کونسلر کا الیکشن لڑتے ہیں اور کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ تھانے کے معاملات میں لوگوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ اور لوگوں کے جھگڑوں میں افہام وتفہیم کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اوچ کی نہریں

اوچشریف کا شہر دو نہروں کے مابین ہے۔ پرانی نہر عباسیہ ہے جو اوچشریف کے مغرب میں ہے اور نئی نہر عباسیہ لنک کینال ہے جو اوچشریف کے مشرق میں بارہ ماہ پانی سے چلتی رہتی ہے۔ دونوں نہریں ہیڈ پنجند سے نکلتی ہیں، تیسری نہر پنجند ہے جو اوچشریف سے کچھ فاصلے پر بجانب مغرب رواں دواں ہے اس نہر کا پانی سکھر تک جاتا ہے۔

نہروں کے پانی نے گرد ونواح کی زمینوں کو سیم زدہ کر دیا ہے جس سے فصلات اور مکانوں کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے، لوگ نقل مکانی کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ سرکاری ٹیوب ویلوں کی وجہ سے پانی کی تہہ بہت نیچے چلی گئی تھی، جب سے ٹیوب ویل سسٹم ختم ہوا پانی ابھر کر زمین کے اوپر آ گیا ہے۔

اوچشریف کے مشرق میں ریت کے ٹیلے تھے جو اب نئی سڑکوں کی بھرتی میں کام آ گئے ہیں، اوچشریف کے شمال میں چین کی مدد سے موٹر وے بن رہی ہے اور مغرب جنوب کی طرف جا رہی ہے۔ اوچشریف کی مٹی نرم ہے اور بہت زرخیز ہے۔ زیرِ زمین پانی میٹھا ہے۔ اور ذائقے میں آبِ زمزم شریف سے ملتا جلتا ہے۔ اس کی زمین میں ہر قسم کی فصل اگتی ہے۔ گندم، کپاس، کماد، مکی، باجرہ، اور چاول کی کاشت زیادہ ہوتی ہے۔ آم کے

باغات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ رکنوں اور کھجور کے باغات بھی ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی بہت ساری نعمتوں سے اوچ متبرکہ مالا مال ہے۔

اوچ گیوسے خوش تھیوسے
نور بھرے دروازے
ایڈوں اوڈوں ندیاں وہن
دھاون وچہ شہزادے

اوچ دیاں کھجیاں نندے لعل دیاں جالیں
قسمت دے میلے تے نصیبے دیاں گالھیں

پیر مناں

آپ کا نام صالح محمد تھا لیکن آپ پیر مناں کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کا مزار محلہ پیر مناں میں واقع ہے۔ آپ بھی حضرت مخدوم سید جلال الدین حیدر سرخ بخاری کے خلفاء میں سے ہیں۔ بہت بڑے صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ ان کی ایک کرامت آج تک جاری وساری ہے کہ جس کے جسم پر مکوڑیاں ہوں وہ آپ کے مزار پر جمعہ کی صبح کو جھاڑو دے اور یہ عمل دو تین جمعے کرے اس کے جسم پر پیدا ہونے والی مکوڑیاں ختم ہو جائیں گی اور آئندہ پیدا نہ ہوں گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) آپ کے مزار کے ارد گرد رہنے والے مسلمان آپ کا سالانہ عرس بھی کرتے ہیں اور مزار کی حفاظت کی ذمہ داری بھی نبھاتے ہیں۔

جہاں گیر سرمست

سید جلال الملۃ والدین شیر شاہ سرخ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے متصل شرقی طرف ایک مزار ہے کہا جاتا ہے کہ یہ مزار حضرت جہاں گیر سرمست کا ہے۔ یہ بزرگ بھی حضرت سید جلال اللہ کو وسیلہ بنانے والوں میں تھے۔ اور صاحب استغراق تھے۔ (559)

سرکار جلال الملۃ والدین کے فیض کی تاثیر تھی کہ جس پیالے سے آپ پانی نوش

فرماتے تھے وہ بھی آپ کے ساتھ مل کر ذکر اسم ذات کرتا تھا، آپ نے جادو کے اثر سے چلنے والے کنویں کو روک دیا اور پھر اسے اللہ پاک کے نام سے چلایا تو پانی کے قطرے قطرے سے اللہ، اللہ، کی آواز سنائی دینے لگی یہ بعید نہیں کہ آپ نے جہانگیر کو سرمست بادۂ الست بنا دیا ہو۔

چار جلسے

اوچ شریف میں رجب المرجب کے مہینے کی 27-28-29 کو چار جلسے بڑے تزک واحتشام سے ہوتے ہیں۔ یہ جلسے معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ یہ جلسے بہت مشہور ہیں لوگ ان جلسوں کا انتظار کرتے رہتے ہیں اور علمائے کرام کے خطابات سننے کے لئے بے چین رہتے ہیں۔

پہلا جلسہ

جماعت اہل سنت حنفی بریلوی کا جلسہ مدرسہ عزیز العلوم میں منعقد ہوتا ہے۔ جو پہلے اوچ شریف کی صدر میں منعقد ہوتا تھا۔ مخدوم الملک مخدوم سید غلام اصغر بخاری جلسہ کے لیے جگہ فراہم فرماتے رہے اس وقت اس جلسہ کا انتظام حضرت مولانا فیض احمد اویسی، مولانا عبید اللہ، چوہدری شرف الدین اور چوہدری خورشید احمد کے سپرد تھا۔ چوہدری خورشید احمد کی وفات کے بعد چوہدری خوشی محمد نے اس کا نظام سنبھالا۔ ان کے فوت ہو جانے کے بعد دیوان سید مقبول حسن نے جلسہ کو چار چاند لگائے اور اس کے لیے ڈاکٹر خورشید احمد کے ڈیرے کا صحن استعمال کیا۔ یہ جگہ بھی صدر سے ملحق تھی۔ دیوان صاحب کے ساتھ محمد اقبال بھٹی اور چوہدری محمد رفیق شامل رہے۔ چوہدری محمد رفیق کے فوت ہو جانے کے بعد حاجی غلام یٰسین سومرو اور چوہدری محمد فیاض سعیدی نے دیوان صاحب کا ساتھ دیا۔ جب دہشت گردی نے ملک کے امن وامان کو بگاڑ دیا تو حکمرانوں نے اوپن جگہ میں جلسہ کرنے پر پابندی لگا دی۔ پھر یہ جلسہ مدرسہ عزیز العلوم کی چہار دیواری کے اندر ہونے لگا۔ حاجی غلام یٰسین سومرو اور چوہدری محمد فیاض سعیدی کی سربراہی میں جماعت اہلسنت کی تمام

تنظیمیں اور ان کے کارکنان مل جل کر اس جلسہ میں اپنی خدمت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

دوسرا جلسہ

مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا جلسہ جامع مسجد فاروقیہ محلہ سوڈھگان میں ہوتا ہے۔ اس مسلک سے تعلق رکھنے والی تمام تنظیمیں اپنی استطاعت کے مطابق جلسہ کو کامیاب کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ پہلے دور میں حاجی عبدالرزاق سوڈھا اور ماسٹر اللہ وسایا اس کا انتظام کرتے تھے، پچاس سال پہلے بریلویوں اور دیوبندیوں کا جلسہ اکٹھا ہوا کرتا تھا۔ دونوں مسلک کے علماء ایک اسٹیج پر بیان فرما کر لوگوں کے قلوب کو دینی واصلاحی تازگی بخشتے تھے۔ ایک بار مسلکِ دیوبند کے مناظر علامہ عبدالستار تونسوی نے جمعہ کے بعد اپنے بیان میں خواجہ محمد یار فریدی کے دیوان کو اٹھا کر کچھ اشعار سنائے اور صوفیوں، بریلویوں کو مشرک قرار دیا اور کہا کہ بریلوی شیعہ سے زیادہ خطرناک ہیں لہٰذا ان سے مقاطعہ کرنا ضروری ہے۔ بس ان کے اس خطبہ وخطاب کے بعد اوچشریف کے بریلوی اور دیوبندی الگ الگ ہو گئے اور اس طرح رجبی شریف کے جلسے بھی الگ الگ ہونے لگے۔ سوڈھگان برادری کے سرکردہ افراد اپنے جلسے کا انتظام کرتے ہیں اور حکومت سے جلسہ کرنے کی منظوری لیتے ہیں۔

تیسرا جلسہ

محلہ بخاری بنگلہ بخاری پر ہوتا ہے۔ یہ جلسہ مخدوم الملک مخدوم سید غلام اصغر بخاری کے دور سے ہو رہا ہے۔ اب اس جلسہ کے روحِ رواں مخدوم الملک مخدوم سید زمرد حسین بخاری ہیں۔ اس جلسہ کے حاضرین سے شیعہ علماوذاکرین خطاب کرتے ہیں۔ آخری دن خاندانِ بخاری کے تبرکات کی زیارت بھی کرائی جاتی ہے۔

چوتھا جلسہ

محلہ خواجگان میں حضرت صفی الدین حقانی گاذرونی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے سامنے تھلہ پر

ہوتا ہے۔ اس جلسہ کے پہلے مہتمم خواجہ مظفر حسین تھے پھر خواجہ ناصر حسین تھے۔ اب اس جلسہ کا اہتمام خواجہ عنصر عباس صدیقی کر رہے ہیں۔ جملہ خواجگان حضرات دل کھول کر مدد کرتے ہیں اور تنظیمی وفاداری کا ثبوت دیتے ہیں۔ مسلک اہل تشیع کی ترجمانی کرتے ہیں اور ان کی تنظیمیں بھرپور طریقے سے شرکت کرتی ہیں۔

اسی طرح محرم الحرام میں بھی مندرجہ بالا مسالک کے لوگ جلسے منعقد کرتے ہیں اور بزرگوں کی بارگاہ میں اپنے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ ربیع الاول شریف میں جماعت اہلسنت کی جانب سے پورے مہینے میں محافل میلاد شریف منعقد ہوتی ہیں۔ حاجی غلام یٰسین سومرو کی سربراہی میں شہر کو دلہن کی طرح سجایا جاتا ہے اور بارہ ربیع الاول کی رات کو چوک تھانہ اوچشریف پر عظیم الشان محفل نعت اور وعظ ہوتی ہے۔ نامور علمائے کرام کا بیان ہوتا ہے۔ خصوصاً شہنشاہ خطابت مفکر اسلام علامہ سید حامد سعید کاظمی اپنے خطاب لاجواب سے لوگوں کو ورطہ حیرت میں ڈالتے ہیں۔ اور داد تحسین وصول کرتے ہیں۔ اگلی صبح کو عظیم الشان جلوس نکالے جاتے ہیں جو بوائز ہائی سکول کے گراؤنڈ میں جمع ہوتے ہیں۔

تتمہ

یہ بات بہت مشہور ہے کہ اوچشریف کی دھرتی میں سوا لاکھ اولیاء وصالحین آرام فرما ہیں۔ اس لیے اس شہر کو مدینۃ الاولیا یا مدینۃ السادات کے نام سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ تاریخ اوچ متبرکہ میں چند مشہور و معروف اولیاء اللہ کا ذکر ہوا ہے۔ اور ان کے اسلاف واخلاف کا تذکرہ بھی زینتِ قرطاس بنا ہے لیکن کچھ صالحین مؤمنین ایسے بھی ہیں جن کا ذکر تاریخ کے حوالے سے سامنے نہیں آیا بلکہ تاریخ ان کے بارے میں خاموش ہے۔ ہاں البتہ زبانی کلامی باتیں لوگوں سے سننے میں آتی ہیں اور ان کی صداقت وعدم صداقت کے بارے میں کچھ کہنا بھی دشوار ہے، ایسی باتوں پر ایک عقیدت مند کا دل تو ضرور مسرور ہو جاتا ہے لیکن دنیائے تحقیق کے متوالوں کے سامنے، حوالہ پیش کرنے سے عاجزی کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

حالانکہ تاریخ کے معلومات کا انحصار واحصا، صدری معلومات پر مبنی ہوتا ہے جسے عرفِ عام میں سینہ گزٹ کہا جاتا ہے اور اسی کو سامنے رکھ کر ملکوں، قوموں اور قبیلوں کی تقدیر کے فیصلے کئے جاتے ہیں اور انہی کی روشنی میں اگلی زندگی کا لائحہ عمل تیار کیا جاتا ہے۔ تاریخ میں درج روایات کو پرکھنے کے لیے اور انہیں تسلیم کرنے کے لیے چار تنقیحوں کو مدنظر رکھنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

1۔ جو واقعہ بیان کیا جائے اس کے لیے امکان عقلی اور امکان عادی موجود ہو۔ اگرچہ امکان واقعہ دلیل واقعہ نہیں مگر دونوں قسم کے امکان کا ہونا ضروری ہے۔

2۔ ظرف زماں اور ظرف مکاں کے تقاضے واقعہ کے خلاف نہ ہوں۔

3۔ یہ دنیا عالم اسباب کہلاتی ہے اس لیے کوئی سابقہ مسلمہ واقعہ ایسا ضرور مل جانا چاہیے جو اس واقعہ کی صحت کا سبب قرار پا سکے۔

4۔ ہر واقعہ اپنا ایک اثر رکھتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ واقعہ کے بعد اس کے اثرات پیدا ہوں۔

مندرجہ بالا تنقیحوں پر واقعہ کو پرکھنے کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ اس واقعہ کا راوی کس درجہ کا آدمی ہے یعنی اس کی صداقت و سنجیدگی کا معیار کیا ہے، قابل اعتبار ہے یا نہیں، اس کو اس کے بیان کردہ واقع کا علم کیسے ہوا ہے، اس کے اساتذہ کیسے تھے اور وہ کیسے لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے؟ اس کی دین داری، دیانت و امانت اور اس کی شرافت کی امتیازی حیثیت کیا ہے؟ درجِ بالا مراحل سے گزرنے کے بعد کسی واقعہ کو تاریخ کا تاریخی واقعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ورنہ اسے رام لیلیٰ اور راس لیلیٰ کی کہانیوں سے زیادہ مقام نہیں مل سکتا۔ جہاں تک اولیاء اللہ کے حالات اور ان کی کرامات کا تعلق ہے وہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے جسے تسلیم کیے بغیر ایمان کی بنیادیں متزلزل نظر آتی ہیں، علامہ ابن تیمیہ نے الفرقان میں اسے تسلیم کیا ہے اور قاضی شوکانی نے توبہ نامے میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ لہٰذا اولیاء اللہ و علمائے حقہ کے حالات و واقعات کو ترچھی نگاہوں سے دیکھنا قرینِ مصلحت نہیں۔ ذیل

میں اوچشریف اور گردونواح کے ان بزرگوں کے اسمائے گرامی پیش کئے جاتے ہیں جن کا سنِ ولادت، وصال اور حالات کا علم نہ ہوسکا۔ یہ فہرست محترم صوفی عبدالحکیم غازی سعیدی نے مرتب کی ہے، جو ہم من وعن شاملِ اشاعت کررہے ہیں۔

(1) حضرت پیر خوش رو رحمۃ اللہ علیہ ان کا مزار محلہ بخاری میں ہے۔

(2) حضرت گانمن سچار رحمۃ اللہ علیہ ان کا مزار جلال الدین بخاری کے محل کے شرقی دروازے کے نزدیک ہے۔ مشہور ہے کہ جو کوئی اپنی مراد پانا چاہے وہ آپ کے مزار کے اردگرد سات چکر لگائے اس دوران اگر اسے ہنسی نہ آئے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائے گا۔ (قبروں کا طواف شریعت میں منع ہے)

(3) حضرت پیر دلبر شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ کا مزار محلہ بخاری میں ہے۔

(4) حضرت پیر وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ کا مزار محلہ بخاری میں ہے۔

(5) حضرت پیر صدرالدین اور حضرت پیر بدرالدین رحمہا اللہ تعالیٰ۔ ان کے مزارت سابقہ چونگی شکرانی کے نزدیک ہیں۔

(6) حضرت پیر سید نور شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت رحمۃ اللہ علیہ کے محل میں ہے۔

(7) حضرت پیر سید محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار فضل الدین لاڈلہ کے محل کے دروازے میں ہے۔

(8) حضرت پیر سید کبیرالدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار محلہ خواجگان میں ہے۔

(9) حضرت پیر ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار محلہ دیوان صاحبان میں ہے۔

(10) حضرت پیر جلوشاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار محلہ کنڈا قصاب میں ہے۔

(11) حضرت پیر سید جمیل شاہ، مشہور جیجل شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار محلہ سوڈھگان میں ہے۔

(12) حضرت پیر فیض دین رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار محلہ جگ پورہ میں ہے۔

(13) حضرت پیر فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ۔ان کا مزار محلہ جگ پورہ میں ہے۔
(14) حضرت پیر جتی ستی بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔ان کا مزار صدر اوچشریف میں ہے۔
(15) حضرت پیر سید مراد شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ان کا مزار شمس محل کے نزدیک ہے۔
(16) حضرت پیر یتیم شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار نزد دربار حضرت محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔
(17) حضرت پیر فیض کمال رحمۃ اللہ علیہ۔ان کا مزار بوائز ہائی سکول کے قریب ہے۔
(18) حضرت ظاہر پیر رحمۃ اللہ علیہ۔اور حضرت پیر محمد عثمان ان دونوں کے مزار نزد عیدگاہ اوچشریف ہیں۔
(19) حضرت پیر باکھری رحمۃ اللہ علیہ۔ان کا مزار عیدگاہ اوچشریف کے نزدیک ہے۔
(20) حضرت پیر مسافر شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ان کا مزار شمس محل کے نزدیک ہے۔
(21) حضرت پیر کھوکھری رحمۃ اللہ علیہ۔ان کا مزار شمس محل کے نزدیک ہے۔
(22) حضرت پیر سلطان بودل شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ان کا مزار حسینی چوک اوچشریف سے شمال کی طرف واقع ہے۔
(23) حضرت زندہ لعل سائیں رحمۃ اللہ علیہ۔ان کا مزار موضع حیدر پور میں ڈاھا خیر پور روڈ کے نزدیک واقع ہے۔ان کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کی شادی تھی، اچانک ایک عورت روتی ہوئی آپ کے پاس آ کر کہنے لگی کہ میرے جانور جنگل میں چر رہے تھے۔ چوروں نے جانوروں کو اپنے قبضہ میں کر لیا ہے اور مجھے نہیں دیتے، میری مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے۔آپ نے فرمایا: میرے ساتھ چل میں تیری مدد کرتا ہوں، جب آپ وہاں پہنچے تو چور آپ کے ساتھ جھگڑنے لگے، ایک چور نے آپ کو تلوار ماری تو آپ کی گردن دھڑ سے جدا ہو گئی۔آپ نے ایک ہاتھ پر اپنا سر رکھ لیا اور دوسرے ہاتھ سے جانوروں کو ہانکنا شروع کر دیا چوروں نے یہ منظر دیکھا تو بھاگ گئے۔آپ نے جانور عورت کے سپرد کئے اور اپنی مزار والی جگہ پر آ کر لیٹ گئے پھر اسی جگہ آپ کی قبر بنائی گئی اور اس وجہ سے آپ کا

نام زندہ لعل مشہور ہو گیا۔ یہ واقعہ محترم عبدالحمید خان کھونہارا نے سنایا ہے

(24) حضرت نانگے پیر رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار موضع حلیم پور میں ڈاھا خیر پور والی سڑک کے مغرب میں ملک اللہ یار پیرڑی کے گھر کے پاس۔

(25) حضرت حافظ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار خیر پور ڈاھا لاری اڈا کے جنوب میں ہے۔ وہاں مجاوروں کی بستی ہے۔ مزار کے اردگرد بہت بڑا قبرستان ہے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ رات کو قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور اہلِ دل کو ان کی تلاوت کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اساتذہ سے سنا ہے کہ تفسیر کمالین شرح تفسیر جلالین ان کی تالیف ہے۔

(26) حضرت گامن شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار موضع بکھری میں ایک نالہ کے کنارے پر قبرستان میں واقع ہے، ایک بار آپ کے مجاور نے مولانا سراج احمد سعیدی کو عرس پر بیان کرنے کے لیے دعوت دی تو بیان میں ایسا رنگ لگا کہ لوگوں کی آنکھیں پرنم تھیں اور ایک بزرگ کی دھاڑیں نکل گئیں وہ مولانا کے پاس آکر کہنے لگے مجھے توبہ کرائیں آپ نے اس کو توبہ کروائی اور کلمہ شریف ودرود شریف کی کثرت کرنے کی تلقین کی۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

(27) حضرت بلاول پیر رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار بستی چوتی بلوچ موضع مخدوم پور اوچشریف میں واقع ہے۔

(28) حضرت جھانجھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار بستی شکرانی موضع جاگیر صادق آباد میں واقع ہے۔

(29) حضرت پیر امین شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار ہیڈ پنجند کی کالونی میں ہے۔

(30) حضرت غریب شاہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کا مزار بستی بختیاری بلوچ موضع بختیاری میں ہے۔

(31) حضرت بولن شاہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کا مزار بستی جھلن موضع کوٹ خلیفہ میں بنواہ نالہ کے

مغرب میں ہے غلام یٰسین ولد سردار غلام حسین خان نے بتایا ہے کہ موضع بن والا اور نالہ بن واہ مولانا سراج احمد سعیدی کے پردادہ ''سردار بنے خاں'' کے نام پر رکھا گیا تھا۔

(32) حضرت چندر شیر رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار اڈا کوٹ خلیفہ کے جنوب میں چنی گوٹھ جانے والی سڑک کے مغرب میں واقع ہے۔ بزرگ کہتے ہیں کہ پہلے دور میں ایک شیر جمعرات کو آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتا تھا۔

(33) حضرت محمد شاہ نوری رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار ترنڈہ جاتے ہوئے راستے میں آتا ہے، اڈا محمد شاہ نوری مشہور ہے۔ سید غلام علی شاہ آپ کے سجادہ نشین تھے نہایت بزرگ اعلی ہمت اور سادگی کے پیکر تھے۔

(34) حضرت محمد شاہ رنگیلا رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار شیخ دا چک نمبر 105 اوچ سے چنی گوٹھ روڈ کے مشرق میں واقع ہے محترم مہر غلام محمد مرحوم اور آپ کے سجادگان عرس کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ اب مہر صاحب کے بیٹے مہر محمد ظفر صاحب اور مہر خاندان کے لوگ اور پیر صاحبان مل جل کر عرس کرتے ہیں۔

(35) دو شہید رحمۃ اللہ علیہما۔ ان کے مزار چنی گوٹھ روڈ پر کرم واہ کی پل سے پہلے بجانب مغرب پیلو کے درختوں کے جھرمٹ میں ہیں۔ ''رڈ'' صاحبان نگرانی کرتے ہیں اور عرس بھی ہوتا ہے۔

(36) حضرت سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار للو والی پل اوچشریف، گیلانی کینال کے شرقی کنارے پر بستی گوڈل کے نزدیک ہے۔ رات کو کئی بار آپ کو لوگوں نے سیر کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(37) حضرت حسن دریا رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کا مزار اوچشریف کے شہر سے تھوڑے سے فاصلے پر مشرق میں واقع ہے شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی آپ کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

آپ بڑے سیاح تھے، آخر کار اوچ میں سکونت اختیار کی، کہتے ہیں کہ آپ کی عمر ایک

سواسی برس تھی، آپ سے کرامات اور خوارق عادات بھی رونما ہوا کرتی تھیں۔آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ نے بہت سارے کفار کو مسلمان کیا۔جس کو اسلام کی دعوت دیتے اس میں انکار کرنے کی طاقت نہ رہتی اور وہ بے اختیار اسلام قبول کر لیتا، کافر جوق در جوق آکر آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتے، یہی تصرف آپ کی اولاد میں بھی تھا لیکن آپ کی بعض اولاد فریب نفس دنیاداری اور بدعتوں وغیرہ میں مبتلا ہو گئی اور اس نے اس آبائی تصرف کے ذریعہ عجیب بدعات کھڑی کر لیں اور اپنے ان افعال شنیعہ کی وجہ سے بدنام ہو گئے، ان کا نام سید کبیر الدین تھا وہ حسن دریا مشہور تھے انہوں نے 896ھ میں انتقال کیا۔(560)

(38) پیر کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ان کا مزار حضرت حسن دریا رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہے۔

(39) حضرت جندن پیر رحمۃ اللہ علیہ۔آپ کا مزار موضع خرم پور میں سلطان واہ کی چھبی کے نزدیک اس کے مغرب میں واقع ہے، آپ کا عرس میاں عبداللہ مرحوم منعقد کیا کرتے تھے، اب ان کے بیٹے میاں سلطان اور حافظ محمد اختر سعیدی عرس کا اہتمام کرتے رہتے ہیں۔

حقانیت اسلام کا تازہ مظاہرہ

بھارتی غیر مسلم خاتون نے ساتھیوں سمیت اسلام قبول کر لیا

ای میل: SHARMEEN@UNITEDSHIPSERVICES.COM

السلام علیکم! تمام مسلمان بھائیوں اور بہنوں کیلئے یہ خبر بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ سونیتا ولیم: پہلی انڈین خاتون جو چاند پر گئی تھی، اس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔(ماشاءاللہ) سونیتا ولیم اور اس کے ساتھیوں کا بیان ہے کہ جب وہ چاند پر گئے تو انہوں نے زمین کی جانب دیکھا تو ہر طرف اندھیرا دکھائی دیا لیکن دو جگہ پر زمین پر روشنی دکھائی دی انہوں نے ٹیلی سکوپ کی مدد سے ان جگہوں کو دیکھا، جہاں سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں تو انہیں معلوم ہوا کہ یہ دو جگہیں ''مکہ'' اور ''مدینہ'' ہیں(ماشاءاللہ) اسی وقت انہوں نے فیصلہ کیا کہ زمین پر پہنچنے کے بعد وہ مذہب اسلام قبول کر لیں گے۔چنانچہ جب وہ بحفاظت زمین پر پہنچ گئے تو آتے

ہی انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

السلام علیکم۔۔علماء وکالة الفضاء الامریکیة ناسا النقطوا هاتین الصورتین من اقمارهم الفضائیة واتضح وثبت ایضا بینما جمیع المشاهدحول العالم مظلمة من هذا البعد نجدان موقعی الکعبة المشرقة فی الحرم المکی ومسجد الرسول ﷺ یشعان نورا کالنجوم فی الظلام الدامس۔ الیس ذلک مدهشا؟ سبحان الخلاق (561)

مؤلف ''تاریخ اوچ متبرکہ'' کا تعارف

تحریر:۔ ممتاز حسین زاہد (ٹرپل گولڈ میڈلسٹ، چیف ایڈیٹر ماہنامہ سنہڑا، کالم نویس، ڈرامہ نگار PTV ووسیب)

نام ونسب

سراج احمد بن مولانا نور محمد خان بن مولانا الٰہی بخش خان بن نبی بخش خان مشہور بے خان بن محراب خان بن سجے خان بن جو ہر خان۔ یہ نسب نامہ چانڈیہ بلوچ برادری کے سردار، مؤلف کے خالو سردار غلام حسین ولد پھلو خان رحمۃ اللہ علیہ نے مؤلف کو لکھوایا تھا۔ آپ کا تعلق بلوچوں کے قبیلہ ''چانڈیہ'' سے ہے اور اس قوم کے نسب کے بارے میں تاریخ اوچ متبرکہ میں ذکر ہو چکا ہے۔ آپ کے بزرگ فرماتے تھے کہ یہ خاندان حضرت شیر شاہ سید جلال الدین کے ساتھ یہاں آیا تھا۔

ولادت

علامہ سراج احمد سعیدی قادری کی ولادت 27 جمادی الاخری 1371ھ مطابق 1951ء بروز منگل بوقت صبح صادق مدینۃ الاولیا اوچشریف کے جنوب مغرب بستی حاجی امیر محمد خان میں ہوئی تھی۔ آپ کے والد ماجد کی سات بیٹیاں اور پانچ بیٹے تھے۔ بڑی بیٹی مرحومہ 1945ء میں پیدا ہوئی، بڑا بیٹا محمد رمضان خان مرحوم 1947ء میں پیدا ہوا۔ اس کے بعد آپ کی ولادت 1951ء میں ہوئی پھر مشتاق احمد خان 1954ء میں اور اسحاق احمد خان 1956ء میں پیدا ہوئے۔ اس کے بعد 5 بیٹیاں یکے بعد دیگرے پیدا ہوئیں ان میں ایک بیٹی بچپن میں فوت ہو گئی تھی ان کے بعد محمد ارشد خان اور ایک بیٹی جڑواں پیدا ہوئے، علامہ سراج احمد کی پہلی شادی آپ کے چچا عبدالواحد خان مرحوم کی بڑی بیٹی سے ہوئی تھی اس سے اولاد پیدا نہیں ہوئی اور وہ 15 رمضان المبارک 1982ء میں فوت

ہوگئیں۔ دوسری شادی مولانا بخت علی کی دختر سے ہوئی۔ ان سے ایک لڑکی اور دو لڑکے پیدا ہوئے۔ بڑے لڑکے ایک ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہوئے۔ تیسری شادی شیخ الحدیث، استاذ العلما، علامہ مولانا مفتی محمد اقبال سعیدیؔ شیخ الحدیث مدرسہ انوار العلوم ملتان کی ہمشیرہ سے ہوئی۔ اس شادی کے تمام معاملات غزالیٔ زماں، امامِ اہلسنت، شیخ المشائخ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے اپنی ذاتی دلچسپی سے طے فرمائے تھے۔ اس سے ایک بیٹی اور تین بیٹے: مولانا محمد احمد رضا خان (فاضلِ درسِ نظامی) مولانا محمد حامد سراج خان قادری (فاضلِ درسِ نظامی) اور محمد ساجد سراج خان (گریجویٹ) ہیں۔ تینوں بیٹے باصلاحیت، جاں نثار، خوش اخلاق، خوش گفتار و کردار اور باادب ہیں۔ اللھم زد فزد و بارک فیھم

تعلیم

علامہ صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مولانا نور محمد خان علیہ الرحمہ سے حاصل کی اور حافظ محمد سعید خان کے پاس قرآن مجید کے گیارہ پارے حفظ کئے اور اردو کی تعلیم بھی حاصل کی۔ حافظ صاحب نے آپ کے دادا کی بنائی ہوئی مسجد میں وروو سکول کھول رکھا تھا اور وہ صوفی باصفا حافظ غلام رسول کے پاس پڑھتے رہے اور کچھ عرصہ حضرت قبلہ پیر سید محمد عالم شاہ کی خدمت میں مہر آباد شریف میں رہے۔ اس کے بعد وہ ایک دور اُفتادہ قاری عبدالکریم صاحب کی صحبت میں آئے اور پیر حامد اللہ کے مرید بن گئے۔ پھر ان کے کہنے سے مولانا عبداللہ درخواستی کے پاس دورہ تفسیر القرآن پڑھنے چلے گئے تو ان میں تبدیلی آگئی۔ حافظ صاحب پہلے ضاد پڑھتے تھے پھر ظاد پڑھنے لگے، پہلے ختم شریف پورا پڑھتے تھے پھر ادھورا پڑھنے لگے، پہلے نماز جنازہ کے بعد دعا مانگتے تھے پھر دعا سے دور ہو گئے اور اپنے بچوں کو بھی اس ڈگر پر تعلیم دلائی، حضرت مولانا نور محمد خان نے اپنے بچوں کو حافظ صاحب کے مدرسے سے نکال کر استاذ العلما، مولانا منظور احمد فیضی کے مدرسہ مدینۃ العلوم میں داخل کرا دیا۔ جب آپ استاد حافظ محمد سعید کے مدرسہ کو چھوڑ کر استاذ العلما حضرت علامہ منظور احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مدرسہ مدینۃ العلوم بستی فیض آباد پڑھنے کیلئے گئے تو آپ

کے والد ماجد مولانا نور محمد خان رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ساتھ تھے۔علامہ فیضی کے والد ماجد حضرت مولانا محمد ظریف فیضی نے فرمایا: مسات (اے خالہ کے بیٹے!) آپ نے بہت بڑا جہاد کیا ہے کہ اپنے بچوں کو ہمارے پاس لے آئے ہیں۔ پھر انہوں نے اپنی جیب سے پیسے نکالے دوکان سے بھونے ہوئے چنے اور پھلیاں منگوا کر آپ کو کریما شروع کرادی اور پھلیاں و چنے تقسیم کئے گئے۔ مولانا عبدالعزیز فیضی خطیب جامع مسجد علی احمد پور شرقیہ اور مولانا عبدالستار سعیدی مدرس گورنمنٹ ہائی سکول اوچ شریف پند نامہ پڑھ رہے تھے۔آپ نے چند دنوں میں ابتدائی کتابیں ختم کر کے گلستان میں ان کے ہم سبق بن گئے۔آپ کا علامہ فیضی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کرنا حافظ صاحب کو اور آپ کے پھوپھا حاجی غلام فرید خان کو نا گوار گزرا۔ حاجی صاحب آپ کے پھوپھا تھے اور حافظ صاحب کے سسر تھے۔انھوں نے اپنے بیٹے ماسٹر عبدالمالک خان کے عقیقہ پر خورشید ملت مولانا خورشید احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ کرایا تھا ان کے والد حاجی محمد بخش خان اور ان کے برادران، حضرت قبلہ پیر سید محمد محسن شاہ اور پیر طریقت حضرت مولانا پیر سید منظور احمد فریدی (راجن پور والوں) کے مرید تھے لیکن حاجی صاحب ایک قاری صاحب کی صحبت میں رہ کر مائل بشدت ہو گئے۔ حافظ محمد سعید کا حال بھی کچھ اس طرح ہو گیا۔علامہ سراج احمد سعیدی صاحب جب مدرسہ سے گھر آجاتے تو آپ کے پھوپھا آپ کے ساتھ بحث مباحثہ کرتے اور آپ کو ورغلانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔اللہ کے فضل و کرم سے آپ ان کے دامِ تزویر میں نہ آئے۔انہوں نے ایک جمعہ کے دن اپنے رفقاء کو ساتھ لے کر آپ سے جھگڑا شروع کر دیا اور الزام لگا دیا کہ مسجد کے حجرے سے آپ نے والی بال اور ایک بستر اٹھالیا ہے۔انہوں نے یہ معاملہ موضع کے سردار شیخ حمید اللہ مرحوم کے سامنے پیش کیا۔ شیخ صاحب نے آپ کے والد ماجد کو بلایا اور حالات سننے کے بعد فرمایا: والی بال اور بستر ایک بہانہ ہے میں اس کی تحقیق کرونگا۔اگر سراج احمد کے پاس نکلا تو واپس کرادوں گا۔ حاجی صاحب نے میاں صاحب کے فیصلے کو پسِ پشت ڈال دیا اور تھانے پر رپٹ درج کرانے کے درپے ہوئے۔ چوری کا الزام ایک

بہانہ تھا دراصل علامہ صاحب کی پڑھائی میں خلل ڈالنا مقصود تھا۔ میاں صاحب کو جب حاجی صاحب کے تھانے جانے کے ارادے کا علم ہوا تو اسے بلا کر خوب ڈانٹ پلائی اور فرمایا: سراج احمد میرا بیٹا ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے بتیس مربعے زمین دی ہے میں ساری زمین اس پر لگا دوں گا اور اس پر کسی کو انگلی نہ اٹھانے دوں گا۔ اگر کسی نے انگلی اٹھائی تو اس کی انگلی کاٹ دوں گا۔ مولانا نور محمد خان کے منہ بولے بھائی حاجی شمس الدین میتلہ (نعت خوان نے حضرت قبلہ مخدوم الملک سید شمس الدین گیلانی) کو ان حالات سے آگاہ کیا تو مخدوم صاحب نے اپنی حمایت کی یقین دہانی کرائی، استاذ العلماء حضرت مولانا محمد ظریف نے علامہ صاحب کو اپنی کسٹڈی میں لے لیا۔ اس دوران آپ کی والدہ نے خواب دیکھا کہ دو بزرگ ایک گاڑی لائے ہیں اور سراج احمد کو لے کر چلے گئے ہیں اور فرمایا: بی بی! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے سراج احمد ہمارے پاس ہے، اس کی حفاظت ہم کریں گے۔ مولانا سراج احمد نے خواب میں دیکھا کہ ان کے گھر کے سامنے والے راستہ پر ان کے رقبے کی پگڈنڈی پر حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں، ہر طرف نور ہی نور ہے اور سرکار غوث اعظم نے آپ کو گلے لگا لیا اور فرمایا: تم ہماری امان میں ہو۔ اپنی تعلیم جاری رکھو اور کسی سے مت گھبراؤ۔ حاجی صاحب اور حافظ صاحب علامہ صاحب کی تعلیم کو سبوتار کرنے کیلئے طرح طرح کے تانے بانے بنتے رہے لیکن وہ آپ پر غالب نہ ہو سکے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نبخشد خدائے بخشندہ

پہلی تقریر

ملک عبدالمالک المعروف ملک منظور احمد للو 21 رمضان المبارک کو مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا یوم شہادت مناتا تھا اور اس پر علامہ منظور احمد فیضی کا بیان ہوتا تھا۔ علامہ فیضی، اپنی کتاب ''مقام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کو چھپوانے کیلئے ملتان گئے ہوئے تھے اور ان کے والد ماجد مولانا ظریف اپنی مسجد میں معتکف تھے۔ ملک صاحب نے فیض

محمد سیال کو بھیجا تا کہ وہ مولانا صاحب کو بیان کیلئے لے آئے۔ اتفاقاً علامہ سراج احمد وہاں موجود تھے مولانا استاذ محمد ظریف نے ان کو روانہ کر دیا۔ انہوں نے وہاں بیان کیا جمعہ کے دن استاد صاحب کو تقریر سننے والے لوگوں نے مبارک باد دی اور کہا کہ بچے نے بہت اچھی تقریر کی ہے۔ ماہِ رمضان کی عید کے لیے موضع چناب رسول پور میں عید پڑھانے کیلئے عالم کی ضرورت تھی۔ استاذ صاحب نے آپ کو روانہ کر دیا، آپ نے بیان فرمایا اور عید پڑھائی، لوگوں نے پذیرائی بخشی اور خوشی کا اظہار کیا۔ ایک بار استاد صاحب نے مسجد کرنل عبداللطیف خان احمد پور شرقیہ میں جمعہ پڑھانے کیلئے آپ کو بھیج دیا۔ وہاں حضرت قبلہ حاجی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا نعت خوان مولوی رحیم بخش موجود تھا۔ وہ استاد صاحب کو ملا تو اس نے تقریر کی تحسین کی۔

دوسری تقریر اور پہلا مباحثہ

کچھ عرصہ بعد آپ کے چچا لعل خان کا وصال ہوا، آپ کے والد ماجد نے قل خوانی پر آپ کو تقریر کرنے کا حکم دیا، آپ نے قل خوانی کے کثیر مجمع میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت پر بیان فرمایا، کچھ لوگ اس بیان کو ہضم نہ کر سکے اور دوسرے دن حافظ محمد سعید کے وسیلہ سے ایک خط بھیج دیا کہ تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت پر تقریر کر دی ہے، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر ہیں، نور اور بشر متضاد ہیں۔ آج تک کوئی بریلوی اس تضاد کو رفع نہیں کر سکا، اگر تجھ میں جرأت ہے تو اس تضاد کو دور کر کے دکھاؤ۔ علامہ صاحب نے جواباً قرآن مجید و احادیثِ مبارکہ سے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کے دلائل پیش کر کے کہا کہ اگر اس میں حقیقی تضاد ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو نور نہ فرماتا۔ اگر اس تضاد کی کوئی حقیقت ہوتی تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نورانیت کا اعلان نہ فرماتے اور صحابہ کرام تابعین و تبع تابعین، محدثین، مفسرین، صالحین و علمائے دین اسے تسلیم نہ کرتے۔ آپ کو جو تضاد نظر آ رہا ہے وہ بدعقیدگی کا نتیجہ ہے، ان بزرگوں کو تضاد کیوں نظر نہیں آیا۔ آپ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ہو بہو بشر بن جانے پر تضاد نظر کیوں نہیں آتا۔ سورۃ مریم اور مشکوٰۃ شریف کی پہلی حدیث اس پر شاہد ہیں نور اور بشر کا یکجا ہونا قدرت الٰہی کے جلووں کا اظہار ہے وہ قادر ہے قدیر

ہے، چاہے تو نور کو بشریت کا جامہ پہنا کر بھیج دے اگر چاہے تو بشر کو نورٌ علیٰ نورٌ بنا دے۔مگر مولوی احمد دین صاحب اپنی ضد پر اڑے رہے اور بار بار تحریری سوالات وجوابات کا تبادلہ کرتے رہے، اس وقت خشت پکانے والی ایک بھٹی جل رہی تھی، مولانا سراج احمد نے لکھا ''مولوی صاحب! آپ کسی بات کو ماننے پر تیار نہیں، میں ابھی 15-16 سال کا بچہ ہوں آپ 70-75 سال کے ہیں۔ بھٹی میں آگ جل رہی ہے آجاؤ! اس میں کودتے ہیں جو سچا ہوگا آگ سے بچ جائے گا۔ اور جو جھوٹا ہوگا وہ جل جائے گا۔ مولوی صاحب نے اس فیصلہ کو بہت ناگوار محسوس فرمایا لیکن مزید کچھ بولنے سے خاموشی اختیار فرمالی۔ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت وبشریت میں تضاد کا تناظر اور اس کا رفع علامہ صاحب کی کتاب لاجواب ''محمد اول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم'' میں اور امام کے پیچھے قرأت پڑھنا یا نہ پڑھنا آپ کی کتاب فتاویٰ سراجیہ میں دیکھیں)

دوسرا مباحثہ

کچھ عرصہ کے بعد حضرت علامہ فیضی رحمۃ اللہ علیہ نے احمد پور شرقیہ شہر میں مدرسہ کھولا تو علامہ صاحب آپ کے ساتھ چلے گئے اور اپنی تعلیم کی تکمیل کیلئے شب وروز وقف کر دیئے، ایک بار تھیچی کے علاقہ میں آپ کے بیان کا پروگرام تھا، پروگرام کرنے کے بعد جس گاڑی پر آپ سوار تھے اس گاڑی میں ایک ''منہم'' بھی سوار ہو گیا اور آپ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس نے کہا: آپ امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں؟ علامہ صاحب نے جواب دیا: نہیں۔ اس نے کہا: حدیث میں ہے۔

لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ

فاتحہ پڑھنے کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ لہٰذا آپ اپنی نمازیں ضائع کر رہے ہیں۔ فاتحہ پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر عمل کیا کریں۔ آپ نے فرمایا: یہ حدیث منفرد کیلئے ہے مقتدی کیلئے نہیں۔ اس نے کہا: یہ حدیث مطلق ہے لہٰذا منفرد اور مقتدی دونوں کو شامل ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کا اطلاق مسلم شریف کی حدیث سے ختم ہو جاتا ہے حضور پرنور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

اِذَا قَرَءَ فَانْصِتُوْا

جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہا کرو۔(562)

اس نے کہا میں نے بخاری شریف کی حدیث پڑھی ہے آپ مسلم شریف کی حدیث پیش کرتے ہیں، آپ نے فرمایا بخاری سے بڑھ کر کیا ہے؟ اس نے کہا! قرآن شریف۔ آپ نے فرمایا تو قرآن شریف کی آیت سن لو، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

ترجمہ:۔اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم رحم کئے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا حکم مطلق ہے۔ امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن سننے اور خاموش رہنے کا حکم ہے لہٰذا آپ نے جو حدیث پیش کی ہے وہ امام اور منفرد کیلئے ہے اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

قِرَاۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاۃٌ۔

امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔(563)

مولانا نے پوچھا تم کس کے شاگرد ہو، آپ نے فرمایا میں علامہ فیضی (رحمۃ اللہ علیہ) کے پاس پڑھتا ہوں۔ اس نے کہا آپ کا استاد قابل ہے اور میں نے سمجھا تھا کہ کوئی عام بچہ بیٹھا ہے اسے مسئلہ بتادوں۔ جب آپ موقوف علیہ پڑھ چکے تو شیخ الحدیث عارف باللہ حضرت مولانا مشتاق احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خط لکھا کہ حضور غزالئ زماں رازی دوراں ضیغم اسلام رہبر شریعت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے حکماً فرمایا ہے کہ سراج احمد کو بذریعہ خط مطلع کرو اور بلاؤ کہ دورہ حدیث شریف مدرسہ انوار العلوم میں پڑھے۔ چنانچہ آپ مدرسہ انوار العلوم میں داخل ہو گئے اور رجسٹر داخلہ میں آپ کا نمبر 3 تھا۔ سالانہ امتحان دورہ حدیث شریف میں آپ نے مدرسہ ٹاپ کیا اور انعامات سے نوازے گئے، علامہ چشتی صاحب چاہتے تھے کہ آپ کو مدرسہ انوار العلوم میں تدریس کیلئے رکھ لیا جائے لیکن سلطان الاولیاء حضرت پیر طریقت سلطان بالا دین اویسی نے حضور غزالئ زماں اور

آپ کے استاد علامہ منظور احمد فیضی کو فرمایا کہ مولانا سراج احمد کو ملکانی بستی میں مقرر کیا جائے کہ وہاں مذہبی حالات بگڑ رہے ہیں۔ آپ نے 1972 سے لے کر قومی اتحاد اور بھٹو کی کشمکش تک اس مقام پر اپنے خدمات انجام دیئے اور سینکڑوں شاگرد بنائے، علامہ نے مذہبی فضا کو نیا ولولہ بخشا۔ پھر بحکمِ خورشید ملت حضرت علامہ مولانا خورشید احمد فیضی اور بارشادِ حضور غزالیٔ زماں، دربار پیر سید محمد اکبر شاہ بند بوسن روڈ ملتان شریف چلے گئے، وہاں جا کر جامعہ سعیدیہ اکبریہ کا افتتاح کرایا اور سینکڑوں بچوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم سے روشناس کیا۔ اور علاقہ میں مذہبی محبت کے پرچم کو بلند کیا بستی بستی، قریہ قریہ، گاؤں گاؤں عظمت مصطفیٰ کے جھنڈے گاڑے (1985 تک آپ وہاں رہے پھر خورشید ملت اور حضور غزالیٔ زماں کے حکم سے اوچ شریف آئے۔) اور مدرسہ جلالیہ غوثیہ اویسیہ سعیدیہ عزیز العلوم کی نظامت کے فرائض انجام دے کر اسے چار چاند لگائے۔ اور یہاں کے ہو کر رہ گئے۔

تیسرا مباحثہ

ایک بار آپ حضرت پیر سید عبدالحمید شاہ سجادہ نشین دربار پیر سید محمد اکبر شاہ کے ساتھ بستی تنھانی علاقہ ظاہر پیر تحصیل خانپور میں پروگرام کیلئے گئے وہاں ایک مولوی صاحب جو مولوی عبدالغنی رحیم یار خان والے اور مولانا عبداللہ درخواستی خانپور والے کا شاگرد تھا۔ بستی والوں کی امامت کراتا تھا اسے جب پتا چلا کہ مولانا بیان کیلئے آئے ہیں تو اس نے کتابوں کی ایک گٹھڑی سر پر اٹھائی اور جلسہ گاہ میں آ گیا اور کہا کہ میں مولوی صاحب سے مناظرہ کرنے کیلئے آیا ہوں پہلے وہ مناظرہ کرے تقریر بعد میں کرے۔ اس کی آواز سنکر مولانا اللہ بچایا صاحب حمیدی اس کے پاس پہنچے اور فرمایا، مولانا تم جلسہ خراب نہ کرو اور اپنا راہ لو، اس نے کہا۔ نہیں! پہلے مناظرہ ہوگا۔ مولانا نے فرمایا، چلو ہم مناظرہ کر لیتے ہیں وہ ہمارے مہمان ہیں ان کی تعظیم ہمارا فرض ہے لیکن وہ نہ مانے اور بار بار کہنے لگے اس ملتانی کو بلاؤ آپ نے اس کی آواز سن لی اور صاحب دعوت سے پوچھا کیا بات ہے اس نے کہا ہماری بستی کا مولوی آپ کو مناظرہ کیلئے بلا رہا ہے آپ سوئے ہوئے تھے اٹھ بیٹھے اور پیر سائیں

سے پوچھا حضور اجازت ہو تو مولوی صاحب کی خبر لے لوں، انہوں نے فرمایا اور کیا چاہئے؟ جاؤ! اللہ فتح دے گا۔ آپ جب وہاں پہنچے تو مولوی صاحب اٹھ کر ملے اور آپ کو چارپائی پر بٹھا دیا، خود پائنتی پر بیٹھ گئے ایک سناٹا سا چھا گیا آپ نے خاموشی کی مہر توڑی اور فرمایا مولانا کیا بات ہے؟ مولانا نے کہا تم نماز جنازہ کے بعد دعا مانگتے ہو اس کا کوئی ثبوت ہے آپ نے فرمایا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ۔ الحدیث

اس نے کہا! یہ حدیث کہاں ہے۔؟ آپ نے فرمایا! مشکوۃ شریف میں ہے، اس نے گٹھڑی سے مشکوۃ نکالی اور کہا دکھاؤ کہاں ہے آپ نے بسم اللہ پڑھ کر کتاب لے لی اور درود شریف پڑھ کر اسے کھولا، وہی مقام نکلا جہاں یہ حدیث موجود تھی، آپ نے فرمایا حدیث شریف پڑھ لو اس نے کہا آپ پڑھو مولانا سراج احمد نے حدیث شریف پڑھی مولوی نے کہا ترجمہ کرو آپ نے فرمایا مولانا عبارت میں نے پڑھ دی ہے ترجمہ تم کرو شاید ہمارا ترجمہ آپ کو پسند نہ آئے تو اس نے ترجمہ کیا جب تم نماز جنازہ پڑھ لو پس اس کے لئے خالص دعا کرو۔ آپ نے فرمایا! مولانا ترجمہ درست ہے لیکن ایک لفظ کی وضاحت کر دو تا کہ کم پڑھے لوگ جان لیں کہ حدیث کیا کہتی ہے اس نے کہا کون سا لفظ؟ آپ نے فرمایا! پس کا معنی کرو۔ وہ کہنے لگا پس کا معنی پس ہوتا ہے اس کے ماتھے پر پسینہ آ گیا اور اس نے پس کا معنی نہ کیا، لوگوں نے کہا آپ اس کا معنی بتا دیں تو آپ نے فرمایا یہ فارسی کا لفظ ہے اس کا معنی ہے پیچھے، میت کیلئے خالص دعا کرو یہ سن کر لوگوں نے نعرہ لگایا تو مولانا کے ہوش کے طوطے اڑ گئے اور کہنے لگے نماز جنازہ کے بعد والی دعا قرآن مجید میں منع ہے آپ نے فرمایا مولانا پڑھو وہ آیت جو آپ کی دلیل ہے اس نے کہا۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ

آپ نے فرمایا اس آیت کا شان نزول کیا ہے اس نے کہا یہ آیت ابی بن عبداللہ کے

بارے میں نازل ہوئی تھی اس کی فحش غلطی پر لوگ ہنسنے لگے تو اس کو ہوش آیا کہ صحیح نام عبداللہ بن ابی ہے۔آپ نے فرمایا وہ کون تھا؟ مولانا نے کہا منافق آپ نے فرمایا ہم مؤمنوں کی نماز جنازہ کے بعد دعا مانگتے ہیں اور آپ منافقوں کی بات کرتے ہیں کہاں مؤمن اور کہاں منافق لوگوں نے دوسری بار بستی کے مولوی کو ناکام ہوتے دیکھا تو حق وصداقت کا ساتھ دیا۔اس کی تفصیل ''الدعاء بعد صلاۃ الجنازہ'' میں موجود ہے۔

چوتھا مباحثہ

آپ کے پھوپھی زاد نور احمد خان کی نماز جنازہ کیلئے مرحوم کی حسب وصیت آپ کو اطلاع دی گئی جب آپ وہاں پہنچے تو مرحوم کے ایک بھائی نذیر احمد خان ''جو منہم'' تھے نے مولانا منظور احمد نعمانی کو آگے کھڑا کر دیا۔مرحوم کے حقیقی بھانجے قاری حافظ حاجی احمد مرحوم نے کہا کہ نماز کے بعد دعا مانگنا۔مولوی صاحب نے مجمع کی طرف منہ کر کے کہا: نماز کے بعد دعا نہیں ہے۔اس کے لیے کھڑا رہنا مکروہ ہے۔دعا نہ مانگا کرو اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ مولانا سراج احمد چوتھی صف میں کھڑے تھے، انہوں نے وہاں سے للکارا اور کہا مولانا جھوٹ کیوں بولتے ہو۔بخاری شریف ج 1 ص 520 کھول کر دیکھو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ سے پہلے اور نماز جنازہ کے بعد صحابہ کرام نے دعا مانگی ہے۔یہ سن کر مولانا گول ہو گئے اور مولانا سراج احمد سعیدی نے نماز جنازہ کی امامت کی۔اور اس کے بعد دعا کی گئی۔

پانچواں مباحثہ

کوٹلہ شیخاں میں آپ نے دعا بعد نماز جنازہ پر ایک تقریر کی جب گھر چلے آئے تو دوسرے دن عبدالحمید خان کھونہارا نے آکر فریق آخر کا پیغام دیا وہ کہتے ہیں کہ ہم اس موضوع پر مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔آپ نے فرمایا ہم تیار ہیں صرف ایک چھوٹی سی شرط ہے وہ قبول کر لو پھر مناظرہ۔شرط یہ تھی اگر تمہارا مناظر شکست کھا گیا تو ناک چھری کی نذر کرے گا اور اسے اس شرط کی تحریر دینی ہوگی۔جہاں گئے جواب ملا، اب ہماری ناک

صاف کرانے آ گئے ہو نماز جنازہ کے بعد دعا کے اثبات میں آپ کے دو رسالے اور ایک کتاب ہے۔

(1) سراج اہل الھدایہ فی الدعآ بعد صلاۃ الجنازہ

(2) الدعاء بعد صلاۃ الجنازہ

(3) تحقیق دعا بعد از صلاۃ الجنازہ۔ تینوں کتابیں کئی بار جماعت اہلسنت کے عظیم اشاعتی ادارے ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور سے چھپ چکی ہیں۔

چھٹا مباحثہ

پچی سے ایک وفد آپ کے پاس آیا آپ نے ان سے آنے کا حال پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے انبیاء و مرسلین (علیہم السلام) غیب جانتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں ہے!

يَوْمَ يَجْمَعُ اللهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ (564)

ترجمہ:۔ جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا؟ عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں بیشک تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔ اس آیت نے ثابت کر دیا کہ رسولوں کو کچھ علم نہیں ہے اور لوگوں نے اپنا عقیدہ بنا لیا ہے کہ نبی و رسول غیب جانتے ہیں یہ بہت بڑا بلکہ سنگین جرم ہے اس کا کیا جواب ہے؟ علامہ سعیدی نے فرمایا پہلے مجھے یہ بتائیں کہ مرسلین علیہم السلام سے سوال کرنے والا کون ہے؟ انہوں نے کہا! اللہ (جل جلالہ) آپ نے پوچھا! کیا اللہ تعالیٰ نہیں جانتا کہ لوگوں نے مرسلین علیہم السلام کو کیا جواب دیا تھا؟ کہا گیا جانتا ہے۔ فرمایا جب جانتا ہے تو پھر پوچھتا کیوں ہے؟ اس کا جواب آپ کے ذمہ ہے۔ (2) کیا اللہ تعالیٰ یہ بھی جانتا ہے کہ میرے رسول یہ جواب دیں گے کہ ''لا علم لنا'' کہ ہمیں کچھ علم نہیں یہ جاننے کے باوجود پوچھنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب آپ کے ذمہ ہے۔ (3) علم والے کا لا علم سے پوچھنا مناسب نہیں آپ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ سوال

مناسب ہے یا غیر مناسب؟ (4) انبیاء ومرسلین دنیا اور آخرت میں عزت والے ہیں یا نہیں عزت والے ہیں تو پھر کافروں، مشرکوں اور مومنوں کے سامنے ان سے ایسی بات پوچھنا جس کا انہیں علم نہیں ان کی عزت ہے، ظاہر ہے کہ اس میں عزت نہیں؟ تو کیا اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ سوال اس لئے کرے گا کہ وہ بھرے مجمع میں اپنی لاعلمی، (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) جہالت کا اظہار کریں؟ اس کا جواب بھی آپ دیں۔ (5) اب آپ حضرات یہ بتائیں کہ مرسلین عظام علیہم السلام کو لوگوں نے دنیا میں جو جواب دیا تھا وہ اسے جانتے ہیں یا نہیں؟ جب وہ جانتے ہیں تو "لَاعِلْمَ لَنَا" کیوں عرض کرتے ہیں۔ بوقت ضرورت کتمانِ علم جرم ہے، گناہ ہے۔ اور یہاں خالق کائنات عزوجل سوال فرما رہا ہے۔ کیا وہ معصوم حضرات کتمان علم کر رہے ہوں گے؟ اس آیت پر اٹھنے والے ان پانچ سوالوں کا جواب عنایت فرمائیں، پھر آگے چلتے ہیں۔ وہ حضرات ایک دوسرے کی طرف گھور گھور کر دیکھنے لگے کہ آئے تھے سر مونڈنے مگر اس کوچے میں ہماری حجامت ہو گئی، علامہ سعیدی نے فرمایا کہ اب "لا علم لنا" کہنے کی وجوہات سن لو، شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میرے بات (1) اعلم (بڑے علم والا) جب عالم (تھوڑے علم والے) سے کوئی مسئلہ پوچھے تو عالم ادباً عرض کرے، حضور آپ خوب جانتے ہیں اس لئے اللہ کے رسولوں نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلَّامُ الْغُيُوْبِ

(2) اللہ تعالیٰ کے رسول قوم کے جواب سے باخبر ہیں لیکن وہ استتار پر عمل کرتے ہوئے عرض کریں گے تو ہی سب غیبوں کا خوب جاننے والا ہے تاکہ غضب الٰہی کی آتش بڑھنے نہ پائے۔ اللہ پاک کے رسولوں کا یہ جواب ان کے کمال ادب اور انتہاء رحمت پر مبنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم لامتناہی کے سامنے اپنے علم متناہی کو ظاہر نہ کریں گے اور کافروں و مشرکوں کا معاملہ علام الغیوب کو تفویض کر دیں گے ان کے بے بہا ادب اور لانہایت شان کریمی کو لاعلمی، تصور کر لینا خرمن ایمان کو آگ لگا دینے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے؟ جب قیامت کے دن حساب وکتاب شروع ہوگا تو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جملہ

انبیاء کرام ومرسلین عظام علیہم السلام بلکہ غلامان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء لوگوں کی گواہی دیں گے اور گواہی وہی دے گا جو علم والا ہے، جاہل بے علم اور بے خبر گواہی دینے کے قابل نہیں ہوتا چنانچہ سورۃ البقرۃ آیت نمبر 43 کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تم پر گواہ ہوں۔(565)

سورۃ النساء آیت نمبر 41 کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔تو کیا حال ہوگا جب ہم لائیں گے ہر امت سے ایک گواہ اور لائیں گے ہم آپ کو (اے محبوب) ان پر (نگران) گواہ بنا کر۔(566)

اسی سورۃ کی آیت نمبر 159 کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔حضرت عیسیٰ ان پر ان کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔(567)

سورۃ النحل آیت نمبر 84 کا ترجمہ دیکھیں۔اور جس دن ہر امت میں سے اٹھائیں گے ہم ایک گواہ پھر کافروں کو (عذر پیش کرنے کی) اجازت نہ دی جائے گی اور نہ ان سے اللہ کو راضی کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔(568)

سورۃ الحج آیت نمبر 78، گواہ بنائے جانے کے بارے میں واضح ہے (ترجمہ) اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا حق ہے جہاد کرنے کا اس نے تمہیں برگزیدہ کرلیا اور دین میں تم پر کچھ تنگی نہ رکھی (تمہارے لیے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا) اس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا، پہلی کتابوں میں اور اسی (قرآن) میں تا کہ (نگران) رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ، تو نماز قائم رکھو اور زکوۃ ادا کرتے رہو، اور اللہ کی رسی مضبوطی سے تھام لو وہ تمہارا مالک ہے تو کیا ہی اچھا مالک ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔(569)

آخر میں سورۃ القصص آیت نمبر 75 پر بھی نظر ڈالیں تا کہ ''لَا عِلْمَ لَنَا'' کا معاملہ کلیئر ہو جائے۔ترجمہ:۔اور ہم الگ کریں گے ہر امت میں سے ایک گواہ پھر فرمائیں گے لاؤ اپنی دلیل تو وہ یقین کرلیں گے کہ حق اللہ ہی کے لئے ہے اور ان سے وہ سب کچھ گم ہو جائے گا جو وہ بہتان باندھتے تھے۔(570)

اب ایک سوال یہ بھی اٹھتا ہے کہ اللہ کے رسول معاذ اللہ جب لاعلم ہیں تو انہیں

کافروں، مشرکوں پر گواہ کیوں بنایا جارہا ہے، ماننے پڑے گا کہ "لَاعِلْمَ لَنَا" کا جو مفہوم، اللہ کے محبوبوں کے علم کے منکر نے تراش لیا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں وہ قطعاً غلط ہے اور باطل ہے کیونکہ وہ مفہوم مندرجہ بالا آیات کے مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا (571)

تو کیا وہ غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر وہ اللہ کے غیر کی طرف سے ہوتا تو وہ ضرور اس میں اختلاف پاتے۔ (572)

لہٰذا قرانی آیات میں تضاد پیدا کرنا ان لوگوں کا شیوہ ہے جو تدبر و تفکر سے عاری ہیں۔

حق کا پرچم بلند کردیا

مخدوم الملک حضرت پیر سید مخدوم شمس الدین گیلانی نے خورشید ملت حضرت مولانا خورشید احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا کہ مجھے عالم دین دیں جو دربار شریف والی مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دے۔ یہ معاملہ اس طرح حل ہوا کہ علامہ فیضی نے علمائے کرام کو مخدوم صاحب کیلئے شمس محل میں جمع کیا۔ مولانا سراج احمد بھی ان میں موجود تھے، مخدوم صاحب کی نگاہ انتخاب آپ پر ٹھہر گئی اس وقت آپ دربار پیر محمد اکبر شاہ بوسن روڈ ملتان شریف میں دینی خدمت انجام دے رہے تھے۔ مخدوم صاحب نے فرمایا کہ میرے پاس فلاں دن وزیر اوقاف پنجاب میاں محمد ذاکر قریشی آرہے ہیں، مولانا سراج احمد کو اس دن کا پابند کردیا جائے تا کہ ان کی تقرری کے احکام جاری کرائے جائیں قریشی صاحب نے مولانا کو لاہور کا پابند کردیا جب آپ وہاں پہنچے تو انہوں نے سیکرٹری اوقاف کے پاس بھیج دیا سیکرٹری صاحب نے حسب ضابطہ آپ کو انٹرویو کیلئے بلایا آپ نے انٹرویو میں 70% نمبر حاصل کیے، درگاہ محبوب سبحانی کی مسجد کیلئے آپ کے آرڈر ہوگئے۔ لیکن ضلعی ایڈمنسٹریٹر اور ضلعی خطیب نے آپ کو دفتر میں طلب کرلیا۔ اور ہارون آباد کی بہت بڑی جامع میں بھیج دیا۔ جب ضلعی دفتر میں بیٹھے تھے تو "منہم" کے چار پانچ علماء بھی تشریف

فرماتھے، بہاولنگر کے ضلعی خطیب نے یہ مسئلہ چھیڑ دیا کہ یزید ظالم ہے یا نہیں اور اس پر لعنت کرنا روا ہے یا نہیں؟ ضلعی خطیب نے سب سے پہلے یہ سوال اپنے ہم مسلک علمائے سے کیا ہر ایک نے یزید کی برأت کے ترانے گائے اور اسے ظلم ولعنت سے دور لے گئے۔ چونکہ علامہ صاحب سے ضلعی خطیب کا تعارف نہ تھا جوابات سننے کے بعد اس نے پوچھا حضرت آپ بھی عالم ہیں اور اس بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں گے۔ آپ نے نہایت تواضع سے فرمایا میں اس دفتر میں پہلی بار آیا ہوں اور میرا کسی سے کوئی تعارف نہیں بہتر ہے کہ آپ اس مسئلہ کو اپنے تک محدود رکھیں اگر آپ پوچھنا چاہتے ہیں تو پھر وسعت ظرفی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے میری عرض بھی سن لیں۔ اس کے بعد فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ یزید ظالم ہے یا نہیں اور لعنت کا سزاوار ہے یا نہیں۔ ضلعی خطیب نے فرمایا: حضرت روشنی ڈالیں تا کہ آپ کا موقف بھی سامنے آجائے۔ آپ نے فرمایا: فی الحال ہم میدانِ کربلا میں نہیں جاتے بلکہ مدینہ منورہ چلتے ہیں۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

مَنْ اَخَافَ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (رواہ مسلم، تاریخ الخلفاء البدایۃ والنہایہ ج8)

جو اہل مدینہ کو ڈرائے دھمکائے تو اس پر اللہ کی لعنت فرشتوں کی لعنت اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ واقعہ کربلا کے بعد یزید نے اہل مدینہ منورہ کے خلع پر انہیں تہس نہس کیا، امام قرطبی اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ یزید نے مدینہ منورہ میں صحابہ کرام وتابعین عظام کے بارہ ہزار چار سو ستانوے افراد کو شہید کرایا تھا، کربلا کے مسافروں ومظلوموں اور دیگر صحابہ کرام کی تعداد الگ ہے ان واقعات ہائلات کو برپا کرادینے کے باوجود اگر وہ ظالم نہیں اور لعنتی نہیں تو اور کون ظالم ہوگا یا لعنتی ہوگا؟ یہ جواب سن کر بہاولنگر کا ضلعی خطیب اٹھا اور جھومتا ہوا آیا مولانا سراج احمد کا ماتھا چوما اور کہنے لگا واہ واہ، خوب جواب ہے پھر ان مولویوں کی طرف رخ کر کے فرمایا: افسوس تمہارے علم پر اور تمہاری سوچ پر، یزید کی پوجا مت کرو، اللہ اور رسول سے ڈرو۔ ضلعی خطیب نے آپ کو ساتھ لیا اور

ہارون آباد کی طرف روانہ ہونے لگے تو ان علماء کرام نے فرداً فرداً آپ کو اپنے پاس جانے کی دعوت دی اور کہا ہم آپ کے وقیع اور جاندار جواب کو تسلیم کرتے ہیں جو کچھ ہمیں ہمارے اساتذہ نے بتایا تھا ہم نے اس کا اظہار کیا تھا۔ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۱۳)

ساتواں مباحثہ

آپ جامع مسجد غوثیہ اوچشریف میں بیٹھے ہوئے تھے، کلب شاہ کی سربراہی میں ایک وفد آ گیا اور کہا کہ آپ نے ہمیں مناظرہ کا چیلنج دیا ہے ہم اس لیے آئے ہیں تا کہ حق و باطل واضح ہو جائے، آپ نے پوچھا کہ میرا پیغام آپ کو کس نے دیا؟ انہوں نے کہا: صوفی فقیر محمد سعیدی نے یہ بھی اس وقت ان کے ساتھ تھے، آپ نے اس سے پوچھا کیا یہ سچ ہے اس نے کہا مناظرے کی بات نہیں ہوئی۔ وفد والوں نے کہا ہوئی ہے یا نہیں ہوئی اب ہم مناظرہ کرنا چاہتے ہیں آپ نے پوچھا کس موضوع پر مناظرہ کرنا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ اپنے خلفاء ثلاثہ کی صداقت، دیانت اور خلافت ثابت کریں اور ہم اس کا جواب دے کر اسے رد کریں گے۔ آپ نے فرمایا ہم اپنی کتابوں سے یہ باتیں ثابت کریں تو آپ لوگ نہیں مانیں گے اور تمہاری کتابیں ہمارے پاس نہیں ہیں، انہوں نے کہا آپ قرآن سے ثابت کر دیں آپ نے فرمایا کیا تم اس قرآن پاک کو مانتے ہو، انہوں نے کہا ہم اسے مانتے ہیں فقیر محمد نے کہا ہم نے سن رکھا ہے کہ شیعہ کا قرآن چالیس پاروں والا ہے انہوں نے کہا کہ ہم اس قرآن کو تسلیم کرتے ہیں، آپ نے فرمایا! اگر تم اپنے اس اقرار میں سچے ہو اور ہمارے تیس پارے والے قرآن کو مانتے ہو تو یہ بھی مانو کہ خلفاء ثلاثہ سچے ہیں دیانت دار ہیں اور خلافت کے حقدار ہیں، انہوں نے کہا وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا جب جنگ یمامہ میں قرآن مجید کے حافظ و قاری شہید ہونے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (جو اس وقت امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین کے عہدے پر جلوہ گر تھے) سے کہا کہ جنگ یمامہ میں بہت سے قاری شہید ہوئے ہیں اگر اسی طرح قاری شہید ہوتے رہے تو قرآن

مجید کا بہت سارا حصہ جاتا رہے گا لہٰذا تم اس کو جمع کرنے کا انتظام کرلو انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں کمیٹی تشکیل دی جنہوں نے قرآن پاک کو جمع کیا اور خلیفہ وقت کے سامنے پیش کیا ان کے وصال کے بعد وہ قرآن پاک امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا پھر اسی قرآن مجید کے بہت سارے نسخے تیار کرا کے حضرت عثمان ذوالنورین نے مختلف علاقوں میں بھیجے اس قرآن مجید کو امیر المومنین امام الاشجعین حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے برقرار رکھا اہلبیت اطہار اور صحابہ کبار نے اسے من عن تسلیم کیا اور آج آپ بھی اقرار فرما رہے ہیں کہ یہ قرآن سچا ہے، خلفاء ثلاثہ کی صداقت اس سے پیش کرو ہم ان کو سچا تسلیم کرلیں گے۔ مولانا سراج احمد نے فرمایا اس قرآن پاک کی صداقت دراصل خلفاء ثلاثہ کی صداقت امانت اور ان کی دیانت کا منہ بولتا ثبوت ہے دیکھیں مسلمانوں کا سب سے بڑا سرمایہ قرآن مجید ہے۔ قرآن خزانہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دا۔ چور چوری کرتا ہے تو وہ متاع عزیز اور بڑے خزانے اور بڑے سرمایہ کو لوٹتا ہے، خلفاء ثلاثہ نے جب قرآن مجید میں خیانت نہیں کی اس میں جعل سازی نہیں کی اس میں کٹ وٹ نہیں کی تو دین اسلام کی دوسری چیزوں میں بھی انہوں نے کوئی ترمیم واضافہ ہرگز نہیں کیا، قرآن پاک کا صحیح وسالم ہونا ان کی صداقت، امانت ودیانت کا درخشاں وروشن ثبوت ہے جب تک سورج روشن رہے گا، خلفاء ثلاثہ کی صداقت کا آفتاب بھی مؤمنوں کے قلبی وایمانی فلک پر چمکتا رہے گا۔ یہ عرفانی جواب سن کر کلب شاہ وغیرہ کے پاؤں سے زمین نکل گئی۔ اس وقت ان کی حالت زار دیکھنے کے قابل تھی چاہئے تو یہ تھا کہ حق وصداقت پر مبنی دلیل سن کر اپنے مذہب سے توبہ کرتے۔ وہ اٹھے اور کہنے لگے آج سورج غروب ہونے سے پہلے ہم اس کا جواب دیں گے۔ سورج غروب ہوگیا رات آگئی صبح ہوگئی پھر سورج غروب ہوگیا پھر رات آگئی پھر صبح ہوگئی پھر سورج غروب ہوگیا لیکن جواب نہ آیا پھر بتایا کہ ہم نے فونز پر رابطے کئے ہیں جواب تیار ہورہا ہے پھر سندھ کے جروار کے پاس چلے گئے تین دن بیٹھے رہے جواب نہ بن پایا اس نے فرمایا تم جاؤ۔ جواب لکھ کر بھیج دونگا تقریباً 15 دن کے

بعد جواب موصول ہوا کہ قرآن کی صداقت پر مناظرہ کرلو، علامہ سراج احمد نے فرمایا! واہ سبحان اللہ، سوال گندم جواب چنا

عقدہ کشائی

آپ کے شاگرد مولوی محمد ایوب مانک نے کہا کہ مولوی غلام شبیر کہتا ہے کہ تمہارے عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ''ھجر'' کا کلمہ استعمال کیا ہے جس کا معنی ہوتا ہے ''بھوکنا'' اس کا جواب درکار ہے آپ نے فرمایا غلام شبیر کا معنی، غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ بار ہا اپنے محبوب کیلئے استعمال کیا ہے چنانچہ سورۃ مزمل کی آیت نمبر 10 ملاحظہ ہو

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ۝۱۰

اور (پہلے کی طرح) بتوں کو چھوڑے رہئے۔ غلام شبیر کے سامنے یہ آیتیں رکھیں اور ان کا ترجمہ کرائیں آپ نے فرمایا قلم وقرطاس والی حدیث بخاری ج 1 میں تین جگہ پر موجود ہے ص 22 پر ابن شہاب عبداللہ بن عبداللہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اس میں ہے!

قَالَ عُمَرُ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غَلَبَهُ الْوَجْعُ

یہاں وجع کا لفظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طرف منسوب ہے۔ اور یہ ابن شہاب کی تدلیس ہے، علامہ ذہبی فرماتے ہیں

مُحَمَّدَ بْنَ مَسْلِمُ الزَّهْرِیْ اَلْحَافِظ اَلْحُجَّة کَانَ یُدَلِّسُ فِی النَّادِرِ (573)

وہ نادر میں تدلیس کرتا تھا اس میں بھی ''ھجر'' نہیں ہے دوسری روایت جس میں ابن شہاب ہے اس کے کلمات ہیں ''فَقَالُوْا اَهَجَرَ'' کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے ہجرت فرمانے والے ہیں۔ (574)

تیسری روایت میں ہے۔

فَقَالُوْا مَالَهُ اَهَجَرَ، اِسْتَفْهِمُوْهُ

صحابہ کرام کہنے لگے کیا رسول اللہ ﷺ دنیا سے ہجرت فرمانے والے ہیں۔(575)

قلم اور قرطاس کی مندرجہ بالا روایات میں کہیں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام نہیں اور نہ ہی صحابہ کرام نے تقیہ بازوں والا معنی مراد لیا ہے، صحابہ کرام کے بغض کی وجہ سے انہوں نے قلابازی کھائی اور اپنے ایمان کا جنازہ نکال دیا۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگ آدم ننگ دین ننگ وطن

دعا کا منکر

مولانا مفتی محمد عمران صاحب تشریف لائے اور فرمایا علامہ صاحب آپ نے ہمیں دوزخی بنا دیا ہے، مجھے بتایئے کہ کیوں بنایا ہے؟ آپ نے پوچھا کہاں بنایا ہے انہوں نے کہا ”تحقیق دعا بعد از صلوٰۃ الجنازہ“ میں۔ آپ نے فرمایا! میں نے تو بنایا نہیں ہاں البتہ اللہ نے دعا نہ مانگنے والوں کو جہنمی بنایا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝۶۰ (576)

اور آپ کے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں (ضرور) قبول کروں گا بیشک جو لوگ میری بندگی (دعا) سے تکبر کرتے ہیں عنقریب ذلیل ہونے کی حالت میں ضرور جہنم میں داخل ہوں گے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت میں عبادت کا معنی دعا کیا ہے۔

قَالَ اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ وَقَرَاَءَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَهٰذَا تَفْسِيْرُ الدُّعَآءُ بِالْعِبَادَةِ۔ (577)

یعنی آپ نے فرمایا دعا خود عبادت ہے اور یہ آیت پڑھی اس تفسیر سے ثابت ہوا دعا بھی عبادت ہے۔(578)

اللہ تعالیٰ نے جب بغیر عذر شرعی کے ہر حالت میں دعا مانگنے کا حکم دیا ہے اور دعا نہ مانگنے والوں کو ذلت کے ساتھ جہنم میں جانے کا حکم سنایا ہے۔ تو آپ قرآن کی اس آیت پر

عمل کرتے ہوئے سنت کے مطابق صحابہ کرام علیہم الرضوان کے طریقہ کو پیش نظر رکھ کر دعا مانگ لیا کریں اور جہنم کی وعید شدید سے بچنے کی کوشش کریں دعا نہ مانگنے والے کو اللہ رب العزت نے جہنمی ودوزخی بنایا ہے فقیر نے نہیں بنایا ہے۔ یہ سن کر مفتی صاحب چلے گئے۔

مکہ کی قسم کیوں؟

تحصیل علی پور کے علاقے میں مولوی عبداللہ کے ماموں کی قل خوانی والی خیرات تھی اس میں علامہ صاحب کا بیان تھا آپ نے ''لا اقسم'' پر گفتگو کی لوگوں نے بہت پسند کیا، وکلا نے خراج تحسین کہا، مولانا عبداللہ دیکھ رہے تھے ختم شریف کے بعد مولانا عبداللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے شہر کی قسم نہیں اٹھائی بلکہ وہ ایک جنگ کی وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہاں لکھا ہے اس نے کہا تفسیروں میں۔ آپ نے فرمایا کسی ایک تفسیر کا نام لو۔ مولانا خاموش ہو گئے آپ نے فرمایا مولانا لکھا ہے تو کیا حرج ہے، ہم ہر تفسیر کو مانتے ہیں آپ بھی اس تفسیر کو مان لیں کیونکہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اور بعض نے وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ۝ (البلد) کے معنی ''وانت نازل'' کے لیے ہیں یعنی میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں بحالیکہ آپ اس شہر میں پیدا کئے گئے اور قیام پذیر ہوئے۔ (579)

قسم کھاتا ہوں۔ ہمارے نزدیک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کھانے سے پاک ہے، مولانا محمود حسن دیوبندی نے ترجمہ لکھا ہے قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی۔ آپ نے دوران تقریر فرمایا کہ مدینہ سرکار کے تشریف لانے سے پہلے یثرب تھا یعنی بیماریوں کا گھر تھا عبداللہ نے اس پر بھی اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا۔ آپ کا مذہبی حلیف مولانا مفتی محمد طیب معاویہ نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ ابھی یثرب تھا کہ بیک وقت اس شہر پر ٹھنڈی روشنی والی کرنیں پڑنا شروع ہوئی اور پھر وبائی بیماریوں کی یہ آماج گاہ دھلنا شروع ہوئی اول یہاں سے شرک رخصت ہوا پھر بیماریاں اور وبائیں بھاگیں بالآخر زمین کے اس خطہ میں جنت اتری اور یثرب مدینہ بن گیا۔ (580)

ایک بہتان کا جواب

مولانا محمد ابراہیم نے آپ کی کتاب ''محمد اول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے عنوان انبیاء کرام کو بشر کہنے والے کافر پر اعتراض کیا کہ علامہ صاحب نے لکھ دیا ہے کہ جو انبیا کو بشر مانے وہ کافر ہے حالانکہ ماننے اور کہنے میں زمین آسمان کا فرق ہے شاید اس کی جہالت اس کے ایمان پر غالب آ گئی اور اس نے دھوکہ دینا شروع کر دیا۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا ہماری کتاب کا گیارھواں باب اس شعر سے شروع ہوتا ہے

محمد بشر لا کالبشر

فالیاقوت حجر لا کالحجر

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر ہیں لیکن بشروں کی طرح نہیں ہیں جیسے یاقوت پتھر ہے لیکن پتھروں کی طرح نہیں ہے اس باب میں آپ نے ان کا ذکر کیا ہے جنہوں نے انبیاء کرام کو بشر کہہ کر اپنا بیڑا غرق کر لیا یعنی شیطان نے حضرت آدم کو بشر کہا اور سجدہ نہ کیا ابدی لعنتی بن گیا کافروں نے حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر کہا حضرت ہود علیہ السلام کو کافروں نے اپنے جیسا بشر کہا حضرت صالح علیہ السلام کو کافروں نے اپنے جیسا بشر کہا، حضرت شعیب علیہ السلام کو کافروں نے اپنے جیسا بشر کہا حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعونیوں نے اپنے جیسا بشر کہا سورۃ تغابن میں ہے۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا (التغابن:6)

''پھر انہوں نے کہا بشر ہمیں ہدایت کریں گے تو وہ کافر ہو گئے اور انہوں نے روگردانی کی'' اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بشر کہا اور انہیں ہدایت دینے سے محروم جانا تو اللہ پاک نے فرمایا ''فَكَفَرُوْا'' تو وہ کافر ہو گئے اب جن لوگوں نے انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ روش اپنائی تو وہ اس الہامی فتوے سے نہ بچ سکیں گے یہودیوں نے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہا، ولید کافر نے آپ کو بشر کہا تو وہ ہدایت حاصل کرنے سے محروم رہے۔ مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی بشریت کا انکار کیا

ان کی یہ بولی اللہ تعالیٰ کو پسند آئی تو اس نے اسے قرآن بنادیا۔

مَاهٰذَا بَشَرًا ۖ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝

یہ تو جنس بشر سے نہیں یہ تو نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ۔ آپ نے بشر ماننے اور بشر کہنے کا فرق واضح کرتے ہوئے پہلے سوال کا جواب نمبر 1 میں لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے جو نبی اور رسول مبعوث فرمائے ہیں وہ جامۂ بشریت میں ملبوس ہوئے دوسرے جواب میں لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو پاکیزہ بشریت سے متصف فرما کر دنیا میں بھیجا ہے لیکن کسی کو یہ نہیں فرمایا کہ تم انبیاء کرام کی بشریت کا اعلان کرتے پھرو، انبیاء کرام کو بشر ماننا اہلسنت کا مسلمہ عقیدہ ہے۔ ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ ان نورانی ہستیوں کو بشر بشر کی رٹ لگا کر اپنے جیسا تسلیم کرنا گمراہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہونا کوئی انوکھا مسئلہ نہیں ہے اس پر تو تمام امت کا اتفاق ہے ہر مکتب فکر کا عالم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کو نور تسلیم کرتا ہے اس کی تفصیل ''محمد اول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں موجود ہے یہاں چند حوالے بطور اختصار ملاحظہ ہوں، محمد جونا گڑھی کے ترجمہ قرآن مجید پر حاشیہ ہے (1) عبداللہ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور مطلب یہ ہے کہ انس و جن مل کر چاہتے ہیں کہ اللہ کے اس نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں امام ابن کثیر نے اسے راجح قرار دیا ہے۔ (581)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا نور کہنا یہ کسی مخصوص فرقے کا عقیدہ نہیں بلکہ علامہ ابن کثیر اور ان کے متبعین بھی آپ کو اللہ کا نور مانتے ہیں۔ میاں وحید الزماں حیدر آبادی فرماتے ہیں۔ بَدَاءَ اللّٰهَ الْخَلْقَ بِالنُّوْرِ الْمُحَمَّدِیِ۔ اللہ پاک نے مخلوق کی ابتداء نور محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کی ہے۔ (582)

جسٹس قاضی محمد سلیمان نے لکھا ہے۔ وہ نور ہے اسی کا مبارک نام سورہ مائدہ میں نور بتلایا گیا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ (المائدہ)

خازن و معالم میں نور کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات بتایا گیا ہے۔ (583)

ان ''منہم'' کے بعد اب ذرا کے دوسرے ''منہم'' کو دیکھیں، ان کے امام مولانا رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے۔

قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ (المائدہ)

بے شک آیا تمہارے پاس حق تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب۔ نور سے مراد حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ ''سِرَاجًا مُّنِيْرًا'' کے تحت لکھا ہے۔ نیز روشن کرنے والے اور دوسروں کو نور دینے والے کو کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کو اتنا مطہر بنالیا کہ نور خالص بن گئے، حق تعالیٰ نے آپ کو نور فرمایا، شہرت سے ثابت ہے آپ کا سایہ نہ تھا نور کے علاوہ ہر جسم کا سایہ ضرور ہوتا ہے آپ کے متبعین بھی نور بن گئے۔ (584)

مولوی ابراہیم جیسے لوگ گنگوہی صاحب کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور خالص تسلیم کرلیا جو نور خالص ہے کیا اس میں بشریت کا کوئی حصہ بھی ہے یا نہیں؟ آپ کی نورانیت کا اعلان اللہ نے فرمایا ہے اور قرآنی آیات اس کی شاہد ہیں لہٰذا مسلمان آپ کی نورانیت کا انکار ہرگز نہ کریں اور بشر کہنے سے کف لسان کریں۔ (3) آپ کا سایہ نہ تھا یہ بھی آپ کی نورانیت کی دلیل ہے۔ سائے کا نہ ہونا مشہور ہے اس سے بھی آپ کا نور ہونا ثابت کیا جارہا ہے۔ آپ کے تابعدار و فرمانبردار بھی نور بن گئے۔ یک نہ شد دو شد۔ یعنی گنگوہی صاحب نے آپ کے نور کے منکروں پر دو بم گرا کر انہیں چکنا چور کر دیا ہے۔ مولانا محمد انور کشمیری فرماتے ہیں کنز العمال میں ایک حدیث ہے کہ انبیاء کے اجساد ملائکہ کے اجساد پر نشوونما پاتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا حال حیات دینوی میں ملائکہ کی طرح ہے بخلاف عام لوگوں کے کہ انبیاء کے فضلات پسینے کے چند قطروں سے سوا کچھ نہیں ہوتے۔ (585)

مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند نے آپ کو تمام انبیاء کا والد معنوی قرار دیا ہے اور باقی انبیاء کو آپ کی معنوی اولاد کہا ہے۔ (586)

نانوتوی صاحب نے ان لوگوں کا منہ بند کر دیا ہے جو کہتے پھرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو آدم سے پہلے ماننا کیوں کر صحیح ہے ہمیں کوئی ایسا بچہ دکھائیں جو باپ سے پہلے ہو اور جو باپ سے پہلے ہوتا ہے وہ حرامی ہوتا ہے۔ معنوی طور پر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیاء کا والد تسلیم کر لینا ثابت کرتا ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقتاً جملہ انبیاء سے اول ہیں پھر آپ کی نورانیت میں کیا تردد و تشکک رہا۔

کتاب دھر میں ایک باب ہے میری ہستی
مجھے دیکھو میں بیٹھا ہوں تمہاری داستان ہو کر

رزم بزم کی ان رونقوں سے حق و باطل کا امتیاز ہوتا ہے۔ علامہ صاحب نے شہر اوچ متبرکہ اور بیرون شہر متعدد مساجد اور مدارس کا افتتاح کرایا جن میں نماز جمعہ اور تدریس کا کام ہو رہا ہے اس کا فائدہ یہ ہوا کہ لوگ نمازی بن گئے اور علم کے زیور سے آراستہ ہونے لگے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے جو مختلف علاقوں میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں چند حضرات کے اسماء گرامی ملاحظہ ہوں۔

(1) حضرت علامہ پیر سید محمد اشفاق احمد بخاری (دربار پیر سید محمد اکبر شاہ ملتان)
(2) سید محمد محسن عباس ولد سید طیب سلطان بخاری (دربار پیر سید محمد اکبر شاہ ملتان)
(3) مولانا پیر سید سعید احمد بخاری ولد پیر سید اللہ ڈتہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہما (کلاب)
(4) حکیم سید صفدر حسین ولد سید محمد انور شاہ۔ سجادہ نشین پیر سید جندن شاہ
(5) حضرت علامہ مولانا نذر احمد خورشیدی شیخ الحدیث (کراچی)
(6) حضرت مولانا قاری منیر احمد صاحب فریدی (کچی محمد خان)
(7) خطیب لاجواب حضرت مولانا قاری عبدالغفار صاحب (بہاولپور)
(8) حضرت مولانا قاری محمد اختر صاحب سعیدی خطیب اعظم (بفرزون کراچی)
(9) حضرت مولانا اللہ بخش سعیدی مرحوم (کراچی)
(10) حضرت مولانا قاری سمیع اللہ صاحب (لیاقت پور)
(11) حضرت مولانا قاری فقیر اللہ صاحب (خطیب محکمہ اوقاف پنجاب)

(12) حضرت مولانا قاری رجب حسین سعیدی (صدر مدرس جامعہ سعیدیہ محمودیہ)

(13) حضرت مولانا حافظ سید صفدر حسین گیلانی (چونگ لاہور)

(14) قاری محمد اسلم سعیدی صاحب سعیدی اوچ شریف

(15) مولانا محمد اقبال صدیقی سعیدی (مرحوم)

(16) حضرت مولانا حافظ قاری محمد صادق صاحب (خطیب جامع مسجد شیخاں)

(17) حضرت مولانا قاری محمد اختر صاحب (خطیب خرم پور)

(18) حضرت مولانا قاری محمد اصغر لانگ صاحب (لاہور)

(19) قاری حافظ محمد صدیق سعیدی صاحب

علامہ صاحب کے شاگرد گورنمنٹ کے کئی محکموں میں بھی ملازم ہیں۔ آپ کے جمیع صاحبزادے بھی آپ کے شاگرد ہیں۔

تصانیف

آپ نے دورہ حدیث شریف کے دوران، بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں درود وسلام پیش کرنے کے فضائل لکھے تھے، اس رسالے پر عمدۃ الاتقیا استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا مشتاق احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریظ بھی لکھی تھی اور اس کا نام رکھا تھا۔

(1) ''اھداء الصلاۃ والسلام فی حضرۃ سید الانام'' اب اس رسالے کو کتابی شکل دینے کی تیاری ہورہی ہے۔ یہ رسالہ بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے (ان شاءاللہ تعالیٰ)

(2) ''یزید اہل اسلام کی نظر میں'' یزید کی تاریخ و کردار میں لاجواب کتاب ہے۔

(3) ''غوث اعظم غیروں کی نظر میں''

(4) ''قیامت کب آئے گی؟'' دراصل یہ کتاب علوم خمسہ کے بارے میں ہے لیکن اس رسالے میں صرف قیامت کے آثار و علامات اور اس کے وقوع کا ذکر ہے۔ (مطبوعہ)

(5) ''صدائے کاظمی'' امام اہلسنت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کی تقریریں (مطبوعہ)

(6) ''مواعظ کاظمیہ'' امام اہلسنت علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات کا مجموعہ (مطبوعہ)

(7) ''فتاوی سراجیہ'' نماز کے مسائل کا مرقع اور اختلافی مسائل کا حل (مطبوعہ)

(8) ''فتاویٰ نبویہ'' تلخیص فتاویٰ سراجیہ (مطبوعہ)

(9) ''سراج اہل الهدیہ فی الدعا بعد صلاۃ الجنازہ'' مختصر مگر جامع جو کئی بار ملتان، سکھر اور لاہور کے مکتبوں نے شائع کیا ہے۔

(10) ''الدعا بعد الصلوٰۃ الجنازہ'' (مطبوعہ)

(11) ''تحقیق دعا بعد الصلوٰۃ الجنازہ'' اس کے بارہ باب ہیں اور ہر باب میں دعا پر الگ بحث موجود ہے۔ (مطبوعہ)

(12) ''ہم میلاد کیوں مناتے ہیں'' میلاد شریف منانے کے موضوع پر دلائل سے بھرپور رسالہ ہے۔ (مطبوعہ)

(13) ''یارسول اللہ کہنے کا جواز'' صرف ''منہم'' کی کتابوں سے اقتباسات۔ (مطبوعہ)

(14) ''بنات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' صرف مجتہدین شیعہ کی کتابوں سے دلائل۔ (مطبوعہ)

(15) ''محمد اول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولیت، نورانیت اور پاکیزہ بشریت و معجزات اور آپ کے مقام کو بیان کیا گیا ہے۔ ''منہم'' کی کتابوں کے دلائل سے آراستہ و پیراستہ ہے۔

(16) ''مقام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' (مطبوعہ)

(17) ''مردوں کو زندہ کرنے کے واقعات'' (مطبوعہ)

(18) ''ترجمہ خزانہ جلالیہ باب چہارم'' (خزانہ جلالیہ کا ترجمہ مکمل ہوگیا ہے)۔ (مطبوعہ)

(19) ''چار سوالات'' نبی نور ہے تو خاندان ختم، نبی عالم الغیب ہے تو وحی ختم، نبی حاضر و ناظر ہے تو ہجرت ختم، نبی مختار کل ہے تو شفاعت ختم کے جوابات۔ (مطبوعہ)

(20) ''کرامات سرخ پوش'' (مطبوعہ)

(21) ''سید جلال الدین بخاری'' (مطبوعہ)

(22) ''قل خوانی'' ایصال ثواب کے موضوع پر قرآن وحدیث اور تفاسیر کے علاوہ ایصال ثواب کے منکروں کے گھر سے اس کا ثبوت۔ روحوں کا واپس آنا اور حیات برزخی کا ثبوت۔ (مطبوعہ)

ایک شخص نے جو خود کو، ابوزین حضرت علامہ مولانا محمد اقبال قادری شیخ الجامعہ، جامعہ صفیہ عطاریہ للبنات نزد پکی کوٹلی ڈسکہ روڈ سیالکوٹ لکھواتا ہے نے آپ کے اس رسالے ''قلخوانی'' کو اپنی کتاب ''مرنے کے بعد کیا ہوگا'' کے صفحہ 119 سے 181 پر من وعن نقل کر دیا ہے۔ (فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء) لیکن اس نے مؤلف کا ذکر نہیں کیا۔

(23) ''تاریخ اوچ متبرکہ'' کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ علاوہ ازیں بہت سارے رسالے وکتابیں زیر تسوید وترتیب ہیں۔ امام اہلسنت غزالی عصر شیخ المشائخ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے جامعہ سعیدیہ غوثیہ اکبریہ دربار پیر سید محمد اکبر شاہ بخاری بوسن روڈ ملتان کے سالانہ جلسہ کی آخری نشست میں خطبہ کے بعد فرمایا تھا۔ مولانا سراج احمد! اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت دے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک علم وعمل کی روشنی وشعاع کو پیدا کیا ہے۔ اب جو کتاب انہوں نے لکھی ہے۔ ''اہل اسلام کی نظر میں یزید'' یہ کتاب میں نے دیکھی تو مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے بہت خوب لکھی ہے۔ انہوں نے بہت مواد جمع کر دیا ہے۔ نہایت ہی بہترین انداز میں اس موضوع پر انہوں نے سعی کی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سے پہلے جتنی کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں یہ کتاب ان سب سے اعلیٰ ہے، مولانا سراج احمد کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، وقتاً فوقتاً یہ مختلف موضوعات پر لکھتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اہل ذوق بنایا، اہل قلم بنایا تقریر، تحریر اور تدریس تینوں کا اللہ تعالیٰ نے ملکہ عطا فرمایا ہے، میرے دل کی دعا ہے کہ اللہ ان کے ملکے میں ترقی عطا فرمائے، میں بہت دعا کرتا ہوں میرے دل میں ان کی

بڑی وقعت ہے یہ بڑے سعادت منداور صالح نوجوان اہل علم ہیں، اللہ تعالیٰ ان کوزندہ وسلامت رکھے۔آمین ثم آمین۔(587)

حضورغزالی زماں نے اس کتاب پر جوتقریظ (کتاب اور مصنف کی تعریف) لکھی ہے وہ ملاحظہ ہو

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحۡبِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

خیروشر کی جنگ ابتداء سے چلی آرہی ہے۔کربلا کا واقعہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھا، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سراپا خیر تھے اور یزید سراپا شر، زیر نظر کتاب ’’القول السدید فی حکم یزید‘‘ کو اگرچہ فقیر نے بالاستیعاب نہیں دیکھا لیکن سرسری نظر ڈالنے سے یہ امر واضح ہوگیا ہے کہ یہ کتاب اس موضوع پر بڑی محنت اور جانفشانی سے لکھی گئی ہے اس کے مؤلف مولانا سراج احمد القادری سلمہ نے نہایت تفصیل سے متعلقہ مباحث کو تحریر کیا ہے اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف کی اس سعی جمیل کو شرف قبول عطا فرمائے اوراس کتاب کو عامۃ الناس کے لئے ہدایت اور منفعت دینی کا سبب بنائے۔آمین

سید احمد سعید کاظمی غفرلہٗ

5 ربیع الثانی شریف 1398 ھ

علامہ سراج احمد سعیدی کی لکھی ہوئی کتابیں عوام وخواص میں یکساں مقبول ہیں غزالیٔ زماں کے جگر گوشے شیخ الحدیث علامہ سید ارشد سعید کاظمی نے فرمایا کہ آپ کی کتابیں ٹھوس دلائل سے لبریز ہوتی ہیں۔

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول قاسمی آف سرگودھا نے فرمایا مولانا میں نے آپ کی تالیف شدہ کتابوں کو دیکھا ہے میرا دل بہت خوش ہوا ہے کیونکہ آپ نے دلائل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، میری کتاب ضرب حیدری ختم ہوگئی ہے جب اس کا اگلا ایڈیشن آئے گا میں

آپ کو یہ تحفہ ضرور دوں گا۔ حضرت نے ''المستند'' تحفۃً ارسال فرمائی تھی۔

پشاور سے مولانا عمر دراز نے فون پر فرمایا۔ مولانا سراج احمد! آج مجھے ایک کتب خانے سے آپ کی تالیف شدہ کتاب ''تحقیق دعا بعد صلوٰۃ الجنازہ'' ملی ہے میں نے اسے پڑھا ہے میرا ایمان تازہ ہو گیا ہے آپ نے اس مسئلہ پر اچھی تحقیق کی ہے۔ پشاور میں علماء اہلسنت کی کتابیں بہت کم آتی ہیں ایک کتب خانہ والا کبھی کبھی اہل سنت کی کتابیں لاتا ہے۔ مولانا عمر دراز نے آپ کے پاس تحفۃً کچھ نادر و نایاب کتابیں بھی بھیجی ہیں۔

بنوں سے مولانا نعمت اللہ نے فرمایا میں نے آپ کی کتابیں ''الدعا بعد صلاۃ الجنازہ'' اور ''قل خوانی'' کو پڑھا ہے میرا ایمان و یقین کامل ہو گیا ہے۔ حیلہ اسقاط کے دلائل میرے پاس بھیجیں پنج پیری کے ماننے والوں سے پالا پڑا رہتا ہے۔ میرے پاس اس کے دلائل نہ ہیں۔ کوٹ ادو سے ایک مولانا نے فرمایا۔ میں نے ''تحقیق دعا بعد صلاۃ الجنازہ'' لی ہے اس کا مطالعہ کیا اس مسئلہ میں جو مولوی صاحبان مجھے بات نہ کرنے دیتے تھے۔ جب سے میں نے اس کتاب کے دلائل ان کو دکھائے ہیں اب وہ اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلتے، جب تک میں ان کے دروازے پر رہوں تو وہ گھر کے اندر گھس کر بیٹھے رہتے ہیں۔

ادارہ آغوش محمد لاہور سے فاضل جلیل حضرت علامہ مولانا عبدالحق ظفر چشتی، نور مصطفیٰ مسجد محمدی شریف جھنگ سے حضرت علامہ مولانا خواجہ احمد بخش نوری، نعمان اکیڈمی جہانیاں منڈی خانیوال سے حضرت علامہ مولانا خلیل احمد صاحب رانا، صوبہ خیبر پختون خواہ مردان سے حکیم سید قمر صاحب، آزاد کشمیر میر پور جنگیاں سے حافظ محمد منظور حسین نقشبندی، جامع مسجد اولیاء گجر نالہ کراچی سے حضرت علامہ مولانا الٰہی بخش صاحب سعیدی، نوآباد کراچی سے حضرت علامہ مولانا محمد عقیل قادری رضوی اختری صاحب، نیازی کالونی رحیم یار خان سے حضرت صوفی محمد عبداللہ ندیم نیازی، سکھر جامعہ غوثیہ رضویہ سے فاضل اجل حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم القادری، رحیم یار خان جامعہ غوث اعظم سے مناظر اسلام شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالمجید خان سعیدی صاحب، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر سے

مولانا صوفی انیس احمد صاحب نوری رضوی، اسلام آباد انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی سے مولانا حافظ ممتاز احمد ربانی L.L.B اور ان جیسے دیگر علماء کرام، مفتیان عظام اور دانشوروں نے تحسین فرمائی، حوصلہ بخشا اور عزت افزائی میں حصہ لیا ہے۔ اللہ انہیں دارین میں جزائے خیر سے نوازے، آمین۔

بانی دعوت اسلامی کے دو مکتوب گرامی

پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ ابو بلال محمد الیاس عطارؔ قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ رقم طراز ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سگ مدینہ محمد الیاس عطار قادری رضوی عفی عنہ کی جانب سے حضرت علامہ مولانا محمد سراج احمد السعیدی القادری اطال اللہ عمرہ کی خدمت سراپا شفقت میں گنبد خضراء کو چومتا ہوا جھومتا ہوا مشکبار سلام۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ!

الحمد للہ رب العلمین علی کل حال حضور کا گرامی نامہ عنبر شامہ (دستی) اپنے اندر عشق والفت کی خوشبوئیں لیے دست گنہگار میں آیا۔ اللہ عزوجل آپ کی خدمات اسلامی کو شرف قبولیت بخشے اور رکاوٹیں دور فرما کر آپ کی تصنیفات وتالیفات کو مقبولیت تامہ عطا فرمائے آپ کی آپ کے اہل خانہ اور جملہ متوسلین کی مغفرت ہو، اور مجھ پاپی و بدکار کے حق میں بھی یہ دعائیں قبول ہوں۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مجھ گنہگار کو دعائے مغفرت وحفاظت سے نوازتے رہیں۔ دعوت اسلامی کی ترقی کیلئے دعاودوا جاری رکھیں جملہ اسلامی بھائیوں کی خدمات میں سلام وعرض دعائے مدینہ۔ والسلام مع الاکرام۔ جشن ولادت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ مبارک ہو۔

محمد الیاس قادری

11 شوال المکرم 1422ھ

کیوں رضا آج گلی سونی ہے

اٹھ میرے دھوم مچانے والے

2۔الحمدللہ علی احسانہ تبلیغ قرآن وسنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک دعوت اسلامی کے ماتحت علوم دینیہ کو فروغ دینے ملک وبیرون ملک بے شمار مدارس سرگرم عمل ہیں من جملہ عروس البلاد شہر کراچی میں اسلامی بھائیوں اور اسلامی بہنوں کے کم وبیش 140 مدارس ہیں جن میں تقریباً 35 ہزار طلباء مفت علم دین حاصل کررہے ہیں بروز ہفتہ 10 شوال المکرم 1421ھ 6-1-2000 عیسوی جشن ولادت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے پرمسرت موقع پر دعوت اسلامی کے عالمگیر مرکز فیضان مدینہ محلہ سوداگران سبزی منڈی کراچی میں دعوت اسلامی کے شعبہ درس نظامی جامعۃ المدینہ کے فارغ التحصیل علماء کی دستار بندی کی تقریب سعید کا اہتمام کیا گیا ہے۔ان شاء اللہ جس میں بعد نماز عصر قرآن خوانی بعد مغرب وعشاء بیانات، ذکر اللہ عزوجل رقت انگیز دعا بعدہ رسم دستار بندی کا سلسلہ ہوگا۔آپ سے مدنی التجا ہے کہ جملہ اسلامی بھائیوں سمیت قدم رنجہ فرما کر سند پانے والے علمائے کرام کو اپنی دعاؤں سے نوازیں، اللہ عزوجل آپ کا سینہ مدینہ بنائے۔

طالب غم مدینہ وبقیع ومغفرت۔

محمد الیاس قادری رضوی

5 شوال المکرم 1421

یہاں ایک اور مکتوب جو تاریخ سے تعلق رکھتا ہے ملاحظہ ہو۔یہ مکتوب ضلع میرپور سندھ سے محترم جناب فیض محمد خان کا ہے مکتوب ملاحظہ ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ، مزاج گرامی! قبلہ سائیں آپ کی جانب سے کچھ عرصہ پہلے دو کتابیں ''خزانہ جلالیہ'' اور ''سید جلال الدین بخاری قدس سرہ العزیز'' موصول ہوئی تھیں اس لئے میں آپ کا دل وجان سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس گنہگار بیکار کو اس قابل

سمجھا قبلہ سائیں لٹریچر زمانہ حاضر کی اہم ضرورت ہے بلا شبہ یہ نہایت ہی مفید اور بنیادی خدمت ہے اللہ رب العزت آپ کو استقامت نصیب فرمائے۔آپ نے خط میں بلوچ قوم کا سلسلہ نسب بھی معلوم کیا ہے اسی سلسلہ میں ایک ادبی لائبریری کا رخ کیا اور جو کچھ معلومات بلوچ قوم کے بارے میں کتابوں سے حاصل ہوئی وہ یہ ہیں ''کتاب عبرت کدہ سندھ'' مصنف سید محمد ضامن ص 332 پہ لکھتا ہے۔ہم بلوچ ایران بلوچوں میں نہیں ہیں بلکہ عرب ہیں۔ ہمارا نسب امیر حمزہ بن عبد المطلب سے شروع ہوتا ہے بعض مؤرخ حمزہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بیٹا سمجھتے ہیں ہم حجاج بن یوسف کے زمانے میں کیچ مکران میں داخل ہوئے کتاب ''تحفۃ الکرام'' مصنف میر شیر علی قانع ٹھٹھوی ج 3 ص 28 پر لکھتا ہے کہ ایک دن امیر حمزہ بن عبد المطلب شکار کے ارادے سے ایک صحرا میں پہنچا وہاں پر خدا تعالیٰ کی قدرت سے ایک پری نازل ہوئی جس سے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا اور اس کے بطن سے ''بلوچ'' پیدا ہوئے جو محمد بن ہارون مکرانی کی اولاد ہیں کتاب ''جنت السندھ'' مصنف رحیم داد خان مولائی شیدائی ص 101 پہ لکھتا ہے ''ہم خدائے قادر مطلق کی قدرت کے منکر نہیں ہیں مگر اوپر والے بیان افسانے پر مبنی ہیں سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے حرم میں تین بیویاں تھیں۔

(1) بنت الملہ (2) خولہ بنت قیس (3) سلمہ بنت عمیس

جس میں تین بیٹے ابو یعلی عامر اور عمارہ تھے ان میں ابو یعلی کی اولاد ہوئی تھی مگر اس کے سب بچے چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گئے تھے اور دوسرے بیٹوں کی کوئی بھی اولاد پیدا نہیں ہوئی تھی۔البتہ سلمہ بن عمیس کے بطن سے ایک بیٹی اُمامہ پیدا ہوئی تھی جس کی پرورش کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کے حوالے کیا تھا، اور وہ اس لڑکی امامہ کی چاچی تھی اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سید الشہدا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی اولاد کا سلسلہ شروع میں منقطع ہو گیا تھا جیسے ''صحیح بخاری، اسد الغابہ اور طبقات ابن سعد'' کے بیانات ہیں اوپر والے بیانوں میں کوئی بھی تعلیم یافتہ ''تحفۃ الکرام'' کے بیان کو ترجیح

نہیں دے سکتا۔ بلوچوں کا وجود قدیم زمانے سے بلوچستان سے چلتا آرہا ہے۔ مصنف تاریخ ھیروڈلسن نے کتاب میں بلوچ قبیلوں کے نام دیئے ہیں ایسے ہی جت (جاٹ) بیچ ایشیا کی رہنے والی قوم ہے 1400 ق۔م، بیچ ایشیا سے نکل کر گنگا کی وادی سے لے کر یورپ تک آباد ہوگئی، عرب تاریخ دانوں نے اس قوم کو ''زط'' کے نام سے لکھا ہے، ترمذی کے ''باب الامثال'' میں بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک خاص صورت جماعت حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں دیکھی تھی جو کہ ''جاٹن'' جیسی تھی، جنگ قادسیہ میں ایرانیوں کی شکست ہونے کے بعد اس قوم نے بلوچوں کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا، اسلام نے جاٹوں کی عزت کی اور وہ اسلام کے وفادار بن کر رہے، طبری کے بیان موجب جنگ جمل کے وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بصرے کا خزانہ ''جاٹوں'' کی نگرانی میں دیا تھا۔

کتاب جنت الہندہ کا مصنف آگے لکھتا ہے کہ ''بلوچوں کا شجرہ میر جلال خان نے سنہ 1910ء میں کتاب ''فرنٹیر اینڈ اورسیز ایکسپیڈیشن فرام انڈیا'' ''Frntier and Overseas expedialion from onalia'' جو کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔ جہاں سے میں نے یہ اپنی کتاب ''تاریخ بلوچستان'' میں نقل کیا''

رندوں کے مکمل شجرہ میں بلوچ اعلمش رومی کی نسل میں دکھائے گئے ہیں اوپر والا شجرہ رائے بہادر ہیتھو رام کو 25 ستمبر 1899 میں شہوران کے رندوں کے سردار سے حاصل ہوا تھا جب ہیتھو رام ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھا یہ شجرہ اس نے گنج آبہ کے قاضی عبدالحق بن قاضی نصراللہ خان سے نقل کرا کے اپنی ''تاریخ بلوچستان'' 1917ء کے ایڈیشن میں شائع کرایا تھا۔

قاضی نور محمد گنج آبوی کے ''جنگ نامہ'' میں بلوچوں کا شجرہ میر جلال خان کا دیا ہوا ہے۔

حضرت سائیں سراج احمد صاحب اس گنہگار بیکار کو بلوچ قوم کا سلسلہ نسب ان کتابوں سے بھی حاصل ہوا ہے جو کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے، اور مجھے یہ بھی جان کر بہت خوشی محسوس ہوئی کہ آپ کا تعلق چانڈیو بلوچ سے ہے۔ چانڈیو بلوچ سندھ میں اب بھی بہت

ساری تعداد میں موجود ہیں۔

حضرت قبلہ سائیں اگر آپ کو ''چانڈیو قوم کا سلسلہ نسب معلوم کرنا ہے تو مہربانی کر کے اس کے بارے میں مجھے ضرور مطلع کیجئے گا کیونکہ چانڈیو قوم کے سلسلہ نسب میں ایک پرانی کتاب ''چانڈ کا CHANDKA'' لاڑکانہ سندھ سے شائع ہوئی تھی جواب بھی لاڑکانہ کی ایک لائبریری میں موجود ہے اس سے مکمل شجرہ لکھ کر روانہ کروں گا۔

قبلہ سائیں اگر بلوچ قوم کے بارے میں آپ کو کچھ معلومات ہوں تو مہربانی کر کے اس بیکار کو بھی کچھ مطلع کیجئے گا۔ میں بھی کوشش کر رہا ہوں ہمارا ایک بڑا ادیب جناب ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب اگر کچھ وقت نکال کر مجھے اس سلسلہ میں معلومات فراہم کرے تو بہت ہی کچھ معلوم ہو جائے گا۔

قبلہ سائیں ہمارا تعلق پتافی (PITAFI) بلوچ سے ہے ایک عرض ہے کہ اس طالب علم کیلئے ''کتاب اہل اسلام کی نظر میں یزید'' کی کتنی قیمت ہوسکتی ہے۔ مہربانی کر کے وہ خط کے ذریعے لکھ کر روانہ کیجئے گا تا کہ یہ گنہگار منی آرڈر کر کے یہ کتاب حاصل کر سکے۔

اللہ رب العزت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے سیئات وخطاؤں کو معاف اور اپنی رضا کے لئے آپ کی ان خدمات کو قبول فرمائے اور شرف قبولیت عطا فرمائے اور اس تعاون پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین بجاہ نبی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

قبلہ سائیں آپ کے خط و کتابت کا انتظار رہے گا۔

ع مغفرت دارم امید از لطف تو

ے یا رب تو کریمی و رسول تو کریم
صد شکر کہ ہستم میان دو کریم

آپ کی خصوصی نظر کرم اور دعاؤں کا منتظر
فیض محمد بلوچ قادری کرمی (بی اے۔ عمر 23 سال) P/O بوزدار وڈا ضلع خیر پور

اعتذار

مولوی محمد سلیم اویسی نے اپنے بزرگوں کے حالات لکھ کر دئے اور اپنے اسلاف کا شجرہ نسب بھی دیا جو حضرت غازی عباس رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے اور میرے عزیز شاگرد خلیفہ شمیم عباس بن خلیفہ نذیر احمد بن خلیفہ رشید احمد بن خلیفہ اللہ رکھا (جو بہت حاذق حکیم تھے اور ہمارے بزرگوں کے تعلق والے تھے بلکہ ہمارا علاج معالجہ بھی ان سے وابستہ تھا خلیفہ حکیم اللہ رکھا کے بارے میں مجھے استاذ العلماء علامہ محمد ظریف فیضی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ حکیم اللہ رکھا جب رحلت کر گئے تو ان کا قلب زندہ تھا) نے بھی اپنے بزرگوں کا شجرہ نسب میرے سپرد کیا۔ لیکن تاریخ اوچ متبرکہ کی طوالت کی وجہ سے انہیں شامل نہ کیا جاسکا، خلیفہ شمیم عباس بخاری، گیلانی، بکھری، شیرازی، کاظمی، مشہدی، رضوی، ترمذی، گردیزی، ہمدانی، زنجانی، اسدی، کرمانی، عابدی خاندان اور دیگر اقوام کے شجرے مرتب کر رہے ہیں اور مرجع خاندان ہیں جو حضرات اپنے شجروں کی اصلاح چاہتے ہیں اور اپنی اولاد کا اندراج اپنے اسلاف سے ضروری جانتے ہیں ان کی طرف رجوع کریں۔ خلیفہ صاحب کا دفتر دربار قطب الاقطاب حضرت جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر ہے۔

رابطہ نمبر 0345-3612514/0300-6847329

تاریخ نویسی کے اس کٹھن کام میں میرے ساتھ میرے بیٹوں، مولانا محمد احمد رضا خان، مولانا محمد حامد سراج خان اور عزیزم محمد ساجد سراج خان نے بہت تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے تعاون کا انہیں بہترین اجر عطا فرمائے۔ اور اپنے حبیب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور دین متین کی خدمت میں مشغول و مصروف رکھے اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرما کر جنات الفردوس عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ تاریخ اوچ متبرکہ کی دوسری جلد کی تیاری شروع ہے۔

اہل علم حضرات اگر کہیں کوئی غلطی پائیں تو اصلاح فرما کر ممنون فرمائیں۔

محمد سراج احمد سعیدی قادری غفرلہ

16 صفر المظفر 1436ھ، 9 دسمبر 2014

تمت بالخیر

آج بروز سوموار 24 اگست 2015 بوقت 4:00pm اپنے فرزند ارجمند مولانا محمد احمد رضا خان کے تعاون سے کمپیوٹر کمپوزنگ کی لفظی غلطیوں سے فراغت پا کر اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہٗ کا شکر ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمانی سلامتی عطا فرما کر دارین کی برکتوں و رحمتوں سے نوازدے آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

حوالہ جات

نمبر شمار	حوالہ جات
1	یک روزہ ص 11 ،فتاویٰ رشیدیہ ص 81 ،عطر الوردہ ص 26 ،آفتاب نبوت ص 239
2	(خصائص کبریٰ ج 2 ص 193 ، حجۃ اللہ علی العلمین 29 ، جواہر البحار ج 2، ص 371 ،محمد اول ص 91_92)
3	(کلیات امدادیہ ص 101)
4	(بخاری شریف ج ا ص 439)
5	(مکتوبات امام ربانی حصہ اردو ج 3 ص 92 مکتوب نمبر 169)
6	(حدائق بخشش ص 421 مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کراچی)
7	(تفسیر کبیر عربی ج ا ص 333 ،مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)
8	(تفسیر کبیر ج 1 ص 333 ،مطبوعہ ایضاً)
9	(قرآن مجید ،سورۃ الانبیاء ،آیت 22)
10	(تفسیر کبیر ،خزائن العرفان وغیرہ تحت آیت لوکان فیھما الھۃ)
11	(مسلم شریف مشکوۃ المصابیح عربی ص 510 ،باب مخلوق کی پیدائش)
12	(تفسیر مظہری ج ا ص 120 تفسیر خازن ج 1 ص 275)
13	(مشکوۃ عربی 472 باب اشراط الساعۃ)
14	(صدائے فاروقیہ ج 4 شمارہ نمبر 2)
15	(ملخصا سیرت حلبیہ اردو ج 1 ص 115)
16	(البدایہ والنہایہ ج ا ص 98)
17	(فریاد آدم کا منظر)
18	(البدایہ والنہایہ ج ا ص 99)
19	(البدایہ والنھایہ ج 1 ص 99)
20	(قرآن مجید ،سورۂ مریم آیت 57)
21	(فتاویٰ رضویہ ج 29 ص 637 ،بحوالہ تاریخ دمشق الکبیر ج 9 ص 155)
22	(ملخصاً تفسیر مظہری ج 5 ص 84-85)
23	(تفسیر روح البیان ج 1 ص 210 ، سچی حکایات ج 1 ص 106- 107)
24	(تذکرہ مولانا جامی ص 142)

25	(معارج النبوۃ اردو ج1ص519)
26	(مسند احمد، ترمذی، البدایہ والنہایہ ج1ص115)
27	(طبقات ابن سعد ج1ص25، تاریخ فرشتہ ج1ص32)
28	(تاریخ فرشتہ ج1ص32)
29	(تاریخ فرشتہ ج1ص35)
30	(ضیاء النبی ج1ص187 وص200)
31	(البدایہ والنہایہ ج1ص139-140)
32	(قرآن مجید ابراہیم آیت 41)
33	(قرآن مجید التوبہ 113-114 ترجمۃ البیان)
34	(البدایہ والنہایہ ج2ص255 تا258)
35	(خیر المجالس ترجمہ نزھۃ المجالس ج اص430 بحوالہ زہرۃ الریاض امام نسفی)
36	(بوستان فارسی ص70-71 حکایت در اخلاق پیغمبراں اور نزھۃ المجالس ج1ص431)
37	(نزھۃ المجالس ج1ص432-430)
38	(البدایہ والنہایہ ج1ص175)
39	(قرآن مجید سورۃ الصافات آیت 107)
40	(معارج النبوۃ ج1ص688 تا690)
41	(البدایہ والنہایہ ج1ص193)
42	(معارج النبوۃ ج1ص692)
43	(طبقات ابن سعد ج1ص61، البدایہ والنہایہ ج1ص193)
44	(خطہ پاک اوچ ص47)
45	(خطہ پاک اوچ ص46)
46	(خطہ پاک اوچ ص48)
47	(خطہ پاک اوچ ص48)
48	(تاریخ فرشتہ ج1ص62-63)
49	(خطہ پاک اوچ ص69)
50	(بزرگان بہاولپور ص100)
51	(تاریخ اوچ ص26-27)
52	(تاریخ اوچ ص32_33)

53	(تاریخ اوچ ص34)
54	(تاریخ اوچ ص31)
55	(تاریخ اوچ ص30)
56	(تاریخ اوچ ص29)
57	(تاریخ اوچ ص65)
58	(البدایہ والنہایہ ج10 ص77 و تاریخ طبری ج5 حصہ دوم ص105)
59	(البدایہ والنھایہ ج10 ص108 و تاریخ طبری ج5 حصہ دوم ص249)
60	(تاریخ طبری ج5 حصہ دوم ص249)
61	(تاریخ طبری ج5 حصہ دوم ص320-321 والبدایہ والنھایہ ج10 ص129)
62	(البدایہ والنہایہ ج10 ص129 و تاریخ طبری ج5 حصہ دوم ص321)
63	(الکامل ج6 ص127-128)
64	(تاریخ فرشتہ ج1 تلخیص از ص99 تا114)
65	(ماخوذ از تاریخ اوچ و تاریخ فرشتہ)
66	(تاریخ اوچ ص37)
67	(بزرگان بہاولپور ص 102-103)
68	(بغداد سے بہاولپور ص56 تا 61)
69	(واقعات پاکستان ص53 تا56)
70	(مہر منیر ص257)
71	(حیات غزالی زماں ص66)
72	(القول البلیغ فی التحذیر من جماعۃ التبلیغ ص21۔ مطبوعہ الریاض سعودی عرب)
73	(تاریخ اوچ ص53)
74	(تاریخ اوچ ص54 تا56)
75	(جواہر البحار ج2 ص375)
76	(بخاری ج1 ص179 وص418 وج2 ص558 وص1042، مسلم ج2، ص244 تا259)
77	(بخاری ج2 ص558-1042، مسلم ج2 ص244-250)
78	(خصائص کبریٰ ج2 ص195)
79	(البدایہ والنہایہ ج6 ص282)
80	(قرآن مجید، القمر آیت نمبر1 خزائن العرفان، البدایہ والنہایہ ج6 ص282)

81	(شفاء شریف ج1 ص185، البدایہ والنہایہ ج6 ص282، تفسیر ابن کثیر ج2 ص402، فتاوی شامی ج1 ص265، حجۃ اللہ علی العالمین ص398، مدارج النبوۃ اردو ج1 ص330، ج2 ص426-427، مقام رسول ص319، خصائص کبری ج2 ص82، فیض الباری ج3 ص463، شمامہ عنبریہ ص68 جواہر البحار ج1 ص18، تفسیر کبیر رازی ج11 ص314)
82	(مشکوۃ ص518، جواہر البحار ج1 ص19، شمائل ترمذی ص25)
83	(خصائص کبریٰ ج1 ص84)
84	(جواہر البحار ج1 ص19، ترمذی ج2 ص206 مشکوۃ شریف ص518)
85	(دلائل النبوۃ بیہقی ج1 ص200 مشکوۃ ص517)
86	(مشکوۃ المصابیح ص72)
87	(مشکوۃ المصابیح ص457)
88	(کنز العمال ج11 ص189 طب۔ حل۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)
89	(کنز العمال ج7 ص63-65 ص66-69، ترمذی شریف ج1 ص96، شمائل ترمذی ص1، مشکوۃ المصابیح ص517)
90	(نقوش رسول نمبر)
91	(الدر المنظوم ج1 ص53)
92	(نور العرفان ص516 بحوالہ روح البیان تحت آیت "یعملون لہ مایشاء")
93	(ترمذی شریف ج2 ص113، مسند امام احمد بن حنبل عربی، اردو ج2 ص574)
94	(از حوالہ کتب تذکرہ المشائخ، بحوالہ گلزار الابرار، سیرت محمدیہ و طریقۃ الاحمدیہ)
95	(از تحفۃ الابرار)
96	(انوار قمریہ، مؤلفہ علامہ غلام محمد سیالوی)
97	(تاریخ اوچ ص57 تا59)
98	(نسائی شریف ج2 ص63)
99	(نسائی شریف ج2 ص63)
100	(تاریخ اوچ ص65)
101	(خطہ پاک اوچ ص98-99، فتوح البلدان ص612)
102	(فتوح البلدان اردو ص612)
103	(فتوح البلدان ص612 تا614)
104	(تاریخ فرشتہ ج1 ص45-46)
105	(تاریخ فرشتہ ج1 ص46-47)

106	(تاریخ فرشتہ ج1 ص47)
107	(تاریخ فرشتہ ج1 ص48)
108	(کشاف ص74 سورۃ بقرہ)
109	(فتاویٰ سلفیہ ص140)
110	(البدایہ والنہایہ ج10 ص107 ،تاریخ اہل حدیث ص85-86)
111	کتاب شرح الطحاویہ فی العقیدۃ السلفیہ مطبوعہ مکہ مکرمہ 12 یہ کتاب 1349ھ میں بامر سلطان ابن سعود ایدہ مکہ معظمہ میں طبع ہوئی ہے۔ یہ حوالہ اس عاجز کو حاجی عبدالغفار صاحب تاجر کوٹھی حاجی علی جان مرحوم کے افادت سے ملا۔ جبکہ میں سفر بمبئی سے دہلی واپس آیا۔ آہ آج حاجی عبدالغفار صاحب اس دنیا میں نہیں ہیں عاملہ اللہ برحمۃ الواسعۃ۔ میں عاجز ان کیلئے ہر شب ان کا نام لے کر مع بعض دیگر احباب کے مغفرت کی دعا کرتا ہوں بفضل اللہ تعالیٰ میر (محمد ابرہیم) سیالکوٹی۔
112	(تاریخ اہل حدیث ص94-95)
113	(تاریخ اہلحدیث ص92 تا96)
114	(تاریخ اہل حدیث ص96 حاشیہ نمبر 1)
115	(نسائی شریف ج2 ص63)
116	(البدایہ والنہایہ ج9 ص119)
117	(تاریخ طبری ج3 ص203)
118	(البدایہ والنہایہ ج7 ص132)
119	(البدایہ والنہایہ ج9 ص42 میں ہے ثم نزل المھلب البصرۃ وقد غزا فی ایام معاویۃ ارض الھند سنۃ اربع واربعین۔ یعنی مہلب بصرے میں نازل ہوا اور اس نے 44ھ میں حضرت امیر معاویہ کے دور حکومت میں ہندوستان کی زمین پر جہاد کیا)
120	(تفسیر فتوح البلدان ص612 تا619 پر دیکھیں)
121	(البدایہ والنھایہ ج10 ص14)
122	(تاریخ طبری ج5 ص249-250)
123	(تاریخ طبری ج5 حصہ دوم ص249 تا ص253 البدایہ والنھایہ ج10 ص108)
124	(الکامل ج2 ص127 وص128)
125	(تاریخ اوچ ص67)
126	(اخبار الاخیار فارسی ص205 اردو ص435)
127	(تاریخ فرشتہ ج1 ص132)
128	(تاریخ فرشتہ ج1 ص51)

129	(تاریخ فرشتہ ج1ص56)
130	(البدایہ والنہایہ ج11ص286)
131	(خطہ پاک اوچ ص178)
132	(مخدوم جہانیاں جہانگشت ص84-85)
133	(تاریخ اوچ ص140)
134	(تاریخ فرشتہ ج اص50,51)
135	(تاریخ فرشتہ ج اص55,56)
136	(ملخصا تاریخ فرشتہ ج1ص50)
137	(تاریخ فرشتہ ج1ص51)
138	(تاریخ فرشتہ ج1ص52)
139	(تاریخ فرشتہ ج1ص52 تاص54)
140	(تاریخ فرشتہ ج1ص55)
141	(تاریخ فرشتہ ج1ص59)
142	(تاریخ فرشتہ ج1ص60)
143	(تاریخ فرشتہ ج1ص59)
144	(تاریخ فرشتہ ج1ص59)
145	(تاریخ فرشتہ ج1ص60)
146	(تاریخ فرشتہ ج1ص62-63)
147	(خطہ پاک اوچ ص115 حاشیہ نمبر3)
148	(خطہ پاک اوچ ص426-427)
149	(تاریخ فرشتہ ج1ص63,64 ملخصا)
150	(تاریخ فرشتہ ج1ص68)
151	(تاریخ اوچ ص67)
152	(تاریخ اوچ ص67 حاشیہ نمبر1)
153	(تاریخ اوچ ص68)
154	(البدایہ والنھایہ ج12ص30)
155	(البدایہ والنھایہ ج12ص30 وتاریخ فرشتہ ج1ص88 تا90)
156	(تاریخ فرشتہ ج1ص74)

157	(جامع صغیر ج 2 ص174)
158	(تفسیر روح البیان ج7 ص185)
159	(سچی حکایات ج3 ص249 بحوالہ تاریخ اسلام ص134)
160	(بشیر القاری شرح صحیح بخاری ص18، تفسیر روح البیان ج7 ص234)
161	(تاریخ فرشتہ ج1 ص74)
162	(تاریخ فرشتہ ج1 ص85)
163	(تاریخ فرشتہ ج1 ص78)
164	(تاریخ فرشتہ ج1 ص78)
165	(تاریخ فرشتہ ج1 ص79)
166	(تاریخ فرشتہ ج1 ص79)
167	(تاریخ فرشتہ ج1 ص79-80)
168	(تاریخ فرشتہ ج1 ص80-81)
169	(تاریخ فرشتہ ج1 ص81)
170	(تاریخ فرشتہ ج1 ص81)
171	(تاریخ فرشتہ ج1 ص81-82)
172	(تاریخ فرشتہ ج1 ص87)
173	(تاریخ اوچ ص67)
174	(تاریخ اوچ ص68)
175	(مخدوم جہانیاں جہانگشت ص54)
176	(تاریخ اوچ ص69)
177	(تاریخ فرشتہ ج1 ص141، 143)
178	(تاریخ فرشتہ ج4 ص660)
179	(تاریخ فرشتہ ج4 ص661)
180	(تاریخ فرشتہ ج4 ص661_662)
181	(تاریخ فرشتہ ج4 ص663)
182	(بہجۃ الاسرار عربی ص88 اردو 302، امام الاولیاء ص213 زبدۃ الآثار ص43، سیرت غوث اعظم مؤلفہ مولانا محمد داؤد نقشبندی ص24، رحمۃ للعلمین ج2 ص113، بحوالہ لواقح الانوار فی طبقات الاخیار للشعرانی ص178، طبقات الکبریٰ اردو ص365)

183	(سیرت غوث اعظم ص 24 حاشیہ نمبر 1 از علامہ محمد داؤد نقشبندی)
184	(رحمۃ للعلمین ج 2 ص 112 حاشیہ نمبر 1)
185	(رحمۃ للعلمین ج 2 ص 112)
186	(اخبار الاخیار)
187	(فیض الباری ج 2 ص 62 رحمۃ للعلمین ج 2 ص 112)
188	(ماثبت بالسنہ عربی ص 65 اردو ص 142-143)
189	(بہجۃ الاسرار ص 99)
190	(بہجۃ الاسرار ص 99)
191	(اخبار الاخیار فارسی ص 142 اردو ص 309، خزانہ جلالی ص 333-334)
192	(خزانہ جلالی قلمی ص 334)
193	(اخبار الاخیار فارسی ص 142، اردو ص 309)
194	(بہجۃ الاسرار ص 23)
195	(ترجمہ النمل آیت نمبر 97)
196	(تفسیر خازن ج 3 ص 142)
197	(ترمذی ج 2 ص 117)
198	(تفسیر کبیر ج 3 ص 427)
199	(بہجۃ الاسرار عربی ص 63 اردو ص 215، امام الاولیاء ص 373، زبدۃ الآثار ص 31 اشعۃ اللمعات ج 21 ص 715، غوث اعظم ص 7)
200	(لمعات ج 1 ص 633 مشکوٰۃ ص 154 حاشیہ نمبر 2)
201	(بحوالہ البریقہ ج 1 ص 270)
202	(تذکرہ اولیاء پاک و ہند جدید ص 37)
203	(ماخوذ از غوث اعظم مولانا برخوردار ملتانی)
204	(اخبار الاخیار ص 202)
205	(تاریخ اوچ ص 121)
206	(غوث اعظم غیروں کی نظر میں ص 92 سیرت غوث اعظم ص 249 تا ص 253)
207	(غوث اعظم ص 306 تا 308، مولانا برخوردار ملتانی)
208	(غوث اعظم ص 308-309 از مولانا برخوردار ملتانی)
209	(غوث اعظم ص 311-312)

210	(اخبار الاخیار ص 202)
211	(غوث اعظم ص 316-317 مؤلف و مولانا برخوردار ملتانی)
212	(غوث اعظم ص 317-318)
213	(غوث اعظم ص 318 تا 322)
214	(غوث اعظم 322 تا ص 325 از مولانا برخوردار ملتانی)
215	(مثنوی ج 1 ص 58-59)
216	(ہفت روزہ چکار الاہور یکم تا 7 اکتوبر 2004)
217	(از نعیم احمد ناز چیف ایڈیٹر ہفت روزہ نوائے اوچ)
218	(خزانہ جلالیہ قلمی ص 324)
219	(حدیقۃ الاسرار چمن ششم)
220	(تاریخ اوچ ص 101-103)
221	(ملفوظ المخدوم اردو ص 44 مظہر جلالی، خطہ پاک اوچ)
222	(الدر المنظوم ج 1 ص 67)
223	(خزانہ جلالیہ قلمی ص 316)
224	(خطہ پاک اوچ ص 205)
225	(حدیقۃ الاسرار)
226	(خزینۃ الاصفیا ج 2 ص 28، بہاول پور گزیٹر ص 160 تا 161)
227	(الدر المنظوم ج 1 ص 300)
228	(الدر المنظوم ج 1 ص 125)
229	(الدر المنظوم ج 1 ص 288)
230	(الدر المنظوم ج 1 ص 70-71)
231	(تذکرۃ الاولیا پاک و ہند ص 113)
232	(مخدوم جہانیاں جہانگشت ص 104)
233	(اخبار الاخیار ص 142)
234	(سفینۃ الاولیا ص 154)
235	(ترمذی ج 2 ص 225)
236	(ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی، بشیر القاری شرح صحیح البخاری ص 126)
237	(الدر المنظوم ج 1 ص 52)

238	(خلاصۃ الاصفیاء ج2 ص59)
239	(تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی ص401-402)
240	(الدر المنظوم)
241	(تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی ص403)
242	(سفرنامہ مخدوم جہانیاں ص5)
243	(تذکرہ شاہ رکن عالم شاہ نوری ص405 بحوالہ خزینۃ الاصفیاء ج2 ص60، ہفتاد اولیاء ص266 بحوالہ انوار فاطمیہ، اخبار الاخیار ص142، سفرنامہ مخدوم جہانیاں ص56 مطبوعہ کانپور 1937ء)
244	(الدر المنظوم ج1 ص30-31)
245	(اخبار الاخیار ص142)
246	(اخبار الاخیار، سبع سنابل ص92)
247	(الدر المنظوم ج1 ص21 مطبوعہ ملتان)
248	(خزانۃ الجلالی قلمی ج1 ص119)
249	(سبع سنابل ص162-163)
250	(ترمذی، ابوداؤد ج1 ص209، مشکوٰۃ المصابیح ص195، تفسیر مظہری ج8 ص270)
251	(تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی ص404 بحوالہ خزینۃ الاصفیا ج2 ص62، ہفتاد اولیاء ص266)
252	(تذکرہ اولیائے پاک و ہند ص119-120، تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی ص406)
253	(سبع سنابل فارسی ص198۔ سبع سنابل ص395 تا397)
254	(ہفتاد اولیاء ص265)
255	(الدر المنظوم ج1 ص186)
256	(حضرت سید جلال الدین بخاری ص26-27 بحوالہ الدر المنظوم)
257	(بخاری، مسلم، مشکوۃ حدیث نمبر 1)
258	(تاریخ اوچ ص109)
259	(تاریخ اوچ ص111)
260	(تاریخ اوچ ص112)
261	(تاریخ اوچ ص112 تا118)
262	(خلاصہ تاریخ اوچ شریف جدید ص174 تا176)
263	(تاریخ اوچ ص119-120)
264	(ہفتاد اولیا ص262، اولیاء پاک و ہند ص617)

265	(مخدوم جہانیاں جہانگشت ص104 و105 بحوالہ الدر المنظوم)
266	(الدر المنظوم ج1 ص123 وص300)
267	(الدر المنظوم ج1 ص200)
268	(الدر المنظوم ج1 ص217)
269	(الدر المنظوم ج1 ص300-301)
270	(الدار المنظوم ج1 ص482)
271	(الدر المنظوم ج2 ص544)
272	(مخدوم جہانیاں جہانگشت ص97 تا100)
273	(تاریخ اوچ ص130)
274	(اخبار الاخیار فارسی ص61 تا63)
275	(اخبار الاخیار فارسی ص63 تا66)
276	(مندرجہ بالا مضمون لمعات خواجہ ص129 تا ص131 سے ماخوذ ہے)
277	(ماخوذ از لمعات خواجہ ص165 تا176)
278	(الافاضات الیومیہ ج1 ص309-310)
279	(اخبار الاخیار فارسی ص25-26)
280	(اخبار الاخیار ص26 تا ص28)
281	(سوانح بابا فرید گنج شکر ص8، ملفوظات بابا فرید ص15)
282	(مقابیس المجالس ص1104)
283	(فتاویٰ رشیدیہ مکمل ص44)
284	(اخبار الاخیار فارسی ص52 تا54)
285	(اخبار الاخیار فارسی ص55 تا60)
286	(اخبار الاخیار فارسی ص60-61)
287	(تاریخ فرشتہ ج1 ص166-167)
288	(تاریخ فرشتہ ج1 ص167)
289	(لمعات خواجہ ص165)
290	(تاریخ فرشتہ ج1 ص167)
291	(تاریخ فرشتہ ج1 ص168)
292	(تاریخ فرشتہ ج1 ص170-171)

293	(تاریخ فرشتہ ج1ص171)
294	(تاریخ فرشتہ ج1ص171)
295	(تاریخ فرشتہ ج اص171-172)
296	(تاریخ فرشتہ ج1ص172)
297	(تاریخ فرشتہ ج1ص170)
298	(تاریخ فرشتہ ج اص173)
299	(تاریخ فرشتہ ج1ص173-174)
300	(تاریخ فرشتہ ج1ص175)
301	(تاریخ فرشتہ ج1ص175)
302	(تاریخ فرشتہ ج1ص175-176)
303	(تاریخ فرشتہ ج1ص176)
304	(تاریخ فرشتہ ج1ص176)
305	(تاریخ فرشتہ ج1ص177)
306	(تاریخ فرشتہ ج1ص177)
307	(تاریخ فرشتہ ج1ص178)
308	(تاریخ فرشتہ ج1ص179-180)
309	(تاریخ فرشتہ ج1ص181)
310	(تاریخ فرشتہ ج1ص181)
311	(تاریخ فرشتہ ج1ص181-182)
312	(تاریخ اوچ ص74)
313	(تاریخ اوچ ص74)
314	(تاریخ فرشتہ ج1ص183)
315	(تاریخ فرشتہ ج1ص183)
316	(تاریخ فرشتہ ج1ص184)
317	(تاریخ فرشتہ ج1ص184)
318	(تاریخ فرشتہ ج1ص184)
319	(تاریخ فرشتہ ج1ص185)
320	(تاریخ فرشتہ ج1ص185-186)

321	(تاریخ فرشتہ ج1ص185-186)
322	(تاریخ فرشتہ ج1ص186)
323	(تاریخ فرشتہ ج1ص186-187)
324	(تاریخ فرشتہ ج1ص186-187)
325	(تاریخ فرشتہ ج اص187-188)
326	(تاریخ فرشتہ ج1ص188)
327	(تاریخ اوچ ص75)
328	(تاریخ اوچ ص75-76)
329	(تاریخ اوچ ص76)
330	(واقعات پاکستان ج2ص305)
331	(فتاویٰ رشیدیہ عکسی ص48)
332	(تاریخ فرشتہ ج1ص188-189)
333	(تاریخ فرشتہ ج1ص189)
334	(تاریخ فرشتہ ج1ص189)
335	(ہفتاد اولیاء ص176)
336	(الدرالمنظوم۔ملفوظ مخدوم ج1ص66)
337	(ملخصاً تاریخ فرشتہ ج اص190 تا192)
338	(تاریخ فرشتہ ج1ص192)
339	(تاریخ فرشتہ ج1ص193)
340	(تاریخ فرشتہ ج1ص194)
341	(ملخصاً تاریخ فرشتہ ص-195194)
342	(ہفتاد اولیاء ص176 واخبار الاخیار اردو ص62)
343	(اولیاء پاک وہند کا انسائیکلو پیڈیا ص96)
344	(سبع سنابل ص138-139)
345	(تذکرہ غوثیہ ص356-357)
346	(اللہ کے ولی ص370)
347	(سوانح عمری حضرت بابا فرید شکر گنج ص8)
348	(اللہ کے ولی ص73)

349	(حضرت مجدد الف ثانی کی دینی وملی خدمات ص52-53)
350	(مقام گنج شکر ص206 تا210 مؤلفہ کپتان واحد بخش سیال مطبوعہ لاہور)
351	(ارباب طریقت ص95 تا97)
352	(مقدمہ زبدۃ الآثار ص9 تا12)
353	(خلاصہ از تاریخ فرشتہ ج1 ص206-207-209)
354	(تاریخ فرشتہ ج1 ص208)
355	(تاریخ فرشتہ ج1 ص218-219)
356	(اخبار الاخیار فارسی ص73 اردو ص162)
357	(تاریخ فرشتہ ج1 ص227)
358	(تاریخ فرشتہ ج1 ص228_229)
359	(مخدوم جہانیاں جہاں گشت ص62 تا65)
360	(تاریخ فرشتہ ج1 ص278)
361	(تاریخ فرشتہ ج1 ص237)
362	(تاریخ فرشتہ ج1 ص269-270)
363	(سبع سنابل 143-144-145-151 ،مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی اس واقعہ کو وعظ الباقی ص21 پر درج کیا ہے، سچی حکایات حصہ سوم ص205)
364	(کرامات اہلحدیث ص19)
365	(تفسیر کبیر ج3 ص427)
366	(تاریخ فرشتہ ج1 ص243)
367	(تاریخ اوچ ص78)
368	(تاریخ اوچ ص78)
369	(تاریخ اوچ ص78)
370	(تاریخ اوچ ص78-79)
371	(تاریخ اوچ ص79)
372	(تاریخ اوچ ص79)
373	(تاریخ اوچ ص80-81)
374	(تاریخ اوچ ص81)
375	(تاریخ اوچ ص81)

376	(تاریخ اوچ ص82)
377	(تاریخ اوچ ص82)
378	(تاریخ اوچ ص83)
379	(تاریخ اوچ ص83)
380	(تاریخ اوچ ص84)
381	(تاریخ اوچ ص84)
382	(تاریخ اوچ ص84-85)
383	(تاریخ اوچ ص85)
384	(تاریخ فرشتہ ج4ص678)
385	(تاریخ اوچ ص85۔تاریخ فرشتہ ج4ص678)
386	(تاریخ فرشتہ ج4ص679)
387	(بلوچ قبائل ص37-38)
388	(بلوچ قبائل ص55)
389	(تاریخ اقوام بلوچاں ص20-21)
390	(تاریخ اقوام بلوچاں ص26)
391	(طبقات ابن سعد ج2ص46)
392	(بلوچ قبائل ص20،ترجمہ کامل القادری)
393	(بلوچ قبائل ص51)
394	(بلوچ قبائل ص51)
395	(بلوچ قبائل ص66)
396	(المنسکی ص334-335)
397	(بلوچ قوم کی تاریخ ج1ص85)
398	(بلوچ قبائل ص72-73)
399	(بلوچ قوم کی تاریخ ج1ص92)
400	(انسائیکلوپیڈیا اقوام پاکستان ص539)
401	(تاریخ اوچ ص86)
402	(تاریخ اوچ86)
403	(تاریخ اوچ ص86-87)

404	(تاریخ اوچ ص87)
405	(تاریخ اوچ ص87)
406	(تاریخ اوچ ص87-88)
407	(تاریخ پاک وہند ص12، تاریخ فرشتہ ج2 ص414)
408	(تاریخ پاک وہند باب2 ص12_19,13)
409	(تاریخ اوچ ص87)
410	(تاریخ فرشتہ ج2 ص426)
411	(تاریخ فرشتہ ج2 ص430)
412	(تاریخ فرشتہ ج2 ص430)
413	(تاریخ فرشتہ ج2 ص436,431)
414	(تاریخ فرشتہ ج2 ص443-444)
415	(تاریخ فرشتہ ج2 ص445)
416	(تاریخ پاک وہند باب3، تاریخ فرشتہ ج2 ص450)
417	(تاریخ پاک وہند باب4)
418	(تاریخ پاک وہند ص58)
419	(تاریخ پاک وہند)
420	(تاریخ پاک وہند باب5 ص98)
421	(تاریخ پاک وہند باب5 ص122)
422	(تاریخ پاک وہند ص75)
423	(تاریخ اوچ ص88)
424	(تاریخ اوچ ص88)
425	(تاریخ فرشتہ ج2 ص522، تاریخ پاک وہند باب5)
426	(ظفر نامہ ص259)
427	(ظفر نامہ ص259)
428	(اقتباسات تاریخ اوچ ص89)
429	(بحوالہ ہفت روزہ محبوب حق 22 صفر 1384ھ/3 جولائی 84)
430	(پاکستان ٹائمز 26 اپریل 1963ء، رضائے مصطفی جلد 50 شمارہ 8 اگست 2008ء ص14)
431	(جہان رضا ص197-198 بشکریہ جنگ کراچی، اکرام امام احمد رضا ص104)

432	(اکرام امام احمد رضا ص 104، 106)
433	(رضائے مصطفیٰ شمارہ 9 جلد 4.9 ستمبر 2007ء ص 19)
434	(سنی کانفرنس کا تاریخی تسلسل ص 34 تا 36)
435	(رضائے مصطفیٰ اگست 2000ء ص 19)
436	(اداریہ روزنامہ نوائے وقت لاہور 29 اگست 2005ء رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ ستمبر 2005ء ص 23)
437	(چمنستان ص 135)
438	(مکالمۃ الصدرین ص 20)
439	(مکالمۃ الصدرین ص 21 بریکٹ کے لئے ص 5)
440	(مکالمۃ الصدرین ص 7)
441	(مکالمۃ الصدرین ص 8)
442	(مکالمۃ الصدرین ص 9)
443	(مکالمۃ الصدرین ص 9)
444	(مکالمۃ الصدرین ص 10)
445	(مکالمۃ الصدرین ص 16)
446	(مکالمۃ الصدرین ص 18)
447	(مکالمۃ الصدرین ص 19-20)
448	(ارمغان حجاز ص 278، طبع ششم مئی 1955ء)
449	(اسرار رموز ص 115 طبع یازدہم 1979)
450	(چمنستان ص 187)
451	(چمنستان ص 238)
452	(چمنستان ص 226).
453	(چمنستان ص 105)
454	(چمنستان ص 94)
455	(چمنستان ص 119)
456	(چمنستان ص 174)
457	(ملخصاً واقعات پاکستان ج اص 308)
458	(واقعات پاکستان ج 1 ص 87)
459	(واقعات پاکستان ج 1 ص 93-94)

460	(واقعات پاکستان ج1 ص94)
461	(واقعات پاکستان)
462	(واقعات پاکستان ج1 ص161-162)
463	(واقعات پاکستان ج1 ص268)
464	(روزنامہ زمیندار 8 فروری 1950ء واقعات پاکستان ج1 ص269)
465	(ماہنامہ السعید دسمبر 203ھ ص39)
466	(واقعات پاکستان ج1 ص102 تا103)
467	(رضائے مصطفیٰ اگست 2008ء ص14)
468	(واقعات پاکستان ج1 ص645)
469	(رضائے مصطفیٰ اگست 2008ء ص8 تا10)
470	(ماہنامہ عارف لاہور جنوری 1968ء ص25، ماہنامہ الفرید ساہیوال جون 1979ء، ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ اپریل 1973ء)
471	(مولانا محمد منشاء تابش قصوری، دعوت فکر ص35، مطبوعہ مرید کے شیخوپورہ پاکستان 1983ء)
472	(مقالات یوم رضا، حصہ سوم ص10)
473	(نوادر اقبال ص27، سرسید بک ڈپو علی گڑھ، رضائے مصطفیٰ دسمبر 2006ء ص15)
474	(تاریخ پاکستان کا ایک ورق، ماہنامہ رضائے مصطفیٰ اگست)
475	(ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرنوالہ بحوالہ ڈاکٹر ابو اعجاز رستم)
476	(واقعات پاکستان ج1 ص223 تا230)
477	(تحریک پاکستان اور علماء)
478	(حکایت صادق ص38-39)
479	(تحریک پاکستان اور علماء کرام ص571 تا490)
480	(واقعات پاکستان ج1 ص290)
481	(بغداد سے بہاولپور ص114 تا116)
482	(بغداد سے بہاولپور ص114 تا116)
483	(بغداد سے بہاولپور ص117)
484	(واقعات پاکستان ج1 ص437)
485	(واقعات پاکستان ج1 ص245-246)
486	(واقعات پاکستان ج2 ص868)

487	(واقعات پاکستان ج2 ص 240،239)
488	(واقعات پاکستان ج2 ص 1027)
489	(واقعات پاکستان ج2 ص 1248، 1249)
490	(سوانحیات مہر منیر ص 210، مہر جہانتاب ص 41، 43)
491	(الکادیہ علی الغادیہ ص 386)
492	(واقعات پاکستان ج1 ص 865 مؤلفہ زاہد حسین انجم)
493	(ندائے خلافت لاہور 24 دسمبر 2003ء بحوالہ ''بدعتی کون.....؟'' ص 265)
494	(ماہ نامہ رضائے مصطفیٰ ستمبر 2001 ص 4-3)
495	(ہفت روزہ چٹان لاہور 29 نومبر 1965ء)
496	(روز نامہ امروز لاہور 10 اکتوبر 1965ء)
497	(روز نامہ کوہستان لاہور 10 اکتوبر 1965ء ہفت روزہ قومی دلیر گوجرانوالہ 8 نومبر 1965ء بحوالہ پروفیسر نیز واسطی صاحب سیاح ممالک اسلامیہ)
498	(روز نامہ کوہستان لاہور 10 نومبر 1965ء بحوالہ نیر واسطی)
499	(ہفت روزہ ''قومی دلیر'' 8 نومبر 1965ء بحوالہ نیر واسطی)
500	(''قومی دلیر'' 8 نومبر 65ء بحوالہ نیر واسطی)
501	(رپورٹ جنگ کراچی)
502	(روز نامہ جنگ 24 اکتوبر 1965ء)
503	(روز نامہ جنگ کراچی 12 اکتوبر 1965)
504	(روز نامہ نوائے وقت 25 اگست 65ء، روز نامہ جنگ کراچی 26 اگست 1965ء)
505	(ملخصاً واقعات پاکستان ج2 ص 425 تا 428)
506	(ملخصاً واقعات پاکستان ج2 ص 259 تا 261)
507	(واقعات پاکستان ج2 ص 1332-1333)
508	(ملخصاً واقعات پاکستان ج2 ص 440، 442)
509	(واقعات پاکستان ج2 ص 558 تا 560)
510	(واقعات پاکستان ج2 ص 1104-1105)
511	(واقعات پاکستان ج2 ص 1173-1174)
512	(واقعات پاکستان ج2 ص 1170-1171)
513	(روز نامہ نوائے وقت بروز منگل 6 صفر المظفر 1427ھ 7 مارچ 2006)

514	(ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ اکتوبر 2006ص 13)
515	(روزنامہ جنگ کراچی 4 جنوری 1970ء)
516	(ملخصاً۔ ماہنامہ السعید ج 21 شمارہ نمبر 5 ص 22 تا 26)
517	(حیات شاہجمالی ص 7 تا 20)
518	(حیات شاہجمالی ص 26 تا ص 28)
519	(حیات شاہجمالی ص 30 تا ص 32)
520	(حیات شاہجمالی ص 37-38)
521	(سوانح حیات پیر محمد ظریف ص 11)
522	(سوانح حیات پیر محمد ظریف ص 12)
523	(سوانح حیات پیر محمد ظریف ص 16-17)
524	(سوانح حیات ص 17)
525	(سوانح حیات پیر محمد ظریف ص 20)
526	(حیات شاہجمالی ص 65 تا 74)
527	(درج اللآلی فی حیات شاہجمالی ص 64 تا 83)
528	(درج اللآلی فی حیات شاہجمالی 21و22)
529	(سالار نقشبنداں ص 181-182)
530	(سالار نقشبنداں 181 تا 185)
531	(سالار نقشبنداں ص 186 مطبوعہ لندن)
532	(مقدمہ کلام سید صابر ص 4 تا 8)
533	(مقدمہ مناقب محبوبیہ ص 9 تا ص 14)
536	(تذکرہ اکابر اہلسنت ص 308-309)
537	(مقابیس المجالس ص 703)
538	(مقدمات دیوان محمدی طبع جدید)
539	(ضیاء نورانی ص 29)
540	(ضیاء نورانی ص 37-38)
541	(تلقین لدنی ص 5 تا 9)
542	(سید محمد اکبر شاہ اول سے لے کر ان کی اولاد کے حالات کے لئے دیکھیں کرامات اکبریہ)
543	(تذکرہ علماء پنجاب ج 1 ص 202-203)

544	(تذکرہ علماء پنجاب ص533)
545	(تذکرہ علماء پنجاب ص578-579)
546	(نافع السالکین اردو ص353-354)
547	(تذکرہ علماء پنجاب ج2 ص678 تا681)
548	(تذکرہ علماء پنجاب ج2 ص748 تا751)
549	(تذکرہ علماء پنجاب ج2 ص783)
550	(تذکرہ علماء پنجاب ج2 ص803 تا806)
551	(بلغۃ الحیران ص157-158)
552	(الحق المبین)
553	(تذکرہ اکابر اہلسنت 493 تا495)
554	(تعارف علماء اہلسنت ص104-105)
555	(تعارف علماء اہل سنت ص98 تا100)
556	(تعارف علماء اہلسنت ص243 تا247)
557	(مقدمہ دیوان فائق ص6 تا10)
558	(مقدمہ دیوان فائق ص11)
559	(خطہ پاک اوچ ص250)
560	(اخبار الاخیار فارسی ص213، اردو ص450)
561	(ماہنامہ بلیسنگ ھینڈ لاہور ستمبر 2008 ص36)
562	(مسلم شریف ج1 ص174 عن قتادۃ رضی اللہ عنہ)
563	(ابن ماجہ ص61)
564	(المائدہ آیت نمبر 109)
565	(البیان)
566	(البیان)
567	(البیان)
568	(البیان)
569	(البیان)
570	(البیان)
571	(النساء آیت نمبر 82)

572	(البیان)
573	(میزان الاعتدال ج4 ص140)
574	(بخاری شریف ج1 ص449)
575	(بخاری شریف ج1 ص449)
576	(المؤمن آیت 60)
577	(تفسیر جلالین ص395 حاشیہ نمبر 7)
578	(ترمذی شریف ج2 ص126 وص175 ،ابوداؤد، ابن ماجہ ص280 ،نسائی، مشکوۃ ص194)
579	(تفسیر عثمانی ص791)
580	(ماھنامہ وفاق المدارس، ش7، جون 2013ء ص56)
581	(قرآن مجید مترجم محمد جوناگڑھی ص1642 مطبوعہ سعودی عرب)
582	(ہدیۃ المہدی ص56)
583	(رحمۃ للعلمین ج3 ص219)
584	(امداد السلوک ص201)
585	(فیض الباری شرح بخاری ج1 ص251)
586	(تحذیر الناس ص17)
587	(القول السدید فی حکم یزید ص9)